اس دل میں بسے ہو تم
انعم خان
kitaabghar.com

اس دل میں بسے ہو تم

انعم خان

بارش ابھی ہی رکی تھی، موسم بے حد خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی ہوا متواتر چل رہی تھی، بارش کے بعد اٹھتی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو سانسوں میں شامل ہو کر بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

ٹھیک آٹھ سال پہلے......

بالکل یہی ماحول، یہی فضا تھی مگر تب ان کی آنکھوں میں اداسی تھی، بچھڑ جانے کا ملال تھا، دوستی جیسے مخلص مضبوط رشتے میں ان چار سہیلیوں کے حساس جذبات سے مزین دل چار سالہ رفاقت کے بعد لمبی جدائی کے تصور سے ملول و رنجور تھے، تب خوشگوار موسم سے بکھرتے زندگی کے حسین رنگ، معطر ہوائیں، خوبصورت فضائیں، انہیں اپنے طلسماتی سحر میں مقید نہ کر سکیں۔ اور اس وقت......

آٹھ سال بعد قدرت دوبارہ انہیں اسی جگہ لے آئی تھی مگر آج ان کی آنکھوں میں اداسی کی جگہ عجب دیدنی خوشی و مسرت کے رنگ رقصاں تھے۔

''لیکن ایک بات ہے......'' ابھی فی الوقت تین دوستیں ہی اکٹھی ہوئی تھیں، ان کے گروپ کی جان، سب سے پیاری، معصوم سہیلی ابھی تک نہیں پہنچی تھی، باتوں قہقہوں کے درمیان سانولی مگر پرکشش معطر فاطمہ سنجیدہ ہوئی۔

''وہ کیا......؟'' ردعدن نے اپنی خوبصورت آواز میں مختصراً پوچھا۔

''آٹھ سال میں ہم بھلے جن حالات سے بھی گزرے ہوں لیکن پھر میرا نہیں خیال کہ اس عرصے میں ہماری دوستی میں کوئی بھی فرق آیا ہو، اگر ہم آج بھی کسی ویرانے میں مل بیٹھیں تو محفل سج جائے گی۔'' وہ بڑے جذب انداز میں بولی۔

''خزاں میں بہار آجائے گی۔'' مستبشرہ جمال نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالنا لازم سمجھا فوراً بولی، جبھی تینوں نے فضا میں قہقہہ بلند کیا۔

ردعدن نے مشاورت کے بعد لنچ کا آرڈر دیا کہ جب تک ان کی چوتھی سہیلی نے بھی آجانا تھا۔ وہ تینوں ہلکی پھلکی گفتگو میں مصروف تھیں، اب تک ان میں سے کسی نے بھی اپنی ماضی کی کتاب کو نہ کھولا نہ اوراق پلٹے، ان چاروں کے درمیان طے یہ پایا تھا کہ جب تک ان کا گروپ پورا نہ ہوگا جبھی وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی زندگیوں میں گزرے آٹھ سال کے نشیب و فراز سے آگاہ کریں گی۔

''یار! تم لوگوں سے ملنے کی مجھے اتنی خوشی تھی کہ میں نے اپنا موبائل آف کیا وارڈ روب میں رکھا، شوہر کو مطلع کیا، بچوں کو ان کی دادی کے حوالے کیا اور چلی آئی تاکہ کوئی ڈسٹرب نہ کر سکے اور کہہ دیا شام کو ہی واپس آؤں گی تاکہ آج تم سب کے ساتھ بھرپور دن گزار سکوں۔'' ردعدن مسکراتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگی، دوستوں سے اتنے عرصے بعد ملنے کی یہ سہانی رت اسے مسرور کئے دے رہی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہا...... میں نے بھی آج اپنی تمام تر مصروفیات کو سرے سے ترک کیا گھر میں بتایا اور چلی آئی۔'' معطر بھی خاموش

نہ رہی۔ جبھی سنجیدہ سی مستبشرہ جمال کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ بکھری۔

''تم کچھ نہیں کہو گی مستبشرہ۔'' عدن نے اس کی خاموش نگاہوں کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ایک انتہائی ذمے دار عہدے کو آج پہلی مرتبہ آج میں غیر ضروری تصور کرتے ہوئے تم لوگوں کے سامنے ہوں......مطلب تم سے زیادہ میرے نزدیک دنیا کی کوئی دوسری شے اہمیت نہیں رکھتی اور اس وقت میں اپنی موجودہ کیفیت کو الفاظ نہیں دے سکتی کہ یہ میرے لئے ناممکن ہے۔'' وہ اپنی سابقہ طبیعت کے برعکس بڑے تحمل و نرم لہجے میں بولی جسے معطر نے فوراً محسوس کیا۔

''برا مت ماننا مگر تم پہلے سی نہیں رہی، بہت بدلاؤ آ گیا ہے تمہارے رویئے، لہجے، انداز و بیان میں...... کیوں......؟'' عدن اسے غور سے دیکھنے لگی۔

برا کیوں مانوں بھئی...... پاگل نہیں ہوں میں......شعور رکھتی ہوں جانتی ہوں سب۔'' وہ ہولے سے ہنسی۔

''مطلب......؟'' عدن اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''بتاؤں گی سب کچھ بتاؤں گی...... پہلے ماہی کو تو آنے دو۔'' وہ بتانے پر آمادہ تھی جبھی بولی۔

''ہاں......ہم کچھ زیادہ ہی بے صبرے ہو گئے ہیں۔'' وہ دونوں مسکرائیں۔

''مگر ماہی ابھی تک کیوں نہیں آئی، خاصی دیر ہو گئی ہے۔'' مستبشرہ نے ریسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔

''آتی ہی ہو گی، فون پر کہہ رہی تھی کہ شاید اسے آنے میں تھوڑا وقت لگے۔'' عدن نے انہیں مطلع کیا۔

''کیوں......؟''

''کہہ رہی تھی کہ مصروفیت زیادہ ہے۔'' وہ مختصراً بولی۔

''حیرت ہے...... پہلے تو وہ کبھی مصروفیت کی وجہ نہیں بتاتی تھی۔'' معطر سن کر محو حیرت تھی پھر مزید بولی۔

''جانے وقت نے اس کے یہاں کیا کیا کروٹیں بدلی ہوں گی۔'' آخر میں اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ تینوں گمبھیر خاموشی کے خول میں کئی پل سمٹ کر رہ گئیں جبھی ان کی سماعتوں سے قدموں کی چاپ ٹکرائی جو بالکل ان کے قریب آ کر تھمی، تینوں نے بیک وقت گردنیں اوپر اٹھائیں، سامنے کھڑے وجود کے نقوش کو بھرپور دیکھا جس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ کھل رہی تھی مگر یہ مسکراہٹ پہلے سی نہیں تھی، وہ تینوں دنگ کی دنگ رہ گئیں۔ سامنے ان کی دوست ان کی سہیلی ان کے گروپ کی جان مہ روش کھڑی تھی مگر سر سے لے کر پیر تک بدلی ہوئی۔

ڈھیلے ڈھالے کپڑے جو اسے ہمیشہ اپنی شخصیت کے خلاف لگتے تھے اس نے زیب تن کئے ہوئے تھے، اس کے سلکی بالوں میں آٹھ سال پہلے والی چمک تھی نہ خوبصورتی، اس کی رنگت آج بھی سرخ و سفید تھی مگر تازگی و شائستگی کے رنگوں سے خالی اور اس کی جھیل سی گہری طلسماتی آنکھیں خالی پن اور اداسی کا راگ آلاپ رہی تھیں، بالکل مرجھائی مرجھائی سی تھکی ہوئی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بوریت کا

احساس دلاتے مہ روش کے بدلاؤ کے آئینہ دار معلوم ہو رہے تھے۔

کبھی اس کی یہی آنکھیں جھیل سے زیادہ خوبصورتی و گہرائی اپنے اندر سموئے اسے سب سے جدا و مغرور بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی تھیں مگر آج اپنی بولی پر خاموشی کی مہر ثبت کیئے ہوئے کسی بھی شوخی و شرارت سے ماوراان نینوں پر ساکت تھیں۔ حقیقتاً مہ روش بدل گئی تھی، اس میں پہلی والی کوئی بات اب باقی نہیں نظر آئی، وہ تینوں منہ کھولے دم سادھے نگاہیں مہ روش پر ٹکائے اپنی اپنی جگہوں سے اٹھیں۔

''ماہی! یہ تم ہو......؟'' باری باری اس کے گلے ملتے ہوئے وہ متعجب لہجے میں اس سے استفسار کرنے لگیں جبکہ کچھ ہی فاصلے پر کھڑی سات سالہ نایاب یہ منظر دیکھ کر کچھ نہ سمجھی۔

''ہوں میں ہی ہوں......یقین نہیں آ رہا ناں......؟'' وہ ہنسی۔ دوستوں کی آنکھوں میں اپنے لئے حیرت وہ پہلے ہی سے تصور کر چکی تھی سو بنا چونکے کہا پھر چاروں نے نشست سنبھالی۔

''نہیں......'' عدن کا لہجہ پہلے سے خوشگوار نہ رہا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

''کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی......؟'' معطر بھی شاکڈ تھی۔ مہ روش نے اب بھی کچھ نہ کہا۔

''کیوں ماہی......اتنا بدلاؤ کیوں اور کیسے......؟'' مستبشرہ اپنی جگہ گنگ تھی فکرمندی ان تینوں کے چہروں اور انداز میں صاف واضح تھی۔

''یہ سب باتیں بعد میں...... پہلے میں تم لوگوں سے ملنے کی خوشی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتی ہوں، گزرے دنوں کو پھر سے تازہ کرنا چاہتی ہوں، سو پلیز فی الحال تم سب اپنی حیرت کو گول کرو، نارمل روپ میں آؤ، جب تک میں تم لوگوں کو اپنی بہت پیاری ننھی منی راج دلاری بیٹی سے ملواتی ہوں۔'' اب کہ مہ روش اپنے نارمل لہجے کو بھرپور شوخ بنانے کی کوشش کرتی اپنے عقب میں دیکھنے لگی۔

''نایاب بیٹا! ادھر آؤ مما کے پاس۔'' پھر ہاتھ کے اشارے سے بیٹی کو بلایا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس آئی۔ باقی تینوں کی نظریں نایاب پر تھیں۔

''یہ ہے میری پیاری بیٹی نایاب مراد۔'' مہ روش نے بیٹی کا تعارف کروایا پھر باری باری تینوں سے ملوایا۔

''کتنی پیاری ہے نایاب۔'' معطر نے اسے بوسہ دیتے ہوئے فہمائشی انداز میں کہا۔

''بالکل گڑیا کی طرح۔'' عدن نے بھی اسے ساتھ لگایا، ماہی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''یہ تو بالکل تمہاری کاپی ہے ماہی......خوبصورت بہت پیاری، ہو بہو تمہاری شکل لی ہے اس نے۔'' مستبشرہ نے نایاب کو پیار کیا، اس کے سرخ و سفید نرم و نازک روئی جیسے گالوں پر پیار کیا اور ساتھ ہی کہا۔ تو اس نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''ایک ہی بیٹی ہے تمہاری......؟'' معطر نے پوچھا۔

''نہیں تین ہیں...... یہ ضد کر رہی تھی میرے بغیر تنگ ہوتی ہے سو اسے ساتھ لے آئی باقی دو کو پھپھو کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں بہت شرارتی ہیں وہ دونوں۔'' مہ روش نے مسکراتے ہوئے بتایا، ساتھ ہی نایاب کو دیکھا جسے مستبشرہ نے اپنی گود میں اٹھا لیا تھا۔

''کیوں...... ہماری ماہی پارٹ ٹو شرارت نہیں کرتی کیا......؟'' عدن نے پوچھا۔

''بہت زیادہ نہیں، اریبہ اور شانزے کے برعکس بہت کم شرارتیں کرتی ہے بلکہ اسکول، ہوم ورک، مدرسہ اور میں۔ یہی اس کی دنیا ہے، میری طرح بہت حساس ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی ہی دنیا میں مگن رہتی ہے، نہ زیادہ بولتی ہے نہ زیادہ تنگ کرتی ہے، بہت معصوم ہے میری نایاب۔'' وہ بتانے لگی۔

''تمہاری طرح...... مذاق مت کرو مہ روش۔'' معطر بے یقین سی ہوئی۔

''اور اگر یاد نہ ہو تو میں بتلا دیتی ہوں، ہم چاروں میں سے سب سے زیادہ شرارتی تم تھی، ہر ایک کو تنگ کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی، اپنی حرکتوں سے زمین سر پر اٹھا لیتی تھی، کچھ یاد آیا......؟'' عدن نے بھی اپنی حیرانگی کو زبان دی۔ اسے ماضی کی جھلک دکھلائی چند پل جسے سن کر وہ خاموش رہی، وہ تینوں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''میں پہلے کی نہیں، اب کی بات کر رہی ہوں عدن۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''مطلب......؟''

''آٹھ سال پہلے والی مہ روش اب بالکل بدل چکی ہے، وقت نے بدل دیا ہے مجھے، میری تمام شوخی شرارت تو کب سے اپنا وجود کھو چکی ہے اور اس وقت جو مہ روش تم سب کے درمیان ہے وہ تم سب کی ماہی نہیں بلکہ مہ روش مراد ہے جو پہلے سے بالکل متضاد، حقیقت کی کڑوی سچائی اور زندگی کی آزمائش میں گری بس سانس لے رہی ہے جس کے نہ کوئی سپنے ہیں نہ خواب...... جس نے برسوں پہلے اپنے لئے جینا چھوڑ دیا تھا اور اب اگر جی رہی ہے تو صرف اپنی بچیوں کے لئے......'' بولتے بولتے ضبط شدت سے اس کی آنکھ بھر آئی تھی، آواز و انداز میں بھی دکھ کی لہر تھی جسے باقی تینوں واضح محسوس کرتے ہوئے اگلے کئی لمحے ملول و اداس خاموشی کے خول میں قید رہیں، مہ روش نے انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں صاف کیں۔

''سوری فرینڈز...... میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئی تھی۔'' پھر زبردستی کی پھیکی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے معذرت خواہ لہجے میں بولی۔ کوئی کچھ نہ بولی کہ شاید فی الوقت ماہی ان کے سوالوں کے جواب نہ دے سکے گی۔ فضا بھی سوگوار ہو چکی تھی۔

''تم سب اپنی سناؤ......؟'' مہ روش نے ماحول کی افسردگی و خاموشی کو رفع کرنے کے لئے موضوع بدلا۔ وہ تینوں اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''تم واقعی بدل گئی ہو ماہی۔'' معطر حیران تھی اس کی باتوں، اس کے انداز، اس کی برداشت پر مختصراً کہا۔ کہ فی الفور کوئی بھی گہرائی میں نہیں جانا چاہتی تھی کہ وہ سب بعد کے لئے اٹھا رکھا گیا تھا۔

''وقت انسان کو بدل دیتا ہے معطر......لیکن تم نہیں بدلیں۔''

''میں بھی نہیں بدلی......لیکن یہ محترمہ ضرور بدل گئی ہیں۔'' ردعدن نے بھی کہتے ہوئے مستبشرہ کی طرف اشارہ کیا جو نایاب کے ساتھ محو گفتگو تھی۔

''اچھا جی......مگر کیوں اور کیسے......؟'' ماہی نے اپنی بھرپور توجہ ظاہر کی۔

''فی الحال صرف اتنا کہوں گی کہ......واقعی وقت انسان کی ذات، سوچ و عادات، رویئے حتیٰ کہ جذبات تک کو بدل دیتا ہے، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے، میں بدلنا نہیں چاہتی تھی مگر بدل گئی، سر سے پیر تک، دل سے جذبات تک، سوچ سے عمل تک، تم نے ٹھیک کہا ماہی وقت واقعی انسان کو بدل دیتا ہے۔'' وہ ماضی کے برعکس اس لمحے انتہائی سنجیدگی سے بولی، مہ روش نے اسے غور سے دیکھا، وہ واقعی چینج ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں ٹھہراؤ، چہرے پر سنجیدگی، لب و لہجے، انداز و بیان میں سابقہ چمک شوخی و تیزی کے بجائے شائستگی و نرمی تھی، اس کے بال جو وہ ہمیشہ کسی بھی قید سے آزاد کئے، ہوا کے دوش پر بکھرنے اڑنے دیتی، آج بہت نفاست سے چٹیا کی شکل اختیار کئے اس کی سوبر شخصیت میں اضافے کا باعث بن رہے تھے اور اب اس کے چہرے پر ایک اور اضافہ گلاسز کی صورت میں ہوا تھا، جو ماہی پہلی نظر میں پوائنٹ آؤٹ نہ کر پائی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو ماہی......؟'' مستبشرہ نے اسے خود پر نظریں گاڑے دیکھ کر ہوش کی دنیا میں واپس لانا چاہا۔

''یہی کہ گلاسز میں بھی تم ایک دم پرفیکٹ لگتی ہو۔'' وہ صاف گوئی سے بولی جواباً اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ جبھی مہ روش نے بات بدلی۔

''خیر......میں تو مکمل ہاؤس وائف کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں، تم سب اپنے اپنے بارے میں بتاؤ، کیا کرتی رہتی ہو، کیا ایکٹیویٹیز ہیں تم سب کی......؟''

''میں اور میرے ہسبنڈ اللہ کے فضل و کرم سے اپنا بزنس چلا رہے ہیں۔'' سب سے پہلے معطر نے بتایا۔

''اور میں اپنے دو عدد بچوں کے ساتھ اپنے شوہر کو ہر وقت تنگ کرنے کے علاوہ ایک اچھی بہو ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی گھر والی کی طرح گھر بار سنبھالتی ہوں کبھی کبھار فیملی کے ساتھ آؤٹنگ پر چلی جاتی ہوں، کبھی میکے، کبھی یہاں اور کبھی وہاں۔'' عدن نے خاصی تفصیل سے جواب دیا۔

''واؤ......تم دونوں تو بہت لکی ہو......اور مستبشرہ تم......؟'' ماہی نے اس کو خاموش دیکھا اور اسے خود ہی مخاطب کیا۔

''اپنے ذاتی اسکول میں پرنسپل کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں۔''اس نے سنجیدگی سے مختصراً بتایا۔

''ویری ٹف جاب...... بہت بڑی ذمے داری اٹھا رکھی ہے تم نے اپنے کندھوں پر، میری بیسٹ وشز تمہارے ساتھ رہیں گی لیکن تم نے بتایا نہیں اپنے گھر شوہر بچوں وغیرہ کے متعلق۔'' کہتے ہوئے اس نے پوچھا، مستبشرہ نے ایک گہری سانس خارج کی، دھیرے سے لبوں کو جنبش دی۔

''میں نے شادی نہیں کی اب تک۔''اور نا قابل یقین انکشاف کیا۔

''کیوں......؟'' جب ہی وہ تینوں بیک وقت حیرانگی سے بولیں۔

''ہے ایک وجہ......لیکن بعد میں بتاؤں گی۔'' وہ ویٹر کو آتا دیکھ کر آہستگی سے بولی، باقی تینوں فی الحال خاموش رہیں، جب تک ویٹر کھانا سرو کر کے چلا گیا تھا۔

اس مرتبہ کوئی کچھ نہ بولی لیکن سب کے دل و ذہن میں ایک دوسرے سے متعلق سوالات اور فکر تھی، آٹھ سال بعد وہ چاروں اکٹھی ہوئی تھیں جس سے ماحول کی خوشگواریت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ مہ روش نے نایاب کو اپنی گود میں اٹھالیا، پھر وہ سب ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران کھانا کھانے لگیں۔

☆......☆......☆

''کیا کہا تم نے معطر......؟'' ماہی کی چیخ بے ساختہ تھی۔

''وہی جو تم نے سنا۔'' جس پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''اچھا وہی جو ہم نے سنا......'' مستبشرہ نے مصنوعی غصے سے دانت چبائے اور قدم پیچھے ہٹاتی معطر کی طرف بڑھائیے۔

''گھنی میسنی...... اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔'' ردعدن کا گلہ بھی بجا تھا، سو خاموش کیوں رہتی، بپھری ہوئی شیرنی کی مانند غرائی اور اس کے پیچھے ہو لی۔

''اب تو بتا دیا ہے ناں......؟'' اور وہ تینوں اطراف سے متوقع حملے کے پیش نظر بھاگنے کی تیاری میں نظر آئی لیکن بھاگنے سے پہلے آرام سے جواب دیا۔

''اب بھی نہ بتاتی۔'' وہ تینوں گویا ناراضی ظاہر کرتیں دھیرے سے اس کی جانب بڑھیں اور اس سے پہلے کہ وہ بھاگنے میں کامیاب ہوتیں، درعدن نے کمال ہوشیاری سے اس کے بازو پر اپنی گرفت جمائی، جب ہی مہ روش نے بازو چڑھائے اور مستبشرہ نے سائیڈ پر پڑی کتاب اٹھالی۔

پھر کیا تھا، وہ تینوں اور معطر فاطمہ کی نازک سی جان، خوب دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ چاروں یونیورسٹی کے خوبصورت لان

میں ڈھیر ہوئیں، صد شکر کہ وہاں اس وقت کوئی نہ تھا ورنہ ان چاروں کی پاگلوں والی لڑائی ملاحظہ فرما کر انہیں پاگل خانے جانے کی صلاح ضرور دیتا۔

''نام کیا ہے تمہارے ہونے والے منگیتر کا......؟'' عدن نے بیٹھتے ہی استفسار کیا۔

''شایان بخاری۔'' نام بتاتے ہوئے وہ کچھ شرمائی۔

''اوئے ہوئے...... میری مشرقی لاج سے گندھی سہیلی، کیا ادا سے نام بتایا ہے۔'' ماہی نے اس کی شرماہٹ پر باآواز بلند تبصرہ کیا۔ باقی دو نے اپنے قہقہوں سے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

''کرتے کیا ہیں تمہارے شایان بخاری......؟'' عدن کی طرف سے ایک اور سوال اٹھا۔

''اپنا بزنس ہے۔'' وہ مختصراً بولی۔

''ارے لڑکی...... یہ شایان تمہارے شایان شان بھی ہیں یا نہیں۔'' معطر فاطمہ سانولی ضرور تھی مگر جاذب اور پرکشش شخصیت کی مالک بھی تھی، اسی لئے مستبشرہ نے ذہن میں گھومتے سوال کو براہ راست اس تک پہنچایا۔

''ہوں...... بہت خوبصورت ہیں، پھپھو کہتی ہیں کہ چاند سورج کی جوڑی ہے ہماری۔'' وہ اب کہ اترا کر بولی۔

''تم بہت گھنی میسنی ہو معطر فاطمہ۔'' جس پر مہ روش نے اسے گھورا۔

''اچھا یہ بتاؤ محبت وحبت کا بھی کوئی چکر ہے یا ارینج......؟'' عدن نے ایک اور سوال پوچھا۔

''فی الحال تو ارینج ہے لیکن آگے یقیناً محبت وحبت کا چکر چل پڑے گا۔'' وہ بھی انہی کی دوست تھی سو اب مزید شرمائے بنا آنکھ دبا کر بولی۔

''اوئے ہوئے......'' جس پر وہ تینوں پرزور انداز میں مسکرائیں۔

''چلو پھر میری دوست اسی خوشی میں تمہاری طرف سے ابھی اور اسی وقت ہم تینوں کے لئے ٹریٹ...... آج بھوک بھی زوروں پر ہے۔'' مہ روش نے فوراً اس کی طرف سے سب فائنل کیا اور ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں مجھے بھی بہت بھوک لگی ہے۔'' عدن نے اس کا ساتھ دیا۔

''اور میرے پیٹ میں تو چوہے بلیوں کا میچ جانے کب سے جاری وساری ہے''۔ مستبشرہ بھی خاموش نہ رہی۔ سو معطر فاطمہ کے لئے انکار کا کوئی جواز نہ تھا۔

''چلو میری صدیوں کی بھوکی سہیلیوں! تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔'' سو وہ شاہی انداز اپناتی ان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ چاروں کینٹین میں لگی چیئرز پر بیٹھیں، بکس ٹیبل پر دھریں اور پھر معطر نے ان کی طرف دیکھا۔

''کیا کھاؤ گی تم سب......؟''

''اوم......اس خوشگوار موسم میں گرما گرم سموسے ٹھیک رہیں گے کیوں فرینڈز......؟'' ماہی نے سوچتے ہوئے باقی دو سے پوچھا۔

''بالکل......'' انہیں کوئی اعتراض کہاں تھا، جھٹ رضامندی دی۔

''لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔'' جب ہی معطر کے ذہن میں ایک خیال کوندا جسے وہ زبان پر لے آئی۔

''کیسی شرط......؟''

''یہی کہ میں سموسے منگواتی ہوں اور پھر تم تینوں کے درمیان کمپٹیشن ہو گا دیکھتے ہیں کس کو زیادہ بھوک لگی ہے کون زیادہ تیز ہے۔'' وہ بتانے لگی۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا، اشارے ہی اشارے میں حامی بھری پھر بیک وقت بولیں۔

''وی آر ریڈی۔'' تو معطر نے سموسوں کا آرڈر دیا۔ کچھ ہی دیر میں سموسے ان کے سامنے ٹیبل پر تھے اور معطر کی نظریں ریسٹ واچ پر، کچھ ہی دیر میں اس نے گو کی آواز بلند کی اور پھر کیا تھا، مقابلے کا آغاز بڑی تیزی سے ہوا، وہ تینوں اردگرد سے بالکل بے نیاز سموسوں کے ساتھ انصاف کر رہی تھیں جبھی درعدن کو زوردار اچھو لگا، سموسے ٹیبل پر رکھ کر کھانسنے لگی، نتیجتاً گال سرخ اور آنکھیں پانی سے بھر آئیں، معطر فکرمندی سے آگے بڑھی اور فوراً اسے پہلے پانی کا گلاس تھمایا، البتہ وہ دونوں ابھی تک مقابلہ جاری رکھے ہوئے تھیں کہ اچانک......

مستبشرہ کی نگاہ سامنے اٹھی تو وہ ساکت رہ گئی، اشتیاق سے بھرپور کچھ ہی فاصلے سے دو آنکھوں نے اسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا۔ یہ دو آنکھیں اس کے لئے انجان نہ تھیں اس کے سامنے وہی لڑکا موجود تھا جو پچھلے کئی ہفتوں سے مسلسل چھپ چھپ کر اسے دیکھتا اور جیسے ہی مستبشرہ کے نوٹس میں آتا فوراً وہاں سے رفو چکر ہو جاتا لیکن آج وہ بڑی محویت سے ان کے درمیان ہونے والے مقابلے کو ملاحظہ فرما رہا تھا۔ ایسے میں جب مستبشرہ کو اپنے چہرے پر اس کی آنکھوں کی تپش بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی تو ہاتھ میں پکڑا ہوا سموسہ ٹیبل پر رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ باقی تینوں نے اسے حیرانگی سے اٹھتے دیکھا مگر اس کا غصہ سوا نیزے پر تھا سو بنا سہیلیوں کی طرف دیکھے خونخوار انداز میں اس لڑکے کی طرف بڑھی جس پر لڑکے نے بوکھلا کر اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئے کتاب اٹھا کر بھاگنے کے تمام راستے مفقود ہو چکے تھے، اگلے دو سیکنڈ میں مستبشرہ جمال اس کے سر پر موجود تھی۔

''اے مسٹر......واٹ از یوئر پرابلم......؟'' سوکھا جانے والے انداز میں اسے مخاطب کیا۔ جواباً لڑکے نے آنکھ تک اوپر نہ اٹھائی کہ آج پکڑے جانے پر بری طرح پھنسا تھا۔

''میں تم سے بات کر رہی ہوں۔'' مستبشرہ نے اپنی فطرت کے عین مطابق بڑے جارحانہ انداز میں اس سے کتاب کھینچی جس پر وہ پہلو بدل کر رہ گیا مگر سامنے کھڑی دشمن کی آنکھوں میں دیکھ نہ سکا اور ٹس سے مس نہ ہوا، جس پر وہ تپ گئی۔

''اوہ ہیلو......بہرے ہو کیا......؟'' اب کے وہ تھوڑی طنزیہ لہجے میں چلائی جس پر اس کی تینوں سہیلیوں نے متعجب نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''کیوں دیدے پھاڑ کر دیکھے جا رہے تھے مجھے؟'' وہ اصل بات کی طرف آئی جبکہ سامنے سر جھکائے بیٹھا وہ لڑکا چاہ کر بھی اوپر نہ دیکھ سکا۔

''میں تو بس......'' البتہ اس مرتبہ لبوں کو ہلکی سی جنبش ضرور دی۔ مستبشرہ نے اس کی اس ادا پر مزید طیش میں آتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب اس کے سامنے میز پر پھینکی۔

''تم تو بس کیا...... مجھے تو تم مشکوک لگتے ہو، کتنے دنوں سے میں تمہیں نوٹ کر رہی ہوں لیکن تم باز نہیں آ رہے۔ چاہتے کیا ہو تم آخر......؟'' وہ تفتیشی انداز اپنائے کڑے تیوروں سے استفسار کر رہی تھی جبکہ وہ فرار کی تلاش میں تھا، سو فوراً کتاب اٹھاتا اٹھا اور بنا اسے دیکھے جانے لگا لیکن جانے سے قبل رکتے ہوئے اتنا ضرور بولا۔

''مجھے لگا تھا آپ جیت جاؤ گی مگر بلاوجہ کے غصے سے آپ ہار بیٹھیں ......اور اگر اس کے لئے میں ذمے دار ہوں تو پلیز میری خطا معاف کیجئے گا۔'' نہایت نرم و شیریں لب و لہجے میں کہتا وہ یہ جا وہ جا...... مستبشرہ نے غصے سے پیر پٹخا لیکن جیسے ہی ذہن میں اس کی بات پوری آب و تاب کے ساتھ گونجی سرعت سے پیچھے پلٹی، جہاں باقی تینوں کی متعجب و سوالیہ نگاہیں اس پر ٹکی تھیں، وہ ان کی طرف بڑھی۔

''کون تھا وہ......'' معطر نے لمحہ ضائع کئے بنا پوچھا۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' اس نے جواباً کندھے اچکائے۔

''پھر یہ سب جو ابھی ہوا......؟'' ماہی ہنوز حیرت میں مبتلا تھی۔

''جانے کتنے دنوں سے یہ لڑکا خاص مجھ پر نظریں رکھے ہوئے ہے اور آج تو ایسے دیدے پھاڑ کر دیکھے جا رہا تھا جیسے میں کوئی پاگل ہوں۔'' وہ بتانے لگی، موڈ بگڑ چکا تھا۔

''شاید اسے ایسا ہی لگا ہو۔'' معطر بولی۔

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکی۔

''سموسے کھاتے وقت تم واقعی پاگل لگ رہی تھی ڈیئر مستبشرہ جمال۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ مستبشرہ نے غصے سے اسے آنکھیں دکھائیں۔ معطر نے اس کے مصنوعی غصے پر سہمنے کی ایکٹنگ کی، درعدن کے لب مسکرائے۔

''ارے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارا کوئی عاشق دیوانہ ہو۔'' جبکہ ماہی نے اپنا ہی قیاس زبان پر لایا۔

''جی نہیں...... یہ نہیں ممکن۔'' جواباً اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں نہیں ممکن......ایسا ہو بھی سکتا ہے۔'' وہ تینوں شوخ ہوئیں۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' مستبشرہ نے انہیں گھورا۔

''کیوں......؟'' درعدن نے دوٹوک پوچھنا چاہا۔

''بس نہیں ہوسکتا اور اگر ہو بھی تو پرواہ نہیں......پلیز لیو دز ٹاپک......'' اب کہ وہ صاف قطعیت سے کہتی بات بدل گئی۔

''اوکے۔ بٹ فار یوئر کائنڈ انفارمیشن......مہ روش سعید از دی ونر'' ماہی نے بھی بات بدلی اور یاد آنے پر با آواز بلند کہا۔عدن اچھو لگنے کی وجہ سے رہ گئی تھی اور مستبشرہ اس لڑکے کی وجہ سے،سو جیت اس کے حصے میں آئی، مستبشرہ نے دل ہی دل میں اس لڑکے کو کوسا اور اپنا موڈ درست کیا، پھر کافی دیر تک وہ چاروں کینٹین میں محفل جمائے باتیں کرتی رہیں۔

☆......☆......☆

اسلام آباد کی سب سے بڑی اور مشہور یونیورسٹی میں وہ چاروں پہلی مرتبہ تین سال پہلے ملی تھیں معطر فاطمہ، اسلام آباد کی ہی رہائشی تھی، سانولی رنگت، پرکشش شخصیت، چہرے پر اپنائیت کے ہزاروں رنگ اور آنکھوں میں الوہی چمک، لائق ذہین، خوب سیرت، زندگی میں ہر آزمائش کے باوجود کسی بھی نخرے سے ماورا اپنی ذات سے مطمئن تھی۔ درعدن تھی تو کراچی سے مگر والدین کی وفات کے بعد چھوٹے بھائی سمیت چاچو کی فیملی کے پاس اسلام آباد چلی آئی، پھر چاچو نے اس کا شوق دیکھتے ہوئے اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوایا، جہاں اس کی ملاقات معطر سے ہوئی تو درعدن کا دوستانہ لہجہ وشوخ باتیں اور معطر کی سادگی سے مزین خوبصورت باتیں واپنائیت بھرا انداز دونوں کے درمیان دوستی کی بنیاد بنا کر ایک دوسرے کے قریب لایا۔ مستبشرہ جمال......پڑھنے کی لگن میں ملتان سے اسلام آباد آ پہنچی، سرخ وسفید رنگت، گھڑی ناک، خوبصورت آنکھیں اپنے بھرپور طلسماتی سحر سے اسے مغرور ظاہر کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھتیں، سلکی لمبے کالے بال جنہیں وہ ہمیشہ کسی بھی قید سے آزاد رکھتی تھی، اس کی شخصیت کو مزید پرکشش بناتے اور دیکھنے میں وہ جتنی مغرور لگتی، اصل میں اتنی ہی تکبر سے خالی تھی مگر غصے کی تیز تھی، اصول اور بات کی پکی اس کے بابا پڑھائی کے خلاف تھے مگر بیٹی کا شوق دیکھتے ہوئے راضی ہو گئے مگر مستبشرہ سے شرطیہ وعدہ لیا کہ وہ ان کی عزت پر حرف نہ آنے دے گی، سو اپنے بھرپور عزم کے ساتھ وہ اسلام آباد آئی کہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھائے گی جس سے اس کے والدین کی عزت پر سوالیہ نشان کھڑا ہو، مطلب عشق محبت کے چکروں سے دور......سو ہوسٹل میں رہائش مقرر پائی، یونیورسٹی میں اس کی ملاقات معطر اور عدن سے ہوئی، اسی دوران ایک لڑکی کلاسز کا پوچھنے ان کے نزدیک آئی اور اس طرح ان کا گروپ مکمل ہوا۔ مہ روش سعید لاہور سے تھی، سرخ وسفید مگر شائستگی وتازگی سے مزین رنگ، خوبصورت نین نقوش......آنکھیں جھیل سی گہری اور چمک دار، زندگی کے رنگوں کا پرتو، شوخی وشرارت کی آئینہ دار تھیں، اپنائیت بھرا لب ولہجہ، انداز وبیاں اسے ان تینوں سے جوڑ گیا۔ وہ بے حد شرارتی اور باتونی تھی۔ پہننے اوڑھنے میں اپنی ہی کرتی، جدید لباس پہننا شوق تھا، سوڈھیلا ڈھالا لباس اسے اپنی شخصیت کے عین خلاف لگتا، وہ بھی دوسرے شہر سے تھی سو ہوسٹل میں رہائش اختیار کی اور حسن اتفاق......مستبشرہ اور مہ روش روم میٹ کی حیثیت سے دوبارہ ملیں، یوں ان چاروں کے درمیان دوستی کا جو رشتہ بنا وہ وقت سرکنے کے ساتھ ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا، تین سال انہوں نے بھرپور مزے کئے

گھومیں پھریں اور جب ان کے ساتھ کا چوتھا اور آخری سال تھا تب وہ زندگی کے ایک ایک لمحے کو دل سے انجوائے کرتیں کہ بیشک یہ وقت دوبارہ نہیں ملنے والا تھا۔

''آج میں سر خالد کا لیکچر آف کروں گی۔'' یونیورسٹی کے خوبصورت لان میں بیٹھتے ہوئے معطر نے با آواز بلند انہیں باخبر کیا۔

''کیوں بھئی......خیر تو ہے۔'' مستبشرہ نے ہاتھ میں پکڑے نوٹس سائیڈ پر کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''خیر ہی تو نہیں ہے۔'' یہ عدن تھی، جس نے معطر کے بجائے بڑے ڈرامائی انداز میں جواب دیا۔ معطر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب......؟'' مستبشرہ بھی حیران ہوئی۔

''تم نے سنا ہی ہوگا کہ عشق انسان کو نکما کر دیتا ہے، یہاں بھی یہ ہی قصہ ہے۔'' وہ ایک ادا سے بولی، سب اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''مطلب......؟'' ماہی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''مطلب یہ کہ جب سے شایان بخاری نے محترمہ معطر فاطمہ کے دل پر دستک دی ہے تب سے اس پر عشق کا بھوت سوار ہو چکا ہے۔ دل جذبات سمیت کسی اور لے پر دھڑکنے لگا ہے، اب خود ہی دیکھ لو پہلے کبھی اس نے لیکچرز بنک نہیں کئے لیکن ہمیں بھی روکا کرتی تھی جبکہ آج ایسا نہیں ہے۔'' عدن خاصی تفصیل سے کہے جا رہی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی کہ معطر نے اسے ٹوک دیا۔

''او ہیلو......فی الحال ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' پھر بولی۔

''تو ایسا کب ہوگا......؟'' ماہی لہجے میں شوخی لائی، ساتھ ہی رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''جب بھی ہوگا تم سب کو بتا دوں گی، اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں ہے مگر آج میں لیکچر اٹینڈ نہیں کروں گی۔''

''کوئی خاص وجہ......؟'' مستبشرہ نے بات بدلی۔

''ہے ایک بہت خاص وجہ۔'' وہ اب کہ مسکرائی۔

''ہمیں بھی بتاؤ......'' عدن نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''بتاؤں گی مگر تب، جب تم سب سر خالد کا پیریڈ اٹینڈ کر کے واپس آؤ گی، جب تک میں لائبریری سے کچھ بکس ایشو کرواتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بتانے لگی۔

''ابھی کیوں نہیں......؟'' ماہی کو بے تابی ہوئی۔

''کیوں کہ یہ سرپرائز ہے......'' کہتے ہی وہ مسکرائی پھر مزید بولی۔

''میں لائبریری جا رہی ہوں اور تم لوگ جاؤ کلاس اٹینڈ کرنے......اوکے بائے......'' کہتے ہی وہ چل دی باقی تینوں کلاس روم

کی جانب بڑھیں تو نظر کوریڈور سے گزرتے سر خالد پر پڑی جو کلاس روم کے بالکل قریب تھے تبھی ماہی نے ہانک بلند کی۔

''جلدی سے بھاگو، اگر تھوڑی سی بھی دیر مزید ہوئی تو عزت پکی ہے۔'' جس پر وہ تینوں ایک دوسرے سے تیز بھاگیں، نتیجتاً سر خالد کے ساتھ ساتھ ہی اندر داخل ہوئیں۔ شکر ہوا گیا کہ بچت ہو گئی مگر شاید وہ تینوں معطر کی سازش سے بالکل بے خبر تھیں جس کا ادراک انہیں تب ہوا جب اٹھائیس سالہ سر خالد نے نہایت سنجیدہ مگر بارعب و گمبھیر آواز میں پوری کلاس کو مخاطب کیا تھا۔

''اوکے اسٹوڈنٹس! ناؤ کلوز یوئر بکس اینڈ نوٹس۔'' جس پر ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف حیران پریشان ہو کر دیکھا۔

''میں نے کل آپ کو مطلع کر دیا تھا کہ آج کوئی لیکچر نہیں ہوگا کیونکہ آج ہم تمام پچھلے لیکچرز پر اوپن ڈسکشن کریں گے اور کوئی بہانہ نہیں چلے گا کہ کل آپ نے میری بات سنی تھی یا نہیں...... آپ میں سے ہر ایک باری باری سب لیکچرز پر ٹو دا پوائنٹ ڈسکشن کرے گا رائٹ۔'' سر خالد کا ایک ایک لفظ ان تینوں کی سماعتوں سے ہتھوڑے کی مانند ٹکرایا۔ انہوں نے کل بات تو سنی تھی سر خالد کی مگر توجہ نہ دی معطر کو البتہ یاد تھا اسی لئے سہولت سے پیریڈ بنک کر گئی لیکن باقی تینوں اس وقت بالکل تیاری نہ ہونے کے باعث شاکڈ سے انداز میں منہ کھولے بیٹھیں تھیں اور ساتھ ہی ساتھ دل ہی دل میں معطر کو خوب سنائے جا رہی تھیں۔ اس پر بڑا غصہ آیا تھا، کئی لڑکیاں اور لڑکے تیاری نہ ہونے کے باعث سر نیچے جھکا گئے اور جنہیں یاد تھا وہ بڑے اعتماد سے بیٹھے تھے۔

''مجھے نہیں یاد کہ میں کبھی ایسے اعتماد سے بیٹھوں گی۔'' ماہی نے سرسری انداز میں با اعتماد اسٹوڈنٹس پر نظر ڈالتے ہوئے سر جھکایا اور نہایت یاسیت بھری آس لئے سرگوشی کی، جسے سنتے ہی مستبشرہ بمشکل ہنسی روک پائی البتہ درعدن کنٹرول نہ کر سکی، سو کمرے میں چھائی گمبھیر خاموشی کو اس کے قہقہے نے توڑا جبھی سر خالد کی نظر اس پر پڑی۔

''اسٹینڈ اپ درعدن۔'' نتیجتاً وہ بری طرح پھنسی، سر خالد کی جانب سے پہلا قہر اس کا منتظر تھا وہ سلو موشن میں اٹھی۔

''جی سر۔'' اور دبی سی آواز نکالی جس پر تمام کلاس کھی کھی کرے بنا نہ رہ سکی۔

''کل والا لیکچر ڈسکس کریں، آپ کے پاس پانچ منٹ ہیں۔'' وہ ریسٹ واچ پر نظر دوڑاتے بولے، درعدن کو کچھ تیاری نہ تھی خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی پھر کیا تھا، سر خالد نے گھورتی نظروں سے اسے دیکھا پھر باری باری ان تمام کو کھڑا کیا جو سر جھکائے اپنے تئیں چھپنے کی کوشش کر رہے تھے، سر خالد نے تمام پیریڈ انہیں خوب سنائیں اور نہایت غصے سے وارننگ دیتے ہوئے اسٹاف روم کی جانب چل دیئے، آدھی کلاس اپنی عزت افزائی کے بعد نادم سی کلاس سے باہر نکلی، بعضوں کو پرواہ ہی نہ تھی سو بے فکر تھے جبکہ وہ تینوں کچھ شرمسار اور کچھ غصے سے معطر کی تلاش میں نکلیں جو جلد ہی انہیں نظر آئی اور انہیں دیکھتے ہی نہایت معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''ڈیئر فرینڈز! کیسا رہا سرپرائز...... یقیناً مجھے بہت مس کیا ہوگا کلاس روم میں۔'' ساتھ ہی آخر میں بھرپور ہنسی کے ساتھ انہیں مزید بتایا۔ وہ تینوں خطرناک عزائم کے ساتھ آگے بڑھیں، اسے پتہ تو تھا کہ شامت ہر حال میں پکی ہے لیکن پھر بھی بھاگی نہیں لہٰذا ان

تینوں نے ہاتھ کی صفائی کے علاوہ اسے خوب سنایا جس پر وہ مسکراتی رہی۔ دن ایسی بہت سی خوشگوار یادیں ان کے ذہن پر نقش کرتے گزرتے جا رہے تھے، وہ خوب شرارتیں کرتیں، ایک دوسرے کو تنگ کرتیں، ایک ایک لمحے کو زندگی سے بھرپور انداز میں گزارتیں۔

☆......☆......☆

درعدن اور معطر یونیورسٹی کے بعد گھر چلی جاتیں تھیں جبکہ ماہی اور مستبشرہ ہوسٹل میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مگن رہتیں، اپنی پرانی باتیں کرتیں، پڑھتیں، نوٹس بناتیں، ماہی مستبشرہ سے فرمائشی چائے بنواتی پھر بالکونی میں کھڑی ہو کر اسے اپنے سنگ کئے مزے سے پیتی، دونوں مل کر کمرے کی صفائی کرتیں، غرض سارا دن ہنسی مذاق میں یادگار گزارتیں۔

''کیا ہوا ہنس کیوں رہی ہو......؟'' تقریباً شام کے چھ بجے جب وہ دونوں اپنے روم میں باتوں میں مشغول تھیں، اچانک ماہی زیرلب مسکرائی تو مستبشرہ نے اسے ٹوکا۔

''کچھ خاص نہیں بس تمہاری بات بلکہ حرکت یاد آ گئی تھی۔'' ماہی نے بتایا۔

''کیسی حرکت......؟''

وہی جو اس دن تم سے کینٹین میں کی، سب کے درمیان اس بے چارے لڑکے کی چھکے چھڑوا دیئے اور وہ جواباً تم سے خوف زدہ کچھ کہہ بھی نہ سکا۔'' وہ مزے لے کر بولی، مستبشرہ مسکرائی۔

''اس کے لئے اچھا ہی تھا کہ کچھ نہیں بولا ورنہ یقین جانو اس کی چھچھوری حرکت پر میرے ہاتھ بھی چل سکتے تھے۔'' پھر سنجیدگی سے بولی۔

''یقیناً ویسے بھی تمہارے غصے سے بعید نہیں......تم کچھ بھی کر سکتی ہو۔''

''ہاں اور ایسے میں رعایت بھی نہیں، مجھے بالکل پسند نہیں کہ کوئی لڑکا آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھے بھی، اور وہ جسے تم نے بے چارہ کہا بڑا ہی ڈھیٹ ہے، منہ سے کچھ بولنے کی ہمت تو کر سکتا نہیں پر آنکھوں کو بھی ٹکانے سے باز نہیں آتا۔'' مستبشرہ کے لہجے میں ہنوز اس کے لئے غصے کی جھلک تھی۔

''وہ واقعی بے چارہ ہے مستبشرہ، جو تم اسے نظر آ گئیں، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں تم اس بے چارے کو مزید بے چارہ نہ بنا دو۔'' جس پر ماہی نے ہنستے شوخی سے کہا، مستبشرہ بھی مسکرائی۔ ماہی اٹھ کر دروازے تک آئی اور باہر دیکھا جہاں وارڈن اپنے سنجیدہ سے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

''جی میم۔'' مہروش نے سوالیہ انہیں دیکھا۔

''مستبشرہ کہاں ہے......؟'' جواباً وہ سپاٹ انداز میں استفسار کرنے لگیں۔

''اندر روم میں ہے وہ......میں بلاتی ہوں اسے۔'' اس نے بتایا ساتھ ہی گردن پیچھے گھمائی۔

''مستبشرہ! ادھر آؤ......'' جبھی وہ دروازے کے قریب آئی۔

"جی میم......" سوالیہ نظروں سے وارڈن کو دیکھا۔

"آپ کے گھر سے فون ہے......میں ہولڈ پر رکھ کے آئی ہوں جا کے سن لیں۔" وارڈن نے مطلع کیا پھر چلی گئیں۔

"ماہی......میں فون سن کر آتی ہوں۔" تو وہ مہ روش سے کہتی فون اسٹینڈ کی طرف چل دی۔ پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"السلام علیکم۔" اور بڑے مؤدب لہجے میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......کیسی ہو مستبشرہ بیٹی......؟" دوسری جانب سے اس کے بابا سید جمال شاہ لائن پر تھے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بابا جان۔ آپ کیسے ہیں......؟ اماں کیسی ہیں......؟ احسان کیسا ہے......کیا کر رہا ہے آج کل وہ......؟" اس نے سب کے بارے میں ایک ہی سانس میں پوچھا تو سید جمال شاہ دھیرے سے مسکرائے۔

"اللہ کا کرم ہے بیٹی یہاں سب ٹھیک ہیں، تمہاری ماں تمہیں بڑا یاد کرتی ہیں اور احسان کا ویزا لگ گیا ہے، اگلے ہفتے انشاءاللہ وہ اسٹڈیز کے لئے کینیڈا چلا جائے گا۔" انہوں نے بتایا، احسان اس کا چھوٹا بھائی تھا۔

"یہ تو بہت اچھا ہے جب تک میں بھی آجاؤں گی دو تین دنوں کے لئے۔" وہ خوشی سے بولی۔

"ہاں بھئی......ویسے بھی بہت دن ہو گئے تم آئی نہیں۔" انہوں نے نارمل سے انداز میں شکوہ کیا۔ مستبشرہ جانتی تھی کہ سید جمال شاہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں تو تھوڑی نادم سی ہوئی۔

"بس بابا جان! اسٹڈیز کی وجہ سے نہ آسکی ورنہ دل تو بہت چاہتا ہے کہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں اور اس بار جب آؤں گی تو آپ سے احسان سے اماں سے خوب ڈھیر ساری باتیں کروں گی۔"

"ضرور بیٹا! اور تمہاری اسٹڈیز کیسی جا رہی ہے......؟" انہوں نے بات بدلی۔

"ایک دم پرفیکٹ۔" اس کے ذہن میں سر خالد والے پیریڈ کی یاد تازہ ہوئی تو مسکرا کر بولی پھر مزید بولی۔

"بابا جان! اماں کہاں ہیں......؟"

"یہیں قریب ہی ہیں، لو ان سے بات کرو۔" جمال شاہ نے اپنی بیگم کو فون تھمایا۔ سلام دعا کے بعد کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں اور آخر میں اجازت لینے سے قبل اماں اسے ہدایت نامہ جاری کرنا نہ بھولیں۔

"اوکے اماں جانی! آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا......اللہ حافظ۔" اجازت لیتی وہ ریسیور رکھ کر واپس پلٹ آئی۔ اماں بابا سے بات کرنے کے بعد اسے ہمیشہ عجب سا سکون ملتا تھا کمرے میں آئی تو مہ روش بکس سیٹ کر کر رہی تھی۔

"گھر سے فون تھا......؟" اسے آتا دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی اس نے کھلتے چہرے کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"کیسے ہیں سب گھر والے......؟" وہ پوچھنے لگی۔

''سب ٹھیک ہیں......اگلے ہفتے احسان اسٹڈیز کے لئے کینیڈا جارہا ہے، سوچتی ہوں میں بھی تین چار دنوں کے لئے چلی جاؤں پھر جانے کب دوبارہ ملیں۔'' وہ بتانے لگی۔

''ہاں بھئی ضرور جاؤ، ہمارے بھی مزے ہو جائیں گے۔'' ماہی خوش ہوئی۔

''کیسے مزے......؟''

''بھئی ظاہری بات ہے جب تم واپس آؤ گی تو اخلاقاً خالی ہاتھ نہیں آؤ گی، ہمیشہ کی طرح ہم سب کا فیورٹ ملتانی حلوہ ساتھ لاؤ گی، ملتانی حلوہ ہو اور مزا نہ ہو ایسا ممکن نہیں۔'' وہ خاصی تفصیل سے بولی۔

''پاگل۔'' مستبشرہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی تائید کی۔

☆......☆......☆

سر خالد کا غصہ درعدن پر کچھ زیادہ ہی اثر کر گیا تھا جو آج وہ خوب ٹہل ٹہل کر اپنے تئیں بڑے غور سے نوٹس پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ معطر آج لیو پر تھی۔ ماہی فارغ بیٹھی ہاتھ کے ناخنوں سے یونیورسٹی کے خوبصورت سرسبز لان پر نقشے بنانے میں مگن تھی جبکہ مستبشرہ کتابوں میں سر کھپائے بیٹھی تھی، اس بات سے بالکل بے خبر کہ لان کے دوسرے کارنر میں لگے درخت کے پیچھے سے مسلسل وہ دو آنکھوں کے حصار میں ہے، وہ انجان تھی مگر......ان دو آنکھوں میں اس کے لئے بہت کچھ خاص تھا، یا شاید وہ انجان ہی رہنا چاہتی تھی کہ ایک وعدے نے اسے پچھلے تین سالوں سے اپنے آپ میں رہنے پر پابند کیا ہوا تھا، جو بھی تھا ایک بات ہمیشہ سے اس نے اپنے ذہن و دل پر لکھ لی کہ اگر وہ آگے بڑھنا چاہتی ہے تو اسے اپنا مان اپنے بابا اور خاندان کی عزت کا پاس رکھنا تھا، رکھنا ہے اور رکھنا ہوگا، وہ یونیورسٹی صرف پڑھنے آئی تھی اور صرف پڑھ رہی تھی۔ عشق محبت کی باتوں، چکروں سے وہ خود کو ابتداء ہی سے بچائے ہوئے تھی اور اب بھی وہ خود کو ایسی خاردار راہوں کا مسافر بننے سے روکنے کے عزم پر قائم تھی مگر وہ دو آنکھیں جو شروع سے اس کی گرویدہ ہو چکی تھیں اب اس خوبصورت نین نقش کی جھلک دیکھے بنا مرجھا سی جاتیں، ان دو آنکھوں میں مستبشرہ جمال کی ذات کو لے کر ہزاروں خواب سپنے تھے، پچھلے تین سالوں سے وہ دو آنکھیں مستبشرہ جمال کے ایک ایک عمل کو نوٹ کرتیں، اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا حتیٰ کہ پہننا اوڑھنا بھی......اور دھیرے دھیرے ان آنکھوں کے ساتھ اس کا دل اپنے تمام تر جذبات و احساسات کے ساتھ شدت اختیار کرنا چاہتا، پچھلے تین سال سے اختیار کی گئی خاموشی کو اب ختم کرنا چاہتا مگر مستبشرہ جمال کا غصے اور لیا دیا رویہ اس کے حوصلے کو پست کر دیتا۔ وہ اس ڈر سے اپنے جذبات کو زبان دینے سے گریز کرتا کہ کہیں انکار نہ ہو جائے کیونکہ مستبشرہ کا ایک انکار اس کے سپنوں کو دل جذبات سمیت کچل کر رکھ دیتا جو کہ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا، سو لبوں پر قفل ڈالے اسے دور سے ہی دیکھنے پر اکتفا کرتا۔

''بیٹھ جاؤ عدن۔ رٹا لگا کر اپنے ساتھ مجھے بھی پریشان کر رہی ہو۔'' ماہی باتونی تھی سو اسے اپنے سنگ کرنا چاہا، مستبشرہ کو اس لئے نہ

پکارا کہ وہ ملتان جانے سے قبل تمام نوٹس تیار کرنے کے موڈ میں تھی سو اس کی جانب سے منفی جواب کی توقع کے باعث اس نے عدن کو کہا۔

''یہاں بیٹھ جاؤں ......اور سر خالد کے پیریڈ میں، پھر سب سے پہلے کھڑی ہو جاؤں۔'' وہ طنزیہ بولی کہ اس دن واقعی سب سے پہلے اٹھنے پر اسے شرمندگی ہوئی تھی۔

''ویسے اس دن غلطی تمہاری تھی، نہ اونچا قہقہہ لگاتیں نہ پھنستیں۔'' ماہی نے مسکراتے ہوئے اسے باور کرایا۔

''اچھا میری غلطی تھی۔'' عدن اسی کے قریب آ بیٹھی، نوٹس سائیڈ پر رکھے ساتھ ہی مصنوعی حیرانگی سے بولی پھر مزید اضافہ کیا۔

''اور جو تم نے دکھیا آس بھری بات کہی تھی وہ سب کیا تھا۔''

''پتہ نہیں، شاید اچانک دل بھر آیا تھا۔'' وہ شوخی سے بولی اور ساتھ ہی مسکرائی۔ عدن نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ مستبشرہ بھی ان کی باتوں پر ہولے سے مسکرائی جبھی ماہی کی نظر غیر ارادی طور پر لان کے دوسرے کارنر پر گئی تو قدرے حیران ہوئی، اس دن والا لڑکا آج بھی بڑی محویت سے مستبشرہ پر نگاہیں جمائے آپ ہی آپ مسکرائے جا رہا تھا، ماہی نے پہلے عدن کو آنکھ سے اشارہ کیا پھر سر جھکاتے ہوئے اسے بتانے لگی۔

''مستبشرہ! فوراً نظر مت اٹھانا اور تھوڑی دیر بعد بالکل سامنے دیکھنا جہاں وہی کینٹین والا لڑکا جانے کتنی دیر سے تمہارے دیدار میں مصروف تم پر نظریں ٹکائے جانے اپنی کون سی آرزو پوری کر رہا ہے۔'' مستبشرہ کے کان اس کی بات پر کھڑے ہوئے تن بدن میں ایک دم غصے کی لہر اٹھی۔

''اکیلا ہے یا ساتھ میں کوئی اور بھی ہے۔'' پھر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''اکیلا ہے......اور بالکل عاشقوں کی طرح مسکرا مسکرا کر تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' درعدن نے بتایا، اسے مزید طیش آیا۔

''آج دیکھنا...... یہ میرے ہاتھوں کتنا پٹے گا۔'' وہ اسے زدو کوب کرنے کا فیصلہ کرتی دانت چبا کر بولی، ساتھ ہی پھرتی سے اٹھی اور بالکل سامنے دیکھا، لڑکا ہڑبڑا کر سیدھا ہوا اور جلد ہی اس کے خطرناک ارادے کو بھانپ بھی گیا، سو پہلے تو ارد گرد دیکھا پھر کرنٹ لگنے کے سے انداز میں اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا پل بھر میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مستبشرہ نے غصے سے اسے جاتے دیکھا، ماہی اور عدن لڑکے کے بھاگنے اور مستبشرہ کے فیصلے وخطرناک انداز میں مسکرائیں جبھی وہ واپس اپنی جگہ آن بیٹھی۔

''ایک مرتبہ میرے ہاتھ لگ جائے پھر دیکھنا۔'' بیٹھتے ہی غرائی۔

''تمہیں تو داد دینی چاہئے اپنی دہشت پر...... یہاں تم اٹھی نہیں اور وہاں وہ لڑکا ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔'' ماہی شرارت سے بولی۔

''ویسے پتہ نہیں بے چارے کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔'' عدن نے ناسمجھی ظاہر کی۔

''مسئلہ کوئی نہیں ہے......ایسے آوارہ مزاج بگڑے ہوئے امیر زادے اپنی گھٹیا خواہش اور نفس کی تسکین کے لئے ایسے اوچھے

ہتھکنڈے آزماتے ہیں، لڑکی پھنسی تو سو بسم اللہ ورنہ دوسری کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، سخت زہر لگتے ہیں مجھے ایسے دل پھینک قسم کے بندے......'' وہ دوٹوک کہتی آخر میں تنفر سے بولی۔

''لیکن اس لڑکے نے تو ابھی تک ایسی کوئی فضول حرکت نہیں کی کہ ہم اس کی ذات پر......'' عدن نے کچھ کہنا چاہا تبھی مستبشرہ اسے ٹوک گئی۔

''فضول حرکت......'' اور عدن کی بات پر حیرانگی ظاہر کی وہ دونوں چپ رہیں اس نے بات آگے بڑھائی۔

''کیا یہ فضول حرکت نہیں ہے کہ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے مجھے دیکھتا آ رہا ہے میں تنگ ہوتی ہوں عدن۔ ایسی باتوں اور حرکتوں سے، جن کا کوئی مقصد نہ ہو، وہ جو کوئی بھی ہے خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے اور مجھے بلاوجہ تنگ کر رہا ہے۔'' وہ ازحد سنجیدہ تھی۔

''تم اس کے بارے میں جو سوچ رکھتی ہو شاید وہ سچ ہو یا شاید پھر غلط......واقعی یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہے، وہ دل پھینک ہے یا نہیں، یہ تو میں نہیں جانتی لیکن شکل سے وہ ایک اچھے خاندان کا شریف لڑکا لگتا ہے۔'' عدن نے کہا تو ماہی بھی بولی۔

''ہاں......اور اگر وہ کوئی آوارہ مزاج یا بگڑا ہوا امیرزادہ ہوتا تو تم سے الٹی سیدھی باتیں کرتا، تم کو مختلف حربوں سے تنگ کرتا نہ کہ یوں دور سے دیکھتا۔'' جس پر مستبشرہ نے ان دونوں کو دیکھا۔

☆......☆......☆

''چلو میں اس کے کریکٹر کی بات نہیں کرتی لیکن تم سب تو جانتی ہو کہ میرے بابا نے مجھے کس شرط پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوایا ہے، ہمارے خاندان میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور میں نے اپنے بابا سے وعدہ کیا ہے کہ میں کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گی جس سے ان کی عزت پر حرف آئے یا ان کا مان ٹوٹے......میں یونیورسٹی میں محض پڑھنے آئی ہوں، عشق و محبت کے چکروں میں پڑنے نہیں اور وہ لڑکا مجھ سے ایسی کوئی امید رکھے ہوئے ہے تو میں کچھ نہیں کر سکتی، جہاں تین سال میں نے اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھایا ہے وہیں میں اب آخری سال بھی اپنی بات کا پاس رکھوں گی۔ انشاء اللہ۔'' وہ سنجیدگی سے پختہ عزم کے ساتھ بولی، اب کہ مہ روش اور درعدن کچھ نہ بولیں۔

☆......☆......☆

موسم بڑی خوشگواریت کے ساتھ بدلنے لگا اور وہ لڑکا ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر مستبشرہ جمال کے قریب جانا چاہتا مگر ہر مرتبہ ٹھکرائے جانے کا خوف اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیتا، وہ لاکھ اپنے دل کی بات کہنا چاہتا مگر کہہ نہ پاتا، کہ دل میں پلتے خوف سے ہونٹ بھی جنبش سے قاصر ہو جاتے، اسی دوران مستبشرہ جمال چار دنوں کے لئے ملتان چلی گئی، ساتھ ہی ساتھ اس کا سکون بھی لے گئی، وہ تو جیسے تڑپ اٹھا، مستبشرہ کی غیر موجودگی کے پہلے دن علی نے اسے ہر جگہ ڈھونڈا مگر وہ کہیں نہ دکھی تو اسے گہری افسردگی و مایوسی اٹھانی پڑی، معطر، مہ روش اور درعدن اس کے چہرے پر بکھرتے الجھتے تاثرات کو واضح محسوس کرتیں مگر اس کے لئے کچھ بھی

کرنے سے قاصر تھیں۔

''شاید یہ مستبشرہ سے محبت کرتا ہے۔'' معطر نے قیاس آرائی سے کام لیا۔

''ہاں......شاید ایسا ہی ہے۔'' عدن بھی اس سے متفق تھی۔

''اگر ایسا ہے تو......اس بے چارے کو بہت دکھ ملنے والا ہے کیونکہ ہم سب مستبشرہ کو اچھی طرح جانتے ہیں، وہ اپنی بات کی پکی اور والدین کی عزت پر جان قربان کر دینے والی لڑکی ہے، یہاں کسی سے محبت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ماہی خاصی تفصیل سے بولی، لہجے میں علی کے لئے ترس بھی تھا۔ پھر دوسرا دن آیا، علی کی متلاشی نگاہیں چہار سو بھٹکتی رہیں، وہ کوریڈور کی طرف گیا جہاں باقی تینوں گزر رہی تھیں لیکن وہ دشمن جان، زندگی کی پیامبر اسے کہیں نظر نہ آئی تو علی کی چمکدار آنکھوں میں مایوسی کی لہر ابھری اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا واپس پلٹ گیا۔

''میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ لڑکا کوئی فراڈ نہیں اس کی آنکھیں اس کی سچائی کی گواہ ہیں۔'' درعدن نے صاف لفظوں میں کہا۔

''ایسی سچائی جس کی مستبشرہ کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' ماہی نے سنجیدگی سے باور کرایا۔

''لیکن اگر محبت سچی اور بے لوث ہو تو دشوار سے دشوار راہ بھی سہل ہو جاتی ہے، سچی محبت اپنی اہمیت بنا لیتی ہے کیونکہ محبت بے مول نہیں ہوتی۔'' معطر فاطمہ نے بھی اپنا حصہ ڈالا، علی کے دل میں جو محبت پچھلے تین سالوں سے پروان چڑھ رہی تھی وہ ان دو دنوں میں شدت کی انتہا کو چھونے لگی، حقیقتاً محبت کا یہ یکطرفہ سفر اسے خاردار راہوں میں تڑپانے لگا، تیسرا دن اس کی بے چینی کو مزید اضافہ دیتے ہوئے اسے انہونی کے ڈر سے ستانے لگا، اس کا دوست عمر اس کی حالت سے باخبر اس کے لئے فکرمند سا تھا۔

''کہیں اس کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو۔'' وہ فکرمندی سے سوچنے لگا۔ دل ہی دل میں ارادہ کیا کہ اگر وہ کل بھی نظر نہ آئی تو وہ اس کی سہیلیوں سے پوچھے گا۔ کہتے ہیں محبت اگر سچی، بے لوث ہو تو جذبوں کی سچائی انسان کی سوچ عمل کو مثبت راہ پر ڈالے، بڑے سہل انداز میں اپنا سحر پھیلائے جاتی ہے، ہر طرف رنگ و خوشبو سے ہوائیں، فضائیں گنگنا اٹھتی ہیں، زندگی کے حسین لمحات کو خوشگواریت کے احساس سے تر کیئے، ارمانوں کی سیج پر تعبیر بخشتی ہے لیکن اگر یہی محبت بے چینی کی زد کا شکار ہو کر دل و ذہن میں انتشار پھیلائے تو انسان بڑی بری طرح متاثر ہوتا ہے، دکھ و یاسیت کے ساتھ تڑپتا دل بے قرار آنکھوں کی چمک کو ماند کر دیتا ہے، ایسا ہی کچھ علی کے ساتھ ہو رہا تھا، وہ خوبرو تھا، اچھے خاندان سے تھا، شکل و صورت بھی اچھی تھی مگر صرف ان تین دنوں میں کسی کی غیر موجودگی اسے خود سے بیگانہ کر گئی، مستبشرہ اس کی اولین و آخری محبت تھی، جسے اس نے ہر دعا میں مانگا، ہر حال میں چاہا، ان تین دنوں میں اسے بہت تڑپ محسوس ہوئی، مستبشرہ کی محض ایک جھلک نہ دیکھنے سے اس کی شخصیت پر بھی خاصا اثر پڑا، وہ بکھرا بکھرا سا اترے ہوئے چہرے پر بڑھی ہوئی شیو لیے ان تینوں کو بہت حیران کر گیا۔

''حالت تو دیکھو اس کی، کیسا بکھرا ہوا لگ رہا ہے۔'' آج چوتھا دن تھا، عدن نے اس پر نظر پڑتے ہی افسردگی وملول سے کہا۔

''شاید اسے ہی سچا پیار کہتے ہیں۔'' ماہی نے قدرے آہستگی سے کہا کیونکہ اب وہ تینوں کی طرف ہی آ رہا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اور کچھ ہی دیر میں ان کے پاس تھا۔

''وعلیکم السلام۔''

''مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں قدرے جھک کر بولا۔

''جی پوچھیں۔'' معطر نے گویا اس کو اجازت دی۔

''آپ کے ساتھ ایک اور لڑکی ہوتی تھی شاید آپ کی دوست ہے۔'' وہ کچھ ہچکچایا، اس طرح پوچھنا اسے اندر ہی اندر شرمندہ بھی کر رہا تھا مگر کیا کرتا دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔

''شاید نہیں یقیناً۔'' عدن نے درستگی کی۔

''جی تو پھر......'' ماہی نے استفسار کیا۔

''وہ پچھلے چار دنوں سے یونیورسٹی نہیں آ رہیں۔'' وہ بولا۔

''اطلاع کا شکریہ۔'' معطر کو شرارت سوجھی، چہرے پر مسکراہٹ لائی، مہ روش نے اسے گھورا، معطر نے فوراً دانت اندر کیے۔

''مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں......؟'' جبکہ عدن نے تفتیشی انداز اپناتے ہوئے جانتے بوجھتے سخت لہجے میں پوچھا۔

''وہ......وہ میں......دراصل میں......'' سوال پر علی گھبرایا، فی الوقت کوئی بات بھی نہ بن سکی، سو ہلکی سی کوشش کے بعد خاموش ہو گیا۔

''اوکے فائن......آپ کو جو کہنا ہے اسی سے کہیے گا، وہ ملتان گئی ہوئی ہے اپنے گھر، شاید کل واپس آ جائے، ہم اسے آپ کے بارے میں بتا دیں گے۔'' ماہی نے اسے تفصیلی بتایا۔

''نن......نہیں......'' وہ فوراً نفی میں سر ہلانے لگا۔

''کیا نہیں......؟'' معطر نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ اسے کچھ مت بتائیے گا۔'' وہ گھبرایا سو انہیں منع کرنے لگا کہ ہمیشہ سے دل میں رہنے والا خدشہ اسے خوف زدہ کر گیا تھا۔

''کیوں......؟'' عدن نے پوچھا۔

''بس مجھے ڈر لگتا ہے۔'' اب کے سچائی سے بولا۔

''کس سے......؟'' ماہی نے بغور اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں کچھ تلاشنا چاہا پھر توقف کے بعد کہتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی۔

''آپ کی دوست سے۔'' وہ بولا پھر اگلے کسی بھی سوال سے قبل انہیں بولنے کا موقع دیئے بغیر اپنی بات میں اضافہ کرنے لگا۔

''کیا میں آپ کی دوست کا نام جان سکتا ہوں۔'' ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ دیکھا، اثبات میں سر ہلا کر حامی بھری، جبھی ماہی بولی۔

''مستبشرہ جمال......اور آپ کا......؟'' ساتھ ہی اس کا نام بھی پوچھا۔

''علی......علی آیان حسن گیلانی، اینی ویز تھینک یو، آپ نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ورنہ میں بہت پریشان تھا۔'' کہتے ہی وہ چلا گیا۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ یہ کوئی آوارہ مزاج نہیں ہے، باتوں سے کافی سلجھا ہوا لگتا ہے اور یقیناً ہے بھی۔'' عدن نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......اور نام کتنا پیارا ہے اس کا۔'' معطر ستائشی نظروں سے بولی۔

''اب کل مستبشرہ آئے تو اسے بتائیں گے پھر وہ کیا فیصلہ سناتی ہے۔'' عدن بولی۔

''لیکن حقیقتاً میرا دل علی کے لئے دعا گو ہے کیونکہ اگر ایک مرتبہ انسان ٹھکرا دیا جائے تو تکلیف و درد ساری عمر کے لئے روگ بن جاتا ہے۔'' مہ روش آہستگی سے بولی۔ باقی دونوں اس سے متفق تھیں پھر وہ تینوں اپنی باتوں میں لگ گئیں۔

☆......☆......☆

''سنو مشارب شاہ۔'' عقب سے آتی آواز پر اس کے قدم اپنی جگہ رکے تھے، ساتھ ہی ہونٹ پھیل کر سکڑے تھے، اگلے لمحے پیچھے پلٹا تو نظر چچا زاد فلک شاہ پر پڑی جو بڑی عجلت میں کندھے سے لٹکتے بیگ کو سنبھالے سر پر دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔

''کہو مشارب شاہ کے سکون کی دشمن۔'' سو گھور کر اسے دیکھا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو۔'' جس کا ہمیشہ کی طرح اس نے اثر لیے بنا اسے وارن کیا۔

''اگر نہ کروں تو۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ فلک شاہ اس سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ مگر اس پر خوب رعب جماتی، دونوں کے درمیان دوستی بھی بہت تھی، سو مشارب کبھی اس کی بات کا برا نہ مانتا البتہ ہمیشہ اسے چڑانے کی تگ و دو کرتا، جس سے وہ چڑتی اور مشارب محظوظ ہوتا۔

''تو پھر تم یہ جو دانت باہر نکال رہے ہو ان سے محروم ہو جاؤ گے۔'' جبھی فلک نے تنک کر کہتے ہوئے اسے ڈرانا چاہا، وہ اور زور سے ہنسا۔

''دانت اندر کرو مشارب شاہ۔'' وہ تنگ آئی۔

''تمیز سے لڑکی...... بڑا ہوں تم سے۔''

''جانتی ہوں پورے پانچ سال بڑے ہو مجھ سے۔'' وہ چبا چبا کر بولی کہ مشارب سے بے تکلفی اس کی فطرت کا خاصا تھی۔

''آں ہاں...... پانچ سال اور 2 مہینے۔'' مشارب نے درستگی کی۔

''اتنا حساب رکھتے ہو تو گھنٹے، منٹس اور سیکنڈ بھی بتا دو۔'' جس پر وہ طنزیہ ہوئی۔

''پاگل ہو تم۔'' وہ ہنسا۔

''تم سے کم ہی ہوں۔'' وہ اتر آئی۔

''خوش فہمی ہے تمہاری۔'' وہ دوبدو بولا۔

''غلط فہمی ہے تمہاری۔'' فلک کہاں کم تھی برجستہ بولی۔

''تم سے بحث فضول......کیا کام تھا مجھ سے......؟'' وہ ہار مان گیا، اصل مقصد کی طرف آیا، سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم کہیں جا رہے تھے......؟'' فلک نے الٹا اس سے پوچھا۔

''ہاں......زہرہ پھپھو کی طرف جا رہا ہوں، آج احسان نے بھی کینیڈا چلا جانا ہے، اس سے بھی مل لوں گا اور مستبشرہ بھی آئی ہوئی ہے، پھپھو بھی گلہ کر رہی تھیں کہ کافی دن ہوئے میں ان کی طرف نہیں گیا۔'' مشارب نے اسے تفصیل بتائی۔

''تو کیا باقی سب گھر والے احسان سے ملنے نہیں جائیں گے؟'' فلک نے پوچھا۔

''جائیں گے مگر شام کو، میں ابھی جا رہا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''میں نے مارکیٹ جانا تھا تمہارے ساتھ۔'' جبھی وہ بولی۔

''کیوں کوئی ضروری کام ہے۔''

''کچھ بکس لینی تھیں۔''

''تو چلو میرے ساتھ......پہلے تم بکس لے لو پھر اس کے بعد دونوں ساتھ میں پھپھو کی طرف چلتے ہیں۔'' مشارب نے صلاح دی۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' فلک نے فوراً حامی بھری پھر امی کو پھپھو کے گھر جانے کا بتا کر مشارب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی، پہلے مارکیٹ گئی، مطلوبہ بکس لیں، پھر سید جمال شاہ کی حویلی کی طرف مشارب نے گاڑی دوڑائی، راستے بھر فلک نے اپنی فطرت کے عین مطابق اس کا خوب دماغ کھایا اور اس نے ہمیشہ کی طرح ہنستے چہرے اور خوشگوار موڈ میں فلک کو سنا۔ حویلی میں زہرہ پھپھو سمیت سب نے دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، دونوں ہی سب کو پیارے تھے سو گلہ بجا تھا۔

''اماں بتا رہی ہیں کہ تم بہت عرصے بعد ان سے ملنے آئے ہو۔'' مستبشرہ نے مشارب سے پوچھا۔

''میری تو بہت کوشش ہوتی ہے کہ پھپھو کی طرف چکر لگاتا رہوں مگر جاب لگنے کے بعد مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ مشکل سے ہی ٹائم ملتا ہے۔'' اس نے عذر پیش کیا۔

''چلو بھائی مشارب کے پاس تو ٹھوس وجہ ہے مگر جانتی ہو مستبشرہ تم جو فلک کو بہن کہتی ہو اور یونیورسٹی جاتے وقت اسے اماں کی دیکھ بھال کا کہہ کر گئی تھیں تو جناب فلک صاحبہ نے اس وقت صرف حامی بھری تھی عمل آج تک نہیں کیا۔'' احسان نے فلک کو پھنسانا چاہا،

مستبشرہ نے فلک کو دیکھا۔

''کیوں جی فلک صاحبہ......''

''جھوٹ بول رہا ہوں احسان۔'' جبکہ وہ کم نہ تھی۔

''توبہ کرو فلک۔'' احسان ہنسا۔

''پھپھو! آپ ہی بتائیں کہ کیا میں نے آپ کا خیال نہیں رکھا، مستبشرہ کے جانے کے بعد ہر دوسرے دن آپ کے پاس نہیں آتی تھی۔'' اب کے وہ پھپھو کی جانب مڑی۔

''فلک تو میری بیٹی ہے، اسے تنگ مت کرو۔'' زہرہ شاہ نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرائی، مستبشرہ بھی مسکرائی لیکن احسان کا اسے ستانے کا پکا موڈ تھا۔

''اماں جی! شاید آپ بھول رہی ہیں...... یہ پہلے شروع شروع میں آپ کے پاس آتی تھی لیکن دو تین مہینوں سے اپنی جان چھڑائے ہوئے ہے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''جی نہیں......'' وہ تڑاخ سے بولی، سب ہی اس کے مخصوص انداز پر محظوظ ہوئے۔

''اچھا پھر بتاؤ پچھلے دو ہفتوں میں تم نے ایک بھی چکر لگایا ہے......؟'' احسان نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

''نہیں تو پر......'' جبکہ اس مرتبہ وہ کچھ مدھم پڑی کہ واقعی وہ نہیں آسکی تھی۔

''پر کیا......؟'' فوراً احسان بول پڑا۔

''اس کی میرے پاس ٹھوس وجہ ہے۔'' بری طرح پھنسنے پر وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''کیا......؟'' وہ سوال پہ سوال کر رہا تھا۔

''عثمان اور تیمور تو چھوٹے ہیں، ابو بھی کم ہی گھر میں ہوتے ہیں، امی بھی زیادہ تر گھر میں ہی ہوتی ہیں، کہیں آتی جاتی کم ہی ہیں، پہلے تو میں مشارب کے ساتھ آجاتی تھی بلکہ ہر دوسرے دن آجاتی تھی لیکن جب سے مشارب کی جاب لگی جناب کے پاس وقت کم پڑنے لگا سو میں لاکھ چاہنے کے باوجود نہ آسکی، اتنے سارے جواز ہیں اور میں بالکل بے قصور سمجھے......'' یہ اس کی فطرت تھی، بے ساختہ انداز تھا، سو خاصی تفصیل سے بولی، آخر میں احسان شاہ سے بچوں کی طرح مخاطب ہوئی وہ سب سمیت فلک کی بات و جواز پر مسکرایا۔

''یہ واقعی پاگل ہے پھپھو۔'' مشارب بولا۔

''مشارب شاہ۔'' فلک نے اسے گھورا۔

''باتوں میں تم سے کوئی نہیں جیت سکتا فلک!'' مستبشرہ نے کہا۔

''شاید اس لئے کہ یہ ہارنا نہیں چاہتی۔'' احسان نے اس کے سر پر چپت رسید کی، وہ بھی فلک کو بہن سمجھتا تھا۔

''اچھی بات ہے، سوچ پختہ اور عزم بلند ہو تو ہارنا ناممکن ہوتا ہے اور اپنی فلک انشاءاللہ زندگی میں کبھی کچھ نہیں ہارے گی۔'' مستبشرہ دل سے کہتی فلک کے لئے دعا گو تھی۔

''انشاءاللہ۔'' سبھی بولے۔ فلک نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

☆......☆......☆

شام کو احسان کی کینیڈا کے لئے فلائٹ تھی، سو تمام خاندان والے ڈنر کے لئے مدعو کئے گئے، زہرہ شاہ کے دونوں بھائی اور سید جمال شاہ کی بہن اور بھائی سبھی اپنی فیملیز کے ساتھ حویلی میں جمع تھے، خوشگوار ماحول میں ڈنر کے بعد گھنٹوں تک محفل جاری رہی پھر سبھی نے نیک دعاؤں کے ساتھ احسان کو روانہ کیا اس کی کامیابی کے لئے دعا کی اور پھر باری باری اجازت چاہی، مستبشرہ نے کچھ دیر بابا اور اماں سے باتیں کیں پھر کمرے میں چلی آئی۔ صبح اسے بھی اسلام آباد کے لئے نکلنا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن مستبشرہ جمال واپس آ گئی، وہ تینوں اس سے پرتپاک انداز میں ملیں اور اس کا حال احوال پوچھنے سے پہلے اپنے من پسند حلوے کا پوچھا۔

''ملتانی حلوہ۔'' تینوں نے بیک زبان ہو کر بڑے سر میں کہتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

''واہ جی...... یہ نہیں کہ حال احوال پوچھو، اتنے دور سے سفر کر کے آئی ہوں مگر نہ جی...... تمہیں میری نہیں حلوے کی پڑی ہے۔'' اس نے مصنوعی غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

''ارے شکل صورت سے ٹھیک ٹھاک، بلکہ ہٹی کٹی لگ رہی ہو پھر کیسا پوچھنا ہم اس وقت صرف جو مانگ رہے ہیں وہ دو......'' درعدن شرارت سے بولی۔

''اور شرافت سے دو۔'' ماہی نے بھی بولنا ضروری سمجھا، مستبشرہ نے مسکراتے ہوئے انہیں ان کا من پسند حلوہ دیا جسے انہوں نے بھرپور انصاف کے ساتھ کھایا۔

''تھینکس ڈیئر۔'' اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

''گھر میں سب کیسے ہیں......؟'' معطر نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں، کل احسان بھی کینیڈا چلا گیا تھا اور آج میں بھی یہاں چلی آئی، اب اماں اور بابا جان بڑے تنگ ہوں گے اکیلے میں۔'' اس نے بتایا۔

''ہمیں یاد کیا......؟'' درعدن نے پوچھا۔

''ام......نہیں۔'' وہ سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے شرارت سے بولی ان تینوں نے اسے آنکھیں دکھائیں پھر ہنس دیں۔

''تم نے ہمیں یاد کیا ہو یا نہیں......لیکن یہاں کسی نے تمہیں بہت یاد کیا ہے، تمہارے بغیر کسی نے بہت اذیت میں گزارے ہیں، یہ چار دن۔'' جبھی ماہی سنجیدہ ہوئی۔

''کسی نے......مطلب......؟'' وہ یقیناً کچھ بھی نہیں سمجھی تھی، اسی لئے متعجب انداز میں استفسار کیا۔

''علی آیان حسن گیلانی۔'' عدن نے ایک ادا سے اس کا نام لیا۔

''اب یہ جناب کون ہیں......؟'' وہ لڑکے کا نام سن کر خاصی چونکی۔

''وہ جو تمہیں پاگلوں کی طرح دیکھتا رہتا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''وہاٹ......؟'' مستبشرہ پر یہ انکشاف خاصا ناخوشگوار گزرا، جبھی دھیمی آواز میں بے یقینی سے چیخی۔

''کیسے......مطلب تمہیں کس نے بتایا۔'' پھر ان سے پوچھا جبکہ غصے کی لہر اندر تک اٹھی تھی۔ تب انہوں نے اس کی غیر موجودگی میں ہونے والی تمام باتیں اور علی کی الت پریشانی کے متعلق بتایا جس کو سن کر وہ دنگ رہ گئی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اس کی ہمت کیسے ہوئی میرے لئے پریشان ہونے کی اور کیا تم میں سے کسی نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں یہ سب پسند نہیں کرتی۔'' وہ بے حد حیران تھی۔

''کیسے بتاتے۔'' معطر اتنا ہی بولی۔

''کیا مطلب کیسے بتاتے......؟'' جس پر وہ مزید حیرت میں غوطہ زن ہوئی۔

''اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے بہت کچھ تھا مستبشرہ! کوئی آوارہ یا عیاش انسان کسی کے لئے اس قدر پریشان نہیں ہوتا جس قدر وہ تمہارے لئے فکر مند تھا، اس نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے لیکن ہم نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے بہت کچھ خاص محسوس کیا ہے۔'' مہ روش سنجیدگی سے بولی۔

''لیکن میرے دل میں اس کے لئے کچھ خاص نہیں ہے......اس کے لئے کیا بلکہ کسی کے لئے بھی نہیں ہے، میں ہرگز ان راہوں کی مسافر نہیں بننا چاہتی جس سے میرے بابا کی انا مجروح ہو اور وہ مجھ پر اعتبار کرنا اپنی سنگین غلطی تصور کریں، اگر تم سب کو اس کی آنکھوں میں سچائی نظر آتی ہے تو میری آنکھوں میں بھی سچائی ہے، اپنے بابا سے کئے گئے وعدے کو نبھانے کی سچائی، ان کی عزت پر اپنی ذات تک قربان کر دینے کی سچائی۔'' وہ قدرے جذباتی ہوئی۔ تینوں خاموش تھیں۔ اسے اچھی طرح سے جانتی تھیں اس کے عزم پر قائم رہنے کی سچائی و پختگی سے واقف تھیں، جبھی وہ مزید بولی۔

''یہ پیار، عشق، محبت سب افسانوی باتیں ہوتی ہیں اور میں حقیقت پسند لڑکی ہوں، جانتے بوجھتے اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتی، میں کسی سے محبت نہیں کر سکتی اور علی......علی نے میری ذات کو لے کر بہت غلط راہ اپنائی ہے، ایسی راہ جس میں اس کی ناکامی پکی ہے۔'' وہ حددرجہ سنجیدہ واٹل تھی کئی پل تک چاروں کے بیچ خاموشی چھائی رہی پھر توقف کے بعد ماہی نے لب واکئے۔

''کامیابی، ناکامی...... یہ تو بہت بعد کی بات ہے مستبشرہ! اس سے پہلے اس کا دل ٹوٹ کر بکھرے گا، اس کے جذبات و احساسات مجروح ہوں گے، محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے، نہ یہ زبردستی کا کوئی بندھن ہے، یہ ایک فطری عمل ہے جس میں انسان اپنی مرضی سے کسی کو اپنے لئے منتخب نہیں کر سکتا، تم چاہے کسی سے بھی محبت نہ کرو مگر علی تم سے محبت کرتا ہے، اور محبت اتنی بے مول نہیں ہوتی کہ اسے ایک ضد، وعدے یا شرط کو پورا کرنے کے لئے ٹھکرا دیا جائے۔''

''تو تم سب کیا چاہتی ہو......؟ میں اپنا وعدہ بھلائے اس سے محبت کروں۔'' وہ ایک لمحے کو تلخ مگر طنزیہ ہوئی۔

''ہم یہ نہیں چاہتے...... فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے۔'' عدن نے جواباً آہستگی سے کہا۔

''اور پلیز مستبشرہ...... جو بھی فیصلہ کرنا سوچ سمجھ کر کرنا، جہاں تم اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھانا چاہتی ہو، وہاں اتنا خیال ضرور رکھنا کہ تمہارے سخت رویے سے کسی کے جذبات نہ کچلے جائیں۔'' معطر نے اسے بتانا و سمجھانا ضروری سمجھا، تو مستبشرہ خاموش رہی، پھر آہستگی سے گویا ہوئی۔

''اوکے......مگر یہ ایک لاحاصل گفتگو ہے، ہم خوامخواہ بحث کئے جا رہے ہیں اور تم کیسی دوستیں ہو، یار، کسی کو میری پرواہ نہیں۔ میں اتنے دور سے آئی ہوں لیکن کسی نے بھی اخلاقاً مجھ سے نہیں پوچھا کہ میں کچھ کھاؤں گی بھی یا نہیں۔'' اور خود کو نارمل ظاہر کرتی اپنے سابقہ رویئے و انداز میں واپس آئی وہ تینوں بھی ہلکی پھلکی ہو کر مسکرا دیں۔

''سوری ویری سوری۔'' ماہی نے فوراً کان پکڑے۔

''چلو کینٹین چلتے ہیں۔'' عدن نے کہا تو وہ سب اٹھ کھڑی ہوئیں اور دور کھڑے علی آیان حسن گیلانی کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ پورے چار دن بعد اس نے مستبشرہ جمال کو دیکھا تو گویا بے قرار دل کو راحت نے آن گھیرا، اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ بکھری، لیکن آن واحد میں وہ اپنے جذبات پر قابو پاتا مسرور سا واپس پلٹ گیا۔

☆......☆......☆

''اس کا مطلب ہے آج کل تمہارے ستارے گردش میں ہیں۔'' ماہی نے سنتے ہی کہا۔

''ایسے ویسے......لیکن مجھے خاصی ٹینشن ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''کیوں......؟'' معطر نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر استفسار کیا۔

''کیونکہ میں نے آج تک انہیں دیکھا ہی نہیں نہ وہ یہاں رہتے ہیں کہ جاننے کا موقع مل سکے۔'' عدن نے جواباً منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''اچھا......ویسے ہوتے کہاں ہیں آپ کے ہونے والے مسٹر......؟ اور آپ کو کب اور کیسے پسند کرلیا انہوں نے......؟'' مستبشرہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''کراچی میں، پتہ نہیں پھپھو کی کسی نند کے بیٹے ہیں، مجھے پھپھو کے بیٹے کی شادی میں دیکھا تھا جب ہی پسند کیا اور تب سے فیصلہ کرلیا کہ شادی کریں گے تو صرف مجھ سے۔'' وہ بتانے لگی، جبکہ چہرے و آنکھوں میں خوشی کے رنگ رقصاں تھے۔

''پھر تو تم نے شادی میں انہیں دیکھا ہوگا......؟'' ماہی جاننے کو بے چین ہوئی ساتھ ہی شوخی سے پوچھا۔

''کہاں یار......اپنی قسمت کہاں۔'' وہ مایوسی ظاہر کرنے لگی۔

''اب کیا ہوا......؟''

''شادی میں دیکھ نہ سکی تھی اور اب نہ ہی موصوف کے گھر والے کوئی تصویر ساتھ لائے ہیں کہ گزارہ ممکن ہو سکے یہ تو سب نے اتنی ان کی تعریفیں کی ہیں کہ میں چپ چاپ مان گئی اب اگلے ماہ انگیج منٹ ہے شاید دیکھنے کا موقع مل جائے۔'' وہ مصنوعی آس بھرے لہجے میں کہتی انہیں بتانے لگی، وہ تینوں اس کے انداز پر مسکرائیں۔

''چلو بھئی۔ ہم تو دعا کریں گے کہ جلد سے جلد تم عامر سے ملو، انہیں جانو اور مستقبل کے لئے رنگین سپنے دیکھو۔'' معطر نے دعائیہ انداز میں کہا، درعدن ہولے سے مسکرائی۔

''آمین......'' پھر با آواز بلند کہا، جبھی کچھ یاد آیا تو فوراً سے پہلے منہ پر ہاتھ رکھا کہ بے ساختہ نکلنے والی چیخ اردگرد سے گزرتے ہوئے اسٹوڈنٹس کو اس کی جانب متوجہ نہ کردے۔

''اوہ نو......''

''کیا ہوا......؟'' درعدن کے انداز پر وہ تینوں گھبرائیں۔

''آج پھر خیر نہیں ہے۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''کیوں......کیا ہوا......؟'' ماہی فکرمند ہوئی، سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''سر خالد نے وارننگ دی تھی، آج پھر ان کے بورنگ لیکچرز پر ڈسکشن کا دن ہے اور مجھے سو فیصد یقین ہے سب سے پہلے میں ہی ان کی فرعونیت کا نشانہ بنوں گی۔'' اصل گھبراہٹ و پریشانی عدن کو گھیرے میں لئے ہوئے تھی۔

''اوہ مائی گاڈ......آج پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔'' مہ روش کو بھی اپنی جان کے لالے پڑے۔

''میں تو آج پھر پریڈ بنک کروں گی۔'' معطر نے پل بھر میں فیصلہ کرتے ہوئے باآواز بلند صاف کہہ دیا۔

''جی نہیں......پھنسیں گے تو سب کے ساتھ میں، آج تمہاری کوئی چالاکی نہیں چلے گی۔'' مستبشرہ نے اسے سختی سے ٹوکا، ہری جھنڈی دکھائی پھر زبردستی اس کے انکار کے باوجود اسے ساتھ لیا۔ معطر کو ناچار ساتھ میں چلنا پڑا، البتہ درعدن کا اندازہ بالکل سچ ثابت ہوا تھا، جب سر خالد نے ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے اسی کو کھڑا ہونے کو کہا مگر اس مرتبہ کچھ نہ کچھ آگے پیچھے کر کے وہ عزت افزائی سے بچ گئی تھی۔ کلاس کے بعد وہ چاروں یونیورسٹی کے مخصوص کونے میں آئی، اپنی پرائی باتیں کیں۔

''میں لائبریری جا رہی ہوں، تم میں سے کسی کو چلنا ہے......؟'' مستبشرہ نے توقف کے بعد ان سے پوچھا۔

''ابھی بورنگ پیریڈ اٹینڈ کر کے آئی ہوں اب اگر بورنگ جگہ پر گئی تو میرا اللہ ہی حافظ۔'' اس نے صاف انکار کیا جس پر مستبشرہ نے اسے پکڑا۔

''نالائقی کی حد تم سے شروع ہوتی ہے عدن، واقعی تمہارا تو اللہ ہی حافظ ہے۔'' وہ نالائق ہرگز نہیں تھی پر اگر ذرا سا بھی پڑھائی میں گہرائی لانے کی کوشش کرتی تو اکتا سی جاتی تھی، یونیورسٹی میں اسے کسی نے زبردستی بھی نہیں بھیجا تھا، اپنی خواہش پر آئی، پیپرز کی تیاری کبھی ساتھ ساتھ نہیں کی ہمیشہ ایک مہینہ پہلے تیاری شروع کرتی مگر ذہین تھی سو ہر بار شاندار نہ سہی اچھے نمبروں سے ضرور پاس ہوتی، اب کے مستبشرہ کی بات پر وہ مسکرائی۔

''میں بھی نہیں۔'' معطر نے بھی اس کے دیکھنے پر جانے سے انکار کیا تو وہ اکیلے ہی آگے بڑھی، لائبریری میں اسے نوٹس سے متعلق کچھ بکس چاہئے تھیں جنہیں ایشو کروانے کے بعد وہ واپس آ رہی تھی مگر راستے میں اسے رکنا پڑا کہ خود سے کچھ فاصلے پر اسے علی نظر آیا جو اسی کو دیکھ رہا تھا، مستبشرہ کے دماغ کی رگیں تنیں، غصے سے ہونٹ بھینچ کر سانس کھینچی، یک دم من چاہا کہ آگے بڑھے اور بڑی بے دردی سے اس کی آنکھیں نوچ لے، مگر ہمیشہ کی طرح اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ پر عمل کرنے کے لئے آگے بڑھتی علی آیان اس کے خطرناک ارادے کو بھانپ گیا اور اگلے ہی لمحے ارد گرد دیکھے بنا نو دو گیارہ ہو گیا۔

''مار ڈالوں گی اسے ایک دن۔'' مستبشرہ کے نزدیک چوتھا سال بھی ٹھیک ٹھاک گزرنے والا تھا ایسے میں علی کی آمد، اس کا دیکھنا اور شاید مستبشرہ کے لئے محبت، وہ کچھ بھی غلط یا سید جمال شاہ سے کئے وعدے کے خلاف نہیں جانا چاہتی تھی۔

''مجھے کچھ کرنا ہو گا ورنہ......'' وہ سوچنے لگی، سوچ بھی ادھوری رہی، اس کا اپنا دل ایسے کسی بھی خیال سے پاک تھا جو اس کے قدم ڈگمگانے میں اپنا کردار نبھاتا مگر اب واقعی کچھ کرنے کا وقت تھا، اس سے پہلے کہ وہ علی سے متعلق اس کے فعل و محبت کے بارے میں دماغ کے بجائے دل سے سوچنے لگتی، اسے غصے کو ایک سائیڈ پر رکھ کر دماغ سے سوچنا اور عمل کرنا تھا، مستبشرہ وہیں کھڑے کھڑے سوچنے لگی۔

''کسی بھی طرح مجھے علی کو روکنا چاہئے۔'' اور ارادہ کرنے لگی مگر اس ارادے کے لئے اسے ایک مکمل پلان چاہئے تھا۔ ایسا پلان

جو اس کی خود کی مدد کرے، جو علی کی محبت کے بڑھتے طوفان کو تحمل سے روک سکے، جو اسے سرخرو کرے، جو سید جمال شاہ کے مان کو ٹوٹنے سے بچائے، ایسا پلان جس سے وہ علی کی آنکھوں میں موجود اپنے لئے محبت کو مٹاتے ہوئے اس کا راستہ اپنی راہ سے جدا کرے، ایسا پلان ضروری تھا، وہ سوچنے لگی، فیصلہ ابھی کے ابھی کرنا تھا۔

''مستبشرہ......!!!'' وہ جانے وہاں کب تک کھڑی رہتی اگر معطر وہاں آ کر اس کی محویت نہ توڑتی۔

''یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو......؟'' اس نے سوال کیا۔

''کچھ نہیں......'' وہ یک دم مکمل ہوش میں لوٹی۔

''چلو کینٹین چلتے ہیں، عدن اور ماہی بھی آ رہی ہیں۔''

''ہاں چلو۔'' مستبشرہ نے خود کو نارمل کیا اور سر جھٹک کر اس کے ساتھ چلنے لگی۔

☆......☆......☆

''گڈ نائٹ۔'' ماہی کی آنکھیں نیند سے چور ہو رہی تھیں جبکہ مستبشرہ ابھی سونے کے موڈ میں ہرگز نہ تھی، مہ روش نے مجبوراً اسے گڈ نائٹ کہا اور پلٹ گئی۔

''تمہیں نیند بہت آتی ہے لڑکی سو جاؤ، میں ابھی تھوڑا بہت پڑھوں گی، گڈ نائٹ۔'' مستبشرہ نے گویا اسے سونے کی اجازت دی۔

''مگر جلدی سونا، پھر صبح تمہاری آنکھ نہیں کھلتی۔'' ماہی نے اسے باور کروایا اور کروٹ بدل کر آنکھیں موند گئی۔ مستبشرہ نے کتاب اٹھائی، کھولی مگر پڑھنے کا ارادہ ترک کر کے پورے انہماک کے ساتھ سوچنے لگی، ذہن میں مختلف خیالات کے تانے بانے بننے لگی، وہ فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ اپنے بابا سے کئے گئے وعدے کی سوچ کوئی بھی فیصلہ کرنے میں اس کی معاونت کو تیار تھی اور کوئی بھی فیصلہ اب ضروری تھا جب علی کی محبت شدت اختیار کرے، اسے علی کو محبت کی انتہا تک پہنچنے سے روکنا تھا، وہ سوچ رہی تھی۔

''میرا ایک صاف واضح انکار اس کے بڑھتے قدم نہیں روک سکے گا۔'' وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔

''پھر کیسے اس کی محبت کے طوفان کو روکو گی۔'' تو سوچ نے فوراً انگڑائی لی۔

''معلوم نہیں پر میں اسے ہر صورت روکوں گی۔'' وہ الجھ کر بولی کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''مگر کیسے......؟'' سوچ نے سوال اٹھایا، وہ لب بھینچ گئی۔

''کیسے......؟'' پھر زیر لب بڑبڑائی۔

ذہن پر بھرپور زور دیا، اسے فیصلہ ابھی کرنا تھا، پلان ابھی بنانا تھا، جبھی ذہن و دل میں ایک خیال کوندا۔

''محبت......'' جس پر اس کی سوچ خاصی حیران ہوئی۔

''ہاں محبت......میری محبت علی کی محبت کو نفرت میں بدل سکتی ہے۔'' وہ فیصلہ کر چکی تھی، پرعزم لہجے میں بولی۔

''محبت کیسے محبت کو نفرت میں بدل سکتی ہے۔'' اسے اب کے دور سے آواز سنائی دی تھی۔

''بدل کیوں نہیں سکتی......جھوٹی محبت، پیار کا ناٹک، وقت گزاری جواز ہو تو سچی محبت، بے قدری پر نفرت بن سکتی ہے اور میں اب ایسی ہی محبت کا اظہار علی سے کروں گی، جبھی وہ اپنی راہ جدا کرے گا۔'' پل بھر میں وہ پلان تشکیل دے گئی، یہ سوچے بغیر کہ اس سے علی کے حق میں بہتری ہوگی یا نہیں، محض اس سوچ کے ساتھ کہ اسے اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھانا اور ان کی عزت کا پاس رکھنا تھا۔

☆......☆......☆

''سنو مشارب شاہ۔'' ہمیشہ کی طرح وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ عقب سے فلک کی پکار اس کے بڑھتے قدم روک گئی وہ رک کر پلٹا۔

''کہو مشارب شاہ کے سکون کی دشمن۔'' اور اپنا مخصوص جملہ کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''مت کہا کرو یہ بات۔'' جو اسے یقیناً بہت ناگوار گزرتا تھا اسی لئے اسے منع کرتی، تحکم بھرا لہجہ اپنایا۔

''نہیں کہا کروں گا اگر پیچھے سے آواز دینا چھوڑ دو تو۔'' وہ گویا مانتے ہوئے اسے روکنے لگا۔

''کیوں چھوڑ دوں......؟'' جو فلک کو حسب توقع منظور نہ تھا اب کی بار قدرے خفگی سے بولی کہ جو بھی کرتی تھی اپنا حق سمجھ کر کرتی تھی، مشارب شاہ فوراً سنجیدہ ہوا۔ کچھ پل غور سے اسے دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھی، مشارب کو فلک کی ناراضگی نے مناسب وقت کا اشارہ دیا تو قدرے سوچتے ہوئے توقف کے بعد بولا۔

''ایک بات کہوں......؟''

''نہ کہو......جانتی ہوں میں، جو تم کہنا چاہتے ہو۔'' فلک نے اسے صاف منع کیا کہ دماغ اپنا ہی قیاس منٹوں میں لگا بیٹھا تھا۔

''کیا کہنا چاہتا ہوں میں......؟'' مشارب حیران ہوا سوال کیا۔

''یہی کہ تم مجھ سے پورے پانچ سال دو مہینے بڑے ہو، البتہ گھنٹے منٹ اور سیکنڈ تمہیں یاد نہیں ہیں مگر میری بات بھی کان کھول کر سنو، خبردار جو خود کو بڑا سمجھ کر مجھے حکم دیا، مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کی۔'' فلک نہایت سنجیدگی میں بھی وہ بات کہہ گئی جس پر مشارب شاہ اپنی ہنسی پر اختیار کھو بیٹھا۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ تمام سنجیدگی پل بھر میں رفع ہو چکی تھی، فلک کو اس کی ہنسی نے بتایا۔

''ہنسو مت مشارب شاہ۔'' دبے انداز میں چلائی۔

''تم پاگل ہو فلک۔''

''تم سے کم ہی ہوں۔''

''تمہیں لڑنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے کیا......؟'' مشارب نے بمشکل ہنسی روکی فوراً نارمل ہوا۔

''ہیں بہت سے کام مگر تمہیں کیا......'' وہ غصہ ہوئی، جس کام کے لئے آئی تھی وہ بھول گئی۔

''ناراض بہت جلدی ہوتی ہو تم۔'' فلک کا موڈ اسے آف لگا تو صاف کہا۔

''تمہارا رعب اور فضول ہنسنا زہر لگتا ہے مجھے۔'' وہ دوٹوک بولی۔

''رعب کب جمایا ہے میں نے تم پر......؟'' وہ حیران سا پوچھنے لگا۔

''ہمیشہ۔'' وہ بولی۔

''پاگل تم تو میری دوست ہو، تمہاری کوئی بات مجھے بری نہیں لگتی نہ میں نے کبھی تم پر رعب جمانے کی کوشش کی ہے یہ تو تم بھی جانتی ہو کہ ہمارے خاندان میں کزنز اتنے کلوز نہیں ہوتے، خصوصاً لڑکے لڑکیوں سے، مگر پھر بھی ہم دونوں میں دوستی ہے، میں تو صرف تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ......'' مشارب سنجیدگی و نرمی سے بول رہا تھا جبھی فلک نے جھنجھلا کر اسے ٹوکا۔

''اوکے ٹھیک ہے مگر پلیز اتنا لمبا لیکچر مت دو، تم جو سمجھانا چاہتے ہو مجھے وہ پھر کبھی سمجھا لینا۔'' وہ بیزاریت سے بولی۔ مشارب نے سر جھٹکا، جانتا تھا فلک کی طبیعت کبھی بھی سکون پسندی کی قائل نہیں رہی، چپ رہ کر مقابل کی پوری بات سننا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

''کیا کام تھا مجھ سے......؟'' بات بدلی۔

''شام کو مجھے دوست کی طرف جانا تھا۔'' اصل مدعا بتایا۔

''سو......؟''

''تم مجھے دوست کے گھر چھوڑ دو گے......'' سوالیہ پوچھا۔

''پگلی جانا تم کو شام میں ہے ابھی صبح کے دس بج رہے ہیں۔'' وہ ریسٹ واچ پر نظر ڈالتا مسکرایا۔

''ہاں مگر تم نے جواب نہیں دیا۔ مجھے وہاں چھوڑنے جاؤ گے یا نہیں۔'' فلک نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

''آف کورس جاؤں گا۔ اب تم نے کہہ جو دیا ہے، تم جانتی ہو میں کبھی تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتا۔'' اس نے حامی بھری اور ساتھ ہی باور کروایا۔

''اور واپس بھی لانا ہوگا۔'' وہ خوشی سے چہکی۔

''ضرور۔'' مشارب کو بھلا کیا اعتراض تھا۔

''تھینک یو سو مچ مشارب شاہ۔'' وہ مسرت سے بولی، مشارب کا یہی انداز، لہجہ تو اسے شروع سے پسند تھا۔

''اب میں جاؤں۔'' اس نے جانے کا پوچھا۔

''اجازت ہے۔'' فلک نے شاہی انداز اپنایا۔

''پاگل۔'' وہ دھیرے سے کہتا مسکراتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھا جبکہ فلک واپس اندر چل دی۔

☆......☆......☆

فیصلہ کر لینے کے بعد مستبشرہ جمال خاصی مطمئن و پرسکون تھی اور اب اس فیصلے پر عمل کرنے کا انتظار تھا، اسے علی کی جانب مثبت تاثرات سمیت بڑھنا تھا سو یونیورسٹی میں آتے ہی چہار سو اس کی تلاش میں نظریں پھیریں، اول تو وہ کہیں نظر نہ آیا مگر جب وہ باقی تینوں کے ساتھ پیریڈ اٹینڈ کرنے کوریڈور سے گزر رہی تھی تب اس کے قدم رکے اور نگاہیں نوٹس بورڈ کے قریب ٹھہریں، جہاں حسب معمول علی آیان حسن گیلانی بڑی محویت سے چاہت بھری نظروں کے ساتھ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ مستبشرہ نے نہایت ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو سمجھایا، نارمل کیا، پھر پلان کے مطابق آگے بڑھنے کا سوچنے لگی۔

''کیا ہوا رک کیوں گئی......؟'' ماہی نے اسے کھڑا دیکھ کر استفسار کیا۔

''سامنے علی کھڑا ہے۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''سو۔'' ماہی سمیت عدن اور معطر بھی سوالیہ تھیں کیونکہ آج مستبشرہ کی آنکھوں میں پہلے سا غصہ نہیں تھا۔

''تم لوگ جاؤ میں اس سے بات کر کے آتی ہوں۔'' کہتے ہی وہ آگے بڑھی، باقی تینوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو متعجب و بے یقین نگاہوں سے دیکھتے رہنے کے بعد پیریڈ اٹینڈ کرنے چلی گئیں جبکہ مستبشرہ کے قدم علی کی جانب بڑھ رہے تھے، علی نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو سٹپٹا کر نوٹس بورڈ کی طرف دیکھنے لگا اور جب وہ قریب پہنچنے والی تھی وہ وہاں سے ہٹنے لگا۔

''علی......؟'' لیکن اس کی پکار نے علی کے بڑھتے قدموں کو پل بھر میں روکا مگر وہ رکنے کے باوجود نہیں پلٹا۔ مستبشرہ نے ہر لحاظ سے خود کو نارمل کیا، پھر دھیرے سے چلتی اس کے سامنے آئی، علی نگاہیں جھکائے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کچھ سٹپٹایا، کچھ گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا، وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' پھر سنجیدگی سے بولی۔

''مجھ سے......؟'' وہ حد درجہ حیران ہوا۔

''ہاں......تم سے۔'' مستبشرہ نے گویا اسے یقین دلانا چاہا لیکن علی کو پھر بھی یقین نہ آیا، بے حد چونکتے ہوئے سرعت سے اسے دیکھا۔

''یہاں مناسب نہیں رہے گا کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' مستبشرہ اس کی حیرت جانچتے ہوئے نارمل سے لہجے میں بولی اور باہر لان کی طرف بڑھ گئی، علی نے چند ثانیے اسے جاتے دیکھا پھر جیسے زبردستی ان ہونی کے ہونے پر یقین کیا جبھی دل میں خوشی کی پھوار پھوٹی اور زیر لب مسکرایا۔ اس کی امید بر آئی تھی سو مزید کوئی بھی لمحہ ضائع کئے بنا اس کے پیچھے لپکا، اس کے سنگ ہوا اور ساتھ میں لان میں لگے بینچ پر بیٹھا، کئی پل دونوں اطراف خاموشی رہی۔ علی عجب سی جھجک کے تحت فی الوقت کچھ بھی بولنے سے قاصر تھا جبکہ مستبشرہ بہت سوچ

سمجھ کے بعد اس وقت اس کے ساتھ تھی۔

''تم کب سے مجھے جانتے ہو......؟'' سو پہلا سوال کیا۔علی خود کو کافی تگ ودو کے بعد نارمل کر چکا تھا حالانکہ دل تو اس کی طرف سے پہلی پکار پر ہی ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا۔

''جی......'' البتہ پہلا ہی سوال اسے کنفیوژ کر گیا۔

''میں نے پوچھا کب سے جانتے ہو مجھے......؟'' جس پر نا چاہتے ہوئے بھی اس نے چبا چبا کر سوال دوبارہ دہرایا اور نارمل رہنے کی کوشش کی۔

''جانتا نہیں ہوں......صرف پچھلے تین سال سے آپ کو دیکھا ہے آئی مین......'' وہ بولا ضرور لیکن سمجھ نہ آئی جواب کیا اور کیسے دے۔

''اور تین سال سے تم مجھے دیکھ رہے ہو جبکہ میں سمجھی کہ تم محض چار پانچ ہفتوں سے......'' مستبشرہ حیرت میں ڈوبی، وہ خاموش رہا۔

''پہلے مجھے ذرا پتہ نہ چلا تھا لیکن خیر، میں وجہ پوچھ سکتی ہوں اس سب کی۔'' وہ ہولے سے مسکرائی۔ جبکہ علی اتنی ہمت نہیں رکھتا تھا کہ ڈائریکٹ وجہ بتا دیتا سو لبوں کو ذرا بھی جنبش نہ دی۔

''محبت پر یقین رکھتے ہو......؟'' وہ علی کے ہر عمل کا بغور جائزہ لیتی پھر سے سوال داغ گئی، اب کے علی نے محض دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو......؟'' اس نے پوچھا، لب و لہجے میں کوئی سختی یا غصہ نہیں تھا۔علی لمحہ بہ لمحہ ہر سوال پر متعجب نگاہوں کے ساتھ خاموش تھا لیکن اب جبکہ اس کی محبت خود اس کے سامنے بیٹھی اس سے استفسار کر رہی تھی تو پھر خاموشی یا جھجک کیسی، وہ مزید جھجک یا گھبراہٹ کا شکار ہوئے بنا بالآخر بول اٹھا۔

''اپنی جان سے بھی زیادہ۔'' انداز چاہت بھرا تھا، آواز میں سچائی تھی اور آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری محبت کے جواب میں، میں بھی تم سے صرف محبت کروں گی۔'' جس کے جواب میں وہ سنجیدہ مگر نرمی و آہستگی سے پوچھنے لگی، علی کے دل میں ایک لمحے کو خدشات کی گھنٹی بجی لیکن وہ پر وثوق تھا۔

''میرے خیال میں محبت زبردستی نہیں کی جاتی، یہ تو بس ہو جاتی ہے۔'' محض اتنا ہی بولا۔

''پھر بھی۔'' وہ ایک واضح جواب سننا چاہتی تھی۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ صاف گو تھا۔

''تم مجھ سے اپنی محبت کے جواب میں ہاں یا ناں......کیا سننا چاہتے ہو......؟'' مستبشرہ اس سے ہر صورت اگلوانے کے موڈ میں تھی۔

''محبت اگر تمام عمر رہے تو اذیت بہت گہری کربناک ہوتی ہے کوئی بھی ہجر کی آگ میں جلنا پسند نہیں کرتا......میں بھی نہیں......

من کے سکون کے لئے مقابل کا اقرار بہت ضروری ہوتا ہے۔'' وہ بنا ہچکچاہٹ کے بولا۔

''اچھا مگر لوگ تو کہتے ہیں، محبت خواب، سراب، عذاب ہوتی ہے، دل کے سکون کے بجائے سکون تک غارت ہو جاتا ہے۔'' وہ سوالیہ بولی۔

''شاید ان لوگوں کے لئے جو اسے مذاق سمجھتے ہیں، یہ تو وہ جذبہ ہے جو معمولی سی شے کو بھی انمول بنا دیتا ہے، خواہشوں کے سراب، ہجر کے عذاب سے محبت کے خواب جینے کی امنگ دیتے ہیں، میرے نزدیک محبت تو صرف محبت ہے ایک ایسا حسین مقدس جذبہ ہے جس میں کوئی شے بے مول نہیں ہوتی، محبت تو امن کی نشانی ہے۔'' وہ جذب سے کہتا دل کی سچائی بیان کرنے لگا۔

''کافی اچھا بول لیتے ہو تم۔'' مستبشرہ نے بغور اس کا ایک ایک لفظ سنا، تعریف بھی کی، لیکن حقیقتاً دل پر کوئی اثر نہ لیا جبکہ اتنا کچھ کہنے کے بعد علی آیان حسن دل میں خوشی کی انتہا کو پہنچا اور کوئی بھی مثبت جواب سننے کا منتظر تھا۔

''میرے خیال میں ہمیں دوبارہ ملنا چاہیئے۔'' مستبشرہ اٹھ کھڑی ہوئی البتہ فی الوقت کوئی واضح جواب نہ دیا اور جانے سے قبل اسے ملنے کا عندیہ دیا جو یقیناً علی کے لئے زندگی کی نوید سے کم نہ تھا۔

''کب......؟'' سو بے ساختہ پوچھا۔

''بہت جلد......'' وہ محض اتنا ہی بولی پھر آگے کی جانب بڑھ گئی۔ علی نے چمکتی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا، وہ خوش تھا بہت خوش......دل میں پنہاں تمام وسوسے، اس ملاقات کے بعد تمام ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

''مستبشرہ کیا تھا یہ سب......؟'' وہ تینوں پیریڈ کے بعد اسے علی کے ساتھ دیکھ چکی تھیں سوماہی نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

''تم اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی وہ بھی نارمل موڈ میں۔'' معطر بھی بے یقین تھی۔

''کیوں......؟'' عدن نے سوالیہ اسے دیکھا۔

''کیونکہ یہ سب بہت ضروری ہے۔'' وہ ریلیکس تھی، ان تینوں کی حیرانگی پر ذرا بھی حیران نہ تھی۔

''کیا مطلب......؟''

''علی واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔'' جواباً بتاتے ہوئے وہ لان میں ایک جگہ بیٹھ گئی، باقی تینوں بھی بیٹھیں مگر ہنوز حیرت میں ڈوبی ہوئیں۔

''ہاں وہ واقعی تم سے محبت کرتا ہے، پھر تم نے اسے کیا کہا......؟'' مہروش نے پوچھا۔

''ابھی کچھ نہیں۔'' وہ مختصراً بولی۔

''لیکن میں نے بہت سوچا اور سوچنے کے بعد فیصلہ کیا کہ فی الحال میں اس کی محبت نہیں ٹھکرا سکتی۔''

واٹ......؟''مستبشرہ جمال کی یہ بات سب کو چونکا دینے والی تھی اول تو ان تینوں کو یقین ہی نہ آیا۔

''پھر تمہارا وعدہ......اپنے بابا کی شرط......؟''درعدن گویا شاکڈ کی سی کیفیت میں تھی۔

''میں اپنے بابا کی شرط نہیں بھولی، میں ان سے کیا وعدہ ضرور نبھاؤں گی، لیکن اب میں جو قدم اٹھانے جا رہی ہوں، وہ انتہائی ضروری ہے ورنہ شاید علی اتنا آگے نکل جائے گا جہاں سے واپسی کا سفر مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوگا، اور میں کم از کم ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔'' وہ سب کچھ ترتیب دے چکی تھی سو مطمئن تھی۔

''کیسا قدم......ہم کچھ نہیں سمجھے۔''مہ روش نا سمجھی کے عالم میں استفسار کرتی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں اسے یقین دلاؤں گی کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔''وہ بولی۔

''لیکن تم تو......؟''معطر کچھ بولتی اس سے پہلے مستبشرہ اسے ٹوک گئی۔

''ہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے مگر پھر بھی مجھے ایسا ظاہر کرنا پڑے گا۔''

''کس لئے......؟''معطر نے پوچھا۔

''اس لئے کہ وہ مجھ سے متنفر، محبت کی راہوں سے قدم واپس موڑ لے، میری جھوٹی محبت کے بعد سفاک حقیقت اسے افسانوی دنیا سے باہر نکالے گی، میرا اس سے جھوٹی محبت رچانا بہت ضروری ہے۔''مستبشرہ اپنی ہی کہے جا رہی تھی اور باقی تینوں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''نہیں......تم ایسا نہیں کر سکتیں۔''جبھی مہ روش سنجیدگی سے کہتی اسے منع کرنے لگی۔

''یوں تو وہ محبت کو زندگی بھر کا روگ بنا لے گا۔''عدن کے لہجے میں علی کے لئے فکر مندی تھی۔

''اس طرح تم اس کے ساتھ ساتھ اپنے حق میں بھی برا کرو گی۔''معطر نے اسے باور کروانا چاہا۔

''کسی کے ساتھ کوئی برا نہیں ہوگا......میں، میرے بابا کو مایوس نہیں کر سکتی اور نہ ہی اپنی وجہ سے علی یا کسی اور کو خاردار راہوں کا مسافر بنا سکتی ہوں، محبت میں ناکامی ہی اسے حقیقت میں جینے کے قابل بنائے گی۔''مستبشرہ اٹل تھی، اپنے تئیں اس کی یہ سوچ ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی کہ صرف ناکامی ہی علی کو اس سے دور کر سکتی ہے۔

''تمہاری سوچ غلط ہے مستبشرہ۔''ماہی نے پھر روکنا چاہا۔

''کوئی غلط نہیں ہے ماہی، میں فیصلہ کر چکی ہوں۔''وہ قطعیت سے بولی۔

''تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا۔''ماہی نے باضابطہ جرح شروع کی۔

''آخر کیوں......؟''وہ قدرے چونکی۔

''کیوں کہ محبت مذاق یا کھیل نہیں ہے کہ جب دل چاہا کھیلا، جب دل چاہا دل توڑ دیا، ایک وعدے کی خاطر تم کسی کو زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتیں اور جو تم سوچ رہی ہو نتائج اس کے برعکس بھی ہو سکتے ہیں، اگر تم اسے محبت کے بدلے سچی محبت نہیں دے سکتیں تو کم از کم دھوکہ بھی مت دو، سیدھی طرح صاف لفظوں میں اسے منع کر دو۔'' ماہی علی کے حق میں بولی، حقیقتاً اسے مستبشرہ کا فیصلہ گراں گزرا تھا۔

''صاف منع کر دینے سے وہ اپنی راہ نہیں بدلے گا ماہی، اور میں نہیں چاہتی کہ اب جو شخص میری چار دن کی غیر موجودگی میں دیوانہ بن گیا تھا کل کو وہ میرے گھر تک آئے۔'' مستبشرہ کی اپنی پلاننگ دور تک کی تھی سو دوٹوک بولی۔

''لیکن میں پھر کہوں گی تم جو کرنے جا رہی ہو وہ تم دونوں کے حق میں ٹھیک نہیں ہوگا اور ایسا نہ ہو کہ آج کئے گئے فیصلے پر تمہیں کل پچھتانا پڑے۔'' ماہی اب کے آہستگی سے اسے سمجھانے لگی۔

''مجھے یقین ہے ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ پر وثوق تھی۔

''شاید ایسا ہی ہو مگر تم......'' ماہی پھر سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر معطرا سے ٹوک گئی۔

''پلیز اسٹاپ اٹ، تم دونوں کس بحث میں پڑ گئی ہو، جو چل رہا ہے اسے چلنے دو آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا اور ماہی ہو سکتا ہے مستبشرہ کا فیصلہ درست ہو، شاید حقیقت جاننے کے بعد وقتی طور پر علی کو دکھ ہو مگر پھر وہ سنبھل جائے گا۔''

''مے بی بٹ...... سچی مستبشرہ، مجھے تمہارا فیصلہ پسند نہیں آیا اور نہ ہی میں خاموش تماشائی بن سکتی ہوں، یوں کسی کو محبت کے نام پر دھوکہ دینا خود کو فریب دینے کے مترادف ہے، اگر کوئی کبھی ایسا میرے ساتھ کرے تو یقیناً میرا دل پھٹ جائے گا، اینی ویز یہ تمہارا فیصلہ ہے یقیناً تم نے اچھے کے لئے کیا ہوگا میں مزید تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔'' اب کے قدرے سنجیدگی سے کہتی آخر میں وہ مستبشرہ جمال کو قدرے ناراض لگی۔

''لگتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو اس بات کو لے کر۔''

نہیں میں ناراض نہیں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بس مجھے تمہارا فیصلہ علی کے حق میں بہتر نہیں لگا۔'' جبھی وہ اگلے پل ماہی کو قریب کرتے ہوئے نرم لہجے میں بولی۔

''سوری مائی ڈیئر فرینڈ...... میں نے بھی یہ فیصلہ خوشی سے نہیں کیا مگر اس فیصلے پر عمل کرنا میری مجبوری ہے تم پلیز اپنا موڈ درست کرو۔'' پھر اس سے دوستانہ گزارش کی۔

''اوکے۔'' تو وہ دھیرے سے مسکرائی کیونکہ اب وہ چپ رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے مستبشرہ کے عمل پر دل ہی میں افسوس کرتی علی کے لئے فکر مند و دعا گو تھی، معطر اور عدن دونوں کی گفتگو کے بعد نارمل ہونے پر ہولے سے مسکرائیں اور اس ٹاپک کو کلوز کر کے صرف اپنی باتیں کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

پھر دن یونہی گزرنے لگے۔ وہ تینوں خاموش تھیں جبکہ مستبشرہ جمال اپنی سوچ کو عملی جامع پہنانے میں درجہ مصروف تھی اور علی آیان حسن گیلانی دل کے جذبات کو امر کرنے میں سرگرداں مستبشرہ کے ساتھ خود کو ہوا میں رقصاں، دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کرتا۔ اس کڑوے سچ سے بالکل بے خبر کہ فرحت وانبساط کے جو حسین لمحات وہ مستبشرہ کے ساتھ گزار رہا تھا بدقسمتی سے تھوڑے عرصے پر محیط ہوں گے۔

''میں نے تین سال اس دن کا انتظار کیا تھا جب میں تمہارے ساتھ اسے دل کی بات شیئر کروں گا مگر ہمیشہ دل کو ڈر لگا رہتا کہ کہیں تم انکار نہ کر دو کیونکہ اگر تم انکار کرتی میں سنبھل نہیں پاتا، بکھر جاتا۔'' علی اسے اپنا حال بتانے لگا۔

''شاید اسی لئے تم میرے دیکھتے ہی راہ بدل دیتے تھے۔'' جس پر وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

''ہاں ......ویسے مجھے تم سے ڈر بھی لگتا تھا۔'' اثبات میں سر ہلاتا وہ اپنا راز آشکار کرنے لگا۔

''کیوں......؟'' جس پر وہ خاصی چونکی تھی۔

''مجھے لگتا تھا کہ تم آؤ دیکھو گی نہ تاؤ اور موقع ملتے ہی مجھے مارنے لگ جاؤ گی۔'' وہ مزے سے بولا۔

''اچھا اتنی ڈراؤنی ہوں میں۔'' اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''پھر کیا وجہ تھی؟''

''دراصل جب میں تمہیں دیکھتا تھا تب ردعمل کے طور پر تمہارا غصہ ہونا، کینٹین میں مجھ سے کتاب لے کر ٹیبل پر پٹخنا اور خونخوار خطرناک انداز میں میری طرف بڑھنا...... مجھے لگتا تھا تم بہت مغرور ہو گی لیکن ایسا نہیں ہے، تم واقعی بہت اچھی ہو۔'' وہ تمام باتوں کو دہراتا آخر میں سنجیدگی وصاف گوئی سے بولا۔

''میں غصے کی واقعی تیز ہوں لیکن آج تک کسی کو مارا نہیں اور میں اچھی ہوں یا نہیں اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی البتہ مغرور قطعاً نہیں ہوں۔'' جواباً وہ نارمل تھی۔

''شاید مجبوراً......!! پھر بات بدلی۔

''اوکے اب میں چلتی ہوں، میرا پیریڈ اسٹارٹ ہونے والا ہے۔'' ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا پھر کل دوبارہ مل سکتے ہیں؟'' علی نے سرعت سے پوچھا۔

''شیور۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

دونوں کے درمیان بہت سی ملاقاتیں ہوئیں تو ایک دوسرے کو جاننے کا موقع ملا۔ علی واقعی بہت اچھا تھا۔ مستبشرہ کے لئے سچی

محبت اس کی آنکھوں سے ہر لمحہ عیاں ہوتی، جس پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی یقین لے آئی تھی مگر اسے پذیرائی کبھی نہ بخش سکی کہ یہ اس کے پلان کا حصہ نہ تھا۔

دو دن مزید یونہی گزرے۔ وہ چاروں لان میں بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں جبھی علی آیان نے مستبشرہ کو بلایا تو توقع کے بعد وہ اٹھ کر چلی گئی۔

''یہ اچھا نہیں کر رہی علی کے ساتھ۔'' اس کے جاتے ہی معطر فاطمہ نے کہا۔

''ہاں......لیکن وہ یہ سب کرنے کے لئے مجبور ہے۔'' عدن نے اس کی تائید کرتے ہوئے مستبشرہ کی سائیڈ بھی لی۔

''ہونہہ مجبور......اگر مجبور ہے تو بھی میرا نہیں خیال اسے یہ سب کرنا چاہیے۔ تم نے علی کی آنکھوں میں چمک دیکھی ہے، کتنے ارمان سجائے بیٹھا ہوگا وہ مستبشرہ کی ذات کو لے کر، مگر صد افسوس کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔'' مہ روش اب بھی دل سے مستبشرہ کے فیصلے پر نہ خوش تھی نہ مطمئن لیکن مزید اس کے سامنے احتجاج کر کے وہ اپنی برسوں پرانی دوستی کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مستبشرہ کا طریقہ بھلے غلط کیوں نہ ہو وجہ بہت مضبوط تھی، سو ہر ممکن کوشش کرتی کہ اس موضوع پر کبھی بحث نہ کرے۔

''محبت میں اعتبار ہی تو سب کچھ ہوتا ہے اور علی کو مستبشرہ کی جھوٹی محبت پر اعتبار ہے، وہ بے چارہ دھوکا کھا رہا ہے، مجھے بہت دکھ ہے کہ میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی۔'' ماہی پھر بولی۔ البتہ اب وہ لہجے میں افسردگی و ملال تھا۔

''میں نے سنا ہے کہ اگر محبت سچی اور بے لوث ہو تو وہ بنا شور شرابا کیے پتھر کو بھی موم بنا دیتی ہے۔ محبت کا پرسحر اثر کسی بھی جگہ اپنا وجود قائم کر دیتا ہے اور انسان چاہے لاکھ انکار کرے جلد یا بدیر اسے محبت کے احساس کو دل سے محسوس کرنا پڑتا ہے۔'' معطر بھی قدرے سنجیدہ تھی۔

''اور علی جس کھیل کا شکار بننے جا رہا ہے وہ بہت کربناک ہوگا، مجھے تو ڈر ہے کہ جس دن اسے حقیقت کا پتہ چلے گا کہیں وہ ٹوٹ نہ جائے۔ محبت میں دھوکا، بے اعتباری جیتے جی مار دیتی ہے۔ انسان کو زندگی سے بہت دور ہجر کی دلدل میں دھکیلے بہت بے مول کر دیتی ہے۔'' ماہی کو تو علی ہی کی فکر تھی۔ اب کے کوئی کچھ نہ بولا۔ ان تین سالوں میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا جب ان چاروں میں کسی بھی بات پر اختلاف پیدا ہوا تھا۔

مہ روش شروع سے ہی حساس تھی۔ اسے محبت چاہے والدین، بہن بھائیوں، محبوب یا شوہر سے ہو کسی بھی رشتے میں دھوکا، فریب، لالچ، مطلب، انتقام یہ سب پسند نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہر رشتے کو دل کی تمام تر شدت سے نبھایا۔ ہمیشہ دوستوں سے بھی محبت کا رشتہ رکھا کہ یہ جذبہ اس کے نزدیک کسی بھی مطلب یا لالچ سے ماورا ہے۔

مہ روش نے بہت پہلے سوچ لیا تھا کہ شادی کے بعد شوہر سے محبت کے تقاضے کو پوری ایمانداری سے نبھائے گی کہ محبت ہی کے

ذریعے کاروانِ حیات تمام تر رنگینیوں سے خوبصورت و سہل بنائی جا سکتی ہے، اسی لئے مستبشرہ کے فیصلے نے اسے خاصا مایوس کیا تھا۔

عدن اور معطرو ہیں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں جبکہ اسے میم آصفہ سے کچھ ضروری کام تھا سو ان سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

آج موسم بھی بہت اچھا تھا، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ وہ اردگرد گزرتے لڑکے لڑکیوں پر سرسری نظر ڈالتی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے آپ میں گم آگے بڑھ رہی تھی جبھی اچانک سامنے سے آتے شخص سے بری طرح ٹکرائی۔ اور اس سے پہلے کہ زمین بوس ہوتی مقابل نے اسے سرعت سے ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔ نتیجتاً مہ روش مقابل کے کشادہ سینے سے جا لگی البتہ دل کی دھڑکن بری طرح بے ترتیب ہوئی تھی اور آنکھیں جونہی مقابل کے چہرے پر ٹھہریں ساکت سی رہ گئیں۔ چہرہ جانا پہچانا تھا۔

''آپ......!'' پھر حیرت بھرا ایک لفظ اگلے ہی پل اس کی زبان سے ادا ہوا تھا ساتھ ہی وہ کرنٹ لگنے کے سے انداز میں پیچھے ہٹی۔ سامنے کھڑے شخص نے لبوں پر بجلی سی مسکراہٹ سجائی۔

''آپ یہاں......؟'' متعجب لہجے میں استفسار کیا۔ حقیقتاً ماہی اسے سامنے پا کر چونکی تھی۔ چونکنے سے زیادہ ٹکر لگنے کے بعد اس کی بانہوں کے حصار میں آنے پر شرمسار و نادم سی اس سے آنکھیں نہ ملا سکی۔

''جی میں یہاں۔'' مراد منصور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ جب تک وہ اپنی منتشر ہوئی بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو میں کر چکی تھی۔

''سوری میں آپ کو دیکھ نہ سکی تھی۔'' جبھی آہستگی سے معذرت خواہ لہجے میں بولی۔

''اٹس اوکے......سناؤ کیسی ہو تم؟'' وہ ایک ادا سے بولا۔ ساتھ ہی اس کا احوال پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' ماہی نے بتاتے ہوئے اخلاقاً پوچھا۔

''ایک دم فٹ۔'' وہ مسکرایا اور قریب رکھے بینچ پر بیٹھا۔ مہ روش نے بھی وہیں نشست سنبھالی مگر خاموشی سے کیونکہ مراد کی یونیورسٹی آمد وہ بھی غیر متوقع، غیر یقینی آمد پر وہ خاصی حیران تھی مگر بڑی مہارت سے خود کو کمپوز کیا۔

''یہاں کیسے آنا ہوا؟'' اور توقف کے بعد اپنے اندر اٹھتے سوال کو زبان دی۔

''پچھلے ایک ہفتے سے میں بزنس کے سلسلے میں یہاں ہوں، تمہارا پتہ تو تھا کہ تم اس یونیورسٹی میں پڑھتی ہو، سو سوچا تم سے مل لوں......تمہیں برا تو نہیں لگا میرا یہاں آنا؟'' مراد بتاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ارے نہیں......اتنے عرصے بعد آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے، پھپھو اور ادینہ کیسی ہیں؟'' وہ مروتاً خوش اخلاقی سے مسکرائی پھر پوچھا۔

''ٹھیک ہیں سب......امی اکثر ماموں کو یاد کرتی ہیں، تمہاری باتیں کرتیں ہیں، پہلے تو جب ان کا جی چاہتا تھا ماموں سے مل لیتی تھیں مگر دیکھو حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سب کچھ بدل گیا، تین سال سے دونوں گھروں میں آنا جانا بند ہے......بہت دل دکھتا ہے میرا،

جب خونی رشتوں کو یوں ایک دوسرے سے بیگانہ دیکھتا ہوں۔'' وہ قدرے ٹھہرے ہوئے انداز میں کچھ افسردہ سا تھا۔ مہ روش اس کے یوں بات بدلنے پر چند ثانیے خاموش رہی حالانکہ اس ذکر سے اس کا اپنا دل بھی افسردہ وہ ملول سا ہو گیا تھا۔

''ایگزامز کب ہیں تمہارے؟'' مراد نے سہولت سے بات بدلی۔

''دو ماہ بعد۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''کچھ خاص نہیں، ابو جاب تو کرنے نہیں دیں گے، مجبوراً گھر ہی بیٹھنا پڑے گا۔'' وہ بتانے لگی۔

مراد جانتا تھا کہ ماموں لڑکیوں کے جاب کرنے کے سخت خلاف ہیں کہ جب انہیں گھر میں ہر چیز ہر آسائش میسر آ رہی ہے تو پھر باہر زمانے کی تپتی دھوپ میں جلنے کی کیا تک بنتی ہے۔

''اچھا جی مجبوراً۔'' وہ ہنسا۔

''اس کا مطلب ہے تم کچھ کرنا چاہتی ہو۔''

''ضروری نہیں کرنا چاہتی پر یہ بھی نہیں چاہتی کہ جو پڑھا ہے وہ بے کار جائے۔'' وہ سیدھے سے بولی۔

''جانے دو بے کار...... کچھ کر کے بھی کیا کرو گی، کل کو پرائے گھر میں جاؤ گی تو وہاں وہ لوگ صرف گھر کے کام کروائیں گے، ضروری نہیں کہ جاب بھی کروائیں۔'' مراد جواباً حقیقت پسندی سے صاف گوئی سے بولا جس پر وہ بلش ہوئی۔

''جی......'' محض اثبات میں سر ہلایا۔

''اور ویسے میں بھی ماموں کی سوچ سے سو فیصد متفق ہوں، مجبوری یا ضرورت کے تحت جاب کرنا تو ٹھیک ہے مگر ہر سہولت و آسائش کے ہوتے ہوئے گھر سے باہر نکلنا لڑکیوں کے لئے خواہ مخواہ وبال جان بن جاتا ہے، گھر کی چار دیواری سے باہر طرح طرح کے لوگ مختلف سوچ کے حامل ہوتے ہیں، سگے رشتوں پر آج کل اعتبار نہیں کا جا سکتا۔'' مراد اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ مہ روش نے جواباً چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہا۔

شروع سے جانتی تھی مراد منصور صرف اپنی ہی بات کا قائل اپنا آپ منوانا ہر صورت جانتا ہے اور آج تین سال بعد غیر متوقع ملاقات کو وہ بنا کسی جرح کے خیر و عافیت سے انجام تک پہنچانا چاہتی تھی۔

''اچھا بتائیں آپ کیا لیں گے، ٹھنڈا یا گرم؟'' سو بات بدلتے ہوئے مہمان نوازی کا عمدہ مظاہرہ کرتے ہوئے اخلاق کے تقاضے کو بھرپور نبھانے کی غرض سے بولی۔

''یہاں...... یونیورسٹی میں؟'' وہ حیران ہوا۔ شاید ماہی سے یہ بات گھر سے باہر سننا اسے عجیب لگا تھا۔ کہتے ہی ساتھ میں مسکرایا۔

''جی یہاں...... یونیورسٹی کی کینٹین میں کھانے پینے کی ہر آسائش موجود ہے اور پھر ہم ملے بھی اتنے عرصے بعد ہیں، سو آپ کا بنا کھائے پیئے چلے جانا مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' وہ اپنی فطری عادت کے باعث خوش اخلاقی سے بولی۔ مراد کے لبوں پر متاثر کن مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔'' ساتھ ہی منع کرنا چاہا۔

''تکلف کیسا...... آپ میرے کزن ہیں اور اس وقت مجھ سے ملنے آئے ہیں لہٰذا میرا حق بنتا ہے اور اخلاقاً میرا فرض بھی۔'' وہ باتونی تھی، دوبدو بولی۔

''اوکے......'' اب کے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

مہ روش اسے اپنے ہمراہ لئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کینٹین کی طرف بڑھتے ہوئے اب ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد مراد واپس چلا گیا مگر پھر آنے کا کہہ کر۔ البتہ ماہی جہاں اس کی آمد پر حیران تھی وہیں مراد کے نرم رویے سے چھلکتی اپنائیت پر غور کیے بنا نہ رہ سکی۔ مراد جیسا سنجیدہ بندہ وہ بھی اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی اس کے سامنے سے گزرے حالات پر افسوس کر رہا تھا، یہ اس کے لئے کسی اچنبھے سے کم نہ تھا۔ بہرکیف فی الوقت وہ تمام حیرت کو سائیڈ پر کیے سر جھٹکتی میم آصفہ کی طرف چل دی۔

☆......☆......☆

''تمہیں نہیں لگتا کہ یہ سب افسانوی باتیں ہیں۔'' ڈرامہ رچاتے رچاتے اسے عجیب سی الجھن ہوتی تو اسے کہہ دیتی، لب ولہجہ البتہ نارمل ہوتا تھا۔

''نہیں سچ میں یہ سب میری ذات کی حقیقت ہے، میری محبت کوئی فسانہ نہیں ہے۔'' جبکہ علی یکدم سنجیدہ ہو جاتا۔ وہ اپنی مستبشرہ سے محبت کے لئے بہت حساس بہت اموشنل تھا جو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

''پھر بھی حقیقت اور فسانے میں بہت فرق ہوتا ہے، پیار محبت بھرے ڈائیلاگز فلمی دنیا سے جڑے اچھے لگتے ہیں، اصل میں یہ بے معنی ہوتے ہیں، کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔'' مستبشرہ جمال بحث کے موڈ میں تھی سو آرام سے بولی۔ علی حسن نے ایک نظر بغور اس کے موہنے مکھڑے کو دیکھا پھر گویا ہوا۔

''میں بتاؤں کہ تم مجھے کیوں اچھی لگی ہو...... میرے قدموں نے دل جذبات سمیت کیوں تمہاری طرف رخ کیا ہے؟''

''ہاں...... میں جاننا چاہوں گی۔'' اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ اشتیاق بھرے لہجے میں بولی۔

''جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو مجھے جیسے پہلی بار زندگی کی خوبصورتی کا احساس ہوا، تمہیں بولتے سنا تو لگا گویا فضا میں جلترنگ سے بجنے لگے ہوں، جیسے خزاں میں بہار سی آ گئی ہو اور تمہاری مسکراتی آنکھیں زندگی کے رنگوں سے سجی، شوخ وشریر، محبت کی پیامبر

لگتیں، تم ہنستی ہو تو مجھے اپنے اطراف پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں مستبشرہ...... تمہارا تصور مجھے خود سے بیگانہ کر دیتا ہے اور شاید اسے ہی محبت کہتے ہیں۔'' وہ نہایت جذب سے بولا۔ مستبشرہ کئی پل اس کی باتوں میں محو حیرت رہی، دل تو پہلے ہی اختیار میں کیے بیٹھی تھی البتہ دماغ میں ہلچل ضرور مچی، لیکن فی الوقت خاموش رہی۔

''اگر تم مجھے نہ ملتیں تو یقیناً میں تمہارے پیچھے تمہیں سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتا۔'' علی خوشگوار موڈ میں تھا مسکراتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پاگل ہونے کے چانسز اب بھی بہت واضح ہیں علی۔'' جواباً وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی کہ زبان نے پل بھر میں ان الفاظ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ عمر بھر چلنا چاہتا ہوں مستبشرہ۔'' علی اس کے سامنے ہولیا۔ دل کی بات دل سے کہی۔

''وہاٹ!'' جبکہ وہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ سمجھی۔

''تم سے ایک سوال پوچھوں؟'' جس پر وہ بات ہی بدل گیا۔

''ہاں پوچھو۔'' اسے اجازت دی۔

''کیا ابھی تک میری محبت یکطرفہ ہے؟'' بلا تمہید باندھے دوٹوک پوچھا۔

''یہ کیسا سوال ہے علی؟'' مستبشرہ سے فوراً کوئی جواب نہ بن سکا تو مصنوعی حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

''میری زندگی وموت کا سوال ہے۔'' دوبدو جواب دیا پھر مزید بولا۔

''جواب کا منتظر ہوں۔''

''اتنی جلدی جواب ممکن نہیں ہے علی۔''

''تو پھر کب تک انتظار کروں۔'' وہ سنجیدہ مگر قدرے جذباتی ہوا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ صاف بولی۔

''پھر کب کہو گی؟'' علی آج ہر حال میں جاننے کے موڈ میں تھا، تو ترکی بہ ترکی بولتا اسے حیران کر گیا۔

''اتنی بھی جلدی کیا ہے؟'' کہتے ہی مستبشرہ نے رخ پھیر لیا کہ علی کی آنکھوں میں دیوانگی اسے صاف بڑھتی دکھائی دینے لگی۔

''جلدی سے...... تمہارے ساتھ گزرا ہر وقت یادگار بنانا چاہتا ہوں۔'' محبت سے چور لہجے میں جواب دیا۔

''میں اس وقت بھی تمہارے ساتھ ہوں، کیا یہ تمہارے لئے یادگار لمحہ نہیں ہے۔'' اس نے جواب گول کیا اور ایک اور سوال داغا۔

''ہے مگر......!'' اب کے وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

''میرے خیال میں محبت یوں اچانک نہیں ہوتی...... اینی ویز تم نے سوال کیا ہے جواب تو دینا ہی پڑے گا مگر تمہیں مناسب وقت

کا انتظار کرنا پڑے گا، ابھی میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' مستبشرہ نے کہا۔علی واضح طور پر کچھ نہ سمجھا۔

''تو پھر میں کب تک انتظار کروں؟'' سوا استفسار کیا۔

''جب تک مناسب وقت نہیں آجاتا۔'' اس نے سپاٹ انداز میں دوٹوک جواب دیا۔ساتھ ہی غور سے اسے دیکھا، وہ کچھ الجھا سا لگا۔یا شاید پھر مستبشرہ کی طرف سے مسلسل ٹال مٹول کی وجہ سے جو اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی، بہر حال وہ جلد باز ہرگز بھی نہیں تھا۔

''اوکے......ویسے بھی انتظار پیار کو بڑھاتا ہے، میں دل و جان سے مناسب وقت کا انتظار کروں گا۔'' جبھی وہ بولا۔

''اب میں چلتی ہوں۔'' وہ مزید بحث کیئے بنا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیوں......آئی مین اتنی جلدی۔'' وہ بے ساختہ کہہ بیٹھا۔

''جلدی کہاں...... گھنٹے بھر سے تمہارے ساتھ ہوں اور اب سر خالد کا پیریڈ اسٹارٹ ہونے والا ہے، دیر ہوگئی تو ڈانٹ کھانی پڑے گی، بائے۔'' وہ اپنا مخصوص لہجہ اپناتی کچھ ہی لمحوں میں اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

مستبشرہ کے جھوٹ بھرے ناٹک نے اس ایک ہفتے میں علی آیان حسن گیلانی کی محبت کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی وسعتوں میں خوشبو کی مانند پھیلا دیا تھا لیکن وہ بے خبر تھی کہ جس محبت سے وہ علی کے دل میں نفرت کا بیج بونا چاہتی ہے وہ ہی محبت علی کے دل میں پلتی محبت چاہت کی شدت کو مزید بڑھاتی اسے فرحت وانبساط سے آزاد پنچھی کی طرح ہوا میں یہاں وہاں رقص کرانے میں ہر دم مشغول تھی۔علی خوش تھا بہت خوش۔اصل حقیقت سے بے خبر، دل سے مستبشرہ کے جواب کا منتظر اور اس کے ساتھ کو اقرار مانتا وہ خود کو کامیاب تصور کرتا۔ محبت کی منزل پانے کو تیار۔

☆......☆......☆

مستبشرہ کلاس میں داخل ہوئی تو پہلی نظر درعدن پر پڑی جو خاصی بوکھلائی سی بیٹھی تھی اور یہ واقعی سر خالد کی دہشت کا اثر تھا جو لاپرواہ سی درعدن کم از کم ان کے پیریڈ میں خاصی سنجیدہ ہو جاتی تھی، اس کے نزدیک ہی مستبشرہ نے اپنی نشست سنبھالی۔

''کمال ہے آج تم نے چھٹی نہیں کی۔'' پھر متعجب نظریں اس پر گاڑے استفسار کیا۔

''چچی جان کہہ رہی تھیں کہ شام کو شاپنگ کیلئے چلیں گے سو میں آگئی ویسے بھی انگیج منٹ تین دن بعد ہے۔'' وہ تفصیل سے بولی۔

''اچھا اور تمہارے ''وہ'' آگئے کراچی سے؟'' مستبشرہ نے وہ پر خاصا زور دیتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔معطر اور مہ روش مسکرائیں۔

''ہاں یار! کل شام ہی آئے تھے سب۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

پھر سبھی آپس میں باتوں میں مصروف ہوئیں، اتنے میں کلاس روم میں سناٹا چھایا۔سب نے ڈرے سہمے چہروں کو اوپر اٹھا کر سر

خالد کا استقبال معمول کے مطابق کرنا چاہا لیکن جیسے ہی سب کی نگاہیں اوپر اٹھیں سامنے موجود نفوس پر گئیں سبھی محو حیرت رہ گئے۔ آدھے سے زیادہ آنکھیں کی چمک اٹھیں، خاص کر کے درعدن کی کیونکہ سامنے سر خالد کے بجائے انہی کی عمر کا کوئی اور شخص کھڑا تھا جس نے سبھی کی حیرت جانچتے ہوئے خوشگواریت سے ترلب و لہجے میں پوری کلاس سے ہیلو ہائے کی پھر ڈائس سنبھال کر تمام لڑکے لڑکیوں پر طائرانہ نظر دوڑائی جیسے کسی کی تلاش میں ہوں اور جو پہلی نظر ٹکی وہ اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتی خود کو نارمل کرتی درعدن پر ٹھہری جو کسی حد تک سر خالد کی غیر موجودگی سے خوش بھی نظر آ رہی تھی تو بے ساختہ وہ مسکرا دیئے۔

''سر! سر خالد نہیں آئے آج......؟'' کسی نے با آواز بلند پوچھا تھا۔

''نہیں......اب ان کی کلاس میں لیا کروں گا۔'' سہولت سے جواب دیا۔ نگاہیں ہنوز درعدن کے چہرے کا احاطہ کیئے ہوئے تھیں۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' یہ جملہ بیک سیٹر ز کی طرف سے تھا جو یقیناً سر خالد سے بیزار ان کے جانے کا سن کر خوش ہوئے تھے۔

''سر! آپ کا خوبصورت نام کیا ہے؟'' ایک اور آواز سوال کی صورت ان کی سماعت سے ٹکرائی، سوال لڑکی کی طرف سے پوچھا گیا تھا جبھی سب قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکے۔

''بتاؤں گا...... پہلے آپ سب اپنا نام بتایئے فریقین کے درمیان مستقبل میں ساتھ چلنے کیلئے تعارف ضروری ہوتا ہے تو پہلے بوائز سے اسٹارٹ کرتے ہیں۔'' نئے سر سوفٹ اور فرینک نیچر کے لگتے تھے، نہایت نرم مگر دوستانہ لہجے میں بولے۔ پھر باری باری تمام لڑکے اور لڑکیوں نے اپنا نام بتایا اور تھوڑا بہت تعارف بھی کروایا اور سب سے آخری میں سر نے جانتے بوجھتے گلا معنی خیزی سے کھنکارتے ہوئے درعدن کو مخاطب کیا۔

''مس درعدن! اسٹینڈ اپ۔'' اپنا نام سنتے ہی وہ ہڑ بڑا کر سیدھی ہوئی، سوچ رہی تھی کہ سر خالد کے جانے کے بعد شاید اب اگلے کئی دنوں تک اس کی جاں بخشی ہو گی مگر یہاں تو تمام سوچوں پر پانی پھر گیا تھا۔

''یہ پیریڈ ہی منحوس ہے، ہمیشہ پہلے میں ہی سب کے قہر کا نشانہ بنتی ہوں۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی جس پر باقی تینوں کی ہنسی چھوٹی۔

''سر! درعدن کا نام بتانے سے پہلے ہی آپ اس کا نام جانتے ہیں؟'' کسی لڑکی نے حیرانگی سے استفسار کیا، شاید اس کا دل دکھا تھا۔

''جی ہاں...... ویسے بھی کہا جاتا ہے جہاں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے وہاں یہ سب عام ہوتا ہے۔'' وہ خاصے عاشقانہ انداز میں بولتے سب کو حیران کر گئے۔

''اوئے ہوئے۔'' کئی من چلے لڑکوں نے بیک وقت نعرہ لگایا۔

''کیسی ہیں درعدن آپ؟'' جبکہ وہ سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ٹھیک ہوں سر......'' وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے حیران پریشان بولی۔

''نام کی طرح آپ حقیقت میں بھی بہت پیاری ہیں۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بولے گئے۔ شاید ان پر پہلی نظر کی محبت اثر کر گئی تھی۔

''جی سر......؟'' جبکہ وہ بونگوں کی طرح انہیں دیکھنے لگی۔ البتہ باقی کلاس مزے سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ دیوانگی کے عالم میں بولے۔

باقی سب نے ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے دیکھا، کسی کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا، شاید ایسا پہلی بار جو ہو رہا تھا کہ کوئی لیکچرار اپنا پہلا ہی لیکچر اقرار محبت سے کر رہا تھا، وہ بھی ایک اسٹوڈنٹ سے۔ درعدن بے ہوش ہونے کو تھی۔

''سر! آپ یہاں پڑھانے آئے ہیں یا عشق لڑانے؟'' کسی منچلے لڑکے نے اونچی آواز میں انہیں مخاطب کیا۔

☆......☆......☆

''پڑھنے پڑھانے میں کیا رکھا ہے، کاش آپ مجھے پہلے ملی ہوتیں...... آپ نے تو مجھے دیوانہ بنا دیا ہے'' ...... وہ تمام کلاس کے سامنے اس پر حال دل منکشف کرنے لگے۔

''سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ عاجز آ گئی۔ ایسا کبھی اس کے ساتھ ہو گا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بے بسی سے دوستوں کی طرف دیکھا۔ ماہی، مستبشرہ اور معطر سمیت سب حیران تھے، ایسے میں سر نے بنا ہچکچاہٹ کے اپنی بات جاری رکھی۔

''بالکل سچ کہہ رہا ہوں...... مجھے تم سے دیوانگی کی حد تک محبت ہو گئی ہے۔'' پھر کہتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔

''سر...... آپ کو اپنے رتبے کا لحاظ کرنا چاہیئے۔'' سر کی حرکت پر وہ رو دینے کو تھی، یوں بھلا کب کسی کے ساتھ ہوا تھا جو آج اس کے ساتھ ہو رہا تھا جبھی حواس کو قابو کرتی سختی سے بولی۔

''درعدن...... وِل یو میری می؟'' جبکہ وہ کوئی بھی اثر لئے بنا اس کے سامنے دست سوال دراز کر گئے۔

''سر! آپ مجھے ٹارچر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، میں آپ کی پرنسپل سے کمپلین کروں گی۔''

''ضرور...... مگر مجھے بھی آپ کے پاس اپنے دل کی کمپلین لکھوانی ہے جسے آپ نے پہلی ہی نظر میں مجھ سے چرا لیا ہے۔'' وہ شوخ ہوئے۔

''پلیز سر......'' اگلے ہی پل وہ بے بسی کی انتہا کو جا پہنچی۔

''او کے...... لیکن محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے، میں آپ کے سامنے سب اسٹوڈنٹس سے پوچھتا ہوں کہ کیا مجھے اپنے دل کی بات دل میں دبا کر رکھنی چاہیئے۔'' وہ کلاس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''نو سر......'' اسٹوڈنٹس کو تو بنا پیسے خرچ کئے ڈرامہ دیکھنے کو ملا تھا سو مزے سے بولے، وہ مسکرائے۔ اس کی تینوں دوستوں نے فی الوقت خاموش رہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''سر! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں، تین دن بعد میری انگیج منٹ ہے، آپ یہ پیار محبت کی باتیں مجھ سے نہ کریں تو ہی اچھا ہے،

اگر پرنسپل کو پتہ چل گیا تو آپ کی جاب جا بھی جا سکتی ہے۔'' وہ اب خود کو مضبوط ظاہر کرتی آخر میں انہیں باور کروانے لگی۔

''مجھے پرواہ نہیں اور ویسے بھی انگیج منٹ تین دن بعد ہے، ابھی ہوئی نہیں ہے۔'' وہ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔

پوری کلاس ایک عجیب و غریب صورتحال سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ سر کے چہرے پر بھی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''سر! آپ اچھا نہیں کر رہے۔''

''اچھا تو آپ بھی نہیں کر رہیں میرے ساتھ۔'' دوبدو جواب دیا۔

''سر پلیز......'' وہ رودی جبھی وہ کچھ بوکھلا سے گئے۔

''سوری درعدن پلیز......رومت۔'' مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر مزید بے بسی سے رونے لگی، ماہی اٹھ کر اس کے قریب آئی، اسے چپ کرانے کی کوشش کی۔

''خالد......یار اندر آؤ، یہاں تو سب الٹ ہو گیا ہے۔'' جبھی وہ دروازے کی جانب لپکے۔ اتنے میں سر خالد اندر آئے، تمام اسٹوڈنٹس حیران پریشان سے اٹھے، انہیں سلام کیا۔ وہ درعدن کے قریب آئے۔

''کم آن درعدن......رومت، اٹھو شاباش۔'' اسے چپ کروایا۔

''سر آپ......'' مستبشرہ بھی حیران تھی۔

درعدن نے آنکھیں صاف کیں اور اٹھ کھڑی ہوئی کہ سر خالد کی دہشت سے اس نے کبھی ان کی بات کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

''سر! آپ یہاں ہیں تو یہ کون ہیں؟'' ماہی نے پوچھا۔

''یہ میرا کزن اور دوست ہے عامر......ابھی جو کچھ ہوا وہ محض ایک مذاق تھا، میں آپ سب کو بتا تا چلوں کہ ٹھیک تین دن بعد عامر کی انگیج منٹ ہونے والی ہے درعدن سے، جب میں نے عامر کے یہاں آنے کے بعد اسے بتایا کہ درعدن میری کلاس میں پڑھتی ہے تب عامر نے یہ سب پلان کیا، اینڈ ڈیئر اسٹوڈنٹس، یہ سب مذاق تھا، میں امید رکھوں گا کہ آپ میں سے کوئی اس بات کو کلاس سے لیک آؤٹ نہ کرے۔'' وہ اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں پوری کلاس سے مخاطب ہو کر اصل بات بتانے لگے جہاں سب حیران ہوئے وہیں سر خالد کو یقین دلایا کہ کلاس کی بات باہر نہیں نکلے گی البتہ درعدن تمام صورتحال سننے کے بعد ہکا بکا نظریں جھکا گئی البتہ عامر کی حرکت سے آنے والے غصے پر شرم غالب آ چکی تھی۔

''آج آپ سب میری طرف سے فری ہیں اور درعدن آپ میرے ساتھ آئیں، مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' سر خالد نے آج پہلی مرتبہ سب کے چہروں پر مسکراہٹ سجا کے انہیں خوش کیا، پھر درعدن سے کہتے کلاس روم سے باہر نکل گئے۔ مستبشرہ، مہ روش اور معطر نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرا دیں۔ درعدن نے سر خالد کی پیروی کی، عامر بھی ان کے پیچھے لپکے، سر خالد نے درعدن کو آرام

سے سب سمجھایا، اس کے غصے کو کول ڈاؤن کیا اور جب وہ ریلیکس ہوئی تب اسے عامر کے حوالے کر کے چلے گئے۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا...... میں تو پریشان ہو گئی تھی اور سب کیسے مزے سے مجھے دیکھ رہے تھے، ہنس رہے تھے۔'' کچھ جھجکتے ہوئے درعدن نے اس سے شکوہ کیا۔

''ہوں جانتا ہوں، پر میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا، اپنی تمہاری پہلی ملاقات کو یادگار بنانا چاہتا تھا۔'' وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں اب تو یہ ملاقات مجھے ساری عمر یاد رہے گی، مجھے کیا سب کو یاد رہے گی۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

''اب تم سے ایک بات پوچھوں جواب ابھی ہی دوگی۔'' وہ فوراً بات بدلنے لگا۔

''جی پوچھیں۔'' عدن نے خاصے شرمیلے لہجے میں اجازت دی۔

''درعدن! وِل یو میری می۔'' عامر نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے جذب سے پوچھا جبھی اقرار کے طور پر درعدن نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں کے لب مسکرا دیئے۔

درعدن کا بعد میں تینوں نے خوب مذاق اڑایا جبکہ وہ دل و جان سے عامر کی گرویدہ ہو چکی تھی اور اب اس کی سنگت میں مستقبل کے لیے حسین و رنگین سپنے دیکھنے کو بالکل تیار تھی۔

دوسری طرف علی آیان حسن گیلانی، مستبشرہ جمال کی محبت میں دیوانہ ہوا جا رہا تھا جبکہ وہ مجبوراً اس کے ساتھ ہنستی مسکراتی کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی، البتہ علی کے سنگ گزرتے پل پل میں وہ جان چکی تھی کہ علی یقیناً اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے اور اسی کو سنگ کیے تصور میں مستقبل کا نقشہ کھینچے چلا جا رہا ہے جسے فی الوقت وہ چاہتے ہوئے بھی روک نہیں پا رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات کافی گہری و خاموشی تھی، مہروش نے کروٹ بدلی، مستبشرہ جانے کب کی سو چکی تھی مگر آج نیند ماہی کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس کے دل و دماغ میں سوالات و خیالات نے ہلچل مچائی ہوئی تھی، لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنی منتشر سوچوں کو منجمد کرنے میں ناکام رہی تو اٹھ بیٹھی، مراد منصور کی یونیورسٹی آمد نے جہاں اس کے چونکنے میں اہم کردار ادا کیا تھا وہیں دوبارہ ملنے کی بات اسے مزید حیران کر گئی تھی۔ گزرتے تین سالوں کی رنجش سے پہلے بھی ان کے درمیان کبھی سلام دعا سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی، مراد شروع سے تنہائی پسند اپنی ذات میں گم رہنے والا بندہ تھا لیکن اب کی ملاقات میں اس کا لب و لہجہ، سوچ و خیالات تک بدلے ہوئے تھے، ماہی نے پھر سے لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کیں، البتہ ذہن و دل ہنوز اپنی سوچوں میں غلطاں تھے، انہی سوچوں میں محو اسے پتہ نہ چلا کہ کب نیند کی مہربان دیوی نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو مستبشرہ تیار ہو رہی تھی، اٹھتے ہی گفتگو باتونی سی ماہی کو پسند نہ تھی، اسی لئے مستبشرہ نے محض ایک پیاری سی

اسمائل اس کی طرف پاس کی پھر اپنے کام میں مصروف ہوئی ماہی فریش ہونے چل دی۔

آج بھی مستبشرہ اس سے باتیں کر رہی تھی مگر جواباً وہ صرف ہوں ہاں میں مختصر سا جواب دیتی، مستبشرہ نے پوچھا بھی مگر وہ بات گول کر گئی۔ تمام وقت ذہن میں رات والی سوچوں کا راج رہا، پیریڈ بھی غائب دماغی سے اٹینڈ کئے اور باتوں میں حصہ لئے بنا دوستوں کی گپ شپ سنتی رہی، مراد نے اسے اپنے آنے کا وقت بتایا تھا، سو وہ کچھ دیر بعد بہانہ کرتی دوسری طرف چلی آئی جہاں مراد منصور پہلے ہی سے موجود اس کا انتظار کر رہا تھا، سلام دعا، حال احوال پوچھنے کے بعد وہ دونوں ایک سائیڈ پر بیٹھ گئے، مراد نے بغور اسے دیکھا، وہ شاید ذہن میں لفظوں کے تانے بانے بنتی الجھن، جھجک میں اپنے مخملی ہاتھ کی انگلیاں مروڑے جا رہی تھی۔

''تم نے میرا انتظار کیا تھا؟'' مراد نے اسے حال میں لانے کے لئے آہستگی سے استفسار کیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا، مہ روش کچھ نہ بولی، دل ہی دل میں حیران ضرور تھی۔

''میں نے تم سے دوبارہ ملنے کے لئے دل سے انتظار کیا۔'' وہ خود ہی بولا۔

''کیوں؟'' اس بار بے ساختہ اس کے لب ہلے، دل میں کچھ ہوا، غیر یقینی طور پر سماعتیں کچھ خاص سننے کو تیار تھیں۔

''مجھے ہمیشہ سے تم سے ملنا، بات کرنا اچھا لگتا تھا۔'' سنجیدہ سا، مختصر جواب دیا۔ وہ قدرے متعجب ہوئی، کیونکہ مراد نے اس سے پہلے کبھی ایسی کسی بات کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''میرا دل چاہتا ہے سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔'' وہ پرسوچ لہجے میں بات بدلتا گویا ہوا۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا مہ روش، کہ ہمارے گھروں میں تعلقات پھر سے استوار ہوں۔'' وہ ماہی سے پوچھنے لگا۔

''ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔'' وہ اتنا ہی بولی۔

''ہاں...... ویسے بھی کسی ایک کی وجہ سے خونی رشتے جدا نہیں ہو سکتے جو ہوا ٹھیک نہیں تھا مگر پھر سے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔'' وہ اپنی دھن میں کہتا وقار کی ذات پر طنز کرنے کر گیا۔

''ابواب بھی پھپھو سے شرمندہ ہیں، وقار بھائی سے بات تک نہیں کرتے، انہی کی وجہ سے ابو اور پھپھو آج ایک دوسرے سے دور ہیں۔'' مہ روش افسردہ و ملول تھی۔

''امی اب بھی ماموں سے متنفر نہیں ہیں مہ روش، انہیں تو گلہ صرف وقار سے ہے جس نے خود ادینہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی، پھر شادی کے قریب خود ہی مکر گیا، کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی ہمیں۔'' وہ ایک ہی جست میں پرانی باتیں چھیڑ گیا، پھر مزید بولا۔

''اگر عین وقت پر معید، ادینہ سے شادی کے لئے نہ کہتا تو ہم لوگ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتے۔''

''وقار بھائی اب تو پچھتاتے ہیں لیکن شکر ہے ادینہ اب اپنے گھر میں خوش ہے۔'' ماہی نے سنجیدہ ہوتی فضا کو نارمل کرنے کے لئے بات بدلی۔

''ہاں شکر ہے اللہ کا...... اگلے ہفتے میں واپس جا رہا ہوں اور مہ روش! جانے سے پہلے میں تم سے کہیں باہر ملنا چاہتا ہوں، بہت ضروری بات کرنی ہے تم سے...... جس سے شاید تمام الجھنوں کا سلجھاؤ مل جائے۔'' وہ گویا ہوا۔

''جی مگر...... باہر ملنا ناممکن ہے، وارڈن بہت سخت ہیں، ابو یا بھائی کے علاوہ کسی سے ملنے نہیں دیتیں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواز اٹھایا۔

''ہاں پر ہم یونیورسٹی آورز میں تو مل سکتے ہیں ناں، میں جانے سے پہلے تمہیں دن بتا دوں گا، تم اس دن کوئی کلاس مت لینا، کیونکہ میرا تم سے ملنا بہت ضروری ہے۔'' مراد نے حل پیش کیا۔ ماہی نے کئی پل سوچنے میں گزارے۔

''اوکے۔'' پھر آہستگی سے بولی۔

''تھینکس...... چلتا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔'' وہ تشکر سے مسکراتے ہوئے چلا گیا، مہ روش بھی دوستوں کی جانب چل دی، ایگزامز دن بدن قریب آتے جا رہے تھے۔ ایسے میں مستبشرہ نے اپنے پلان کے مطابق جلدی علی آیان کے سامنے اقرار محبت کر لیا۔

''تھینک یو سو مچ مستبشرہ! تم نہیں جانتیں، آج تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔'' علی بہت خوش تھا۔

''جانتی ہوں، محبت کبھی بے مول نہیں ہوتی، جلد یا بدیر سے اپنا آپ منوا لیتی ہے۔'' اب اقرار کرنے کے بعد وہ کم از کم ایسے جملے سننے پر مجبور ہو چکی تھی۔

''جانتی ہو...... اگر تم مجھے نہ ملتیں تو میں مر جاتا۔''

''امپوسیبل! کوئی کسی کے لئے مر بھی سکتا ہے۔'' وہ قدرے حیران ہوئی، علی کی سوچ اسے اس کی محبت کی طرف شدت میں جکڑی نظر آئی۔

''لگن اگر سچی ہو تو ایسا ممکن ہے اور تم میرے لئے اتنی ہی اہم ہو جتنی کہ جسم کے لئے روح۔'' وہ دل کی سچائی کو زبان پر لایا۔ مستبشرہ نے بغور اس پیکر محبت کو دیکھا، جس کی دیوانگی و محبت کا ہر ہر رنگ اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا، وہ پہلی ملاقات میں ہی اندازہ لگا گئی تھی کہ علی کوئی دل پھینک لڑکا نہیں ہے اس کا لب ولہجہ، انداز و بیان ہمیشہ مخصوص حدود کے اندر رہا، نہ اس نے کبھی بے باک بات کی، نہ گھٹیا سطحی معیاری جملہ اپنی محبت کے لئے زبان پر لایا اور یہی بات تھی جو مستبشرہ جمال اس کے ساتھ سے اکتاہٹ یا گلٹی فیل نہیں کرتی تھی، ہاں البتہ علی کی بے ریاء پاکیزہ محبت کے برعکس اپنی جھوٹی و بامقصد ترتیب شدہ محبت اسے اکثر بیزار اور نادم کر دیتی۔

''علی......'' آہستگی سے اسے پکارا۔

''ہوں......'' وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

''تم جذبوں کی سچائی پر کتنا یقین رکھتے ہو؟'' پھر سپاٹ و سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

''مطلب......؟''

''مطلب تمہارے نزدیک محبت کیا ہے۔''

''زندگی۔'' اب کے مختصر جواب دیا، پھر بات مزید آگے بڑھائی۔

''اور تم میری زندگی ہو مستبشرہ۔'' انداز چاہت بھرا سچائی سے لبریز تھا۔

''ہوں...... یقیناً محبت زندگی کی جواز ہے۔'' وہ ناچار بولی۔

''پتہ ہے میں نے ہمیشہ تصور میں ہی تمہارے سنگ باتیں کی تھیں، خواب میں تم سے ملاقاتیں کی تھیں اور ڈرتا تھا کہ خواب ٹوٹ نہ جائے لیکن تمہارے اقرار نے مجھے محبت سمیت امر کر دیا ہے، سوچتا ہوں اگر تمہاری سنگت کے خواب نہ دیکھتا تو شاید عمر بھر یکطرفی کا روگ پالے رکھتا، جانتی ہو میں اس وقت خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کر رہا ہوں جس کے سامنے اس کی زندگی ہنستے مسکراتے کھڑی اسے اسی کی نظروں میں سرخرو معتبر کر گئی ہے۔''

''مجھے محبت میں ایسی دیوانگی بڑی عجیب لگتی ہے علی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ بے شک وہ اس کی دیوانگی کی قائل ہو چکی تھی مگر دل و دماغ سے اس کی محبت کو مانتے ہوئے بھی موم نہ ہو سکی، سو دل ہی دل میں اسے سخت سنایا۔

''تعجب ہے۔'' جبکہ وہ حیران ہوا۔

''لڑکیاں تو ایسی محبت کے لئے جان تک قربان کر دیتی ہیں۔'' پھر سنجیدگی سے بولا۔

''تو تم مجھے ان لڑکیوں جیسا سمجھتے ہو جو کسی بھی ایرے غیرے کی محبت کی جھوٹی سچی باتوں پر آنکھیں بند کئے یقین کرتیں ہیں۔'' یک دم وہ سخت ہوئی، علی کی بات کا جو مفہوم اسے نکالا وہ اسے غصہ دلا گیا۔

''ہرگز نہیں۔'' علی دوبدو بولا۔

''پھر میرے سامنے ایسی لڑکیوں کی مثال کیوں دی تم نے؟'' حقیقتاً اسے علی کی بات ناگوار گزری تھی سو اب دوٹوک پوچھا۔

''بس یونہی بٹ ایم سوری...... تم مجھے ہمیشہ ایسی لڑکیوں سے مختلف لگتی تھی اسی لئے اظہار میں دیر کی، ہمیشہ تمہیں دور سے دیکھا۔'' جس پر علی نے معذرت کے ساتھ صفائی بھی پیش کی۔

مستبشرہ نے کچھ سوچتے ہوئے موڈ درست کیا اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے چپ رہنے پر ہی اکتفا کیا کیونکہ جی اپنی ایسی جھوٹی ناٹک بھری محبت سے مزین باتوں سے اکتانے لگا تھا لیکن اس دوران وہ بالکل بھی یہ نہیں سوچتی کہ وہ جو کر رہی ہے بعد میں اس کے نتائج علی کے حق میں کتنے سنگین ہو سکتے ہیں۔ اسے فکر تھی تو ہر حال میں اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھانے کی، ان کے مان کو سمان بخشنے

کی، وہ ایک فرمانبردار، اطاعت گزار بیٹی کے روپ میں ڈھلنے کے لئے کسی بھی جذبات واحساسات کو پروان چڑھانے کی سوچ بھی گناہ سمجھتی تھی، ہر حال میں ثابت قدم رہنا چاہتی تھی، یہ نہیں تھا کہ وہ ایک بے حس یا پتھر دل لڑکی تھی لیکن کسی بھی وجہ کے سبب ہی سہی مگر وہ موم بن کر ہرگز بھی پگھلنا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ علی آیان حسن گیلانی کی محبت کے زور شور سے بڑھتے طوفان کو بڑی بے دردی سے روک دیا جائے، جس کے لئے وہ دوستوں کے منع کرنے کے باوجود بھی تیار تھی اور کسی بھی مناسب وقت کے انتظار میں تھی۔

☆......☆......☆

درعدن کی انگیج منٹ ہوئی تو وہ آئے دن یونیورسٹی سے آف رہنے لگی وجہ عامر تھا۔

''تم نے یونیورسٹی کو مذاق ہی بنالیا ہے عدن۔'' جس پر معطر اس پر کھلا طنز کرتی۔

''لگتا ہے منگنی نہیں شادی ہوگئی ہے محترمہ کی۔'' مستبشرہ بھی اپنا حصہ ضرور ڈالتی۔

میں کیا کروں یار! ہفتے بعد عامر واپس چلے جائیں گے، ان کی خواہش ہے کہ جب تک میں کچھ وقت ان کے ساتھ گزاروں۔'' وہ کچھ شرما کر جواب دیتی۔

''ویسے اس دن تم کو عامر نے خوب لیا تھا، بڑی بہادر بنی پھرتی تھی، پھر پل میں رہ گئی تھی۔'' معطر نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں وہ تو بس...... مجھے تھوڑی اصل بات پتہ تھی، میرے نزدیک وہ نئے لیکچرار تھے اور پہلی ہی ملاقات میں پیار، محبت، شادی کی باتیں، بھلا یوں بھی کبھی کسی کے ساتھ ہوا ہے۔'' وہ منہ بنا کر ادا سے بولی، ماہی جو غائب دماغی سے اسے سن رہی تھی دھیرے سے مسکرائی۔

''اب کیا کہو گی ان کے بارے میں؟''

''یہی کہ وہ بہت اچھے ہیں۔'' ایک ادا سے جواب دیتی درعدن کھلکھلا کر ہنسی، باقی سب نے اس کا ساتھ دیا۔

دن یونہی گزرتے رہے، سب اپنی اپنی زندگی کے نئے آتے موڑ پر گامزن تھیں، ایسے میں مہ روش جانے انجانے مراد منصور کی طرف سے کسی بھی دن ملاقات کا انتظار کررہی تھی، اس کی سوچوں میں ہر وقت انتشار پھیلا رہتا، وہ چپ چاپ گم صم بیٹھی رہتی، جسے کم از کم مستبشرہ نے پل بھر میں محسوس کرلیا۔

''کیا بات ہے ماہی؟'' اور رات سونے سے قبل اس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

''پھر آج کل یوں چپ چاپ کیوں رہتی ہو؟'' اسے کریدا۔

''ایسے ہی۔'' وہ کسی کو فی الوقت کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی سوٹالنے کے انداز میں بولی۔

''نہیں کوئی بات تو ہے۔'' لیکن وہ دوست تھی اس کی، اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی، سو اس نے جرح کی۔

''کوئی بات بھی نہیں ہے ڈیئر فرینڈ۔ ایگزامز قریب آتے جا رہے ہیں، بس اسی کی فکر میں ہوں۔'' مہ روش بولی۔

''سچ میں یہی بات ہے؟'' وہ قدرے یقین کرتے ہوئی بھی بے یقین تھی۔

''ہوں سچ میں......ایک اور بات بھی ہے۔''

''اچھا......کونسی بات؟'' مستبشرہ متوجہ ہوئی۔

''یہ ہمارا یونیورسٹی میں آخری سال ہے، چار سال کا عرصہ کتنی جلدی سے گزر گیا ہے ناں، ہم چاروں کی دوستی ایک دوسرے کو دل سے کتنا قریب کر گئی، سوچتی ہوں کہ جانے پھر یہاں سے جانے کے بعد آپس میں مل بھی سکیں گے یا نہیں۔'' وہ بتاتے ہوئے آخر میں افسردہ ہوئی۔

''ہوں کیا پتہ......اور دیکھو تو چاروں رہتے بھی الگ الگ شہروں میں ہیں، جہاں نہ روز کا آنا جانا ممکن ہے نہ مسلسل رابطہ رہنا، میرا تو دل ابھی سے اداس ہوئے جا رہا ہے، میں سچ میں تم سب کو بہت مس کروں گی۔'' مستبشرہ بھی سنجیدہ مگر قدرے ملول ہوئی۔

''میں بھی۔'' ماہی نے مختصر کہتے ہوئے لب و لہجے میں اپنائیت کے تمام رنگ اتارے۔

اگلے کئی دن ماہی نے مزید انتظار میں گزارے مگر نہ مراد آیا نہ اس کی جانب سے کوئی پیغام، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسی بابت سوچے گئی، دل ہی دل میں پریشان ہوتی رہی، مراد نے اپنے واپس جانے کا جو دن بتایا تھا وہ بھی آ گیا اور بیت گیا اور یہی بات اسے بہت کچھ سوچنے پر اکساتی رہی، ایگزامز میں بھی کچھ ہی عرصہ رہ گیا تھا، اس نے اسی بہانے سوچوں کی یلغار سے چھٹکارا پانے کے لئے کتابوں کا سہارا لے لیا۔

''لگتا ہے ماہی اس مرتبہ ٹاپ کرنے کے موڈ میں ہے۔'' عدن نے اسے کتاب میں سر کھپاتے دیکھا تو جھٹ بولی، مہ روش نے نظر اٹھا کے اسے گھورا۔

''ایگزامز سر پر ہیں اب پڑھوں بھی نہ۔''

''کم از جب ہمارے ساتھ بیٹھو تو یہ گستاخی ہرگز مت کرو۔'' معطر نے شاہی انداز میں کہتے ہوئے بک اس کے ہاتھ سے لے لی۔

''کیونکہ یہاں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' مستبشرہ نے معطر کا جملہ مکمل کیا۔

''مطلب؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''فرینڈز کے درمیان ایسی گستاخی کی سزا تو تمہیں ملے گی۔''

''کیسی سزا؟'' وہ کچھ نہ سمجھی۔

''کیوں نہ ہم یونیورسٹی کے ان آخری دنوں کو یادگار بنائیں۔'' مستبشرہ نے کہا کہ لطف اندوز ہونے کے لئے بہت کچھ سوچ چکی تھی۔

''ہاں واقعی۔'' باقیوں نے اس کی تائید کی۔

''پر کیسے؟'' عدن نے پوچھا۔

''بتاتی ہوں......تو سب سے پہلے ماہی تمہاری باری ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتی مہ روش سے مخاطب ہوئی۔

''کیا کرنا ہوگا مجھے؟'' مہ روش نے پوچھا۔

''وہ جو سامنے سے عالیہ آ رہی ہے تم کسی بھی طرح آج اس کو رلا کر دکھاؤ، اینڈ مائنڈ اٹ، یہ تمہاری گستاخی کی سزا بھی ہے۔'' مستبشرہ اپنے مخصوص لاپرواہ مگر پرشوخ انداز میں اس کا ٹاسک بتانے لگی۔

''ناں یار، وہ تو اپنی کلاس، بلکہ پوری یونیورسٹی میں سب سے بڑی بدھو اور مسکین سی ہے بے چاری، بات شروع کرنے سے پہلے ہی رو جائے گی، کوئی اور دیکھو ارد گرد۔'' معطر نے ماہی سے پہلے کہتے ہوئے اطراف میں نظر دوڑائی۔

''ارے کیسی سزا ہے۔'' جبکہ ماہی انکاری تھی۔

''بہت انٹرسٹنگ ہے ڈیئر مزہ آئے گا۔'' عدن محظوظ ہوئی۔

جہاں ایک پڑھاکو لڑکا آنکھوں پر موٹے موٹے چشمے چڑھائے کندھے سے بیگ لٹکائے دونوں ہاتھوں میں کئی کتابیں اٹھائے اردگرد سے بالکل بے نیاز بڑی مستانہ چال چلتا کوریڈور کی طرف جا رہا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' مستبشرہ نے فی الفور عالیہ کا خیال ترک کرتے ہوئے چہک کر حامی بھری۔

''اب کیا کرنا ہوگا مجھے۔'' جبھی ماہی نے دل و ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹکتے ہوئے خود کو نارمل کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں گیم کا حصہ بنتے ہوئے دل و جان سے استفسار کیا۔

''تمہیں کسی بھی طرح اسے گرانا ہوگا۔'' عدن نے بتایا۔

''مگر کیسے۔'' وہ قدرے چونکی۔ اتنا سیدھا سادہ بندہ ان کے مذاق کا نشانہ بننے جا رہا تھا۔

''یہ تمہارا کام ہے تم ہی جانو۔'' وہ سب لاپرواہ بنیں تھیں، جبھی مہ روش نے سب کچھ فوراً اسے ذہن میں ترتیب دیا اور نہایت خطرناک انداز میں اٹھی اور آگے بڑھی، پھر جلدی سے اس لڑکے کی مخالف سمت پہنچی اور چال میں تیزی لائی، وہ لڑکا ہنوز بے نیاز و بے فکر آگے ہی آگے جا رہا تھا، ماہی نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنی ٹانگ اس کی راہ میں حائل کی، نتیجتاً اس کے قدم ڈگمگائے، ہاتھ سے کتابیں چھوٹ کر زمین بوس ہوئیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ خود زمین بوس ہوتا، پلر کا سہارا لے کر خود کو بچا گیا اور فوراً سے پہلے گرتے چشمے کو سنبھالنے لگا پھر بوکھلا کر مہ روش کی طرف دیکھا، مہ روش نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے سرعت سے معصومانہ چہرہ بناتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''سوری برادر۔''

''اٹس اوکے......سسٹر۔'' وہ عجیب کھوئے سے انداز میں محض اتنا ہی بولا اور زمین پر پڑی بکس اٹھانے لگا، البتہ قریب سے

گزرتے کئی لڑکے لڑکیوں نے بلند قہقہے فضا میں بکھیرے۔ مہ روش اس کے ساتھ بکس اٹھانے کی زحمت کو اگنور کرتی فوراً سے پہلے وہاں سے کھسکی، وہ تینوں اس کو سب کرتا دیکھ چکی تھیں، سو اس کے آتے ہی اسے داد دی۔

''اچھا اب کس کی باری ہے۔'' ماہی نے سوال کیا۔

چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا سوالیہ نظروں سے، پھر معطر کی طرف دیکھتے ہوئے تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے منتخب کیا، وہ خود کو گیم کا حصہ سمجھتی تھی سو تیار تھی۔

''کیا کرنا ہوگا مجھے؟'' استفسار کیا۔

تو ان تینوں نے اردگرد متلاشی نظر دوڑائی، اتنے میں پاس سے لڑکیوں کا ایک گروپ گزرا، جو کافی تیز طرار اور لڑاکا طبیعت کی مالک تھیں، جن میں سے ایک طوبیٰ نامی لڑکی ٹھیک ٹھاک اونچی پونی ٹیل کیئے، بڑی نزاکت سے اپنے بالوں کو جھٹکتی نخرے سے چل رہی تھی، ان تینوں نے بیک وقت ایک ہی بات سوچی جسے مستبشرہ نے زبان دی۔

''تمہیں طوبیٰ کے بالوں کو پونی کی قید سے آزاد کرنا ہوگا۔'' مستبشرہ بتانے لگی۔

''نہیں یار! وہ تو اس حرکت پر مجھے جان سے مار دے گی۔'' معطر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''تو کیا تمہارے ہاتھ پیر نہیں ہیں، تم بھی اسے مارنا۔'' عدن نے اسے مصنوعی غصے سے لتاڑا۔ معطر نے بے بسی سے سب کی طرف دیکھا، لیکن دیئے گئے چیلنج کو قبول کرنا اب اس کی مجبوری تھی کیونکہ باقی تینوں نے اس کی سادہ طبع و بے بسی کو سرے سے اگنور کرتے ہوئے اسے ہاتھ کے اشارے سے دو منٹ کے اندر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

چارو ناچار وہ اٹھی، وہ عجیب ذہنی و قلبی کشمکش کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی، بار بار پیچھے بھی دیکھا، انہوں نے ہمت بندھانے کے ساتھ اس کی طرف آنکھیں بھی نکالیں، وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور قریب پہنچتے ہی بنا کوئی لمحہ ضائع سرعت سے طوبیٰ کی پونی کھینچی، اس کے بالوں کو دیئے گئے چیلنج کے مطابق ہوا کے دوش پر آزاد چھوڑ گئی، اس اچانک افتاد پر طوبیٰ نہایت غصیلے تیوروں سے مڑی، جہاں معطر نے کمال ہوشیاری سے چہرے پر حیرت مجتمع کیا۔

''اوہ سوری! میں تمہیں اپنی دوست عدن سمجھ کر...... مجھے نہیں پتہ تھا طوبیٰ کہ یہ تم ہو گی۔'' معصومانہ و معذرت خواہانہ لہجے میں معطر نے اپنی طرف سے بھرپور شرمندگی کی ظاہر کی۔ طوبیٰ اصلیت سے ناواقف اس کے ایکسکیوز سے بھی اپنی لڑاکا طبیعت کے باعث خود پر کنٹرول نہ کر سکی، معطر کو خوب سنائیں، لعنت ملامت کی، البتہ مارنے سے گریز کیا، جس پر معطر نے دل میں لاکھ شکر ادا کیا کہ تھپڑ پڑنے سے فی الفور بچت ہوئی تھی، طوبیٰ اسے مزید کھری کھری سنا کر اس کے ہاتھ سے پونی کھینچتے ہوئے چلی گئی جبکہ وہ واپس ان تینوں کے پاس آئی، جو تمام صورتحال کو براہِ راست خواب انجوائے کرتیں، قہقہے فضا میں بکھیر رہی تھی۔

اب عدن کی باری تھی اور اسے جو چیلنج ان تینوں نے دیا وہ اسے چکرا کر رکھ گیا کیونکہ اسے سر خالد کو ان کے پورے پیریڈ میں باتوں میں لگائے رکھنا تھا تاکہ آج وہ کوئی لیکچر نہ دے سکیں جس پر اس نے خوب احتجاج کیا۔

''تم لوگ مجھے سر خالد کے ہاتھوں ایک نہ ایک دن ضرور مرواؤ گی، میں ہی ہمیشہ ان کے عتاب کا نشانہ بنتی ہوں اور اب تو وہ عامر سے بھی کچھ نہیں چھپائیں گے نہ ہی رشتے داری کا کچھ لحاظ رکھیں گے۔'' وہ رو دینے کو تھی، ان تینوں نے اس کی ایک فریاد نہ سنی، سو مجبوراً وہ ان کی بات ماننے کو تیار ہوئی اور اگلے پیریڈ میں سر خالد کے آتے ہی ان سے باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چھیڑا، سر خالد و باقی تمام لڑکے لڑکیاں اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے، سر خالد نے کئی مرتبہ اسے خاموش بیٹھنے کو کہا مگر وہ سنی ان سنی کرتی بغیر بریک کے چلتی رہی، نہ سر خالد کو لیکچر اسٹارٹ کرنے دیا نہ اپنے لہجے میں لچک لائی اور چیلنج کو پورا کر دکھایا البتہ جانے سے قبل سر خالد اتنا ضرور بولے۔

''لگتا ہے عدن! آج تم کوے کا دماغ کھا کے آئی ہو جب تم سے کچھ سنا جائے تو تم یوں خاموش ہو جاتی ہو جیسے منہ میں زبان ہی نہ رکھتی ہو، مجھے تو فکر ہے کہ تم عامر کا کیا حال کرو گی۔'' ان کا لہجہ کافی شوخ مگر طنزیہ تھا، وہ اپنی جگہ شرمندہ ہی ہو کر رہ گئی۔ بعد میں ان تینوں کو خوب سنائیں، کچھ ہاتھ کی بھی صفائی کی۔ اب آخری باری مستبشرہ جمال کی تھی سب نے اس سے گانا سننے کی فرمائش کی، مستبشرہ جو سریلی و خوبصورت آواز ہونے کے باوجود گنگناتی تک نہ تھی، آج بڑی سعادت مندی سے ان کی بات مان گئی اور ان کی فرمائش پر اپنی آواز کا جادو جگایا، انہوں نے شکریہ کے ساتھ اسے داد دی، یوں یہ دن انہوں نے خوب مستی میں گزارا۔

☆......☆......☆

''میں، محبت اور تم۔'' علی بولا۔

''میں، محبت اور تم۔'' مستبشرہ نے اسے دہرایا، پھر سوالیہ اسے دیکھا ہر روز اس کا ایک نیا روپ اس کے سامنے آتا، وہ حیران سی رہ جاتی۔

''میں ایک ایسا نگر آباد کرنا چاہتا ہوں جہاں صرف میں، محبت اور تم ہوں، جہاں صرف ہماری باتیں ہوں، جہاں صرف چاہت کے پھول کھلیں، جہاں تم ہنسو، مسکراؤ، خوشی کے گیت گاؤ، آزاد پنچھی کی طرح ہوا میں رقص کرو اور......'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولا ایک دم مستبشرہ نے اسے ٹوکا۔

''اور بس علی! مت سوچو ابھی سے اتنا۔'' لہجہ اگرچہ اس کا نارمل تھا مگر علی ایسی افسانوی باتیں اس کا صبر ختم کرنے لگیں۔ مستبشرہ اپنے ترتیب شدہ پلان کے مطابق چلنا چاہتی تھی، مگر علی اس قدر محبت کا پجاری ہو سکتا ہے اس نے سوچا تک نہ تھا۔

''نہیں مستبشرہ! مجھے سوچنے دو، مجھے اچھا لگتا ہے، خوش رہنا، خوشگوار لمحوں کو سوچنا، تم سنگ چلتے رہنا۔''

''زیادہ سوچنے سے سوچ الٹ دی جاتی ہے علی۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''مگر مجھے اپنی محبت پر یقین ہے۔'' وہ لاپرواہ بنا۔

''یقین ٹوٹنے میں دیر نہیں لگتی۔'' مستبشرہ نے اسے فکر دلانی چاہی۔

''تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو مستبشرہ، کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟'' کان دھرے بغیر وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔

''ہے ناں مجھے تم سے محبت۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولی۔ جیسے اسے نہیں خود کو یقین دلانا چاہتی ہو علی آیان اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرایا۔

''تمہارا کیا بنے گا علی! کیوں اس قدر محبت کرتے ہو کہ تڑپ سہہ نہ سکو گے۔'' وہ دل ہی دل میں اس سے افسوس کرنے لگی۔

''تم جیسے خبطی دیوانے کو ٹھوکر دینی ضروری ہے، تمہارے خود کے لئے۔'' پھر سوچتے ہوئے اس سے اجازت لیتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

''فلک......فلک۔'' مشارب نے اسے آواز دی، لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

''فلک! میں تمہیں آواز دے رہا ہوں، بات تو سنو میری۔'' مشارب شاہ اس کے بالکل سامنے آیا اس نے اپنا چہرہ ہی جھکا لیا۔

''فلک پلیز......'' اب کے وہ بے بس ہوا۔ فلک اس سے ناراض تھی، غصے میں تھی اور غصہ اس کا سارے گھر میں مشہور تھا، چیخ چلا کر خوب دل کی بھڑاس نکالنے میں ماہر تھی، مقابل کوئی بڑا ہو یا چھوٹا بات تو صرف اپنی منواتی تھی اور جب تک غصہ کم ہونے کا نام نہ لیتا، ناراضگی برقرار رہتی اور اب اس سے وہ ناراض تھی، اس کے لاکھ پکارنے پر بھی نہ بولی، سر جھکائے رہی، وہ سامنے کھڑا تھا، سو واپسی کو پلٹنا چاہا۔

''تو تم مجھ سے بات نہیں کرو گی؟'' اب کے اس نے پوچھا فلک رکی، مڑی اور اسے دیکھا۔

''کروں گی تو ضرور، مگر ابھی ہرگز نہیں۔'' وہ صاف صاف بولی۔

''ابھی کیوں نہیں؟'' وہ بولا۔

''بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ ناراضگی سے بولی۔

''جانتا ہوں، خفا ہو مجھ سے......''

''ہاں ہوں......اور یہ بھی جانتے ہو کہ کیوں ہوں۔'' چبا چبا کر بولی۔

''جانتا ہوں۔'' اعتراف کیا۔

''پھر مجھ سے بات مت کرو۔'' اسے سخت لہجے میں منع کیا۔

''کیوں نہ کروں؟'' وہ محظوظ ہوا۔

''مجھ سے جرح مت کرو۔'' وہ چڑنے لگی۔

''کیوں نہ کروں، دوست ہو میری۔'' اس نے پورے استحقاق سے کہا۔

''دوست ہوں جبھی میری ہر بات مانتے ہو، امی سے میری شکایت بھی نہیں کرتے، میرے کہنے سے پہلے ہی ہر ماہ ڈائجسٹ میرے کمرے میں لا کر رکھ دیتے ہو، میرے سامنے اسمارٹ نہیں بنتے، بارش میں آئسکریم لا کر دیتے ہو'' وہ طنزیہ و ترش لہجے میں بولی۔ یہ

وہ سب باتیں تھیں جس کا اسے مشارب سے گلہ تھا، جنہیں فلک کے خیال میں وہ مشکل سے ہی کرتا تھا۔

''کیسی لڑکی ہو تم فلک؟'' فلک کی بات پر اسے زوروں کی ہنسی آئی۔

''کیا مطلب۔کیسی لڑکی ہوں میں......جیسی سب ہوتی ہیں ویسی ہی ہوں۔'' اس کی ہنسی اور فلک کے نزدیک مشارب کا ہمیشہ کی طرح الٹا سوال فلک کو طیش دلا گیا۔

''بہت عجیب ہو تم......اتنی چھوٹی باتوں کو دل پر لیتی ہو، پھر ناراض ہوتی ہو اور جب تمہیں کچھ کہا جائے تو مرنے مارنے پر اتر آتی ہو فلک، کبھی تو سنجیدہ ہوا کرو، اپنی سوچ میں وسعت لاؤ، آگے بڑھنے کی جستجو کرو، ڈائجسٹ کے بجائے نصابی کتابیں پڑھو، اب تم بچی تو نہیں ہو جو بارش میں آئسکریم کھانے کی ضد کرو اور اسے فوراً پورا کیا جائے تاکہ تم روؤ نہ۔'' مشارب بنا سنجیدہ ہوئے اسے سمجھانے لگا کہ فلک کی ایک خوبی سنجیدگی سے نفرت بھی تھی۔

''پلیز مشارب شاہ......لیکچر مت دیا کرو مجھے، بھلے اس کے لئے تم مجھے آئسکریم نہ لا کر دو، امی سے میری نالائقی کی شکایت کرو، تم نے کل امی سے میری شکایت کی کہ میں پڑھتی نہیں ہوں تو جاؤ اس کے لئے تمہیں معاف کیا مگر سمجھایا نہ کرو، نہیں اچھی لگتی مجھے پابندی، ٹائم پر پڑھو، نیٹ نہ استعمال کرو، ڈائجسٹوں میں کیا رکھا ہے، آئسکریم سے گلا خراب ہو جائے گا، تو یار ہونے دو خراب......میرا گلا خراب ہو گا، مجھے ہو گی تکلیف کسی کا کیا جاتا ہے، ہاں کوئی یہ کہہ دے کہ بیٹی فلک تمہیں کالج جانا اور پڑھنا اچھا نہیں لگتا تو کل سے مت جانا کالج، تب میں مانوں کہ سب کو میری فکر ہے۔'' وہ خاصی چڑ کر بولی، اچھا خاصا خطاب کر ڈالا، وہ بھی خاصے جذباتی انداز میں، وہ منہ کھولے دم سادھے اسے سنتا دیکھتا رہا، مقابل کی ایک بات آرام سے سنتے اسے چڑ ہونے لگتی مگر مقابل کو اپنی سو باتیں سنانے میں اسے مزہ آتا، بولنے میں کسی سیاست دان سے کم نہیں تھی تو سنتے وقت بہرے پن کی ایکٹنگ بھی اسے خوب آتی تھی۔

امی کیا، ابو، تایا اور تائی کے سامنے بھی یونہی بے فکری سے تڑ تڑ بولتی، چھوٹے بھائیوں میں اتنا اپنا رعب ڈالا کہ وہ مجال نہیں رکھتے تھے اس کے سامنے احتجاج کرنے یا زیادہ بولنے کی، اور مشارب سے دوستی نے فلک کو کافی حد تک فری کیا لیکن مشارب اپنی سنجیدہ طبیعت، کم گوئی کے باوجود جب اس کے سامنے ہوتا تو اس کا بھرپور ساتھ دیتا۔البتہ کبھی کبھی وہ ضرور اس کو سمجھانا چاہتا، اسے ایک حد میں روکنا چاہتا، گھر میں سب کے سامنے اور غیر موجودگی میں وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرتی، اسے برا ہرگز نہں لگتا تھا مگر اب آگے کے لئے وہ احتیاط چاہتا تھا، سمجھدار تھا سو کسی کے ذہن میں بھی غلط فہمی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا کوشش کرتا کہ گھر والوں کے علاوہ باقی خاندان والوں کے سامنے بھی اس کے ساتھ کم پایا جائے، فلک جذباتی تھی، شعور رکھتے ہوئے بھی زیادہ نہ سوچتی، نہ زیادہ کسی کی بات پر توجہ دیتی تھی نہ کسی کی پرواہ کرتی تھی۔

''کم بولا کرو فلک! اور زیادہ سوچا کرو۔'' مشارب سمجھاتا۔

"کیا سوچا کروں؟" وہ انجان تھی۔

"کہانیوں، ڈائجسٹوں سے نکل کر آگے بڑھنے کی سوچا کرو۔"

"بیکار ہی ہے زیادہ سوچنا، خواہ مخواہ کی ٹینشن اور دردِ سر اور آگے نکلنے کی تو بات بھی مت کرو، مجھے تو بس آرام سے گھر میں بیٹھ کر ڈائجسٹ پڑھنے، ڈرامے دیکھنے میں ہی مزہ آتا ہے۔" فلک نے صاف جان چھڑانے کی کوشش کی۔

"کیوں ساری عمر تو ایسا نہیں ہوگا، کل کو تمہاری شادی ہوگئی، تو ایک لمحے کی فرصت نہیں ملے گی، ان ڈراموں اور ڈائجسٹوں کے لئے، بہت سارے کام ایسے کرنے پڑیں گے جو تم یہاں نہیں کرتی۔" جس پر مشارب نے اسے مستقبل کا آئینہ دکھاتے ہوئے حقائق سے پردہ اٹھانا چاہا۔

"اگر ایک شادی میں اتنے جھمیلے تو میں یونہی بیسٹ۔" ادا سے کہتے ہوئے وہ صاف صاف انکار کر گئی۔

"تو کیا شادی نہیں کرنی؟" سوال کیا۔

"اتنے سارے کام کرنے پڑیں تو ہرگز بھی نہیں لیکن اگر شادی ہو ہی گئی تو پہلے دن ہی سے صاف لفظوں میں سب کو کہہ دوں گی کہ مجھ سے نہیں ہوتے کام۔" وہ پل میں تمام پلان بنا گئی، جس پر وہ حیران سا مسکرانے لگا۔

"تو پھر کون کرے گا تمہارے حصے کے کام؟" وہ پوچھنے لگا۔

"جو مجھ سے شادی کرے گا اور ایک آدھ کام مجھے کرنا پڑ بھی گیا تو مجبوراً کر لوں گی مگر کپڑے ہرگز بھی استری نہیں کروں گی، اسے اپنے کپڑے خود استری کرنے پڑیں گے اور اگر اسے برا نہ لگے تو اپنے کپڑے بھی اسی سے استری کروا لوں گی۔" فلک نے غیر سنجیدگی سے اس سے ڈسکس کیا، وہ فلک کی سوچ پر دنگ تھا۔

"تمہارے ارادے تو بہت خطرناک ہیں۔" مشارب نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"تم کیوں ڈر رہے ہو، تم سے تھوڑی شادی کروں گی۔" وہ ہنسی، مشارب نے بغور اسے دیکھا۔

"سچ میں؟" وہ قدرے حیران بھی ہوا، فلک کے صاف الفاظ نے اسے بہت حد تک چونکایا تھا مگر وہ اندر سے مطمئن بھی ہوا تھا کہ اس کا خدشہ غلط ثابت ہوا، وہ جس بات سے ڈر رہا تھا وہ فلک نے صاف انکار میں واضح کر دی۔

"شکر خدا کا......ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ کہیں ساری عمر تمہارے اپنے کپڑے ہی نہ استری کرنے پڑیں۔" اب کے وہ ریلیکس تھا۔

"تمہیں نہ سہی پر کسی بے چارے کو تو کرنے ہی پڑیں گے۔" وہ فل موڈ میں آچکی تھی مشارب سے تمام خفگی مٹائے۔

☆......☆......☆

رات کا تقریباً آخری پہر تھا، مستبشرہ نیند میں بے چینی سے کسمسائی، دو چار لمحے کروٹ پہ کروٹ بدلی اور پھر ہلکی سی چیخ مار کر اٹھ بیٹھی، سارا جسم پسینے سے شرابور تھا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں میں خوف و ڈر، کھو دینے کا احساس تھا، چند موتیوں سے قطرے اس کی آنکھوں

سے نکل کر گال پر پھیلے تھے، وہ عجیب سی کیفیت میں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی، چیخ کی آواز پر قریب ہی سوئی مہ روش نے بدک کر آنکھیں کھولیں، اطراف میں گردن گھما کر دیکھا، مستبشرہ نے چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں چھپایا ہوا تھا،اس نے آنکھیں پوری کھولنے کے لئے بھنوئیں اٹھائیں اور حیرانگی سے اٹھی اور پہلے لائٹ آن کی پھر جلدی سے اس کی جانب بڑھی۔

''کیا بات ہے مستبشرہ! کیا ہوا؟'' پھر اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔اسکی پکار پر اول تو ماہی کو دیکھا پھر خود کو قدرے سنبھالا۔

''مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا ماہی۔'' اور اس کے ہاتھ تھام کر بے بسی سے بولی۔

''ہوا کیا ہے؟'' مہ روش نے فوراً نیند سے ہوش سنبھالا۔

''ماہی! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، ایسا لگ رہا ہے جیسے سب کچھ میرے ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل گیا ہو۔'' وہ عجیب کھوئے کھوئے انداز میں گویا ہوئی۔

''بات کیا ہے...... کچھ تو بتاؤ؟'' جبکہ وہ حیران پریشان تھی اور کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

''ماہی! میں اسے کھونا نہیں چاہتی، اسے واپس لے آؤ۔'' وہ تو یہ جیسے سن کر ماہی خاصی چونکی تھی۔

''کسے کھونا نہیں چاہتی تم؟'' ماہی پوچھنے لگی۔

''ماہی! وہ میرے روکنے کے باوجود مجھے چھوڑ کر چلا گیا...... میں نے اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگی مگر اس نے میری ایک نہ سنی، ماہی! میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔'' مستبشرہ یقیناً اس وقت ہوش و حواس میں نہ تھی کھوئے ہوئے عجیب سے انداز میں کہتی آخر میں رو دی۔

''تم نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے مستبشرہ! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ اس وقت تم کس کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہو، پلیز...... پہلے ریلیکس ہو جاؤ، پھر بات کرتے ہیں، لو پانی پیو۔'' مہ روش واقعی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی، آہستگی و نرمی سے کہتی اسے گلاس میں پانی انڈیل کر دیا، جسے مستبشرہ نے ایک ہی سانس میں خالی کیا۔ اگلے کئی لمحے کمرے میں خاموشی رہی، مہ روش اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی، جب کہ وہ بے ترتیب ہوتی دل کی دھڑکنوں کے بعد اطمینان سے اپنے مکمل ہوش و حواس میں لوٹی، تب شدید حیران ہوئی اور اس کی طرف دیکھا، آنکھیں صاف کیں، اپنی کیفیت پر غور کیا۔

''اب بتاؤ اطمینان سے، کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا تم نے؟'' ماہی پوچھنے لگی۔

''ماہی! میں نے بہت عجیب خواب دیکھا ہے۔'' وہ بتانے لگی۔

''کچھ بتاؤ...... کیسا خواب؟''

''ماہی! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور علی ایک صحرا کے بیچ و بیچ کھڑے ہیں، میں اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہوں پر

وہ میرا یقین نہیں کرتا، میں اس سے اپنی خوشیوں، اپنی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں، پر وہ سنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے، مجھ پر چیختا ہے، چلاتا ہے، پھر مجھے چھوڑ کر جانے لگتا ہے، میں اسے بہت روکتی ہوں مگر وہ نہیں سنتا، مجھے چھوڑ کر جانے لگتا ہے، اتنے میں بڑے زوروں کی ہوا چلتی ہے اور وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اڑتی دھول مٹی میں کھو جاتا ہے، میں اسے تلاش کرتی ہوں پر وہ مجھے زندہ نہیں ملتا، اس کا سارا وجود صحرا میں دبا ہوتا ہے، صرف ایک پاؤں باہر ہوتا ہے، میں عجیب پاگلوں کی طرح اسے باہر نکالنا چاہتی ہوں مگر اسے نکال نہیں پاتی۔'' اس نے مہ روش کے گوش تمام واقعہ گزارہ، وہ خاصی چونکی البتہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

''کیا مطلب ہو سکتا ہے اس خواب کا ماہی!'' مستبشرہ متعجب سی اسے دیکھتی استفسار کرنے لگی۔

''آئی ڈونٹ نو مستبشرہ! بٹ یو ڈونٹ وری، یہ صرف ایک خواب تھا، تمہارا وہم تھا، تم اس وقت ایسی الٹی سیدھی سوچیں دماغ میں مت لاؤ اور سو جاؤ، صبح آرام سے باتیں کریں گے، جب تک فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔'' مہ روش اسے مطمئن کرتی، دلاسہ دیتی اسے دوبارہ لیٹا کر لائٹ آف کرنے چل دی۔ مستبشرہ نے چھوٹے بچے کی طرح فوراً اس کی بات پر عمل کرتے ہوئے لیٹتے ہی آنکھیں بند کیں، مہ روش لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر آن لیٹی، مگر سونے کی کوشش تک نہ کی، مستبشرہ کو وہ تسلی تو دے چکی تھی لیکن اس کا اپنا دل مطمئن و پرسکون نہ ہو سکا، انجانے میں کسی انہونی کے احساس نے اس کی سوچوں کو بڑی بری طرح بکھیرتے ہوئے اس کے اندر ہلچل مچائی تھی، جو خواب ابھی اس نے سنا اس کے بالکل الٹ جو تصویر، جو نقشہ اس کی آنکھوں میں لہرایا وہ ماہی کو لرزا کر رکھ گیا، جبھی اس نے ذہن و دل میں ارادہ باندھا اور صبح کا انتظار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

''شکر یا اللہ۔'' مشارب شاہ نے سکون کا سانس خارج کیا۔

''اگر واقعی فلک کے دل میں میرے لئے کچھ ہوتا تو کیسے میں اسے سمجھاتا، اب مجھے اسے روکنے ٹوکنے کی ضرورت نہیں، وہ مجھے صرف اپنا دوست سمجھتی ہے، میں با آسانی اپنی منزل کی طرف قدم بڑھا سکتا ہوں۔'' مشارب دل ہی دل میں سوچے جا رہا تھا، صبح فلک کی بات نے اس کی ٹینشن ہی ختم کر دی تھی، وہ یہی سمجھتا تھا کہ فلک شاید اس سے پیار کرتی ہے، جبھی اس کی دوست بنی ہوئی ہے مگر نہیں، فلک اس کی محض دوست ہی ہے، اس کے معصوم سے دل میں مشارب کے لئے کوئی نیا احساس کوئی خاص جذبہ نہیں تھا اور اگر وہ واقعی ایسا کچھ اپنے دل میں رکھے ہوتی تو مشارب نے سوچا ہوا تھا اس سے دوری کا طریقہ جواب اس نے فوراً سے ذہن و دل سے نکال باہر کیا۔

☆......☆......☆

صبح ہوتے ہی سورج کی کرنوں سے ہر طرف نور ہی نور بکھرا، صبح عموماً موسم خوشگوار ہوتا ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی ہوتی، مستبشرہ جمال نے فریش ہونے کے بعد ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے، رات جو ہوا، جو اس کی کیفیت تھی، اس کے برعکس اس وقت وہ بالکل

نارمل، قدرے ریلیکس تھی اور کافی حد تک خود کو اس خواب کے سحر سے نکالنے میں کامیاب ہو چکی تھی، سو ماہی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک خوشگواریت سے بھرپور انداز میں ناشتہ کیا۔ یونیورسٹی تک کا سفر معمول کے مطابق گزارا، معطر اور عدن سے ہمیشہ کی طرح پرجوش انداز میں ملی، پیریڈز بھی اٹینڈ کئے لیکن جب وہ چاروں فری پیریڈ میں لان میں بیٹھیں تب ماہی نے باقی دو کو بھی خواب کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

''مستبشرہ! ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی؟''

''نہیں یار، کہو۔''

''تم چھوڑ دو سب...... جو علی کے ساتھ کر رہی ہو۔''

''میں سمجھی نہیں ماہی۔'' وہ حیران ہوئی۔

''رات جو تم نے خواب دیکھا، وہ حقیقت بھی بن سکتا ہے، علی تم سے محبت کرتا ہے جبکہ تم ایک مقصد کے تحت اس کے جذبات کا مذاق اڑانے جا رہی ہو، خواب میں تم اس سے محبت کی بھیک مانگتی ہو لیکن وہ تمہیں خالی ہاتھ چھوڑ کر چلا جاتا ہے اتنی دور کہ جہاں سے تم اسے چاہتے ہوئے بھی واپس نہیں لاسکتی۔'' ماہی سنجیدہ تھی مگر دوستانہ لہجے میں بولی۔

''خواب دیکھا تھا مگر حقیقت بھی بن سکتا ہے ماہی! تمہاری دونوں باتیں متضاد ہیں، میں علی کے جذبات کا مذاق اڑانے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتی، میرا مقصد صرف اسے محبت کی راہوں سے ہٹا کر حقیقت کی دنیا میں واپس لانا ہے۔'' مستبشرہ نے اپنا موقف پھر سے دہرایا۔

''اور مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ اس سب کے دوران تمہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔'' ماہی دوبدو بولی اس نے ہر حال میں فیصلہ کرلیا تھا کہ مستبشرہ کو سمجھاتے ہوئے اسے اس ٹانک سے دور کرلے گی۔

''کیسا نقصان؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''ایک دن تمہارا جھوٹ سچ میں بدل جائے گا۔'' دونوں کے مابین جرح کا آغاز ہوا، معطر اور درعدن خاموشی سے انہیں سن رہی تھی۔

''یہ ناممکن ہے۔''

''ناممکن کو ممکن ہونے میں پل بھر کی دیر لگتی ہے۔''

''میں نے اپنے بابا سے وعدہ کیا ہے اسے ہر حال میں نبھاؤں گی، علی کی محبت میرے عزم کو توڑ کر میرے دل میں کبھی جگہ نہیں بنا سکتی۔'' اٹل انداز میں کہا مستبشرہ کو خود پر سو فیصد یقین تھا۔

''جبکہ اس کے جذبات نے تمہیں اندر سے موم کر دیا ہے۔'' دوبدو بات کا آغاز ہوا۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''رات جو تمہاری کیفیت تھی وہ گواہ ہے۔'' ماہی آرام سے بولی۔

''نہیں...... میرے نزدیک وہ خواب کے اثر کی وقتی کیفیت تھی۔''مستبشرہ نے واضح کرنا چاہا۔

''دیکھو مستبشرہ! میں تمہاری دوست ہوں، تم مجھے بہنوں کی طرح عزیز ہو، میں کسی طرح تمہارا برا نہیں چاہتی، تم کم عقل یا نادان بھی نہیں ہو کہ تمہیں سمجھایا جائے، لیکن پھر بھی میری دوست، ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ وعدے کی بندش سے باہر نکل کر دیکھو تو تمہیں علی کی شدت کا اندازہ ہو سکے گا، ہم یہ نہیں کہتے کہ تم اس سے محبت کرو لیکن کم از کم اسے دھوکہ مت دو، ایسا کچھ بھی مت کرو کہ اسے زندگی و موت کی کشمکش میں سے گزرنا پڑے، اور نہ محبت کوئی زور زبردستی کا رشتہ ہے، تم اسے صاف لفظوں میں سب حقیقت بتا کر اپنی راہیں جدا کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل تمہیں اپنے دماغ کے اس فیصلے کی وجہ سے اپنے دل کے لئے پچھتانا پڑے۔'' ماہی دوستانہ لہجے میں بولی، مستبشرہ نے غور سے اسے سنا پھر پرسوچ انداز میں بولی۔

''بیشک تم سب میرا بھلا ہی چاہو گی، مجھے یقین ہے ایسا کچھ بھی ہم دونوں کے حق میں غلط نہیں ہو گا اور نہ ہی میں علی کو کسی بھی اذیت میں سے گزارنا چاہتی ہوں، بس صرف کچھ دن اور پھر میں اسے سب بتا دوں گی۔'' وہ بولی اب کہ تینوں خاموش رہیں، مہ روش یقیناً مستبشرہ کے لئے فکرمند اور علی کے لئے دعاگو تھی، مستبشرہ کا خواب اسے اسی کے حق میں نشیب و فراز کھڑا کرتا دکھائی دیا اور اپنے سمجھانے پر مستبشرہ کا مطمئن و بےفکر، پروثوق لب و لہجہ ماہی کو چپ سادھنے پر مجبور کر جاتا ہے۔ دن یونہی گزرتے جا رہے تھے، وہ چاروں آپس میں خوب باتیں کرتیں، موج مستی کرتیں، یونیورسٹی کے ان آخری دنوں کو وہ چاروں زندگی کے آخری دن سمجھ کر اپنی سنگت میں ہر خوشی و انبساط سے سجائے قوس قزح کے رنگوں سے مزین کئے بہت خوش تھیں۔ اگلے کئی دن مہ روش نے مراد منصور کے متعلق سوچا ضرور مگر اس کے خیال کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ ایگزامز بھی قریب آتے جا رہے تھے، اس نے خود کو پڑھائی میں مگن کر لیا، عدن اور معطر بھی چاروناچار پڑھنے پر مجبور تھیں جبکہ چاروں میں مستبشرہ کافی ذہین تھی۔ ایک بار جو پڑھا فوراً یاد کر لیا، لیکن آج کل وہ ماہی کی باتوں کے بعد علی سے ہر ملاقات میں پرسوچ لہجہ اپنائے اسے حقیقت بتانے کا فیصلہ کرتی لیکن جانے کیوں کچھ بھی نہ کہہ پائی، البتہ اپنے عزم اور ارادے پر ہنوز قائم تھی، علی کے جذبات سے بھی بخوبی آگاہ تھی، بہرحال فیصلہ تو اسے ہر حال میں کرنا تھا۔

☆......☆......☆

مہ روش اور مستبشرہ باری باری اپنے اپنے گھروں میں فون پر بات کر کے واپس کمرے میں آئیں، دونوں قدرے اداس بھی تھیں کہ کچھ ہی عرصے میں جدا ہو جانا تھا، پھر جانے کب ملنا نصیب ہو، یونیورسٹی میں چاروں ساتھ ہوتیں اور رات میں وہ دونوں رات گئے تک باتیں کرتیں کہ گویا ایک بھی لمحہ ضائع کرنا دل کو ملول کر جاتا، صبح دونوں یونیورسٹی کے لئے تیار ہوئیں، مستبشرہ نے خلاف معمول بالوں کو چٹیا کی صورت میں قید کیا، جسے وہ تینوں اگنور نہ کر سکیں وجہ پوچھی، وجہ تو کوئی نہ تھی سو وہ دل چاہتا ہے کہہ کر دوسری باتوں میں لگ گئی۔ آج کل

میں یونیورسٹی بھی آف ہونے والی تھی جس کے لئے علی آیان خاصا پریشان تھا مگر اس نے اپنے بے قرار دل کے قرار کا بندوبست کر لیا تھا۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔'' جس کا اس نے مستبشرہ کے سامنے اقرار بھی کر لیا۔

''اچھا کیوں؟''

''میں نے کل مما پاپا سے بات کی تھی۔'' وہ بتانے لگا۔

''کونسی بات؟'' مستبشرہ نے مصنوعی اشتیاق ظاہر کیا۔

''اپنی تمہاری محبت کی۔'' وہ فرط انبساط سے مسکرایا۔

''پھر؟'' مستبشرہ کے دل میں کچھ ہوا۔ کیا ہوا تھا یہ تو وہ نہیں جانتی تھی البتہ بے ساختگی سے پوچھا۔

''وہ مان گئے ہیں، انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی، سکون ہر حال میں عزیز ہے، میں نے ان کے سامنے تمہاری بہت تعریفیں کیں، تمہاری باتیں، تمہاری مسکراہٹ حتیٰ کہ سب کچھ اور انہوں نے تمہیں بنا دیکھے ہی بہت سراہا کیونکہ انہیں میری پسند پر ہمیشہ بھروسہ رہا ہے۔ وہ تمہیں جلد سے جلد......'' علی نہایت خوشی و جوش سے اسے بتانے لگا، جبھی مستبشرہ اسے ٹوک گئی۔

''اتنی بھی کیا جلدی ہے علی؟''

''ارے جلدی کہاں، کچھ ہی عرصے بعد فائنل ایگزامز ہوں گے جس کے فوراً بعد میں پاپا کا ذاتی بزنس جوائن کروں گا، جب تک تم بھی اسٹڈی سے فارغ ہو چکی ہو گی سو میں تب بینڈ باجے سمیت تمہارے شہر ملتان آؤں گا تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا بنانے۔'' علی مستقبل کی مکمل پلاننگ کر چکا تھا تفصیل سے بولا۔

''اچھا جی...... اتنا یقین ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگی میں آ جاؤں گی، میرے بابا، اماں، بھائی سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، میرا نہیں خیال وہ تمہیں آتنی آسانی سے میرا ہاتھ دیں گے۔'' وہ بے ساختہ بولی۔ علی نے مسکرا کر اسے دیکھا، جبھی مستبشرہ نے دانت تلے زبان دبائی کہ ایسا وہ ہرگز کہنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

''کیوں نہیں دیں گے، مجھ جیسا قابل، خوش شکل، خوش اخلاق لڑکا انہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا، تم صرف میرے ساتھ ہی پرفیکٹ لگو گی۔'' وہ ایک ادا سے بولا، مستبشرہ نے اسے خوب اعتماد بخشا تھا۔ بہت باوثوق تھا جبکہ مستبشرہ بالکل ریلیکس انداز میں اسے سن رہی تھی کہ گویا آج اس کا دماغ کسی بھی سوچ سے ماورا تھا۔ علی نے مسکراتی آنکھوں سے اسے بغور دیکھا۔

''آج تم بہت عجیب لگ رہی ہو۔'' پھر توقف کے بعد بولا۔

''کیا مطلب؟''

''کھلے بالوں میں تم زیادہ پیاری لگتی ہو۔'' وہ آہستہ مگر چاہت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

''کیوں یہ چٹیا اچھی نہیں لگ رہی میری۔'' جبکہ وہ کافی حیرانگی سے چٹیا سامنے کر کے پوچھنے لگی، دل و دماغ کی کیفیت سے بالکل بے خبر استحقاق بھری نگاہیں اس پر جمائیں۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، تم یوں بھی بہت پیاری لگتی ہو پر کھلے بال تمہیں زیادہ سوٹ کرتے ہیں۔'' علی حسن نے وضاحت دی، اسے تو مستبشرہ ظاہر باطن دونوں طرح سے اچھی لگتی تھی پھر کیا مجال کہ تنقید کرتا۔

''اچھا۔''

''ہاں بالکل۔''

''اچھا تو پھر بتاؤ اور کیا سوٹ کرتا ہے مجھے؟'' خلاف توقع وہ آج بالکل بھی بے دلی یا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہو رہی تھی۔

''تم پر ہر چیز سوٹ کرتی ہے مستبشرہ! خاص کر تمہاری کالی آنکھیں جھیل سا گہرا پن لئے جب گھنگھور پلکوں کو اٹھاتی ہیں تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو جاتی ہیں۔'' وہ من کی سچائی سے بولا۔

''اچھا تم مجھے اپنا ایڈریس دو۔'' علی نے بات بدلی۔

''کیوں؟''

''تا کہ پریکٹیکل لائف میں قدم رکھتے ہی تمہاری چوکھٹ پر دستک دینے پہنچ جاؤں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''ابھی نہیں علی۔'' وہ صاف منع کرتی مکر گئی۔

''ابھی کیوں نہیں؟'' وہ پوچھے بناء نہ رہ سکا۔

''شاید ابھی مناسب وقت نہیں آیا۔'' وہ سنبھل چکی تھی نہایت چالاکی و ہوشیاری سے بولی۔

''تو پھر کب آئے گا تمہارا مناسب وقت؟''

''شاید جلد ہی۔'' وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔

''تو میں اس امید کے ساتھ انتظار کروں کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ سوالیہ ہوا۔

''میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' صاف جواب دیا۔

''کیوں...... کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔'' برجستہ کہا۔

''محبت ہے جبھی تمہارے ساتھ ہوں۔'' مطمئن لہجے میں جواب دیتی اسے یقین دلانا چاہا۔

''تم عجیب ہو مستبشرہ اور تمہاری محبت اس سے بھی عجیب ہے۔'' جس پر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''تم کبھی واضح جواب نہیں دیتیں، محبت بھی کرتی ہو اور انتظار بھی کرواتی ہو، میری تمہاری محبت یکطرفہ نہیں ہے پھر کیوں نہ ہم مناسب وقت خود اپنی قسمت میں لکھیں، ایک دوسرے کی سنگت میں دل کے جذبات کو امر کر دیں ہمیشہ کے لئے، باقی فارمیلیٹز تو ہمارے پیرنٹس ہی نبھائیں گے۔''

''ہاں پر ابھی نہیں، میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔'' وہ فوراً بہانہ تراش گئی۔

''تو......'' علی متعجب نگاہوں سے سوالیہ اسے دیکھنے لگا۔

''تو پھر فائنل......ایک ماہ بعد ایگزامز اسٹارٹ ہو رہے ہیں، میں تمہیں آخری پیپر کے بعد واضح، آخری و اٹل جواب دوں گی۔''

مستبشرہ نے فوراً ڈیسائیڈ کیا اور اسے مطلع کیا، علی کے لئے یہی کافی تھا سو خوشی سے کھل اٹھا۔

''تھینکس مستبشرہ۔'' سو مشکور لہجے میں بولا۔

''میں تمہارے لئے ایک گفٹ لایا ہوں۔'' پھر یاد آنے پر بولا۔

''کیسا گفٹ؟''

''یہ لاکٹ؟'' علی نے جیب سے ایک لاکٹ نکالا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلی پر رکھا لاکٹ پر واضح طور پر MA لکھا تھا۔

''یہ کس لئے علی؟'' وہ چونکی، حیرت سے پوچھا۔

''یہ ہمارے پیار کی پہلی نشانی کے طور پر......میں نے خاص آرڈر پر تمہارے لئے بنوایا ہے تاکہ تم اسے ہمیشہ پہنے رکھو اور یہ ہمیشہ تمہیں میرا احساس دلا سکے۔'' وہ تفصیل سے گویا ہوا۔

''مگر میں یہ نہیں......'' مستبشرہ ایسا کچھ بھی اس سے نہیں لینا چاہتی تھی مگر اس کے انکار سے پہلے ہی علی اسے ٹوک گیا۔

''پلیز انکار مت کرنا مستبشرہ۔''

''یہ سب کیوں علی؟'' وہ احتجاجاً بولی، اسے یہ سب پسند نہ تھا اور یہ لاکٹ علی کی محبت کی نشانی تھا جسے وہ بعد میں سنبھالنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''اس میں M اور A بالکل ساتھ ساتھ لکھے ہوئے ہیں، M سے تم مستبشرہ اور A سے میں علی......ہم دونوں کبھی جدا نہیں ہو سکتے اور یہ لاکٹ ہمیشہ اس حقیقت کا گواہ رہے گا، علی اور مستبشرہ صرف ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں اور یہ دنیا کا سب سے خوبصورت سچ ہے۔'' علی نہایت تفصیل سے شیریں لب و لہجے میں دل کی گہرائی کو زبان پر لاتا، بہت پر وثوق بہت خوش تھا اور اس کی آنکھیں بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں، مستبشرہ چاہتے بھی مزید انکار نہ کر سکی اور چپ چاپ مٹھی بند کر کے اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

دن گزرنے لگے تھے، ایسے میں مستبشرہ جمال نے ہر طرح سے علی آیان حسن گیلانی کو اپنی والہانہ محبت کا یقین دلایا، یہی اس کی

پلاننگ تھی جسے عملی جامہ پہنانا اب لازم تھا کہ دن بدن اسے علی کی محبت میں شدت بڑھتی دکھائی دی، جس سے اسے اب عجیب سا خوف آنے لگتا تھا یا شاید نا چاہتے ہوئے بھی اس کا دل بے فکر رہنے لگا تھا، دماغ تو اس کا بھرپور ساتھ دیتا لیکن دل تنہا ہوتے ہی اسے ستانے لگتا۔ کچھ بھی غلط کرنے سے روکنا چاہتا، اس پر صرف ایک بات کا جنون سوار تھا، اسے صرف ایک ہی نظریہ......ایک ہی سوچ حق پر لگتی، اسے اپنے بابا کی انا کو مان بخشنا تھا۔ اسے صرف اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھانا تھا، جس کے لئے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی، چاہے کچھ بھی ہو وہ اپنے بابا کی نظروں میں سرخرو ہو کر لوٹنا چاہتی تھی، وہ سنگدل، بے رحم لڑکی ہرگز نہیں تھی، نہ ہی علی سے جھوٹی محبت کا ناٹک اسے کوئی خوشی دے رہا تھا وہ مجبور تھی۔ اپنی مجبوری سے زیادہ اس کے لئے کسی کے جذبات یا احساسات اہم نہیں تھے، کچھ بھی تھا اسے ایک فرمانبردار، سعادتمند اور قابل اعتماد بیٹی ہونے کا ثبوت دینا تھا، سو بہت کوششوں کے بعد اس نے تمام اونچ نیچ ذہن میں ترتیب دی، دل جو مچل اٹھا تھا اسے ڈپٹ کر چپ کروایا، نتائج سے بے خبر کچھ بھی الٹا اثر نہ لینے کا دماغ میں تہیہ کر لیا کہ جلد ہی راہیں جدا ہو جانے کے بعد علی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لازماً اسے بھلا دے گا اور وہ خود بھی اس وقت کو مستقبل میں ماضی کی بھول بھلیاں سمجھتے ہوئے سکون سے اپنی زندگی گزارے گی لیکن علی کی کیفیت مختلف تھی، وہ حقیقت سے لاعلم مستبشرہ کی سنگت میں اپنے رنگین، خوبصورت کامیاب مستقبل کی جھلک کو اپنے دل کے آئینے میں واضح دیکھ کر ہر ہر لمحے کھلی ہوا میں رقص کرتا، اسے تو گویا اب حقیقی معنوں میں زندگی کا مقصد مل گیا تھا، وہ شاد تھا، دل کی نگری مستبشرہ کے پیار کے بوندوں سے نکھر چکی تھی، توقع کے عین خلاف الفت کی راہوں کے سہل ہو جانے سے وہ زندگی کے جھمیلوں سے بہت دور دل کی رعنائیوں میں مگن تھا وقت یونہی سرکتا رہا، یہاں تک کہ ڈیٹ شیٹ آئی پھر ایگزامز شروع ہوئے سب نے یونیورسٹی کے آخری سال کی حسین یادگاروں کا دل میں رقم کئے خوب محنت اور جی جان سے تیاری کی، نتیجتاً پیپرز بھی اچھے ہوئے تھے، سب بہت خوش تھیں، مہ روش تینوں دوستوں کو اپنی طرف سے لنچ پر لے گئی، جہاں انہوں نے خوب مستی کی، مستبشرہ نے انہیں آگاہ کیا کہ کل یعنی آخری پیپر کے بعد وہ علی آیان کو اپنا آخری فیصلہ سنانے والی ہے، سب نے اس مرتبہ اسے کچھ نہ کہا، کہتیں بھی کیا؟ فیصلہ تو وہ کر چکی تھی پھر اسے روکنے یا سمجھانے سے کیا فائدہ، جب اس نے کسی کی بھی نہیں سننی ہوتی۔

''کل ہم سب پھر یہاں ملیں گے۔'' مہ روش نے انہیں بیک وقت مخاطب کیا۔ یہ جگہ ماہی کی فیورٹ تھی۔

''کل آخری پیپر ہے اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے پھر جانے کون کہاں ملے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' درعدن نے حامی بھری۔

''میں بھی کل علی کا قصہ تمام کر دوں گی لیکن......'' مستبشرہ بولی لیکن بات ادھوری چھوڑ گئی۔

''لیکن کیا......؟'' معطر نے فوراً آخری لفظ پکڑا۔

''کچھ نہیں کل بتاؤں گی۔'' وہ ٹال گئی۔

☆......☆......☆

"پلیز مشارب شاہ......" وہ عاجز آیا۔

"وعدہ کرو تم امی ابو بلکہ کسی کو بھی نہیں بتاؤ گے۔" وہ وعدہ لینے کے لئے اس کی طرف بڑھی، آواز میں ہمیشہ کی طرح رعب و دبدبہ نہیں تھا کہ آج بڑی بری طرح پھنسی تھی۔

"تم چھپانا کیوں چاہتی ہو سب سے...... کسی بھی وقت انہیں پتہ چل سکتا ہے۔" مشارب نے پوچھا اور سمجھایا بھی۔

"اگر کسی کو بھی پتہ چل گیا تو میری شامت پکی۔" وہ ڈری ہوئی تھی۔

"پہلے سوچا کرو نا یہ سب۔"

"پہلے کیا پتہ تھا مجھے کہ یہ سب ہو جائے گا۔" فلک نے کندھے اچکاتے ہوئے بلا کی معصومیت چہرے پر لائی۔

"پتہ نہیں تمہاری عقل، عادات کس پر گئی ہیں، خاندان کا ہر فرد ذہین اور قابل ہے مگر تم جنابہ دنیا کی نکمی، نالائق ہو۔" مشارب شاہ نے اسے ڈپٹ کر کہا۔ صبح ہی فلک کا FA کا رزلٹ آیا تھا اور وہ مشارب کی لاکھ کوشش پڑھانے کے باوجود بھی انگلش کے پیپر میں رہ گئی تھی جسے لئے مشارب کو اس پر غصہ تھا۔

"میں نے تو اپنی سی پوری کوشش کی تھی ایک بھی سوال نہیں چھوڑا تھا اب پھر بھی فیل ہو گئی ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔" مگر زبان کو لگام دینا تو گویا وہ گناہ سمجھتی تھی سو متواتر بولی۔

"انگلش کو کیوں آسمان بنایا ہوا ہے تم نے۔ کچھ بھی مشکل نہیں ہے بس ذرا سی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے، تم با آسانی پاس ہو سکتی ہو اگر ڈائجسٹوں سے نکل آؤ، FSC بھی نہیں FA میں فیل ہوئی ہو کچھ شرم کرو۔" مشارب اسے آج ہر حال میں شرمندہ کرنے کے موڈ میں تھا۔

"شرم نہیں میں تو شکر کروں گی کہ FA میں صرف انگلش میں...... فیل آئی ہوں اگر FSC کر رہی ہوتی تو آج صرف اردو میں پاس ہوتی۔" مگر فلک کو کوئی فکر تھی ہی نہیں مزے سے بولی، ساتھ ہولے سے مسکرائی بھی۔

"توبہ فلک! بہت نالائق ہو تم۔" مشارب نے اسے جھڑکا۔

"نالائق ہی اچھی ہوں میں، پڑھ لکھ کر کونسی نوکری کرنے دیں گے سب مجھے۔" وہ اب کہ سنجیدہ ہوئی۔

"نوکری بھلے نہ کرنے دیں مگر تمہیں تو فائدہ اٹھانا چاہئے کہانیوں کے علاوہ کچھ بھی تو نہیں پتہ تمہیں، ایک تو پڑھتی بھی نہیں ہو اور دوسرا گھر کے کام بھی نہیں کرتی ہو، تم سے کسی کو بھی تو فائدہ نہیں ملتا، ہر وقت بیکار کے کاموں میں لگی رہتی ہو، پڑھنے میں دلچسپی لو، باہر کی دنیا دیکھو، مستبشرہ کی طرح یونیورسٹی جاؤ، اپنا نام مقام بنانے کی کوشش کرو۔"

"مجھے نہیں بنانا نام مقام...... اور پھوپھا جی نے مستبشرہ کو یونیورٹی اس کی ضد پر بھیجا تھا مگر ابو مجھے یا کسی کو بھی یونیورسٹی نہیں جانے دیں گے۔" وہ صاف بولی۔

''بیشک مستبشرہ اپنی ضد پر یونیورسٹی گئی مگر پھوپھا جی کو اسے بھیج کر کسی قسم کی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی اور یہی بات خاندان کے باقی سب بڑوں کے لئے اپنی بیٹیوں پر اعتماد کی راہ کھول چکا ہے، مجھے یقین ہے خاندان کا کوئی فرد لڑکی کی اعلیٰ تعلیم اور یونیورسٹی جانے کے خلاف نہیں ہوگا''

''جو بھی ہے پر مجھے نہیں شوق اعلیٰ تعلیم کا، میں ایسے ہی اچھی ہوں۔'' وہ جان چھڑانے کے لئے سپاٹ انداز میں بولی۔

''مجھے پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔'' مشارب نے اپنا آپ اسے بتایا۔

''بھلے لگتی ہوں، مجھے نہیں فکر بس ایک مرتبہ میری انگلش کلیئر ہو جائے تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فارغ۔'' وہ اپنے مخصوص اور لاپرواہ انداز میں بولی۔

''اچھا میں جا رہا ہوں، چچا جان کو تمہارا رزلٹ بتانے۔'' وہ اٹھ کر جانے لگا کہ فلک سے بحث فضول تھی۔

''ہائے نہ بتاؤ، نہ مشارب شاہ۔ ابو ڈانٹیں گے اور امی انگلش کلیئر ہونے تک ایک بھی ڈائجسٹ نہیں پڑھنے دیں گی اور نہ نیٹ استعمال کرنے دیں گی۔'' وہ ایک مرتبہ پھر معصومیت سے التجا کرنے لگی۔

''فکر نہ کرو میں انہیں سنبھال لوں گا۔'' مشارب اس کی ایسی معصومیت بھری قدرے بے وقوفانہ باتوں پر سوائے مسکرانے کے کر بھی کیا سکتا تھا، سو اسے تسلی دی۔

''سچی۔'' وہ خوشی سے اچھلی۔

''ہاں جی بچی، مگر اگلی مرتبہ ایسا رزلٹ نہیں آنا چاہیے۔'' وہ بولا ساتھ وارن کیا۔

''کوشش کروں گی۔'' وہ ہنسی تھی۔

''تم کبھی نہیں سدھر سکتی۔'' مشارب نے اس کو افسوس سے دیکھا۔

''پاگل جو ٹھہری۔'' جس پر وہ اور زوروں سے مسکرائی۔

''واقعی پاگل ہو تم۔'' وہ بھی ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

بہت سے لڑکے، لڑکیاں اداس تھے جنہیں اس یونیورسٹی کو چھوڑ کر جانا تھا اپنے دوستوں سے جدا ہونا تھا، وہ چاروں بھی ملول تھیں، آخری پیپر سب کا ہی بہت اچھا ہوا تھا۔

دوسری طرف علی آیان حسن گیلانی بہت خوش تھا آج، دل لگا کر اس نے اہتمام سے ملاقات کی تیاری کی، اسے پتہ تو تھا کہ مستبشرہ اس سے محبت کرتی ہے لیکن آج باقاعدہ جواب ملنا تھا، سو انتظار کا ایک ایک لمحہ اسے بھاری گزر رہا تھا۔ بڑی بے تابی سے مستبشرہ کی آمد کا منتظر وہ خواب کی دنیا میں مگن تھا، کچھ ہی دیر میں اسے مستبشرہ دور سے آتی دکھائی دی تو آنکھوں کی چمک میں خود بخود اضافہ ہوا، دل

کے تارا نوکھے ساز الاپنے لگے، فضا میں جلترنگ بجنے لگے۔ گویا خزاں میں بہار سی آ گئی ہو، علی بہت ایکسائیٹڈ تھا اول تو خوشگوار انداز سے اس سے ملا، مستبشرہ نے بغور اسے دیکھا اس کے ہونٹ خوشی و مسرت سے کھل رہے تھے، وہ خوشی سے چہک رہا تھا، ایک لمحے کو مستبشرہ کو شرمندگی نے آ گھیرا، وہ افسردہ سی نظر کا رخ دوسری جانب کر گئی، فیصلے کا وقت تھا اور وہ گہری الجھن کا شکار تھی جبکہ علی آیان منتظر تھا ذہن میں الفاظ کے تانے بانے بننے لگی، اس ناٹک کا کلائمیکس کو وہ جتنا سہل گردان رہی تھی اس لمحے کئی گنا زیادہ مشکل لگا، ایک پل میں علی کی تمام باتیں اس کی چاہتیں، شدتیں کسی فلم کی طرح اس کے ذہن میں چلنے لگیں تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی ذات کے لئے فکرمند تھی، اسے تو محض اپنے فیصلے کے بعد علی کی حالت کا پہلا ممکنہ دھچکا اندر تک لرزا گیا تھا کہ وہ واقعی اس کا ناٹک علی جیسے جذباتی بندے کے لئے نہایت سنگین نتائج کا ذمے دار بھی ہو سکتا تھا۔

بہر کیف فیصلہ آج ابھی اسی وقت ہر حال میں کرنا تھا۔ وہ کافی سوچ بچار کے بعد اسے بنا دیکھے، اس کے ان سوالات کا اس کی توقع کے برعکس جواب دے گئی، علی اول تو بے یقین سا رہ گیا۔ لیکن جب وہ نہایت کھردرے، روڈ لب و لہجے میں دوبارہ سے بولی تو وہ حیرت و بے یقینی سے دنگ رہ گیا۔ وہ جیسے شل سا ہو گیا اور دل تو جیسے برائے نام دھڑکنے لگا۔

''کیوں مستبشرہ۔'' اور جب احتجاجاً بولا تو محض یہ دو الفاظ ادا کر سکا، مستبشرہ نے نہایت ضبط سے خود کو سنبھالا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا پھر اپنے اندر لچک پیدا کرنا بے سود تھا۔

''کیوں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔'' قطعیت بھرا جواب نہایت سپاٹ انداز میں دیا۔

''محبت نہیں کرتیں......تو آج تک کیا تھا سب؟''

''ناٹک......محض ٹائم پاس، میں اپنی ایک ہی روٹین سے بیزار ہو چکی تھی، وہی تین دوستیں، پڑھائی، ہوسٹل، سو میں چینج چاہتی تھی اور جب میری غیر موجودگی میں تم میری دوستوں کے پاس گئے تب میں نے چینج کے لئے زندگی میں تفریح لانے کی غرض سے یہ سب ڈھونگ رچانے کا فیصلہ کیا، اینڈ آئی ایم ویری سوری اگر میری وجہ سے تمہارا دل وغیرہ دکھا ہو تو۔'' وہ لاپرواہ بنی ساتھ ہی جھوٹ موٹ کی کہانی گڑھی۔

''سوری......کیا ایک سوری کافی ہے مستبشرہ، میں نے تمہیں خود سے بڑھ کر چاہا ہے اپنی زندگی سمجھا ہے تمہیں، کیا تمہیں میری سچی محبت کا ذرا بھی احساس نہیں تھا'' وہ پھٹ ہی تو پڑا تھا، مستبشرہ کا انکشاف اس کے جذبات پر گراں گزرا تھا۔

''احساس کیسا......؟ میں نے کون سا تم سے پیار، محبت، شادی کرنی تھی۔ حقیقت اور ناٹک میں بہت فرق ہوتا ہے اور میں محض ان چکروں کو دل لگی سمجھتی ہوں جنہیں تم زندگی گردانتے ہو، میرے نزدیک تمہاری محبت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔''

''پھر تمہیں میرے جذبات سے مذاق کرنے کا بھی کوئی حق نہ تھا۔'' وہ غصہ ہوا، با آواز بلند کہتا اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''اپنی حد میں رہو علی۔'' مستبشرہ نے اس کے ہاتھ کو پرے دھکیلا۔

''تو پھر کہہ دو مستبشرہ! کہ یہ سب جو تم کہہ رہی ہو جھوٹ ہے، تم مذاق کر رہی ہو۔'' وہ یکدم جنونی ہوا۔

''کیوں کہہ دوں، جبکہ ایسا کچھ ہے ہی نہیں، جسے تم اپنے لئے محبت سمجھ رہے تھے وہ محض ٹائم پاس تھا، یہاں یونیورسٹی آنے سے پہلے میرے بابا...... دیکھو علی! آج ہمارا یونیورسٹی میں آخری دن، آخری ملاقات ہے، اس کے بعد ہم سب اپنی اپنی پریکٹیکل لائف اسٹارٹ کریں گے اور بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی اپنی راہیں جدا ہی رکھیں، تم بھول جانا کہ کبھی تمہاری زندگی میں کوئی مستبشرہ جمال آئی تھی جس سے تم پیار کرتے تھے جبکہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی خاص و عام جذبہ ہے ہی نہیں کہ میں تمہیں کبھی یاد رکھ سکوں، سو تم یہ پیار، عشق، محبت کے چکروں سے نکلو اور حقیقت کی دنیا میں واپس چلے جاؤ، افسانوی دنیا میں صرف دھوکہ، فریب ہوتا ہے، لوگ محض دل لگی پر ہی اکتفا کرتے ہیں، تم محبت پر کتنا یقین رکھتے ہو یا کرتے ہو یہ صرف و صرف تمہارا معاملہ ہے، میرے نزدیک محبت صرف ٹائم پاس ہے، محض دل لگی ہے، بس وقت گزارو اور آگے نکلتے چلو۔'' وہ خاصی سنجیدہ و قدرے لاپرواہ بے نیاز، بے رحم انداز میں اسے پل بھر میں بکھیر کے رکھ گئی، مستبشرہ کے الفاظ پل بھر میں اس کے اندر بہت کچھ تہس نہس کر چکے تھے۔

''واہ خوب کہی، تو تم نے مستبشرہ جمال! علی آیان حسن گیلانی تمہیں اتنا چاہتا رہا اور تم اس کے جذبات کے ساتھ محض دل لگی، ٹائم پاس کی خاطر کھیلتیں رہیں۔'' اس کا لب ولہجہ چور چور تھا، حتیٰ کہ آواز تک میں کرب تھا۔

''تم جو بھی سمجھو۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے خود کو بری آزما کیا۔

''تم نے اپنے عمل سے جیتے جی مجھے پاتال کی گہرائیوں میں اتار دیا ہے مستبشرہ، کیا قصور ہے میرا؟'' جبکہ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''شاید یہی کہ تم نے آج کے دور میں محبت پر یقین کیا۔''

''تم بے وفا نہیں ہو سکتیں، میری زندگی ہو تم، تم مجھے کیسے دھوکہ دے سکتی ہو؟'' علی اب کے تڑپ اٹھا تھا۔

''کم آن علی! ہوش میں آؤ، وفا بے وفا میں کچھ نہیں جانتی، محبت کیا یہ زندگی بھی ایک دھوکہ ہے۔۔ کب کس کے ساتھ کیا کر جائے کوئی نہیں جانتا، تم بھی خود کو اس گھٹیا خول سے باہر نکالو، آج یہ ہماری آخری ملاقات ہے، میں چاہتی ہوں کہ ہم ہنسی خوشی دوستوں کی طرح اپنی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھیں سو پلیز......'' وہ قدرے تلخ ہوئی، صاف الفاظ میں کہتی اس کی طرف دیکھا۔

''میں اب بھی یہی کہوں گا مستبشرہ پلیز، میرے ساتھ مذاق مت کرو، اور کہہ دو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔'' وہ یکدم بے بس ہوا۔ اس کا دل ابھی تک اس ستم کو قبول کرنے سے گریزاں تھا۔

''نہیں علی، یہ سچ ہے، تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا۔'' وہ بھی ہنوز دوٹوک و اٹل تھی کہ ایک لمحے کے لئے بھی علی کی بے بسی اس کی حالت اس کے دل کو نرم نہ کر سکی۔''

''کتنی بار تم سے کہوں کہ میں محبت نہیں کرتی۔''

''پر میں تو تم سے محبت کرتا ہوں مستبشرہ۔''

''لیکن میرے بغیر مر تو نہیں جاؤ گے ناں۔'' وہ طنزیہ چلائی۔

''مر جاؤں گا، مر جاؤں گا میں تم بن۔''

''جھوٹ ہے بکواس ہے سب۔''

''تو کیا تمہارا اقرار محبت بھی جھوٹ تھا۔''

''ہاں...... جھوٹ تھا۔'' مستبشرہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ترکی بہ ترکی جواب دیا علی نے ایک پل کو آنکھیں ہی بند کر لیں۔

''میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔'' علی نے سنبھلنے کی بھرپور کوشش کی۔

''یہ تمہارا پاگل پن ہو گا، میں کبھی تمہارے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں، کل سے تم میرے ماضی کا حصہ بن جاؤ گے اور میں مستقبل کی سوچ کے ساتھ حال میں جینے کی عادی ہوں۔'' وہ خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھی۔

''لیکن یاد رکھنا، میری یادیں تمہارا سکون تباہ کر دیں گی۔''

''مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، نہ ایسا ممکن ہے۔''

''بہت خود غرض، بے حس ہو تم۔'' علی کی آواز تاسف میں ڈوبی تھی۔

''میں بے حس نہیں، تم پاگل ہو۔'' مستبشرہ کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں تھی۔

''تم ایک دن پچھتاؤ گی مستبشرہ!'' علی نے اسے مستقبل کی پیشن گوئی دی، اس کا لب و لہجہ کرب، الم میں ڈوبا مقابل کو اندر سے ہلا کر رکھ گیا تھا۔

''جو ہو گا دیکھ لیا جائے گا۔'' پر وہ بے غم بنی، اس کی بے حسی پر علی بن پانی کی مچھلی کی طرح ایک مرتبہ پھر تڑپ اٹھا تھا۔

''اور ہاں'' جبھی وہ کچھ یاد آنے پر بولی علی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب بھی کچھ باقی ہے۔'' پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا کہ گویا اپنے ساتھ ہونے والے اس قدر سنگین مذاق کو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق قبول کر گیا تھا۔

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

''تمہارا یہ لاکٹ میرے کسی کام کا نہیں ہے، اگر ممکن ہے تو تم اسے دور کہیں پھینک دو۔علی اور مستبشرہ کم از کم اس جنم میں ایک نہیں ہو سکتے، کیونکہ مستبشرہ تم سے محبت نہیں کر سکتی......چلتی ہوں۔'' مستبشرہ نے لاکٹ واپس اسے لوٹایا۔ وہی لاکٹ جو علی نے بڑے پیار سے آرڈر پر اس کے لئے بنوایا تھا، جس میں اس نے MA ساتھ میں لکھوا کر گویا اسے تمام عمر کے لئے اپنے نام کر لیا تھا مگر آج مستبشرہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا، اس کے اعتبار اس کے پیار کو مذاق بنا کر رکھ دیا تھا۔ مستبشرہ آخری مرتبہ قطعیت سے کہتی واپسی کے لئے پلٹ گئی۔

علی آیان کو اپنا وجود زلزلوں کی زد میں گھرتا محسوس ہوا، اسے اپنی سانسیں بے وفا لگنے لگیں، جو اتنا سب ہو جانے کے باوجود بھی چل رہی تھیں، مستبشرہ جا رہی تھی، علی کی زندگی اس سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی، وہ تڑپ اٹھا، دل کی نگری میں آندھی طوفان برپا ہو چکا تھا۔ اگلے لمحے وہ ایک آخری امید کے تحت آگے بڑھا، آخری مرتبہ اسے روکنے، اس سے اپنے پیار کی التجا کرنے، اپنی محبت کی بھیک مانگنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے قریب پہنچتے ہی اس کا بازو تھام لیا۔

''مستبشرہ پلیز! میری بات تو سنو۔''

''چٹاخ۔'' لیکن اس نے کچھ سننے کے بجائے ایک زوردار تھپڑ اسے رسید کیا، علی کی حرکت پر اسے بے انتہا غصہ آیا تھا۔

''خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا یا میرے پیچھے آنے کی کوشش کی تو......ایک مذاق تھا جو ختم ہو چکا ہے، اب آگے پھر ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں گے۔'' اور وہ نخوت سے کہتی بازو چھڑاتی پل میں منظر سے اوجھل ہو گئی۔ مستبشرہ نے تھپڑ اس کے منہ پر نہیں جذبات پر مارا تھا، علی کو آخری جواب مل چکا تھا، قصہ تمام ہو چکا تھا مگر جب تک وہ ٹوٹ کر بکھرتا، محبت کی بازی میں فریب کھا کر ہار چکھنے کے بعد شکست خوردہ وجود، دھماکہ خیز انکشاف کے بعد منتشر الجھی سوچوں کے سنگ، اپنے وجود کو گھسیٹتا واپسی کے لئے پلٹ گیا۔

☆......☆......☆

''شکر خدا کا......اب اسٹڈیز سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹی۔'' درعدن نے شکر کا سانس لیا پھر مزید بولی۔

''اب آرام اور صرف آرام کروں گی۔''

''کیوں آگے کچھ خاص کرنے کا ارادہ نہیں ہے، کچھ نہیں کرو گی تم؟'' ماہی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''کروں گی نا......شادی......بس جو پڑھنا تھا، پڑھ لیا، کام وام تو مجھے نہیں اچھا لگتا۔'' وہ شرارت سے بولی، اشارہ نوکری کی طرف تھا۔

''شادی کی بڑی جلدی ہے تمہیں۔'' مستبشرہ نے اسے گھورا، وہ سب ہنسیں۔

''بھئی میرا ارادہ تو بزنس کا ہے۔'' معطر نے اپنا بتایا۔

واؤ......'' ماہی نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا۔ معطر کو گھر کی طرف سے اس سب کی اجازت بھی تھی اور یہ سب اس کا شوق بھی تھا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' مستبشرہ نے بھی اسے سراہا۔

''اور تم کیا کرو گی؟'' عدن نے مستبشرہ سے پوچھا۔

''میرا ارادہ ٹیچنگ کا ہے، بابا شاید مشکل سے ہی مانیں یا شاید نہ بھی مانیں، پر میں اپنے تئیں انہیں منانے کی پوری کوشش کروں گی۔'' وہ بتانے لگی۔

''خوب......عدن کو تو چھوڑو لیکن تم دونوں کے ارادے آسمان کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں، میری دعا ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ رہے گی۔'' ماہی نے دل سے کہا۔

''اللہ تعالیٰ ہم سب دوستوں کو زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے۔'' معطر دعائیہ لہجے میں بولی، سبھی نے آمین کہا۔

''اور مستبشرہ! تم علی کے پاس گئی تھی......کیا ہوا؟'' جبھی مہ روش یاد آنے پر گویا ہوئی، باقی دو نے بھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہی جو ہونا تھا۔'' وہ مختصراً بولی۔

''مطلب؟'' تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

''میں نے اسے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ میں محبت نہیں کرتی اس سے۔'' وہ بتانے لگی۔

''اور وہ آسانی سے مان گیا؟'' ماہی حیران ہوئی۔

''نہیں یار! بڑی مشکلوں سے خود کو تلخ کیا، اپنے ناٹک کو ٹائم پاس کا نام دیا، یہ سچ ہے کہ وقتی طور پر اسے بہت دکھ ہوگا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہر اذیت کو وہ بھول جائے گا کہ کبھی اس کی زندگی میں کوئی مستبشرہ جمال آئی تھی۔''

''ایک بات بتاؤ مستبشرہ! کیا سچ میں تمہیں ایسا کرتے وقت دکھ نہیں ہوا۔'' عدن نے متعجب نظریں اس پر گاڑتے ہوئے استفسار کیا۔

''بالکل نہیں......بلکہ میں تو بہت خوش ہوں، مجھے فخر ہے خود پر کہ میں نے اپنا بابا کے وعدے کو پورا کرتے ہوئے ان کے مان کو برقرار رکھا، میں ان کے اعتماد پر پوری اتری۔ اب وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر مجھ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔'' مستبشرہ نے فخر سے کہتے ہوئے نہایت صفائی سے جھوٹ بولا۔ محض اپنی جھوٹی انا اور موم سے دل کو پتھر ظاہر کرنے کے لئے کہ اگر وہ انہیں بتا دیتی کہ علی کو فیصلہ سنانے کے بعد اب تک اس کا دل افسردہ وملول ہے تو وہ سب مستبشرہ کو ہی قصوروار ٹھراتے ہوئے ایک مرتبہ پھر علی کے لیے ہمدردی ظاہر کرتیں جبکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ چیپٹر اپنی زندگی سے کٹ کر دینا چاہتی تھی، جبھی پھر سے بولی۔

''اچھا چھوڑو یہ علی کے قصے کو......ہم اپنی اس آخری ملاقات میں صرف اپنی باتیں کریں گے اور ہاں تم سب مجھے اپنے کانٹیکٹ نمبر دو۔ بابا بتا رہے تھے کہ ہمارا نمبر چینج ہوگیا ہے، ملتان جاتے ہی میں تم سب کو کال کر کے اپنا نمبر بتا دوں گی، براہ راست آمنے سامنے نہ سہی

فون پر ایک دوسرے سے بات کرتے رہیں گے سب۔'' وہ بات بدل کر یاد آنے پر بولی، پھر تینوں نے ایک دوسرے کے نمبر نوٹ کئے۔
مستبشرہ نے لنچ کا آرڈر دیا۔ کچھ ہی دیر میں ویٹر انہیں کھانا سرو کر چکا تھا، یہ ان سب کی آخری ملاقات تھی جسے وہ بچھڑنے کے احساس سے قدرے ملول انداز میں بتا رہی تھیں۔

''دیکھو ناں......چار سال کیسے پلک جھپکنے میں گزرے کہ پتہ بھی نہ چلا۔'' معطر نے کھانے کے دوران کہا۔

''ہاں......ہم چاروں کی دوستی نے اس طویل عرصے کو بہت مختصر بنا دیا تھا، اب سوچتی ہوں تم سب کے بنا کیسے بور دن گزریں گے، بہت تنگ ہو جاؤں گی۔'' ماہی بھی ملول تھی، اداسی سے بولی۔

''یہ چار سال میری زندگی کی انمول یادیں سمیٹے ہوئے ہیں، جنہیں شاید ہی میں کبھی بھول پاؤں۔'' درعدن بولی۔

''دوستی کا رشتہ ہوتا ہی عظیم ہے، پہلی دفعہ جب ہم ملے تو انجان تھے اور اب جب جدا ہونے کا وقت قریب تر ہے تو ایک ایک لمحہ قید کر لینے کو جی چاہ رہا ہے، تم تینوں کے روپ میں مجھے بہنوں کی سی محبت کا احساس ہوا۔'' مستبشرہ دل کی سچائی سے بولی۔

لنچ کے دوران وہ سب ہلکی پھلکی گفتگو کرتی رہیں، شام تک کا وقت ان چاروں نے ساتھ گزارا۔ کل سویرے مستبشرہ کو ملتان اور مہ روش کو لاہور کیلئے نکلنا تھا۔ معطر اور عدن ان دونوں کو ابھی سے الوداع کہنا تھا۔ وہ چاروں کافی دیر ایک دوسرے کے گلے لگی رہیں، پھر نم آنکھوں کے ساتھ معطر اور عدن اپنے اپنے گھروں جبکہ وہ دونوں ہوسٹل کی جانب چل دیں۔ ماہی اور مستبشرہ نے ساری رات باتوں میں گزاری، یادوں کو تازہ کیا۔

صبح کا اجالا پھیلا تو سب نے اپنی اپنی پیکنگ کی۔ چند ہی پل میں انہیں جدا ہو جانا تھا۔ ماہی اس کے گلے لگی، نم آنکھوں سے جدا ہوئی پھر دنیا و دستور کے عین مطابق اپنی راہ پر چل دی۔ اس نے ماہی کے جانے کے بعد آنکھیں صاف کیں، پھر آخری نظر ہوسٹل کے کمرے میں ڈالتی بیگ اٹھائے باہر نکل آئی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ چل رہی تھی، جبھی اسے عقب سے آتی آواز سنائی دی تو بڑھتے قدم اپنی جگہ پر رک گئے۔

''ایکسکیوزمی مس مستبشرہ جمال۔''

وہ حیرت سے پیچھے پلٹی تھی۔

☆......☆......☆

''مشارب شاہ۔'' فلک نے چبا چبا کر اس کا نام لیا ساتھ ہی کن انکھیوں سے گھورا۔

وہ مزے سے ہنس رہا تھا کہ فلک کو فکر نہ کرنے کی تاکید کرنے کے بعد وہ عارف شاہ کے پاس آ گیا تھا اور انہیں فلک کے فیل ہونے کے متعلق بتا کر کچھ اس کی نالائقی کا قصیدہ بھی روانی میں پڑھ گیا اور عارف شاہ جو بیٹی سے پڑھائی میں اچھے کی امید لگائے ہوئے

تھے مایوس سے قدرے ناراض، وہ غصہ بھی ہوئے جبکہ فہمیدہ شاہ بیٹی کی گھریلو امور میں نالائقی سے عاجز، پڑھائی میں اس کے کند ذہن و بے فکر ہونے پر کچھ بھی کرنے سے قاصر محض ناراضگی ہی دکھا سکیں۔

فلک سے چھوٹے عثمان نے عارف شاہ کے کہنے پر اس کو گھریلو عدالت میں تمام فریقین کے سامنے لایا تو وہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی، مشارب پر الگ غصہ تھا۔

''کیوں فلک؟'' عارف شاہ نے بارعب آواز میں اسے پکارا۔

''ابو! وہ......'' فلک کا ذہن بالکل خالی تھا، جو باتیں آنے سے پہلے ذہن میں ترتیب دے کر آئی تھی فوراً سے اڑن چھو ہو گئیں۔

''وہ کیا......؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میں نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی۔'' وہ خفت مٹانے کے لئے بولی۔

''پھر یہ معجزہ کیسے ہو گیا؟'' انہوں نے نرم مگر طنزیہ پوچھا۔

''پتہ نہیں ابو، پر ہوا بہت غلط ہے میرے ساتھ، اب اتنا بھی برا پیپر نہیں ہوا تھا میرا، سارے سوال کیے تھے میں نے۔'' وہ اپنی روش میں بولی۔

''آپی نے صرف سوال کیے تھے، جواب نہیں لکھے ہوں گے اسی لئے۔'' سب سے چھوٹے تیمور نے ٹکڑا جوڑا، عثمان اور مشارب ہنسے، فہمیدہ بیگم خاموش کھڑی تھیں۔

عارف شاہ عام روٹین میں ذرا بھی غصہ نہیں کرتے تھے، بہت نفیس و ڈیسنٹ سے بندے تھے، اولاد سے پیار بھی بہت تھا اور ہر باپ کی طرح بیٹی سے کچھ زیادہ ہی پیار کرتے تھے۔ اسے کامیاب دیکھنا چاہتے تھے اور خصوصاً جب سے خاندان کی پہلی لڑکی مستبشرہ اعلیٰ تعلیم کے لئے گھر، شہر سے دور یونیورسٹی میں گئی تو ان کے دل میں بھی فلک کو لے کر ایسی ہی خواہش نے جنم لیا جسے فلک کے موجودہ کارنامے نے مٹی میں ملا دیا تھا۔

''بکواس بند کرو۔'' فلک نے تیمور کو آنکھیں دکھائیں۔

''دیکھ لیں ابو! آپی کے تیور، فیل ہو کر بھی آسمان پر ہیں۔ اگر آپی پاس ہو جاتیں تو گدھا بھی ان کے نخرے اٹھانے سے توبہ کرتا۔'' عثمان بولا۔ تیمور نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ مشارب بھی بہن بھائیوں کی تقاریر سے محظوظ ہوا۔

''ابو! اب یہ مار کھائے گا مجھ سے۔'' فلک نے عارف شاہ کو مخاطب کیا۔ مقصد اپنا قصہ گول کرنے اور ان دونوں کو ابو سے ڈانٹ پڑوانے کا تھا جبکہ مشارب سے حساب بعد کے لئے اٹھا رکھا تھا۔

''نہ تنگ کرو بہن کو، آج فلک کو چھیڑنا تم دونوں کے لئے نقصان دہ نہیں، بلکہ تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے، ایک تو بے چاری فیل

ہو گئی ہے اوپر سے تم دونوں اس کے خطرناک غصے کو ہوا دے رہے ہو۔" عارف شاہ کی جگہ مشارب نے انہیں وارن کیا، وہ تلملا کر رہ گئی۔

"چلو کوئی بات نہیں بیٹی، مگر اگلی مرتبہ کے لئے اچھے سے تیاری کرنا تا کہ ان سب کو تمہیں تنگ کرنے کا موقع نہ ملے۔" عارف شاہ نے اٹھتے ہوئے اسے سمجھایا۔ ڈانٹنے کا فائدہ کچھ نہ تھا اور فلک تو تھی بھی ان کی لاڈلی، سو اثبات میں سر ہلایا۔

"شاباش۔" عارف شاہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی فلک نے اپنا جھکا سر اوپر اٹھایا اور خطرناک تیور کے ساتھ عثمان اور تیمور کی طرف بڑھی جو متوقع حملے کے پیش نظر بھاگ نکلے۔ فلک نے ان کا پیچھا کرنا چاہا مگر فہمیدہ بیگم نے اسے روک لیا۔

"رکو فلک۔"

"امی میں نہیں چھوڑوں گی آج دونوں کو۔" وہ تیز تیز بولی۔

"اور چچی جان تمہیں نہیں چھوڑیں گی۔" مشارب بھی قریب چلا آیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو تمہیں چچی جان ہی سمجھائیں گی، پھر تمہیں نہ پڑھنے اور فیل ہونے کا افسوس ہوگا، کتنا کہا کرتا تھا تمہیں کہ پڑھا کرو۔" مشارب بولا۔ وہ فی الوقت کچھ نہ سمجھی، لیکن مشارب کے جانے کے بعد فہمیدہ بیگم نے اچھے سے سمجھایا۔

"آج سے ڈرامے دیکھنا بند۔"

"نہ کریں امی۔" وہ حیران سی احتجاج کرنے لگی۔

"ڈائجسٹ تو ہاتھ میں نہیں لو گی۔"

"نہ کریں ایسی باتیں امی۔" مسکین سی صورت بنا کر بولی۔

"بہت زیادہ ڈھیل دے چکی تھی مگر اب اور نہیں۔" فہمیدہ بیگم، عارف شاہ کے مقابلے میں زیادہ سختی سے اس سے پیش آئیں۔ وہ فکرمند ہوئی، امی کے ارادے خطرناک تھے جن پر عمل کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"سب کہتے ہیں تم پھوہڑ ہو......" وہ بولیں۔

"غلط کہتے ہیں سب۔" امی کی ہر بات کا جواب اس کے پاس تھا، جواب نہ سہی پر احتجاج ضرور تھا۔

"اب تمہیں سگھڑ بنا کر ہی دم لوں گی۔" انہوں نے عزم سے کہا۔

"میں پیدائشی سگھڑ ہوں امی۔" فلک نے فوراً اکڑ کر کہا اور انہیں یقین دلانا چاہا۔

"گھر کا کوئی کام تمہیں نہیں آتا، پڑھائی میں بھی نالائق نکلی، آج سے تم میرے ساتھ کچن میں کام کرو گی۔" وہ اسے آئندہ کے لئے بتانے لگیں۔

''نہ امی اتنا ظلم کیوں؟'' فلک کو منظور ہی نہ تھا۔

''گھر کی صفائی کے علاوہ شام کے برتن بھی دھونے کی تمہاری ذمے داری۔'' فہمیدہ بیگم نے تمام شیڈول پل میں تیار کر لیا تھا۔

فلک پر جیسے کام کے پہاڑ ٹوٹے، جسے سن کر ہی وہ تھک سی گئی۔

''بس امی! ان کاموں کے لئے میری صحت نہیں ہے۔'' معصومیت سے کہنے لگی۔

''چپ کرو...... ابھی تو تمہیں بھائیوں کے کپڑے بھی استری کرنے ہوں گے۔'' انہوں نے ڈپٹ کر اسے چپ کروانا چاہا، ساتھ ہی ایک اور ذمے داری ڈالی۔

''نہ جی نہ...... یہ کام تو میں ہرگز بھی نہیں کروں گی۔'' اس کے اس نے صاف انکار کیا۔

''جو میں نے کہا ہے وہ سب تمہیں کرنا پڑے گا۔'' وہ سخت ہوئیں۔

''کوئی نہیں، میں نہیں کرنے والی ایک بھی کام اور کپڑے تو ہرگز بھی استری نہیں کروں گی، فیل کیا ہوگئی آپ نے تو مجھے غلام ہی بنا ڈالا، میں ڈرامے بھی دیکھوں گی، ڈائجسٹ بھی پڑھوں گی۔'' فلک نے بھرپور انکار کرتے ہوئے ضدی لہجے میں کہا تو فہمیدہ بیگم نے اسے آنکھیں دکھائیں، تو وہ مجبوراً چپ ہوئی۔

''چلو میرے ساتھ کچن میں، شام کے کھانے میں آج تم میری مدد کرو گی۔'' فہمیدہ بیگم اسے تاکید کرتیں کچن کی جانب بڑھیں۔

''امی! آپ اتنی ظالم ہوں گی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔'' وہ منمنا کر رہ گئی۔

''یہ سب تمہارے بھلے کے لئے ہے۔'' انہوں نے سمجھایا۔

''خاک بھلے کے لئے...... مصیبت ہی ہے سب۔'' وہ بڑبڑائی کہ فرار کی کوئی راہ نہ تھی۔ فہمیدہ بیگم جتنی نفیس، خاموش طبع، سلجھی ہوئی خاتون تھیں، فلک کے لئے تمام لاڈ پیار کے ساتھ ایک سخت ماں بھی تھیں۔ آج تک اسے پڑھائی کی وجہ سے کسی کام کے لئے نہ کہتیں، کوئی سختی نہ کرتیں بلکہ اس کا ہر نخرہ اٹھاتیں، اس کی ضد پر خاموش رہ جاتیں تھیں اب مجبوراً چاہتے ہوئے اسے ہر وہ کام کرنا تھا جو اسے پسند نہ تھا۔

☆......☆......☆

چاروں نے ایک ساتھ لنچ ختم کیا۔

''نایاب! پانی دوں۔'' مہ روش نے بیٹی پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ درعدن نے نایاب کو اپنے پاس کر لیا۔

''میرا بیٹا اسفند بھی اسی جتنا ہے، لیکن وہ بہت شرارتی ہے۔ چھوٹا اسجد تو بالکل اخروٹ کی طرح ہے، ہر وقت ناک میں دم کیے رکھتا ہے۔ عامر ہمیشہ ان کی فیور کرتے ہیں سو ہم چاروں ہر وقت لڑتے رہتے ہیں، خوب مستی کرتے ہیں۔''

''تم خود بھی کسی سے کم نہیں ہو، بچے بھی تم ہی پہ گئے ہوں گے۔'' معطر خوشگوار لہجے میں بولی۔

''عدن! تمہیں یاد ہے عامر سے اپنی پہلی ملاقات؟'' ماہی نے یاد آنے پر پوچھا۔

''ہاں، اسے تو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔'' وہ مسکرائی، باقی سب نے اس کا ساتھ دیا۔

''اب بھی عامر ویسے ہی ہیں یا شوہر کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد چینج ہو گئے ہیں۔'' وہ پوچھنے لگی۔

''ویسے ہی کہاں یار، اس سے بڑھ کر ہیں، ہر وقت بچوں کے ساتھ بچے بنے ہوتے ہیں۔ شادی کو سات سال گزر گئے، پر اب بھی میرا خیال رکھتے ہیں، کبھی کبھی تو گھر کے کاموں میں مدد بھی کر دیتے ہیں، سستی دکھاؤں تو اپنے اور میرے لئے چائے بھی بنا دیتے ہیں، شاپنگ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے سو وہ میرے بنا کہے جب دل چاہے شاپنگ کے لئے لے جاتے ہیں، میں اگر سو رہی ہوں تو بچوں کے کام بھی کر دیتے ہیں بنا مجھے ڈانٹے یا کچھ کہے۔'' وہ بتانے لگی۔ ماہی نے ستائشی یا شاید حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے تصور میں خود کو سوچا، پھر اگلے ہی لمحے سرعت سے سر جھٹکا۔

''اوہ...... اِٹس مین یور آ سو لکی۔'' معطر نے کہا۔

''یس آف کورس اینڈ آئی وش کہ ہر لڑکی کو عامر جیسا ہزبینڈ ملے۔'' انبساط کی چمک عدن کی آنکھوں میں واضح تھی سو سب کے لئے دعائیہ ہوئی۔

''مگر سب کا نصیب ایک جیسا نہیں ہوتا۔'' ماہی سنجیدہ و آس بھرے لہجے میں بولی۔ مستبشرہ نے گلاسز کے پیچھے سے بغور اسے دیکھا مگر فی الوقت منہ سے کچھ نہ بولی۔

''لیکن ایک بات مجھے آج تک شرمندہ کرتی چلی آ رہی ہے اور شاید آگے بھی کرے۔'' درعدن پھر سے بولی۔

''کیا مطلب...... کون سی بات؟'' معطر بولی سب حیران ہوئیں۔

''مطلب یہ کہ یونیورسٹی کے کارناموں کے بعد اب جب بھی سر خالد ملتے ہیں تو عامر کے سامنے بڑے طنزیہ وہ شوخ انداز میں میری تعریف یوں کرتے ہیں کہ درعدن اپنے زمانے میں میری سب سے لائق، قابل اسٹوڈنٹ تھی اور عامر حقیقت سے واقف ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں، مجھے تنگ کرتے ہیں۔'' وہ کافی دکھی ہوئی، ان تینوں نے بھرپور انداز میں قہقہے لگائے۔

''اور معطر! تمہارے کتنے بچے ہیں؟''

''صرف ایک بیٹی ماہم۔'' وہ مختصراً بولی۔

''پھر زندگی کیسی گزر رہی ہے؟'' عدن نے پوچھا۔

''بہت اچھی، پرسکون...... میں اور شایان تو اپنا بزنس کرتے ہیں لیکن جب بھی وقت ملتا ہے ماہم کو لیے کہیں بھی گھومنے چلے جاتے ہیں، مختصراً یہ کہ اپنی پرسکون زندگی میں کبھی کبھی دل کھول کر خوب ہلہ گلہ کرتے ہیں۔'' بتاتے ہوئے معطر کے چہرے پر ڈھیروں سکون

واطمینان تھا۔تمام دوستوں نے جس کے برقرار رہنے کی دعا کی۔

''اور ماہی!تم کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔'' وہ جوسب سے پوچھ رہی مستبشرہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''کیا بتاؤں؟'' وہ پرسوچ ہوئی۔

''کچھ بھی......اتنے عرصے بعد سب ملیں ہیں،اس دوران کیا ہوا،تم میں اتنی چینجنگ کیوں اور کیسے آئی؟''

''یہ بہت لمبی کہانی ہے۔'' مہ روش کے اندرتک کرب وملول تھا۔

کچھ بھی تو اس کے ساتھ ان گزرے آٹھ سالوں میں اچھا نہیں ہوا تھا،کوئی خوشی یا راحت اس نے اپنی ازدواجی زندگی میں حاصل کی تھی جو انہیں بتاتی،اس کے دل میں دکھوں اور غموں کا بسیرا تھا جنہیں وہ آٹھ سال سے گھسیٹتی زندگی کے نام سے بھی نفرت کرنے لگی تھی مگر زندہ رہنے پر مجبور تھی تو صرف اپنی بچیوں کی وجہ سے۔یکدم اس کی مرجھائی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا جسے اس نے کمال ہوشیاری سے پی لیا۔

''ہم تمہارے بارے میں جاننا چاہیں گے ماہی!'' وہ تینوں جاننا چاہتی تھیں۔

''اتنا ہی کہوں گی فی الحال کہ ایک ایسی ماہی تم لوگوں کے سامنے ہے جس نے بن پانی کی مچھلی کی طرح ایک ایک لمحہ تڑپتے ہوئے گزارا،جس نے مستقبل کے لئے کئی حسین سپنے تو دیکھے تھے مگر وہ سپنے کبھی حقیقت کا رنگ نہ اوڑھ سکے جس کی خواہشات تشنہ ہیں،جس کی ذات بےقرار روح کی طرح اذیت کے صحرا میں بھٹک رہی ہے۔'' وہ بولی تو ملول اور رنجور لہجے میں۔مہ روش کے لب و لہجے میں کرب و بےقراری کی جھلک پل بھر میں ان تینوں کو افسردہ وسوالیہ کر گئی۔

''کیسے......کیا وجہ ہے اس سب کی؟'' معطر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی وآہستگی سے استفسار کیا۔

''بہت بڑا دھوکا کھایا ہے میں نے اس شخص سے،جس نے مجھے محبت کے نام پر حاصل کیا،پھر کسی کی بے وفائی کی بھینٹ چڑھاتے اب تک انتقام کی آگ میں جھلسایا،اس قدر مقدس ومخلص رشتے سے دھوکا کھانے کے بعد اندر سے بالکل مردہ ہو چکی ہوں میں......بس زندہ ہوں تو اپنی بچیوں کیلئے،اپنے والدین کو خوش رکھنے کے لئے اور خاندان کو جوڑے رکھنے کے لئے،میں سانس تو لے رہی ہوں مگر خود کو زندہ نہیں سمجھتی۔'' انہیں بتاتے ہوئے وہ آخر میں رو دی۔اپنی بےبسی اپنی قسمت کی ستم ظریفی پر رو دی تھی۔

مستبشرہ نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھیں صاف کیں،اسے خود سے لگایا،چپ کروایا۔کئی لمحوں تک ماحول سوگواریت لیے رہا۔

مہ روش نے بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھالا،پھر نایاب کو اپنے پاس کیا جو ماں کے رونے پر حیران وپریشان،بوکھلاسی گئی تھی۔

''بعض اوقات انسان قسمت کے لکھے کے سامنے بےبس ہو جاتا ہے،اس کے مضبوط سے مضبوط ارادے بھی کمزور پڑ جاتے ہیں اور ایسے میں جب ہم ناامید ہو جاتے ہیں تب رفتہ رفتہ زندگی ہم سے دور ہو جاتی ہے،سانس لینا تو ایک فطری عمل ہے،مگر زندہ رہنا اور زندگی جینا بہت دشوار ہوتا ہے اور جب کوئی ہمیں ہماری ذات سمیت اَنا اور انتقام کی خاطر اپنی تسکین کے لئے بےرحم ہو کر پاؤں تلے کچل

ڈالتا ہے تب ہماری روح تک گھائل ہو جاتی ہے.....تم دونوں بہت خوش قسمت ہو عدن، معطر کہ عامر اور شایان جیسے ہم سفر تمہارے جیون میں آئے لیکن سب کی قسمت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ مجھے ہی دیکھ لو......" مہ روش سنجیدگی سے کہتی آخر میں ان دونوں سے مخاطب ہوئی لیکن دل کا بوجھ ہلکا ہونے کے بجائے مزید بڑھ گیا تھا۔

"تمہارا ظاہر، تمہاری اندرونی کیفیت کا آئینہ دار ہے جبکہ میرا ظاہر، باطن، قلب و روح بہت سے دکھوں سے مزین آٹھ سال پہلے والی ماہی کو مارے ایک بالکل الگ اور بدنصیب مہ روش کو جنم دے چکا ہے جس کی زندگی میں صرف تاریک اندھیرے ہیں، جہاں روشنی کا سوال تک پیدا نہیں ہوسکتا۔" مہ روش اپنی قسمت اور قدرت کے اس کھیل سے حد درجہ مایوس نظر آ رہی تھی جبکہ باقی تینوں اس کے دکھ کا اندازہ کیے افسردہ، سوالیہ مگر چپ تھیں۔ مہ روش نے بات جاری رکھی۔

"اب تو اپنی بچیوں کے لیے جی رہی ہوں کہ کہیں میرے بعد یہ تنہا نہ ہو جائیں۔ باپ سے تو کبھی انہیں پیار ملا نہیں، میرے بغیر تو بکھر جائیں گی۔" اور اپنے دکھ کو فی الفور بھلائے۔ اگلے ہی لمحے نایاب کو گلے سے لگاتے فکرمندی سے بولی۔

"ہم کچھ نہ جانتے ہوئے بھی تمہارے دکھ کا اندازہ کر سکتے ہیں ماہی! لیکن پلیز تمہارے ساتھ جو ہوا ہے اسے ہمارے ساتھ شیئر کر کے تو دیکھو، شاید ہم تمہارا بوجھ تمہارا دکھ کم کر سکیں، شاید تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔" عدن نے دوستانہ لہجے میں کہا تو ماہی پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا گئی، باقی دونوں اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہوں...... بتاؤں گی لیکن پہلے مستبشرہ، تم بتاؤ۔ اتنی کیوں بدل گئی ہو اور اب تک شادی کیوں نہیں کی تم نے؟" ماہی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بات کا رخ بدل کر مستبشرہ کی جانب موڑا۔

"شاید اس لیے کہ پھر اس جیسا کوئی نہیں ملا۔" وہ سنجیدگی سے مختصراً جواب دیتی غیر مرئی نقطے کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئیں۔

"کس کی بات کر رہی ہو تم؟" ماہی نے استفسار کیا آنکھوں میں حیرت تھی۔

"علی کی......" اس نے ٹکا سا جواب دیا۔ ساتھ ہی گلے میں پہنے اس لاکٹ کو انگلیوں سے بھینچ کیا جو علی کے پیار کی نشانی تھی۔ وہ تینوں بے چینی سے اسے دیکھنے لگیں۔ اس غیر یقینی انکشاف پر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"علی کی......؟" ماہی نے اس کے الفاظ دہرا کر گویا یقین کرنا چاہا۔

"میں نے اس کی محبت کو ٹھکرایا اور خود تقدیر کے بھیانک مذاق کا نشانہ بن گئی۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولی، یکدم دل میں انتشار برپا ہوا تھا، آنکھوں کے سامنے علی کا عکس لہرایا تھا۔

"بابا سے کیے وعدے کو پورا کرنے کے لئے میں نے علی کے قدم محبت کی راہ سے پیچھے کرنے چاہے تو پتہ ہی نہ چلا، کب، کیسے،

کیوں میں بھی اسی سفر کی مسافر بن گئی لیکن جب ادراک ہوا تو تب بہت دیر ہو چکی تھی، اب مسلسل اپنے کیے کی سزا خود کو دیئے آ رہی ہوں کہ شاید محبت کا یہ روگ ختم ہو جائے...... مجھے قرار مل جائے۔" وہ انہیں بتانے لگی تو اپنا حال دل بھی کھول کر رکھ دیا، وہ سب مزید حیران ہوئیں۔

"تو کیا تم علی سے......؟" ماہی نے سوالیہ و متعجب انداز میں اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

"ہاں میں علی سے......کتنا حسین مذاق کیا ہے قسمت نے میرے ساتھ، لیکن تب جب میرے ہاتھ اس کی محبت سے خالی ہو چکے تھے۔" مستبشرہ سنجیدہ تھی۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا ماہی! اب دیکھو ناں میں اس وقت کے دماغ سے کیے گئے فیصلے کی وجہ سے اب اپنے دل کے لئے پچھتا رہی ہوں، شاید یہی میری سزا ہے۔" کہتے ہوئے وہ گلاسز کے پیچھے آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کو بمشکل روک پائی لیکن آواز میں کرب کی لہر اس کی موجودہ کیفیت کی آئینہ دار تھی۔

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟" ماہی نے آہستگی سے پوچھا۔

"میں خود نہیں جانتی کہ کیسے میرا دل......" وہ لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش میں بات مکمل نہ کر سکی۔

"تم نے کبھی ہم سے رابطہ نہ رکھا۔" معطر نے شکوہ کیا کہ اگر وہ ان سے رابطے میں رہتی تو یقیناً آج مستبشرہ کی یہ حالت نہ ہوتی۔

"میں شرمسار تھی، تم سب کتنا روکتی تھیں مجھے لیکن مجھ پر صرف ایک ہی دھن سوار تھی۔" وہ بولی۔

"اسی لئے تم نے آج تک خود کو اذیت دی، تنہا زندگی گزاری۔" درعدن اس کے لیے اداس تھی۔

"ہاں......اور یہ سب اس ناٹک کا کفارہ بھی ہے جس نے جانے علی کے ساتھ بعد میں کیا برا کیا ہوگا، میرے عمل سے علی کو اذیت ملی تھی، سو میں نے خود کو بھی اذیت دی۔ تب جانا کہ محبت میں نارسائی کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ تنہائی کا دکھ کس قدر گہرا ہوتا ہے، وہ تو شاید اب مجھ سے نفرت کرتا ہوگا مگر میں......" ایک مرتبہ پھر مستبشرہ جمال نے بات ادھوری چھوڑی جس سے ماحول میں مزید سوگواریت بڑھی۔ کوئی اب کے کچھ نہ بولی، سبھی کے دل اداس تھے، ملول تھے۔ جبکہ گزرے آٹھ سالوں پر محیط ایک دوسرے کے لیے ان کے سوالیہ ماضی کے اوراق پھر سے یکے بعد دیگرے کھلے تھے۔

☆......☆......☆

"ایکسکیوز می مس مستبشرہ جمال۔" عقب سے آتی آواز پر وہ حیرت سے پلٹی، جہاں ایک لڑکا اسی کی جانب متوجہ تھا۔

"جی......؟" سوالیہ مگر قدرے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کے دو منٹ لے سکتا ہوں۔" وہ پوچھنے لگا۔ لب و لہجہ خاصا مؤدب نظر آیا مگر پھر بھی وہ اپنی طبیعت کے عین مطابق بے لچک و سپاٹ تاثرات چہرے پر سجائے بولی۔

''کیوں؟''

''ضروری ہے۔'' وہ مختصراً بولا۔

''کیا مطلب؟''

''میں علی کا دوست ہوں۔'' عمر نے اسے مطلع کیا۔ مستبشرہ نے جواباً کوئی خاص تاثر واضح نہ ہونے دیا البتہ اندر ہی اندر حیران ضرور ہوئی تھی۔

''سو واٹ۔'' البتہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر پوچھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے، یقین نہیں آتا کہ کوئی یوں بھی کسی کے ساتھ کرتا ہے۔'' وہ علی کے لیے فکرمند اور اس کے عمل پر حیران و افسردہ تھا، مستبشرہ کی آنکھیں اس کی بات پر پھیلیں اور غصہ بھی آیا۔

''لک مسٹر! اِٹس ناٹ یور پرابلم۔'' دوٹوک سختی سے کہا۔

''اِٹ اِز مائی پرابلم میم! علی دوست ہے میرا، زندگی میں آپ کے سنگ جینے کے سپنے اسے توڑ کر رکھ گئے ہیں، آپ کے فریب بھرے محبت کے ناٹک نے اسے چور چور کر دیا ہے، اس کی ہنسی تو کہیں کھو سی گئی ہے، محض ایک دن میں شکست و نارسائی کے دکھ نے اسے اندر سے مار ڈالا ہے، وہ زندگی سے بیزاریت کی باتیں کرنے لگا ہے...... کیوں کیا آپ نے اس کے ساتھ ایسا؟'' عمر جذباتی مگر بہت حد تک سنجیدہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس کی ذات، اس کے فعل کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے پوچھنے لگا۔ کچھ پل کے لئے مستبشرہ کچھ نہ بولی۔ بظاہر نہ سہی پر وہ دل میں شرمندہ سی ہو کر رہ گئی تھی، عمر اسے خاموش پا کر دوبارہ بولا۔

''وہ آپ سے سچی محبت کرتا ہے مستبشرہ! اب بھی وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے پلیز سمیٹ لیں اسے، لے آئیں اسے زندگی میں واپس، امر کر دیں اسے اپنی محبت کی چاشنی سے، آپ کی محبت......''

مستبشرہ کے دل میں جھکڑ چلنے لگے، عمر کی باتیں اسے الجھانے لگیں مگر اس لمحے اس کا دماغ، دل اور جذبات پر گویا حاوی ہو چکا تھا۔ کیا اچھا کیا برا، کیا محبت، کیا زندگی کی باتیں، ان موازنات کی گردش کو فی الفور اس کے دماغ نے قبولیت کا شرف نہ بخشا، سو بڑی بے دردی سے اگلے ہی لمحے عمر کو ٹوکتے ہوئے نہایت ناگواری سے بولی۔

''واٹ محبت......'' جانتے بوجھتے انداز میں غصیلے پن سے اسے روکا، ساتھ ہی چہرے پر آئے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا۔

''بہت سن لیں میں نے علی کی باتیں، زندگی سے بیزاریت کی باتیں یہ اس کی نادانی ہے، میں نے ناٹک کیا سو کیا مگر کم از کم اب مجھے علی کی محبت کے قصے، فسانے سے کوئی سروکار نہیں، میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی، میری منزل علی کی محبت یا ذات نہیں ہے، میری اڑان بہت اونچی ہے۔ اب وہ میرے ماضی کا حصہ بن گیا ہے، ہماری راہیں ہمیشہ سے جدا رہی ہیں۔ مجھے اپنی زندگی جینی ہے سو آئی ایم

ویری سوری لیکن میں خود پر اپنے ماضی کو سوار نہیں کر سکتی۔'' پھر نہایت سفاکیت سے بولتی عمر کو حیران کر گئی۔

''اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس میں علی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہاں اسے بہت بڑا دکھ اور نقصان تو اٹھانا پڑے گا مگر آپ بہت بے حس ہیں، لیکن یاد رکھیے گا اگر علی زندگی بھر تڑپا تو قرار آپ کو بھی نہیں ملے گا۔'' مستبشرہ کے انداز پر اسے غصہ تو بہت آیا تھا مگر ضبط کرتے ہوئے کھردرے لہجے میں اسے باور کروانے لگا جس کا اس نے کوئی اثر نہ لیا۔

''میرے خیال میں آپ کے دو منٹ بہت طویل ہوتے جا رہے ہیں، اپنا اور میرا ٹائم ویسٹ کرنے کے بجائے آپ اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی، سب کچھ بھول بھال کر حقیقت قبول کرے...... چلتی ہوں۔'' ریسٹ واچ پر نظر ڈالے سنجیدگی سے کہتی وہ جانے کو تیار تھی۔ عمر نے مزید بات کو طول دینے کے بجائے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پیکٹ نکالا کہ اب بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ شاید علی آیان حسن گیلانی کے مقدر میں تا عمر ہجر مسلسل کا عذاب جھیلنا کاتب تقدیر میں پہلے سے درج تھا۔

''یہ علی نے آپ کے لیے دیا تھا۔'' اس نے ایک پیکٹ مستبشرہ جمال کی طرف بڑھایا۔

''کیا ہے اس میں؟'' وہ لیتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

''آئی ڈونٹ نو...... آپ خود دیکھ لینا۔ چلتا ہوں اللہ حافظ۔'' دوست کے لیے دل سے افسردہ ہوتا وہ آخری بار اس سے مخاطب ہوا پھر اگلے ہی لمحوں میں اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

''کیا ہے اس میں......؟'' وہ سوچنے لگی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے کھول کر دیکھتی کچھ ہی فاصلے پر گاڑی کے ٹائروں کی چرچراہٹ نے اسے پلٹ جانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ مڑی تو گاڑی میں بیٹھے سید جمال شاہ پر پڑی سو فوراً تمام سوچیں، دلی کشمکش اور دماغی فیصلے کی الجھنیں ایک گٹھڑی میں بند کرتی مسکراتے چہرے کے ساتھ آگے بڑھی جبکہ پیکٹ پرس میں رکھ لیا تھا۔

''السلام علیکم بابا جان۔''

''وعلیکم السلام بیٹا جانی۔'' انہوں نے شفقت سے اسے ساتھ لگایا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں۔'' وہ بولے ساتھ ہی اس کا سامان گاڑی میں رکھا۔ وہ بیٹھ گئی تو انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ مستبشرہ نے جانے سے قبل ایک آخری نگاہ پیچھے ڈالی جہاں اس نے چار سال اپنی دوستوں کے ساتھ گزارے تھے۔ اب اس کے پاس محض یادیں باقی تھیں جنہیں وہ ساتھ لیے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

لاہور کی پرجوش فضا نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا، تمام لوگوں میں زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کی

جستجو اب بھی ویسی ہی تھی۔ اس نے گاڑی سے باہر دوڑتے مناظر فطرت پر نظر دوڑائی۔ لوگ آ جا رہے تھے، سبھی مصروف تھے، موسم بھی قدرے خوشگوار تھا۔ ہوا چل رہی تھی۔ سرسبز درخت ہوا کے دوش پر جی جان سے جھوم رہے تھے۔ وہ ہولے ہولے مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

لاہور کے سبھی موسم، سبھی لوگ، اپنے پرائے، من چلے، من چاہے ہمیشہ سے اس کے دل کے بہت قریب رہے تھے۔ وہ پیدا بھی وہیں ہوئی، پلی بڑھی بھی وہیں، وہیں اسے اتنے چاہنے والے رشتے ملے، زندگی کا احساس ہوا۔ سو جہاں دوستوں کی سنگت چھوٹنے کا ملال تھا، وہیں لاہور میں قدم رکھتے ہی وہ مطمئن و پرسکون تھی۔

''ماہی......!'' ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان وقار نے اس کی محویت کو توڑتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

''جی وقار بھائی!'' وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں پتہ ہے آج کل پھپھو ہمارے گھر آئی ہوئی ہیں۔'' اپنے تئیں اسے بتاتے ہوئے وقار نے استفسار کیا۔

''جی! پریشے نے فون پر بتایا تھا۔'' وہ مختصراً اطلاع دیتی سامنے دیکھنے لگی۔

''وہ بھی پورے تین سال بعد۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''ابو بہت خوش ہوئے ہوں گے؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''ہاں سبھی بہت خوش ہیں ان کی آمد سے۔'' اس نے بتایا۔

''آپ ملے ان سے؟'' مہ روش نے ذہن میں گردش کرتے سوال کو زبان دی۔

''ہاں......ان سے معافی بھی مانگی، پہلے تو وہ خاموش رہیں پھر مجھے معاف کر دیا۔ اب لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ میرے دل و دماغ سے اتر گیا ہو، بٹ ابو اب بھی ناراض ہیں مجھ سے، ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتے، سچی بہت دل دکھتا ہے، ایک ذرا سی بات نے مجھے ان سے بہت دور کر دیا ہے۔'' وہ یکدم شرمسار ہوا، لب و لہجہ یاسیت کی گہرائیوں میں ڈوبا تھا۔ ماہی نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''آپ کو اب بھی لگتا ہے وقار بھائی! کہ وہ ایک ذرا سی بات تھی، جس نے ابو اور پھپھو کو تین سال ایک دوسرے سے دور رکھا، شاید آپ نہیں جانتے کہ جب کسی لڑکی کی شادی عین وقت پر ٹوٹ جاتی ہے تو اس پر کیا قیامت گزرتی ہے، اس کی زندگی کیسے انتشار، ذلت و الجھنوں کا شکار ہو جاتی ہے......آپ جسے ایک ذرا سی بات کہہ رہے ہیں وہ ادینہ کی بربادی یا شاید اس کی موت کی ذمے دار بھی ہو سکتی تھی۔'' ماہی صاف گو تھی، سچائی اور حقیقت پسندی سے کہتی کچھ تلخ سی ہوئی جبھی وقار کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

''میں نے آج تک ادینہ کی بربادی نہیں چاہی بلکہ میں تو اس سے محبت کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہوں۔'' پھر اپنے دل کی بات کہی۔

''پھر کیوں کیا تھا آپ نے شادی کے عین وقت پر انکار؟'' مہ روش اس سے اس کی بات جتانے لگی۔

''کیونکہ مجھے ہمیشہ سے ادینہ کی خوشی عزیز تھی۔''

''کیا مطلب......؟ اس میں کیسی خوشی، اگر معید عین وقت پر ادینہ سے شادی کے لئے تیار نہ ہوتا تب تو وہ بکھر جاتی، بدنام الگ ہوتی، زندگی الگ عذاب بنتی اس کی۔'' ماہی حقیقتاً کچھ نہ سمجھی تھی سو عجیب سے انداز میں بولی۔

''تم کچھ نہیں جانتی ماہی! کہ حقیقت کیا ہے اور نہ مجھے کبھی سمجھ سکتی ہو۔'' جواباً وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

اس متعلق مہ روش اس سے کچھ پوچھتی کہ اس نے گاڑی گھر کے قریب روک دی۔ وہ سر جھٹکتی گاڑی سے اتری اور سرسری نظر وقار پر ڈالتی اندر کی جانب بڑھ گئی جبکہ وقار اس کا سامان گاڑی سے اتارنے لگا۔ وہ اندر چلی گئی۔ سب سے سلام دعا، ملنے ملانے کے بعد پہلی فرصت میں پوچھا۔

''پھپھو کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہیں۔''

''وہ ابھی ہی کمرے میں گئی ہیں، ادینہ کا فون آیا ہوا ہے اس سے بات کر رہی ہیں۔'' ابو نے اسے بتایا۔ سبھی جانتے تھے کہ باقیوں کی نسبت اسے پھپھو سے خاصی انسیت تھی اور پھپھو بھی اسے سب سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔

''اوکے میں پھر ان سے وہیں ملنے جا رہی ہوں۔'' وہ مارے خوشی کے ایک پل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی، کہتی ہوئی اٹھی اور اس کمرے کی جانب بڑھی جہاں آج کل پھپھو قیام پذیر تھیں۔ دھیرے سے دروازہ کھولا۔

ایکسائٹمنٹ بہت زیادہ تھی، چہرے پر سجیلی و خوشگوار سی مسکراہٹ نمایاں تھی جو دروازہ کھلتے ہی پھپھو کو دیکھ کر مزید گہری ہوئی تھی۔ کلثوم بیگم فون رکھ کر پلٹیں اور اسے سامنے پا کر فرطِ مسرت سے مسکرا دیں۔

''السلام علیکم پھپھو!'' وہ جوشیلے انداز میں سلام کرتی آگے بڑھی۔

''وعلیکم السلام! پھپھو کی جان۔'' انہوں نے جواب دیتے ہوئے اپنی بانہیں پھیلائیں، پھر ماہی کو اگلے کتنے ہی لمحوں تک اپنی پر شفقت ترسی ہوئی بانہوں میں گھیرے رکھا، اس کے سرخ و نرم ملائم گالوں پر پیار کیا اور پھر اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لئے سامنے کر کے ایسے محبت پاش نظروں سے دیکھا کہ گویا تین سالوں میں اس کے نقش تک بھول گئی ہوں اور جنہیں اب آنکھوں سے دل میں اتارنا چاہا۔

''کیسی ہو بیٹا؟'' پوچھنے لگیں۔

''پہلے صرف ٹھیک تھی اب آپ کو دیکھ کر ٹھیک ٹھاک، خوش باش ہو گئی ہوں، آپ کیسی ہیں؟'' وہ لاڈ سے بولی۔

''اللہ کا شکر ہے۔''

''تھک گئی ہو گی سفر کر کے آئی ہو۔'' انہوں نے پھر سے ماہی کو ساتھ لگائے پوچھا۔

''ہاں تھک گئی تھی لیکن آپ کو دیکھتے ہی ساری تھکن خود بخود ڈاؤن چھو ہو گئی ہے، آپ کی بانہوں کے حصار نے نہال کر دیا ہے۔''

مہ روش نے مسکراتی چمکتی آنکھوں سے جواب دیا پھر ان سے مزید ڈھیروں ڈھیر باتیں کیں۔

دل تو بہت چاہا کہ مراد منصور کے متعلق ان سے استفسار کرے جو اس سے دو ہی ملاقاتوں کے بعد اسے بے چین، محو انتظار کر گیا تھا مگر کچھ سوچ کر ذہن میں گردش کرتے سوال کو زبان نہ دے سکی، شرم ولاج بھی اپنی جگہ تھی۔

کھانے سے قبل امی نے آ کر زبردستی اسے فریش ہونے کے لئے بھیجا۔ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا۔ چارو ناچار اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی، تھکن تو پہلے ہی اتر چکی تھی سو بال سکھانے کے بعد سیدھی ڈائننگ روم میں چلی آئی جہاں سبھی موجود تھے۔ اس نے کلثوم بیگم کے پہلو میں سیٹ سنبھالی، امی نے اس کی آمد پر تمام ڈشز اس کی من پسند بنا لیں تھیں۔ سب نے ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران خوشگوار موڈ میں کھانا کھایا۔

☆......☆......☆

وہ اداس سی دکھیاری شکل بنائے چھت پر ٹہل رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی بمشکل فہمیدہ بیگم سے جان چھڑا کر آئی تھی جنہوں نے اس کے لئے سخت شیڈول تیار کرتے ہوئے اسے گھریلو امور میں ماہر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے ماں کی سختی کا سامنا کرنا پڑا جو اس کی تیز طراری مدھم کرنے کے لئے تھی۔

''ہیلو مس فلک شاہ۔'' ٹہلتے ہوئے اس نے اپنے کندھوں پر بھاری ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا تھا، ساتھ ہی سماعتوں سے آواز بھی ٹکرائی تھی۔ آواز جانی پہچانی مانوس سی تھی سو پلٹ کر دیکھا۔

''تم......!'' اور مقابل کو گھورا۔

''ہاں میں۔'' وہ مسکرایا۔

''مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔'' فلک نے ناراضگی ظاہر کی۔

''کیوں؟'' وہ شرارت سے ہنسا۔

''مشارب شاہ! تم تو دوست کہنے کے لائق بھی نہیں ہو، دشمن سے بڑھ کر نکلے۔'' فلک کا موڈ اس کی طرف سے خاصا بگڑا ہوا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بنا۔

''تمہاری وجہ سے آج زندگی میں پہلی بار امی نے مجھ پر کاموں کے پہاڑ توڑ دیئے۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔ دل ابھی تک امی کے حکم نامہ پر عمل کرنے کی سوچ سے غمگین تھا۔

''اچھا ہے اس طرح تمہیں کام کاج بھی آ جائے گا اور آئندہ فیل بھی نہیں ہو گی، کام سے بچنے کے لئے پڑھنا بھی شروع کر دو گی۔'' وہ شوخی سے مسکرایا پھر اسے مزید چڑانے کے لئے بولا۔

''چچی جان نے اچھی سزا دی تمہیں فیل ہونے کی۔''

''یہ سزا نہیں ظلم ہے مشارب شاہ! مجھ مسکین کی نازک جان پر، تمہاری وجہ سے امی نے میرے تمام فیورٹ مشغلوں پر پابندی لگا کر اتنی ذمے داریاں ڈالیں کہ سوچ کر ہی بے ہوشی طاری ہونے لگتی ہے۔ گھر کی صفائی، کچن کے کام اور میرا سب سے ناپسندیدہ کام کپڑے استری کرنا جو کہ میں ہرگز بھی نہیں کروں گی، اس کے علاوہ جانے اور کیا کیا......اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ رزلٹ بتانے سے پہلے کتنا خوش کیا تھا مجھے کہ میں فکر نہ کروں، تم سنبھال لوگے سب اور تم جناب! دوست نما دشمن پھنسا گئے مجھے، کیوں......؟ کون سا بدلہ لیا ہے مجھ سے؟'' فلک اپنے مخصوص انداز میں بنا سانس لیے اس سے لڑنے کو تیار تھی۔

''بدلہ نہیں لیا ہے کوئی بھی، بس تمہارا بھلا کرنا چاہا ہے، تمہارا نہیں بلکہ اس کا، جس کا تم اس سب کے بغیر بیڑا غرق کر دیتیں۔'' جواباً مشارب شاہ نے قدرے گہری بات غیر سنجیدگی سے کہی۔

''کیا مطلب......کیا کہنا چاہتے ہو تم؟ کس کا بیڑا غرق کر دیتی میں؟'' وہ خاک بھی نہ سمجھی تھی سو بھنویں اچکا کر پوچھنے لگی۔

''اس کا جو شاید ہی کبھی تمہارے ہاتھوں کے استری شدہ کپڑے پہنے گا۔'' مشارب براہ راست اس کی موٹی عقل شریف کو سمجھانے کے لئے بات کے اشارے میں بولا۔ مگر فلک شاہ اتنی ذہین شاطر دماغ ہرگز نہیں تھی کہ فوراً سے معنی اچک لیتی۔

''جو کہنا ہے سیدھی طرح صاف لفظوں میں کہو، مجھے پہیلیاں بوجھنے کا کوئی شوق بھی نہیں ہے۔'' تمام خفگی بھلائے وہ کڑے انداز میں بولی۔

''تو شوق پیدا کر وناں۔''

''نہ جی نہ......تا کہ اس پر بھی امی حضور پر پابندی لگا دیں۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''پھر دل لگا کر گھر کے کام کرو، تا کہ مستقبل میں تمہارے ہاتھوں کسی بے چارے کا بھلا ہی ہو جائے۔'' تو مشارب نے ہنوز غیر سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ البتہ اس مرتبہ ''بے چارے'' نے فلک کو بالآخر بات سمجھا دی۔

''مجھے نہیں کسی بے چارے کی فکر......'' تو کہتے ہوئے مڑی جبھی اچانک بالکل غیر ارادی طور پر مشارب نے ہاتھ بڑھا کر ایک جھٹکے سے اسے پیچھے موڑنا چاہا مگر طاقت کی زیادتی سے فلک کے قدم سنبھل نہ سکے تو توازن گنوائے لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے کو سرکی، گرنے سے پہلے مشارب کے کشادہ سینے نے اسے سہارا دیا تھا۔ اس نے مشارب کا بازو مضبوطی سے تھاما۔ دھڑکنیں اچانک افتاد پر بے ترتیب ہو چکی تھیں، سانس کی روانگی میں بھی تیزی کا عنصر شامل ہو چکا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی کیفیت کا اندازہ لگا پاتی مشارب نے آہستگی سے اسے خود سے دور کیا۔

''توبہ فلک! تم نے تو میرا دل دہلا کر رکھ دیا ہے، میں تو صرف تمہیں اپنی طرف موڑنا چاہتا تھا اور تم پوری کی پوری مجھ پر آن

گری۔" وہ اسے لتاڑنے لگا، جواباً وہ خاموش رہی، شاید پہلی بار...... خاموشی سے خود کو سنبھالنے لگی۔

"کیا ہوا......؟" جس پر اس نے حیرانگی ظاہر کی۔

"کچھ نہیں۔" فلک نے نفی میں سر ہلایا۔ دماغ لمحے میں خالی ہوا تھا، مشارب کو ایک نظر دیکھا وہ فلک کو ہی دیکھ رہا تھا سو وہ نگاہ چرا گئی۔ چہرہ خود بخود گلنار ہو چکا تھا، زندگی میں پہلی بار وہ اس کے سامنے بلش ہوئی، پہلی بار اسے مشارب کے سامنے لاج نے آن گھیرا۔

"اچھا ناراض تو نہیں ہو مجھ سے؟" وہ بات بدلنے لگا۔

"نہیں۔" وہ اتنا ہی بولی۔ اندر ہی اندر خود پر حیرت بھی ہوئی کہ وہ محض اتنا ہی بولی۔ کیونکہ ہمیشہ تب تک وہ مشارب سے لڑتی رہتی تھی جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیتا تھا مگر آج ابھی اس وقت وہ اپنی کیفیت کا اندازہ نہ لگا سکی، البتہ مشارب کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز ہی کیا۔

"تعجب ہے۔" جس نے مشارب کو بھی چونکایا تھا۔

"اچھا میں زہرہ پھپھو کی طرف جا رہا ہوں، مستبشرہ بھی اسٹڈی کمپلیٹ کرنے کے بعد اب ہمیشہ کے لئے ملتان آ گئی ہے، تم بھی چلو میرے ساتھ، مل لیتے ہیں اس سے۔" پھر بات بدل کر اس سے کہنے لگا۔

"نہیں، میں پھر کسی دن چلی جاؤں گی۔" وہ آہستگی سے انکار کر گئی۔

"کیوں آج کیوں نہیں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"بس اس وقت دل نہیں چاہ رہا، کل امی اور تائی امی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے بتایا۔ یا شاید وہ اس وقت مشارب کے سامنے بلش و کنفیوژسی ہو کر رہ گئی تھی۔ مشارب کا کھینچنا اور فلک کا اس کے سینے سے لگنا اسے اندر سے ڈسٹرب کر گیا تھا۔ جس سے سوچوں میں الجھن، آنکھوں میں غیر معمولی گریز و جھکاؤ اور زبان پر پہلی مرتبہ انکار آیا تھا۔

"اوکے پھر میں چلتا ہوں۔" مشارب نے بنا اس کے انداز پر غور کیے کہا، کیونکہ کچھ دیر پہلے جو ہوا وہ اس کے نزدیک قابل غور نہ تھا۔ وہ صرف فلک کا رخ اپنی طرف کرنا چاہتا تھا مگر فلک خود پر بیلنس نہیں رکھ پائی تھی اور فلک سے پچھلی ملاقات میں اپنے لیے اس کے دل میں کچھ بھی خاص محسوس نہ کرنے کے بعد وہ ہر لحاظ سے شانت و بے غم تھا۔ آج بھی دوستانہ لہجے میں اس سے مخاطب چلا گیا۔

☆......☆......☆

وہ مکمل آرام کر کے آنکھیں کھولے ہنوز بیڈ پر لیٹی تھی، خالی ذہن سے چھت پر نظریں گاڑے گویا اندر تک سکون اتارتی۔ اپنے گھر اپنے کمرے میں اٹھنے بیٹھنے، سوچنے جاگنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ چار سال وہ اپنے پیارے شہر ملتان، اپنے پرکھوں کی شاندار حویلی جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا، جوان ہوئی، غموں کی پرچھائیوں سے بھی دور خوشیوں و آسائشوں کی چنری اوڑھنی اسے عزیز تھے، بہت پیار

تھا، اسے گزری یادوں سے، باتوں سے۔ چار سال اپنے گھر اپنے شہر سے دور اسلام آباد میں گزارے، ہوسٹل میں رہائش اختیار کی، تینوں دوستوں کے روپ میں اسے بہنیں ملیں، خوب شرارتیں کیں، ایک ایک لمحے کو یادگار بنایا مگر اس سب کے باوجود اس وقت وہ حویلی کے اندر موجود اپنے وسیع و عریض کمرے میں بہت مطمئن و پرسکون اور ایزی فیل کر رہی تھی۔ کئی لمحے یونہی گزرے، اس نے اونچی لمبی چوڑی دیوار کے وسط میں لٹکتی گھڑی پر نظر ڈالی، چار بج رہے تھے، وہ بادل نخواستہ کروٹ بدلتی اٹھی، پاؤں میں سلیپر پہنے واش روم کی جانب رخ کیا، شاور لیا، ڈریس چینج کیا، گنجلک بالوں کو سلجھایا، دوپٹہ سیٹ کیا پھر باہر لاؤنج میں چلی آئی۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ سو حویلی کی پرانی ملازمہ سے فرمائش کی اور خود ٹی وی آن کیے چینل سرچنگ میں محو ہوئی جبھی نظر قریب سے گزرتی بیگم جمال شاہ پر پڑی۔

''اماں......'' اس نے فوراً ریموٹ سے ٹی وی آف کر کے انہیں پکارا جس پر وہ مسکراتے چہرے سمیت اس کی طرف پلٹیں۔

''کہاں جا رہی ہیں؟'' مستبشرہ نے استفسار کیا۔

''کچن کی طرف، شام کا کھانا تمہاری پسند سے تیار کرنا ہے، یہ خاص تمہارے بابا جان کا فرمان ہے۔'' وہ بتانے لگیں۔

''سو نائس آف یو......مگر آپ پہلے یہاں میرے پاس آئیں۔'' وہ بڑے مان سے بولی۔ زہرہ شاہ نے محبت پاش نظروں سے اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کو دیکھا، پھر دھیرے سے قدم اٹھاتیں اس کے پاس جا بیٹھیں۔ مستبشرہ نے ان کے بیٹھتے ہی صوفے پر ٹانگیں سکیڑ کر لیٹتے ہوئے اپنا سر ان کی گود میں رکھا، وہ مسکرادیں، ساتھ ہی اس کے سلکی بالوں میں ہولے ہولے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''اماں۔ آپ جانتی ہیں چار سال میں نے آپ کی مہربان آغوش میں لیٹے بنا گزارے ہیں۔ اب دل چاہتا ہے بس یونہی آپ کی گود میں گھنٹوں سر رکھے سکون سے لیٹی رہوں اور آپ یونہی اپنے پرشفقت ہاتھوں سے میری ساری تھکن اتار دیں۔'' وہ کسی معصوم بے سکون سے بچے کی طرح بولتی زہرہ شاہ کی طرف پیار سے دیکھنے لگی۔

''ماں صدقے اپنی بچی کے......لگتا ہے پردیسی شہر نے میری معصوم بچی کو بہت تھکا کر بھیجا ہے۔'' انہوں نے جھک کر مستبشرہ کی پیشانی چومی اور ممتا سے چور لہجے میں بولیں۔

''اماں! ایک بات تو بتائیں۔'' وہ نہال سی بات ٹالنے لگی۔

''کیا......؟''

''جب میں اسلام آباد میں تھی تب آپ کو میری یاد آتی تھی؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔''

''نہیں اماں! بتائیں ناں......پلیز۔'' اس نے اصرار کیا۔

''ہاں......آتی تھی۔'' جبھی وہ بولیں۔

''کتنی......؟''اس نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''بہت زیاہ......''مستبشرہ کے بالوں کو سلجھاتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

''بہت زیادہ......مطلب کتنی زیادہ......؟''

''اس کا تو مجھے کوئی حساب نہیں ہے۔''وہ اس کے سوالوں پر مسکرائیں۔

''پھر بھی کچھ تو بتائیں اماں......''مستبشرہ لاڈ اٹھوانے کی غرض سے مصنوعی ضدی لہجے میں بولی۔

''ارے ہر وقت تمہاری یاد آتی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے تمہارے بغیر ہر طرف ویرانی سی ہو، میری آنکھیں ہر وقت تمہاری صورت دیکھنے کو ترستیں، دل کو ہر وقت تمہارا خیال ستاتا، تمہارے کھانے کی فکر رہتی، کہیں تمہیں کچھ ہو نہ جائے، تم بیمار نہ ہو جاؤ......بس اسی فکر میں پریشان رہتی اور جب تم فون کرتی، اپنی خیریت بتاتی تب میری ممتا کو سکون ملتا، دل مطمئن سا ہو جاتا اور تمہارے بابا میرا خوب مذاق اڑاتے کیونکہ میں ہر وقت یہی دعا کرتی کہ جلدی سے تمہاری پڑھائی ختم ہو اور تم واپس میرے پاس چلی آؤ۔''زہرہ شاہ محبت سے بھرپور انداز میں اسے بتانے لگیں۔

''اور اب دیکھ لیں، آپ کی تمام دعائیں قبول ہوئیں۔ چار سال کیسے گزرے مجھے پتہ ہی نہ چلا۔ اب میں آپ کے سامنے ہوں، آپ کی تمام فکر و پریشانی کو ختم کیے آپ سے اپنے لاڈ اٹھوانے۔''مطمئن شاد دل کے ساتھ وہ مان سے بولی۔

''ہاں پر فکر تھوڑی کم ہوئی ہے میری۔''وہ اثبات میں سر ہلاتی بولیں۔

''کیا مطلب......؟''

''اب تو دل ہر وقت احسان کے لئے فکر مند رہتا ہے اور دوسرا تم نے اپنی صحت دیکھی ہے، کیسی سوکھ کر کانٹا بن چکی ہو، تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گی جبھی تم کچھ جان پکڑو گی۔''انہوں نے بتایا۔ ساتھ ہی اس کی اچھی خاصی سلم اسمارٹ پرسنیلٹی کو کانٹے سے تشبیہ دی تو وہ قدرے حیرانگی کے ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اماں لڑکیاں مرتی ہیں سوکھ کے کانٹا ہونے کے لئے اور آپ مجھے ڈبل روٹی بنانا چاہتی ہیں۔''

''مجھے اوروں کی فکر نہیں ہے بس تمہیں ڈبل روٹی بناؤں گی۔''وہ مستبشرہ کی بات کو لے کر مسکرائیں۔ اتنے میں ملازمہ چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات ٹرے میں سجائے ان کے قریب آئی، مستبشرہ اٹھ بیٹھی۔ اپنے اور اماں کے لئے چائے کپ میں ڈالی، پھر بہت دیر تک ان سے باتیں کرتی رہی۔ شام کے سائے دھیرے دھیرے ڈھلنے میں محورات کی آمد کا سندیسہ دے رہے تھے۔ زہرہ شاہ کچن کی طرف چل دیں جبکہ وہ باہر لان میں چلی آئی جہاں برقی قمقمے رات کی پھیلتی تاریکی کو پہلے ہی سے کم کرنے کے لئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جگمگا رہے تھے۔ وہ سلیپر ایک سائیڈ پر اتار کر چہل قدمی کرنے لگی۔ دل ہر لحاظ سے شانت تھا۔

کچھ پل وہ دوستوں کے ساتھ گزرے حسین و یادگار لمحوں کو یاد کر کے مسکراتی رہی، اس دوران ایک مرتبہ بھی اس کا ذہن و خیال اس ذات کی طرف نہ گیا تھا جسے وہ اپنا بابا سے کیے وعدے کو نبھانے کی غرض سے شاید جانے انجانے میں بکھیر آئی تھی۔ بس خوش و مغرور تھی تو اس بات پر کہ ایک بیٹی نے خود پر سے باپ کا اعتبار اٹھنے سے بچا لیا تھا۔ ان کی عزت کو اپنی عزت سے مان بخش کر ان کی نظروں میں سرخرو ہو کر اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہری تھی۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں محو تھی جب مین گیٹ مشارب شاہ کی گاڑی کے لیے کھلا تو اس کی محویت ٹوٹی، رک کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ مشارب پر نظر پڑی تو مسکراتی صورت سے اس کا استقبال کرنے آگے بڑھی، وہ بھی گاڑی سے اتر کر لان میں چلا آیا تھا۔

''آؤ مشارب! کیسے ہو۔'' سلام دعا کے بعد اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''فائن.....تم سناؤ۔'' وہ بھی اسی کے لہجے میں بولا۔

''اللہ کا شکر، ٹھیک ٹھاک ہوں۔'' کہتے ہوئے اس نے سلیپر پہنے۔

''ننگے پاؤں چہل قدمی کر رہی تھیں۔'' دیکھ کر مشارب بولا۔

''ہاں..... ننگے پاؤں چلنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔'' وہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

''بشرطیکہ راہ کانٹوں سے پاک نرم گداز ہو۔'' مشارب نے گویا اس کا جملہ مکمل کیا۔

''بالکل یہ تو ہے۔'' اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''اور سناؤ..... پڑھائی تو ختم ہوئی تمہاری، اب ہمیشہ کے لیے ملتان میں آگئی ہو، کیا کرنے کا ارادہ ہے مزید؟'' وہ بولا۔

مستبشرہ نے لان کے کارنر میں لگی چیئرز پر اسے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بیٹھتے ہی خود بھی ایک چیئر سنبھالتے ہوئے بولی۔

''پڑھائی تو ختم ہوگئی ہے لیکن میرا فارغ بیٹھنے کا ارادہ ہرگز نہیں ہے۔''

''مطلب.....کچھ خاص کرنے کا ارادہ ہے۔''

''ہاں..... کچھ بہت خاص، بابا سے بات کر لوں پھر سب پلان کروں گی۔'' وہ بتانے لگی۔

''اچھی بات ہے کسی نہ کسی جگہ کام میں خود کو مصروف رکھنا، بہر حال جب پلان کر لو تو مجھے بتانا اگر میں تمہارے کسی کام آنے کے قابل ہوا تو ضرور تمہارا ساتھ دوں گا۔'' مشارب حوصلہ افزا انداز میں کہتا حاضر خدمت ہونے کی پیشکش کرنے لگا۔

''کیوں نہیں ضرور۔'' وہ مسکرائی کہ اعتراض کا جواز نہیں بنتا تھا۔

''گھر میں سب کیسے ہیں؟ اور فلک کو ساتھ کیوں نہیں لائے۔'' پھر بدل پر پوچھنے لگی۔

''سب ٹھیک ہیں اور فلک کی نہ پوچھو، بری طرح پھنسی ہے اس بار......ایف اے کی انگلش میں کمپارٹ آنے پر چچی جان نے

سزا کے طور پر اس پر بہت سی ذمے داریاں ڈال دیں ہیں اور وہ سدا کی جند بچاؤ مجبوراً گھر کے کام کرتی مجھے کوستی ہے کہ میرے بتانے کی وجہ سے چچی جان اس سے کام کروا رہی ہیں۔'' مشارب اسے فلک کے کارنامے سنانے لگا جس پر وہ ہنستی رہی۔

''آتے وقت کہا تو تھا میں نے اسے مگر اس وقت وہ تھکی ہوئی تھی، کہہ رہی تھی کل امی اور چچی جان کے ساتھ آئے گی، پھپھو کہاں ہیں۔'' بتا کر وہ پوچھنے لگا۔

''اماں اندر ہیں، چلو انہی کی طرف چلتے ہیں۔'' مستبشرہ نے بتایا او کہا۔ مشارب اس کے ساتھ ہی اٹھا۔

''میرے لیے کھانا بنا رہی ہیں، اچھا ہے تم بھی آ گئے، سب مل کر ڈنر کریں گے۔'' وہ اندر کی طرف قدم بڑھاتی بولی۔ مشارب اثبات میں سر ہلاتا اس کی سنگت میں چلنے لگا۔

☆......☆......☆

سب کی باتوں قہقہوں کے درمیان فضا بہت خوشگوار تھی۔ تین سال بعد کلثوم بیگم ایک مرتبہ پھر ان سب کے درمیان موجود تھیں اور اس سب کا سہرا صرف مراد منصور کے سر تھا جس نے اپنی مثبت سوچ و عمل سے خود کو تمام خاندان والوں کی نظر میں معتبر بنا دیا تھا۔ وقار نے باضابطہ طور پر تو مراد سے کوئی بات نہ کی تھی البتہ دل میں اس کا بے حد مشکور تھا اور سعید صاحب تو بہن کو سامنے پا کر رو دیئے تھے، بھانجے کو گلے سے لگا کر خوب دعائیں دیں۔ بیٹے کی شرمندہ کر دینے والی حرکت، انہیں بھانجے کی اعلیٰ ظرفی، امن پسندی و مثبت سوچ کے سامنے مزید شرمسار کر گئی تھی، جس کا بارہا انہوں نے سب کے بیچ تذکرہ کیا۔

''ادینہ میری بچیوں جیسی تھی، اگر وقار کے فیصلے سے اس کی زندگی تباہ ہوتی تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کرتا۔'' اب بھی ندامت سے بولے، وہاں موجود تمام نفوس یکدم سنجیدہ ہوئے تھے۔ قدرے فاصلے سے گزرتے وقار کے قدم والد کی بات پر رکے تھے۔ حقیقت جو بھی تھی مگر سعید صاحب کی بات نے اسے اندر تک شرمندہ کر دیا تھا۔

''ایسا تو مت کہیں سعید صاحب!'' کلثوم پھپھو بولیں۔

''نہیں کلثوم! مجھے کہنے دو، کتنی امیدوں اور محبت سے میں نے تم سے ادینہ کا ہاتھ مانگا تھا کہ اس طرح ہم ہمیشہ ایک ساتھ خوشی غم میں شریک رہیں گے، مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میرا بیٹا میری امیدوں کی پرواہ کیے بنا میری خواہشات کا گلا گھونٹ کر ہمارے بیچ بدگمانیاں اور فاصلے لے آئے گا، میرے اختیار میں نہیں تھا ورنہ میں سب ٹھیک کر دیتا۔ انسان بے بس ہوتا ہے تقدیر کے سامنے مگر مجھے تو اپنے بیٹے نے ہی تم سب کی نظروں میں شرمندہ و بے بس کر دیا تھا...... بہت دل چاہتا تھا کہ تم سے ملوں مگر وقار نے مجھے اس قابل چھوڑا ہی کب تھا۔'' وہ سنجیدہ مگر نہایت افسردہ اور وقار سے ہنوز متنفر تھے، باقی سب خاموش و رنجور تھے۔

''جو ہوا وہ قسمت کا لکھا تھا سعید بھائی! وقتی طور پر ہمارے درمیان بیشک دوریاں حائل ہوئیں، بدگمانیاں بڑھیں مگر اب ہم سب

کو گزری باتیں بھول کر پھر سے آپس میں رہنا ہے۔ میں نے دل سے وقار کو معاف کر دیا ہے، آپ بھی اسے معاف کر دیں۔ بیٹا ہے وہ آپ کا، کب تک ناراض رہیں گے اس سے۔'' کلثوم بیگم مفاہمت آمیز لہجے میں کہنے لگیں۔ دور کھڑے وقار نے لب بھینچ کر انہیں دیکھا، ساتھ ہی باپ کو دیکھا۔ نفیسہ بیگم بھی شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔ شوہر اور اکلوتے بیٹے کے درمیان پچھلے تین سالوں سے حائل فاصلے انہیں ہر وقت بے چین کیے رہتے تھے۔ بیٹے کے فیصلے سے انہیں بھی افسوس تھا مگر اب وہ چاہتی تھیں کہ سب کچھ نارمل ہو جائے، جس کے لیے کلثوم بیگم اور مراد منصور نے پہل کر دی تھی۔

سعید صاحب نے بہن کی اعلیٰ ظرفی پر سکھ کا سانس لیا مگر وہ وقار کو کسی صورت معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس کی وجہ سے دونوں گھروں میں دراڑ پڑی تھی انہیں بہن کی ناراضگی مول لینا پڑی تھی۔

''ایسے بیٹے کا کیا فائدہ جو باپ کی عزت، اس کا مان نہ بن سکے۔ اس نے میرے فخر کو پیروں تلے روند دیا تھا پھر میں کیسے سب بھول جاؤں، میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اس کی شکل بھی دیکھوں یا اس سے بات کروں۔'' وقار کے لیے ان کے لب و لہجے میں ناگواری تھی جسے وقار نے بخوبی محسوس کر لیا۔ سو دل جب باپ کی بات سے بوجھل ہونے لگا تو اگلے ہی لمحے وہاں سے ہٹ گیا۔ مہ روش اسے جاتا دیکھ چکی تھی مگر ظاہر نہ کیا اور خاموش رہی۔ سعید صاحب دوبارہ گویا ہوئے۔

''کاش میں اس قابل ہوتا کہ مراد کا شکریہ ادا کر سکتا، واقعی مراد نے وہ کر دکھایا ہے جس کی شاید کسی کو امید تک نہ تھی...... کتنا فرق ہے وقار اور مراد میں۔'' ان کا پرمسرت لہجہ آخر میں افسردہ ہوا تھا جبکہ مہ روش، مراد کے ذکر پر اچانک سے اس کے متعلق سوچنے لگی تو کئی سوال ذہن میں گردش کرنے لگے۔

''مراد بھی آپ کا بیٹا ہے سعید بھائی...... شکر تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا کرنا چاہیے کہ ہم سب پھر سے ساتھ میں ہیں۔''

''بے شک۔'' اب کے وہ اتنا ہی بولے۔

''کلثوم آپا! مراد دو دن کا کہہ کر کام سے گیا تھا لیکن ابھی تک آیا نہیں، آپ سے بات ہوئی اس کی؟ کب تک آئے گا؟'' نفیسہ بیگم نے یاد آنے پر بات بدلی۔ دوسری طرف انہوں نے مہ روش کے دل کی بات پوچھ لی سو اس نے فوراً سے کان کھڑے کیے اور دل سے جاننے کو منتظر ہوئی۔

''ہاں...... شاید رات تک آ جائے۔'' انہوں نے مختصراً بتایا۔ پھر کلثوم بیگم اور نفیسہ بیگم آپسی گفتگو میں مگن ہوئیں تو وہ اٹھ کر لان میں چلی آئی۔

باہر کا موسم بہت خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا متواتر چل رہی تھی۔ ایسے میں مہ روش کے اندر کا موسم بھی یکدم خوشگواری میں بدلا تھا، دل میں پرکیف سی ہلچل مچی تھی۔ سوچوں کا رخ بڑے دلنشیں انداز میں اس دھیان، جذبات کی چاشنی سمیت نئے رخ کی طرف لے

گئے تھے۔شاید یہ ابتدا تھی،خوبصورت ابتدا۔

اسلام آباد یونیورسٹی میں محض دو ملاقاتوں کے بعد اگر اس کا دل و دماغ مراد منصور کی ذات میں اٹکا اس کے تصورات میں گم تھا تو اب وہی دل ایک نئے خوشگوار و خوبصورت احساس سے مزین اس کی سوچوں و خیالات کو الگ روش میں دھکیلے بڑی شدت سے اس کی آمد کے لئے محوِ انتظار تھا۔البتہ وہ ہرگز بھی حیران نہ ہوئی تھی،اس کا دماغ حتیٰ کہ دل تک مطمئن و پرسکون تھا،اس کی آنکھیں آپ ہی آپ احساس،خوبصورت،پرمسرت احساس کے تحت چمکنے لگیں اور لب نیچیلی و مدھر مسکراہٹ سے کھل اٹھے تھے۔

محبت کا فرشتہ اس کے دل کی دھرتی پر پورے استحقاق سے دستک دے کر ہر سو جلترنگ کے بجائے،خوشی و انبساط کے گیت گانے میں مصروف ہو چکا تھا۔وہ خودی میں جھوم اٹھی۔مراد منصور کے دل کا حال جانے بغیر کہ اس کے دل میں بھی مہ روش کے لیے کوئی خاص جذبہ ہے بھی یا نہیں۔

ماہی کے لیے اس وقت احساسِ محبت،آغازِ محبت میں کسی بھی غلط سوچ سے ماورا اسے ہواؤں میں رقص کرانے میں محو تھا،مگن تھا۔ ایسے میں وہ کیونکر منفی سوچوں و خیالات سے بے قرار ہوتی،سو بے فکری مگر بڑی چاہت سے مراد منصور کو سوچ گئی۔

☆......☆......☆

فلک،مشارب شاہ کے جانے کے بعد کمرے میں چلی آئی،دروازہ بند کیا اور کھڑکی کے پٹ کھول دیئے،باہر مکمل سکوت تھا جبکہ اس کے دماغ میں خیالات کا ایک انبار منتشر ہوتی سوچوں کو مجتمع کرنے کی سعی میں مصروف تھا۔دل کی دھڑکنیں ترتیب تو پا چکی تھیں لیکن اسے الجھائے عجیب لے اپنائے الگ روش اختیار کرنے لگیں۔بالکل الگ کیفیت میں کھڑی وہ سوچے جا رہی تھی۔وہ بات سوچے جا رہی تھی جس نے آج سے پہلے اس کے گمان پر دستک تک نہ دی تھی۔وہ ایک لمحہ جو گویا اس کی زبان پر تالا لگانے آیا تھا جیسے اس کے دماغ میں ہی ٹھہر گیا،آنکھوں کے پردے پر نقش سا ہو گیا۔

مشارب کا کھینچنا اور اس کا مشارب کے سینے سے ٹکرانا،فلک کا سارا دھیان اس واقعے کی طرف گیا۔

''کیا تھا وہ سب......؟''تو دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔اول تو کوئی واضح جواب نہ ملا پھر دماغ کا بھرپور استعمال کیا۔

''وہ ہمیشہ مجھ سے میرے مستقبل کی بات کرتا ہے۔''اور سوچا،یا شاید اسی کیفیت کے زیرِ اثر سراغ لگانا چاہا۔

''پر کیوں کرتا ہے......؟''پھر خود ہی خود سے استفسار کیا۔

''اس لیے کہ وہ میرا دوست ہے۔''پھر خود ہی برجستہ جواب دیا۔خیالات کی روانی و سوچوں میں شدت آئی۔

''صرف دوست......؟''سوچ نے سوال اٹھایا۔

''ہاں صرف دوست۔''جواب دل نے بڑے اعتماد سے دیا تھا۔

''نہیں تو۔'' سوچ دل کے اعتماد سے زیادہ پُر وثوق تھا۔

''ہاں تو......'' اس نے گویا خود کو یقین دلانا چاہا۔

''نہیں، اگر صرف دوست ہوتا تو اسے میری فکر ہوتی نہ کہ اس بے چارے کی جو میرے ہاتھ کے استری شدہ کپڑے پہننے سے ساری زندگی محروم رہے گا۔'' فلک کی سوچ میں بچگانہ پن کے علاوہ ایک پوائنٹ قابل غور تھا۔

''مگر اسے اس بے چارے کی فکر کیوں ہوگی؟'' وہ اندر ہی اندر الجھی اور خود ہی سوال کر کے جواب دینے میں تاخیر برتی۔ شاید سنجیدگی سے سوچنے میں مصروف تھی جبھی جواب اخذ کیا تو چہرے پر حیرانگی کے آثار نمایاں ہوئے۔

''کہیں مشارب شاہ خود کو اسی بے چارے کے روپ میں تو نہیں دیکھتا، کہیں وہ خود کو میرا بے چارا تو نہیں بنانا چاہتا، اسی لئے مجھے امی کے ہاتھ چڑھایا ہوگا تا کہ آگے......'' اس نے سوچ ادھوری چھوڑی، دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہوئی تھی، اس نے اپنی کیفیت سمجھنے کی بھرپور کوشش کی۔

''تو کیا مشارب کے دل میں میرے لئے کچھ خاص ہے۔'' فلک نے دلچسپی سے غور کیا۔

''اسی لیے وہ میرا دوست بنا ہوگا۔'' اور وجہ بھی اخذ کی۔

''مجھے جاننے کے لئے......؟''

''کیا وہ مجھ سے......؟''

''اگر ایسا ہے تو......؟''

سوالات کے جواب میں وہ خاموشی سے سوچنے لگی تو یکدم لب دھیرے سے مسکرا دیئے، آنکھوں میں سرور سا چھانے لگا، دل انبساط کی لے پر دھڑکنے لگا۔ فضا میں جلترنگ سے بجتے سنائی دیئے، فلک نے جواب پا لیا تھا، احساس خوبصورت تھا۔

مشارب شاہ کی باتیں، شروع سے آخر تک......حرف حرف اسے مہکانے لگا۔ وہ ہینڈسم تھا، قابل تھا، خوبصورت تھا، اس کا دوست تھا، اسے قریب سے جانتا تھا اور فلک شاہ کے نزدیک سب سے بڑی بات کہ مشارب دوست کے روپ میں اسے دل میں بسائے اس سے پیار کرتا ہے، اسی خیال سے اس کا چہرہ گلنار رہوا۔

وہ خوشی سے گنگنا اٹھی۔ محبت کا فرشتہ اس کے کومل جذبات کو چاشنی بخشنے اس کے دل کی نگری میں داخل ہو چکا تھا کہ بیشک اسے مشارب کی محبت پر قطعاً کوئی اعتراض نہ تھا۔ محبت کی ابتدا فلک شاہ کے دل میں تمام تر شدت سے ہوئی، محبت کے احساس نے اسے اپنے خوبصورت حصار میں لے لیا تھا۔ وہ خوش تھی بہت خوش......ساتھ ہی مشارب سے آئندہ سامنے کا سوچ کر لاج وشرم میں غوطہ زن ہونے لگی۔

☆......☆......☆

''سنو بیٹا جانی! اسٹڈی تو تمہاری کمپلیٹ ہوگئی ہے، اب کیا ارادہ ہے؟'' سید جمال شاہ نے کھانے سے فراغت کے بعد ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''ارادہ نیک و بڑا اور عزم بہت بلند ہے بابا جان......بس اب کے پھر آپ کی حمایت، آپ کا ساتھ چاہیے۔'' وہ مسکراتے لب و لہجے کے ساتھ پروثوق نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''اب کیسا ارادہ......؟ بس تم نے پڑھائی جتنی کرنی تھی کر لی اب گھر بیٹھو اور گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کرو۔'' زہرہ شاہ نے گویا پیار بھرے تحکم سے اسے روکنا چاہا تو وہ مسکرادی۔

''ضرور اماں، پر......ابھی نہیں، ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔'' پھر نہایت مضبوط لہجے میں بولی، آواز البتہ مدھم تھی۔

''بہت کچھ مطلب......'' وہ کچھ نہ سمجھیں۔

''سب بتاؤں گی اماں! مگر بابا جان پہلے آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے روکنے یا منع کرنے کے بجائے میرا ساتھ دیں گے بلکہ ہر ممکن حد تک ہر کڑے موڑ پر میرا ساتھ دیں گے۔'' وہ انہیں ٹالتے ہوئے اصل مقصد کی طرف آئی۔ سید جمال شاہ اس کی بات پر مسکرائے۔

''ضرور دوں گا میں اپنی بیٹی کا ساتھ۔'' پھر اسے یقین دلایا۔

''یہ جانے بغیر کہ میرا ارادہ کیا ہے، میں مستقبل میں کیا کرنا چاہتی ہوں؟'' وہ یقیناً حیران سی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

کیونکہ جب اس نے یونیورسٹی پڑھنے اور اسلام آباد جانے کی بات کی تھی، تب زہرہ شاہ نے ممتا سے مجبور ہو کر اسے خود سے دور بھیجنے سے انکار کرتے ہوئے اپنی فکر و محبت ظاہر کی تھی مگر انہوں نے صاف ہی انکار کر دیا تھا کہ لڑکیوں کو بہت زیادہ پڑھنے کی کیا ضرورت اور ان کے خاندان میں تو ویسے بھی لڑکیوں کی کالج تک کی پڑھائی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کچھ انہیں اپنے خاندان کے وقار اور اپنی عزت اپنا نام و اپنی ناموس بھی زیادہ ہی عزیز تھی مگر مستبشرہ جمال نے تب ان کی بہت منت کی، انہیں ہر خدشے، ہر منفی سوچ کے وہم سے خود کو بچائے رکھنے کی یقین دہانی کروائی، تب کہیں جا کر انہوں نے تمام خاندان والوں کی سوچوں کے عین خلاف جاتے ہوئے ان کے اچھے برے پر بالآخر بیٹی کی خواہش کو محترم جانا اور اسے ایک شرط کے ساتھ اجازت دی۔

البتہ ان چار سالوں میں انہوں نے ظاہر تو کبھی نہ کیا پر دل میں ضرور فکر مند رہتے، ہر وقت خدا سے دعا کرتے کہ ایک باپ کا یقین و اعتبار اپنی بیٹی کی ذات سے نہ اٹھے، ورنہ شاید وہ خود میں زندہ نہ رہ پاتے۔ بیٹی کی خواہش اپنی جگہ مگر عزت سے بڑھ کر کوئی شے اور کیسے عزیز ہوسکتی ہے اور پھر خاندان والوں کے خلاف جا کر تو انہونی کی فکر مزید پریشان کن تھی البتہ انہوں نے پہلی بار کے بعد دوبارہ کبھی مستبشرہ جمال کو شرط کی یاد دہانی نہ کروائی اور پھر چار سال کا عرصہ مکمل ہونے کے بعد، وہ اپنی ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہوئے۔ ان کا اعتبار

سلامت رہا۔ ایک بیٹی نے باپ کی دعائیں مستجاب ہونے میں بھرپور کردار نبھایا۔ ان کی عزت کو ان کی ذات کو مان بخشا، ان کا سر اپنے فیصلے، اپنے اعتبار اور بیٹی کے عمل، اس کی ثابت قدمی اور باپ کی عزت و ناموس کا پاس رکھنے، اپنی شرط پر کھرا اترنے پر فخر سے کھڑا ہوا تھا۔

''بالکل......بس تم اپنا ارادہ بتاؤ، اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا میرا کام ہے۔'' جبھی مطمئن سے انداز میں کہنے لگے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ...... یہ کچھ نہیں کرے گی اب۔'' جبکہ اماں کو شوہر کا مطمئن انداز پسند نہ آیا۔

''کیوں اماں......؟'' اس نے فوراً حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کوئی خاص وجہ بیگم صاحبہ!'' جمال شاہ بھی بیگم کی بات پر پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

''صحت تو دیکھیں آپ اس کی، کتنی کمزور ہوگئی ہے، پڑھنا اس کا شوق تھا وہ اس نے پورا کرلیا، اب نہ آپ اس کا ساتھ دیں گے نہ یہ کوئی کام کرے گی۔ اللہ نے ہر آسائش سے نوازا ہے پھر کیوں خود کو ہلکان کرنا۔'' وہ صاف بولیں، انداز محبت بھرا تھا، لہجے میں بیٹی کے لیے فکر کے ساتھ پیار ہی پیار تھا۔ وہ دونوں باپ بیٹی مسکرائے۔

''ارے بیگم! کرنے دیں اسے وہ سب جو اس کا دل چاہے۔ یہ ہی تو اس کی زندگی، اس کی خوشی کے دن ہیں۔ ماں باپ کے گھر ہی بیٹیاں خواہش و ضد کرتی اچھی لگتی ہیں، آج یہ ہمارے سامنے اتنے مان سے اپنے ارادے کی تکمیل کی خواہش رکھتی ہے تو ہم کیوں اسے مایوس کریں، اس کی خوشی میں تو ہماری خوشی ہے، پھر جب یہ پرائے گھر جائے گی تو دل میں کوئی ارمان تشنہ لے کر نہ جائے گی۔ ہم مطمئن و پرسکون رہیں گے۔ یہ خوش و آباد رہے گی...... مجھے اور آپ کو اس سے زیادہ کیا چاہیئے۔'' سید جمال شاہ آہستگی سے ٹھہر کر بولے۔ زہرہ شاہ کی بیٹی کے لیے محبت بھری فکر کو ختم کرنے کے لیے انہیں سمجھانے لگے۔ مستبشرہ، بابا کی اس قدر سنجیدہ، گہری اور دور اندیش بات پر خاموش ہی رہی۔ زہرہ شاہ مسکرا دیں۔

''وہ تو ہے مگر مجھے اس کی صحت کی فکر رہتی ہے۔''

''اماں! میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ آج کل ڈبل روٹی ٹائپ لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں، سچی۔'' اب کے مستبشرہ فوراً بولی۔

''ارے بیگم صاحبہ! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری بیٹی کی صحت اس کے ارادے سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوگی، بس بخوشی آپ اسے اجازت دیں تاکہ یہ اپنا ارادہ ہمارے گوش فوراً سے گزارے۔'' سید جمال شاہ بھی ان سے مخاطب ہوئے تو انہوں نے لاڈ سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

''اس کی خوشی میں میری خوشی ہے۔'' اور اپنا پُر شفقت ہاتھ اس کے سر پر پھیرا، وہ نہال سی مسکرا دی۔

''اب کہو مستبشرہ بیٹی!'' وہ مکمل اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بابا جان......! میں نے جو پڑھا ہے یا جو علم میرے پاس ہے میں اسے اپنے پاس محدود نہیں رکھنا چاہتی، میری شدید خواہش

ہے کہ مجھ سے باقی لوگ مستفید ہوں، ان کی زندگی سنورے، مستقبل بنے۔'' وہ کہنے لگی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' سنتے ہوئے انہوں نے خوشدلی سے اسے سراہا، اسے حوصلہ ملا، مزید بولی۔

''میں ٹیچنگ کرنا چاہتی ہوں...... اپنا اسکول بنانا چاہتی ہوں۔'' گنگناتے لہجے میں اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ سید جمال شاہ کے چہرے پر اطمینان وسکون کے ساتھ مسکراہٹ بھی نظر آئی۔

''کوئی مضائقہ نہیں۔'' نارمل لہجے میں بولے۔

''تو گویا آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' مستبشرہ ان کے انداز پر حیران بھی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ نہ مانیں مگر یہاں تو وہ اسے حیرت میں ہی ڈال گئے۔ اتنی جلدی رضا مندی بلکہ فوراً رضا مندی پر وہ قدرے بے یقین بھی ہوئی۔

''جب اولاد والدین کو مایوس نہ کرتے ہوئے ان کی بات کا پاس رکھے، ان کی عزت، قول کا خیال رکھے تو اعتراض کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ بہرحال ارادہ واقعی تمہارا عظیم اور عزم بلند ہے مگر بیٹا جی! اس سے پہلے اطمینان سے سوچ لو کہ جو کام تم کرنے جارہی ہو وہ بڑی ذمے داری کا کام ہے۔ بچوں حتیٰ کہ قوم کے مستقبل کا سوال ہے اور تمہارے کندھے ناتواں ہیں...... ابتداء میں شوق جوش رکھتا ہے اور رفتہ رفتہ بوجھ لگنے لگتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگے۔ مستبشرہ نے خاموشی سے بغور انہیں سنا۔ زہرہ شاہ بھی بیٹی کے ارادے سے مطمئن وخوش ہوئی تھیں۔

''کبھی شوق کو بوجھ نہ بننے دو، جو کام کرنا ہو دل سے دلچسپی کے ساتھ محنت ولگن سے کرو، ایمانداری سے کرو، غیر ذمے داری کے بجائے ذہن میں ذمے داری کا احساس رکھنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ مجھے خوشی ہے فخر ہے کہ تم نے اپنا شوق ایک ذمے دار پیشے سے منسلک کرنے کا ارادہ کیا ہے...... اینڈ آئی نو، میری بیٹی اس قابل ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی سنوار سکے، ان کا مستقبل سنوار سکے، بنا سکے...... ملک کی ترقی وکامیابی میں اپنا حصہ ڈال سکے، تمہاری خواہش ہمیں عزیز ہے، تم ضرور ٹیچنگ کرو، تمہیں اسکول بنا کر دینا میرا کام ہے۔''

تھینک یو وری مچ بابا جان...... آپ کا یقین میرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ میرا ارادہ انشاءاللہ بہت مضبوط ہے، جسے آپ کا ساتھ، حوصلہ پائیدار بنائے گا۔ ایمانداری، ذمے داری اور فرض شناسی میں کیونکر بھول سکتی ہوں...... میرے شوق میں جذبہ اصل ہے، میں خود کو بے کار نہیں جانے دوں گی۔'' وہ مشکورسی، پرعزم لہجے میں بولی۔

''شاباش بیٹی! اب تو مجھے تم پر اندھا اعتماد ہے۔ یقیناً تم جو چاہو گی اپنی محنت، لگن اور قابلیت سے پاؤ گی اور اپنی پیاری سی فرمانبردار بیٹی کے لیے اسکول، میری طرف سے گفٹ ہوگا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

اسی لمحے مستبشرہ کو خود پر فخر محسوس ہوا۔ باپ کا خود پر اندھا اعتماد اور گفٹ۔ وہ جانتی تھی کس وجہ سے کس خوشی میں۔

''تھینک یو سو مچ بابا جان......'' سو مطمئن انداز میں انبساط سے بولی، آنکھوں میں خوشی دیدنی تھی۔ سید دمال شاہ اور زہرہ شاہ

اسے دیکھ کر مسکرانے لگے۔

☆......☆......☆

فلک شاہ کو یکدم ہی احساس محبت نے اپنے حصار میں مضبوطی سے لے لیا تھا۔ وہ جو کل تک مشارب شاہ کو دوست سمجھتی اور کہتی تھی، محض ایک چھوٹے سے واقعے کے بعد گویا اس خوبصورت لمحے میں جکڑ گئی جو اس کے دل میں ہلچل مچائے نئے جذبات جاگے۔ اس کے کومل خیالات میں رنگ بکھیرے اس کی سوچوں کو الگ روش سونپ گیا تھا۔

اس سے پہلے تک نہ کبھی اس نے ایسا سوچا نہ اس بارے میں محسوس کیا، نہ دل میں کسی جذبے، خاص جذبے نے جنم لیا تھا نہ دماغ میں ایسی کسی بات کا اشارہ تھا۔ مشارب سے اپنی دوستی کو محض دوستی تصور کرتی تھی کہ کچا ذہن بھی اندازے وقیاس میں ماہر نہ تھا۔ اسی لئے نہ مشارب کی باتوں کو سیریس لیتی نہ اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کرتی نہ دل کی جاننے میں تگ ودو کرتی۔ جبھی اس سے گفتگو کے دوران کبھی سنجیدگی نہ دکھائی۔

چھوٹی چھوٹی بات پر لڑتی، جھگڑتی، ناراض ہوتی پھر مشارب کے منانے پر یکدم مان بھی جاتی اور روزانہ کی ان بن میں گھنٹوں ڈھیروں باتیں کرتی۔ مگر جب اندر سے رونما ہوتے خوبصورت انکشاف نے احساس، سوچ وخیالات میں کیفیت کا بدلاؤ محسوس کیا تو خوشی کے ساتھ ساتھ لاج وشرم نے بھی آن گھیرا۔ وہ جو پہلے بنا سوچے سمجھے کسی بات کے لیے یا کسی کام کے لیے مشارب کے سامنے جاتی، باتیں کرتی آج زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے سامنے جانے کے متعلق غیر ارادی طور پر گہرائی سے سوچنے لگی۔

”کیسے اس کے سامنے جاؤں، چلی بھی گئی تو کیا بات کروں گی، اس کی بات کا کیا جواب دوں گی؟ اور کیا پہلے کی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کرسکوں گی؟ اگر اس نے فوراً سے میرے دل کا حال جان لیا تو؟ میری بدلتی کیفیت میری آنکھوں سے پڑھ لی تو؟“

ایسے بہت سے سوال اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے جبکہ حقیقتاً خود پر احساس محبت عیاں ہونے کے بعد وہ آپ ہی آپ مشارب کے سامنے کا سوچ کر مشرقی لڑکی کا روپ دھارے شرما سی گئی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ اس متعلق باقاعدہ کوئی لائحہ عمل تیار کرتی فہمیدہ بیگم نے اس کی سوچوں وخیالات کے سامنے فل اسٹاپ لگایا اور اس کو ہوش کی دنیا میں لاتے ہوئے سزا پر عمل پیرا ہونے کی ایک مرتبہ پھر سختی سے تنقید کی۔

”فلک......! یہاں چھت پر کیا کر رہی ہو؟ کچن میں ڈھیروں برتن دھونے کے لئے پڑے ہیں۔ کہا بھی تھا میں نے تم سے مگر تم سارے جہاں کی نکمی! نہ کوئی بات سنتی ہو نہ کوئی کام ایک بار کہنے پر کرتی ہو، چلو جاؤ کچن میں، میں جب آؤں تو ایک بھی برتن گندا نہ دیکھوں۔“

انہوں نے اچھا خاصا کہہ ڈالا جس پر فلک نے حسب توقع برا سا منہ بنایا تھا، ایک تو اس کی محویت ٹوٹی تھی دوسرا کام کا بھی وہ آرڈر کیا گیا تھا جس میں کبھی بھی اس کی دلچسپی نہیں رہی تھی سو احتجاج تو بنتا تھا۔

''امی......! مجھ سے نہیں دھوئے جاتے برتن وہ بھی ڈھیر سارے۔'' فوراً صاف انکار کر گئی۔

''میرے ہاتھ خراب ہوں گے اس لیے ویری سوری...... نہ آج سے پہلے میں نے کبھی برتن دھوئے ہیں نہ آج دھوؤں گی نہ آئندہ ایسا کرنے کا کوئی ارادہ ہے، جو روزانہ دھوتا ہے وہی دھوئے۔'' وہ صاف سیدھے لفظوں میں دوٹوک، قطعیت بھرے لہجے میں بولی کہ انداز ایسا ہی تھا شروع سے بے فکر، فطرتاً و عادتاً لا پرواہ۔

کچھ دیر پہلے والی حالت و سوچوں کو فی الوقت بھلائے وہ اپنا اصل روپ اختیار کر چکی تھی جو فہمیدہ بیگم کی نفیس طبیعت کو بہت ناگوار گزرا۔

''کیوں جان بوجھ کر تنگ کرتی ہو مجھے۔'' وہ اب کے بے بس دکھائی دیں۔

''تنگ میں آپ کو کرتی ہوں یا آپ مجھے کرتی ہیں۔'' وہ بنا زیر اثر آئے بولی۔

''بچی نہیں رہی اب تم...... سدھر جاؤ۔'' جواباً وہ آہستگی سے اس کو سمجھانے لگیں۔

''ماسی بھی نہیں بن گئی جو اتنے کام کروں۔'' مگر سامنے فلک شاہ اپنے نام کی ایک کھڑی تھی۔

''اچھا بس کرو...... صرف آج برتن دھو لو، کام والی بھی نہیں آئی، میں اور آصفہ آپا بھی جا رہے ہیں۔'' انہوں نے گویا ہار مانتے ہوئے کہا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ؟'' وہ حامی بھرنے کے بجائے استفسار کرنے لگی۔

''تمہارے بابا کے ساتھ مارکیٹ تک جا رہے ہیں، کچھ ضروری کام اور کپڑے وغیرہ لینے ہیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''ہائے...... پھر تو میں بھی ساتھ جاؤں گی، میں نے بھی کپڑے لینے ہیں۔'' وہ فوراً سے کہتی جانے کو تیار ہوئی۔

''نہیں تم کہیں نہیں جا رہیں، گھر میں ہی رہو گی، مارکیٹ سے پہلے میں اور آپا کسی کے گھر تعزیت کے لئے بھی جائیں گے، جہاں تمہارا کوئی کام نہیں بنتا اور ویسے بھی کچھ دیر بعد عثمان اور تیمور بھی اسکول سے واپس آئیں گے، فریج میں کھانا بنا ہوا ہے بس گرم کر کے دینا ہے اور ان کے لیے روٹیاں بھی بنا لینا، صبح ناشتہ ٹھیک سے نہیں کر کے گئے تھے۔'' فہمیدہ بیگم نے منع کرتے ہوئے تفصیلاً بتایا، ساتھ ہی ہدایت بھی دی جسے سنتے ہی عادت سے مجبور ہو کر اس نے منہ بسورا۔

''اور کچھ......'' پھر قدرے طنزیہ پوچھا، اتنا بھی اسے بہت زیادہ لگا تھا۔

''ہاں اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا، آپا کہہ رہی تھیں کہ اگر مشارب جلدی واپس آ گیا تو اسے بھی کھانا وغیرہ گرم کر کے دینا اور پوچھ کر چائے بھی بنا دینا۔'' جبھی فہمیدہ بیگم یاد آنے پر بولیں۔ اب کے فلک شاہ کو منہ بنانے کی مہلت ہی نہ ملی کہ دل میں مشارب کے نام سے ہلچل مچی تھی۔ آنکھوں میں چمک سی اتری تھی سو لبوں نے جنبش کرنے کی جسارت ہرگز بھی نہیں کی۔

''اور دھیان سے......دروازہ بھی لاک کر لو، ٹی وی دیکھنا نہ ڈائجسٹ پڑھنا، پہلے یاد سے برتن دھونا میں واپس آؤں تو کہیں بھی گندگی نہ دکھے مجھے، ورنہ مار کھاؤ گی۔'' فہمیدہ بیگم اس کی ایف اے میں کمپارٹ کے بعد اسے رعایت بخشنے کے موڈ میں ہی نہ تھیں، سختی سے تنبیہہ کی۔

اس نے بنا بولے دھیرے سے سر ہلایا کہ محض مشارب کے ذکر سے زبان کو بریک لگ گئی تھی۔ فہمیدہ بیگم اپنا کہے جا چکی تھیں، فی الحال وہ فوراً سے دروازہ لاک کرنے ان کے پیچھے گئی اور دروازہ لاک کرنے کے بعد سیڑھیوں پر آ بیٹھی کہ مکمل سکون سے مشارب شاہ کو سوچ سکے۔

☆......☆......☆

''آخر میں ہی کیوں؟'' وہ دیوانہ سا پاگل ہوئے جا رہا تھا۔

اپنے ساتھ کیے گئے قسمت کے سنگین کھیل سے ابھی تک بے یقین، پر ملال، تاسف و یاسیت میں گھرا اپنا وجود اس کو بے بسی کی عمیق گہرائیوں میں دھکیلے بہت حقیر سا لگا تھا۔ بہت بے چین مگر ہرگز بھی قابل رحم نہ لگا تھا، شکوے ہزاروں تھے، گلے لاکھوں کروڑوں سے تجاوز کرتے جا رہے تھے، اس کا دماغ سوچ سوچ کر گویا شل ہونے کو تھا، وہ نظر اٹھائے عرش کو تکنے لگا۔

''کیوں اللہ پاک......! اپنے اس بندے پر رحم نہ آیا، کیا میں اتنا گنہگار تھا کہ جیتے جی مجھے پاتال میں اتار دیا، جیتے جی مجھے سزا دی، یوں قلبی آزمائش کو میرے نصیب میں لکھا، کیوں......؟'' وہ دو جہانوں کے رب سے مخاطب ضبط کی حدوں سے گزرنے لگا، رونا وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا لیکن جب چوٹ دل کو لگے تو اذیت و تکلیف کو دنیا کا کوئی پیمانہ ناپنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ دل کی تڑپ، روح کی بے قراری سے وجود نڈھال سا ہو جاتا ہے، پھر شکوے شکایت جنم لیتی ہے۔ انسان بہت مجبور ہو کر اس ذات سے گلہ کرتا ہے جو ہر شے پر قادر، ہر قسمت کا لکھاری، انسان کو پیدا کرتا ہے، زندگی دیتا ہے، جینے کا مقصد نوازتا ہے، احساسات و جذبات کے خوبصورت امتزاج سے مزین دھڑکتا موم سا دل بناتا ہے، سوچوں و خیالات میں خوبصورت رنگ بکھیرے آنکھوں کو سپنوں، خوابوں سے سجاتا ہے، پیار عشق کی حدت سے واقفیت دلاتا ہے، ہر چیز میں قدرت کا ملہ رکھتا ہے۔ کسی کو سہل پسندی کی زندگی دیتا ہے تو کسی کی قسمت میں ہجر کی داستان رقم کیے آزمائش لکھ دیتا ہے جو برداشت کا امتحان لیتی محبت بھرے دل کو امتحان میں ڈال دیتی ہے۔ ایسے میں ہی اللہ کی یاد اللہ سے اپنے بندوں کا ربط پیدا کرتی ہے۔

''مجھ میں کوئی کھوٹ نہیں تھی، میرا پیار سچا تھا، میری نیت صاف تھی پھر کیوں اسے میرا نہ بنایا......اس کے دل میں میرے لئے محبت نہ جگائی، کیا میں محبت میں خطاوار ہوں جو مجھے سزا ملی......؟''

وہ بھی انسان تھا، ایک عام انسان، پھر کیونکر خدا کی مہربان ذات کے سامنے اپنا دکھ بیان نہ کرتا، گلہ نہ کرتا، اپنی مجبوری و بے بسی اسے نہ بتاتا جو پہلے ہی سے اس ذات پر عیاں تھا۔ دنیا میں ہر انسان کبھی نہ کبھی ضرور خدا کے حضور اپنے دل کا حال بیان کرتا ہے، ہر کوئی کرتا

ہے اور کرنا بھی چاہیے کہ ایک وہی تو ہے وہ سب کی سنتا ہے، سب کی قسمت لکھتا ہے انہیں ان کے نصیب کا دیا دیتا ہے اور ابھی تو اس کا غم تازہ تھا، سنبھلنے میں وقت تو لگتا ہے۔

''اگر وہ میری قسمت میں نہیں تھی تو اسے میرے دل میں کیوں بسایا، میری ذات میں کیوں سمایا کہ اس کے جانے کے بعد بھی میں اسی کا ہو کر رہ گیا ہوں، مر جاؤں گا میں اس کے بغیر، نہیں خوش رہ سکتا میں اس کے بنا، تو سب جانتا ہے، دل کا حال تجھ سے پوشیدہ نہیں، پھر میں تجھ سے کیوں نہ مخاطب ہوں...... میری رگ رگ میں دوڑتی اس کی محبت کو نچوڑ لے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا...... پاگل ہو جاؤں گا میں۔'' وہ ہنوز آسمان پر نظریں گاڑے اللہ سے مخاطب تھا مگر دکھ تھا کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا، تکلیف و اذیت حد سے بڑھ کر تھی۔

محبت میں ناکامی سے افسردہ و ملول بہت بس ہوتا، ضبط کی حدوں سے گزرتا وہ آنکھیں موند گیا۔

☆......☆......☆

کچھ ہی دیر میں مراد منصور کی آمد متوقع تھی، کلثوم پھپھو، نفیسہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ کچن میں مدد کروا رہی تھیں جبکہ انہوں نے ہی مہ روش کو زبردستی کچن سے نکال کر آرام کی تاکید کی کہ اسلام آباد سے آئے ابھی اسے ایک دن بھی نہیں گزرا تھا سو وہ مکمل آرام کر کے یونیورسٹی میں 4 سالہ قیام کی تھکن کو اتارے، اسی لیے مجبوراً مہ روش نے کمرے کی جانب رخ کیا، مگر ہرگز بھی آرام کی غرض سے نہیں، دل کی کیفیت کا تو اسے اندازہ ہو چکا تھا، سو مسرور تھی، محو انتظار تھی، اندر کا موسم بدلنے سے زندگی خوبصورت لگنے لگی تھی، ساتھ ہی دل و دماغ نے سچائی ایمانداری سے اسے الفت کی راہ میں اپنی سنگت کی یقین دہانی کروائی تو کئی تقاضوں نے جنم لیا، مراد کے اقرار کی خواہش نے جنم لیا تو ساتھ ہی اس کے دل میں اپنے لیے خاص مقام کی دعا مانگی، محبت کی یکطرفی کو ذہن سے جھٹکا کر من ہی من میں اسے سنگ کر لیا، کہ ہر احساس خوبصورت تھا، خوشگوار تھا، ہر سوچ میں زندگی کی جھلک تھی، ہر جذبے میں سچائی تھی، ہر تقاضے میں وثوق اور ہر کیفیت دلنشین تھی، پھر وہ کیونکر خود کو ہوا میں رقصاں محسوس نہ کرتی؟ کمرے میں ٹہلتی وہ فرط انبساط سے مسکراتی، گنگناتی رہی، وقت گزر رہا تھا، مراد آنے ہی والا تھا، اس نے ڈریس چینج کیا اور بال بنانے لگی، جبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور پریشے اپنے ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ رونما ہوئی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' اور پوچھنے لگی۔

''کچھ خاص نہیں...... بال سیٹ کر رہی ہوں۔'' اس نے مصروف سے انداز میں جواب دیا پریشے اس کے بیڈ پر براجمان ہوئی۔

''کس لئے......؟'' اور بے ساختہ پوچھا۔

''کیا مطلب کس لیے......؟'' وہ یہ سوال پوچھے جانے پر حیران ہوئی سو پریشے کو متعجب نظروں سے دیکھا۔

''کوئی خاص وجہ......؟'' پریشے نے بغور اسے دیکھا آنکھوں میں حد درجہ شرارت تھی۔

''کوئی بھی نہیں...... بال بنانے کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے، اچھا تم بتاؤ تم کسی خاص وجہ کے روزانہ بال برش کرتی ہو۔'' وہ نا سمجھی کے عالم میں الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''میری ایسی قسمت کہاں؟'' جواباً پریشے مسکین سا منہ بناتی مصنوعی عاجزی سے بولی پھر مہ روش کے ہمراہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''پھر......؟''

''آپ کے ستارے بہت جلد حرکت میں آنے والے ہیں، بلکہ انہی دنوں گردش کر رہے ہیں۔'' پریشے شوخی و شرارت سے بولی۔

''کیوں جی......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''بہت جلد آپ کو پتہ چل جائے گا۔'' پریشے نے صاف بتانے کے بجائے بات گول مول انداز میں کی۔

''تم ابھی بتا دو مجھے۔'' مہ روش کو تجسس ہوا۔

''اتنی جلدی نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں......؟''

''تھوڑا انتظار کریں۔'' پریشے نے تحمل سے جواب دیا۔

''اب تم مجھے الجھن میں ڈال رہی ہو۔'' ماہی تنگ آنے لگی۔

''آپ کی قسمت بڑی رنگین ہے ابھی آپ کو گھر آئے دو دن بھی نہیں ہوئے مگر آپ کو نئے دیس کی سیر پر بھیجنے کی سبھی تیاری کر رہے ہیں...... واؤ کتنا مزہ آئے گا۔'' البتہ پریشے اپنی ہی دھن میں بولی۔

''مس پریشے...... برائے مہربانی پہیلیاں بجھوانے کے بجائے آرام سے سیدھی طرح مجھے بتاؤ، ورنہ تمہارے مزے کا میرے ہاتھوں ستیاناس ہو جائے گا۔'' اب کہ ماہی نے اس کو آنکھیں دکھائیں۔

''ابھی میں آپ کو نہیں بتا سکتی...... سو سوری۔'' جبکہ وہ ہنوز انکاری تھی۔ دونوں آگے پیچھے کی تھیں مگر اپنے مابین گہری انڈر سٹینڈنگ کے باعث پریشے، مہ روش کو خوب تنگ کر کے لطف اٹھاتی تھی۔

''پھر چلو اٹھو نکلو کمرے سے۔'' ماہی نے کڑے تیوروں سے اسے دروازے تک کا راستہ دکھانا چاہا، تو وہ اس کے کہنے پر اٹھنے کے بجائے مسکرانے لگی۔

''بہت ڈھیٹ ہو ویسے تم۔'' ماہی نے اپنے تئیں اسے لتاڑا۔

''اور آپ بہت سویٹ ہیں، میں بہت مس کروں گی آپ کو سچی۔'' تو وہ سنجیدگی سے محبت آمیز لہجے میں بولی۔

''مس کرو گی......؟'' ماہی نے اس کے الفاظ دہرائے کہ حقیقت سے انجان تھی، سمجھ میں فی الوقت کچھ نہ آیا پھر اپنی بات میں

مزید اضافہ کرتی حیرانگی سے استفسار کرنے لگی۔

"کیا مطلب، مس کرو گی، تم کہیں جا رہی ہو؟"

"میری ایسی قسمت کہاں ڈیئر سسٹر...... فی الحال آپ کے آنے پر ہم آپ کے جانے کی تیاری کرنے والے ہیں، تیاری پکڑ لیں آپ......" وہ لمبی سانس بھر کے ڈرامائی انداز میں بولی۔

☆......☆......☆

مہ روش کو سمجھنے کا موقع دیئے بغیر پریشے اس کو کہنے لگی۔ "لگتا ہے باہر آپ کو لے جانے کے لئے کوئی آ گیا ہے۔" کیوں کہ باہر سے باتوں کی آواز آنے لگی تھی، جسے مہ روش نے اس کے بتانے پر بغور سننا چاہا...... البتہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

"چلیں......" پریشے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا، اس نے یونہی بے خیالی میں سر اثبات میں ہلایا، دونوں آگے پیچھے باہر نکلیں۔ لاؤنج میں مراد منصور کی آمد سے ہلچل مچی ہوئی تھی، مراد کی نمایاں شخصیت سبھی کی توجہ کا مرکز تھی، پریشے آگے بڑھ چلی تھی جبکہ مہ روش کی منتظر نگاہیں بے چین دھڑکنوں کو قرار پہنچاتی، دید کی پیاس مٹاتی، انبساط کے رنگوں سے یکدم چمکیں تھیں، لب بھی دھیرے سے مسکرائے تھے، دل میں پنپتی محبت خوشگوار احساس سے مہکتی، چاہت میں شدت لاتی اس کے روم روم میں پھیلنے لگی، ساتھ ہی ڈھیروں شرم من میں سرائیت کرنے لگی، وہ قلبی جذبات و گنگناتی اکھیوں سے آگے بڑھی، ابھی تو ابتدا تھی، خوبصورت ابتداء۔

"السلام علیکم۔" اس نے مراد کی نظر خود پر پڑتے ہی خوشگوار لہجے میں سلام کیا، دل شاد تھا، دھڑکنیں مطمئن سی رواں تھیں۔

"وعلیکم السلام۔" مراد نے اسی کے انداز میں سلام کو شرف قبولیت بخشا۔

"کیسی ہو......؟" پھر اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں مدھم مسکراہٹ کے ساتھ استفسار کیا۔

"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

"آئی ایم فائن۔" اب کہ وہ مختصر بولا، پھر ایک بھرپور نظر سے اس کا مکمل جائزہ لیتا سعید ماموں کی طرف متوجہ ہوا۔ مہ روش اسی میں خوش تھی، اس کی آمد کی دید سے نہال ہوتی پریشے کے ہمراہ کچن کی طرف بڑھی، پریشے نے کن اکھیوں سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے کہنی ماری پھر معنی خیزی سے مسکراتی آگے بڑھی، مہ روش نے اس کی حرکت پر ہونٹ سکیڑتے ہوئے اسے گھورا پھر خود کی کیفیت کو سنبھالتی نفیسہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرنے لگی۔

☆......☆......☆

لمحہ لمحہ خوشگوار گزر رہا تھا، عثمان اور تیمور کچھ دیر پہلے آ چکے تھے وہ خلاف معمول مسکراتے لب و لہجے کے ساتھ انہی سے مصروف تھی، جس پر وہ خاصے حیران بھی ہوئے تھے مگر ظاہر ہرگز بھی نہیں کیا تھا کہ فلک کی طبیعت، عادت و غصے کا کچھ بھید نہ تھا، اگر کوئی بات، کوئی

جملہ اسے ناگوار گزرتا تو اسے آگ بگولہ ہونے میں ایک سیکنڈ بھی مشکل سے لگتا تھا۔

''آپی جی......جلدی کریں۔'' تیمور فلک کی طرف بھوک کا خاصا کچا تھا۔

''اچھا...... پہلے تم ایسا کرو کہ فریج سے کھانا نکال کر گرم کرلو جب تک میں روٹیاں بناتی ہوں۔'' وہ آہستگی سے کہتی بڑے مصروف انداز میں بولی، ساتھ ہی آٹا لے کر پیڑا بنانے لگی۔

''آپی! آپ خود ہی کرلیں ناں، میں نے آج تک یہ کام نہیں کیا۔'' تیمور بھی اسی کا بھائی تھا جس نے آج تک خود اٹھ کر پانی تک نہ پیا تھا سو اسے ہی کہتے ہوئے اپنی جان بچانی چاہی۔

''تو میں نے آج سے پہلے یہ کام کب کئے ہیں، زندگی میں پہلی بار روٹیاں بنانے جا رہی ہوں اور ایسے میں دھیان صرف ایک طرف ہی ہو تو بڑی بات ہے، اگر کھانا گرم کرنے لگی تو یقیناً روٹیاں جل جائیں گی۔'' جواباً وہ اپنے مخصوص انداز میں تفصیلاً بولی، انداز میں الجھن تھی۔

''بے شک۔'' عثمان نے فوراً کہا......ساتھ ہی ہنسی روکنے لگا جو بہن کے انداز پر بے ساختہ چھوٹی تھی کیوں کہ نہ روکنے کی صورت میں بہت سی باتیں سننے کے علاوہ تھپڑ بھی ضرور پڑتا اور بھوک الگ برداشت کرنی پڑتی۔

''تو ایسا کریں پہلے روٹیاں پکالیں، اس کے بعد کھانا گرم کر لیجئے گا۔'' جبکہ تیمور کو اپنی فکر تھی سو...... برادرانہ انداز میں صلاح دی۔

''کیوں نوکر ہوں میں تمہاری، جو سارا وقت چولہے کے سامنے کھڑی تمہاری خاطر مدارت کروں۔'' فلک کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''کیسی بہن ہیں آپ...... بھائی کی ذرا پرواہ نہیں ہے۔'' وہ ناراضگی دکھانے کی کوشش میں اسے ایموشنلی بلیک میل کرنے لگا۔

''اچھا جی کہہ تو ایسے رہے ہو جیسے تمہیں میری بڑی فکر ہے۔'' جواباً طنز سننے کو ملا۔

''اسے صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے۔'' عثمان نے بھی تیمور کو نشانہ بنا کر فلک کے ہاتھوں اس کی درگت بنانا چاہا۔

''جی نہیں...... مجھے اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کی بڑی فکر ہے اور تم سے زیادہ ہے۔'' تیمور نے عثمان کی درستگی کی، ساتھ ہی فلک سے اپنا دلی اظہار کرتے ہوئے مکھن لگانے کی کوشش کی کیوں کہ شروع سے دونوں میں کم بنتی ہے جسے عثمان بخوبی جانتا تھا اور جسے لے کر وہ دونوں میں ان بن کرواتا تھا۔

''اچھا تو مدد کرو اس کی۔'' عثمان نے اسے پھنسایا۔

''ہاں ہاں......ضرور کروں گا۔'' وہ فوراً مجبوراً بولا کہ محض ایک انکار دن بھر بھوکے رہنے کے لئے کافی ہوتا۔

''تو انتظار کس بات کا ہے، کھانا نکالو اور گرم کرو۔ آج ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، بھوک زوروں پر ہے۔'' عثمان نے جلدی مچائی۔

''ناشتہ میں نے بھی نہیں کیا تھا۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''خیر ساری کسر پوری کر لینا اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کے ہاتھ کی روٹیاں کھا کر۔'' وہ تیمور کو چھیڑنے کے لئے مسکرا کر بولا۔فلک جو دونوں کی گفتگو سے محظوظ ہوتی ہنس رہی تھی۔روٹی توے پر ڈال کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مسٹر عثمان......تم کچھ زیادہ ہی اوور اسمارٹ بن رہے ہو، اینڈ زوروں کی بھوک کا جلد علاج میرے پاس ہے، میں روٹیاں پکاتی ہوں، تیمور کھانا گرم کرے گا جب تک تم ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرو، جتنی جلدی مل کر کام کریں گے اتنا ہی سب کے لیے اچھا ہو گا، اٹھو شاباش جلدی کرو۔'' پھر اسے حکمیہ کہا۔تیمور زور سے ہنسا اور فریج کی طرف بڑھا......اب کہ عثمان نے منہ بسورا تھا۔

''یہ کام لڑکیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں۔'' پھر فلک کو سیدھے لفظوں میں نکمے پن اور جند بچاؤ کہنے کے بجائے احتجاج کرنا چاہا۔

''اچھا جی......اپنی باری آئی تو لڑکے، لڑکی کا تذکرہ شروع کر دیا اور میری دفعہ ایموشنل سین کری ایٹ کر کے مجھ سے کھانا گرم کرواتے وقت یہ نہ سوچا کہ یہ کام بھی لڑکیوں کے کرنے ہوتے ہیں۔'' جس پر فلک کے بجائے تیمور نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''تمہاری بات اور ہے۔'' وہ صاف بولا۔

''کیا مطلب......؟'' تیمور حیرانگی سے چیخا۔

''بس کرو تم دونوں۔'' فلک نے دونوں کو ٹوکا۔

''دیکھ لیں آپی......عثمان آپ کی بات نہیں مان رہا۔''

''نہیں مان رہا تو نہ مانے، میں بھی ایک ذرا بھی چیز چُھ کرنے دوں تو میرا نام فلک شاہ نہیں۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں صاف بولی، عثمان نے تیمور کو گھورا۔

''لگا رہا ہوں برتن۔'' پھر گویا ہار مانتے ہوئے بولا۔

''یہ ہوئی نہ بات۔'' فلک نے خوشی کا اظہار کیا کہ یوں اس نے دونوں سے کام کروا کے اپنا کام گھٹا دیا تھا، پھر روٹی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ارے یہ کیا......؟'' معاً تیمور کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری، عثمان بھی جلدی سے حیرانگی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔

''کیا ہوا......؟'' فلک بھی اس کی بے ساختگی پر چونکی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے توے کی طرف اشارہ کیا۔

''روٹی ہے......نظر نہیں آ رہا۔'' اب کہ وہ تیمور پر چیخی۔

''سچ میں۔'' وہ بے یقین تھا۔

''کیا مطلب......؟''

''مجھے تو یہ کوئی نقشہ لگ رہا ہے۔ کس ملک کا نقشہ ہے آپی......؟'' تیمور نے بے حد سنجیدگی سے معصومانہ انداز اپنایا، ساری زندگی فہمیدہ بیگم کے ہاتھ کی گول روٹیاں دیکھنے وکھانے کو ملیں تھیں اور آج فلک کی زندگی کی پہلی روٹی دیکھ کر گویا اسے حیرت ہوئی تھی کہ کیا روٹی اس شکل کی بھی ہوتی ہے، عثمان بھی ملاحظہ فرما کر قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا، فلک کا پہلا تجربہ تھا، سو اس طرف دھیان نہ دیا، البتہ تیمور کی بات پر غور کر کے سمجھتے ہوئے فطرت و عادت کے عین مطابق یک دم غصے سے لال بھبھوکا بنی اور پلٹ کر ایک زوردار تھپڑ اس کی کمر پر رسید کیا، وہ بے چارہ اچانک اس افتاد پر کراہ کر رہ گیا۔

''بکواس بند کروا پنی......اور اپنا کام کرو۔'' ساتھ ہی چلائی، عثمان فوراً سے پہلے اپنے کام کو بھاگا۔ تیمور نے بھی خاموشی سے رخ پھیرا۔ البتہ دومنٹ پہلے کچن میں داخل ہوتے مشارب شاہ کے قدم بہن بھائیوں کی گفتگو ونوک جھونک پر رکے تو وہ وہیں دروازے میں ایستادہ ہو کر دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگا، اتنے میں فلک توے سے روٹی اتارتی پلٹی تو اسے سامنے پا کر چونکی۔

''آپ......'' پھر ایک ہی لفظ خاصی حیرانگی سے ادا کیا۔

''جی میں......'' وہ اندر چلا آیا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ یہ کس ملک کا نقشہ ہے؟'' پھر شوخ سے لہجے میں مسکرا کر پوچھنے لگا۔ وہ کچھ نہ بولی، بولتی بھی کیا؟ عجلت میں ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی، اندر دل بھی زوروں سے دھڑکا تھا، آنکھیں جھکنے لگی تھیں۔

''بتاؤ نا......'' وہ اس کے قریب چلا آیا، عثمان اور تیمور سرسری نظر ان پر ڈالے اپنا اپنا کام کرنے لگتے اور بنا آواز مسکرا بھی رہے تھے۔

''بنا کر بھول گئی ہو یا پتہ ہی نہیں ہے۔'' مشارب شاہ ہمیشہ کی طرح جرح کرتا شوخی سے پوچھنے لگا، اس امید کے ساتھ کہ جواباً یہی انداز دیکھنے و سننے کو ملے گا جو فلک اس کے مقابل اپناتی تھی۔ مگر یہ کیا......ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا، فلک کی جانب مکمل سکوت تھا۔

مشارب نے حیرت سے بھوئیں سکیڑیں اور بنا غور کیے اندازہ لگائے بغیر ہاتھ کی انگلیوں سے اس کی ٹھوڑی اوپر کرنے لگا۔

''بتاؤ نا فلک شاہ......'' پھر نظریں اس کے چہرے پر گاڑے دوستانہ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

''پتہ نہیں......'' تو وہ سرعت سے کہتی پلٹی اور پیڑا اٹھا کر روٹی بیلنے لگی کہ آج مشارب کا انداز تو وہی پرانا، جانا پہچانا تھا مگر اسے محسوس کرنے کا انداز بالکل نیا لگ رہا تھا، مشارب کی آنکھیں دیکھنے کا انداز بھی وہی تھا مگر فلک کو ان کی تپش اپنی بدلتی کیفیت کی بابت شرمانے پر مجبور کرنے لگی تھی۔

''پتہ نہیں۔'' البتہ مشارب نے سرسری انداز میں اس کے الفاظ دہرائے پھر زیر لب مسکراتے ہوئے آگے بڑھا اور اس کے بالکل قریب ہوا۔

''بہرحال کوشش اچھی ہے، نقشوں سے ہی دنیا گول سوری......روٹی گول بنے گی۔'' پھر کہا، تیمور اور عثمان نے فلک کے ڈر سے

دھیما سا قہقہہ لگایا۔ وہ ہنوز کچھ نہ بولی کہ سارا دھیان دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی طرف تھا۔

''امی اور چچی جان کہاں ہیں؟''

''مارکیٹ گئی ہوئی ہیں۔'' وہ سنبھل کر بتانے لگی۔

''جبھی تم سگھڑ بنی ہوئی ہو۔'' مشارب شرارت سے بولا۔

''مجبوراً۔'' تیمور نے ٹکڑا جوڑا۔

''وہ بھی صرف نام کی۔'' جبکہ عثمان نے آواز بلند کی۔

''مطلب......؟'' مشارب مصنوعی حیرانگی سے بولا۔

''نقشے بنانا تو بہت آسان ہے، کھانا گرم کرنا بھی مسئلہ نہیں پر ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرنا، اللہ معافی مجھ بے چارے کو سخت خو بہن کے ہاتھوں بھوکا رہنے کی دھمکی سے لڑکیوں کے کام کرنے پڑ رہے ہیں، سوچا بھی نہیں تھا کہ ماں بہن کے ہوتے ہوئے یہ کام کرنا پڑے گا۔'' وہ تفصیل سے کہتا معصوم شکل بنانے لگا، مشارب نے اس کے دکھڑے پر افسوس ظاہر کیا جبکہ فلک نے مشارب سے نظر چرا کر اسے گھورا۔ زبانی کلامی یا ہاتھا پائی سے خود کو بمشکل روکا تھا جو یقیناً ان تینوں کے لیے نیا تھا مگر فی الوقت کسی نے بھی غور نہ کیا۔

''میں بھی آپی کے ظلم کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔'' تیمور کو اپنی فکر تھی۔

''اینی ویز......میری فلک کے لئے نقشہ بنانا بھی بہت ہے، تم دونوں اس کی ہیلپ کرو، میں ڈریس چینج کر کے آتا ہوں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ خوشگوار سے موڈ میں کہتا چلا گیا تھا۔ فلک کا ذہن فوراً اسے سوچنے میں مصروف ہوا۔

''میری فلک......'' مشارب کے یہ الفاظ......جو اس نے دانستہ یا نادانستہ جیسے بھی کہے تھے، جس انداز میں، جس خیال سے بھی کہے تھے، ان سے قطع نظر فلک کے لبوں پر مسکراہٹ بہت گہری ہوئی تھی، اس کا احساس سوچنے سمجھنے میں اس کے لئے بہت خوبصورت تھا، وہ آرام سی کام میں مگن ہوتی جلدی جلدی مزید نقشہ نما روٹیاں بنائیں۔ کچھ ہی دیر میں مشارب چینج کر کے ان کے درمیان موجود تھا، چاروں نے کھانا کھایا اس دوران وہ تینوں فلک کو چھیڑنے، تنگ کرنے میں مصروف رہے مگر نہ وہ تنگ ہوئی نہ چڑی۔

''چائے بناؤ؟'' کھانے سے فراغت کے بعد امی کی ہدایت کے مطابق اس نے مشارب سے پوچھا، عثمان اور تیمور جا چکے تھے۔

''تم بناؤ گی؟'' وہ بری طرح چونکا کہ آج سے پہلے تو نہ کبھی اس نے چائے بنائی تھی نہ جھوٹے منہ کسی سے پوچھا تھا۔

''کوئی اعتراض ہے......؟'' وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

''نہیں تو......؟''

''تائی امی کہہ رہی تھیں۔'' وہ بتانے لگی۔

''اوہ...... یہ بات ہے میں سمجھا کہ تم سمجھدار ہوگئی ہو۔'' وہ یک دم ہنسا، انداز میں شرارت تھی۔

''تو کیا میں سمجھدار نہیں ہوں......؟'' وہ ناراض ہوئی۔

''نہیں تو۔'' وہ فل موڈ میں تھا۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' فلک کا ہر روپ اس کی محبت سے نکھر چکا تھا، سو انداز میں پیار چھپائے اپنے سابقہ رویئے میں بولی۔

''بہت اچھا!''

''پھر تو بہت بڑے پاگل ہو۔'' وہ ہنسی۔

''تم سے کم ہی ہوں۔'' دونوں اپنی ٹون میں تھے۔

''پر ہو تو سہی......خود اعتراف کیا ہے۔'' فلک نے بات پکڑی۔

''بہت چالاک ہوگئی ہو تم۔'' جس پر وہ بولا۔

''خیر تو ہے یا کام کی سوچ نے ایسا بنا دیا ہے؟''

''میں شروع سے ذہین ہوں۔'' وہ اترا کر بولی۔

''جبھی انگلش میں ٹاپ کیا ہے۔'' مشارب نے فوراً طنز سے اسے باور کروایا وہ سب جو اس پر ستم کرایا گیا تھا۔

''اچھا بس بس......جو پوچھا ہے اس کا جواب دو چائے پیو گے یا نہیں؟'' وہ اثر لئے بنا کڑک انداز میں بولی۔

''تمہارے ہاتھ کی تو ضرور پیوں گا۔'' وہ مسکرا کر بولا، انداز و لہجہ میں استحقاق کی جھلک اور شوق تھا۔ جبھی پھر فلک کا دل الگ لے پر دھڑکا، یہ ایک جملہ اس کی زبان پر تالا لگا گیا تھا کہ محبت میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نئے مسافر کے لئے بہت خوش گوار و جذبیت سے تر ہوتی ہے۔

''میں کمرے میں جا رہا ہوں، چائے وہیں لے آنا'' مشارب کہتے ہوئے چلا گیا اور وہ اثبات میں سر ہلاتی چائے بنانے کے لئے پلٹی۔

☆......☆......☆

مہ روش کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی، مراد منصور اس کے سامنے تھا، باقی سب لاؤنج میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے اور وہ دونوں کھلے آسمان کے نیچے چھت کے ایک کونے میں چاند کی چاندنی میں اکیلے موجود خاموشی میں جکڑے تھے، مراد کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار تھے، جو شروع سے اس کی شخصیت کا خاصہ تھی جبکہ ماہی اس کے قرب میں مسرور سی تھی، سماعتیں مراد کو سننے کے لئے بے حد

بے تاب تھیں اور آنکھیں چپکے چپکے اس کے تاثرات ......اس کی آنکھیں پڑھنے کی جستجو میں مگن تھیں۔

''سومہ روش......اسٹڈی تو تمہاری کمپلیٹ ہو چکی ہے اب جاب تو تمہیں کرنی نہیں ہے یا پھر گھر میں ہی رہوگی......؟'' بہت سوچنے کے بعد مراد نے بات کا آغاز کیا۔

''جی......'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مختصراً کہا۔ مراد نے ایک نظر ارد گرد دوڑائی پھر اسے دیکھا وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی، مراد قدرے توقف کے بعد آہستگی و نرمی سے بولا۔

''مجھے تم سے سوری بھی کہنا ہے۔''

''سوری......کس لئے؟'' وہ چونکی حیرت سے پوچھا۔

''اس لئے کہ اسلام آباد میں تمہیں ملنے کا کہہ کر بھی بنا ملے بنا بتائے چلا آیا۔ دراصل ضروری کام پیش آ گیا تھا سو مجبوراً واپس لاہور آنا پڑا ورنہ تم سے ملے بغیر واپسی کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا، اینی ویز آئی ایم رئیلی ویری سوری۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہتا اسے حقیقتاً حیران کرتا......آخر میں معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

''اٹس اوکے۔'' مہ روش کچھ مزید حیران ہوئی خود کو نارمل رکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

''تھینکس۔'' وہ ہلکا پھلکا ہوا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' پھر اس سے استفسار کرنے لگا۔

''جی پوچھیں......'' اسے بھلا کیا اعتراض تھا۔

''سچ سچ بتاؤ گی؟''

''جی......''

''میرے بتانے کے باوجود نہ آنے پر تم نے میرا انتظار کیا تھا؟'' مراد نے مسکراتے ہوئے گہرے اشتیاق سے پوچھا، سوال بالکل غیر متوقع تھا، مہ روش نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر نگاہوں کا رخ دوسری جانب کیا اور سوچنے لگی کہ دماغ کی رائے لینی بھی از حد ضروری تھی ورنہ دل نے تو جھومتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی کہ محبت کا فرشتہ یک طرفی کو دو طرفہ بتانا چاہتا تھا۔

''جی......'' پھر توقف کے بعد بالآخر اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ دوسرے لفظوں میں دل میں پنپتی محبت کا اظہار کر ڈالا جس سے مراد کے چہرے پر دلنشین سی مسکراہٹ پہلے سے مزید گہری ہوئی کہ گویا وہ یہ سب پہلے سے توقع کئے بیٹھا تھا۔

''کیوں کیا تھا؟'' پھر شرارت سے شوخ لہجے میں پوچھنے لگا، مہ روش نے اس کے لہجے سے شوخی کا اندازہ لگایا تو ڈھیروں شرم آئی آنکھیں خود بخود جھکنے لگیں، مراد منصور دلچسپی سے اسے دیکھتا لطف اندوز ہوا تھا۔

''میرے خیال میں، میں وجہ جانتا ہوں۔'' پھر لہجے میں سرشاری لاتے ہوئے خود ہی اسے بتانے لگا۔ وہ کچھ نہ بولی البتہ دل زوروں سے دھڑکا تھا، اندر کچھ بہت خاص محسوس کیا تھا اور گویا دماغ نے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی کا عندیہ دے دیا تو اندر ڈھیروں سکون وطمانیت اترتی محسوس ہوئی، مراد کے سادہ سے جملے نے اس کی محبت کو اپنی سنگت کا یقین دلا دیا تھا، وہ لب سیئے مدہوش ہونے کو تھی۔

''ہم کل واپس چلے جائیں گے۔'' مراد نہایت گہرائی سے اس کا جائزہ لیتا اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا سنجیدگی سے بات بدل گیا۔

''اتنی جلدی......'' جبھی بے ساختہ اس سے یہ دو الفاظ ادا ہوئے، مراد کھلکھلا کر ہنسا، وہ خجل سی نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔

''میرا مطلب ہے کہ پھپھو اتنے عرصے بعد آئیں ہیں، ابھی تو مجھے ہم سب کو ان سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔'' پھر جلدی سے وضاحت دینے لگی۔

''صرف امی سے یا......؟'' مراد معنی خیزی سے پوچھتا بات ادھوری چھوڑ گیا، وہ بری طرح کنفیوژ ہوئی۔

''سب سے۔......'' پھر خفت مٹانے کے لئے بولی۔

''مجھ سے بھی......؟'' مراد معمول سے ہٹ کر آج پہلی مرتبہ اتنا شوخ موڈ میں گفتگو کر رہا تھا، ورنہ وہ تو شاذ و نادر ہی کسی سے غیر سنجیدگی کی فضا بحال رکھنے کا قائل تھا، اول تو مہ روش حیران تھی مگر دل و دماغ نے اسے ریلیکس کر دیا تھا کہ یہ سب یقیناً دونوں اطراف دلوں میں موجود محبت کے احساس کی بدولت کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

''جی۔'' سو اقرار کر گئی۔

''تھینکس ......بہر حال جانا تو ہے، اگر جاؤں گا تو واپس بینڈ باجے سمیت اپنے دل کی ملکہ کو لینے کیسے آؤں گا۔'' وہ سہولت سے بولا، مہ روش نے اب کہ لبوں کو جنبش نہ دی۔

''امی ماموں سب کتنے خوش ہیں، تین سال دونوں گھروں میں دوریاں، رنجشیں آئیں ان کی وجہ وقار اور سزا باقی سب کو مل رہی تھی جبکہ ادینہ بھی اپنے گھر میں خوش ہے پھر خود ساختہ دشمنی اور کثافتیں حائل رکھنا اپنے ساتھ زیادتی ہوئی، میں نے بہت سوچا پھر فیصلہ کیا کہ سب کو قریب لانے کے لئے کم از کم مجھے کچھ کرنا چاہئے، میں امی کو خوش دیکھنا اور ماموں کو وقار کی وجہ سے ملنے والی شرمندگی واذیت سے نکالنا چاہتا تھا سو امی کو لیے یہاں آیا، کچھ دلی خواہش بھی تھی۔'' مراد سنجیدگی سے بات بدل کر آہستگی سے بول رہا تھا۔

''سب کو خوش دیکھ کر میں بہت خوش ہوں اور میں اس خوشی کو مستقل دیکھنا چاہتا ہوں، خونی رشتوں کو پائیدار بنانا چاہتا ہوں جس کے لئے دل کی بات زبان پر لانا بھی ناگزیر ہو چکا ہے۔'' مہ روش اسے بغور حرف حرف سن رہی تھی۔

''جس رشتے کو وقار نہ نبھا سکا اسے میں نبھانا ضروری سمجھتا ہوں، امی، ماموں سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہوں گی مگر میں پھر

بھی تم سے اپنے دل کی بات کہہ کر تمہارے دل کی بات سننا چاہوں گا۔'' مراد کے لہجے میں کچھ بہت خاص تھا، جسے وہ محسوس کرتی کچھ نہ کچھ سمجھ گئی تھی۔

''میں نے شروع سے اپنے دل میں تمہارے لئے کچھ بہت خاص محسوس کیا تھا مگر زبان پر کبھی نہ لا سکا، اپنے لئے تمہاری آنکھوں میں بھی کچھ بہت خاص دیکھنا چاہتا تھا اسی دوران وقار اور ادینہ کا رشتہ طے ہوا تو مجھے وثوق سا ہونے لگا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا، میری خواہش کی تکمیل ہوگی، تم با آسانی میری زندگی میں شامل ہو جاؤ گی مگر قسمت......وقار نے رشتے سے انکار کر کے میری محبت کو آزمائش میں ڈالا لیکن تین سال میں نے اذیت میں گزارے تب قسمت مہربان ہوئی تو ہمت کر کے تمہیں اپنانے چلا آیا کہ یوں مجھے میری زندگی مل جائے گی اور امی اور ماموں بھی پھر سے ایک ساتھ ہوں گے۔'' مراد حرف حرف جذبات میں ڈوبا پہلی مرتبہ حال دل اس پر عیاں کر رہا تھا، اپنے لئے مراد کی محبت کا انکشاف اس کے لئے خوشگوار تھا، خوبصورت تھا، بہت دلنشین تھا، اسے اپنی محبت مراد کی محبت کی سنگت سے امر ہوتی معتبر دکھائی دی تو آنکھوں رنگ اترنے لگے، چاند کی چاندنی اس کی سانسوں کو مہکانے لگی تو ہونٹ بھی شرمیلی مسکراہٹ سے سج گئے، مراد کے چہرے پر بھی طمانیت کے رنگ بکھرے تھے، آگے بڑھ کر اس نے مہ روش کا ہاتھ تھام لیا اور وہ سرشاری لاج و شرم سے نظر نہ اٹھا سکی۔

''ماموں کے کسی بھی جواب سے پہلے میں تمہارے جواب کا متمنی ہوں مہ روش......کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' پھر دوزانو اس کے سامنے بیٹھ کر دل کی گہرائیوں سے پوچھنے لگا۔ محبت تو کب کی اس کے دل میں بسیرا کئے بیٹھی تھی اور یقیناً یہ سب خاندان والوں کی خواہش اولین بھی تھی کہ دونوں گھروں میں دوبارہ سے تعلق استوار ہو، جس کے لئے یقیناً سعید صاحب بھی اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے اور یہاں سب سے ہٹ کر بات مہ روش کے اپنے دل کی تھی، تمام باتیں اپنا پیارا ذہن میں رکھ کر بالآخر اس نے اپنا سر دھیرے سے اثبات میں ہلاتے ہوئے مراد کو زندگی کی نوید سنائی۔

''تھینک یو سو مچ مہ روش......آئی ریئلی لو یو ڈیئر۔'' مراد نے اٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر دباؤ بڑھا کر چاہت سے کہا تھا، دونوں کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

رات کی تاریکی میں تنہائی اس کے سنگ کھڑی تھی، اپنی بے بسی، یاسیت، تڑپ پر وہ رنجور سا بالکل خاموش ویران آنکھیں لئے غیر مرئی نقطے پر نظریں گاڑے اپنی ہی ذات میں غلطاں تھا، اپنی ہی سوچوں سے اذیت میں گرتا......دل کی بربادی، جذبات و احساسات کی بے قدری پر پرملال سا ضبط کی حدوں سے گزرتا ہر شے ہر نفوس سے متنفر خود کو کرب کے منتشر سمندر کی بے رحم بے ہنگم موجوں کے سپرد کئے، بے چین دل، بے قرار روح، وہ ایسا تو ہرگز بھی نہ تھا، کچھ دن پہلے تک زندگی کو بھرپور انداز میں جینے کی خواہش رکھتا تھا، زندگی کے رنگوں میں رنگا ہر لمحے کو محسوس کرتا، آنکھوں میں اپنی الفت کے سپنے سجائے دل سے انہیں حقیقت کا رنگ دیتا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتا مطمئن

پرسکون سا بندہ تھا۔ جسے خواہشوں کی تکمیل کی خواہش تھی، جو ہر خوشی کو خوشی سے اپنے اندر سموتا دل کے تخت پر اپنی ملکہ کو بٹھائے محبت کے سفر میں محو ہوا میں رقصاں تھا کہ زوروں کا جھٹکا لگا، محویت ٹوٹی، آنکھوں سے سپنے، خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے۔ حقیقت میں محبت کی تلخی سامنے آئی، دل میں بھی ارتعاش سا پیدا ہوا تو تخت پر بیٹھی ملکہ نے محبت کو مذاق کہہ ڈالا، اس جنونی بے لوث بندے کو راہیں جدا کرنے کا عندیہ دے دیا، اس کی زندگی کے رنگ پھیکے کر دیئے، الفت کے سفر کو منزل کی آمد سے پہلے ہی تشنگی سونپ دی، وہ مجبور، بے بس سا بکھرتا چلا گیا، اپنی ذات، اپنی سوچوں میں الجھتا گیا، محبت میں مذاق کے ہاتھوں دل کو روگ لگا گیا۔ آنکھوں میں ویرانی اور اداسی لیے اپنی قسمت کے سنگین کھیل کے لاکھوں گلے شکوے کرتا خدا کے حضور رو دیا۔ محبت میں ناکامی نے ضبط کی ہر حد پار کی، وہ چند ہی دنوں میں مرجھا سا گیا تھا، اپنا خیال کیا کرتا، حال سے بے حال ہونے لگا تھا، ذہن سوچ سوچ کر شل ہونے کو تھا تو روح و دل بھی کرب میں مبتلا تھے۔ وہ پورا دن عذاب میں رہتا تو رات بھی کانٹوں پر گزرتی، ایسے میں صحت پر بہت برا اثر پڑنے لگا۔ ہر خوشی زندگی کے روٹھنے سے یاسیت میں بدلی تو ہر شے سے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ اب ناامید سا نیند سے بھی خفا افسردگی و ملال میں غرق رہنے لگا تو ماں کا دل بری طرح سے کھٹکا۔ آج رات بھی اس نے یونہی گزاری، رت جگے کی وجہ سے آنکھیں سوج چکی تھیں، چہرے پر بے آرامی کے آثار بہت نمایاں تھے، ناشتے کے وقت بھی صرف چائے کا کپ تھامے خالی الذہن بیٹھا تھا۔

''علی بیٹا! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' ساجدہ گیلانی ماں تھیں، یک دم اندازہ لگا گئیں، فکرمندی سے استفسار کیا، آواز پر وہ زبردستی ذہن کو مائل کرتا سیدھا ہوا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اور آہستگی سے کہا، نگاہیں ہاتھ میں پکڑے کپ پر مرکوز تھیں وہ بیٹے کے انداز و جواب سے مطمئن نہ ہوئیں۔

''کوئی بات تو ہے؟''

''کہا ناں مما میں ٹھیک ہوں، کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ ٹالنے لگا کہ خود بھی تکلیف سے گزر رہا تھا اگر مما یا ڈیڈ کو خود پر گزرے ستم کی بھنک بھی پڑنے دیتا تو وہ اس سے زیادہ بات دل پر لیتے، علی آیان ان کا اکلوتا، لاڈلا بیٹا تھا جس سے وہ دونوں بے حد محبت کرتے تھے، اس کی خوشی کے لئے جان تک دینے کو تیار رہتے تھے۔

''تم بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' حسن گیلانی بھی بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بیٹا! اگر کوئی مسئلہ ہے تو پلیز ہم سے شیئر کرو۔'' ساجدہ گیلانی نے ممتا سے چور لہجے میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے مما۔'' علی انہیں قائل کرنے کی غرض سے پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

''آر یو شیور۔''

''یس آئی ایم شیور......ایوری تھنگ از آل رائٹ......ڈونٹ وری۔''

''پھر اداس چہرہ، ویران آنکھیں کیوں؟'' حسن گیلانی نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے اسے ٹٹولنا چاہا، سو استفسار کیا۔

''رات نیند ٹھیک سے نہیں آئی اس لئے تھکن ہے۔'' وہ وجہ بتانے لگا۔

''ناشتے کے بعد کچھ دیر آرام کر لینا، یوں ہمیں بے چینی ہوتی ہے تمہیں بے سکون دیکھ کر۔'' ساجدہ گیلانی نے بڑے پیار سے اسے تاکید کی تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چائے کا آخری سپ لے کر کپ واپس رکھا۔ ساتھ ہی ہونٹ بھینچ لئے کہ یہ بے سکونی تو اب شاید تمام عمر کے لیے تھی۔

☆......☆......☆

سید جمال شاہ کا بے فکر، پر اعتماد، فخر سے بھرپور لہجہ اور آئندہ کے لئے ساتھ کی یقین دہانی مستبشرہ جمال کو اندر تک سرشار کر گیا تھا۔ ایک بیٹی باپ کا اعتبار جیت کر خوش تھی، مطمئن تھی اور اب اپنے کیے کے عین مطابق حال میں رہتے ہوئے مستقبل کو سوچ رہی تھی، اپنے تمام خوابوں کی تکمیل کی چاہت اس کے دل میں تھی، اسے منزل تک پہنچانے کی پلاننگ کر رہی تھی۔ وقت موزوں تھا۔ سب کچھ اس کے اختیار میں تھا، قسمت بھی مہربان ثابت ہوئی تھی۔ آگے بڑھنے کی تمنا نے بڑی لگن سے جدوجہد کے لئے پر پھیلا دیئے تھے، اب ایک بہت اونچی اڑان اسے بھرنی تھی، اپنے خوابوں کو پا لینے کی، حقیقت میں جی لینے کی۔ ایک دو دن میں ہی اس نے ایک مقامی اسکول میں جاب کے لئے اپلائی کر لیا تھا کہ اپنا خود کا اسکول بننے میں کافی عرصہ چاہئے تھا۔ جب تک مستبشرہ نے ٹیچنگ پریکٹس کے لئے باقاعدہ سے ایک اسکول جوائن کیا، اپنی اسٹڈی کے دوران اس نے مختلف کورس وغیرہ بھی کئے تھے کہ خواہش کی تکمیل کے لئے ایسا ضروری تھا، سو اس طرف سے بے غم تھی۔ صبح صبح اٹھ کر بڑی چاہ، جوش و جذبے سے تیار ہوتی، اماں بابا کے ساتھ ناشتہ کرتی، پھر اجازت لیتی خوشگوار موڈ میں خوشگوار فضا کو سانسوں میں اتارتی اپنی منزل کی جانب بڑھتے پہلے زینے کو بخوبی طے کرنے کی بھرپور کوشش کرتی، اسی دوران جاب اور اسکول کی تعمیر کی خبر مشارب تک پہنچی تو وہ کچھ ناراض خفا سا اس کے پاس دوڑا چلا آیا۔

''مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی مانا تم بہت قابل ہو اپنے کام خود کر سکتی ہو، مجھ ناچیز کی مدد کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بٹ جھوٹے منہ ہی کہتیں یا کم از کم اپنی خواہش مجھ سے شیئر کرتیں اپنے ارادے سے مطلع تو کرتیں''۔ نروٹھے لہجے میں گلہ کرنے لگا جس پر وہ نادم سی ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوسوری مشارب...... واقعی مجھے تمہیں بلکہ سب کو بتانا چاہئے تھا''...... سو معذرت کی۔

''اور نہیں تو کیا...... میں کوئی غیر تھوڑی نہ تھا، میں نے تو پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ اگر میں تمہارے کسی کام آسکا تو مجھے خوشی ہوگی''۔

''ہاں''۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر مزید بولی۔

''لیکن جب میں نے بابا جان سے بات کی اور انہوں نے اجازت دی تو سچی...... خوشی کے مارے کسی کو بتانے کا یاد ہی نہ رہا،

اگلے ہی دن اسکول میں ٹریننگ جاب کے لئے اپلائی کر دیا، اسکول کی زمین اور کنسٹرکشن کا کام بابا جان نے اپنے ذمے لے لیا تھا، سو بے فکری سی ایک طرف ہی محو ہوگئی''۔ وہ وضاحت دینے لگی۔

''اور ایسی محو ہوئی کہ ہمیں خود زبردستی تمہیں ہوش میں لانا پڑا''۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں''۔ وہ بھی مسکرائی۔

''اینی وے جاب کیسی جارہی ہے''۔اس نے بات بدلی۔

''بہت اچھی جارہی ہے''۔

''گڈ''۔وہ بولا پھر اضافہ کیا۔

''فیلڈ تھوڑی ٹف ہے لیکن مزے کی ہے اور فارغ بیٹھنے سے تو خود کو مصروف رکھنا بہت اچھا ہے''۔ مشارب شاہ، مستبشرہ کا فیصلہ سن کر اس کے ارادے سے خاصہ متاثر ہوا تھا۔ وہ خود پڑھا لکھا، آزاد خیال لڑکا تھا، سو اس بات کو بالکل بھی معیوب نہیں سمجھتا تھا کہ لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اپنے پاؤں پر خود کے بل بوتے پر کھڑی ہوں اور معاشرے میں اپنا نام مقام بنائیں اسی لئے وہ فلک کو بھی فورس کرتا رہتا تھا مگر فلک کی غیر دلچسپی نے اسے کسی حد تک مایوس کیا تھا، البتہ مستبشرہ کی لگن، محبت، قابلیت اور آگے بڑھنے کی جستجو نے مشارب کو اس کا دلدادہ بنایا تھا۔

''ہاں...... مجھے بھی فارغ بیٹھنا پسند نہیں ہے''۔ وہ بولی۔

''اور یہی بات مجھے تم میں اچھی لگتی ہے''...... مشارب برجستہ بولا اب کہ مستبشرہ نے خاموشی سے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''ایک مرتبہ پھر سے کہہ رہا ہوں اگر کسی بھی جگہ، کسی بھی موڑ پر تمہیں میری مدد، میرے ساتھ کی ضرورت پڑی تو مجھے ضرور کہنا...... میں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا''۔ وہ خوش دلی سے پیش کش کرنے لگا۔

''کیوں نہیں ضرور''۔

''اور پھوپھا جی کی طرف بھی چکر لگاؤں گا، زمین تو خیر اپنی ہے اس کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا البتہ کنسٹرکشن کا کام ایک فرد کے لئے سر درد کے سوا کچھ نہیں، جب تک تمہارا اسکول نہیں بن جاتا میں ان کے ساتھ رہوں گا''۔ وہ خلوص دل سے بول رہا تھا۔

''تھینک یو مشارب''۔ کچھ دیر دونوں باتیں کرتے رہے پھر مشارب پھپھو کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھ کر چلا آیا۔ ہمیشہ کی طرح مستبشرہ سے ملاقات کے بعد واپسی پر اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ گاڑی گھر کی طرف دوڑاتے ہوئے بھی وہ مستبشرہ جمال کے بارے میں سوچ رہا تھا بلکہ جانے انجانے میں اس کا فلک شاہ سے موازنہ کر رہا تھا، مستبشرہ کی تعلیمی قابلیت اور فلک کا تعلیم سے چڑ چڑا پن، اکتاہٹ آمیز تاثر، وہ محض سوچ کر رہ گیا۔ شام کے سائے دھیرے دھیرے پھیل رہے تھے، موسم بھی سہانا تھا، ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی، گھر پہنچ کر

گاڑی لاک کرتا وہ اندر کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔نظر لان میں ٹہلتی فلک پر جم گئی جو اپنے ہی خیالوں میں محو ارد گرد سے بالکل بے نیاز تھی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کی جانب بڑھا اسے آواز دی جسے شاید اس نے سنا ہی نہیں کہ سارا دھیان کسی اور طرف تھا، وہ قدرے حیران سا اب کہ کندھے اچکاتا آگے بڑھا۔اسے بازو سے پکڑ کر دھیرے سے جھنجھوڑتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلانے لگا۔فلک کی سوچوں میں ارتعاش سا پیدا ہوا،تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی،ساتھ ہی ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آئی۔

''کیوں جی فلک صاحبہ......کہاں گم تھیں؟''

''تمہارے پیار میں''۔برجستہ جواب دیا،مگر صرف دل میں بظاہر خاموش رہی۔

''لگتا ہے کچھ بہت خاص سوچ رہی تھیں؟'' وہ فلک کی خاموشی پر دوستانہ لہجے میں شوخی سے استفسار کرنے لگا۔

''ہاں......میرے لئے سب سے خاص تم ہی ہو''۔سیکنڈ سے پہلے جواب دیتی ایک مرتبہ وہ پھر اس کے سامنے خاموشی کا لبادہ اوڑھے اندر ہی اندر بولی۔

''مجھے لگتا ہے تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے''۔مشارب یک دم سنجیدہ ہوتا اسے بغور دیکھنے لگا۔

''اونہہ ہوں......محبت کو مسئلہ نہیں کہتے، یہ تو بہت خوبصورت احساس ہے، زندگی جیسا، پھول، خوشبو، دھنک کے رنگوں جیسا حسین احساس''۔ایک مرتبہ وہ پھر اس سے بڑے پیار بھرے انداز میں مخاطب ہوئی مگر چپکے سے دل میں اور آنکھیں چہرے پر پڑتی تپش محسوس کرتی جھک سی گئی تھیں،مشارب اصلیت سے ناواقف اس کی مسلسل چپ پر کچھ حیران سا......ناسمجھی کے عالم میں دوبارہ بولا۔

''تمہارے ساتھ واقعی کوئی مسئلہ ہے''۔اب کہ لہجے میں وثوق کی لہر تھی۔

''ن......نہیں تو''۔فلک نے اس کی بات پر بالآخر بظاہر خاموشی توڑی اور بوکھلاہٹ کے ساتھ یہ دو الفاظ ادا کئے۔

''ہاں تو......'' مشارب نے اپنی بات پر زور دیا۔

''نہیں تو......'' جبکہ فلک شاہ اپنی بات پر قائم تھی۔

''اگر کوئی پریشانی ہے تو تم مجھے بتاؤ؟'' وہ اس کے انکاری لہجے کو نظر انداز کرتا سنجیدگی سے استفسار کرنے لگا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے''۔فلک کو اس کا تفتیشی انداز بہت عجیب لگا کہ اسے کوئی پریشانی کوئی مسئلہ تھا کہاں؟......یہ لاج و شرم یہ چپ پلکیں جھکانا تو سب محبت کا اثر تھا،سو فوراً کہہ ڈالا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے بس تم سے محبت ہوگئی ہے''۔مگر ایک مرتبہ پھر سے دل میں۔

''میں تمہارا دوست ہوں فلک کہہ دو سب۔''

''کوئی خاص بات نہیں ہے''۔مختصراً کہا۔

''میں نے محسوس کیا ہے تم بدلتی جا رہی ہوں، پچھلے کئی دنوں سے چپ چپ سی رہنے لگی ہو، نہ کسی بات کا پہلے، کی طرح جواب دیتی ہو نہ لڑتی ہو نہ ہنستی ہو، نہ مسکراتی ہو''۔ مشارب دوستانہ لہجے اسے کہنے لگا، فلک نے بغور اسے دیکھا یا شاید اسے کھوجنا چاہا، مگر اگلے ہی لمحے سر جھٹک کر خیالات کی دنیا سے مکمل طور پر باہر آئی۔

''روتی بھی تو نہیں ہو''۔ اور اپنے سابقہ رویئے کی ٹون سنبھالی۔

''مطلب؟''

یہی کہ اگر میرے ساتھ کوئی مسئلہ ہوتا تو تم جانتے ہو مجھے، میں رو رو کے زمین سر پر اٹھا لیتی جبکہ ایسا نہیں ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں، بس امی نے اتنا کام سر پر ڈال دیا ہے۔ جبکہ ہنسی پر سنجیدگی غالب آنے لگی ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے''۔ فلک اپنے مخصوص انداز میں کہتی اپنی کیفیت چھپاتی بڑی مہارت سے بات بدل کر سارا کا سارا الزام اس پر ڈال گئی۔

''میری وجہ سے؟'' جس پر وہ چونکا۔

''جی...... نہ تم میرے فیل ہونے کا ذکر مرچ مصالحہ لگا کر امی سے کرتے نہ وہ مجھ پر کام کے پہاڑ توڑتیں، نہ میری ہنسی گم ہوتی اور نہ میں سنجیدہ ہوتی''۔ وہ جذباتی ہوئی...... لب و لہجے میں وہی پرانا تاثر تھا، دوستی و لڑائی کی ملی جلی جھلک تھی، فلک نے کمال ہوشیاری سے بات سمیٹتے ہوئے خود کو دل ہی دل میں باتونی ہونے پر گویا شاباش بھی دی تھی، مشارب شاہ اس کے انداز اس کی بات پر کھل کر مسکرایا۔

''اور یہ جانتے ہو کتنے دن ہوئے نہ میں نے نیٹ یوز کیا ہے، نہ ڈائجسٹ پڑھا ہے''۔ وہ پھر سے بولی، آواز میں دانستہ دکھ و افسردگی اتاری۔

''کیوں......؟''

''بس اب دل نہیں چاہتا''۔

''کیوں......؟''

''اب ہر سوال کا جواب دینا ضروری ہے''۔ اب کہ مشارب کے اس کیوں کا جواب...... فلک کے دل میں پلتی محبت تھی۔ جسے وہ بے ساختہ یا بے دھڑک زبان پر نہیں لاسکتی تھی، سو بات بدلنے کی غرض سے الٹا سوال کیا۔

''جی ہاں ضروری ہے''۔ وہ ہنسا۔

''نہ جی...... کوئی ضروری نہیں ہے''۔

''کیوں نہیں ہے؟'' وہ فل موڈ میں تھا کہ آج بہت دنوں بعد اس نے فلک کو اپنے سابقہ رویئے میں پا لیا تھا۔

''بس نہیں ہے''۔

''پھر......؟''

''تم بتاؤ کہاں سے آ رہے ہو؟'' سہولت سے بات بدل کر استفسار کیا۔

''زہرہ پھپھو کی طرف گیا تھا۔''

''کس لئے؟''

''تمہیں پتہ ہے مستبشرہ نے جاب شروع کی ہے ٹیچنگ کر رہی ہے وہ اور بہت جلد اپنا ذاتی اسکول اسٹارٹ کرے گی جس کی کنسٹرکشن کا کام پھوپھا جی کی زیرنگرانی شروع ہو چکا ہے۔'' وہ اسے بتانے لگا۔

''ہیں...... سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ چونکی تھی یہ سن کر۔

''سچ کہہ رہا ہوں...... واقعی یار۔ بہت قابل ذہین لائق لڑکی ہے مستبشرہ اور باہمت بھی ہے، پہلے اتنی مشکلوں سے اجازت لے کر دوسرے شہر پڑھنے گئی، چار سال ہوسٹل میں رہی، باعزت طریقے سے اپنی تعلیم مکمل کی اور اب اپنے ہنر اور علم کو ضائع کرنے کے بجائے آگے پھیلانا چاہتی ہے، مجھے تو اسے دیکھ کر رشک آتا ہے، خاندان والوں کو، پھوپھا جی کو اس پر فخر کرنا چاہئے''۔ مشارب شاہ خوشی خوشی اسے بتا رہا تھا، جبکہ فلک ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے سن رہی تھی۔

''ہاں پر کیا ضرورت ہے اسے خود کو مزید جھمیلوں میں ڈالنے کی، پڑھنا کیا اس کے لئے کافی نہیں تھا...... جواب اور خوابوں کو دعوت دے رہی ہے''۔ وہ پھر دوٹوک بولی، خود کو پڑھائی پسند نہ تھی اور دوسروں کی مصروفیت سے بھی اکتاہٹ محسوس کرتی تھی۔

''خواری کیسی......؟'' بے کار فضول میں بیٹھنا، گھر کے کام کرنا روزمرہ کی باتیں یہ تو سبھی لڑکیاں کرتی ہیں مگر اصل ٹارگٹ تو خود کو منوانا، سوسائٹی میں نام اور مقام بنانا ہے، میرے نزدیک زندگی کو اس کے تمام رنگوں میں رنگ کر جینا چاہئے، مجھے تو پڑھی لکھی، باصلاحیت، باہمت لڑکیاں اچھی لگتی ہیں، اینڈ مستبشرہ میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں، وہ پھر خود کو ضائع کیوں کرے۔'' مشارب فلک سے الگ سوچ رکھتا تھا سو صاف بولا۔ آواز لب و لہجے میں مستبشرہ کے لئے ستائش و عزت تھی۔

''پڑھی لکھی تو میں بھی ہوں۔'' جبکہ فلک کا ذہن تو مشارب کے ایک جملے پر اٹکا ہوا تھا کہ اسے پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں، سو اس کا آخری سوال نظرانداز کرتی کہنے لگی۔

''ہاں پر تم میں اور مستبشرہ میں بہت فرق ہے''۔ وہ اس کے انداز میں ہنسا...... پھر غیر سنجیدگی سے بولا۔

''کیسا فرق؟''

''پھر کبھی بتاؤں گا فی الحال تم ایسا کرو کہ ایک کپ گرما گرم چائے کا خود میرے لئے بنا کر لاؤ، اس دن بہت اعلیٰ چائے بنائی تھی تم نے''۔ مشارب نے بات بدلی۔

''سچ میں؟'' وہ تعریف پر کھل اٹھی۔

''ہاں سچ میں''۔

''مگر وہ تو میں نے تکُے سے بنائی تھی''۔ اسے فکر پڑی۔

''آج بھی تکُے سے بناؤ، کیا پتہ تکہ چل جائے''۔ وہ ہنسا۔

''اور اگر نہ چلا تو......؟'' برجستہ پوچھا۔

''تو اپنی کرنی تم خود بھگتو گی''۔ وہ شرارت سے کہتا اندر کی جانب بڑھا۔

''نہ جی نہ۔'' فلک نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے پیچھے سے ہانک بلند کی تو وہ ہنستا ہوا اندر داخل ہو گیا، فلک خوشگوار احساس مسکراتے چہرے کے ساتھ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

''نہیں ہے یہ ممکن''۔ نہایت بے بسی کے عالم میں وہ بولا تھا۔

''کچھ ناممکن نہیں ہے میرے یار اتم چاہو تو سب ممکن ہو سکتا ہے''۔ عمر نہایت نرم دھیمے و ہمدرانہ لہجے میں اسے قائل کرنے لگا، علی نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا، پھر آنکھیں موند گیا۔ دل کی حالت بھی عجیب ہوئے جا رہی تھی، نس نس میں دوڑتے خون میں کرب و اذیت شامل ہوئے اسے ان دیکھی آگ میں مسلسل جلائے جا رہے تھے۔ آنکھیں بند کیے وہ خود کو جانچ رہا تھا، اپنے دل کو زبردست دھوکے و فریب کھانے کے بعد ٹٹول رہا تھا۔ جہاں اسے یہ محسوس کرنے میں ذرا بھی دقعت کا سامنا نہ کرنا پڑا کہ ہجر و نارسائی کی نہج پر کھڑے ہو کر بھی اس کے بے مول کیے گئے جذبات، یاسیت و ملال میں ڈوبے آج بھی مستنشرہ جمال کی محبت خود میں سموئے اسے بھولنے سے انکاری تھے۔

''کیوں......؟'' اس کا جواب وہ خود بھی جانتا تھا اور اس کا دوست عمر بھی۔

جب عشق، محبت سچائی سے مزین، بے ریا، بے لوث احساسات و جذبات خود میں سموئیں تو دھوکہ، آزمائش دیمک کی طرح دل کے زور، جستجو لگن کو کھوکھلا کر دیتی ہے مگر خود میں اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ اپنی شدت سے محبت کی سچائی دلدل میں دھکیلے ایک مخلص شخص کے دل سے جذبات، امید اور آنکھوں سے خواب چھین سکے، اور علی نے تو مستنشرہ کو خود سے بڑھ کر چاہا تھا، اس کی پرستش کی تھی، اپنے دل میں اسے محبت کی عقیدت سے وہ اعلیٰ مقام دیا تھا کہ اس مقام کو اس کے وجود سے خالی پا کر مر جانے تک کو تیار تھا نا کہ زندہ رہتے ہوئے اسے بھولنا، بھول کر بھی وہ خود کو اپنے دل کے سامنے اس خطا کا ذمے دار نہیں ٹھہرانا چاہتا تھا۔

''پلیز علی......خود کو سنبھالو''۔ عمر نے فکر مندی سے آگے بڑھ کر اسے ہلایا۔ اس نے آہستگی سے آنکھیں وا کیں، تو آنکھوں میں غم کا سمندر موجزن تھا، ایک بے قرار جہاں آباد تھا۔

''میں اسے نہیں بھول سکتا عمر!'' علی کے لہجے میں تڑپ تھی۔

''تمہیں اسے بھولنا ہوگا علی!''

''میں اسے بھولنا نہیں چاہتا''۔

''کیوں......؟''

''اس میں بسی ہے وہ''۔ علی آیان حسن گیلانی نے ضبط کی حدوں سے گزرتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا۔

''میرے جذبات میں رچی ہے وہ، اسے بھولنا میرے لئے ناممکن ہے''۔

''اسے تمہاری کوئی فکر نہیں تھی، نہ اس نے تمہارے جذبات کی قدر کی، نہ تمہاری محبت کی پکارسنی، پھر کیوں بے کار میں خود کو اس کی یادوں سے خوار کر رہے ہو''۔ عمر دوست کے لئے فکر مند تھا......دوست کی بہتری کے لئے سمجھانے والے انداز میں بولا۔ لیکن شاید علی کو کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

''اس کی یاد ہی میرا سہارا ہے اب''۔

''یادیں کھوکھلا سہارا ہوتی ہیں میرے دوست، خود کو خود ساختہ اذیت میں مت ڈالو، میں نے مستبشرہ جمال کی آنکھوں کو صاف پڑھا ہے، وہاں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے، نہ محبت، نہ احساس، نہ ہمدردی......وہ ایک خودسر گھمنڈی لڑکی ہے، اس نے اپنی راہیں تم سے جدا رکھی ہیں، اس کی منزل کے راستے تمہاری طرف نہیں آتے''۔ وہ دوست کی حالت کے پیش نظر عمر کے لہجے میں مستبشرہ کے لئے سختی و نفرت تھی۔

''لیکن میری منزل تو وہ ہے پھر میں کیونکر اپنی راہیں بدلوں''۔ علی دیوانگی کے عالم میں بولا۔

''کیسے سمجھاؤں میں تمہیں؟ وہ تمہاری طرف لوٹ کے نہیں آئے گی کبھی بھی نہیں......اس کا انتظار بے کار ہے''۔

''مجھے اس کا انتظار نہیں ہے''۔ علی جواباً صاف بولا......لہجہ دوٹوک تھا۔

''پھر......؟'' عمر حیران ہوا۔

''میں نے اس سے سچا پیار کیا ہے، اسے دل میں تمام تر شدتوں سے بسایا ہے بس میں اسے بھول نہیں سکتا، نہ ہی بھولنے کی کبھی کوشش کروں گا''۔ وہ قطعیت سے بولا۔

''تم پاگلوں جیسی بات کر رہے ہو علی......'' عمر افسوس زدہ نظروں سے اسے دیکھتا اسے کہنے لگا۔

''شاید''۔ علی آیان، عمر کی بات سے گویا متفق تھا، عمر جواباً خاموش ہی رہا، پھر کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا، اس کے جاتے ہی علی نے برداشت کی حدوں سے گزرتے ہوئے سختی سے ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کیں تو اس دفعہ آنکھوں کے گوشے سے دو پانی کے قطرے پلکوں کا

بند توڑ کر گالوں پر پھسلنے لگے، وہ جلتی آنکھیں لئے کھڑکی کی طرف چلا آیا اور دور عرش پر نگاہیں جمائے عجب بے کل، بے قرار ہو کر اللہ سے ہم کلام ہوا۔

''کیوں مستبشرہ! کیوں کیا میرے ساتھ سنگین مذاق؟ مجھے ہجر کی آگ میں پھینک کر کیوں چلی گئی ہو؟'' اب وہ اس سے مخاطب تھا جو اس کی دسترس سے دور بہت دور تھی۔

''کیوں محبت کو میرے لئے روگ بنایا...... کیوں؟'' لب و لہجے میں شدت تھی۔ وہ اس وقت قابل رحم حالت میں تھا اگر مستبشرہ جمال اسے اس حالت میں دیکھ لیتی تو یقیناً اپنے کیے پر ایک لمحے کو ہی سہی مگر پشیمان ضرور ہوتی، مگر افسوس وہ اب علی کے پاس نہیں تھی نہ ہی اسے غم دے کر غم سے نکالنے کے لئے آسکتی تھی، بندے تو اپنی کرنی کر لیتے ہیں مگر اصل دخل تو قسمت زندگی میں دے کر سب کچھ امید کے برعکس کر کے تڑپنے پر مجبور کر دیتی ہے اور علی، بندے اور قسمت دونوں کی مار کھا کر حال سے بے حال اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھنے کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا، جہاں سے سب کچھ ریت کی مانند اس کی زندگی سے پھسل کر اسے تہی داماں کئے نکل چکا تھا۔

☆......☆......☆

کلثوم پھپھو نے مراد کے لئے مہ روش کا ہاتھ مانگ کر جہاں سب کو حیران کیا تھا۔ وہیں سب کے چہروں پر خوشی وانبساط کے رنگ بکھرتے چلے گئے، سعید صاحب تو پھولے نہ سمارہے تھے۔ تین سال قبل وقار کا ادینہ سے شادی کے لئے انکار انہیں بہن سے الگ کر گیا تھا، جس کا انہیں بہت ملال تھا اور جس کے بعد بہن سے دوبارہ تعلقات استوار ہونے کی خواہش انہیں محض خواب دکھائی دیتی تھی، وہ بیٹے کے کیے پر اپنی نظروں میں شرمندہ تھے۔ کسی بھی طرح خاندان سے رنجشیں مٹانا چاہتے تھے مگر کوئی راہ ان کی نظر میں نہ تھی۔

لیکن شاید خدا نے ان کے دل کی بات سن کر ان کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا تھا، سب کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں، ان کی بہن خود ان کے در پر آئی تھی، تمام رنجشیں مٹانے، پرانے تعلقات کو تازہ کرنے، پائیدار بنانے، مہ روش کو اپنی بیٹی بنا کر اپنے بھائی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مضبوط تعلقات قائم کرنے، بڑی چاہ سے کلثوم پھپھو نے سعید صاحب سے مراد منصور کے لئے ماہی کو مانگا اور سعید صاحب کی تو یہ دلی خواہش تھی کہ ان کا خاندان، بہن پھر سے آپس میں ایک ہو کر رہیں، آپس کے رشتے مضبوط سے مضبوط تر اور پائیدار ہوں، جسے وقار سے مایوسی کے بعد مراد کی ذات پورا کرنے جارہی تھی ان کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی، سو کہیں سے بھی انکار کا جواب ممکن نہ تھا انہیں کوئی اعتراض نہ تھا، باقی گھر والے بھی رضامند و خوش تھے سو سعید صاحب نے فوراً سے ہاں کہہ کر بہن اور بھانجے کو خوش کر دیا۔ کلثوم پھپھو اور مراد منصور کی پہلی پیش قدمی اور مثبت پیش رفت سے سب کے دلوں میں معتبر مقام تو پا ہی چکے تھے، سو گھر بھر میں خوشیوں کے شادیانے سنائی دینے لگے۔ ہر ایک مکین خوش تھا، مراد بھی سرشار سا تھا، مہ روش تو پہلے ہی مراد کے سامنے اقرار کر چکی تھی۔ اپنی منزل اپنی محبت با آسانی پانے کی خوشی کو ابو اور گھر والوں کی خوشی نے دوبالا کر دیا تھا، تمام تر رضامندی پانے کے بعد کلثوم پھپھو

نے اپنی جگہ بھی ماہی سے اس متعلق بات کی، جس پر اس نے محض سر ہلانے پر ہی اکتفا کرتے ہوئے اپنی طرف سے رضامندی ظاہر کر دی، البتہ چہرے پر بڑی گہری اور مسحور کن مسکراہٹ تھی۔ کلثوم بیگم نے اسے خود سے لگا کر خوب پیار کیا، رسماً دستوراً خوشی سے کئی نوٹ اس کے سر پر وارے، اسے الگ سے نوٹ دیئے اور سعید صاحب کی طرف چلی آئیں، انہیں بتایا کہ آج جانے کا ارادہ رکھتی ہیں کہ مراد کو بھی کوئی ضروری کام ہے اور جانے سے پہلے مہ روش کو مراد کے نام کی انگوٹھی پہنا کر جانا چاہتی ہیں، فوراً منگنی پر تو انہیں کوئی اعتراض نہ تھا سو حامی بھر لی البتہ آج ہی جانے پر انہوں نے صاف منع کر دیا۔ مراد نے ضروری کام کا عذر پیش کیا تو اسے بھی شفقت سے جھڑک کر روک لیا۔ سو وہ مجبوراً خاموش ہو کر دو تین دن مزید رکنے پر رضامند ہوا تو منگنی بھی آج کے بجائے کل کی تاریخ و دن پر طے پائی۔ سبھی خوشی خوشی تیاریوں میں محو ہو گئے، ادینہ نے اپنی جگہ سب کو مبارکباد دی، ماموں سے بھی بہت دیر تک بات کی، سب سے آخر میں باری مہ روش کی آئی تھی، مہ روش موبائل لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''بہت بہت مبارک ہو مہ روش۔'' ادینہ کے لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

''تھینک یو۔''

''آج میں بہت خوش ہوں سب کتنا اچھا ہونے جا رہا ہے۔'' ادینہ بولی۔

''ہاں۔'' ماہی نے جواباً اتنا ہی کہا۔

''اور دیکھو تو مراد کتنا گھنا نکلا، کبھی بھنک تک نہیں پڑنے دی کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اس بات کی خوشی ہے کہ اس نے تم جیسی خوبصورت، پرفیکٹ لڑکی کا انتخاب کیا اور بروقت کیا، وہ تمہیں پا کر اپنے نصیب پر یقیناً بہت ناز کرے گا اینڈ آئی ایم وری ہیپی کہ تم میری بھابی بنو گی۔'' ادینہ کی بات پر اس نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''اچھا انگیجمنٹ آج ہی ہے ناں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''نہیں اب کل ہے...... ابو نے پھپھو کو دو تین دنوں کے لئے روک لیا ہے اس لئے آج کی ارجنٹ انگیجمنٹ کا پروگرام کینسل ہو گیا ہے، کل شام کو ہو گی۔'' ماہی نے بتایا۔

''چلو اچھا ہے...... میں نے بھی امی سے کہا تھا کہ اتنی جلدی ایک ہی دن میں آناً فاناً نہ کریں، مراد اکلوتا ہے دھوم دھام سے اس کی انگیجمنٹ کریں گے مگر مراد کو شاید ضروری کام تھا لیکن اچھا ہوا ماموں نے انہیں روک لیا، اب تم آج ہی مراد کے ساتھ مارکیٹ جاؤ، اپنی پسند کا ڈریسنگ لو، رنگ پسند کرو۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر وہ مسکرا کر اسے کہنے لگی۔

''مراد کے ساتھ......؟'' ماہی نے حیرت ظاہر کی۔

''اور نہیں تو کیا۔'' وہ ہنسی۔

’’نہیں مجھے اب ان سے شرم آتی ہے۔‘‘ وہ صاف بولی۔

’’ارے پگلی ......شرم کو فی الحال سائیڈ پر رکھو، یہی تو وقت ہوتا ہے اپنی من مانی اور شوہر کی جیب ہلکی کرنے کا ورنہ بعد میں بالکل قابو نہیں آتے۔‘‘ ادینہ خوشگوار وہ ہلکے پھلکے موڈ میں قدرے شرارت سے بولی تو ماہی ہنس دی۔

’’ضرور جانا آج۔‘‘ ادینہ نے پھر اسے تاکید کی۔

’’اوکے ٹھیک ہے ضرور جاؤں گی۔‘‘ اس نے حامی بھری پھر بات بدل کر توقف کے بعد اس سے استفسار کیا۔

’’ادینہ! تم بھی آؤ نا، مجھے بہت خوشی ہوگی۔‘‘ انداز میں گزارش تھی......جھجک بھی تھی۔

’’میں کیسے آسکتی ہوں۔‘‘ وہ اتنا ہی بولی۔ لب و لہجہ اگرچہ نارمل تھا لیکن ماہی کو اپنی جگہ شرمندگی و ندامت نے گھیرا تھا۔

’’کیا تم سب کچھ بھول نہیں سکتیں۔‘‘ مہروش نے آہستگی سے استفسار کیا لہجے میں ہلکی سی جھجک کی جھلک بھی نمایاں تھی۔

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 3

''میں تو سب کچھ بھولنا چاہتی ہوں مگر حالات کچھ بھی بھولنے نہیں دیتے۔'' ادینہ عجب الجھے کھوئے انداز میں بولی جیسے آج تک اذیت کا شکار ہو۔

''میں وقار بھائی کی طرف سے تم سے معافی مانگتی ہوں۔'' ماہی پشیمانی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتری تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ماہی۔'' ادینہ نے جواباً اتنا ہی بولا...... پھر توقف کے بعد مزید اضافہ کیا۔

''اچھا ماہی! میں تم سے پھر بعد میں بات کروں گی لگتا ہے معید آ گئے ہیں۔ڈور بیل کی آواز آ رہی ہے۔'' ساتھ ہی اجازت طلب کی۔

''او کے ٹھیک ہے، اللہ حافظ۔'' مہ روش نے بھی آخری کلمات ادا کرتے ہوئے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

جبھی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو دھیرے سے پلٹ کر دیکھا، نظر اندر داخل ہوتے مراد منصور کی نظروں سے ٹکرائی، مراد اس کی جانب جاذب مسکراہٹ پاس کرتا اس کے قریب آ بیٹھا۔ مہ روش اپنی جگہ سمٹی، رشتہ طے ہونے کے بعد مشرقی لاج و شرم کے گہنے وہ پہن چکی تھی، وہاں سے اٹھ کر بھاگی تو نہیں البتہ نظریں جھکا لیں تھیں۔

''ہو چکی بات......؟''

''جی۔''

''کیا کہہ رہی تھی ادینہ......؟'' مراد نے اس کی سمت جھک کر پوچھا۔ساتھ ہی اشتیاق چاہت بھری نظریں اس کے سندر مکھڑے کے طواف پر لگا دیں۔

''یہی کہ......'' وہ کہتے کہتے اک پل کو رکی۔

''کہ......؟'' وہ سوالیہ تھا۔

''آپ کے ساتھ مارکیٹ جاؤں، انگیجمنٹ ڈریس اینڈ رنگ اپنی پسند سے لوں۔'' وہ تیزی سے بولی، آنکھیں ہنوز جھکی تھیں۔

''سو......؟'' مراد نے نارمل پوچھا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا، اور اس وقت وہ آیا بھی ماہی کی طرف اسی سلسلے میں تھا کہ کلثوم بیگم بھی یہی چاہتی تھیں۔

''ابھی چلیں پھر مارکیٹ......؟'' مراد نے پھر پوچھا۔وہ خاموش تھی، وہ دھیرے سے مسکرایا کہ ماہی کی شرم سے واقف تھا۔

''تم سے پوچھنا کیا، شرماتی ہی رہو گی چلو اٹھو پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ میں تمہارا انتظار کرتا ہوں، پھر تم مجھ سے ڈھیر ساری شاپنگ کروانا اپنی پسند سے۔'' وہ کہتا ہوا اٹھا، مہ روش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کم آن ہری اپ...... مائے لو۔'' کہتے ہوئے وہ شوخ مسکراہٹ چہرے پر سجائے کمرے سے باہر نکل گیا، مہ روش بھی تیار ہونے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

فلک کی مصروفیت کام کے بجائے سوچوں وخیالوں میں بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی عادت سی بنتی جا رہی تھی کہ جلد از جلد ماں کے بتائے کاموں سے فرار پاتی اور اپنے کمرے، چھت یا گھر کے کسی بھی خاموش پرسکون گوشے میں چپکے سے سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی اور پھر گھنٹوں مشارب شاہ کی محبت کے پرسحر مسحور کن احساس میں خود کو پابند کر لیتی، سپنوں کی رنگین، دلنشین محفل سجاتی کہ ابتداء میں خواب حقیقت سے زیادہ خوبصورت تھے۔ ساتھ ہی فیصلہ بھی کر لیا کہ سب کے سامنے اور خصوصاً مشارب شاہ کے سامنے اب کم از کم اپنی کیفیت پر اختیار رکھے گی، جب تک مشارب اظہار میں پہل نہیں کرے گا وہ بھی کوئی رسپانس نہیں دے گی، البتہ خاموشی کے بعد اپنے سابقہ رویئے و انداز میں باتیں کرے گی کہ شاید ابھی فوراً سے مشارب شاہ بھی اپنے دل میں موجود فلک کی محبت کو ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ کیوں؟ فلک شاہ کسی کیوں کے چکر میں پڑے بغیر بے فکر ہو کر اپنی سوچ وخیال کی دنیا میں بس خوش تھی، اپنے اس قیاس کے سچ ہونے کا اسے سو فیصد یقین تھا کہ اس کی محبت دوطرفہ ہے، پھر پریشانی کیسی......؟ محبت کا پودا، جذبات واحساسات کی آبیاری سے خود بخود پروان چڑھتا ہے اور ضروری بھی نہیں ہوتا کہ ہر بار ابتداء میں ہی اظہار کیا جائے، بعض اوقات دونوں اطراف کی خود ساختہ خاموشی اسے اپنے ہی طریقے سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مضبوط کرتی ہے اور فلک کا وثوق اسے مطمئن کر گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خاموش رہ کر سب کی نظروں میں آنے کے بجائے اپنی سابقہ ٹون اختیار کرتے ہوئے چاہتوں کے سفر میں آگے بڑھے گی، اس کے ناداں دل کے نزدیک محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی، یہ تو دو دلوں کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے جسے کبھی آنکھیں سلجھا لیتی ہیں تو کبھی لفظوں کا خوبصورت امتزاج، وہ بدلتی سوچ، فیصلے کے ساتھ گنگنا کر اٹھی اور ڈائجسٹ اٹھائے باہر لاؤنج میں صوفے پر آ کر لیٹ کر پڑھنے لگی کہ شومئی قسمت جبھی فہمیدہ بیگم کا وہاں سے گزر ہوا۔

''تم نہیں سدھرو گی فلک۔'' انہوں نے رکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ڈائجسٹ لے کر بند کرتے ہوئے کہا، وہ اٹھ بیٹھی۔

''سدھر جاؤ میری بچی! سدھر جاؤ اب۔'' وہ عاجز آ گئیں۔

''سدھرنے سے کیا فائدہ اماں حضور۔'' برجستہ پوچھا گیا۔

''تمہارے سسرال والوں کو کیا منہ دکھائیں ہم کہ ایک ہی بیٹی ہے اور وہ بھی نکمی، نہ کام کی نہ کاج کی، بے کار کی باتیں، اگر یہی حال رہا تو سسرال والے دوسرے ہی دن ہاتھ سے پکڑ کر واپس لا بٹھائیں گے۔ بے عزت کرواؤ گی تم ہمیں، لڑکیاں تم جیسی غیر ذمے دار،

بے فکر تو نہیں ہوتیں، تمہاری عمر کی لڑکیاں ماؤں کو کام کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتیں۔ اور ایک تم ہو جو ایک کام کو ہاتھ تک نہیں لگاتی تم نے تو مجھے سولہ سال کی جوان لڑکی بنایا ہوا ہے۔'' فہمیدہ بیگم نے اسے اچھا خاصا سخت سنا ڈالا۔

''یہ تو آپ کے لئے بہت خوشی کی بات ہے، شکر کریں اللہ کا جو آپ اتنی باہمت، جوان خوبصورت ہیں، صحت مند ہیں ورنہ تو روتیں ہیں عورتیں خود کو لے کر...... کبھی جوڑوں کا درد، کبھی یہ بیماری کبھی وہ بیماری۔'' جواباً وہ تڑاخ سے بولتی انہیں فخر دلانے کی سعی کرنے لگی۔

''پتہ نہیں تمہارا کیا بنے گا۔''

''جو بھی بنے گا اچھا بنے گا، آپ بے فکر ہو جائیں اور وہ جو آپ ابھی کہہ رہی تھیں نا کہ سسرال والے دوسرے دن ہاتھ پکڑ کر واپس لا بٹھائیں گے تو اچھی بات ہے وہاں بھی کام سے بچت ہو جائے گی، یہاں مزے سے آرام کروں گی اور آپ کے داماد کو بھی یہیں لے آؤں گی، بس آپ دیکھئے گا۔'' پھر یاد آنے پر بولی، انداز میں شوخی و شرارت تھی۔

ماں سے جرح میں لطف لیتی ان کے غصے کو ہوا دینے لگی، کچھ ذہن میں خیال بھی کوندا کہ مشارب سے شادی کے بعد اپنا ہی گھر سسرال ہوگا، پھر فکر کیسی؟

''بکومت...... تمہیں تو میں اتنی دور بیاہوں گی کہ ترس جاؤ گی سب کو دیکھنے اور آرام کے لئے۔'' وہ تنگ آ کر بولیں۔

''امی! آپ اتنی تنگ ہیں مجھ سے......'' یہ بات اس کی غیر سنجیدہ طبیعت پر گہرا اثر کر گیا تھا۔

''اور نہیں تو کیا...... اپنی حرکتیں دیکھو، شرم فکر نام کی چیز نہیں ہے تم میں، اتنی بچگانہ سوچ اور باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں، لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ ماں کچھ سکھاتی نہیں ہے، باتیں تو سننی پڑتی ہیں مگر تمہیں کیا فکر...... مگن رہو اپنی دنیا میں، لو پڑھو ڈائجسٹ......'' وہ خفا سی بولیں۔ فلک یکدم کچھ نادم سی ہوئی تو فوراً آگے بڑھ کر انہیں اپنے حصار میں لیا۔

''سوری امی...... آپ تو خفا ہو گئیں...... آئی ایم سوری مما۔''

''ہٹو پیچھے اب۔'' وہ بولیں مگر فلک نے اپنا حصار اور مضبوط کر لیا۔

''نہ جی نہ۔ ایسے کیسے ہٹ جاؤں، آپ میں تو میری جان ہے اور آپ کو میں شرمندہ نہیں کروں گی مزید لیکن پلیز تھوڑا انتظار کر لیں پھر میں سب سیکھ لوں گی اور پلیز مجھے خود سے دور بھیجنے کا سوچئے گا بھی مت، میں اس گھر سے دور نہیں رہ سکتی، آپ سب کے بغیر، بنا آپ کو دیکھے میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔'' وہ قدرے جذباتی ہوئی۔

''ایسے تو نہ کہو۔'' وہ اس کی بات پر خفا سی اسے گھورنے لگیں۔

''ٹھیک ہے مگر آپ مجھے خود سے دور نہیں بھیجیں گی۔''

''اچھا نہیں بھیجتی۔''

''ٹھیک ہے پھر میں سب کام سیکھوں گی۔''

''کب......؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''FA کے بعد۔''

''دوبارہ پیپر کب دو گی؟''

''دو ماہ بعد......'' اس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے پھر جب تک کتاب پڑھو۔'' اب کہ انہوں نے نرمی سے کہا۔

''کتاب سے پہلے ایک کہانی پڑھ لوں۔'' فلک پیچھے ہٹتے ہوئے ڈائجسٹ اٹھا کر بولی بلکہ اجازت لی۔

''پڑھ لو مگر یاد رکھنا ایف اے کے بعد سب کام سیکھنے ہوں گے۔'' فہمیدہ بیگم نے اجازت دیتے ہوئے اسے باور کروایا۔

فہمیدہ بیگم بھی مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئیں تو فلک نے وہیں صوفے پر لیٹ کر فاف کہانی پڑھنی شروع کی۔

☆......☆......☆

''علی بیٹا......'' وہ کمرے سے نکل کر باہر کی جانب جا رہا تھا جب ساجدہ گیلانی نے اسے پکارا، وہ رکا پھر پلٹ کر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی مما۔''

''کہیں جا رہے ہو تم......؟''

''جی مما......عمر کی طرف جا رہا ہوں۔'' اس نے مختصراً بتایا۔ لہجے میں کچھ خاص نہیں تھا، بجھا بجھا، تھکا سا انداز، جیسے برسوں سے اکتاہٹ کا شکار ہو، وہ اپنی کیفیت سے باخبر تھا مگر ساجدہ گیلانی حقیقت سے بے خبر، انجان تھیں۔ بیٹے کا زندگی میں پہلی بار ایسا انداز ان کی ممتا کو بے چین کر گیا، علی کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا یا پھر کوئی پریشانی وہ نہیں جانتیں تھیں مگر علی نے اس دن بھی انہیں اپنی کھوئی صورت، بے چین طبیعت سوجی آنکھوں کی بابت رت جگا بتایا۔ سو آج بھی وہ متفکر ہوئیں۔

''کیا بات ہے علی......؟'' وہ اس کی طرف بڑھیں۔

''جی مما......کچھ نہیں۔'' وہ اچانک پوچھنے پر سنبھل ہی نہ سکا البتہ خود کو کمپوز کرنے کی سعی میں نفی میں سر ہلایا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......؟ لگتا ہے آج رات بھی ٹھیک سے نہیں سوئے، کتنے بے سکون لگ رہے ہو۔'' وہ بیٹے کے اجاڑ ویران ہوتے چہرے اور معمول سے ہٹ کر سوجی آنکھوں کو دیکھنے لگیں۔ علی نے فوراً نظریں چرائیں کہ سامنے ماں کھڑی تھیں۔ وہ ماں جس نے اس کی پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک اسے دل سے محسوس کیا، اس کا خود سے بڑھ کر خیال رکھا، اس کے لئے اپنی راتیں جاگ کر

گزاریں، اپنے دن اپنے اکلوتے بیٹے کے گرد اس کی خوشیاں سمیٹنے میں گزارے، جنہیں وہ ہر بات بتاتا، اپنے جذبات، احساسات سے قریب پاتا، تو وہ بھی بیٹے کے لئے آگے رہتیں، اس کی ہر خوشی ......خواہش کو مقدم رکھتیں، اس کی صحت، تندرستی، لمبی عمر اور سکون کی دعا مانگتیں، اس کی آنکھوں میں خوشیوں کے جگمگاتے دیئے دیکھنا چاہتیں۔ اس کی مسکراہٹ میں زندگی کی جھلک محسوس کرتیں تو پھر آج وہ ماں کیونکر بیٹے کے دل کی کیفیت کو نہیں پڑھ سکتی تھی؟

علی آیان غم کے سمندر میں خود تو پھنسا ہی چکا تھا مگر اور کسی کو خود سے جڑے قریبی پیارے رشتے اور خصوصاً ماں کو اپنی ذات کے حوالے سے دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جبھی نظریں جھکائے اپنی اندرونی قلبی تباہ حالی پر ظاہری بربادی چھپانے کی سعی کرنے لگا۔

''ارے مما، ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بس نیند آج بھی پوری نہیں ہوئی، رات تین بجے تک مووی دیکھتا رہا سو دماغ ابھی تک فائٹنگ کے شور سے چکرایا ہوا ہے اور پھر صبح بھی جلدی اٹھا ہوں جبھی آنکھیں آپ کو میری سوجی لگ رہی ہیں۔'' علی نے زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ جھوٹ سے مزین وضاحت دی تو ساجدہ بیگم نے سنتے ہی خفگی سے خفیف سا منہ بنایا، جانتی تھیں کہ فائٹنگ والی موویز اسے شروع سے پسند ہیں جنہیں وہ رات گئے تک دیکھتا رہتا ہے اور جس سے وہ خاصی خفگی کا اظہار کرتیں کہ کم از کم اسے رات کو اپنی نیند پوری کرنی چاہئے کہ ہر وقت کی بے آرامی چہرے کی شائستگی ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔

''ارے تو ضرورت کیا تھی مووی دیکھنے کی؟ کتنے الجھے ہوئے لگ رہے ہو، میں نوٹ کر رہی ہوں، پچھلے کئی دنوں سے اور خصوصاً یونیورسٹی کے بعد سے تم اپنا بالکل خیال نہیں رکھ رہے، اپنا خیال رکھا کرو۔'' اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''ایک ہی بیٹے ہو تم میرے، یوں لاپرواہ مت بنو، مجھے تم سوٹڈ بوٹڈ ہنستے مسکراتے چاہیے ہو سمجھے...... اپنا بہت سا خیال رکھا کرو ہمارے لئے اور آئندہ ایسے ہی ویسے ہی میں نہیں سنوں گی۔'' وہ لاڈ و پیار مگر قدرے تحکم سے بولیں، علی دماغ سے فی الوقت تمام سوچیں جھٹک کر چہرے پر مسکراہٹ لایا۔

''او کے مما جانی۔''

''اور عمر کی طرف شام کو چلے جانا ابھی آرام کرو، نیند پوری کرو۔'' وہ بولیں۔

''نہیں مما! ابھی جانے دیں، رات کو آرام کروں گا۔'' وہ بولا کہ ابھی گھر سے باہر کہیں بھی شور و غل میں جانا چاہتا تھا...... جہاں اس کا ذہن لوگوں کی باتوں، قہقہوں میں مستبشرہ کی یادوں سے چھٹکارہ پا سکے کہ محض اپنے کمرے میں بند رہ کر وہ اس کی یادوں سے اذیت کا شکار ہو کر تڑپتا رہتا ہے، کلستا رہتا ہے مگر لاکھ چاہنے کے باوجود قرار نہیں سمیٹ سکتا۔

''چلو ٹھیک ہے چلے جاؤ مگر جلدی آنا۔'' انہوں نے اجازت دی، ساتھ ہی ہدایت بھی دی۔

''تھینک یو مما......'' تو وہ مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ ماں کے سامنے خود کو کمپوز کرنا، ریلیکس ظاہر کرنا اس کے لئے کڑا امتحان تھا، وہ

ساجدہ بیگم سے دل کی حالت چھپائے اب باہر نکل آیا اور ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے ہونٹ بھینچ گیا کہ تمام عمل تکلیف دہ تھا۔

''کاش مستبشرہ! کاش تم میری زندگی میں نہ آئی ہوتیں، تم نے فریب نہ کیا ہوتا، تم خود تو حال میں رہ کر مستقبل کی سوچنے والی لڑکی ہو مگر میری بدقسمتی کہ میرا حال میرا مستقبل تو محض تم ہو، تمہاری یادیں ہیں جنہیں سلامت رکھنے کے لئے دیکھ لو میں نے جھوٹ بولا اور شاید آگے بھی بولوں۔'' علی آیان حسن گیلانی دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا یکدم آنکھوں میں درد، دل میں تڑپ ہلکورہ لے کر جا گی تھی۔

''کاش مستبشرہ! مجھے تم سے محبت نہ ہوئی ہوتی۔'' وہ بے بس ہونے لگا۔ محض چند دنوں میں اس کے وجود، ذات، جسم و روح پر بے بسی غالب آئی تھی، تڑپ، ہر وقت کی سلگتی آگ نے اسے اندر سے جیسے نچوڑ لیا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کا دل پچھتاوے کی دلدل میں دھنسنے لگا کہ گویا سارا قصور ہی دل کا ہو۔

عمر کی طرف جانے کے بجائے وہ شہر کی مصروف ترین مارکیٹ کی طرف چل نکلا تھا کہ مسلسل یاسیت و تاسف زدہ سوچیں اس کی روح تک کو بے قرار کر رہی تھیں۔ جن سے تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی مگر وہ چھٹکارہ چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

مستبشرہ نے خود کو اسکول کے ماحول میں جلد ہی ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ روز صبح نئے عزم لئے جذبے سے اٹھتی تیاری کرتی اور اسکول چلی جاتی، محنت، لگن، شوق و شوخی سے کلاس لیتی، خوشگوار موڈ میں بچے بچیوں سے گفتگو کرتی، ان کی زبانی ان کے قصے سنتی، ان کی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتی اور فری پیریڈ میں اسٹاف روم چلی جاتی، شروع کے دو تین دنوں میں ہی اس نے اسکول میں کئی ٹیچر دوست بھی بنا لیں تھیں، جن سے وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی، ان کی سنتی، ہنستی مسکراتی اور ایسے میں رہ رہ کر اپنی تین دوستوں کو پل پل یاد کرتی جو اسے بہنوں سے زیادہ عزیز لگتی تھیں، روز فیصلہ کرتی کہ آج گھر جا کر باری باری درعدن، معطر اور مہ روش کو فون کرے گی مگر اسکول سے واپسی پر اتنی تھک جاتی کہ لنچ کے بعد فوراً کمرے کا رخ کرتی پھر شام کو نیند پوری کر کے تھکن اتار کر باہر آتی، اماں کے پاس بیٹھتی، بابا جان سے اپنے اسکول کی پروگریس کا پوچھتی تو دوستوں کو فون کرنے کی طرف دھیان ہی نہ جاتا، مگر آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ جاتے ہی لنچ کے بعد کمرے میں سونے کے بجائے ان سے رابطہ کرے گی، سو شوخی و طمانیت سے چھٹی تک کا وقت گزارہ اور گھر کی راہ لی، زہرہ شاہ نے معمول کی طرح اس کی آمد سے قبل اس کی پسند کا کھانا ٹیبل پر سجایا ہوا تھا، سید جمال شاہ بھی اسی کے انتظار میں تھے اس نے دونوں کو سلام کیا پھر منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا، پھر کھانے سے فراغت کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو بیٹا......؟''

''بابا جان! کمرے میں جا رہی ہوں۔''

''کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھو۔'' زہرہ شاہ نے پیار سے بیٹی کو دیکھا۔

''اماں! تھوڑی دیر میں آتی ہوں، آج بہت دل چاہ رہا ہے ماہی، عدن اور معطر سے بات کرنے کو، بس ان کے کانٹیکٹ نمبر لے کر آتی ہوں، وہ بھی کہتی ہوں گی ملتان آنے کے بعد میں نے ان سے رابطہ تک نہیں کیا اور اوپر سے ہمارا نمبر بھی چینج ہو گیا ہے وہ خود سے بھی بات نہیں کر سکتیں، ناراض ہو رہی ہوں گی ان سے بات کر لوں اور ویسے بھی آج سونے کا ارادہ نہیں ہے، پھر سب مل کر آپس میں باتیں کریں گے۔'' جواباً وہ خاصی تفصیل سے بولی۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور برتن سمیٹنے لگیں۔ مستبشرہ مسکراتی ہوئی کمرے میں چلی آئی، سب سے پہلے آئینے کے سامنے گئی اپنے کھلے بالوں میں کنگھی پھیری، پھر الماری کی طرف بڑھی، جہاں اسلام آباد سے واپسی کے بعد اس نے بیگ سے کپڑے وغیرہ نکال کر رکھنے کے بعد اسے دوبارہ مڑ کر دیکھا تک نہیں تھا، پرس سے نکال کر اسی بیگ میں اس نے تینوں دوستوں کے کانٹیکٹ نمبر بھی رکھے ہوئے تھے، بیگ الماری سے نکال کر وہ بیڈ پر آن بیٹھی، دونوں پاؤں بھی اوپر کھینچ لئے، ساتھ ہی زپ کھولی اور متلاشی نگاہیں دوڑائیں، ہاتھ بیگ کے اندر ڈال کر باہر نکالا تو ہاتھ میں کانٹیکٹ نمبر والے پیج کے بجائے لفافہ آیا، اس نے حیرت سے بھنوئیں سکیڑ کر لفافے کو گھما پھرا کر دیکھا مگر ذہن میں کوئی متعلقہ خیال نہ کوندا۔

''یہ کیا ہے......؟'' دل ہی دل میں خود سے پوچھا۔

اس وقت مستبشرہ جمال یقیناً بے دھیانی میں تھی کہ تلاش میں کانٹیکٹ نمبر والے صفحے کی تھی ایسے میں ذہن پر بالکل زور نہ دیا کہ یہ وہی لفافہ تھا جو اسلام آباد سے واپسی پر عمر نے اسے علی کی طرف سے دیا تھا، اسی سے صاف ظاہر تھا کہ اس میں واقعی میں ماضی کو بھلانے کی صلاحیت موجود تھی جو کتنے ہی دن گزرنے کے باوجود بھی ایک مرتبہ دانستہ یا بھولے سے بھی اس کا خیال علی کی طرف نہیں گیا تھا۔

اسلام آباد یونیورسٹی کے دوران بھی اور یہاں ملتان آنے کے بعد بھی وہ اپنے دعویٰ پر قائم تھی کہ وہ کبھی بھی علی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچے گی، نہ سوچ سکتی ہے، اس کے بابا کا مان، عزت و اعتبار اس کی ذات پر سلامت رہ گیا تھا پھر پلٹ کر پیچھے دیکھنے اور سوچنے کا کیا فائدہ......؟

یا پھر یہ کہنا بالکل بھی غلط نہ تھا مستبشرہ جمال، علی حسن گیلانی کے معاملے میں بے حس ثابت ہوئی تھی۔

ایک بیٹی باپ کے لئے سینے میں دل، دل میں عزت، ان کے وعدے کا پاس رکھ کر اپنی نظروں میں سرخرو، اپنے ضمیر کی عدالت میں مطمئن و فخر سے سر اونچا کئے ایک ایسے شخص کے لئے پتھر سے بدتر ثابت ہوئی تھی جس نے اس کے دل سے پرستش کی، اسے دل میں بسایا، خود سے بڑھ کر چاہا، عزت دی اور جس نے بدلے میں اس شخص کو ایک وعدے کی نباہ کی خاطر ایسا تکلیف دہ فریب دیا کہ وہ بکھر کر پھر شاید تمام عمر سمٹ نہ سکے۔

اگلے ہی لمحے مستبشرہ جمال نے کندھے اچکا کر لفافہ پھر سے بیگ میں رکھا کہ نہ تو فی الوقت تجسس کو بڑھاوا دینا چاہتی تھی نہ فکر میں

گرنا چاہتی تھی کہ ابھی دوستوں سے بات کی جلدی تھی، دو چار لمحوں بعد ہی اس کے ہاتھ مطلوبہ صفحہ لگا تو چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیلی، بیڈ سے پاؤں نیچے سرکائے، چپل پہنے اور بغور نمبرز دیکھتی باہر کو نکلنے لگی مگر اس سے پہلے ہی کوئی اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔

''ہیلو مستبشرہ!'' یہ فلک شاہ تھی......جس نے اپنے مخصوص بھرپور انداز میں اچانک کہتے ہوئے تقریباً اسے ڈرا ہی دیا تھا۔

''اوہ فلک کی بچی......تم نے تو ہلا کر رکھ دیا ہے۔'' مستبشرہ اسے اتنے عرصے بعد سامنے پا کر خوشگوار موڈ میں اس کے گلے لگی ساتھ ہی کہا جس پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''مشارب سچ ہی کہتا ہے کہ تم کسی آندھی، طوفان، زلزلے سے کم نہیں ہو۔'' وہ فلک کو ہلکی سی چپت لگا کر بولی۔

''وہ پاگل ہر وقت میرے خیال ہی لگا رہتا ہے، دوست نما دشمن ہے، میری ایسی تعریفیں ہر ایک کے سامنے کرنا فرض سمجھتا ہے اپنا۔'' فلک، مشارب شاہ کے لئے مصنوعی غصے سے بولی۔

مستبشرہ دھیرے سے مسکرائی، ساتھ ہی اسے لئے واپس بیڈ پر چلی آئی، اسی دوران ہاتھ میں پکڑا کاغذ واپس بیگ میں ڈال دیا کہ اب فلک کی موجودگی میں دوستوں سے بات مشکل تھی۔

''اچھا سناؤ کیسی ہو......؟'' پھر اس سے پوچھا۔

''میں ٹھیک تم کیسی ہو......؟''

''ایکدم پرفیکٹ مگر تم سے ناراض۔'' مستبشرہ کچھ یاد آنے پر روٹھے لہجے میں بولی۔

''ناراض وہ بھی مجھ سے......کیوں؟'' فلک حیران ہوئی۔

''یونیورسٹی سے آئے مجھے کتنے دن ہو گئے مگر تم آج اتنے دنوں بعد آ رہی ہو، کیسی بہن ہو؟ تمہیں ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی اور نہ ہی فون پر بات کی، نہ جاب اور اسکول کی مبارکباد دی۔'' مستبشرہ نے موقع ملتے ہی شکوہ کیا۔ فلک نے بھنوئیں اچکا کر ہونٹ دانتوں تلے دبائے۔

''اوہ سوری ویری سوری اینڈ ڈھیروں مبارک۔'' پھر خوش دلی سے کہا۔

''اب کیا فائدہ......؟'' اس نے موڈ بنایا۔

''قسم سے آنے کا وقت ہی نہیں ملا، جب سے فیل ہوئی ہوں امی نے تو مجھ پر اتنی سختی کی کہ نہ پوچھو، ہر وقت کام اور ان کے ساتھ کچن میں کھڑا ہونا، اچھی بھلی بے فکر زندگی گزار رہی تھی، ہاں کبھی کبھی بڑی مشکلوں سے کوئی بہانہ چل جائے تو جان چھوٹتی ہے البتہ مشارب نے مجھے تمہارا بتایا تھا، اسکول کے بارے میں بھی بتاتا رہتا ہے۔'' فلک نے حسب عادت اپنے آپ کو بچانے کے لئے وضاحت دینی شروع کی، باتونی جو تھی، آسانی سے قابو آنا اس کی فطرت میں تھا ہی نہیں۔

''خوب......تم تو نام کی بہن ہو،تم سے تو مشارب ہی اچھا ہے، یہاں بھی چکر لگا تا رہتا ہے اور بابا جان کے پاس بھی باقاعدگی سے جاتا ہے۔''مستبشرہ بھی اتنی جلدی نہیں ماننے والی تھی جبھی اسے ٹارگٹ کیا۔

''آئی ایم رئیلی سوری مستبشرہ......تم پوچھ لینا عثمان اور تیمور سے کہ مشارب کی وجہ سے ہی میں امی کے ہاتھوں پھنسی ہوں، جبھی آنے جانے کا ٹائم ہی نہیں ملا اور اب تو پیپر بھی دینے ہیں، لیکن تم سے ملنے کو اتنا دل چاہا کہ فوراً سے تائی امی کے ساتھ چلی آئی اور بائی دا وے مستبشرہ جمال صاحبہ! اگر میں نہیں آئی تمہاری خوشی میں شریک ہونے تو تم کون سا میرا غم بانٹنے آئی ہو؟ زیادہ ناراضگی تو میری بنتی ہے۔'' فلک شاہ عادتاً تیز بولتی آخر میں یاد آنے پر اترا کر کچھ دبنگ سے انداز میں بولی۔

''کیسا غم......؟'' وہ حیرت میں ڈوبی۔

''انگلش میں فیل اور نازک سی جند پر کام کا بوجھ کسی غم سے کم تو نہیں۔'' برجستہ جواب پیش کیا گیا، فلک کی بات پر مستبشرہ بے ساختہ مسکرائی پھر بولی۔

''ہاں پر یہ تو تمہیں پہلے چاہئے تھا کہ اس متعلق بھی سوچتیں جب سب تمہارے ہاتھ میں تھا، اگر اچھے سے محنت اور تیاری کرتیں تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا نہ نازک سی جند کو غم سہنا پڑتا۔'' لہجے میں کھنکار تھی، فلک نے ہنستے ہوئے بھرپور اس کا ساتھ دیا۔

''اور اس مرتبہ پیپرز تیاری سے دینا، اٹھو پہلے میں ممانی جان سے مل لوں پھر مزید باتیں کریں گے۔'' مستبشرہ نے مخلصانہ و دوستانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا، پھر اسے لئے باہر چلی آئی جہاں مشارب شاہ کی امی آصفہ شاہ، زہرہ شاہ کے ساتھ محو گفتگو تھیں، وہ پرجوش پرتپاک انداز میں بڑی ممانی جان سے ملی، کچھ دیر بیٹھی باتیں کیں، آصفہ بیگم خاص فلک کے ہمراہ مستبشرہ کی ملتان واپسی پر تمام گھر والوں کو رات کھانے پر دعوت دینے بھی آئی تھیں جو زہرہ بیگم نے خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے شام ساتھ میں جانے کا ارادہ بنا لیا تھا۔

☆......☆......☆

مہ روش، مراد کے سنگ لاہور کی سب سے بڑی اور مصروف ترین مارکیٹ میں کھڑی تھی، سبھی نے کہا تھا کہ مراد کے ساتھ جا کر رنگ اور ڈریس اپنی اور اس کی مشترکہ پسند سے لو، سو کچھ لاج شرم اور کچھ دل میں پھوٹتے انبساط کے جگنو سمیٹتی وہ مراد منصور کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہی تھی، جبھی مراد نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا، ماہی نے ایک سرسری مگر حیران سی نظر مراد کو دیکھا جواب سامنے دیکھ رہا تھا، البتہ ماہی نے اپنا ہاتھ اس کی استحقاق بھری گرفت سے چھڑانے کی سوچ بھی ذہن میں نہ لائی، چند دکانوں میں ڈریسز دیکھنے کے بعد بالآخر اس نے مراد کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بوتل گرین کلر کا سوٹ پسند کیا، جو نہایت خوبصورت تھا اور مراد نے آگے جھک کر اپنی چلبلی سرگوشی سے اس کا رنگ رنگ مہکا دیا تھا کہ ماہی کی سرخ وسفید کھلتی رنگت پر یہ رنگ خوب سجے گا۔

''تمہیں اس سوٹ میں دیکھ کر کہیں میں اپنے ہوش ہی نہ کھو بیٹھوں۔ یہ میرا فیورٹ ہے، تم پر خوب سجے گا...... مائے لو۔'' جس پر

وہ کانوں تک سرخ ہوئی تھی۔

پھر ماہی نے میچنگ سینڈلز اور جیولری خریدی، مراد نے اپنی پسند سے انگیجمنٹ رنگ لی، اس کے علاوہ بھی مراد نے ماہی کو ڈھیروں شاپنگ کروائی، ساتھ ہی ساتھ پیار بھری ڈھیروں باتیں اور مدھری سرگوشیاں وقتاً فوقتاً اس کے کانوں میں انڈیلتا رہا جسے وہ مسکراتی خاموشی کے ساتھ محض سنتی رہی۔

''تم بھی تو کچھ بولو۔''

''میں......؟''

''ہاں تم......کب سے صرف میں ہی بولے جا رہا ہوں۔''

''میں کیا کروں......؟'' وہ زیرلب بڑبڑائی کہ واقعی فی الوقت سمجھ نہ آیا کہ کیا بولے۔

''اپنے دل کی بات کہنا ضروری ہے؟'' بے ساختہ اس کے لب ہلے۔

''ہاں ضروری ہے......کیونکہ میں تمہارے دل کی سننا چاہتا ہوں۔'' وہ شوخ سے لہجے میں بولا۔ دونوں دھیرے دھیرے چل رہے تھے۔

''تو کیا آپ کو نہیں پتہ میرے دل کی بات۔'' ماہی نے سوال کیا۔ نظریں البتہ جھکی ہوئی تھیں......کیوں کہ شرم اس کا پیچھا چھوڑنے کو ہرگز بھی تیار نہیں تھی۔

''معلوم ہے مگر تمہاری زبان سے حرف حرف سننا اور محسوس کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ جذب سے بولا۔ مہ روش نے پرسوچ انداز اپنایا۔ مراد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، ساتھ ہی قریبی ریستوران کے اندر داخل ہوا، ماہی اس کے ساتھ لب سیئے پیروی کر رہی تھی، کچھ ہی دیر میں دونوں کارنر ٹیبل پر نشست سنبھال چکے تھے۔

''بولو ناں......'' مراد نے بات جاری رکھنی چاہی۔

''جی......!'' وہ ہونق دکھی۔

''کچھ تو کہو ماہی! دل کی کہ میرے دل کو قرار ملے جہاں تم نے سکونت اختیار کی ہوئی ہے۔'' ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میرے دل میں بھی آپ ہیں۔'' بالآخر چپ کے قفل ٹوٹے، مہ روش نے قدرے ہمت کرتے ہوئے شرم و جھجک کو بڑی مشکلوں سے سائیڈ پر رکھا کہ شاید یہ وقت دوبارہ نہیں آنے والا اور ویسے بھی اپنا اس سے نئے بننے والے رشتے کو دو دلوں میں پلتی محبت میں اسے یہ بات کہنی معیوب لگی تھی۔

دونوں کے بیچ مقدس رشتہ استوار ہونے والا تھا، پھر اپنی پرائی دل کی باتیں کہنا اور سننا تو جائز تھا، اور وہ تو تھی ہی پیار محبت وفا کی قائل، شروع سے سوچا تھا کہ اپنے تمام احساسات جذبات امانت کی طرح اپنے شریک سفر کے لئے سنبھال رکھے گی اور جب وہ چاہے گا مانگے گا تمام تر دیانت داری سے اس کے حوالے کرے گی اور اب امانت کو دیانت داری سے پہنچانے کا وقت تھا پھر وہ خیانت کیونکر کرتی......جبھی دل نے بولنے پر اکسایا تو مبہم سے لہجے میں اقرار کیا، مراد کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

''کب سے......؟'' وہ دلچسپی سے استفسار کرتا گہرائی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''جب سے جذبات کو محسوس کیا ہے۔''

''اچھا مہ روش! بتاؤ تم اس رشتے سے خوش ہو۔'' مراد نے سرشاری سے بات بدلی اور قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں بھی بہت خوش ہوں۔'' اس نے اپنی کہی پھر اضافہ کیا۔

''سب کی خوشی ایک طرف مگر میں نے تین سال اس دن کا شدت سے انتظار کیا جب تم میرے نام سے منسوب ہوگی مہ روش آئی لو یو سو مچ۔'' مراد نے ایک بار پھر مبہوت لہجے میں اقرار کیا۔ وہ اندر تک سرشار ہوئی۔ دل انبساط سے جھوم اٹھا۔ کچھ ہی دیر میں ویٹر کھانا سرو کر کے گیا، دونوں نے ہلکی پھلکی خوشگوار باتوں میں کھانا کھایا، مراد نے ہر حرف، ہر انداز ماہی کے دل کے تار سریلے سروں میں چھیڑتا، اس کا تن من مطمئن تھا۔

اپنے ساتھ کے یہ حسین لمحات دونوں دل سے خوب انجوائے کرتے شام کے قریب گھر گئے، ماہی نے سب کو شاپنگ دکھائی، جو سبھی کو پسند آئی، انگیجمنٹ کا پروگرام کل کا تھا مگر سب نے اپنی اپنی تیاری ابھی سے شروع کر دی تھی، سعید صاحب کی دوسری بہن بھی اپنی اولاد سمیت آ گئی تھیں، گھر میں خوب ہلہ گلہ مچا ہوا تھا، سب خوش تھے، ان غیر متوقع لمحات پر یقین کرتے، خوب انجوائے کرتے اپنی باتوں اور تیاریوں میں مگن تھے۔

''یو آر سو لکی مہ روش۔'' شاہدہ پھپھو کی بیٹی عندلیب اس کے پاس آئی تھی مہ روش نے دلچسپی سے اسے سنا۔

''مراد بھائی جیسا پرفیکٹ شخص تمہارا لائف پارٹنر بننے جا رہا ہے، تم واقعی بہت خوش نصیب ہو، جو انہوں نے خود سے تمہارا انتخاب کیا۔'' عندلیب خاصی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

''یس آئی ایم ویری لکی۔'' جواباً وہ مسکراتے ہوئے بولی، لب و لہجہ انبساط سے کھنک رہا تھا، آواز گنگنا رہی تھی۔

''لیکن میں حیران بھی ہوں۔'' وہ مزید بولی۔

''کیوں......؟'' مہ روش چونکی۔

''کیا مراد بھائی جیسے سیریس بندے کو بھی محبت ہو سکتی ہے۔''

''کیا مطلب ہو سکتی ہے......کیوں نہیں ہو سکتی......؟'' ماہی نے قدرے حیران ہو کر الٹا اس سے سوال کیا۔

''ہاں ہو تو سکتی ہے بلکہ تم سے ہو بھی گئی ہے مگر انہیں دیکھ کر لگتا نہیں ہے ہر وقت سیریس سے رہتے ہیں، اپنی ذات میں مگن، محض اپنی بات کے قائل، شروع سے چپ، کسی پر اپنا آپ ظاہر نہ کرنے والے......اور انہیں دیکھ کر مجھے تو ہمیشہ سے ایسا ہی لگتا ہے جیسے وہ اپنے اندر بھید چھپائے اپنا آپ ظاہر کرنا یا منوانا چاہتے ہیں۔'' عندلیب نے اچھی خاصی تفصیل سے مراد کی ذات کو ڈسکس کیا، بلکہ اپنا مشاہدہ اس کے گوش گزارہ۔

ماہی نے کچھ حیرانگی کچھ دلچسپی سے اسے سنا کہ واقعی کچھ عرصے پہلے تک اس کے بھی مراد منصور کے بارے میں ایسے ہی نادر خیالات و مشاہدات تھے مگر اب کچھ عرصے سے اس کا نیا روپ دیکھنے اور اس کو قریب سے جاننے کے موقع کے بعد اس نے اپنی رائے و سوچ بدلی تھی، مراد کی اپنے لئے محبت اس کے لئے بہت خاص تھی، مراد نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا، نہ دل کا حال، نہ جذبات نہ محبت کا خوبصورت احساس......دل کا بھید بڑے خوبصورت لفظوں میں مہ روش پر منکشف کیا تھا، اپنی ذات اس پر عیاں کی تھی۔

مہ روش نے اس تھوڑے سے عرصے میں اپنے لئے اس کے بے لوث پیار کو محسوس کر کے مراد کو نئے سرے سے جانا تھا جبھی فوراً اس کے حق میں بولی۔

''وہ ایسے لگتے ہیں مگر ایسے ہیں نہیں، ان کی آنکھیں بولتی ہیں بے تحاشہ......وہ بہت لونگ اینڈ کیئرنگ ہیں۔'' لہجہ میں ادا تھی، عندلیب نے ستائشی و فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں بھئی یہ تو تم سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا، میری دعا ہے کہ وہ ہمیشہ تمہیں بہت پیار بہت ناز سے رکھیں، ان کی سنگت میں تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو۔'' ساتھ ہی خلوص دل سے کہا۔ اب کہ مہ روش نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''آمین۔'' جبکہ وہاں سے اتفاقاً گزرتے وقار نے صدق دل سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد عندلیب اٹھ کر چلی گئی کہ کل کے لئے اس نے کبھی ابھی سے بھرپور تیاری کرنی تھی۔

☆......☆......☆

''ماشاءاللہ......اپنی فلک تو بہت سگھڑ ہو گئی ہے۔'' فلک شاہ کو نہایت ذمے داری سے کچن میں فہمیدہ، آصفہ بیگم کے ساتھ مصروف دیکھ کر مستبشرہ نے کہا تھا۔

''میں شروع سے ہی سگھڑ ہوں ڈیئر۔'' جس پر وہ برجستہ بولی تھی، انداز ایسا تھا کہ کچن میں موجود سبھی مسکرائے۔

''اسے خوش فہمی کہوں یا تمہاری غلط فہمی سمجھوں؟'' جبھی اندر داخل ہوتے مشارب نے حسب عادت اسے چڑانے کے لئے

سوالیہ مگر شرارت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اپنی کم عقلی سمجھو!'' وہ حسب معمول تپ اٹھی۔

''کم عقلی کیوں؟'' مستبشرہ نے اسے دیکھا۔

''کیونکہ اس کی عقل شریف اس قابل ہے ہی نہیں کہ مابدولت کی خوبیاں جانچ سکے۔'' ادائے بے نیازی سے کہتے ہوئے فلک نے فرضی کالر جھاڑے۔

''واقعی۔'' جس پر مشارب نے فوراً اس کی تائید کی۔ فلک کو اس کے اعتراف پر حیرانگی ہوئی، اس نے بات جاری رکھی۔

''ٹھیک کہا فلک نے کہ میری عقل لاکھ کوشش و جدوجہد کے باوجود اس کی خوبیوں کو جانچ نہیں سکتی۔ پوچھو کیوں؟'' اور کھلے اعتراف سے آخر میں مستبشرہ سے استفسار کیا۔

''بتاؤ! کیوں؟'' مستبشرہ نے سوالیہ پوچھا۔

''وہ اس لیے کہ فلک میں سرے سے سگھڑاپے والی کوئی خوبی ہے ہی نہیں، پھر بھلا میری عقل خاک جانچے گی۔'' مشارب نے ڈرامائی انداز میں کہتے ہوئے حسب معمول ایسی بات کہی جو فلک کو پتنگے لگانے کے لئے کافی تھی۔

''جانچنے کیلئے بھی عقل چاہیے جس سے تم محروم ہو،'' مگر وہ بھی کہاں کم تھی ترکی بہ ترکی بولی، ساتھ ہی کام سے ہاتھ کھینچ کر اس کی طرف مکمل توجہ سے مڑی۔

''فلک!'' جبھی فہمیدہ بیگم نے اسے گھورا کہ ان کے نزدیک فلک کا یہ روپ اور مشارب سے تو تڑاخ باتیں، بنا لحاظ رکھے نہایت بدتمیزانہ تھیں، یہ نہیں تھا کہ انہیں مشارب کی اس سے دوستی یا باتوں پر اعتراض تھا، نہ ہی گھر کا کوئی فرد دقیانوسی سوچ کا حامل لڑکے لڑکی کی دوستی کے خلاف تھا اور وہ دونوں بھلے کزنز کے علاوہ دوست بھی تھے مگر ان سب کے باوجود ایک حد بھی ضروری تھی جس کا فلک احساس نہ کرتی اور جس کا فہمیدہ بیگم اسے بار بار کہتیں، احساس دلانے کی کوشش کرتیں مگر وہ ہمیشہ یہی کہتی۔

''مشارب میرا دوست ہے اور دوستوں میں تمیز نہیں ہوتی۔'' انداز بے فکر، لاپرواہ سا ہوتا۔

''مگر کچھ تو خیال رکھو، بڑا ہے وہ تم سے......اور دوسری بات خبردار جو اسے آئندہ تم کہا، آپ کہا کرو......ذرا تمیز نہیں ہے تم میں۔''

''امی پلیز......نو لیکچر!'' تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں کہتی رفو چکر ہو جاتی، اب بھی ماں کو دیکھا اور یہی الفاظ دہرائے۔

''دیکھ لو اس کی حرکتیں۔'' فہمیدہ بیگم خائف سی بولیں۔

''یہ کبھی باز نہیں آئے گی۔'' عثمان نے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے صدا لگائی۔

''تم تو اپنا منہ بند رکھو۔'' وہ لڑنے کو تیار ہوئی، گھور کر اسے دیکھا، کمر پر ہاتھ رکھ لیے۔

''میرا منہ بند رکھنے کے باوجود سب جانتے ہیں ڈیئر سسٹر۔'' وہ چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

''پھر تم بھاڑ میں جاؤ ڈیئر برادر!'' فلک تڑاخ سے بولی۔

''تم سب سے لڑتی ہی رہنا بس۔'' امی نے اسے ڈانٹا۔

''میں ہی نظر آتی ہوں آپ کو...... عثمان کے بچے کو کچھ مت کہیے گا۔'' وہ فوراً اسے منہ بنا گئی۔

''ارے میرا بچہ...... کہاں ہے میرا بچہ؟'' جبھی عثمان نے اس کا جملہ پکڑتے ہوئے شرارت سے کھوجتی نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں تو وہاں موجود سبھی مسکرائے۔

''اور خبردار جو میرے بچے کو اس کی دادی جان سے ڈانٹ پڑوائی تو۔'' ساتھ ہی مصنوعی غصے سے اس نے فلک کو کہتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''دیکھ لیں اپنے لاڈلے بیٹے کو، کتنا بے شرم ہو گیا ہے۔'' فلک نے اسے نشانہ بنایا۔

''ارے میں کہاں سے بے شرم ہوا ہوں، الٹا تم میرے کیریکٹر پر کوئسچن مارک لگا رہی ہو، میرے بچے کہاں سے وارد ہو گئے، ابھی تو میں خالص کنوارہ ہوں، منگنی بھی نہیں ہوئی نہ بھاگ یا چھپ کر شادی کی ہے...... سچی۔'' عثمان نے گہری مگر مصنوعی سنجیدگی اختیار کی، سب محظوظ ہو رہے تھے۔ فہمیدہ بیگم نے بھی مسکراتے ہوئے بیٹے کو دھپ لگائی۔

''بہت جلدی ہے یار! شادی کی۔'' مشارب نے بھی اس کا کندھا سہلایا۔

''نہیں مجھے کہاں، بس فلک کو پھپھو بننے کی جلدی ہے، جبھی میرے بچے کو آواز لگا رہی تھی۔'' وہ بھرپور مزے سے بولا۔

''خبردار جو میرے نام کا استعمال کیا تو۔'' وہ اسے آنکھیں نکالنے لگی۔

''تو تم بھی پھر میرے بچے کو بیچ میں مت لاؤ۔'' عثمان فل موڈ میں تھا۔ آصفہ بیگم نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا، جبکہ فہمیدہ بیگم اپنے سامنے بے باک گفتگو پر دونوں بیٹے بیٹی کو گھورنے لگیں۔

''چلو فلک! تم سب باہر جا کر باتیں کرو، کام میں اور آپا کر لیں گے۔'' انہیں کہا۔

''سچی امی!'' فلک خوشی سے اچھلی کہ امی نے خود سے اسے جانے کو کہا تھا، مطلب اس کی کام سے چھٹی۔ وہ فوراً باہر کو لپکی۔ عثمان بھی اس کے پیچھے نکل گیا۔

''لائیں ممانی جان میں آپ کی مدد کرتی ہوں۔'' جبھی مستبشرہ آگے بڑھی، مشارب شاہ نے مسکرا کر بغور اسے دیکھا۔

''ارے نہیں بیٹی! تم سب باتیں کرو، میں اور فہمیدہ کر لیں گے۔'' آصفہ بیگم نے لاڈ سے اس کے گال چھوئے اور منع کیا۔

''ہاں بھئی تم مہمان ہو، کام نہیں حکم کرو۔'' مشارب نے بھی میزبانی و خوش اخلاقی کا اعلیٰ مظاہرہ کیا۔

''ہرگز بھی نہیں، میں مہمان نہیں اس گھر کی فرد ہوں، مجھے خوشی ہوگی کام کر کے، بتایئے ممانی جان! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر خدمت ہوں۔'' خلوص سے کہتی آخر میں وہ شاہی انداز میں بولی تو تینوں مسکرائے۔

''ارے نہیں بیٹی......! تم نے پوچھا بس یہی کافی ہے۔'' آصفہ بیگم اس کے انداز پر نثار ہوئیں۔

''بس ذرا فلک کو سمجھائیں۔'' ساتھ ہی فہمیدہ بیگم نے اپنی فکر پیش کی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''جی ضرور ممانی جان...... ویسے بھی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، پیپر دے لے...... پھر کہہ رہی تھی کہ سب سیکھوں گی۔'' پھر کہہ کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تو وہ ہنس دیں اور کام کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کہہ تو دیا ہے اس نے اب دیکھتے ہیں عمل کرتی ہے کہ نہیں۔'' مشارب بولا کہ اسے ایسی کوئی امید نہیں تھی، ہمیشہ فلک کی ایسی باتیں اسے بہانہ لگتیں۔

''ضرور کرے گی۔'' البتہ مستبشرہ کو اس پر یقین تھا۔

''دیکھا جائے گا بٹ فی الحال چلئے مادام! باہر چلئے، جب تک کھانا تیار نہیں ہوتا باتوں کی محفل سجایئے فلک شاہ کے ہمراہ۔'' مشارب نے اسے چلنے کو کہا، مستبشرہ جمال نے قدم باہر کی طرف بڑھائے۔

☆......☆......☆

''مہ روش۔'' ابھی وہ کمرے میں داخل ہی ہوئی تھی جب وقار بھی موقع ملتے ہی اس کے پیچھے چلا آیا، آہستگی سے اسے پکارا۔ وہ مڑی، قدرے حیران بھی ہوئی البتہ ظاہر نہ کیا۔

''وقار بھائی آپ...... آئیں بیٹھیں۔'' اگلے ہی لمحے اس کو بیٹھنے کو کہا۔ وہ دھیرے سے چلتا ہوا سنگل صوفے پر جا بیٹھا۔ مہ روش نے بیڈ کا ایک کونہ سنبھالا، اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سنجیدہ سا، پرسوچ انداز اپنائے ہوئے شاید ذہن میں الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔

''کوئی کام تھا بھائی؟'' توقف کے بعد اس نے خود ہی پوچھا۔ وقار نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں!'' پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''تو مجھے کہہ دیتے میں آپ کی طرف آجاتی۔''

''تمہیں اس کی ضرورت نہیں تھی، دراصل مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا۔'' وہ نفی میں سر ہلاتا، پرسوچ انداز میں بولا۔

''جی۔'' وہ منتظر ہوئی۔

''تمہارا بھائی ہونے کے ناطے مجھ سے کسی نے اس سلسلے میں بات نہیں کی، شاید اس لئے کہ اب مجھے کوئی اس قابل نہیں سمجھتا کہ

بہت پہلے میں نے سب کے ارمانوں و اعتبار کو توڑا تھا مگر ایک بھائی ہونے کے ناطے میں تمہاری خوشیاں چاہتا ہوں، تمہاری فکر مجھے بھی ہے۔" وہ اصل بات کی طرف آنے سے قبل تمہید باندھ رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں بھائی!"

"ماہی! کیا تم اس رشتے سے خوش ہو۔" وقار نے اٹک اٹک کر پوچھا۔ بہن سے یہ پوچھنے میں جھجک مانع تھی۔

"جی......؟" سوال پر وہ حیران ہوئی، استعجابی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"تین سال بعد پھپھو کی اچانک آمد......مراد کے رویئے میں بدلاؤ بہت خوش آئند ہے، یقیناً ابو بھی سب کچھ نارمل چاہتے ہیں مگر کیا تم سے رضامندی لی گئی ہے۔" وہ خالص برادرانہ انداز میں پُر فکر انداز اپنائے اس سے استفسار کر رہا تھا۔ مہ روش کو اس کی فکر مندانداز بہت اچھا لگا مگر "ہاہ" افسوس سعید احمد اب اسے گھر کے کسی معاملے میں شریک نہیں کرتے تھے۔

"جی بھائی! سب نے پوچھا ہے مجھ سے، اس رشتے میں میری رضامندی شامل ہے۔" اس نے آہستگی سے اعتراف کیا۔ وہ اپنے بھائی وقار سعید کو مطمئن کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کے دل سے ندامت کا بوجھ ہٹے۔ وہ ریلیکس ہو نہ کہ یہ سمجھے کہ ابو نے سابقہ تعلق کو پھر سے استوار کرنے کے لئے رشتہ اپنی مرضی سے طے کیا ہے۔ البتہ وقار کے سامنے اس نے اپنی اور مراد کی محبت کا ذکر نہیں کیا تھا۔

مہ روش کی رضامندی کا سن کر وقار نے گہرا پرسکون سانس لیا تھا، ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"مراد دل کا بہت اچھا ہے، پھپھو بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں، میری دعا ہے تم خوش رہو، آباد رہو۔" وقار نے رک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا، خلوص دل سے دعا دی، مہ روش نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا، وہ مزید بولا۔

"اور مہ روش پلیز......اگر ہو سکے تو ابو اور مراد کا دل میرے لئے صاف کرنے کی کوشش کرنا، میں ابو کی مزید ناراضگی نہیں چاہتا نہ ہی تم سے جڑے رشتوں کو خود سے متنفر دیکھنا چاہتا ہوں۔" ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی بھائی ضرور۔" وہ پرعزم بولی۔

"چلتا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔" کہتے ہوئے وقار آہستگی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ مہ روش نے اس کے جانے کے بعد آنکھیں میچیں۔

"میں اپنے تئیں پوری کوشش کروں گی وقار بھائی، سب ٹھیک ہو جائے گا، ابو آپ کو معاف کر دیں گے۔" اور دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔

☆......☆......☆

تمام افراد خوشگوار ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔ ینگ پارٹی کھانے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی لیکن ہر دو منٹ بعد خوش گپیوں میں فضا ناسازگار ہوتے ہوتے بچتی۔ فلک کو تیمور اور عثمان میں سے کوئی ایک ایسی بات کہہ دیتا جو اسے پتنگے لگانے کیلئے کافی

ہوتی اور وہ فوراً سے پہلے بازو چڑھائے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتی۔ ایسے میں مشارب بڑی مشکلوں سے اسے کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کرتا جسے عثمان اور تیمور اپنی کھی کھی سے ناکام بنانے کی سعی کرتے، اس دوران مستبشرہ بڑی دلچسپ نظروں سے فلک اور مشارب کو دیکھ رہی تھی۔

''اب تم دونوں میں سے کوئی فلک کو کچھ نہ کہے، سمجھے۔'' اس مرتبہ فلک رو دینے کو ہوئی تو مشارب نے سختی سے ان دونوں کو تنبیہہ کی۔

''جی سمجھ گئے اچھی طرح۔'' وہ دونوں کورس میں بولتے ہوئے ہنسے تو فلک نے خونخوار نظروں سے انہیں گھورا، ردعمل کے طور پر انہوں نے سر پلیٹ پر جھکا لئے۔

''اور تم بھی یار! غصے پر کنٹرول رکھو۔ بچی نہیں ہو جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے لگو۔'' اب وہ فلک کی طرف مڑا، اسے سمجھانا چاہا یہ جانتے ہوئے کہ وہ قطعاً سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گی۔

''اچھا اچھا۔'' چاول کی چمچ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے وہ قدرے بے زاری سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اتنی سکت اس میں بھی نہیں آئی تھی کہ اصلاحی بات سنتی یا سمجھنے کی کوشش کرتی، عمل کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔

مستبشرہ نے فلک کو پیار بھری نظروں سے دیکھا، ساتھ ہی مسکرائی۔ سب کزنز میں اسے فلک شروع سے بہت پسند اور دل سے بہت قریب تھی جبھی اسے بہن بنایا کہ اس طرح بہن کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوگا اور یہ پیاری سی لڑکی اسے بہنوں اور دوستوں والا پیار دے گی۔

تمام بزرگ حضرات کھانا کھا کر جا چکے تھے، تیمور اور عثمان بھی اٹھنے لگے، ساتھ ہی قدم باہر نکالنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر فلک پر جملہ کسا جو ہنوز کھانے میں مصروف تھی اور فوراً سے پہلے باہر کو کھسکے کہ مبادا وہ پاس پڑا گلاس اٹھا نہ مارے۔

''بدتمیز...... بعد میں ملتی ہوں تم دونوں کو۔'' ان کے جانے کے باوجود وہ حسب عادت چلائی اب کے مشارب نے دھیان نہ دیا۔

''شکر الحمدللہ۔'' اور شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ مستبشرہ مسکراتے ہوئے کرسی کھینچ کر اٹھی، ساتھ ہی پھیلے برتن سمیٹنے لگی۔ مشارب شاہ کی دلچسپ و محو نظر اس پر پڑی اور اگلے ہی لمحے اسے ٹوک گیا۔

''ارے...... چھوڑو یہ سب۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی، چونک کر سوالیہ اسے دیکھا۔

''اس وقت تم مہمان ہو، خاص تمہارے لئے یہ سب اہتمام کیا گیا ہے، سو آج نہیں۔ فلک سمیٹ لے گی برتن۔'' وہ وضاحت سے بولا۔ اپنا نام سن کر فلک نے پلیٹ سے سر اٹھایا۔ خود سے تو اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر من کے دیوتا نے کہا تھا سو احتجاج کے بجائے چپ ہی رہی۔

''یہ کیا بات ہوئی...... مہمان ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے آؤ، کھاؤ اور جاؤ۔'' مستبشرہ اس کی بات پر حیرت سے بولی، ساتھ ہی کام جاری رکھا۔

''زیادہ تر یہی مطلب ہوتا ہے اور پلیز چھوڑو، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا کہ تم یہ سب کرو، دوسرا میں نہیں چاہتا کہ بعد میں تم کہو کہ جناب آپ لوگوں میں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں، دعوت پر بلایا اور پھر آخر میں کام بھی کروایا۔'' سنجیدگی سے کہتا آخر میں وہ ہنسا، مستبشرہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''سوسیڈ مشارب! تم مجھے ایسا سمجھتے ہو، مجھے ہرگز بھی یہ اندازہ نہیں تھا۔'' ساتھ ہی خفگی سے بولی۔

''ایسا بالکل بھی نہیں سمجھتا بس تم چھوڑو یہ سب۔'' مشارب نے اس کی گھورتی آنکھوں کا اثر لیے بنا کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر رکھی...... جبھی تھوڑی بہت شرم فلک کو بھی آئی۔

''بالکل جناب! تم یہ چھوڑو سب، مجھے بالکل اچھا نہیں لگے کہ مشارب کے ہوتے ہوئے میں یا تم کام کریں۔'' مگر فلک شاہ تو فلک تھی، آرام و مزے سے بولی اور شرم کا اثر لیا بھی تو ایسے...... کہ جہاں بے ساختہ مستبشرہ کا قہقہہ چھوٹا تھا وہیں مشارب دنگ رہ گیا، اس وقت کم از کم اسے اس بات کی بالکل توقع نہ تھی۔

''فلک!'' سوا سے تنبیہی نظروں سے گھورا۔ مستبشرہ مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

''کیا ہے...... اب مذاق بھی نہ کروں۔'' وہ الٹا اوپر سے ہوئی۔

''تم کبھی نہیں سدھر سکتیں۔'' جس پر مشارب شاہ نے ہزار بار کا کہا جملہ پھر سے دہرایا۔ اس نے ہنستے ہوئے سر جھکا کر اعتراف بخشا۔

''تم جاؤ مشارب! میں اور فلک کام سمیٹ کر آتے ہیں۔'' مستبشرہ نے اسے دیکھا۔

''نہیں مستبشرہ! تم دونوں باہر جاؤ، آج میں سارا کچن سنبھالوں گی ویسے بھی بہت سے لوگ میری فراغت سے جیلس مجھے نہ سدھرنے کا طعنہ دیتے ہیں۔'' فلک نے اسے منع کرتے ہوئے آخر میں مشارب پر شریر سا طنز کیا۔ مستبشرہ محظوظ ہوئی، ساتھ ہی ہاتھ صاف کیے۔ جانتی تھی وہ دونوں اسے اب کام کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیں گے۔

''پاگل۔'' مشارب نے اسے کہا۔

''ہاں ہوں تو...... تم جاؤ باہر۔'' فلک نے اسے چلتا کرنا چاہا۔

''کیوں جاؤں؟'' مشارب موڈ میں تھا، اسے تنگ کرنے کی غرض سے جرح کی۔

''تو نہیں جانا......؟'' تڑخ کر پوچھا۔

''نہیں۔'' زور دے کر بولا۔

''نہیں۔'' زور دے کر بولا۔

''پھر برتن سمیٹو...... فارغ بندے کی کچن میں جانے کی اجازت نہیں، سمجھے۔'' وہ سیدھی سپاٹ بولی۔

''میرے خیال میں مجھے چلے جانا چاہئے مس مصروف۔'' وہ مسکرا کر کہتا جانے لگا مگر جانے سے قبل اضافہ کیا۔

''تمہیں پتہ ہے مستبشرہ! فلک بہت اچھی چائے بناتی ہے بلکہ یہ واحد کام ہے جو اسے ٹھیک سے آتا ہے تو کیوں نہ موقع بھی ہے تو ہو جائے فلک کے ہاتھ کی بنی چائے۔'' اپنی تعریف پر فلک کے لب مسکرائے۔

''یہ بات ہے تو میں ضرور اس موقع کا فائدہ اٹھاؤں گی۔'' مستبشرہ نے حامی بھری۔

''ویری گڈ......فلک! یہ سب سمیٹ کر تین کپ چائے بنا کر چھت پر آ جانا، میں اور مستبشرہ وہیں جا رہے ہیں۔'' مشارب نے فرمائش کے ساتھ تاکید کی۔

''اوکے جناب۔'' اس نے بنا چہرے پر شکن لائے اثبات میں سر ہلایا کہ جب سے مشارب نے اس کی تعریف کی تھی کہ وہ چائے اچھی بناتی ہے تب سے جب بھی وہ کہتا فوراً اسے چائے دیتی اور ہمیشہ داد وصول کرتی، دل کو قرار سا ملتا۔

''فلک بہت انٹرسٹنگ ہے...... ہے نا؟'' زینے چڑھتے ہوئے مستبشرہ بولی۔ ساتھ ہی اپنے کھلے خوبصورت بالوں کو جوڑے کی شکل دی۔ زہرہ شاہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ رات کے وقت خصوصاً جب بھی کبھی چھت پر جائے اس وقت کم از کم بال باندھے رکھے، جنہیں معمول میں باندھنا اسے کبھی پسند نہیں تھا، سو فوراً سے ذہن میں بات آتے ہی اماں کے حکم پر عمل کیا۔

''ہاں بہت زیادہ......فلک کی موجودگی میں کوئی بور نہیں ہوتا، تینوں بہن بھائیوں کی نوک جھونک، چچی جان کی باتوں پر فلک کا چڑنا، کام سے بھاگنا، میری امی سے لاڈ اٹھوانا اور مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونا، لڑنا جھگڑنا......سارا دن یہی کرتی ہے۔ بٹ ہمیں بہت مزا آتا ہے، اسی سے گھر میں رونق آباد ہے۔'' مشارب کھنکتے لب و لہجے میں تفصیلاً بتانے لگا۔ اس دوران مستبشرہ نے بغور اس کے چہرے، اس کی آنکھوں کو دیکھا جہاں فلک کے ذکر سے الوہی چمک تھی، ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں کے متعلق کچھ سوچ کر بھینچے لبوں سے مسکرائی، دونوں زینے عبور کر کے چھت کے ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے تھے۔

''اچھا مستبشرہ، تم سے ایک بات پوچھوں؟'' جبھی اس نے بات بدلی۔

''ہاں پوچھو۔'' اجازت دی۔

''تم نے اپنا فیوچر پلان کیا ہے؟'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''ہاں بالکل پلان کیا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا پلان کیا ہے؟'' نارمل سے لہجے میں پوچھا۔ وہ بالکل بھی حیران نہ ہوئی۔ دونوں کزنز ہونے کے علاوہ دوست بھی تھے۔

مشارب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ رات کی تاریکی میں ڈوبے گرد و نواح کو مصنوعی روشنی سے اندھیرے میں روشن ہوتے غیر سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔

''اپنی سی پوری کوشش کر کے اپنے اسکول کے آگے سے آگے لے کر جانا، اپنی محنت لگن سے، اپنی تعلیم کو دوسروں تک پہنچانا تا کہ ہمارا ملک خصوصاً ملتان ترقی کرے، آگے بڑھے۔ زندگی کی دوڑ میں یہاں کے بچے ہر لحاظ سے شامل ہو سکیں۔ بس میں سید جمال شاہ کی بیٹی مستبشرہ جمال اپنے بابا اور ملک و قوم کا نام روشن کرنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ لوگ مجھے میرے نام، میرے مقام سے جانیں، میں اپنی فیلڈ میں بہت کچھ خاص کرنا چاہتی ہوں۔'' مستبشرہ اپنی خواہش، ارادہ، فیوچر پلان اسے بتانے لگی۔ مشارب جو اس بات کی توقع نہیں کر رہا تھا، ہولے سے مسکرایا اور اسے سراہا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر میں اس پلان کی بات نہیں کر رہا۔'' ساتھ ہی کہا۔

''پھر......؟'' وہ سوالیہ اسے دیکھنے لگی۔

''پھر یہ کہ میں تمہاری پرسنل لائف مطلب شادی کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ اصل بات کی طرف آیا۔ اب کے مستبشرہ نے قدرے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی حیرت کو بھانپتے ہی جلدی سے بولا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ انشاءاللہ بہت جلد تمہارا اسکول اسٹارٹ ہو جائے گا اور اگر ایسے میں تمہاری شادی وغیرہ ہو گی تو کیا کرو گی......؟ اس متعلق تم نے کیا پلان کیا ہے؟'' اس سے سنجیدگی بھرا استفسار کرنے لگا، یکدم مستبشرہ کا قہقہہ چھوٹا۔

☆......☆......☆

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مشارب اس سے ایسا سوال کر سکتا ہے۔ ایسا دونوں کے بیچ پہلی مرتبہ ہوا تھا...... جب مشارب نے اس سے اس قسم کا سوال کرتے ہوئے شادی کا ذکر کیا تھا۔ مستبشرہ کے ہنسنے پر خفیف نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟''

''تم کتنی دور کی سوچتے ہو۔'' اس نے بمشکل ہنسی روکی، غیر سنجیدگی سے بولی۔

''سوچنا پڑتا ہے۔'' البتہ وہ سنجیدہ تھا۔

''کیوں؟'' دلچسپی سے دیکھ کر پوچھا۔

''دیکھو نہ اب تم نے جاب شروع کر دی ہے، کل کو اسکول اسٹارٹ ہو گا ایسے میں تمہاری ذمے داریاں بڑھیں گی اور اگر اس دوران تمہاری شادی ہو گئی تو کیسے ہینڈل کرو گی سب؟'' اس نے نہایت چالاکی و ہوشیاری سے سنبھل کر بات بدلی۔

''ہاں یہ بات سوچنے کی ہے۔''

''پھر کیا سوچا؟'' آہستگی و رازدارانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

''اس کی فکر نہیں۔'' جبھی وہ لاپرواہی سے بولی۔

''کیوں، کیا شادی نہیں کرنی؟'' وہ ہنسا۔

''خود سے تو فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے، بلکہ تین چار سال تک تو بالکل بھی نہیں، بس میں اپنا سارا دھیان اسکول کی طرف رکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''مگر اس دوران کوئی قابل رشتہ آ گیا تو پھر کیا کہو گی پھپھو اور پھو پھا جان کو؟'' وہ تو جیسے ہر حال میں جاننا چاہتا تھا یا شاید جان بوجھ کر خود کچھ پلان کرنا چاہتا تھا۔

''ان کو کچھ کہنے سے پہلے میں تمہیں تھینکس کہوں گی۔'' مستبشرہ نے سوال کا جواب الٹ دیا۔

''کیوں؟''

اس لئے کہ تم نے میرے ذہن میں یہ پوائنٹ ڈالا، ورنہ کوئی بھی رشتہ آنے کے بعد میرے لیے اس وقت فیصلہ کرنا ممکن نہ ہوتا مگر اب مجھے اپنی خواہش کی تکمیل کی خاطر ابھی سے اماں اور بابا جان کو اس بات کے لئے قائل کرنا ہوگا کہ کم از کم تین چار سال تک میری شادی کا خیال ذہن میں نہ لائیں اور کسی بھی اچھے یا برے رشتے پر فی الحال غور نہ کریں، اینڈ آئی ہوپ وہ اپنی لاڈلی بیٹی کی بات نہیں ٹالیں گے۔'' وہ فوراً سے سب ترتیب دیتے ہوئے تفصیل سے بولی، لہجہ پر وثوق تھا۔ مشارب نے سنجیدگی سے اسے سنا، اس کے ارادے و فیصلے کو جاننے کی بغور کوشش کی...... جبھی اپنا ذہن بھی فوراً تیار کر لیا۔

''یقیناً۔'' اور آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''باادب...... باملاحظہ...... ہوشیار...... مس فلک شاہ تشریف لا رہی ہیں، استقبال کیا جائے۔'' جبھی دونوں ہاتھوں سے ٹرے تھامے فلک نے چھت پر قدم رنجہ فرمائے اور شاہی دربان کے سے انداز میں اپنی آمد سے انہیں مطلع فرمایا، وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''آیئے مادام...... چائے بنانے میں بہت دیر لگا دی آپ نے۔'' مستبشرہ اس کے انداز پر ہنسی، فلک نے ٹرے اس کے سامنے کی، اس نے کپ اٹھایا۔

''تھینکس۔'' اور بولی۔

''اجی صرف چائے نہیں بنائی، چائے سے پہلے کچن بھی سمیٹا ہے۔'' مصروف سے انداز میں کہتی وہ مشارب کی طرف بڑھی، اسے چائے دی پھر ٹرے سائیڈ پر رکھتی...... اپنا کپ اٹھا کر دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''فلک! تم تو واقعی بہت اچھی چائے بناتی ہو۔'' مستبشرہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ستائشی انداز میں اسے داد دی تو وہ کھل اٹھی۔

''تھینک یو۔''

کچھ دیر تک تینوں چائے انجوائے کرتے ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے، چائے کے بعد نیچے گئے، رات کافی ہو گئی تھی۔ سید جمال

شاہ نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا، زہرہ پھپھو بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ فلک نے مستبشرہ کو روکنا چاہا مگر وہ صبح اسکول جانے کی وجہ سے معذرت کر گئی، البتہ جانے سے قبل دوبارہ آنے کا کہا۔

ان کے جانے کے بعد فلک اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مشارب باہر بیٹھا تھا جب فہمیدہ بیگم کچن سمیٹنے گئیں تو خاصی حیران ہوئیں۔ خیال آیا شاید مستبشرہ نے سب کیا ہو کہ فلک کہاں یہ سب کرنے والی ہے مگر آصفہ بیگم نے انہیں یقین دلایا کہ یہ فلک کا کارنامہ ہے۔ انہوں نے فلک کو دیکھا تھا سب سمیٹتے ہوئے اور خود ہی نہیں روکا جسے سن کر فہمیدہ شاہ کے لبوں پر بے یقینی ختم کرنے کے لئے انبساط کی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

☆......☆......☆

کوئی نہ جانے بن تڑپے

محبت محض درد کا نام ہے

علی آیان حسن گیلانی ادھر ادھر دیوانوں کی طرح پھرنے کے بعد ست ہوئے ذہن کو لئے واپس اپنے کمرے میں موجود تھا۔ آنکھیں بے سکونی و بے قراری سے پھٹنے کو تھیں۔ مستبشرہ سے آخری ملاقات کے بعد سے وہ بکھر چکا تھا، الجھ چکا تھا، تھک چکا تھا۔ اللہ سے گلے شکوے، مستبشرہ کے تصور سے شکایت، چند ہی دنوں میں وہ اکتانے لگا۔ اپنی حالت، دل کی کیفیت، ذہنی بے قراری و اذیت، دھوکے و فریب کے بعد اندر اٹھتی کرب کی لہریں، ہر پل بے یقینی، سلگتی آگ، ہجر و نارسائی کا احساس، اپنے ارمانوں کا بے وقعت بے مول ہونا، تڑپنا...... وہ درد کی حدود میں قید سا ہو کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں کی چمک کھو سی گئی تو آنکھیں بھی گویا چندھیانے لگیں۔ ہر وقت کے مسکراتے چہرے پر اداسی کی جھلک اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی تگ و دو میں لگ گئی تھی۔ گزری ہر بات، مستبشرہ کی سنگت پر جھوٹ و فریب کا رنگ محسوس کرتا تو سانس لینا دشوار ہو جاتا، دھڑکن بوجھل سی لگنے لگتی۔

''کب تک؟'' کب تک وہ سب سہتا، ایک عام انسان تھا آخر، باوجود کوشش کے ضبط ہار گیا تو اپنی مردانگی کی پرواہ کیے بنا رونے لگا...... بڑی شدت سے، آنکھ سے نکلتا ہر قطرہ تاسف و یاسیت کی گرمائش خود میں سموئے محبت کو دل کی عدالت میں کھینچ لائے تو وہ تمام گلے شکوے سائیڈ پر رکھے محبت کی سرزنش کرنے لگا، محبت کو قصوروار ٹھہرانے لگا۔

''کیوں ہوتی ہے یہ محبت؟ کیا حق بنتا ہے محبت کا کہ وہ دل کو اپنے پرسحر احساس، محسوس کروانے کے بعد بے دردی سے تڑپائے...... کیوں محبت اپنی شدت سے دل کو جذبات سمیت اپنی مٹھی میں دبوچ کر جذبات کو پاؤں تلے کچل دیتی ہے...... کیوں محبت خواب ریزہ ریزہ کرتی ہے......؟'' علی کا سر چکرانے لگا۔ سوچیں خیالات، دکھ درد اسے پاگل کئے جا رہے تھے۔ بظاہر سانس لینا زندہ ہونے کی علامت ہے مگر دل ٹوٹ جائے تو زندہ لاشہ بننے میں دیر نہیں لگتی۔ دل کی دھڑکن مصنوعی لگتی ہے، کوئی کسی کے لئے بظاہر نہ سہی پر

اندر سے ضرور مر جاتا ہے اور علی آیان حسن گیلانی اس وقت اندر سے مر گیا تھا۔ مستبشرہ جمال کے ناٹک نے اسے اندر سے مردہ کر دیا تھا۔ اس نے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دونوں ہاتھوں کو سامنے پھیلا کر گویا لکیروں پر غور کرنا چاہا کہ شاید کوئی امید نظر آئے، زندگی کی نوید نظر آئے مگر بے سود...... مستبشرہ کے کٹھور، سفاک، بے حس، قطعیت بھرے لہجے نے جانے سے قبل تمام روشن دیے فریب کی گرد سے مٹا دیئے تھے، بجھا دیئے تھے، تب سے ہر ہر لمحہ وہ بے بس تھا۔

''آیان۔'' وہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا جب عقب سے آواز سنائی دی۔ آہستگی سے پلٹ کر دیکھا تو حسن گیلانی کو سامنے پایا۔

''ڈیڈ آپ......'' وہ فوراً سنبھلا، انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟'' اور اس کے برابر آ کر استفسار کیا۔

''کچھ خاص نہیں بس یہ کچھ چیزیں بکھری پڑی ہیں انہیں ہی سمیٹنے کی سوچ رہا تھا، کمرہ تھوڑا گندہ لگ رہا تھا سوچا فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے انہیں ہٹا لوں ورنہ یہ سب مما کو کرنا پڑتا۔'' علی نے فوراً سے بہانہ بنایا بلکہ جھوٹ بولا۔ آج کل ویسے بھی وہ ماں باپ دونوں سے اپنی کیفیت چھپانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینے لگا تھا۔ دونوں سے بہت پیار کرتا تھا۔ انہیں خود سے ریلیٹڈ دکھ کا کسی طور تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بیڈ اور صوفے پر پڑے اپنے کپڑوں، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھے ٹاول، کمپیوٹر ٹیبل کے پاس رکھے جوتو اور یہاں وہاں پڑی جرابوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ ساتھ ہی صوفہ خالی کر کے حسن گیلانی کے بیٹھنے کی جگہ بنا کر پھر سے بولا۔

''مما نہیں آئیں آپ کے ساتھ؟''

''وہ بس آ رہی ہیں مگر چائے کے ساتھ، ہمارا دل چاہ رہا تھا تم سے بات کرنے کو، سوچا ساتھ میں چائے بھی ہو جائے۔'' وہ بتانے لگے۔

''واؤ گریٹ...... مجھے اس وقت ویسے بھی چائے کی طلب ہو رہی تھی۔'' علی نے خود پر چھائی کچھ دیر پہلے والی کیفیت و ذہنی کشمکش سے نکلتے ہوئے خوشگواریت سے مسکراتے ہوئے کہا کہ مبادا وہ قیاس کرنے ہی نہ بیٹھ جائیں۔

''چلو اچھا ہوا تمہاری طلب بھی پوری ہو جائے گی اور ہم چند ضروری باتیں بھی کر لیں گے۔'' وہ کہنے لگے۔

''ضروری باتیں؟'' سوالیہ انہیں دیکھا۔

''ہاں بھئی تم بہت فارغ رہ گیے اب تمہیں خود سے قید کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ ویسے ہمارا خیال تھا کہ تم یونیورسٹی آف ہونے کے فوراً بعد خود سے ہمیں کہو گے لیکن کام تو کام تمہیں تو ہمارے پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں...... کیا کرتے رہتے ہو آج کل؟'' وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے انداز میں محبت بھرا گلہ کرتے پوچھنے لگے۔

''کچھ خاص نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں۔ عمر کی طرف چلا جاتا ہوں یا پھر بس یونہی ادھر ادھر اینڈ سچی بتاؤں تو ابھی کام کرنے کو دل نہیں

کر رہا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کیوں......مطلب یونیورسٹی پیریڈ کے دوران تو تمہیں بہت ایکسائٹمنٹ تھی بزنس جوائن کرنے کی پھر اب دل کیوں نہیں کر رہا۔'' کھوجتے انداز میں اسے یاد دلاتے وہ نرمی سے استفسار کرنے لگے۔

''بس ڈیڈ! پہلے اسٹڈیز سے سمجھیں تنگ آیا ہوا تھا اسی لیے کہتا پھرتا تھا مگر اب اتنی جلدی بزنس جوائن کرنے سے روٹین ٹف ہو جائے گی، سوچا ہتا ہوں کہ پریکٹیکل لائف اسٹارٹ کرنے سے پہلے ریلیکس کروں، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو......؟'' وہ ایسے برجستہ بولا کہ گویا پہلے سے سب پلان کر چکا ہو۔

حسن گیلانی کا اپنا بزنس تھا اور علی ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ حسن گیلانی کی خواہش اور علی کا خود کا ارادہ تھا کہ وہ اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے کے فوراً بعد بزنس جوائن کرے گا مگر جو کچھ اس کے ساتھ ہوا، مستبشرہ نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا، محبت میں شکست و نارسائی کی اذیت کو جتنا اس نے خود پر حاوی کر کے اثر لیا ابھی تک اس سے باہر نہیں نکل سکا تھا۔ ذہن و دل انتشار کا شکار تھے، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا بلکہ درحقیقت وہ ابھی تک مستبشرہ سے آخری ملاقات کے خول میں مقید اپنی محبت کی سچائی اور اس کی محبت کے فریب میں الجھا ہوا تھا۔

نہ باپ اور ماں کی خواہش یاد رہی تھی نہ اپنے ارادے سے متعلق تکمیل کا خیال دل میں آیا تھا۔ حسن گیلانی کو اصل بات بتانے کے بجائے بہانہ بناتا ان سے پوچھنے لگا۔ اسی وقت ساجدہ گیلانی بھی چائے وہ دیگر لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ علی نے انہیں بیٹھنے کی جگہ دی۔

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہو گا، پھر بھی تم بتاؤ کب تک بزنس جوائن کرنے کا ارادہ ہے؟'' وہ دھیرے سے مسکرائے اور پوچھا، ساتھ ہی بیگم کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیا۔

''ابھی تو نہیں ڈیڈ! بٹ ایک دو ماہ بعد انشاءاللہ آپ کے ساتھ جاؤں گا۔'' اسے پتا تو تھا کہ جلد یا بدیر یہ سب اس نے کرنا ہے سو دو ماہ کا عرصہ بتا گیا اس امید کے ساتھ کہ شاید اس دوران سنبھل بھی جائے۔

''چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ علی نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ماں باپ دونوں کے سامنے خود کو مکمل ظاہر کر کے اپنی ظاہری کیفیت میں بدلاؤ لایا۔

''تو پھر علی بیٹا! کیا خیال ہے۔ مستبشرہ کے گھر رشتہ بھی دو ماہ بعد ہی لے کر جائیں۔'' جبھی ساجدہ گیلانی نے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے یاد آنے پر اس سے پوچھا۔

جبکہ علی آیان غیر متوقع طور پر مستبشرہ جمال کا نام سن کر چونکا۔ سرعت سے ماں کی طرف دیکھا، اس کے ذہن سے تو یہ بات نکل ہی چکی تھی کہ اس نے ماں سے اس متعلق بات کرتے ہوئے اپنی اور اس کی محبت کے بارے میں انہیں بتایا تھا۔

''جی مما......؟'' سو غیر ارادی طور پر حیرت کا اظہار کر گیا، چہرے کا رنگ خود بخود فق ہوا تھا۔

''دیکھو بیٹا! میں نہیں چاہتی کہ جب ہم وہاں جائیں تو ہمیں مایوسی ہو۔ یہ تمہاری خوشی اور بہتر زندگی کا سوال ہے۔ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو گے تو سب تمہارا ساتھ دیں گے، اب یوں ابھی سے تو ہم رشتے کی بات نہیں ڈال سکتے۔'' وہ رسان سے بولیں پھر اضافہ کیا۔

''دو ماہ کا عرصہ زیادہ تو نہیں؟'' اس سے پوچھا۔

''نہیں مما! بلکہ اتنی بھی کیا جلدی...... آپ ٹھیک کہتی ہیں ابھی مجھے اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ چار پانچ سال تک تو میری شادی کا سوچیں بھی نہیں، ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' علی نے بڑی مشکلوں سے بے تاب ہوتے دل کو سنبھال کر نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔

''لیکن بیٹا! ہم تو اسی سال کے اندر تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولیں۔

''نہیں مما! یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ برجستہ نفی میں بولا۔ لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ ساجدہ گیلانی نے بغور اسے دیکھا۔

''کیوں ممکن نہیں ہے؟'' حسن گیلانی بولے۔

علی سے وہاں بیٹھنا مشکل ہوا، کئی پل خاموشی کی نذر ہوئے، خود پر سوالیہ نگاہوں کی تپش محسوس کرتے ہی وہ رخ دوسری جانب کرنے لگا۔ اپنے ساتھ ہوئے قسمت کے سنگین مذاق کو بیان نہیں کر سکتا تھا، نہ فوراً سے انہیں صاف اور واضح جواب دینے کی سکت رکھتا تھا کہ اب کچھ بھی اس کے اختیار میں سہل نہیں تھا۔

''مستبشرہ تو تمہاری پسند ہے، پھر......'' توقف کے بعد ساجدہ بیگم نے پھر سے اسے مخاطب کر کے گویا کریدنا چاہا تھا مگر ان کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی علی کا سیل فون اپنی مخصوص آواز میں بجنے لگا۔ علی نے اسی لمحے شکر کا کلمہ پڑھا کہ جوابدہی سے بچ نکلا تھا۔

''ایکسکیوز می۔'' فوراً سے کہتا موبائل کان سے لگا کر فرار اختیار کرتا کمرے سے نکل گیا۔

''دیکھا حسن! آپ نے...... میں نہ کہتی تھی کہ یہ ہم سے کچھ چھپا رہا ہے، اس کے ساتھ ضرور کوئی مسئلہ ہے، میرا قیاس غلط نہیں ہو سکتا۔'' بیٹے کے جاتے ہی وہ شوہر کی طرف متوجہ ہوئیں تفکر سے بولیں۔

''ہاں ورنہ یہ ایسا تو بالکل نہ تھا۔'' وہ بھی پریشان تھے۔

''کسی دن کرتے ہیں اس سے تفصیلی بات۔'' انہوں نے پر سوچ انداز اپنایا۔ علی کو وہ پہلے دن سے ٹوٹ کر رہی تھیں مگر اس پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ حسن گیلانی نے بیوی کی تائید میں محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

☆......☆......☆

''تین چار سال......؟'' مشارب شاہ نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے زیر لب کہا، ساتھ ہی نظریں چھت پر مرکوز کیں۔ اندر کا موسم بے حد

خوشگوار تھا۔ ذہن بھی کسی پریشانی وغلط سوچ سے ماورا پرسکون اور فریش تھا۔

''انتظار......'' کہتے ہی پرسوچ انداز میں لب بھینچے۔

''کوئی بات نہیں تین چار سال تک انتظار کیا جاسکتا ہے اور ویسے بھی ابھی میری عمر تھوڑی نکلی جا رہی ہے۔'' دل ہی دل میں کہتا وہ دلکشی سے مسکرایا۔

''میں انتظار کروں گا ڈیئر......صرف تمہارے لئے۔'' ساتھ ہی فیصلہ بھی کر لیا۔ محبت چاہت کا احساس......دل کو گلنار کیے دے رہے تھے۔ آئندہ زندگی کا خیال حسین، پرکیف تھا۔ وہ نیند کی وادیوں میں جانے کے لئے انبساط کے رنگوں سے چمکتی آنکھوں کو بند کرنے لگا، وہاں اسے مستقبل کے بہت سے خواب، حقیقت میں ڈھالنے تھے۔ منزل کو پانے کی جستجو میں محبت کے رنگوں سے نکھرنا تھا، چاہت کی پوشاک اوڑھے ہم سفر کے سنگ تاعمر مسافت طے کرنی تھی۔ چاہت کی شدت، جذبوں کی چاشنی سے انتظار کی مٹھاس سے لطف اندوز ہونا تھا۔ مشارب شاہ کچھ ہی پل میں سپنوں بھری نیند کی وادیوں میں اتر چکا تھا۔

☆......☆......☆

سعید صاحب بڑے مطمئن سے لاؤنج میں دونوں بہنوں، بیوی اور بھانجے کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آج مراد اور مہ روش کی انگیجمنٹ تھی۔ مہ روش اپنی خالہ زاد سبین کے ساتھ پارلر گئی ہوئی تھی جبکہ باقی ساری پریشے، شاہدہ پھپھو کی بیٹیاں عندلیب، روحا، عائزہ اور ریحانہ خالہ کی بیٹیاں شیزا، مہوش وغیرہ سبھی پریشے کے کمرے میں ڈیرہ جمائے اپنے اپنے چہروں پر طبع آزمائی کرنے میں مصروف تھیں۔

ریحانہ خالہ کے سب سے بڑے بیٹے اریش نے جب لیپا پوتی کرتی تمام لڑکیوں کو دیکھا تو خاصا محظوظ ہوا، جبھی ان کے سامنے مقابلے کی شرط رکھی، انہیں چارج کیا کہ جو آج سب سے زیادہ خوبصورت لگے گی اسے اپنی جیب سے کیش پرائز دے گا۔ جس پر تمام لڑکیاں خوشی سے اچھلیں کہ کم ہی اریش کی جیب سے کچھ نکلنے کی توقع ہوتی ہے البتہ اریش سے چھوٹی مہوش نے اسی وقت اعتراض کر دیا۔

''کوئی بھائی کی بات میں نہ آئے، مقابلے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے پتہ ہے ابھی سے کہ بھائی کے ونر ڈیسائیڈ کر کے اپنے شاہانہ انداز سے نوازنا چاہتے ہیں۔'' البتہ اعتراض میں شرارت کا عنصر واضح تھا۔ سب لڑکیاں کہاں اس کی بات سے متفق تھیں وہیں عندلیب شرم سے لال ہوتی نظریں جھکا گئی کہ اس دوران اریش محبت پاش مسکراتی نظروں سے اسے دل میں اتار رہا تھا۔

''اچھا تو پھر بتاؤ کون ہے وہ؟'' مہوش کی بات پر وہ لطف اندوز ہوا، دلچسپی سے پوچھا۔

''عندلیب۔'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

سب جانتی تھیں دونوں کے دل کی کہانی جو جانے کب سے چلی آ رہی تھی اور بڑے بھی اس بات سے واقف اس متعلق اچھا فیصلہ کر چکے تھے۔ عندلیب نے اریش سے بچ کر سب کو خونخوار نظروں سے گھورا مگر بے سود......وہ فل موڈ میں آ چکی تھیں۔

''ہاں تو وہ ہے ہی تم سب سے زیادہ خوبصورت۔'' جبکہ اریش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کھلا اعتراف کیا۔عندلیب سے وہاں بیٹھنا مشکل ہوا۔

''اوہو۔'' باقی سب ہنسیں۔

''خوش فہمی۔'' روحا بولی۔

''غلط فہمی۔'' پریشے بھی چپ نہ رہی۔

''آنکھوں کا دھوکا۔'' شیزا بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

''ارے اندھی محبت کہو۔'' عائزہ بھی شرارت سے بولی۔

''دیکھ لو عندلیب! سب تم سے جیلس ہیں۔'' اریش نے مسکراتے ہوئے شوخی سے اسے مخاطب کیا، ستائشی و پیار بھری نظریں اس پر ٹکائیں۔عندلیب واقعی خوبصورت تھی وہ جانتا تھا سب اسے تنگ کر رہی ہیں مگر وہ کہاں کم تھا کہ پیچھے ہٹتا، البتہ عندلیب جھینپ گئی تھی۔

''جی نہیں...... ہم نہیں ہوتے کسی سے جیلس۔ ماشاء اللہ ہم خود خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہیں، کیوں لڑکیو۔'' پریشے فوراً بولی، ساتھ ہی تصدیق چاہی۔

''بالکل...... بالکل۔'' سب نے اس کی تائید کی، کورس میں سر ہلا کر کہا۔وہ ہنسنے لگا۔

''چلو میں اور عندلیب دل پر پتھر رکھ کر مان لیتے ہیں مگر مقابلہ کرنا ہے کہ نہیں بتاؤ تو سہی......'' وہ محظوظ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

''جی بالکل کرنا ہے۔'' روحا نے حامی بھری۔

''مگر ہماری ایک شرط ہے۔'' پریشے نے اعلانیہ کہا۔

''کیسی شرط؟''

''یہی کہ مقابلہ ہم سب کے بیچ ہوگا، عندلیب کو ہم سب ڈس کوالیفائی کرتے ہیں، اگر منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ آپ جا سکتے ہیں ہمیں ابھی تیار بھی ہونا ہے۔'' پریشے تفصیل سے بولی، سب لڑکیوں نے اسے داد دی۔

''یہ کیسی شرط ہوئی......؟'' وہ حیران ہوا، احتجاج کیا۔

''جیسی بھی ہوئی بس ہوئی، منظور ہے تو بتائیں ورنہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ آپ یہاں بیٹھ کر اپنی محبت کی پرستش کریں۔'' شیزا بھی فل اینڈ فائنل بولی۔

''اوکے مجھے منظور ہے تم سب کی شرط۔'' وہ پرسوچ انداز میں حامی بھر گیا۔

''سچ میں۔'' وہ سب اریش کے اتنی جلدی مان جانے پر حیران ہوئیں۔عندلیب بھی اپنی جگہ چونکی۔

''ہاں جی سچ میں۔'' تو وہ مسکراتے کھنکتے لہجے میں کہتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی عندلیب اپنے جارحانہ انداز میں ان سے ملی، انہیں خوب بے نقط سنائیں مگر وہ سب شرط کے بعد ٹینشن فری تھیں، سو ایک بھی اچھی بری سنے بغیر مقابلہ حسن کے لیے جی جان سے تیاری پکڑی۔ عندلیب بھی دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

باہر لاؤنج میں بھی اب محفل گفتگو کا اختتام ہو چکا تھا، چونکہ مراد منصور، کلثوم پھپھو کا اکلوتا بیٹا تھا سو منگنی تو دھوم دھام سے ہوئی تھی، خواتین بھی ڈریس اَپ ہونے جا چکی تھیں۔ سعید صاحب بھی کمرے میں چل دیئے۔ وقار اپنی جگہ بہن کی خوشیوں میں شریک ہونے کی کوشش کرتا کھانے وغیرہ کے بندوبست میں مصروف تھا۔ اریش اور شاہدہ پھپھو کا بیٹا معارج مووی وغیرہ کا انتظار کر رہے تھے البتہ یہ ٹوٹلی فیملی فنکشن تھا۔ خاندان کے تمام افراد موجود تھے سوائے ادینہ اور اس کے سسرال کے۔ اتنے عرصے بعد خوشی بھی اتنی بڑی ملی تھی کہ سب بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتے تھے۔ کلثوم بیگم نے مراد کا ڈریس و تمام مطلوبہ چیزیں اس کے کمرے میں رکھیں اور اسے تیار ہونے کے لئے بلانے چل دیں۔ وہ کچن میں پانی پی رہا تھا۔

''مراد بیٹا! جاؤ اب تم بھی ڈریس چینج کرلو، کچھ ہی دیر میں فنکشن شروع ہوگا۔ مہ روش بھی پارلر سے آنے والی ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''جی امی!'' اس نے پانی کا گلاس ختم کر کے سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ چہرے پر طمانیت چھلک رہی تھی، آنکھوں میں خوشی کے رنگ تھے، وہ مسکرائیں، بغور بیٹے کو دیکھا جس پر انہیں ہمیشہ سے فخر تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں امی؟'' وہ جز بز ہوا۔

''تمہاری وجہ سے بیٹا آج سب خوش ہیں، آج ایک ماں کو اپنے سعادت منداور قابل بیٹے پر فخر ہے، خوشی ہے کہ اس نے سب کے جذبات کا احساس کیا۔ میری دعا ہے بیٹا! تم یونہی خوش رہو، تمہیں اور مہ روش کو دنیا کی تمام خوشیاں اور راحتیں ملیں۔'' کلثوم بیگم نے آگے بڑھ کر بیٹے کی کشادہ پیشانی پر لاڈ بھری مہر ثبت کی ساتھ ہی اسے دعا دی۔

''تھینک یو سو مچ امی! اینڈ لو یو...... میں نے اپنا بہت بعد میں سوچا، یہ سب صرف آپ کے لئے ہے۔'' وہ خوشگواریت و محبت سے بولتا ماں کی ممتا کو انمول کر گیا۔

''جیتے رہو بیٹا...... اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور اس کا اجر دے گا۔'' وہ شادسی شفقت بھرا ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرتیں بولیں تو مراد نے ان کا ہاتھ تھام کر اپنائیت سے بوسہ لیا۔

''بس امی! آپ دعا کیجئے گا کہ میں نے جس مقصد کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے اس میں کامیاب رہوں۔'' آہستگی سے بولا بلکہ دعا طلب کی، لہجے میں بہت کچھ خاص تھا۔

''انشاءاللہ بیٹا! اللہ تمہیں زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے۔'' انہوں نے دل سے کہا، وہ گہرائی سے مسکرایا۔

''اچھا چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ، باقی سب بھی تیار ہو رہے ہیں۔'' انہوں نے بات بدلی، اسے کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''سنو مراد۔'' جبھی وہ کچھ یاد آنے پر دوبارہ گویا ہوئیں۔

''جی امی......؟'' سوالیہ نگاہوں سے کلثوم بیگم کو دیکھا۔

''منگنی کے بعد یاد سے ادینہ کو فون کرنا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ بہت خوش ہے وہ۔'' انہوں نے کہا۔

''جی امی ضرور۔'' اس نے آہستگی سے ماں کو یقین دہانی کروائی اور کمرے کی جانب چل دیا۔ کلثوم بیگم بھی کچن سے نکل گئی تھیں۔

فنکشن سے متعلق تمام انتظامات لڑکوں نے مکمل کر لیے تھے۔ لڑکیوں کی تیاری آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ وقار ابھی تک کھانے وغیرہ کے انتظامات میں زبردستی خود کو مصروف رکھے ہوئے تھا۔ نفیسہ بیگم نے اریش اور معارج کو بھیجا کہ مہ روش اور سبین کو لے آئیں۔ وہ دونوں پارلر سے فارغ ہو چکی تھیں، سو دونوں انہیں لینے روانہ ہوئے۔

''ماشاءاللہ کتنی پیاری لگ رہی ہوں میں، اللہ نظر بد سے بچائے مجھے، آمین۔'' بالآخر لڑکیوں کی مقابلہ حسن کے لئے تیاری مکمل ہوئی تو سب سے پہلے عائزہ نے آئینے کے سامنے اپنا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے خود ہی اپنی نظر اتاری۔

''مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے محترمہ عائزہ صاحبہ۔'' جسے سنتے ہی عندلیب جل بھن کر بولی کہ آج وہ ان سب کی وجہ سے مقابلے سے آؤٹ ہوئی تھی۔

''ہاہاہا......'' جس پر سبھی کا طنزیہ، پرمزاح، شریر سا قہقہہ کمرے کی فضا میں بلند ہوا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم سب۔'' وہ غصے سے چلائی۔

''آج ہمارا بالکل بھی موڈ نہیں ہو رہا، ہاں البتہ تم جانا چاہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' شیزا فرینکلی بولی، ساتھ ہی اسے صلاح دے کر خفگی کا چانس مٹایا، عندلیب نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

''ایک راز کی بات بتاؤں؟'' اتنے میں پریشے نے سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

''ہاں بتاؤ؟'' سب نے تجسس ظاہر کیا۔

''تم سب آج بہت اچھی لگ رہی ہو مگر ابھی سے دل تھام لو کیونکہ کیش پرائز میں ون کرنے والی ہوں۔'' وہ ڈرامائی انداز میں سرگوشیانہ بولی...... بلکہ خود کو خوبصورت کہا۔ جس پر سب نے منہ بسور کر اسے پچھاڑا تو وہ ہنسنے لگی۔

''فی الحال تو سبھی خوش فہمی کا شکار ہیں مگر اصل فیصلہ تو بعد میں ہوگا، سو دیکھتے ہیں بعد میں، ابھی چلو باہر مہ روش اور سبین آنے والی ہیں۔'' مہوش نے بات بدلی۔ سب نے اس کی تائید کی اور آگے پیچھے باہر نکلیں جبھی داخلی دروازہ معارج نے بڑی عقیدت سے کھولا۔

مہ روش سعید نے قدم اندر رکھا۔ سب کی توصیفی و پرشوق نگاہیں اس پر اٹھیں۔ بوتل گرین سوٹ، میچنگ سینڈلز اور جیولری سبھی اس کی کھلتی رنگت پر جچ رہا تھا۔ عام روٹین میں وہ برائے نام میک اپ کرتی تھی مگر آج ماہرانہ ہاتھوں نے اس کے چہرے کو چاند سے چاندنی چرا کر اس کی خوبصورتی میں اضافہ بخشا تھا۔ گھنی مژگان کی جھالر، جھکی آنکھیں، دلکش شرمیلی مسکراہٹ اور چہرے پر پھیلی شرم و حیا کی لالی مہ روش سعید کو سب میں نمایاں اور خاص ظاہر کر رہی تھی۔

گھر کی تمام خواتین نے آگے بڑھ کر اسے پیار دیا، دعا دی۔ سعید صاحب نے بھی اس کے پر سر دست شفقت رکھا۔ تمام لڑکیوں کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ سبین اسے ساتھ لیے لاؤنج میں سیٹ کیے صوفے تک لے گئی اور بٹھایا، سب اس کے اردگرد اکٹھے ہوئے، اتنے میں مراد منصور کی آمد ہوئی، ہنستا مسکراتا چہرہ، آنکھوں میں خوشی کی لہریں، وہ بہت جاذب نظر لگ رہا تھا۔ نفیس سے سوٹ میں بال سیٹ کئے اپنی مردانہ وجاہت سے سب کو اپنی طرف متوجہ کرتا آگے بڑھا، دونوں سے متعلق رشتے کو لے کر سب آج بہت خوش تھے۔

''ماشاءاللہ!'' کلثوم بیگم نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی، نظر اتاری اور اس کو مہ روش کے ساتھ لا بٹھایا۔

مراد نے ایک مسکراتی نظر مہ روش پر ڈالی جو سر و آنکھیں جھکائے خوبصورتی و حیا کا پیکر لگ رہی تھی اور اب مراد کے اپنے سنگ بیٹھتے ہی دل کی دھڑکنیں سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔

''ماشاءاللہ......دونوں بہت پیارے لگ رہے ہیں۔'' شاہدہ پھپھو نے بھی انہیں پیار کیا۔ دونوں واقعی بیسٹ کپل لگ رہے تھے بالکل چاند سورج کی طرح، پھول خوشبو کی طرح ساتھ ساتھ، سب کو اپنی طرف کھینچتے محسوس ہو رہے تھے۔

''اللہ دونوں کے نصیب میں خوشیاں مبارک کرے۔'' ریحانہ خالہ صدق دل سے بولیں۔ نفیسہ بیگم نے آگے بڑھ کر بیٹی اور پھر مراد کو پیار دیا، مستقبل کی خوشیوں کی دعا دی۔

وقار بھی کچھ ہی فاصلے پر آ کھڑا ہوا، بہن کی خوشی اسے بھی عزیز تھی، آگے بڑھ کر اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر آئندہ زندگی کیلئے دعا تو نہ دے سکا، البتہ دل میں کوئی کسر بھی نہ چھوڑی، خلوص دل سے دل میں نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور مراد کو بھی گلے لگا کر تشکر کا اظہار نہ کر سکا کہ اس نے یہاں آنے کے بعد بھی وقار سے فاصلہ رکھتے ہوئے اس سے عجیب سا رویہ رکھا تھا مگر وقار کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ بھلے وہ اس سے بات نہ کرے مگر اس کی وجہ سے ابو اور پھپھو پھر سے اکٹھے اور خوش ہوئے تھے اور اب جبکہ وہ اس کی لاڈلی بہن کا شریک سفر بننے جا رہا تھا۔ اس نے کوئی غلط سوچ ذہن میں نہ لائی بلکہ اندر ہی اندر اس کا مشکور تھا۔

''خواتین و حضرات...... برائے مہربانی جمگھٹا ختم کر کے اپنی اپنی نشست سنبھال لیں، کیمرہ ان خوبصورت لمحات کو قید کرنے کے لئے بے چین ہوئے جا رہا ہے لہٰذا کیمرے کی درخواست ہے کہ باقاعدگی سے رسم کا آغاز کیا جائے۔'' معارج نے کیمرہ سنبھالتے ہوئے خاصی تفصیل سے تفریحی انداز اپنا کر کہا تو سب نے مسکراتے ہوئے اپنی اپنی جگہ سنبھالی، پھر باقاعدگی سے رسم کا آغاز ہوا۔

سب کی دعاؤں اور نیک تمناؤں میں مراد منصور نے مہ روش کا کومل سا ہاتھ تھام کر اس کی مخروطی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی۔ اس خوبصورت یادگار لمحے کو پریشے نے موبائل میں کیپچر کرلیا۔ ان دونوں کے لب مسکرا رہے تھے، مہ روش کے مراد کے نام ہوتے ہی تمام ینگ پارٹی نے بھرپور آواز لگائی۔ کلثوم بیگم نے اٹھ کر سب کا منہ میٹھا کروایا۔ سعید صاحب کے چہرے پر طمانیت و سکون تھا۔

''اس وقت ادینہ بھی ہوتی تو کتنا انجوائے کرتی...... بہت خوش ہوتی وہ۔'' ریحانہ بیگم نے حسرت بھری آواز کہا، جانتی تھیں کہ دونوں بہن بھائی میں بہت پیار ہے۔ ان کی آواز پر مراد کے کان کھڑے ہوئے تو اس نے نہایت ناگواری کے ساتھ عجیب کھولتی نگاہوں سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے وقار کو دیکھا مگر اگلے ہی پل خود پر ضبط کرتا دوسری جانب توجہ مبذول کر گیا۔

''ہاں وہ تو آ رہی تھی مگر اس کی ساس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے مجبوراً اسے رکنا پڑا۔'' کلثوم پھپھو نے ریحانہ بیگم کو آہستگی سے جواب دیا۔ پھر آگے پیچھے تمام خواتین، سعید صاحب اور وقار کھانے کے لئے گئے تو لڑکیوں نے کچھ یاد آتے ہی اریش کو پکارا۔

''کون زیادہ خوبصورت لگ رہی ہے؟''

''زیادہ سے مطلب...... مجھے تو کوئی خوبصورت بلکہ قابل دید بھی نہیں لگ رہی۔'' جواباً وہ عادتاً شرارت بولا۔ مراد اور ماہی کا بے ساختہ و مشترکہ قہقہہ فضا میں گونجا جبکہ تمام لڑکیوں کا منہ دیکھنے لائق تھا تو سوائے عندلیب کے جو انہیں منہ چڑا کر مزید تپانے لگی۔

''حد ہوتی ہے یار اریش! اتنی پیاری پیاری لڑکیوں کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو تم۔'' مراد نے اسے ٹوکا۔

''پیاری پیاری کہاں؟ انعام کے لالچ میں یہ ڈراؤنی ڈراؤنی لگ رہی ہیں۔'' وہ ہنسا کہ عندلیب کے ڈس کوالیفائیڈ ہونے کے بعد وہ سوچ چکا تھا کہ کسی کو انعام نہیں دے گا، اب بھی ارادہ انہیں چڑانے کا تھا، لڑکیاں مزید چڑیں۔

''جو بھی ہے مگر آپ کو اپنی بات پوری کرنی ہوگی۔'' شیزا نے کہا۔

''ورنہ بہت برا ہوگا۔'' روحا بھی ضدی ہوئی، اسے دھمکایا۔

''ہاں یار! اب بات انعام کی نہیں ان کی عزت نفس کی ہے، جسے میں تمہارے ہاتھوں مجروح نہیں ہونے دوں گا۔'' معارج نے بھی لڑکیوں کا ساتھ دیا۔

''یار برے پھنسے ہو تم۔'' مراد نے صورتحال سے لطف اٹھایا۔

''ہاں ناں اب مجبوراً فیصلہ کرنا پڑے گا۔'' اریش کہتے ہی سب کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے تو سب ہی اپنی اپنی جگہ خوبصورت لگ رہی تھیں مگر کیش دینے کی سوچ میں اریش کو ایک بھی نہ بھائی۔

''مجھے تو کوئی بھی خوبصورت نہیں لگ رہی۔'' جبھی صاف بولا۔ لڑکیوں کی خونخوار مگر ضبط کرتی نظریں اس پر جمیں۔

''کیونکہ ساری خوبصورتی تو میرے پہلو میں آسمائی ہے۔'' جبکہ مراد نے محبت پاش نظروں سے مہ روش کو دیکھتے ہوئے چاہت سے

لبریز انداز میں کہا تو اس نے بے ساختہ مراد کو دیکھا جہاں اس کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت کا منتظر سمندر اس کے جذبات کی عکاسی کر رہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' سب نے مراد کی تائید کی۔ مہ روش کے لب اپنائیت و محبت کے احساس سے مزید کھل اٹھے تھے۔

''پھر کیش پرائز کی حقدار تو مہ روش ہوئی۔'' وہ بولا۔ مراد کی چالاکی پر اس بار لڑکیوں نے کوئی اعتراض نہ کیا کہ وہ واقعی سب سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

''بے شک۔'' اریش نے بھی کہتے کے ساتھ ہی جیب سے ہزار کا کڑکتا نوٹ نکال کر ماہی کی جانب بڑھایا، اس نے انکار کرنا چاہا تو زبردستی اسے تھمایا۔

''آپ کی خوبصورتی کے آگے یہ بہت کم ہے، کیوں مراد؟'' پھر کہتے ہی مراد سے جواب طلب کیا۔

''کوئی شک؟'' وہ مسکرایا۔

''مگر چونکہ مقابلہ حسن ان ڈراؤنی ڈراؤنی لڑکیوں کے درمیان تھا جنھوں نے میری رانی کو ڈس کوالیفائی کرنے کی شرط رکھ کر میرے جذبات سے مذاق کرنا چاہا جس کی سزا انہیں اب میں دوں گا۔ ان کی چالاکی میری محبت کو کم نہیں کر سکتی تو جناب، اریش سکندر کے کیش پرائز کی ونر کوئی اور نہیں بلکہ اس کے دل کی اپنی ملکہ عندلیب ہے...... تالیاں!'' شرط مانتے وقت کی سوچ کو اریش نے بالآخر عملی جامہ پہنایا، اعلانیہ فیصلہ سنایا اور فوراً سے پہلے جیب سے نوٹ نکال کر عندلیب کو تھمایا اور وہاں سے بھاگنے لگا، دیکھ چکا تھا کہ باقی لڑکیاں اس کی درگت بنانے کے لئے تیار اس کی جانب بڑھ چکی تھیں۔

''یہ فاؤل ہے۔''

''ہم اس فیصلے کو نہیں مانتے۔'' ایسی مختلف آوازیں کافی دیر تک لاؤنج میں گونجتی رہیں، البتہ عندلیب کے چہرے پر خوشی دیدنی تھی۔

''تھینک یو سو مچ مہ روش!'' سب کے جانے کے بعد مراد نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''فار واٹ؟'' ماہی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری ہونے کے لئے۔'' آہستگی سے بولا، وہ مسکرائی۔

''آج تم نے میری زندگی میں آ کر میرے جذبات کو معتبر کر دیا ہے، محبت کا احساس واقعی بہت خوبصورت ہوتا ہے۔'' وہ چاہت بھرے انداز میں کہنے لگا پھر اضافہ کیا۔

''یو آر لکنگ سو بیوٹی فل۔'' سچائی سے کہا۔

''تھینک یو۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی، آواز میں انبساط کی لہر تھی۔

''رئیلی...... مجھ سے اپنے ہوش سنبھالے نہیں جا رہے، دل چاہتا ہے تم یونہی سامنے بیٹھی رہو اور میں بس صرف تمہیں ہی دیکھتا

رہوں۔'' مراد فل موڈ میں تھا، آہستگی سے اقرار کرتا اس کی ذات کو معتبر کرنے لگا، وہ نظریں جھکائے شرم و حیا کی لالی سمیٹنے لگی۔

''لو یو سو مچ مائے لو۔'' مراد نے عقیدت سے کہا، ساتھ ہی اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر نرمی سے مہر محبت ثبت کی۔ ماہی نے حیرانگی سے اسے دیکھا مگر مراد کی آنکھوں میں اتنا کچھ خاص تھا کہ وہ اگلے ہی پل گلنار سی ہوتی ایک مرتبہ پھر نگاہوں کا رخ بدل گئی۔

محبت کا فرشتہ دونوں کی ملن کی پہلی رت پر سرشار ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

فلک کی بھوک زوروں پر تھی۔ کمرے سے نکل کر سیدھا کچن کا رخ کیا اور بنا کسی کا انتظار کئے کرسی کھینچ کر بیٹھی اور کھانا شروع کیا تو تھوڑا سکون ملا۔ کچھ ہی دیر میں گھر کے باقی افراد بھی کھانے کیلئے آ چکے تھے۔ وہ جو پہلے سے کھانے میں مصروف تھی، ان کا بھی خوب ساتھ دینے لگی۔

''کتنا کھاتی ہو تم؟'' عثمان نے بالآخر اسے نشانہ بنایا۔

''ماشاءاللہ کہو، نظر لگاؤ گے کیا؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''توبہ استغفار...... میں کیوں لگاؤں گا۔'' فوراً سے نفی کی، سبھی مسکرائے۔

''پھر اپنے کام سے کام رکھو، خود بھی کم نہیں ہو۔''

''ہاں پر تم پر حیرانگی ہوتی ہے۔'' اس نے متعجب انداز اپنایا۔

''کیوں؟'' فلک نے دیدے پھاڑے۔

''پھر بھی کتنی سلم سمارٹ ہو، جاتا کہاں ہے سب مال؟'' فلک کے نازک سراپے و کھانے کی رفتار میں تضاد تو تھا ہی سو وہ پوچھ بیٹھا، مشارب، عثمان کی بات پر فلک کو دیکھنے لگا۔

''تیمور کی توند میں۔'' جواباً وہ برجستہ کھلکھلا کر بولی اور گفتگو میں تیمور کی ذات بلکہ دن بدن پھیلتی توند کو گھسیٹا۔ تیمور گھر بھر میں واحد تھا جو کھانے کا شوقین ہونے کی سزا کاٹنے میں موٹاپے کا شکار ہوا تھا۔ اور اب بہن کی بات پر نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے دونوں کی طرف مڑا۔

''تم دونوں سے اچھا ہی ہوں، کوئی دیکھے تو یہ نہیں کہے گا کہ گھر والے کھانے کو نہیں دیتے...... عثمان تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اور فلک آپی ہوا چلے تو ڈھونڈے سے بھی نہ ملیں، کیا فائدہ ایسی اسمارٹنس کا۔'' اس نے دونوں کو جلی کٹی سنائی۔ باقی تمام افراد اس کی بات پر مسکرائے سوائے عثمان اور فلک کے۔

''بکواس بند کرو، مار کھاؤ گے مجھ سے۔'' اسے گھورا

''شروع آپ دونوں نے کی تھی۔'' تیمور نے اثر ہی نہ لیا۔

''اب لڑائی شروع مت کر دینا۔''اس سے پہلے کہ تینوں میں تکرار بڑھتی تایا جان (قاسم شاہ) نے انہیں ٹوکا۔

''تایا جان! بات انہوں نے شروع کی ہے آپ کے سامنے، اب میں بدلہ بھی نہ اتاروں؟''تیمور عاجزی سے بولا۔

''ضرور اتارو مگر کھانے کے دوران ہر گز نہیں، جانتے تو ہو کھانے کے دوران فضول بحث منع ہے، گناہ ہوتا ہے رزق کا مذاق اڑانا اور عثمان، فلک تم دونوں بھی کچھ خیال کرو، محفل کے آداب سیکھو۔''قاسم شاہ نے نرم لب و لہجے میں انہیں سمجھایا۔

تایا جان خوش مزاج انسان تھے۔کسی حد تک مذاق انہیں بھی پسند تھا۔خوشگوار طبع کے مالک تھے مگر انہیں کسی نہ کسی وقت با ور ضرور کرواتے۔مشارب نے بھی فلک کو اس بارے میں سمجھانا تھا کہ اب اسے یہ سب باتیں چھوڑنا چاہئیں۔

''بہتر تایا جان۔''تینوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مسکرائے۔

کھانے کے بعد سب نے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا جبکہ فلک ہمیشہ کی طرح چھت پر چلی آئی۔رات کے وقت اسے چھت پر چہل قدمی کا کریز تھا۔بہت سکون ملتا تھا اسے اوپر چھت پر چاند کی دودھیا روشنی میں مناظر فطرت دیکھ کر، چاند کی چاندنی سے سانسوں کی مہک اپنے اندر جذب کرنے میں اسے بہت بہت مزہ آتا تھا۔

''تم یہاں ہو؟''پیچھے ہی مشارب بھی چلا آیا کہ دونوں کا موڈ ہوتا نہ ہوتا گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔

''ہاں اور ہمیشہ کی طرح مجھے یقین تھا تم بھی آؤ گے۔''آج وہ بالکل پہلے کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھی کہ فیصلہ پختہ تھا، جب تک وہ اقرار طلب نہیں کرے گا فلک دل کا حال پوشیدہ ہی رکھے گی...... یہ فلک کی محبت کا اپنا ہی انداز، خوبصورت احساس تھا۔

''ظاہری بات ہے تمہارے بغیر میرا دل کہاں لگتا ہے لٹل فرینڈ۔''وہ مسکرایا۔

''یس......''وہ اندر تک سرشار ہوئی تھی اس کے سرسری انداز وکئی بار کے کہے جملے کو بہت خاص سمجھ کر۔

''ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی؟''اس نے بات بدلی۔

''بالکل بھی نہیں......ضرور کہو بلکہ فوراً کہو۔''وہ ہنسی۔

''تم خود کو بدلو اب۔''وہ بولا۔

''کس لئے؟''غیر متوقع بات پر وہ برجستہ پوچھنے لگی۔

''میرے لئے۔''ٹکا سا جواب بے ساختہ ملا۔سنتے ہی وہ حیران ہوئی، آنکھیں پھیلائیں، دل پرشوق ہوا۔مشارب شاہ نے بغور اسے دیکھا۔

''پاگل! مذاق کر رہا ہوں، اس میں حیران کیوں ہوئی، لب و لہجہ تو سمجھو، سچ سمجھ بیٹھی ہو کیا۔''اور اگلے ہی لمحے اس کو ہوش دنیا میں واپس لانا چاہا، وہ یکدم سنبھلی کچھ شرمندہ بھی ہوئی۔فوراً دل کو ڈانٹا، آنکھوں کو اندر ہی اندر آنکھیں دکھائیں کہ ہر وقت سپنے سچ کرنے کو بات

نہ رہیں پھر ہونٹ بھینچے کہ اپنے فیصلے پر پہلا ہی قدم ڈگمگانے چلا تھا۔

"نہیں بالکل سچ نہیں سمجھی، تم جیسے پاگل کی بات پر یقین تو نہیں ہاں حیرانگی ضرور ہوئی ہے۔" وہ فوراً بنا کر بولی، خود کو کمپوز کیا۔

مشارب اس کی بات پر مسکرایا۔

"اچھا بتاؤ کیا بات کرنی تھی؟" وہ اصل بات کی طرف آئی۔

"یہی کہ خود کو بدلو۔" اس نے اپنی بات دہراتے ہوئے لفظوں پر زور دیا۔

"کس لئے؟"

"اپنے لئے۔" اس بار وہ سنجیدہ ہوا۔

"مطلب؟"

"دیکھو یار فلک! اب تم چھوٹی بچی نہیں ہو، بڑی ہوگئی ہو، سمجھدار ہو، سوچنے کی صلاحیت رکھتی ہو، خود کو سدھارو۔ چچی جان تمہاری وجہ سے کتنی پریشان رہتی ہیں اور فکر تو سب کو ہے تمہاری، گھر کی اکلوتی لڑکی ہو، اپنی ذمے داری کا احساس کرو، کسی حد تک لاپرواہی اور لاابالی پن تو چلو اس عمر میں لڑکیوں میں ہوتا ہے مگر مکمل طور پر خود کو کسی کام سے بری الذمہ ٹھہرانا اور ذمے داریوں سے کترانا تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم مکمل طور پر نہ سہی پر امی اور چچی جان کے ساتھ کام وغیرہ میں ہاتھ بٹاؤ، ان کی تھوڑی بہت مدد کرو، کچھ نہ کچھ سیکھو کہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو، ڈھیروں کام اور اچانک کی ذمے داری سے تمہیں گھبراہٹ نہ ہو...... تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟" ایک دوست ہونے کے ناطے مشارب شاہ اس سے مخاطب تھا۔ جانتا تھا کہ فلک جیسی بے غم روح، گھر بھر کی لاڈلی اتنی آسانی سے کسی اور کی حتیٰ کہ ماں باپ کی بھی بات نہیں سنتی نہ مانتی ہے جتنی کہ مشارب کی مانتی ہے اور پھر فہمیدہ بیگم کی آنکھوں میں فلک کو لے کر فکر مندی اور مستقبل کی سوچ اسے مجبور کر گئی تھی کہ ایک دوست اور کزن ہونے کے ناطے وہ فلک سے اس مسئلے پر بات ضرور کرے گا۔

"ہاں سمجھ رہی ہوں۔" فلک نے اثبات میں سر ہلایا۔ ظاہر نہ کیا پر دل میں قیاس، دماغ میں سوچ ضرور ابھری کہ مشارب مستقبل میں اسے اپنے ساتھ دیکھنے، چلنے کا خواہشمند، ابھی سے بالکل پرفیکٹ بنانا چاہتا ہے۔

"پھر میری بات مانو اور عمل کرو، چچی جان کو سکھائیں سیکھو، جو کہیں وہ مہذب انداز میں مانو، لڑکیاں سلجھی ہوئی، سلیقہ شعار، سمجھدار اچھی لگتی ہیں۔" وہ بولا۔

"تم یہ سب کیوں، کس لئے کہہ رہے ہو؟" فلک کے خود کے دل میں چور تھا، شریر و شوخی سے معنی خیزی سے استفسار کیا۔

"ایک دوست ہونے کے ناطے تمہاری بہتری کیلئے۔" وہ سنجیدہ تھا، خلوص دل سے کہنے لگا، وہ مسکرائی۔

"جانتے ہو میں نے اسی دن ہی امی سے کہہ دیا تھا کہ میں اب ہر کام سیکھوں گی مگر اب ایک ماہ بعد۔" پھر اسے مطلع کیا۔

''ایک ماہ بعد کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''ایک ماہ بعد انگلش کا پیپر ہے، وہ پڑھ کر دوں گی پھر سب کروں گی۔''

''تم سچ میں پیپر دو گی وہ بھی پڑھ کر۔'' وہ مزید چونکا۔

''ہاں جی۔'' وہ اس کے انداز پر مسکرائی۔

''یہ خیال کیسے آیا؟''

''بس تم نے ایک دن کہا تھا ناں کہ تمہیں پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں بس اسی دن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں پڑھوں گی، جتنا تم کہو گے۔'' وہ روانی میں بتا گئی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے اینڈ آئی ایم سوپچی کہ تم نے میری بات یاد رکھی، اس پر عمل کا سوچا لیکن اس کے علاوہ میں تمہیں بتا دوں کہ تم مجھے ویسے بھی بہت اچھی لگتی ہو۔'' سن کر وہ مسکرایا، خوش ہوا پھر اسے بتانے لگا جسے سن کر وہ سرشار ہوئی۔

''کیوں؟''

''دوست ہونے کے ناطے اپنی تمام تر شوخیوں، باتوں، شرارتوں، اداؤں، نخروں کیساتھ......تمہارے چہرے کی معصومیت، تمہاری مسکراہٹ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔'' مشارب شاہ کی بات پر فلک کے چہرے کے دہکتے رخسار، چاند کی چاندنی چراتے نکھرنے لگے ہونٹ کھل اٹھے تھے، آنکھیں فرط انبساط سے الوہی چمک لیے گنگنا اٹھی تھیں۔ یہ محبت کا خوبصورت، پرسحر اثر تھا جو وہ خود ساختہ فیصلے کے باوجود اپنے جذبات و احساسات سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ مشارب کی باتیں اور الفاظ وغیرہ واضح ہونے کے باوجود اس کے اندر بسی دنیا کو، پیار، محبت کی شدت کو ہوا کے خوشگوار جھونکے کی طرح مہکانے لگے۔

واقعی محبت میں اختیار رہتا ہی نہیں ہے، بے اختیاری ابتدائی سے محبت کے مسافر کو بڑی چاہت سے اپنے حصار میں قید کیے اپنا آپ منوا لیتی ہے اور فلک نے تو اول دن سے ہی خود کو، اپنے دل اور روح کو محبت کے سپرد کر دیا تھا، پھر اب اختیار کیسے رکھتی خود پر۔

''سنو مشارب شاہ۔'' جبھی اس پکارا۔

''کہو میری پگلی دوست......!'' وہ متوجہ ہوا۔

''تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے؟'' فلک نے آرام و تحمل سے پوچھا۔ وہ حیران ہوا۔

''یہ کیسا سوال ہے۔''

''سوال کی قسم نہیں ہوتی پاگل! سوال صرف سوال ہوتا ہے، اچھا بتاؤ ناں؟'' وہ ہنسی پھر سنجیدگی سے استفسار کرنے لگی۔

''کس لیے پوچھ رہی ہو؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''ایسے ہی لیکن اگر تم بتا دو تو تائی جان کو تمہارے لئے لڑکی ڈھونڈنے میں آسانی رہے گی۔'' کندھے اچکا کر اس نے سرعت سے بات بنائی۔

''تم جیسی۔'' وہ دوٹوک بولا پھر اگلے ہی لمحے اضافہ کیا۔

''مطلب تم جیسی تو ہرگز بھی نہیں۔'' پھر اپنی بات مکمل کر کے زور سے ہنسا کہ فلک خونخوار نظروں سے اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔

''سوری ویری سوری۔'' اس نے ہنسی روکی۔

''سیریسلی بتاؤ مشارب شاہ۔''

''اوکے۔'' وہ سیدھا ہوا۔

''تم اپنی لائف پارٹنر کو کیسا دیکھنا چاہتے ہو؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''شکل وصورت سے۔'' اس نے بتانے سے پہلے سرسری پوچھا۔

''ہر لحاظ سے۔'' فلک نے کہتے ہوئے سوالیہ اسے دیکھا۔

''اوکے۔'' اس نے لمحے بھر کو سوچا پھر توقف کے بعد بولا۔

''شکل وصورت کی خاص ڈیمانڈ نہیں البتہ پرکشش ہو، خوب سیرت ہو، سلیقہ مند، سلجھی ہوئی، رکھ رکھاؤ کی قائل ہو، مجھ سے جڑے تمام رشتوں سے پیار کرنے والی، بات ماننے والی، حالات کو ساتھ لے کر چلنے والی، گھریلو امور میں ماہر، اور جو اچھا کھانا بنانا جانتی ہو۔'' وہ سوچ سوچ کر تفصیل سے بتا رہا تھا اور فلک بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں خوبصورت ہوں اور پرکشش بھی، سیرت کو تم جانتے ہو، سلیقہ مند فی الحال نہیں پر ایک دن ہو جاؤں گی، تمہارا پیار مجھے سلجھا بھی لے گا اور تم سے جڑے سب رشتوں کو تم سے بڑھ کر چاہتی ہوں، تمہاری بات بھی مانتی ہوں، حالات وقت سمجھا دے گا، تمہارے ساتھ چلوں گی زیست کے ہر سفر میں...... تمہارے لیے تمہارے پیار میں ہر کام سیکھوں گی، اچھے اچھے کھانے بھی بناؤں گی...... سچی۔'' فلک نے ہر ہر بات کو بمعہ جواب اپنے انداز میں اندر ہی اندر دہرایا کہ سوال کا مقصد ہی مشارب کی سوچ جان بوجھ کر اس کے خیالات پر پورا اتر کر اس کے دل میں جگہ بنانی تھی۔

''اچھا اور......؟'' وہ مشارب کی طرف دیکھ کر بولی، وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرے۔'' مشارب تصوراتی دنیا میں اپنی ہمسفر کے سنگ تھا۔

''مجھ سے بڑھ کر تمہیں کون محبت کر سکتا ہے۔'' اور فلک اپنی دنیا میں گم جھوم کر جواب دے رہی تھی۔

''میرا خیال رکھے، میر ہر کام ذمے داری سمجھ کر نہیں بلکہ دل سے کرے، جو مجھ سے صرف اپنی باتیں کرے، مجھے دیکھے مجھے

چاہے، میں آفس سے آؤں تو اپنے خوشگوار مسکراتے چہرے سے میرا استقبال کرے اور پھر اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلا کر میری ساری تھکن اتار دے۔'' وہ آہستگی سے کہے جا رہا تھا۔

''یہ سب تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے مشارب شاہ! میں تمہارا خیال رکھوں گی، خود سے بڑھ کر، دل سے تمہارا ہر کام کروں گی بھلے قسم لے لو......اپنی تمہاری باتوں میں صرف تمہیں دیکھوں گی، چاہوں گی، تمہارا پرتپاک استقبال کر کے تمہاری ساری تھکن اتاروں گی، ویسے میرے ہاتھ کی چائے تو ابھی سے تمہیں بہت پسند ہے اور دیکھنا پیپر کے فوراً بعد تمہاری پسند میں ڈھل جاؤں گی۔'' فلک اپنی ہی دھن میں محو تھی۔

''ہاں البتہ باتیں تیز نہ کرتی ہو۔'' آخر میں وہ گویا شرط رکھ گیا اور یہیں سے فلک ہوش و حواس میں لوٹی۔

''مجھے زیادہ اور تیز باتیں کرنے والی لڑکیاں زیادہ اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''اوہ نو......'' فلک نے سنتے ہی سر تھاما۔

''کیا ہوا؟''

''پھر تو تم مجھے بالکل بھی پسند نہیں کرتے ہو گے۔'' اسے اپنی فکر پڑی۔

''کیوں؟''

''میں تو بہت تیز اور سب کے خیال میں زیادہ تر فضول باتیں کرتی ہوں۔'' معصومیت سے اس کے گوش گزارا، جبھی مشارب شاہ کا جاندار قہقہہ فضا میں گونجا، فلک نے ہونقوں کی طرح اسے دیکھا۔

''تم واقعی پاگل ہو فلک! میں یہاں تمہاری بات تھوڑی کر رہا ہوں، تم میری دوست ہو، بے فکر ہو جاؤ، مجھے تم سب سے پیاری ہو یار!'' مشارب اس کی معصومیت و نادانی پر مسکرا کر رہ گیا۔

''اچھا بس ہنسو تو نہیں ناں اب۔'' وہ خائف ہوئی، اسے دل میں ٹوکا اور اپنے دل میں اندر ہی اندر الگ مخاطب ہوئی۔

''میں تو صرف اپنی بات کر رہی ہوں، تم تو میرے دل میں رچ بس گئے ہو، پر خیر میں ہم دونوں کے اقرار سے پہلے تمہیں تمہارے معیار پر پورا اتر کر دکھاؤں گی، یہ میرا وعدہ ہے ڈیئر مشارب شاہ۔'' پھر بظاہر نارمل انداز و تاثرات سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''پھر پڑھائی کب سے اسٹارٹ کرو گی؟'' جبکہ مشارب شاہ نے بات بدل لی تھی۔ فلک بھی سر جھٹک کر اس کی طرف نئے سرے سے متوجہ ہوئی۔

☆......☆......☆

عمر مضطرب سا اس کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ دوست کی دن بدن غیر ہوتی حالت و صدمے میں ڈوبی کیفیات اسے چکرا کر رکھ گئی تھی، لب بھینچے رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''تم اپنے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہو؟'' اسے باور کروانے لگا۔

''اچھا برا......اب میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' جبکہ اسے پرواہ نہیں تھی، عجیب کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

''نہیں......تم خود بے اختیار ہونا چاہ رہے ہو۔'' عمر نے اسے ٹوکا۔

''تمہیں میری کیفیت کا اندازہ نہیں ہے اسی لئے ایسی بات کر رہے ہو۔'' علی آیان نے گویا اس کی بات پر افسوس کا اظہار کیا۔

''اندازہ ہے مجھے، پر کیا اب ساری عمر ماتم کرنا ضروری ہے۔'' وہ تلخ ہوا۔

''میں یہاں تمہارے پاس اس لئے نہیں آتا کہ تم اپنی باتوں سے مجھے مزید ٹینس کرو۔'' علی از حد سنجیدہ ہوا۔

''میں تمہیں ٹینس کر رہا ہوں؟ کمال ہے یار! اپنی فکر تو نہیں ہے تمہیں اور اگر کوئی تمہاری بھلائی چاہے تو تم اسے اپنے لیے ٹینشن سمجھ رہے ہو، مگر وہ سب کیا ہے جو تم خود پر سوار کئے ہوئے ہو، روگ لگا کر بیٹھ گئے ہو، ناکامی کے خول میں قید، صرف کرب میں رہ رہے ہو، یہ ٹینشن نہیں ہے کیا؟'' عمر اس کی بات پر ناراض سا طنزیہ بولا۔

''تمہارے خیال میں اس سب میں میری خوشی شامل ہے۔'' علی نے الٹا اس سے سوال کیا۔

''یہ دو ٹکے کی لڑکی تمہیں پاگل کر گئی ہے۔'' جس پر اسے بے تحاشا غصہ آیا تو بھنا کر بولا۔

''عمر پلیز......! میں اس کے بارے میں کچھ غلط نہیں سننا چاہتا۔'' علی کو عمر کا اور مستبشرہ کو 'دو ٹکے کی لڑکی' کہنا سخت ناگوار گزرا۔

''آئی ایم شاکڈ علی! تم اب بھی اس کے حق میں ہو، اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی؟'' عمر واقعی حد درجہ متعجب سا اسے استفہامیہ دیکھنے لگا، اسے وہ کیا سمجھتا۔

علی کی دیوانگی......یا پھر علی کی بے وقوفی......!

''کیا ہوتی ہے محبت......وہ سوچنے پر مجبور ہوا۔

واقعی محبت دیمک کی طرح دماغ کو کھوکھلا کر دیتی ہے، پھر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے نہ سنبھلنے کی راہ نظر آتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے عشق دماغ کا خلل ہے۔ جسے چاہا جائے اسے من کا دیوتا مان لیتی ہے۔ اس سے برائی، فریب اور دھوکا کھانے کے باوجود بھی لاکھ شکوے کرے، گلے بے حساب کرے مگر اس کے خلاف ایک لفظ غلط سننے کی روادار نہیں ہوتی۔

ایسا ہی کچھ حال محبت کی اس نہج پر پہنچ کر علی آیان حسن گیلانی کا ہوا تھا جس کا مظاہرہ ابھی اس نے صاف کیا تھا۔ نفرت کا بیج اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکا۔ مستبشرہ جمال کے عمل پر شکوہ کناں ہونے کے باوجود اس ک شان میں گستاخی وہ برداشت نہیں کر سکا۔ شروع میں رب سے بھی اپنے نصیب میں لکھے، اس کے فریب اور ہجر کی سلگتی آگ میں تڑپنے پر گلے کرتا رہا، مستبشرہ جمال کی ذات سے متنفر ہونا چاہا مگر اس کی نس نس میں محبت خون بن کر سرائیت کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

محبت اس کے دل کی دھڑکن بن کر سانسوں کی روانی قائم رکھے ہوئے تھی پھر کب تک وہ شکوے شکایت کرتا رہتا، اسے حقیقت کو قبول کرنا پڑا۔ وہ بے بسی کی انتہا کو پہنچا مگر دل سے مستبشرہ جمال کو نہ نکال سکا، اس کے ساتھ گزارے لمحوں کی یاد سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ پھر کیسے اس کے خلاف کچھ سنتا......؟ یہ علی آیان حسن گیلانی کی سچائی تھی۔ اس کی ذات کی اصلیت تھی کہ وہ اپنی محبت کو بھولنے سے انکاری تھا۔

''مجھے انکل آنٹی سے بات کرنی چاہیئے، تم سے بحث فضول ہے۔'' عمر نے فیصلہ کیا۔

''نہیں تم مما اور ڈیڈ کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔'' وہ بے یقین ہوا۔

''انہیں تمہارے لیے بتانا ضروری ہے۔'' عمر نے اب اسے سمجھانے کا ارادہ ترک کیا کہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ محبت میں اندھا ہو چکا تھا...... جو ناٹک کا حصہ بن کر بھی ناٹک میں رہنے کا خواہشمند بنا بیٹھا تھا۔

''تمہیں میری قسم عمر! تم انہیں کچھ نہیں بتاؤ گے، میں انہیں کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا۔'' اس نے عمر کو بلیک میل کرنا چاہا۔ اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر قسم دی۔ اس نے بیزار مگر عجیب نظروں سے علی کو دیکھا۔

''ساری زندگی یونہی ایک کیفیت میں مقید ہو کر گزارنا مشکل ہے علی، مگر تم کوئی بات سمجھنا نہیں چاہتے۔ ایک فریب اس لڑکی نے تمہیں دیا ہے، دوسرا فریب تم خود کو اپنی سوچ سے دے رہے ہو جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم سے جڑا ہر رشتہ تمہارے لیے فکرمند ہے اور تم صرف اس لڑکی کے لئے...... جو کچی نیند کے ادھورے خواب سے زیادہ اب تمہارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کب تک درد کی دلدل میں خود کو اتارو گے، پلیز آزاد کروا اپنے ذہن و دل کو محبت کے خول سے اور حقیقت کو قبول کر کے جینا سیکھو ورنہ یہ نہ ہو کہ اپنی زندگی سے بھی تنگ ہونے لگو۔'' عمر نے نہایت سنجیدگی سے نرم لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے دوستانہ مگر مخلصانہ انداز میں کہا۔

جواباً علی بظاہر کچھ نہ بولا البتہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ دیر بعد اس کی طرف سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے علی نے لمبی مگر یاسیت بھری سانس خارج کی۔

''زندگی کا گھیرا تو اسی لمحے مجھ پر تنگ پڑنے لگا تھا میرے دوست...... جب مستبشرہ نے مجھے تشنہ راہیں سونپ کر الوداع کہا تھا۔'' اور عمر سے دل ہی دل میں مخاطب بے بسی سے سوچنے لگا۔

☆......☆......☆

آج سارا دن وہ بہت تھک گئی تھی۔ اسکول میں کام بھی بہت زیادہ تھا۔ گھر آ کر بھی دوپہر کو نہیں سوئی کہ احسان کا فون آیا ہوا تھا، کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی، اس کا فون بند ہوا تو اماں سے ادھر ادھر کی باتیں کیں، پھر چائے پی کر بابا جان سے فرمائش کی کہ وہ اپنا اسکول دیکھنا چاہتی ہے جسے انہوں نے فوراً پورا کیا اور اسے اسکول کی طرف لے گئے۔ اسکول زیر تعمیر تھا، کافی سارے ورکرز کام میں لگے تھے، کام کی رفتار بھی خاص تیز تھی۔

''بابا جان! اور کتنا عرصہ لگے گا کام ختم ہونے میں؟''

''تقریباً دو ڈھائی مہینے۔'' انہوں نے مختصراً بتایا۔

پھر کچھ دیر وہاں کا جائزہ لینے کے بعد وہ گھر واپس آئی تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز پڑھ کر ٹی وی کے سامنے بیٹھی اور جتنی دیر بیٹھی سارا وقت چینل سرچنگ میں لگایا کہ ٹی وی دیکھنا خاص پسند نہ تھا۔ آٹھ بجے کے قریب اماں نے اسے کھانے کے لئے بلایا تو ڈائننگ ٹیبل کی طرف گئی۔ تھوڑا بہت کھایا پھر کھانے سے فراغت کے بعد 10 بجے کے قریب کمرے میں گئی۔ جسم تھکن سے چور ہو رہا تھا، آنکھیں بھی نیند سے بوجھل تھیں، بیڈ پر جانے سے پہلے الماری کی طرف گئی، صبح اسکول کے لئے ڈریس سلیکٹ کیا، لائٹ آف کی پھر بستر پر آ لیٹی۔

''آج نیند خوب مزے کی آئے گی۔'' آنکھیں موندنے سے پہلے وہ محض بڑبڑائی تھی کہ جس دن بھی دن کو نہیں سوتی تھی رات میں اسے بھرپور پرسکون نیند ملتی تھی۔ اس نے آنکھیں موند کر اوپر بازو رکھا اور ذہن سے تمام خیالات نکالے البتہ خلاف معمول آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے کے باوجود اس کا ذہن مکمل طور پر جاگا ہوا تھا۔ اگلے کئی لمحے اس نے اپنے تئیں سونے کی بھرپور کوشش کی مگر بری طرح ناکام رہی۔ کروٹ پر کروٹ بدلتی رہی۔ تھکاوٹ کے باوجود نیند نہ آنے پر اسے خاصی حیرانگی ہوئی، پندرہ بیس منٹ یونہی گزرے کہ یکدم اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی، عجب بے چینی نے اس کے گرد پڑاؤ ڈالا، ذہن ماؤف وساکت سا ہونے لگا۔ وہ تنگ آ کر اٹھ بیٹھی۔

دل پر اکتاہٹ سی طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے سرعت سے اٹھ کر لائٹ آن کی مگر بے اثر...... آنکھیں اندھیرے میں ڈوبی محسوس ہوئیں، ذہن ودل پر ہنوز بے قراری سی چھائی تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا گلاس اٹھا کر پانی پیا تو حلق میں کڑواہٹ محسوس ہوئی۔

''کیا ہے......؟'' اگلے آدھے گھنٹے میں وہ اپنی کیفیت سے تنگ آئی تو جھنجھلا کر بولی۔

اچھے خاصے موسم میں وحشت کا احساس ہوا تو اٹھ کر کھڑکی کے پٹ وا کیے۔ کھلے بالوں کو پونی میں مقید کیا اور پھر سے بستر پر آ لیٹی مگر نیند کا نام ونشان تک نہ ملا۔ مزید ایک گھنٹہ کروٹ بدلنے میں گزارا، ایسا اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا، جسم بے سکونی سے ٹوٹنے لگا تھا، تھکن مزید بڑھ گئی تھی، اعصاب تنے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، خالی ذہن اور بھاری آنکھیں اسے اکتاہٹ کا شکار کرنے لگے، لائٹ آن ہی تھی، مزید گھنٹہ اس نے یونہی گزارا تب کہیں جا کر نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی تو اسے اس اچانک کی عجیب کیفیت سے فرار نصیب ہوا۔

اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا تو ہر سو اجالا پھیلا۔ رات اس نے کھڑکی کے پٹ کھلے چھوڑے تھے جن سے اب سورج کی کرنیں بنا کسی رکاوٹ کے کمرے میں داخل ہو کر مسلسل اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس نے چندھیائی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور چند ثانیوں بعد ہلکی سی انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی۔ رات دیر سے سوئی تھی اور خاصی تھک کر سوئی تھی سو طبیعت میں بیٹھتے ہی بوجھل پن کا احساس جاگا مگر ہمت کر کے اٹھی اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے، شاور لیا اور قدرے فریش سے تاثرات محسوس کئے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سلجھائے اور ناشتے کی غرض سے باہر نکلی۔

''مستبشرہ بیٹی! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' زہرہ بیگم نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔ رات بے آرامی کی وجہ سے اس کے چہرے پر بے سکونی کے اثرات نمایاں تھے۔

''جی اماں۔'' وہ تھکے سے لہجے میں بولی۔

''لگتا ہے رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی؟'' انہوں نے اپنا قیاس لگایا جو بالکل درست تھا۔

''جی اماں! پتہ نہیں کیوں نہیں آئی حالانکہ میں کل دن کے وقت بھی نہیں سوئی تھی، بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی اب بھی تھکن باقی ہے۔'' وہ آہستگی سے بتانے لگی، آواز تک میں سستی تھی۔

''ایسا ہوتا ہے کبھی کبھار، بہت زیادہ تھکن بھی جسم کو بے سکون اور دماغ کو بوجھل کر دیتی ہے۔'' انہوں نے ناشتہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ پھر لاڈ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سلسلہ کلام جاری رکھا۔

''اسی لئے کہتی ہوں اپنا خیال رکھا کرو، کم کام کیا کرو، بے آرامی سے چہرے پر کشش اور نور بالکل نہیں رہتا۔''

''اماں! صرف آج رات نیند نہیں آئی۔'' وہ ہنسی کہ اماں کو تو بہانہ چاہئے تھا اسے کام سے روکنے کا۔

''ہاں پر اپنا خیال رکھنے میں کیا قباحت ہے اور یوں کرو کہ ابھی ناشتے کے بعد جا کر تھوڑا آرام کر لو، آج اسکول جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' زہرہ شاہ نے بڑے لاڈ سے حکم دیا۔ ویسے بھی وہ مستبشرہ کے اچھے خاصے جسم کو کانٹے سے تشبیہ دیتی تھیں۔ اس کے آرام کا خاص خیال رکھتی تھیں اور اس کا اسکول جانا تو انہیں بالکل اچھا نہیں لگتا تھا کہ خوامخواہ کی مصروفیات میں وہ خود کو مکمل اگنور کر رہی تھی اور آج تو ان کے پاس اسے روکنے کی معقول وجہ تھی۔

''نہیں اماں! آرام واپس آ کر کروں گی وہ بھی ڈھیر سارا، چھٹی نہیں کر سکتی کہ بچوں کا کافی کورس رہتا ہے۔'' مستبشرہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا ساتھ ہی چائے کا سپ لیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' زہرہ شاہ نے نا چاہتے ہوئے بھی اثبات میں کہا کہ وہ ہرگز بھی نہ رکتی، انہیں منا ہی لیتی، پھر بحث کا کیا فائدہ۔

''تھینک یو اماں! یو آ سو گریٹ۔'' وہ خوشی سے بولی اور چائے ختم کرنے کے بعد اسکول کی تیاری کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

فلک نے انگلش کی بک اٹھائی، کھولی اور پڑھنا شروع کیا۔

مشارب نے اسے بہت کہا کہ ''لاؤ بک میں تیاری کرواتا ہوں'' مگر وہ نہ مانی کہ اس مرتبہ خود ہی تیاری کر کے پیپر دے گی کیونکہ جب وہ مشارب کے ساتھ ہوتی تھی تب اسے صرف باتیں یاد رہتی تھیں۔ پچھلی بار بھی پڑھائی کے نام پر وہ اس کے ساتھ گھنٹوں باتیں کیا کرتی تھی اور جب باتیں کر کے تھک سی جاتی تب بیزاری سے کتاب بند کئے کمرے میں آتی اور لمبی تان کر سو جاتی تھی، جس کے نتیجے میں

سخت سزا وہ بھگت رہی تھی جبکہ اس مرتبہ تو معاملہ ہی الگ تھا۔

پہلے دوستی میں باتیں تھیں اب کی بار محبت اپنی جڑیں مضبوط کرنے میں اسی کی ذات میں مگن رہنے لگی تھی۔وہ سامنے ہوتا تو فلک جذبات واحساسات کی شدت وچاشنی میں ڈوبی مشارب میں محو رہتی۔فیس ٹو فیس باتیں کرتی اور اس بھی جی نہیں بھرتا تو تصورات میں اس کے سنگ ننگے پاؤں گلاب کی پتیوں پر...... ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے الفت کی منزل پانے نکل پڑتی۔دل کے مندر میں اسے دیوتا بنائے اس کی پرستش میں مصروف رہتی، ہر احساس میں اسے محسوس کرتی۔

ایسے میں پھر بھلا پڑھائی خاک ہونی تھی۔سو یہاں نادان، لاابالی سی فلک شاہ نے خاصی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے خود ہی پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ڈائجسٹ پڑھنا اور نیٹ یوز کرنا تو اس نے اسی وقت ہی چھوڑ دیا تھا جب اندر کا موسم خوشگواریت میں بدل گیا تھا پھر دل کی مصروفیت اتنی بڑھی کہ بس دل کی ہی ہو کر گئی تھی۔اگلے ہفتے اس کا پیپر تھا سو فہمیدہ بیگم نے کسی چھوٹے سے کام کیلئے بھی اسے آواز نہ دی کہ ایک ہی طرف دھیان رکھے۔اس وقت بھی وہ مشارب کی طرف سے ہو کر آئی تھی اور اب کتاب کھولے پڑھنے اور یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔اسے ہر صورت میں مشارب کے معیار پر پورا اترنا تھا۔اس کی پسند کے مطابق ڈھلنا تھا۔اپنے دل کی خاطر، اپنی محبت کے لئے، اسے مشارب شاہ کا ساتھ مقصود تھا۔

☆......☆......☆

''علی......'' ناشتے سے فراغت کے بعد وہ اٹھ کر جانے لگا تھا...... جبھی ساجدہ بیگم نے کافی غور وخوض کے بعد اسے پکارا تھا اور وہ جو مجبوراً خود پر سے ان کا شک ہٹانے کے لئے ناشتے کی فارمیلٹی نبھانے ان دونوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔آواز پر قدم روک کر خود کو کمپوز کرتا ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی مما......؟''

''بیٹھو یہاں۔'' انہوں نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

''مما! مجھے عمر کی طرف جانا ہے۔'' وہ فرار ہونا چاہتا تھا...... سو وہیں کھڑے کھڑے بولا۔

''پہلے تم یہاں آؤ...... بیٹھو ادھر۔'' ساجدہ گیلانی کا لب ولہجہ آج پہلے سا نہیں تھا۔اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا، ان کے لب ولہجے پر غور کرنا چاہا، کچھ سمجھ نہ آیا۔

''مما! مجھے اس سے ضروری کام ہے۔'' اس نے فوراً عذر پیش کیا۔دل میں کوئی بات سننے کی سکت ہی نہیں تھی، عجب تکلیف اسے مسلسل بے چینی میں گھیرے تھی۔

''مجھے بھی تم سے ضروری بات کرنی ہے، تم میری بات سنو گے کہ نہیں۔'' اب کے وہ سخت ہوئیں، انداز میں تحکم تھا۔

''مما......'' وہ الجھن کا شکار نظر آیا۔

''علی! دو منٹ کے لئے سن لو ماں کی بات، ادھر آؤ شاباش، پھر چلے جانا بات سننے کے بعد۔'' حسن گیلانی نے مداخلت کی، اسے آہستگی سے کہا۔ وہ بھاری قدموں کے ساتھ واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور خاموش مگر سوالیہ نظروں سے ساجدہ گیلانی کو دیکھا۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' انہوں نے سنجیدگی سے استفسار کیا اور یہ استفسار محض اوپری نہیں تھا، انہوں نے علی کی یونیورسٹی آف ہونے کے بعد سے اس میں آئی تبدیلی و بے چینی کو محسوس کیا تھا۔ اس متعلق شوہر سے بھی بات کی، دونوں نے کل تک بغور علی کے ہر ہر عمل کو نوٹ کیا اور رات کو فیصلہ کیا کہ صبح پوچھیں گے سب وجہ......سونا شتے کے دوران بھی علی آیان پر کڑی نظر رکھی اور اس وقت وہ ماں باپ کی عدالت میں جواب دہی کیلئے آ چکا تھا۔

''کون سی بات؟'' علی نے سرعت سے اپنی بات کو چھپائے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ لایا۔

''بنو مت علی؟'' انہوں نے اسے ڈپٹا کہ آج کوئی بہانہ نہیں سننے والے تھے دونوں۔

''مجھے کیا ضرورت ہے بننے کی جب کوئی بات ہے ہی نہیں۔'' وہ قیاس لگا بیٹھا کہ بری طرح پھنسنے والا ہے مگر اپنے تئیں ''سب ٹھیک ہے'' ظاہر کرنا چاہا۔

''تم ابھی ہماری نظر میں اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ ہمیں اپنی باتوں سے ٹال سکو، تمہاری چالاکیاں ہمارے تجربے کے ساتھ کچھ بھی نہیں ہیں۔'' حسن گیلانی خاصی سنجیدگی سے بولے۔

''اور تم اس بھول سے نکل آؤ آیان کہ تمہارے ہر روز کے بہانے سے ہم مطمئن ہیں، بالکل بھی نہیں۔ بے آرامی کا بہانہ، فلم دیکھنے کا جواز، سوجی آنکھیں، الجھا چہرہ، بے ترتیب بال، بڑھی ہوئی شیو، ہر وقت کی بے دھیانی، بے چینی، کھانے کے نام پر دو لقمے......کیا سمجھیں ہم؟ ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟'' ساجدہ بیگم بھی حد درجہ سیریس تھیں۔ علی آیان کی کوئی ٹال مٹول آج برداشت نہیں کرنے والی تھیں، یہ وہ ان کے رویئے سے محسوس کر چکا تھا۔

''آپ کو مجھ پر شک ہے؟'' مگر وہ اوپری دل سے گویا ہوا۔

''تم نے ان دنوں اپنے حلیے سے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔''

''آپ جانتے ہیں ڈیڈ! میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔'' وہ باپ سے گویا ہوا۔

''اب یہی تمہارا جھوٹ ہے۔'' جس پر ساجدہ گیلانی کا غصہ دیدنی تھا۔

''پلیز مما......'' وہ اکتایا۔

''تم کیا سمجھتے ہو علی! تمہیں بے چین دیکھ کر میں آرام سے رہ سکتی ہوں، نہیں ناں......اس دن تم عمر سے ملنے کا کہہ کر گئے تھے مگر

میں نے اسے شام کو فون کر کے پوچھا تو تمہارے جھوٹ کی سچائی سامنے آ گئی۔ کہاں گئے تھے اس دن جبکہ تمہاری طبعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔" اپنے اکلوتے بیٹے کے جھوٹ کا پردہ فاش کرتے ہوئے آخر میں وہ لہجے میں نرمی کا عنصر لائیں۔ علی نے اپنے پکڑے جانے پر شرمندگی سے نظریں جھکائیں تھیں۔

"بیٹا! ہم تمہارے اپنے ہیں، کم آن ہری اپ، اگر کوئی مسئلہ یا پریشانی ہے تو ہمیں بتاؤ مل بیٹھ کر سلجھاؤ نکالتے ہیں۔" حسن گیلانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں اس سے جاننا چاہا۔

علی کی حالت نے انہیں پہلے دن سے ہی شک میں ڈالا تھا مگر وہ دونوں اس وقت چپ ہو گئے تھے کہ علی ہمیشہ کی طرح خود ان سے سب شیئر کرے گا لیکن وہ خاموش رہا۔ خاموشی سے زیادہ افسردگی میں ڈوبا نظر آیا، جس کے پیش نظر انہوں نے عمر سے بھی رابطہ کیا مگر عمر کو علی نے کچھ نہ بتانے کی اپنی جگہ قسم دے رکھی تھی......سو وہ جانے بوجھتے انجان بن گیا تھا۔

"آپ لوگ میرا یقین کیوں نہیں کرتے؟ کوئی بات یا مسئلہ نہیں ہے۔ کیا میں سیریس نہیں ہو سکتا اور اگر آپ میرا یقین نہیں کر سکتے تو عمر سے پوچھ لیں تب آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔" اب وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔ اتنی ہمت نہیں تھی اس کے اندر کہ خود پر گزرا ستم زبان پر لا کر مزید کرب کا شکار ہوتا مگر آج وہ دونوں جانے انجانے میں اس کے زخم ہرے کئے ان پر گویا نمک چھڑک رہے تھے۔

"عمر سے کیوں پوچھوں؟ تم آج مجھے اطمینان دلاؤ، کھاؤ میرے سر کی قسم اور کہو کہ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہے، تمہاری مسکراہٹ پر سنجیدگی کسی خاص وجہ سے نہیں ہے۔ رکھو میرے سر پر ہاتھ اور کھاؤ قسم، پھر نہیں پوچھوں گی میں تم سے کوئی سوال۔" بیٹے کی بات پر ساجدہ گیلانی کی ممتا تڑپ اٹھی تھی، ہذیانی انداز میں اس پر چلائیں، اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھا، اس لمحے علی آیان حسن گیلانی جیسے مجبور ہوا تھا، بے بس ہونے لگا تھا۔

"میں کیسے کہہ دوں مما! کہ آپ کا بیٹا اب جینا نہیں چاہتا، مجھ پر جو گزری کیسے بیان کروں وہ سب جسے سن کر نہ آپ کو قرار ملے گا نہ مجھے راحت۔ اپنے دل کی کہانی، دکھ کیسے لاؤں زبان پر۔" بھری ہوئی آنکھوں، بھرائی ہوئی کپکپائی آواز میں کہتا بالآخر وہ ٹوٹ گیا۔ ضبط کے تمام بندھن اس کے دامن میں سے چھوٹ گئے۔ دکھ......کی تصویر بنا وہ ان دونوں کو بھی پل بھر میں تاسف و یاسیت میں ڈال گیا تھا۔ بیٹے کے بکھرنے پر ان دونوں کی آنکھیں آپس میں ٹکراتی سوالیہ سی رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

صبح ناشتے کے بعد بھی پورے گھر میں گہما گہمی کا سماں تھا۔

کلثوم پھپھو اور مراد ایک آدھ گھنٹے میں واپسی کے لیے نکلنے والے تھے اور ناشتے کے بعد ہی انہوں نے سعید احمد سے شادی کی تاریخ مانگ لی تھی۔ وہ بھی دو مہینے سے پہلے کی۔ سب ہی حیران ہوئے تھے۔

''اتنی جلدی سب کیسے ممکن ہے؟'' سعید صاحب نے کہا۔

''کیوں نہیں ممکن؟'' جب وہ پوچھنے لگیں۔

''آپا! اتنی جلدی تو مشکل ہے، ہماری تو ذرا بھی تیاری نہیں ہے۔'' نفیسہ بیگم کو تیاری کی فکر نے گھیرا۔ گھر میں دو بیٹیاں تھیں، جہیز تو ساتھ ہی ساتھ بنالیا تھا مگر اس کے علاوہ بھی شادی کیلئے فوراً سے تیاری بالکل نہ تھی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے اور تیاری کا کیا ہے، ہونے کو تو ایک ہفتے میں ہو جاتی ہے اور ویسے بھی ہمیں صرف ہماری بچی چاہیئے، جہیز کی کوئی ضرورت نہیں۔'' کلثوم بیگم صاف بولیں۔ جواباً کوئی کچھ نہ بولا، کسی کو اعتراض نہ تھا۔

خاندان کے تمام افراد ہی وہاں موجود تھے سو وہیں سب کی مشاورت سے دو ماہ کے اندر ہی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ چٹ منگنی سے جہاں سب حیران و خوش ہوئے تھے...... وہیں پٹ بیاہ کی خبر سب کے چہروں پر مسکراہٹ لائی۔ تمام بزرگ افراد مطمئن تھے اور لڑکیاں خبر سنتے ہی شادی سے متعلق پلاننگ کیلئے سر جوڑ کر بیٹھ گئیں کہ جہیز کی تیاری اور بری سے زیادہ ان کے ملبوسات کی فکر زیادہ اہم تھی۔ ہر لڑکی سوچ میں ڈوبی تو تمام خواتین ان کی فطرتی پریشانی و جلد بازی پر مسکرانے لگیں۔ کلثوم بیگم، مراد سے سب باتیں کر چکی تھیں اور اب شادی سے متعلق چند ضروری باتیں سب بڑے طے کر رہے تھے۔

مہ روش تک بھی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پہنچی تو وہ بے یقین سی کمرے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ سب اتنی جلدی اور اچانک طے پائے گا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

''کیا سوچا جا رہا ہے؟'' وہ بے خیالی میں کھڑی تھی جب سب سے نظر بچا کر مراد اس کے کمرے میں آیا تھا اور آتے ہی اس کو محو دیکھ کر اس کے کان کے قریب بولا تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''کچھ خاص نہیں۔'' کہتے ہی دو قدم آگے ہوئی کہ مراد اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔

''اچھا پر میرے خیال میں تو اب تمہیں خاص ہی سوچنا چاہیے۔'' وہ متبسم لہجے میں شوخی سے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی اب جلد ہی ہماری شادی ہونے والی ہے، اچھا اچھا سوچا کرو۔''

''ہاں پر آپ کو نہیں لگتا کہ شادی کا فیصلہ بہت جلدی لیا گیا ہے۔'' وہ بولی۔

''کیوں تمہیں اعتراض ہے؟'' مراد سنجیدہ ہوا، استفسار کیا۔

''ابو امی کا فیصلہ ہے، میرے اعتراض کی تو بات نہیں ہے، بس میں چاہتی ہوں کہ اتنا وقت تو ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کو جان سکتے۔'' اس نے وجہ بتائی۔ مراد سن کر مسکرایا۔

''جانا تو ان دو ماہ میں بھی جا سکتا ہے، ہم روزانہ فون پر بات کریں گے۔'' ساتھ ہی حل پیش کیا پھر مزید اضافہ کیا۔

''جانتی ہو جلدی شادی کیلئے امی سے میں نے ہی کہا ہے ورنہ ان کا ارادہ ایک ڈیڑھ سال بعد کا تھا۔'' اسے بتانے لگا۔

''آپ نے کیوں کہا؟'' مہ روش نے بے ساختہ پوچھا۔ ویسے بھی مراد سے بات چیت اور بہت سی ملاقاتوں اور خصوصاً منگنی کے بعد اس کی جھجک بھی کم ہوئی تھی۔

''کیونکہ یہ دل اب تم سے زیادہ دور نہیں رہنا چاہتا۔'' مراد نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے چاہت سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔ مہ روش کے چہرے پر مسکراہٹ اتری۔ اب تو مراد سے اسے ایسے جملے سننے کی عادت سی پڑتی جا رہی تھی۔

''میرے لیے تمہارے ساتھ کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اپنی ذات کی قدر میرے دل سے پوچھو تو محبت کا لفظ بھی چھوٹا لگے گا۔'' مراد منصور نے بات جاری رکھتے ہوئے اسے ایک مرتبہ پھر اپنی محبت پر یقین دلایا۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ مجھ سے یہ سب کہہ سکتے ہیں، مجھ سے کیا بلکہ کسی سے بھی کہہ سکتے ہوں گے۔'' ماہی دل سے یقین کرتی آہستہ مگر کھنکتے لہجے میں بولی۔

''اچھا کیوں؟'' اس نے جاننے میں دلچسپی ظاہر کی۔

''اس لیے کہ آپ جیسے سنجیدہ بندے کے بارے میں جاننا، کچھ کہنا یا ایسا کچھ سننے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔'' وہ صاف بولی کہ خود بھی اس متعلق اس کا دھیان کبھی نہیں گیا تھا۔

''کیوں کیا سنجیدہ رہنے کا یہ مطلب ہے کہ بندے کے سینے میں دل نہیں یا وہ جذبات سے عاری ہے۔'' سن کر وہ محظوظ ہوا۔ پرشوق نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

''پہلے تو ایسا ہی لگتا تھا مگر آپ سے ملاقات کے بعد...... اب ایسا بالکل نہیں لگتا۔ میں جان چکی ہوں کہ آپ کے سینے میں دل ہے، دل میں جذبات ہیں اور وہ جذبات صرف میرے لئے ہیں۔'' ماہی مبہم سے لہجے میں بولی۔

''اور ان جذبات پر میں نے آج تک سنجیدگی کا لبادہ اس لیے اوڑھے رکھا کہ ایک دن پوری ایمانداری سے انہیں تمہیں سونپ کر تمہیں پاؤں گا اور وہ دن آج کا دن ہے، میری تمام محبتیں تم پر نثار ہونا چاہتی ہیں مہ روش...... تم میرے دل میں بسی ہو، میری ذات تم بن نامکمل ہے۔'' مراد اپنی تمام تر شدت سے کہتا حرف حرف مہکاتا اس کے کان میں محبت کا رس گھولنے لگا۔ آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما اور اگلے ہی لمحے اپنے لب اس کی پیشانی پر رکھ کر اسے ساتھ لگا گیا۔

اس پر سحر لمحے میں مہ روش کا دل عجب سریلی لے پر دھڑکا تھا، جبھی جسم نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

''میں اس دن کا شدت سے انتظار کروں گا جب تم تمام حقوق سمیت میری دسترس میں آؤ گی۔'' مراد منصور نے آہستگی سے اسے

خود سے دور کیا...... ساتھ ہی مسکراتی نظر اس پر ڈالے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بہت دیر بعد تک ماہی کے لب اپنائیت و محبت کے احساس سے مسکراتے رہے تھے۔

کچھ دیر بعد کلثوم پھپھو، مراد منصور سب سے ملتے ہوئے...... اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ شاہدہ پھپھو اور ریحانہ خالہ بھی اپنے اپنے بچوں کے ساتھ چلی گئیں کہ اب تو شادی کی تیاری بھی کرنی تھی اور تیاری کیلئے دو ماہ کا عرصہ بہت کم تھا۔ نفیسہ بیگم اور سعید احمد بھی ان سب کے جانے کے بعد اسی متعلق باتیں کر رہے تھے۔ وقار آفس کیلئے نکل چکا تھا۔ پریشے کچن سمیٹنے چل دی تھی۔

☆......☆......☆

''مما! میں ٹوٹ گیا ہوں، اب نہیں سمیٹ سکتا خود کو۔'' ایک ایک لفظ کی گہرائی میں کرب بے شمار تھا۔ لرزتے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے تھے۔

''سنبھلنا بہت مشکل ہے، میں بکھر گیا ہوں، اندر باہر سب ایک سا ہے۔ میں کتنا خوبصورت سمجھتا تھا زندگی کو مگر زندگی بہت گندی لگنے لگی ہے، ہر سانس محض تڑپاتی ہے...... میرا دل پھٹ جائے گا۔'' آج وہ ضبط کھو بیٹھا تھا۔ کسی معصوم بچے کی طرح ماں باپ کے سامنے دل کا غم بیان کرتا بلک اٹھا۔

''علی......!'' ساجدہ گیلانی منہ کھولے دم سادھے رہ گئیں۔ بیٹے کے لہجے و بات نے گویا ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا، اس کی ساکت ہاتھ اپنے لرزتے ہاتھ میں لیا۔

''کیوں مما! میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ بے یقین، غمزدہ، متورم سا۔ تقدیر کے لکھے پر یقین کر کے بھی اپنے نصیب کا رونا، تکلیف دہ اصلیت کو قبول کرنا بہت کٹھن تھا۔'' وہ کیا جواب دیتیں، خاموش رہیں۔ ساجدہ گیلانی کی حالت دیکھنے لائق تھی۔

''کم آن علی بی بریو...... یوں ہمت نہ ہارو، آرام سے مجھے سب بتاؤ، اس سب کی وجہ کیا ہے۔'' حسن گیلانی نے ضبط سے کام لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''مستبشرہ۔'' بڑی دقتوں سے اس نے نام لبوں پر لاتے ہوئے انکشاف کیا، اپنی حالت زار کی وجہ بتائی۔

''وہاٹ؟'' جو یقیناً ان دونوں کیلئے ناقابل یقین تھی۔

''مگر بیٹا! تم تو......'' ساجدہ گیلانی نے بات ادھوری چھوڑی کہ نام لینے کے بعد بیٹے کی بھیگی آنکھیں الجھن پیدا کر گئیں۔

''مستبشرہ کیسے علی! تم تو اس سے محبت کرتے ہو؟'' حسن گیلانی بھی متعجب سے تھے۔

''ہاں پر وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی۔'' ٹوٹی آواز میں اس نے ماں باپ پر ایک اور ناقابل یقین انکشاف کیا۔

''تم نے تو کہا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو پھر وہ رشتے کی بات یقیناً تم نے اس کی رضامندی کے بغیر نہیں

کی تھی۔'' ساجدہ گیلانی شاکڈ تھیں، متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں مما! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی، بہت خودغرض تھی وہ، اس نے میرے جذبات کے ساتھ مذاق کیا، میری محبت کی توہین کی، وہ کہتی ہے اسے محبت پر یقین نہیں ہے۔ اس نے محض ٹائم پاس کیلئے مجھے اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلایا، مجھے فریب دیا، میری آنکھوں سے سارے خواب نوچ لئے، میری زندگی کو بے مقصد بنا کر اس نے اپنی راہیں جدا کر لیں۔ پل پل جینا مشکل ہے، میرے لئے اب سانس لینا موت کے درد سے کم نہیں ہے۔'' یہ وہ علی آیان حسن گیلانی تو بالکل نہ تھا جو کبھی زندگی کی حسین رنگینیوں سے دل آباد رکھتا، ہنستا مسکراتا، خوش رہتا۔ جس نے کبھی دکھ درد دیکھا نہ تکلیف و اذیت کی بات کی تھی مگر اس لمحے وہ کرب والم کی تڑپتی تصویر بنا ان دونوں کو بھی لمحے میں غم سے نڈھال کر گیا۔ کچھ بھی بولنے کی صلاحیت کھو کر اسے دلاسہ، تسلی یا ہمدردی کے دو بول بولنے سے قاصر تھے۔

''میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے اللہ سے شکوے کئے، محبت سے گلہ کیا، مستبشرہ سے نفرت شدید نفرت کرنی چاہی، خود کو سنبھالنا چاہا مگر میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، نہ دل کو قرار ملا نہ اسے بھول سکا۔ اس سے جتنی نفرت کرنا چاہتا ہوں وہ اور شدت سے یاد آتی ہے۔ دل محبت کا تقاضا نبھا رہا ہے، اس سنگدل بے وفا سے وفا کرنا چاہتا ہے۔'' لمحہ لمحہ علی بے بسی کی دلدل میں اترے جا رہا تھا۔

ساجدہ گیلانی نے متورم آنکھوں سے شوہر کو دیکھا جو اکلوتے بیٹے کی بے بسی پر بے بس اس کے غم میں شریک تھے۔

''میں سنبھل نہیں پایا، حقیقت کو قبول کر کے یقین نہیں آ رہا۔ مجھ میں کیا کمی یا میری محبت میں کھوٹ تھی جو وہ میرے جذبات کی تضحیک کرتی۔ کیا میری آنکھوں میں اس نے صرف اپنا عکس نہیں دیکھا؟ میں نے اسے زندگی کہا اور اس نے مجھے زندہ رہنے کے قابل بھی نہ چھوڑا، کیسے جیوں گا میں اس کے بغیر...... اس کی یاد دل کو بے قرار کرتی ہے، میرا دماغ اس کی بے وفائی اور فریب کو سوچ کر پھٹنے لگتا ہے، میں پاگل ہو جاؤں گا مما...... اس کا خیال مجھے پاگل کر دے گا۔'' وہ ہذیانی انداز میں بول رہا تھا۔

ہر لفظ بے چین تھا، ہر تاثر میں اضطراب جھلک رہا تھا۔ اس کے جذبات گویا چیخ چیخ کر فنا ہو رہے تھے۔ مستبشرہ سے آخری ملاقات کا اثر لیے ابھی تک تباہ حال سے، اپنی بے قراری پر کراہ رہے تھے۔ اس لمحے اگر مستبشرہ جمال وہاں ہوتی تو یقیناً ایک لمحے کے لئے سوچتی ضرور۔ کیا اس کا فیصلہ درست تھا؟ محبت کو محبت کے ناٹک سے ختم کرنے کی سوچ دانشمندانہ تھی؟ کیا واقعی میں اس کے فیصلے وسوچ نے علی آیان حسن گیلانی کو محبت کی راہوں سے واپس لے لیا تھا؟ کیا وہ یہ دیکھ کر اب بھی اپنے فیصلے پر مطمئن، اپنی سوچ کے درست ہونے کا اظہار کر سکتی کہ اس کے عمل و فعل نے علی کو واپسی کے بجائے محبت کی نہج سے اس بری طرح پٹخا تھا کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ علی جیسا محبت میں اس کے پیار میں جذباتی، سچا، بے لوث شخص کس اذیت سے گزر رہا ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے بعد وہ اپنے فیصلے کی صداقت کا نغمہ گاتی؟ نہیں ہرگز نہیں......؟ اس نے جس مقصد کے تحت بھی فیصلہ کیا تھا اگر اس سے ہٹ کر اس وقت وہ علی کو دیکھ لیتی تو یقیناً اپنے کیے پر پچھتاتی۔

جھوٹی محبت، پیار کا ناٹک خاک سچی محبت کو نفرت میں بدل سکتا ہے مگر آہ! افسوس...... اپنی اپنی سوچ، اپنا اپنا فیصلہ، اپنے جذبات

اور ہر ایک کا اپنا نظریہ، جسے اپنے اپنے انداز میں رنگ دے کر بھی بعض اوقات سب کچھ سوچ کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ مستبشرہ جمال کا یہ کھیل بازی الٹ گیا تھا۔

علی حقیقت وفسانے کی الجھن میں نہیں پڑا۔ اس کا دل برباد ہوا تھا۔ اصل رونا تو اس کا تھا، اتنی گہری چوٹ کھانے کے باوجود بھی اس کے قدم پیچھے نہیں مڑے تھے بلکہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے منجمد تھے۔ صدمے سے نڈھال بھی لاکھ کوشش، گلے شکوے اس کے دل میں ابھی مستبشرہ جمال کے خلاف نفرت کا بیج نہ بو سکے۔

''مما! وہ بہت اچھی تھی پھر اس نے ایسا کیوں کیا، میں نے کتنا اسے روکا پر وہ نہیں رکی، اپنی محبت کی بھیک مانگی مگر وہ چلی گئی، مجھے خالی ہاتھ چھوڑ کر، میں اندر سے مر گیا ہوں مگر وہ میری نس نس میں ابھی تک زندہ ہے، مجھے مار کر وہ خود زندہ ہے۔'' علی آیان کی آواز تک بھیگی ہوئی تھی۔

اور وہ دونوں اس لمحے ایسی کیفیت کا شکار تھے کہ چاہ کر بھی اسے حوصلہ نہیں دے پا رہے تھے۔ تسلی کے دو بول ان کے کپکپاتے ہونٹوں سے ادا نہیں ہوئے تھے۔ یہ زندگی میں ان کی سب سے بڑی کمزور گھڑی تھی، بیٹے کی شکستہ حالت ان کے صبر کا کڑا امتحان لینے سامنے تھی۔

ساجدہ گیلانی نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا تو وہ کسی معصوم بچے کی طرح اپنے درد پر ضبط مارے رونے لگا۔ ان دونوں کو اپنے تمام سوالات اور بیٹے کے ظاہری روپ میں بدلاؤ و گریز سے متعلق تمام جوابات مل چکے تھے۔ حسن گیلانی نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا جبکہ ساجدہ گیلانی بیٹے کے ساتھ برابر رو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

رات کے تقریباً ڈھائی بج رہے تھے جب وہ بیڈ سے اتر کر صوفے پر آ کر بیٹھی تھی۔ کمرہ لائٹ آن ہونے کی وجہ سے روشن تھا مگر اس کا دماغ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کروٹ پر کروٹ بدلنے سے اعصاب شل ہونے کو تھے۔ انجانی وحشت کمرے کی خاموش فضا میں مسلسل گھٹن بڑھا رہی تھی۔

آج مسلسل تیسری رات تھی جب شدید نیند و تھکن کے باوجود بھی وہ اتنی دیر تک جاگ رہی تھی۔ جاگ کیا رہی تھی......؟ اسے نیند ہی نہیں آ رہی تھی اور یہی بات اسے محوِ حیرت کیے تھی جو وہ رات کے ڈھائی بجے صوفے پر بیٹھی سوچنے پر مجبور تھی اور نیند نہ آنے کی وجہ اخذ کرنے کی سعی میں جہاں بری طرح ناکام ہو رہی تھی وہیں دل میں جڑیں پھیلاتی وحشت و الجھن اسے متعجب کیے جا رہی تھی۔ ایک دن کی ہی یہ بات ہوتی تو وہ یقیناً اسے فراموش کر چکی ہوتی مگر آج مسلسل تیسری رات اور مسلسل ایک سی کیفیت وہ نظر انداز نہ کر پائی۔ دن کے وقت وہ بالکل ٹھیک اور نارمل سی رہتی مگر جیسے سونے کیلئے لیٹتی تو نیند گویا کھلی آنکھوں میں محدود سی ہو کر رہ جاتی۔ مگر وہ انجان تھی۔ سوچنے کی کوشش میں وجہ معلوم کرنے میں ناکام رہی تھی۔

ایک ایک لمحہ اس کے اعصاب و خیالات پر بھاری گزر رہا تھا لیکن دب دیوار گیر گھڑی نے تین کا ہندسہ عبور کیا تو مستبشرہ جمال مجبوراً پھر سے جا کر لائٹ آف کرتی بیڈ پر لیٹی تھی۔ دیر سے سونے کے باوجود بھی اس نے دونوں دن اسکول سے چھٹی نہیں کی تھی کہ آج کل اسکول میں کام بھی بہت زیادہ تھا اور بچوں کا کورس بھی کمپلیٹ کروانا باقی تھا۔ سو کل کی چھٹی کا بھی اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''اللہ جی......رحم۔'' منہ تکیے میں دینے سے پہلے وہ اتنا ہی بولی پھر اس کے بعد اگلے کچھ ہی لمحوں میں ہوش و حواس سے غافل ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

''یار! قسم سے تم ساری کی ساری بہت بے وفا دوستیں ہو۔'' سلام دعا، حال احوال پوچھنے و بتانے کے بعد درعدن اپنے مخصوص لہجے میں قدرے طنزیہ بولی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' ماہی نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''کچھ بہت خاص نہیں بٹ یار! بندہ چار سالہ دوستی کی خاطر ہی سہی شرم کر لیتا ہے۔ یونیورسٹی آف ہوئے مہینے سے اوپر ہو گیا ہے مگر تم تینوں میں سے کسی ایک نے زحمت نہ کی کہ کال کر لے۔ آنکھیں پھیر کے یوں بھولیں جیسے چار سال بھی مجبوراً اکتاہٹ میں گزارے ہوں......ویری سیڈ!'' وہ خوب حساب لینے کے موڈ میں تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے، اور اگر ہم نے کال نہیں کی تو تم نے بھی تو نہیں کی، جانے آج کیسے خیال آ گیا تم کو؟'' ماہی نے فوراً سے اسے گرفت میں لینا چاہا۔

''جیسے بھی آیا مگر آیا تو ہے ناں......تم لوگوں کو تو تب تک نہ آنے والا تھا جب تک میں خود رابطہ نہ کرتی۔ قسم سے یقین نہیں آ رہا کہ اتنی جلدی بھول جاؤ گی تم سب ایک دوسرے کو۔'' وہ حیرانگی ظاہر کرنے لگی۔

''پر میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں ہم چاروں میں سے کوئی کسی کو نہیں بھولا، بس وقت اور مصروفیات بہانہ بنائے جاتی ہے۔'' ماہی جواباً بولی۔

''بالکل اور ایک بات تو تمہیں بتائی ہی نہیں۔'' عدن نے دوستانہ گلے شکوے سائیڈ پر رکھتے ہوئے یاد آنے پر کہا، ساتھ ہی موبائل دوسرے کان سے لگایا۔

''کون سی بات؟''

''معطر کی شادی ہو گئی ہے۔'' عدن نے خوشگوار آواز میں حیران کن انکشاف کیا۔

''واٹ......معطر کی شادی......کب ہوئی؟'' ماہی متعجب ہوئی، چونک کر پوچھا۔

''ہاں جی معطر کی شادی۔'' عدن نے گویا اسے یقین دلایا۔

''اس نے ہمیں انوائٹ نہیں کیا؟''

''اس لئے نہیں کیا کہ اسے انوائٹ کرنے کا وقت ہی نہیں ملا بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اسے خود کے سوچنے کا بھی وقت نہیں ملا۔'' عدن بتا رہی تھی۔

''مطلب؟'' ماہی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''مطلب یہ کہ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد جب وہ گھر پہنچی تو اسے مطلع کیا گیا کہ اس کی رخصتی ہے کیونکہ شایان کی دادی کو سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور انہوں نے ہوش میں آتے ہی اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی زندگی میں بلکہ آناً فاناً اپنے پوتے کا گھر بستا دیکھنا چاہتی ہیں، ان کی خواہش کا احترام کیا گیا اور دونوں طرف دو دن میں جتنی تیاری ہو سکتی تھی کی گئی اور جب معطر ہوش میں آتے ہی سنبھلی تب تک شایان کا نام اسی کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا۔ اس دن میں نے اس سے فون پر بات کی تھی، ہمیں نہ بتانے و بلانے پر وہ شرمندہ بھی تھی مگر آج کل وہ اپنے مسٹر کے ساتھ ہنی مون منانے گئی ہوئی ہے۔'' درعدن نے خاصی تفصیل سے اسے بتایا۔

''واؤ سو انٹرسٹنگ۔'' مہ روش ذہن میں معطر کی شادی کی تمام ڈرامائی صورتحال لا کر لطف اندوز ہوئی تو خوش گواریت سے بولی۔

''معطر خوش تو تھی ناں؟'' پھر عدن سے پوچھنے لگی۔

''ہاں بہت زیادہ۔'' اس نے بتایا۔

''اور دادی کیسی ہیں اب ان کی؟''

''اور شایان کی دادی معطر کو پوتے کی دلہن بنانے کے بعد ماشاءاللہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''اچھا میں بھی تمہیں ایک بات بتاؤں؟'' ماہی، معطر کے لیے دل سے خوش و دعا گو تھی۔ اچانک کی شادی پر انوائٹ نہ کرنے پر ذرا بھی خفگی دل میں لائے بغیر استفہامیہ بولی۔

''ہاں بتاؤ۔''

''میری بھی انگیجمنٹ ہوگئی ہے۔'' آہستگی سے اس کے گوش گزار کیا۔

''واٹ......'' سنتے ہی درعدن چونکے بنا نہ رہ سکی۔

''کب ہوئی؟''

''لاہور واپس آنے کے ایک ہفتے بعد۔'' مختصراً بتایا۔

''کس سے؟'' اس نے برجستہ پوچھا۔

''مراد منصور سے۔'' نام بتاتے ہوئے وہ مسکرائی۔

''یہ جناب آپ کے کون ہوتے ہیں؟''

''کلثوم پھپھو کے بیٹے ہیں۔'' مختصراً بتایا۔

''او کے بٹ لو یا ارینج ہوئی ہے اور اتنی جلدی کیسے ہوگئی، تم نے کبھی اس متعلق ذکر بھی نہیں کیا تھا۔'' در عدن اپنی عادت سے مجبور ایک ایک بات پوچھ رہی تھی۔

''ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذہن میں یہ بات تھی ہی نہیں اور مکمل ارینج ہونے کے علاوہ لو بھی کہہ سکتے ہیں۔'' وہ موڈ میں سرشاری سے بولی، مراد کے ذکر کے بعد ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ نے احاطہ کرلیا تھا۔

''لو کیسے؟'' جبکہ وہ حیران ہوئی، ساتھ بات جاری رکھی۔

''تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تم کسی سے محبت کرتی ہو؟''

''پہلے نہیں کرتی تھی بٹ پیپرز سے پہلے مراد دو دفعہ یونیورسٹی آئے تھے، تب نہ مجھے محسوس ہوا نہ انہوں نے احساس دلایا، سو تم میں سے کسی کو نہ بتایا مگر لاہور آنے کے بعد میں نے ان کیلئے اپنے دل میں محبت محسوس کی اور جب انہوں نے بھی اقرار کیا تو میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا، بس پھر ہوگئی انگیجمنٹ۔'' مہروش نے تفصیل سے تمام ماجرا اس کے گوش گزار کیا۔

''واؤ گریٹ۔'' عدن، معطر کی اچانک شادی کی خبر کے بعد ماہی کی انگیجمنٹ پر خوش ہوئی تھی۔

''اور مصروفیت اتنی تھی کہ تم میں سے کسی کو کال نہ کرسکی۔'' مہروش نے جبھی وجہ بتائی۔

''کوئی بات نہیں۔''

''تھینکس اور آج کل تم یقین کرو ایک لمحے کی فراغت نہیں، روزانہ بازار کا چکر لگتا ہے، شاپنگ ختم ہونے کو نہیں آرہی، شادی میں ڈیڑھ ماہ باقی ہے۔''

''واٹ ڈیڑھ ماہ بعد تمہاری شادی ہے۔'' عدن نے سنتے ہی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں پھپھو کی خواہش پر شادی جلدی ہورہی ہے۔''

''اوہ نو۔'' عدن نے مدھم آواز میں ری ایکٹ کیا۔ مہروش نے اس کی آواز میں مایوسی کی جھلک محسوس کی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' جبھی استفسار کیا۔

''مطلب اب تم میری شادی پر نہیں آسکتیں، کتنی خوش تھی میں کہ تم سب آؤ گی۔'' عدن روہانسی سی بولی۔

''تمہاری بھی شادی ہورہی ہے۔''

"ہاں جی اور اگلے ماہ کے اینڈ میں ہو رہی ہے۔" اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"اُفوہ...... بٹ یار عدن! اب کیا ہو سکتا ہے۔" ماہی کچھ خاص کہنے سے قاصر تھی سو اتنا ہی بولی تھی البتہ اسے بھی افسوس ہوا تھا کہ وہ نہیں جا سکے گی۔

"کچھ بھی نہیں، بس خوشی ادھوری رہے گی۔ معطر صاحبہ، شایان میں بزی ہوں گی...... تم اپنے پیا کے دیس سدھارو گی اور مستبشرہ جمال...... اس کی تو ہر بات ہی نرالی ہوتی ہے، ایک تو اس نے نمبر چینج کر لیا تھا اور دوسرا ابھی تک تینوں میں سے کسی کو بھی فون نہیں کیا، جانے کن جھمیلوں میں پڑی ہے جو اتنی زحمت بھی نہ ہوئی کہ اپنا نیا نمبر ہی دے دیتی۔ یار! یوں تو کوئی نہیں کرتا۔" درعدن نے خاصی ناراضگی کا اظہار کیا۔ مستبشرہ پر اسے ان دونوں سے زیادہ اب غصہ آ رہا تھا۔

"ہاں کم از کم اسے نمبر تو دینا چاہیے تھا۔" ماہی اس کی بات سے متفق تھی۔

"اس سے رابطہ ہو تو میں پوچھ لوں گی اس سے اور اگر اس نے تمہیں کال کی تو مجھے ضرور اس کا کانٹیکٹ نمبر دینا۔"

"ہاں ضرور۔" ماہی نے مثبت جواب کے ساتھ بات جاری رکھی۔

"پھر تم شادی کے بعد اسلام آباد ہی رہو گی؟"

"نہیں کراچی ہی جائیں گے۔ عامر کی ساری فیملی وہیں ہے اور پھر......" عدن تمام گلے شکووں کے بعد اب اپنی باتوں کی طرف آ گئی تھی۔ مہ روش کو کافی دنوں بعد اس سے بات کر کے خوشگواریت کا احساس ہوا تھا۔

☆......☆......☆

"فلک!" مشارب نے اس کے پیچھے آ کر کوئی چوتھی مرتبہ اسے پکارا تھا۔

"کیا ہے؟" وہ چائے کا آخر سپ لیتی اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ ہی اسے دیکھا۔

"یار! اور کتنا ٹائم لو گی، ابھی تک تمہاری تیاری مکمل نہیں ہوئی، تمہیں بتایا تھا کہ آج میری ضروری میٹنگ ہے۔" وہ جلدی میں تھا تیزی سے بولا۔

"ہاں بس ناشتہ کر لیا ہے، کمرے میں سے پرس وغیرہ لینا ہے اور جانے سے پہلے دو منٹ کیلئے مستبشرہ سے بات کرنی ہے فون پر۔" جبکہ فلک نے خاصے تحمل سے جواب دیا یہ جاننے کے باوجود کہ مشارب کو واقعی آج جلدی جانا ہے۔ وہ تو اسے کالج لے جانے کیلئے بھی مشکل سے راضی ہوا تھا۔

"اس وقت بات ضروری ہے؟" مشارب نے تنگ آ کر اسے گھورا۔

"ہاں ضروری ہے اور پلیز صرف دو منٹ، جب تک تم گاڑی اسٹارٹ کرو میں مستبشرہ سے بات کر کے آتی ہوں۔" وہ فوراً کہتے

ہی فون کی طرف لپکی، مشارب بھی باہر نکل گیا تھا۔

فلک نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا، دوسری ہی بیل پر وہاں سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ فلک نے چھوٹتے ہی بڑے ادب سے سلام پیش کیا۔

''وعلیکم السلام! آج صبح صبح کیسے یاد کر لیا؟'' وہ محوِ حیرت ہوئی...... البتہ خوشگواری کا مظاہرہ کیا۔

''ابھی پیپر کے لئے نکلنے والی تھی سوچا جانے سے قبل تم سے بیسٹ وشز لے لوں۔''

''سو سوئٹ...... اینڈ وش یو وری بیسٹ آف لک۔'' مستبشرہ کو اس کی یہی ادائیں اور خود سے محبت اچھی لگتی تھی، فوراً اسے وش کیا۔

''تھینک یو سو مچ!''

''اچھا تیاری کیسی ہے؟''

''پچھلی بار سے تھوڑی اچھی ہے۔'' وہ بتانے لگی، مستبشرہ مسکرائی۔

''چلو اچھا ہے، اطمینان سے پیپر دینا۔ اس مرتبہ رزلٹ اچھا آنا چاہئے، ٹریٹ میری طرف سے ہوگئی ڈن۔'' مستبشرہ نے کہتے ہوئے بات فائنل کر لی۔

''ڈن...... اچھا مستبشرہ! میں واپس آ کر تمہیں کال کروں گی، مشارب ہارن مارے جا رہا ہے، پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔'' فلک نے ڈن کرتے ہوئے فوراً سے کہا کہ ہارن کی مسلسل آواز اسے مشارب کی جلد بازی یاد دلا رہی تھی۔

''اوکے...... میں بھی بس اسکول کیلئے نکلنے والی ہوں، واپس آ کر بتانا پیپر کے متعلق، تب تک اللہ حافظ۔'' مستبشرہ نے الوداعی کلمات ادا کئے۔

''اللہ حافظ۔'' فلک اجازت لیتی ریسیور رکھ کر سرعت سے پلٹی کہ مبادا مشارب بازو چڑھائے اندر نہ آ جائے مگر اسے اپنے قدم روکنے پڑے، سامنے فہمیدہ بیگم تھیں۔

''اللہ تعالیٰ تمہیں ہر امتحان میں کامیاب کرے۔'' وہ دعائیہ کہتیں پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔

''تھینکس امی! بٹ باقی بعد میں، ابھی دیر ہو رہی ہے، مشارب گاڑی میں میرا انتظار کر رہا ہے۔'' ماں کی محبت پر مشکور و مسرور وہ بولی۔

''اچھا اچھا جاؤ، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' انہوں نے فلک کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اجازت دی تو وہ بھاگنے کے سے انداز میں کمرے میں گئی، پرس اور فائل اٹھائی اور انہی قدموں پر واپس پلٹی، باہر نکل کر لمبے لمبے قدم لیے اور فرنٹ ڈور کھول کر گاڑی میں بیٹھنے لگی۔

''تم اگر ایک منٹ بھی مزید لگاتیں تو میں تمہیں چھوڑ کر جانے والا تھا۔'' اس کے بیٹھتے ہی مشارب بولا تھا۔

''کیوں؟'' فلک جان بوجھ کر انجان بنی۔ نہایت معصومیت سے پوچھا، آنکھوں میں شرارت تھی محض اسے چڑانے کے لئے، ویسے بھی مشارب کی بات کا اثر وہ کم ہی لیتی تھی۔

''بی سیریس فلک! ہر وقت مذاق کا نہیں ہوتا۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ خاصی سنجیدگی سے بولا، ساتھ ہی اسے گھورا۔

''اچھا جی۔'' مشارب کے انداز پر فلک نے بمشکل ہنسی روکی۔

''پلیز فلک!'' وہ آج قطعاً بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔

''یہ تمہیں آج اتنا غصہ کس بات پر آرہا ہے۔'' وہ بھی آخر الجھی۔

''تمہاری غیر ذمے داری ولا پرواہی، رات کو میں نے تمہیں کہا تھا کہ آٹھ بجے سے پہلے نکلیں گے تم تیار رہنا مگر نہیں، نہ تم وقت پر تیار ہوئی نہ میرے کام کی پرواہ کی۔'' اب کے نرم لہجے میں مشارب نے قدرے اسے سخت بات سنائی تو وہ فوراً سے منہ بنا گئی۔

''پلیز، آج کے دن تو کوئی لیکچر نہ دو، ایک تو پیپر کی ٹینشن دوسرا یہ......'' اکتاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

''یہ سب تمہاری بہتری کیلئے ہے۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیا۔ گاڑی مین روڈ پر فل اسپیڈ سے دوڑے جا رہی تھی۔

''اوکے مان لیا۔'' فلک نے فوراً ہتھیار ڈالے، انداز ایسا تھا کہ مشارب کی سنجیدگی رفع ہوئی، البتہ وہ بولا نہ تھا۔

''مشارب شاہ!'' کوئی سیکنڈ بھر کیلئے گاڑی کی فضا میں خاموشی رہ گئی جب دوبارہ فلک نے اسے پکارا تھا۔

''کہو میری سکون کی دشمن۔'' وہ نارمل ہو چکا تھا۔ اس کے مخصوص انداز میں پکارنے پر اپنے مخصوص الفاظ دہراتا سامنے دیکھنے لگا۔

''کیا واقعی تمہیں میری فکر ہے!'' فلک نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مشارب نے سرسری اسے گردن گھما کر دیکھا پھر نظریں سامنے مرکوز کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''تم صرف ہماری دوستی کی وجہ سے مجھے بہترین دیکھنا چاہتے ہو یا میری لائف واقعی میں پرفیکٹ چاہتے ہو؟'' دل کی بات اس کی زبان پر تھی۔

''میں تمہاری لائف پرفیکٹ دیکھنا چاہتا ہوں، تمہیں سب سے بیسٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ صاف دل سے بولا۔

''کیوں؟'' اس نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

''کیوں مطلب کیا؟ تم میری دوست ہو، مجھے اچھی لگتی ہو۔'' حیرانگی سے سیدھا سپاٹ سا جواب دیا۔

''اگر تمہارے کہنے پر میں پرفیکٹ بن جاؤ تو تم خوش ہو گے۔'' فلک پرشوق انداز میں پوچھنے لگی لہجہ مگر سرسری و نارمل تھا تا کہ اسے ابھی شک نہ ہو۔

''بہت زیادہ۔''مختصراً مگر بھرپور جواب دیتا وہ گاڑی ایک سائیڈ پر روکنے لگا۔

''پھر خوش ہو جاؤ میں بہت جلد تمہیں بہت زیادہ خوش کرنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔'' وہ فائل و پرس اٹھاتی نیچے اترنے سے پہلے ایک ادا سے بولی، مشارب نے مسکراتی نگاہ سے اسے دیکھا۔

''تمہاری کوشش کی کامیابی کا میں منتظر رہوں گا۔'' ساتھ ہی اسے سراہا۔

''میں تمہارا انتظار رائیگاں نہیں جانے دوں گی۔'' کچھ بہت خاص محسوس کرتی وہ بولی۔ پندرہ بیس منٹ میں اس کا پیپر اسٹارٹ ہونے والا تھا، ذہن و دل مشارب سے باتوں کے بعد مطمئن تھا، پیپر کی کوئی ٹینشن باقی نہ رہی تھی اب۔

''فلک!'' وہ جانے لگی تو مشارب نے اسے پکارا۔

''ہوں۔''سوالیہ اسے دیکھا۔

''Good Luck''

''تھینکس۔''مسکراتی آواز میں کہتی ...... انبساط کے جگنو سمیٹتی وہ کالج گیٹ عبور کر گئی۔ مشارب شاہ نے اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی گاڑی زن سے آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

دل کا غبار نکلنے کے بعد بھی وہ سنبھل نہیں سکا تھا، حزن و ملال کی کیفیت اب بھی اس پر طاری تھی، دماغ بوجھل تو دل مسلسل بے قرار تھا، جسم بھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے شدید بخار میں تپ رہا تھا، اس وقت بھی وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ ساجدہ گیلانی اس کے سرہانے فکر مندسی بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر نے علی کو اسٹریس سے دور رکھنے کی ہدایت کی تھی مگر وہ ہوش سنبھال ہی نہیں پا رہا تھا، دل پر ضرب کاری لگی تھی، صدمے سے نکلنا اس کے لئے قطعاً آسان نہیں تھا۔

''ساجدہ! تم بھی تھوڑا آرام کر لو جب تک علی سو رہا ہے۔ ایک ہفتے میں تمہاری حالت اس سے زیادہ خراب ہو گئی ہے۔'' حسن گیلانی نے آہستگی سے انہیں کہا تھا جو دھیرے دھیرے علی کے بالوں میں بڑے لاڈ سے انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

''مجھ سے میرے بیٹے کی بے بسی دیکھی نہیں جا رہی حسن! دیکھیں تو کتنا کمزور ہو گیا ہے علی۔'' جبکہ انہیں اپنی بالکل پرواہ نہیں تھی۔

''اللہ سب بہتر کرے گا، بس تم دعا کرو۔'' جواباً وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

''میرا تو ہر عضو دعا بن گیا ہے، میرا بیٹا کتنی تکلیف سے گزر رہا ہے پھر میں کیسے پرسکون رہوں؟ کب میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تھا جو اب دیکھو، کتنا بے حال ہو گیا ہے میرا بچہ۔'' ضبط کے باوجود کہتے ہوئے وہ رو دی تھیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، ابھی اس کا زخم تازہ ہے، اثر زیادہ متاثر کر رہا ہے مگر تم تو نہ روؤ۔ تم نے علی کو سمجھانا ہے۔ اس کا درد

مندمل کرنے میں حوصلے سے کام لینا ہے۔" حسن گیلانی اپنی جگہ افسردہ مگر انہیں آہستگی سے سمجھا رہے تھے۔ اکلوتے بیٹے کی حالت برداشت کرنا دونوں کیلئے بہت صبر آزما مرحلہ تھا۔

"ہاں مگر یہ ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا، ایک ہفتے سے کمرے میں بند، بخار میں نڈھال پڑا ہے۔" ان کی ممتا تڑپ رہی تھی۔

"کچھ وقت لگے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا سب، ڈاکٹر بھی کہہ رہا تھا کہ ذہنی دباؤ سے نجات ملنے میں کچھ وقت درکار ہوگا پھر سنبھل جائے گا اور ساجدہ! ذرا ہمت سے کام لو، اس کے سامنے رونا مت۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے حسن۔" وہ خوفزدہ سی تھیں۔

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟" حسن گیلانی نے آواز علی کے آرام و نیند کی وجہ سے دھیمی ہی رکھی ہوئی تھی۔

"کہیں یہ خود کو روگ ہی نہ لگا لے۔"

"کچھ نہیں ہوتا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جواباً وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

"کب ہوگا سب ٹھیک؟ ایک لڑکی کیلئے کیا حالت بنا لی ہے اس نے، دنیا اسی پر تو ختم نہیں تھی۔" انہوں نے مستبشرہ جمال کی ذات کو بیچ میں گھسیٹا۔ آواز لب و لہجے میں اس کے لئے خود بخود تلخی و تنفر کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔ حسن گیلانی اب کے خاموش رہے۔

"اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گی، ابھی بھی اگر مجھے اس کا ایڈریس مل جائے تو میں اسے اپنے بیٹے کے سامنے لا کھڑا کروں، میرے بس میں ہو تو میں اسے اس کے کیے کی بدترین سزا دوں۔ بس دعا کریں کہ علی ٹھیک ہو جائے ورنہ میری بددعائیں اس لڑکی کی زندگی میں تباہی نہ لا دیں۔"

حسن گیلانی جانتے تھے کہ وہ محض مجبوراً کسی کے لیے بھی ایسے کلمات ادا کر رہی ہیں ورنہ کبھی انہوں نے کسی کیلئے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا تھا۔ علی میں ان کی زندگی تھی اور وہی زندگی اب انہیں بددعائیں اور انتقامی کلمات زبان سے ادا کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"علی انشاءاللہ ٹھیک ہوگا، ہمیں اب کسی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اس کی زندگی سے ٹھہرا ہوا یہ لمحہ گزر جائے گا اور ہمیں اپنی محبت سے اس کو زندگی کا احساس دلانا ہے۔" حسن گیلانی پر وثوق لہجے میں انہیں بھی یقین دلاتے عزم سے بولے۔ انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلو اٹھو تم بھی تھوڑا آرام کر لو علی کے اٹھنے کے بعد آ جانا۔" شوہر کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھنے لگیں۔

☆......☆......☆

"پیپر کیسا ہوا؟" شام کو مستبشرہ جمال نے خود ہی فلک کو کال کی تھی۔

"بہت اچھا۔" وہ بتا رہی تھی۔ آواز میں خوشی و اطمینان کے تاثرات تھے۔

''آسان تھا یا مشکل؟''

''مشکل مگر بہت آسان......سارے سوالات آتے تھے اور میں نے کیے بھی سارے۔'' وہ مسکرا مسکرا کر بتائے جا رہی تھی۔

''تو اس کا مطلب ہے امید اچھے کی رکھنی چاہیے۔''

''ہاں جی بالکل اور ساتھ میں ٹریٹ کی تیاری بھی، اب تو ٹریٹ پکی سمجھو اپنی طرف سے، اس مرتبہ فلک شاہ اپنی طرف سب کے منہ بند کرنے کا پکا بندوبست کر آئی ہے، بلکہ یقین کرو پیپر کے بعد ری چیکنگ کرتے ہوئے مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب میں نے لکھا ہے، ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی Toper کا پیپر ہو۔'' فلک کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے ابھی تک خود پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''واؤ گریٹ۔'' مستبشرہ نے اسے سراہا اور بات جاری رکھی۔

''ایسی تیاری کر کے اگر پہلے جاتیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔''

''ہاں بٹ قسمت میں امی کی سختیاں اور ذمے داریاں بھی تو لکھی تھیں۔'' وہ ہنسی۔

''رزلٹ کے بعد گھر میں رہنے کا ارادہ ہے اب بھی یا آگے پڑھو گی۔'' مستبشرہ اس کے ساتھ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''پہلے تو بالکل ارادہ نہیں تھا، نہ دل مان رہا تھا مگر اب سوچ رہی ہوں ارادہ بدل لوں۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ مشارب کو پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔'' مستبشرہ کے استفسار پر وہ بے اختیار کہہ گئی۔ البتہ اس بے اختیاری پر اس کا دل شاد تھا۔

''تو تم یہ سب مشارب کیلئے کر رہی ہو؟'' مستبشرہ اس کی آواز پر یکدم مسکرائی کہ گویا بات اس کی پکڑ میں آنے والی تھی۔ ویسے بھی مشارب اور فلک ایک ساتھ اسے پرفیکٹ لگتے تھے۔

فلک نے مستبشرہ کی بات پر لب بھینچے کہ دل کی چوری پکڑی نہ جائے۔ وہ ابھی کسی کو بھی اس متعلق بتانے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی حتیٰ کہ مشارب تک کو وہ اپنے دل کی بات و بدلتے جذبات بتا نہیں پا رہی تھی۔

''بتاؤ ناں؟'' فلک کی خاموشی پر اسے اپنا قیاس درست ہوتا دکھائی دیا۔

''نہیں ہماری دوستی کیلئے۔'' وہ جھٹ بولی پھر اسے کچھ بھی پوچھنے کا موقع دیئے بنا اپنی بات جاری رکھی۔

''احسان کا فون آتا ہے؟''

''ہاں ہفتے میں ایک دو دفعہ آ جاتا ہے۔''

''اب آئے تو اسے میری طرف سے پیغام دینا کہ وہاں جا کر اپنی چھوٹی بہن کو بھول گئے ہو، یاد ہے جب اس کے جانے سے

پہلے تم آئی تھیں تو اس نے میری کتنی شکایت لگائی تھی کہ میں صرف نام کی بہن ہوں تو میرا شکوہ بھی اسے دینا کہ وہ بھی صرف نام کا بھائی ہے، ایک کال تک نہیں آ جانے کے بعد۔" فلک نے بھرپور گلہ کیا۔

"ہاں واقعی! یہ تو غلط بات ہے، اس کا فون آئے تو میں خبر لوں گی اس کی۔" مستبشرہ نے اسے حق بجانب سمجھا، پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون رکھ کر کمرے میں چلی آئی اور حیرت انگیز طور پر کمرے میں آتے ہی کمرے کی مخصوص خاموش فضا میں اس کا دم گھٹا تھا۔ اول تو وہ رکی پھر آگے بڑھ کر کھڑکی کے پٹ کھولنے لگی۔ لان کا منظر سامنے تھا۔

❁ ❁

شام کے پہر کی مخصوص خاموشی وڈوبتے سورج سے پھیلتی سرخی سے بڑھتی، سرکتی اداسی حویلی کے لان کی حدود پر ڈیرہ جمائے جا رہی تھی۔ وہ خالی آنکھوں سے سر اوپر اٹھا کر اسمان کی وسعتوں کو دیکھنے لگی جہاں پرندے اپنی اڑان جاری رکھے اپنے ٹھکانوں کی جانب رواں دواں تھے، پرندوں کی اڑان میں چھپی جستجو سے موازنے پر اس نے اپنی دھڑکنوں کو بیٹھتا محسوس کیا تھا اور یہ موازنہ غیر ارادی طور پر اس سے ہوا تھا مگر جب موازنہ کر چکی تو سرعت سے آنکھیں میچ کر کھولتی اگلے ہی لمحے واپس کمرے میں آ گئی۔

''کیوں؟ لاشعوری طور پر۔ کیوں؟'' اس کے ذہن میں سوال بن کر ابھرا

''یہ میرے ساتھ آج کل کیا ہو رہا ہے؟'' وہ خود سے ہمکلام ہوئی۔

''کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ ایسا؟'' سوال پر سوال اٹھا۔

اسے اندرونی کیفیت میں بدلاؤ اچانک سے محسوس ہونے لگا۔ رات گئے تک نیند کا آنکھوں سے دور رہنا، انجانی وحشت، خاموشی سے گھٹن تو تقریباً اس کے لئے روز رات کا معمول بن گیا تھا مگر آج شام کے ڈھلنے پر تقریباً وہ جھجھلا اٹھی تھی۔

''کیا مصیبت ہے؟'' اکتاہٹ آمیز لہجے میں گویا خود پر چلائی، ذہن میں اٹھتے سوال خود بخود سر کتے گئے۔ وہ لمحہ ضائع کیے بنا کمرے سے باہر نکل آئی۔ زہرہ شاہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں سوانہی کے پاس چلی آئی۔

''کیا ہوا...... پریشان لگ رہی ہو؟'' مستبشرہ ان کی گود میں سر رکھ کر پاؤں صوفے پر کر تی لیٹی تو انہوں نے شفقت سے ہاتھ اس کے بالوں میں پھیر کر استفسار کیا۔

''پتہ نہیں اماں! کچھ سمجھ نہیں آ رہی، دل گھبرا رہا ہے۔''

''اللہ خیر...... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' وہ فکر مند ہوئیں۔

''کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک تھی مگر کمرے میں جاتے ہی دل تنگ ہونے لگتا ہے، رات کو نیند بھی بہت دیر سے آتی ہے۔'' خاصی دیر تک تنگ ہونے کے بعد اب وہ زہرہ بیگم کو بتا رہی تھی۔

''کیوں...... آج کل تو تم دوپہر میں بھی نہیں سوتیں۔''

''یہی تو سمجھ نہیں آ رہی، اسکول کا کام بھی شام تک ختم کر لیتی ہوں، آج بھی اگر نیند نہ آئی تو سلیپنگ پلز لوں گی۔''

''سلیپنگ پلز لینے کی ضرورت نہیں ہے، خواہ مخواہ کی عادت بن جائے گی، لیٹنے کے بعد آیات اور درود وغیرہ پڑھا کرو، پرسکون نیند آتی ہے۔'' زہرہ شاہ نے اسے منع کرتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اب انہیں کیا کہتی کہ پرسکون نیند تو دور کی بات وہ تو آج کل محض نیند کے لئے بھی ترستی ہے اور کروٹ پہ کروٹ بدلتی ہے۔

''تم یہاں لیٹو میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔'' وہ بولیں تو مستبشرہ نے سر ان کی گود سے ہٹایا اور خود اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ کچن کی

طرف جانے لگیں، مستبشرہ نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا اور چینل سرچنگ میں محو ہوئی۔

☆......☆......☆

''پھپھو کیسی ہیں؟ کہاں ہیں؟'' مہ روش، پریشے کے ساتھ شادی کی شاپنگ کے لئے مارکیٹ جانے کے لیے بالکل تیار تھی، جب مراد منصور کی کال آ گئی تھی، وہ پریشے سے ایکسکیوز کرتی اسے تھوڑی دیر ویٹ کرنے کا کہہ کر کمرے میں چلی آئی اور اس کا حال پوچھنے کے بعد کلثوم بیگم کا پوچھنے لگی۔

''ٹھیک ہیں اور کمرے میں ہیں، ویسے تمہیں ان کی بڑی فکر ہے۔'' بتاتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں بولا۔

''ہاں......کیونکہ وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔'' ماہی سچائی سے بولی۔

''اوہو......'' وہ مسکرایا۔ یہ تو سبھی جانتے تھے کہ ماہی شروع سے ہی کلثوم پھپھو سے بہت اٹیچ تھی۔

''کوئی شک؟'' مراد کے مسکرانے پر پوچھا۔

''آں ہاں......میری ایسی مجال کہاں، اچھا بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟'' مراد نے بحث کے ہتھیار اٹھانے سے گریز کرتے ہوئے سہولت سے پوچھا۔

''اچھے۔'' ماہی نے مختصر سا جواب عشق کے سمندر میں بھگو کر دیا جس کی ٹھنڈک اس نے واضح محسوس کیا۔

''ہوں اچھے......صرف اچھا'' پھر دلچسپ انداز اپنایا۔

''سب سے اچھے۔'' مہ روش نے اعتراف میں سیکنڈ بھی نہ لگایا۔

''اور......مجھ سے محبت کرتی ہو ماہی؟'' مطمئن سے لب و لہجے میں ٹھہرا ہوا ایک اور سوال وہ پوچھنے لگا۔

''بہت زیادہ۔'' ہونٹوں کی جنبش نے ان دو چاہت سے لبریز لفظوں کی ادائیگی کی۔

''کتنی زیادہ؟'' سنجیدگی سے برجستہ پوچھتا وہ گویا بھنویں سکیڑ کر ماہی کے اگلے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ توقف کے لئے مہ روش نے پرسوچ انداز اپنایا۔

''خود سے بھی زیادہ۔'' پھر متبسم آواز میں کہا۔ الفاظ مبالغہ آرائی سے پاک تھے۔ مراد کی سماعتیں متوقع جواب پا کر شانت سی تھیں۔

''مراد، آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' جبھی مہ روش نے استفسار کیا۔

''ہاں پوچھو!''

''آپ یہ بار بار کیوں پوچھتے ہیں؟''

''کیا تمہیں اعتراض ہے؟'' مہ روش کے سوال پر وہ حیران ہوا۔

''نہیں......مگر کیا آپ کو میرا اعتبار نہیں؟'' نرم لہجے میں استفسار کرتی وہ مراد کو بہت معصوم اور نادان لگی تھی۔

''خود سے بھی زیادہ۔'' سو ٹھوس لہجے میں اسے وثوق دلایا۔

''پھر کیوں پوچھتے ہیں؟'' مہ روش نے اپنا سوال دہرایا۔

''اس لئے کہ تم صرف میری ہو اور میں بار بار یہ سننا پسند کروں گا کہ تم بھی مجھے صرف اپنا سمجھتی ہو، میں بھی تمہارے لیے اتنا ہی اہم ہوں جتنی کہ تم میرے لیے اہم ہو، جیسے جسم کے لیے روح...... میں ہمارے رشتے کی مٹھاس کو محسوس کرنا چاہتا ہوں، سانسوں میں اتارنا چاہتا ہوں، تمہاری ہر بات کو...... تمہاری ہر سانس کو...... ہر لمحہ تمہارے دل میں بسنا چاہتا ہوں۔'' وہ نہایت جذب سے لفظ لفظ ادا کر رہا تھا۔ مراد کے لفظوں کا خوبصورت جال مہ روش کی سماعتوں میں چاشنی گھولنے لگا، وہ خود کو خوش قسمت تصور کرتی گویا ہواؤں میں رقص کرنے لگی۔

''میرے دل میں آپ بس چکے ہیں مراد۔'' وہ آہستگی سے کہتی مراد منصور کے جذبات اور محبت کو معتبر کر گئی۔

''مان لیا اور تمہارے اقرار سے زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔'' خوشدلی سے مسکراتے ہوئے آخر وہ عجب لہجے و پرسوچ انداز میں بولا۔ دوسری طرف ماہی کچھ کہنے کے لئے لب جنبش میں لانے ہی والی تھی جب کمرے کا دروازہ کھول کر پریشے اندر آئی، ماہی نے فوراً لب بھینچ لیے۔

''آپی پلیز...... باقی باتیں بعد میں کر لینا، ابھی چلیں اتنی زیادہ شاپنگ کرنی ہے اور آج صرف دو گھنٹے ہی ہوں گے ہمارے پاس، کتنا وقت آپ کی باتوں میں نکل گیا ہے، ابو کا فرمان ہے کہ شام سے پہلے واپس آنا ہے۔'' پریشے عجلت میں بھی خاصی تفصیل سے بولی۔

''سوری۔'' مہ روش نے فوراً پریشے سے معذرت کی کہ واقعی باتوں میں کافی وقت نکل گیا تھا، موبائل کان سے ہٹا کر بولی۔

''اچھا جلدی کریں۔'' پریشے بولی۔

''اوکے تم باہر جاؤ، میں دو منٹ میں آئی۔'' مہ روش نے کہا تو وہ واپس پلٹ گئی، اس کے جاتے ہی دوبارہ سے موبائل کان سے لگایا۔

''کون تھا؟'' مراد نے اس کے ہیلو کہتے ہی پوچھا۔

''پریشے تھی...... ابھی ہم دونوں مارکیٹ جا رہے ہیں، شام سے پہلے واپس آنا ہوتا ہے سو آپ سے بعد میں بات کروں گی۔'' اسے بتایا۔

''اوکے اللہ حافظ۔'' مراد نے الوداعی کلمات ادا کیے۔

''اللہ حافظ۔'' مہ روش موبائل رکھ کر فوراً سے باہر کو لپکی۔ پریشے اس کے انتظار میں تھی، اس کے آتے ہی جانے کو تیار ہوئی۔ کئی دکانوں کے چکر کاٹنے کے بعد دو گھنٹے میں جتنی ممکنہ شاپنگ ہو سکتی تھی انہوں نے کی۔ پریشے نے اپنے لئے فینسی ڈریسز، سینڈلز وغیرہ لیے۔ ماہی نے جیولری وغیرہ اپنے لیے پسند کی، خریدی اور واپسی کی راہ لی۔ گھر آ کر دونوں نے پھر سے تمام چیزوں، سوٹس وغیرہ کو پھر سے تفصیلی دیکھا۔ ریحانہ خالہ اور ان کی بیٹیاں بھی آئی ہوئی تھیں، سو کافی دیر تک کپڑوں، دیگر شاپنگ اور شادی سے متعلق محفل گفتگو جاری رہی۔ پریشے نے زبردست سی چائے سب کو پیش کی۔ اتنے میں مہ روش کسی کام سے اپنے کمرے میں آئی تھی، پہلی نظر بیڈ کی

سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل پر گئی جو اسی وقت روشن ہوا تھا۔ مہ روش نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا تو اسکرین پر مراد منصور کا نام اپنی پوری شان کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی کہ چار پانچ گھنٹے پہلے ہی تو بات ہوئی تھی اور اب پھر سے کال آرہی تھی۔ اگلے ہی لمحے سر جھٹک کر ریس کا بٹن پریس کیا اور موبائل کان سے لگایا۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''نہیں تو''

''شاپنگ کیسی رہی؟ تھک گئی ہوگی۔'' عام سے انداز میں پوچھنے لگا۔

''شاپنگ زبردست رہی البتہ جو ذرا سی تھکاوٹ تھی وہ اب اتر چکی ہے، ابھی پریشے کے ہاتھ کی بنی گرما گرم چائے پی کر آرہی ہوں۔'' کہتے ہوئے شاپنگ سے متعلق تمام تفصیل اس سے پوچھنے پر بتائی تو وہ ہاں ہوں کے بعد بات بدل کر بولا۔

''اب موبائل پر یہ ہماری آخری گفتگو ہے۔''

''کیوں؟'' بے ساختہ وہ پوچھ گئی۔

''کیونکہ باقی ساری باتیں اب شادی کے بعد کریں گے۔'' وہ بتانے لگا۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' ماہی نے فوراً کہا کہ اب اس کے علاوہ کیا کہتی ورنہ دل چاہ تو نہیں رہا تھا۔

''ماہی! میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز بھی ہے۔'' مراد توقف کے بعد یاد آنے پر بولا شاید شام سے پہلے والی گفتگو کے دوران والی سوچ اب بھی ذہن میں آئی تھی۔

''کیسا سرپرائز؟''

''ایسا سرپرائز کہ جس کے ملتے ہی تم سرپرائزڈ ہو جاؤ گی۔'' مراد کے لہجے میں کچھ بہت خاص تھا۔ ماہی کو جاننے کی جلدی ہوئی۔ سرپرائز اسے بہت پسند تھے شروع سے۔

''پھر جلدی سے بتائیں۔''

''نہیں ابھی نہیں، یہ سرپرائز میں نے خاص شادی کے دن کے لئے تمہیں دینا ہے، تمہیں جاننے کے لئے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے...... میں انتظار کروں گی۔'' بہت اچھے کی امید کے ساتھ وہ بولی۔

''انتظار کے ساتھ مجھے بھی یاد رکھنا۔'' وہ شوخ ہوا۔ مراد کی بات پر مہ روش جھینپی سو کچھ نہ بولی۔

''اپنا بہت سا خیال رکھنا، اب شادی کے بعد ہی تفصیلی بات ہوگی۔'' اجازت سے قبل مراد نے پیار بھری تاکید کی۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھنا۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''ماہی! ویٹ۔ فون رکھنے سے پہلے مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔''

''کیا؟'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''I Love You So Much'' آہستگی مگر چاہت سے بھرپور آواز میں پیار کا رس اس کے کان میں گھولتے ہوئے مراد منصور نے رابطہ منقطع کر دیا۔

مہ روش کے لبوں پر البتہ مسکراہٹ احاطہ کر چکی تھی۔ فون رکھ کر انبساط سے گنگناتی جاگتی آنکھوں میں ڈھیروں سپنے سجاتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

''تم یہ سوپ پی لو۔'' ساجدہ گیلانی نے سوپ کا پیالہ اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''مما! دل نہیں چاہ رہا۔'' علی نے لیٹے سے اٹھتے ہوئے بیٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

''یہ کیا بات ہوئی'' وہ چونکیں پھر اضافے کے ساتھ بولیں۔

''دل نہیں چاہ رہا تو بھی زبردستی پیو، تمہاری صحت کے لئے بے حد ضروری ہے۔'' لہجے میں فکر، ممتا بھرا تحکم بھی تھا، وہ پھیکی ہنسی مسکرایا۔

''میری صحت اب بالکل ٹھیک ہے مما!''

''خاک ٹھیک ہے، دو ہفتوں سے کمرے میں بند ہو، بیڈ پر ایسے لیٹے ہو کہ ایک دفعہ بھی باہر نہیں نکلے، ہمیں ہی تمہاری طرف آنا پڑتا ہے۔'' وہ کہنے کے ساتھ اس کے کمپیوٹر ٹیبل کی ڈسٹنگ کرنے لگیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ویسے بھی میں کچھ زیادہ ہی سست ہو گیا ہوں، ذہنی تھکاوٹ کے ساتھ بیڈ پر مسلسل لیٹنے سے جسمانی تھکن بھی بڑھتی جا رہی ہے اب مگر کیا کروں، فرار کی کوئی دوسری راہ بھی تو نظر نہیں آتی۔'' وہ یکدم سنجیدہ ہوا۔ ساجدہ گیانی نے ایک نظر اسے دیکھا پھر گویا ضبط کرتیں دوسری جانب متوجہ ہوئیں۔

''الجھنیں فرار سے نہیں سلجھائی جاتیں علی، نہ آنکھیں بند کر دینے سے مسئلے حل ہوتے ہیں۔'' کتابیں ریک پر رکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔

''پر کاش کہ آنکھیں بند کر لینے سے مسائل کا حل مل جاتا۔'' جواباً وہ ایک آس کے ساتھ دل میں آہ لے کر رہ گیا۔

''زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ معمولی دھچکا، دھوکا، فریب یا کوئی ناکامی سانسوں کی روانی کو حدود میں قید نہیں کر سکتی، نہ رونے سے دل کے داغ اجلے ہوتے ہیں، ماں باپ بھی اولاد کی زندگی پر تھوڑا سا حق رکھتے ہیں، کسی ایک لڑکی کے عمل سے تمہارا دل ضرور دکھا ہے، ہم تمہاری کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں مگر تمہاری بے بسی و زندگی سے دل اچاٹ ہونے کی باتوں سے ہماری روح گھائل ہوتی ہے۔'' ساجدہ گیلانی ابھی تک بیٹے کا رونا نہیں بھول سکی تھیں، آزردہ سی بولیں۔ علی کے فسانے کی یہی حقیقت تھی، ماں کی بات پر وہ شرمندہ سا ہوا۔

''میں جانتا ہوں مما اینڈ آئی ایم ویری سوری۔ میری وجہ سے آپ پریشان ہیں۔'' وہ بیڈ سے اتر کر ان کے قریب چلا آیا۔ انہوں نے پلٹ کر اس کے گال تھپتھپائے۔

''ہمارے لئے پہلے جیسے ہی ہو جاؤ علی۔'' انہوں نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔'' اثبات میں سر ہلاتا وہ بولا۔

''ضرور بیٹا۔'' وہ ہولے سے مسکرائیں۔ علی آیان نے خود کو ریلیکس فیل کیا۔

''اچھا چلیں باہر چلتے ہیں کھلی فضا میں، پہلے جیسا بننا کم از کم کمرے میں ممکن نہیں ہے۔'' اس نے بات بدلی۔

دو ماہ ہونے والے تھے اسے مستبشرہ جمال کی یاد میں خوار ہوتے ہوئے اور پچھلے کئی ہفتوں سے کمرے میں قید رہ کر افسوس کے علاوہ اس نے نئے سرے سے سوچا۔ بیشک دل کے ساتھ رونما حادثہ نا قابل برداشت تھا مگر بہت سی سوچوں میں ایک سوچ ایسی تھی جس پر عمل کرنے کے لئے وہ مجبور ا ہوا تھا اور وہ سوچ ماں باپ کے سامنے صدمے کے اثر سے آزاد رہنے کی تھی۔ اس کے ساتھ جو ہوا وہ عمر بھر کا روگ تھا مگر اپنی وجہ سے ماں باپ کو پریشان دیکھ کر وہ گھر کے ماحول اور فضا کو ٹینس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنی سوگواری میں ان دونوں کو نہیں تڑپا سکتا تھا۔ سوچ پر عمل کا فیصلہ ماں باپ کی محبتوں کا خراج تھا۔

''ہاں یہ بات تو ہے...... آؤ میرے ساتھ اور میں حسن سے بھی پوچھ لوں فون کر کے انہوں نے ڈاکٹر سے اپائنمنٹ لی ہے کہ نہیں۔'' وہ علی کیساتھ باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

''کس لیے؟'' وہ نا سمجھی میں پوچھنے لگا۔

''تمہارا چیک اپ کروانا ہے۔'' مختصراً بتایا۔

''اوہ مما! رئیلی میں بالکل ٹھیک ہوں اب۔'' بخار کا اثر مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا سو قدرے متعجب انداز اپنا کر وہ گویا انہیں یقین دلانے لگا۔

''ہاں پر میں اپنے اطمینان کے لئے کروانا چاہ رہی ہوں، تمہیں چپ رہ کر اچھے بچوں کی طرح جانا ہوگا۔'' انہوں نے ممتا بھرا حکم صادر کیا۔

''Ok as you wish'' علی نے مزید جرح نہ کی اور اثبات میں سر ہلا کر ان کی تقلید میں چلنے لگا۔

☆......☆......☆

ایک اور بے سکون نیند کو ترساتی ہوئی رات اسے نامانوس سی وحشتوں سے خوف دلاتی، سوالوں میں الجھاتی گزر گئی تھی۔ رات کو اماں کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے سلیپنگ پلز لی تھیں...... جن کا اثر یہ ہوا تھا کہ وہ دو بجے کے بجائے 12 بجے تک سوگئی تھی مگر 12 بجے سے پہلے آنکھوں کی چبھن اور معمولی بے سکونی کسی اذیت سے کم نہ تھی۔

صبح بستر سے اترتے ہوئے اسے عضلات تھکاوٹ سے ٹوٹے محسوس ہوئے تھے، اعصاب بھی شل ہوتے جا رہے تھے۔ انگڑائی لیتی ہمت کر کے بیڈ سے نیچے اتری اور پاؤں میں سلیپر پہنے پھر ہاتھ بڑھا کر کیچر اٹھایا اور بالوں کو اس میں قید کیا اور واش روم کا رخ کیا۔ ذہن پر چھائی سستی اور بجھے ہوئے چہرے کو فریش کرنے کے لئے شاور لے کر کچھ ہی دیر میں باہر نکلی۔ اسکول کے لئے رات کو سلیکٹ کیا ہوا سوٹ پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور گنجلک بال سلجھانے لگی۔ اسکول کے لیے مکمل تیاری کے بعد ناشتے کے لئے باہر نکلی۔

پچھلے ایک مہینے سے وہ تقریباً روزانہ ہی تینوں دوستوں سے بات کرنے کا سوچتی اور پھر سوچ کر ہی رہ جاتی۔ اپنی یہ سستی اور روزانہ کی ڈھیل ڈھال بھی اس کے لیے حیران کن تھی کہ اسٹڈیز کے دوران جب کبھی بھی وہ اسلام آباد سے ملتان آتی تو ان دو تین دنوں میں ایک مرتبہ تو ضرور تینوں سے بات کرتی اور اب اسلام آباد سے واپس آئے اسے دو ماہ ہونے کو تھے اور وہ چاہنے کے باوجود بھی ایک بار بھی تینوں میں سے کسی ایک سے بھی بات نہیں کر سکی تھی۔ آج کل صبح اسکول جاتی، شام کو اماں اور بابا جان کے پاس بیٹھتی، احسان کا فون آتا تو اس سے بات وغیرہ کر لیتی، کبھی مشارب ملنے آ جاتا تو کبھی فلک کی کال اسے مصروف کر دیتی اور ایک اپنی آزمائش لیے روزانہ اس کے سامنے آتی، اس کے صبر کا امتحان لیتی، اسے تھکا سی دیتی...... ایسے میں وہ محض افسوس کرتی رہ جاتی۔

ناشتے کے بعد وہ اسکول کے لئے نکلی، بریک تک کی ساری کلاسیں پوری دلجمعی سے لیں، کلاس اوور ہوئی تو بچے بریک کی خوشی میں گراؤنڈ اور کینٹین کی طرف لپکے جبکہ پرس کندھے سے لٹکائے فائل سنبھالتی وہ کوریڈور سے گزرتی ہوئی اسٹاف روم کی طرف بڑھی تو اسٹاف روم میں قدم رکھنے سے پہلے باتوں و مبارکباد کا شور سماعتوں سے ٹکرایا، وہ آہستگی سے اندر داخل ہوئی۔

''آؤ مستبشرہ! تم بھی منہ میٹھا کرو۔'' اس کی کولیگ ماریہ نے اسے بلاتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ اس کے سامنے کیا۔

''کس کی خوشی میں؟ اور یہ مبارک باد کا شور کیسا تھا؟'' فائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے مٹھائی اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

''ارم کی انگیجمنٹ کی خوشی میں۔'' ماریہ نے بتایا۔ ارم کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ بہت گہری تھی۔ مستبشرہ اس کی جانب مڑی۔

''مبارک ہو ارم۔''

''تھینک یو۔'' وہ بولی۔

''اور جانتی ہو مستبشرہ! ارم اور فہیم بھائی کی لو انگیجمنٹ ہے، دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' ماریہ اسے انفارم کر رہی تھی۔

''اوہ واؤ! دیٹس گریٹ...... پھر تو ارم تم بہت خوش ہو گی۔'' مستبشرہ کو جان کر اچھا لگا۔

''ہاں جی بہت زیادہ۔'' ارم کھنکتے لہجے میں اس کی خوشی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

''مستبشرہ! تمہاری انگیجمنٹ ہو چکی ہے۔'' ماریہ نے بات بدل کر اس سے پوچھا۔

''نہیں۔''چیئر سنبھالتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں؟''

''آئی ڈونٹ نو...... جب وقت آئے گا ہو جائے گی۔''مستبشرہ نے ماریہ کی''کیوں''کا سہولت سے جواب دیا۔

''اچھا تم نے کبھی کسی سے محبت کی؟''ارم نے بھی پراشتیاق انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔''ارم کے سوال پر مستبشرہ اول تو چونکی پھر مختصراً کہا۔

''کیوں؟''جس پر پھر سے ماریہ کی طرف سے''کیوں''کی آواز آئی۔

''کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں۔''کندھے اچکا کر وجہ بتائی۔

''محبت سوچ کر تو نہیں کی جاتی۔''ارم اس کی بات و انداز پر حیرانگی ظاہر کرنے لگی۔

''ہاں یہ بھی ہے لیکن میرے ساتھ فی الحال یہ سانحہ نہیں ہوا۔''وہ نارمل بولی مگر شاید وہ انجان تھی، اپنی کیفیت سے بے خبر تھی۔ سانحہ محبت بتا کر تو ہرگز بھی نہیں ہوتا۔

''چلو مان لیا مگر کسی کو تو تم سے محبت ضرور ہوئی ہوگی۔''ارم نے بات کا رخ بدلتے ہوئے نہایت پر وثوق انداز میں ایک سرسراہٹ سی دوڑی تھی، آنکھیں ذرا سی دھندلائی تھیں، دو ماہ بعد ایک چہرہ ہلکی سی جھلک اس کو دکھلا گیا تھا مگر وہ سر جھٹک کر مکمل ہوش سنبھال گئی تھی۔

''ہاں تم سے......''ارم نے اپنے سوال پر زور دیا۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''کیونکہ تم ہو ہی اتنی خوبصورت کہ کوئی بھی حسن پر اور تم سے محبت کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے اور تمہاری کالی آنکھیں جھیل سا گہرا پن لئے جب گھنگھور پلکوں کو اٹھاتی ہیں تو یقین جانو عجب طلسم پھیلتا ہے، تمہاری آنکھیں بہت پرکشش ہیں، کسی کو بھی اپنی طرف با آسانی کھینچ سکتی ہیں۔''ارم بغور اسے دیکھتی مبالغہ آرائی سے پاک، دل کی بات اس سے کہہ رہی تھی اور حقیقتاً اسے مستبشرہ بہت اچھی لگتی تھی خصوصاً اس کی کالی گہری آنکھیں جس کا ذکر وہ ایک دو مرتبہ پہلے بھی اس کے سامنے کر چکی تھی۔ مگر آج...... مستبشرہ جمال کی وہی آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں۔ ارم کا ایک جملہ اسے بہت جانا پہچانا لگ رہا تھا، ساعتوں کے بہت قریب کچھ وہ پرانی بازگشت اسے سنائی دے رہی تھی بالکل غیر متوقع طور پر گنگ ہوتی زبان کے ساتھ جیسے اسے دماغ میں ہتھوڑے پڑتے محسوس ہوئے تھے۔ بہت مانوس سی آواز اس کو سنائی دینے لگی تھی، بہت واضح طور پر وہ سن رہی تھی۔

''تم پر ہر چیز سوٹ کرتی ہے مستبشرہ، خاص کر تمہاری کالی آنکھیں جھیل سا گہرا پن لیے جب گھنگھور پلکوں کو اٹھاتی ہیں تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو جاتی ہیں۔''یہ بات، یہ لہجہ تو وہ بھول گئی تھی پھر آج کیوں......؟ دو ماہ بعد یہ تعاقب کیسا تھا۔ اس لہجے سے

قبل اس نے ایک پل بھی ایسی کی بات کو نہیں سوچا تھا۔

''تمھیں تو کوئی بھی اپنی زندگی میں بخوشی شامل کرنا چاہے گا۔''ارم اس کی کیفیت کو نوٹ کیے بنا مزید کہہ رہی تھی۔ مستبشرہ اسے سنتی شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوئی تھی۔

محبت و زندگی کی باتیں......اس کی یادداشت پیچھے جانے لگی۔

''تم میری زندگی ہو مستبشرہ......'' کسی کا چاہت بھرا سچائی سے لبریز انداز پھر سے اسے سنائی دیا تھا۔ دو ماہ بعد وہ یکدم بالکل غیر ارادی طور پر پیچھے گئی تھی۔

''کہاں کھو گئی ہو؟'' ماریہ جو اسے حواس باختہ ہوتا دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلانے لگی۔

''مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ کوئی ایسا ضرور ہے جس کی وجہ سے تم یوں گم صم ہوئی ہو۔ کون ہے وہ۔ تم نے ہمیں بتایا نہیں۔'' جبکہ ارم نے خود ہی اپنے قیاس پر اس کی پرسوچ، تعجب زدہ حالت کو دیکھ کر یقین کی مہر لگا کر دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

''وہ کوئی نہیں ہے۔'' مستبشرہ نے فوراً نفی میں سر ہلا کر ہوش سنبھالنے چاہے۔

''کوئی تو ہوگا جس نے کبھی نہ کبھی تم سے اپنے دل کی بات کی ہوگی؟'' ارم کہنے اور سننے کے لئے بضد، طویل بحث کے موڈ میں تھی۔ مستبشرہ کا ذہن چکرانے لگا۔

''علی آیان حسن گیلانی۔'' روانی میں اس کا نام دل میں لیتی وہ بالآخر اتنے عرصے بعد اسے یاد کر گئی۔ ارم اور ماریہ غور سے اسے دیکھ رہی تھیں، اس کے چہرے کے بدلتے رنگ و تاثرات پر ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''تم میرے لئے اتنی اہم ہو، جتنی جسم کے لیے روح......'' پھر ایک اور چاہت کا رس گھولتا جملہ سرگوشی کی صورت میں اسے سنائی دے رہا تھا۔ علی کی آواز مسلسل اسے سننے میں آ رہی تھی اور سنبھلنے کے باوجود یہ بات اس کے لیے نہایت عجیب و غریب تھی۔

''بتاؤ نا مستبشرہ۔'' ماریہ بولی۔

''ایسا کوئی نہیں ہے۔'' وہ یکدم سنبھل کر کہتی چیئر سے اٹھی پھر انہیں بولنے کا موقع دیئے بنا مزید بولی۔

''تم دونوں باتیں کرو، میری کلاس ہے بعد میں ملتے ہیں۔'' پھر سرعت سے اسٹاف روم سے باہر نکل آئی۔

عجب ہوتی کیفیت، منتشر دھڑکنوں اور اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ اس کے قدم کلاس کے بجائے اسکول کے سنسان گوشے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ارم اور ماریہ کی باتیں بالکل غیر ارادی طور پر اسے اس شخص کی یاد دلا گئی تھی جس نے کبھی اس سے اپنے دل کی بات کی تھی، مستبشرہ کو ٹوٹ کر چاہا تھا، اپنی زندگی کہا تھا، اس کے بنا مرنے کی بات کی تھی، جسے وہ ایک وعدے کے لئے ٹھکرا آئی تھی۔

دو ماہ پہلے وہ اس شخص کو ایک وعدے کی خاطر نارسائی کی اذیت ناک دلدل میں دھکیل آئی تھی جسے اس نے یاد نہ کرنے کی قسم کھائی تھی جسے وہ مکمل طور پر بھول بھی گئی تھی۔

مگر آج ......؟ وہ بھول، بھول کیوں نہ رہی ...... کیوں اچانک وہ اس کے تصور میں جاگ اٹھا تھا۔

بہت سے سوال اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے، اسکول کی ملازمہ کے توسط سے اس نے کلاس نہ لینے کا پیغام بھیجا۔ اس کی جگہ دوسری ٹیچر کلاس لینے چلی گئی تھی۔ ایک کونے میں لگے بینچ پر بیٹھ کر وہ مسلسل سر جھٹکنے لگی، لیکن سوچوں میں گویا علی کی یادوں کا آسیب گھس آیا تھا جو وہ الجھنے لگی۔ لاشعوری طور پر علی کی کہی ایک ایک بات، اس کا انداز اسے یاد آنے لگا، اس کے اندر وحشت سی پھیلنے لگی، چہرے کے تاثرات بھی بدلنے لگے۔

''میں کیوں علی کو سوچ رہی ہوں؟'' وہ محو حیرت خود سے پوچھ رہی تھی، مگر بے کار...... اس لمحے کوئی جواب اسے موصول نہ ہوا، البتہ ذہن میں خیالات کا تسلسل جاری تھا۔ علی کا ہنسنا، مسکرانا سب اسے یاد آ رہا تھا، اس کی دیوانگی وہ محسوس کر رہی تھی۔

لیکن کیوں کر رہی تھی......؟ اور کیوں چاہتے ہوئے بھی چھٹکارہ نہیں پا رہی تھی۔

''کیوں......؟'' ہزاروں کیوں جواب طلب تھے اور فی الحال کسی کیوں کا کوئی جواب وہ خود کو نہ دے پا رہی تھی، نہ اسے کوئی جواب مل رہا تھا۔ چھٹی تک کا وقت اس نے بہت بے چینی میں گزارا۔ گھر واپسی کے سفر میں اسے عمر سے ملاقات بھی یاد آئی جب اس نے علی کی طرف سے ایک لفافہ دیا تھا جسے اس نے ابھی تک یا نہ آنے کی وجہ سے نہیں کھول کے دیکھا تھا، پر اب یاد آنے کے بعد وہ فوراً اسے کھول کر دیکھنے کی خواہش مند ہوئی، کچھ فطری تجسس بھی جاگا۔

''اس نے کیوں بھیجا ہوگا؟ اس میں کیا لکھا ہوگا؟'' وہ خود سے مخاطب تھی۔

''ایسی کیا بات خاص تھی کہ وہ کہے بنا رہ نہ سکا؟'' وہ جلدی سے گھر پہنچنا چاہ رہی تھی۔ اندر پھیلتی بے چینی میں اضافہ ہی ہوا جا رہا تھا۔ گاڑی حویلی کی دہلیز میں داخل ہوئی تو وہ فوراً سے پہلے باہر نکلی اور اندر کو لپکی۔ زہرہ بیگم نے اسے عجلت میں دیکھ کر وجہ پوچھی تو اس نے سر درد کا بہانہ بنایا۔ انہوں نے کھانے کو پوچھا تو انکار کر گئی کہ اسکول میں کھا لیا تھا اور انہیں ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ کر کمرے میں چلی آئی اور دروازہ لاک کیا۔ پرس دور سے ہی صوفے پر پھینکتے ہوئے الماری کی طرف بڑھی، بیگ کھولا اور بیڈ پر چلی آئی۔ بیٹھتے ہی زپ کھولی اور متلاشی نگاہوں کے ساتھ تیز تیز ہاتھ چلانے لگی، ہاتھ میں کاغذ آیا، نکالا اور دیکھا۔ اس پر تینوں دوستوں کے کانٹیکٹ نمبرز لکھے تھے، اس نے انہیں سائیڈ پر کیا اور دوبارہ سے ہاتھ حرکت میں لائی جبھی مطلوبہ پیکٹ ہاتھ لگا تو بیگ ہٹاتے ہوئے سرعت سے اسے کھولا تو سب سے پہلے لاکٹ اس کی گود میں گرا تھا۔

وہی لاکٹ جو علی نے خاص اس کے لیے بنوایا تھا جس پر بڑی محبتوں سے اس نے MA لکھوایا تھا جسے بنا کر گویا اس نے ساری عمر کے لیے مستبشرہ کو اپنے نام کر لیا تھا۔ وہی لاکٹ ...... جسے مستبشرہ نے بڑی بے دردی سے اسے واپس لوٹا کر جانے انجانے میں اس کی سانسوں کو روکنے کی کوشش کی تھی جسے واپس لیتے ہوئے علی آیان کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا تھا۔

مستبشرہ نے لاکٹ ہاتھ میں لیا اور تہہ شدہ کاغذ کھول کر پڑھنے لگی۔

''میں نہیں جانتا کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی مجھے تمہیں یہ سب لکھنا چاہیے بھی کہ نہیں...... اگر نہ لکھتا تو اپنا درد برداشت نہیں کرسکوں گا اور اگر لکھ ڈالا تو ڈر ہے کہیں نہ کبھی تم سے بھی برداشت کرنا مشکل نہ ہو؟ تمہاری سوچ کیا تھی؟ تم نے میرے ساتھ فریب کیوں کیا؟ تمہیں میری محبت کیوں اپنے حق میں قائل نہ کرسکی؟ میں ان سب کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا کہ اب سب کہنا بے کار ہے۔ مگر تم ہی بتاؤ مستبشرہ! کہ میں اپنے دل کا کیا کروں جس میں تم بسی ہو اور پتہ نہیں کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارا سارا غرور ٹوٹے، اس لیے نہیں کہ تمہارے کئے کی سزا ملے بلکہ اس لیے کہ تم مجھے سوچو، مجھے یاد کرو، اسے دعا کہوں کہ بددعا...... میں چاہوں گا کہ تم ساری عمر میرے متعلق سوچو، تمہیں اپنے عمل کی سنگینی کا اندازہ ہو، ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ تم پچھتاؤ ضرور، میری سچائی کو سچائی جانو اور مجھے دیے دھوکے کے ناحق ہونے کو تسلیم کرو۔

تمہارے واضح جواب کے بعد میری کیا کیفیت ہے یا آگے کیا ہوگی یہ تو میں نے قسمت پر چھوڑ دیا ہے۔ اب میرے قدم پیچھے ہٹ جائیں گے یا اس نہج پر پہنچ جائیں گے کہ کبھی واپس آ ہی نہ سکیں، نہ واپسی کا سوچ سکیں۔ تم نے کہا تھا کہ تم ماضی کو بھول کر مستقبل کی سوچ کے ساتھ حال میں جینے کی عادی ہو تو میں چاہوں گا مستبشرہ جمال! کہ مجھ سے جڑا ماضی تم کبھی نہ بھولو، اپنے مستقبل میں مجھے سوچو اور اپنے حال میں مجھے محسوس کرو، یہ تمہارے لیے میری بددعا ہے...... بلکہ میرے خود کے لئے دعا ہے میں تمہاری روح تک رسائی چاہتا ہوں...... یہ لاکٹ پھر سے تمہیں دے رہا ہوں تمہارا کہا غلط کرنے کے لئے، تم نے کہا تھا کہ تم اس جنم میں کبھی مجھ سے محبت نہیں کرسکتیں، میں اس لاکٹ کو پھینک دوں......نہیں مستبشرہ! تمہارا یہ مان ضرور ٹوٹے گا، یہ لاکٹ تمہیں مجبور کرے گا تم خود اعتراف کرو گی کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میرے بے ریا جذبات، یہ لاکٹ گواہ ہوں گے کہ مستبشرہ صرف علی کی ہے......تم مانو نہ مانو تمہیں ایک دن ماننا پڑے گا، میری محبت میں اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

زندگی میں ہم کبھی دوبارہ ملیں نہ ملیں۔ مان لو......ہم یاد تمہیں آئیں گے۔

فقط تمہارا علی آیان حسن گیلانی''

مستبشرہ نے ایک تسلسل میں سارا خط پڑھا تو دماغ کی رگیں تنی ہوئی محسوس ہوئیں، اس کا ازلی غصہ لمحوں میں عروج کو پہنچا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اسے علی کی ذات سے چڑ ہوئی، اس کا خط بہت گھٹیا تھا۔

''وہاٹ ربش۔'' دانت چبا کر چلاتے ہوئے اگلے سیکنڈ کے ہزارویں لمحے سے پہلے اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے پرزے کر کے دور پھینکے اور انگلیوں میں لٹکتے لاکٹ کو شدت سے دیوار پر مارا تھا اور خود آنکھیں میچ کر غصہ ضبط کرنے کی سعی کرنے لگی۔

☆......☆......☆

شادی تک کا عرصہ بہت جلدی سے گزرا تھا۔ مہ روش بہت مطمئن و سرشار تھی۔ تمام کزنز کی چھیڑ چھاڑ سے لطف اندوز ہوتی ان کے بیچ بیٹھی تھی۔ کچھ دیر پہلے معطر اور عدن سے فون پر اس نے بات کی تھی۔ دونوں بہت خوش تھیں، معطر تو شایان کے ساتھ گھومنے پھرنے

کے بعد خاندانی دعوتوں میں مصروف نہ آنے پر معذرت خواہ تھی جبکہ عدن کی تین دن بعد شادی تھی سو نہ آنے کی ٹھوس وجہ پر معذرت کی اور اسے اچھی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ڈھیروں دعائیں دیں۔ مستبشرہ تینوں میں سے کسی سے بھی ابھی تک رابطے میں نہ تھی۔ ماہی کو اس کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

شاہدہ پھپھو اور عائزہ، کلثوم بیگم کے ہاں تھیں جبکہ ریحانہ خالہ، عندلیب، روحا، شیزا، مہوش، سبین لوگ سعید احمد کے گھر ان کی خوشی میں شریک تھے۔ ہفتے بھر سے گھر میں خوب ہلہ گلا تھا۔ تمام لڑکیاں ڈھولکی لیے مہ روش کو گھیرے ایک جگہ جمع گانے گا رہی تھیں تو کبھی مہ روش کو معنی خیز جملوں سے لاج دلانے میں مصروف تھیں۔ مہ روش، مراد سے متعلق ان سب کے شوخ جملوں پر مسکرائے جا رہی تھی۔ مراد سے اس دن کے بعد تو اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر اس کی کہی ہر بات سے وہ ہر پل محسوس کر رہی تھی۔

مہندی، مایوں غیرہ کی رسم تمام تر شوخیوں، رنگینیوں اور خوشیوں بھرے قہقہوں کے درمیان گزری۔ ہر ایک اپنی مکمل تیاری میں تھا۔ مہ روش کے لیے بھی سب کی نظروں میں ستائش، خوبصورت تو وہ تھی ہی مگر مراد کی محبت کے حسین احساس نے اور نکھار بخشا تھا۔ پریشے سمیت سبھی نے اس کے ساتھ تصویریں بنوائی تھیں۔

اگلی صبح بارات تھی۔ ہال کی بکنگ وغیرہ پہلے سے کرالی گئی تھی۔ تمام افراد موقع کی مناسبت سے تیار، شادی ہال میں پہنچ چکے تھے۔ مہ وش، سبین اور عندلیب کے ساتھ پارلر سے آنے والی تھی، معارج انہیں لینے گیا تھا۔ مہمان بھی آ چکے تھے۔ باتوں اور قہقہوں کی آواز ہال کی خوشگوار فضا میں تسلسل سے گونج رہی تھی۔ کلثوم پھپھو کی طرف سے ابھی تک وہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ تقریباً اگلے بیس منٹ تک مہ روش کی آمد کا شور گونجا، تمام کزنز اس کے استقبال کو آگے بڑھیں، ڈیپ ریڈ کلر کے لہنگے میں شرماتی لجاتی آنکھیں جھکائے، دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی مہ روش ہال کے اندر داخل ہوئی۔ سبین اور عندلیب نے دونوں طرف سے اس کا لہنگا سنبھالا ہوا تھا۔ زیورات و مکمل برائیڈل میک اپ نے مہ روش کو پرکشش بنانے میں کوئی کسر روا نہ رکھی تھی۔ دیکھنے والی ہر آنکھ گویا مجسمہ حسن کے طلسم کا شکار ہوئی تھی۔ مہ روش لگ بھی بہت خوبصورت رہی تھی بالکل حور، اپسرا جیسی۔

”یو آر لکنگ سو بیوٹی فل۔“ پریشے نے آگے بڑھ کر ستائشی انداز میں بہن کو سراہا۔ مہ روش نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔ دور کھڑے وقار نے اس کو مسکراتا دیکھ کر اس کی آئندہ زندگی کی خوشیوں کی دعا فوراً مانگی تھی۔

سب کزنز نے مل کر مہ روش کو اسٹیج پر پہنچایا۔ پندرہ بیس منٹ بعد لڑکے والوں کی آمد ہوئی، ہال میں ہلچل سی مچی۔ مراد سمیت سب کا پرتپاک استقبال کیا گیا تھا۔ ہر آنکھ میں خوشی کی لہر تھی، ہر چہرہ مسکرا رہا تھا۔ ادینہ بھی پورے تین سال بعد سب خاندان والوں کے بیچ آج بھائی کی شادی کے موقع پر آئی تھی سو سبھی کی خاص توجہ کا محور بنی۔

”ماموں جان! کیسے ہیں آپ؟“ جواب سعید صاحب کے سینے سے لگی ان کا حال پوچھ رہی تھی، البتہ وقار اس کو ایک نظر دیکھ کر سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے، میری بیٹی کیسی ہے؟'' سعید احمد نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔ بھانجی کی محبت سے تین سالہ محرومی، دوری کے بعد آج وہ بے حد خوش ہوئے تھے اس کو سامنے دیکھ کر۔

''بالکل ٹھیک اور بہت خوش۔'' وہ خوشی سے گنگنائی۔

''اللہ تمہیں سدا خوش وخرم، آباد رکھے۔'' سعید احمد نے فوراً دل سے دعا دی۔ وہ تشکر و محبت سے انہیں دیکھتی نفیسہ سے ملنے لگیں۔

''معید نظر نہیں آرہا؟ کہاں ہے وہ؟'' نفیسہ بیگم نے ملنے کے بعد اس کے شوہر کے متعلق پوچھا۔

''ممانی جان! معید تو کام کے سلسلے میں ایک ہفتہ ہوا کراچی گئے ہوئے ہیں، شادی میں شرکت نہ کرنے پر وہ بہت معذرت خواہ ہیں، امی اور مراد سے ابھی ہی انہوں نے فون پر بات کی ہے، اگر کام ضروری نہ ہوتا تو وہ فوراً واپس چلے آتے۔'' ادینہ نے تفصیل سے انہیں بتایا، پھر باقی سب لڑکیوں سے ملنے لگی۔

میوزک فل والیم میں گونج رہا تھا۔ ملنے ملانے کے بعد مراد منصور کو اسٹیج پر ماہی کے ساتھ بٹھایا گیا۔ مہ روش کی جھکی آنکھیں ذرا سا اوپر اٹھ کر اپنا رخ بدل گئی تھیں جبکہ مراد نے بغور اس پری پیکر کو دیکھ کر گہرائی سے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ ہلکے سے چھوا تو مہ روش ہلکے سے لمس کو محسوس کرتی ہاتھ پیچھے کھینچ گئی تھی۔

''آج میرے صبر کا امتحان ختم ہو جائے گا، میں بہت خوش ہوں اور میری یہ خوشی تمہارے بغیر ادھوری ہے۔'' مراد نے پیچھے ہو کر اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔ مہ روش اس کی بات پر جھینپ سی گئی تھی۔

مووی میکر کب سے کیمرہ تھامے ان یادگار، خوشیوں بھرے لمحات کو محفوظ کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فوٹو سیشن کا دور چلا، خاندان کے ہر چھوٹے بڑے و بچوں نے دولہا دلہن کے ساتھ تصویریں بنائیں، جبھی مولوی صاحب کی آمد کا اعلان ہوا۔ مولوی صاحب عزت و احترام سے اسٹیج پر لائے گئے۔ وقار، اریش، معارج، ریحانہ خالہ کے شوہر رضوان محمود گواہ تھے۔ سو وہ بھی آگے کو بڑھے۔ نکاح کا فریضہ بخوبی سے ادا ہوا تو مبارکباد کا شور ہال میں کافی دیر تک گردش کرتا رہا۔

ٹائم بڑی تیزی سے گزر رہا تھا۔ مراد کے ساتھ رسموں کے بعد رخصتی کا ٹائم آیا۔ مہ روش کو باری باری سب نے گلے لگا کر پیار دیا۔ نفیسہ بیگم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی قطار تھی، پریشے بھی قدرے ملول سی نظر آرہی تھی، وقار تو ملنے کے بعد سامنے سے ہی ہٹ گیا تھا اور سعید صاحب جہاں اس شادی پر خوش تھے بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونے سے مطمئن تھے وہیں بیٹی کی رخصت پر اداس سے اس کے اچھے نصیب کے لئے دعا گو تھے، البتہ کلثوم بیگم نے انہیں بے فکر ہونے کو کہا تھا۔

''آپ اور نفیسہ بھابی بے فکر ہو جائیں، مہ روش کو میں بہو نہیں بیٹی بنا کر اپنے گھر لے جا رہی ہوں، اس کا خیال رکھنا میری ذمے داری اور اس کو خوش رکھنا آپ کی محبتوں کا خراج رہا۔'' بہن کی بات پر وہ مطمئن ہوئے تھے۔

پھر بالآخر مہ روش سعید کو آنسوؤں، خوشیوں و دعاؤں اور قرآن پاک کے سائے تلے مراد منصور کے سنگ رخصت کیا گیا۔ دونوں

کی گاڑی زندگی کے نئے سفر کے لئے رواں دواں ہو چکی تھی۔کلثوم پھپھو اور شاہدہ پھپھو دوسری گاڑی میں روانہ ہوئیں۔جبکہ ادینہ کچھ یاد آنے پر ہال کے اندر واپس چلی آئی تھی۔باقی سب افراد بھی واپسی کی راہ پکڑ رہے تھے۔ادینہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی کہ دوسری جانب سے آتے وقار سے اس کا ٹکراؤ ہوا۔

''ادینہ! تم......'' وقار اپنی جگہ رکا۔

''ہاں میں۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''کیسی ہو؟'' بہت خاص نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''مجھے کیسا ہونا چاہئے وقار؟''

''آئی ایم سوری ادینہ۔'' وقار نے ارد گرد دیکھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''پلیز وقار! سوری فار وہاٹ۔'' جس پر ادینہ نے حیرت کا شدید مظاہرہ کیا۔

''تم جانتی ہو۔'' وقار نے گویا اپنی طرف سے اسے باور کروایا۔

''ہاں پر اب تو سب ٹھیک ہو چکا ہے۔'' ادینہ اس کی بات کا مطلب سمجھتی اثبات میں سر ہلا کر آہستگی سے بولی۔

''کیا آگے بھی سب ٹھیک رہے گا؟'' رسان سے پوچھتا وقار لحہ لحہ ارد گرد دیکھ رہا تھا کہ کوئی اسے ادینہ کے ساتھ دیکھ نہ لے۔

''انشاءاللہ سب ٹھیک ہوگا۔'' ادینہ نے اسے یقین دلانا چاہا۔

''میں مہ روش کو ساری عمر خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اسے بہن کا خیال تھا۔

''مراد اسے ہمیشہ خوش رکھے گا۔'' ادینہ پر وثوق بولی کہ مراد کے منہ سے شادی اور وہ بھی مہ روش کے ساتھ کرنے کا سن کر اسے بہتر ہونے کی امید نظر آئی تھی۔

''ادینہ! ایک بات پوچھوں تم سے؟'' وقار نے بات بدلی۔لہجے میں تھوڑی جھجک کا عنصر یکدم نمایاں ہوا۔ادینہ نے اس کی طرف دیکھا،اس کی نگاہوں کا رخ دوسری طرف تھا۔

''ہاں پوچھو۔''

''کیا تم معید کے ساتھ خوش ہو؟'' ہچکچاہٹ کی گرہ میں بندھا سوال وقار نے کس دل کے ساتھ پوچھا تھا یہ وہی جانتا تھا البتہ ادینہ نے غیر متوقع سوال پر سرعت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔وقار کا لہجہ و سوال اسے بہت عجیب لگا تھا۔

''آف کورس وقار! میں معید کے ساتھ بہت خوش ہوں اور یہ خوشی محض تمہاری وجہ سے ہے،تمہارا فیصلہ میری زندگی بدل گیا تھا پھر میں کیسے خوش نہیں رہ سکتی۔'' مگر اگلے ہی لمحے وہ سنبھل کر سنجیدہ و دوٹوک کہتی بنا اسے دیکھے سرعت سے واپس پلٹ گئی۔

وقار نے الجھتی نظروں سے اسے جاتا دیکھ کر اس کے الجھتے لہجے پر غور کیا۔جانے انجانے میں ادینہ کی بات اس کے دل پر گہرا اثر

چھوڑ گئی۔ ادینہ کی بات کا مطلب نکالتا وہ کرب سے گزر رہا تھا۔

"آئی ایم سوری ادینہ! میں خوش ہوں کہ میرے فیصلے سے تم خوش ہو مگر میں آج تک پچھتا رہا ہوں۔" پھر دل ہی دل میں کہتا آگے بڑھ گیا۔ ادینہ، عائزہ اور عندلیب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئی، باقی لڑکیاں ابھی سعید احمد کے گھر ہی گئی تھیں کہ ان کا سارا سامان وہیں تھا۔

کلثوم پھپھو نے اپنی اکلوتی، چہیتی بہو کا گھر میں مثالی استقبال کیا۔ ادینہ، عائزہ اور عندلیب بھی رسموں سے پہلے پہنچ چکی تھیں۔ مختلف رسموں کے بعد ماہی کو حجلہ عروسی میں بٹھایا گیا۔ مہ روش کے لئے کمرہ بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ تازہ پھولوں کی سیج سے اٹھتی بھینی بھینی مہک سانسوں میں اترتی اسے بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی کیفیات وآج کے دن ورات کے خاص جذبات، کمرے کی پر سحر فضا میں شدت اختیار کرتے لمحہ لمحہ محو انتظار تھے۔ سب کو روانہ کر کے ادینہ نے اس کا میک اپ سیٹ کیا تھا۔

"مہ روش! بلاشبہ تم آج بہت خوبصورت لگ رہی ہو، یقیناً مراد تمہیں اس روپ میں دیکھ کر اپنی قسمت پر رشک کرے گا۔" جانے سے پہلے ادینہ توصیفی انداز میں بولی۔ مہ روش نے اس کی بات پر محض نظر اٹھا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اب تم گھونگھٹ گرا دو۔ میں جاتے ہی مراد کو کمرے میں بھیجتی ہوں۔ وہ جانے کب سے انتظار کر رہا ہوگا۔" وہ کہتے ہوئے اس کا گھونگھٹ نکالنے لگی۔

"گھونگٹ کی کیا ضرورت ہے ویسے بھی وہ مجھے دیکھ چکے ہیں اسٹیج پر۔" مہ روش نے قدرے جھینپ کر اسے روکنا چاہا کہ دونوں اجنبی نہ تھے۔

"ارے پگلی ضرورت ہے، اسٹیج پر دیکھنے اور گھونگھٹ اٹھا کر دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" ادینہ مسکرائی۔

"کیسا فرق؟" اس نے ناسمجھی ظاہر کی۔

"یہ تمہیں تھوڑی دیر میں پتہ چل جائے گا اور گھبرانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں، اتنی محبت کرنے والا ہمسفر ملا ہے تمہیں، ایزی ہو کر بیٹھو بھابی جان۔" ادینہ کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے بولی اور باہر نکل گئی۔

مہ روش اس کی بات پر شاری گھونگھٹ سیٹ کر کے مراد کی آمد کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ ذہن و دل ہر لحاظ سے مطمئن تھے، جذبات، کیفیات بھی پر سکونی کی شال لپیٹے آپ ہی آپ گنگناتے ہوئے سر مستی میں جھومے جا رہی تھیں۔ محبوب شوہر کی سنگت کا خیال لمحہ لمحہ اسے مسرور کئے دے رہا تھا۔

زندگی کی یہ حسین رات مکمل طور پر اس کے حواس پر چھائے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی، وہ سنبھل کر سمٹ کر بیٹھی، کان آہٹ کی طرف متوجہ تھے۔ مراد منصور آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو پہلی نظر حجلہ عروسی میں بیٹھی مہ روش پر گئی۔ اب آپ ہی آپ مسکراتے وہ دروازہ لاک کر کے آگے بڑھا، کمرے کی فضا میں تازہ پھولوں ک مہک اسے سانسوں کے ساتھ

شامل ہوتی اندر اترتی محسوس ہوئی البتہ نظریں ہنوز مہ روش پر لگی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں عجب سی چمک لیے وہ آگے بڑھ کر بیڈ کے ایک کنارے بیٹھا۔

''السلام علیکم۔'' اور اسے سلام پیش کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' جھکے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر مہ روش نے مدھم آواز میں جواب دیا۔ لہجے میں فطری جھجک غالب تھی۔

''کیسی ہو؟'' مراد نے نارمل ہو کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' اس نے بتاتے ہوئے ساتھ ہی پوچھا۔ پہلے کی باتوں سے وہ تھوڑی بہت بے تکلف تو ہو چکی تھی۔

مراد منصور نے اس کے سوال پر پرسوچ انداز اپنایا، پھر کسی سوچ کے تحت ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ مہ روش نے پلکوں کی جھالر اٹھا کر سرسری اسے دیکھا تو شرم سے آنکھیں جھکا گئی۔

''مجھے کیسا ہونا چاہئے مہ روش سعید؟'' جبکہ اگلے ہی لمحے مراد منصور کا سوال نہایت دوٹوک و سپاٹ انداز میں اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔ وہ سوال کے انداز پر قدرے حیران ہوئی مگر ظاہر کیے بنا خاموش رہی۔ یہ جانے بغیر کہ آج مراد منصور بولنے کے موڈ میں تھا جبھی اسے خاموش پا کر نہایت طنزیہ اور استفہامیہ انداز میں پھر سے بولا تھا۔

''مجھے وقار سعید کی بہن کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟'' اب کے لہجہ، بات پر زور دیتے بولا تھا۔

غیر متوقع طور پر مہ روش نے سرعت سے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ مراد بھی سوالیہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں گھورے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس کا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا، سوچیں اپنی جگہ تھیں اور ازلی غصہ اپنی جگہ تھا مگر غصے کو اسے نظر انداز کرنا پڑ رہا تھا کہ سوچیں غلبہ پائے اسے بے بس کئے جا رہی تھیں۔ وہ متجب زدہ سی آنکھیں پھاڑے دونوں ہاتھوں سے بال جکڑے سر جھکائے صوفے پر بیٹھی تھی۔ آج اتنے عرصے بعد اس کی یادداشت پیچھے گئی تھی۔

علی آیان حسن گیلانی اپنی تمام باتوں، یادوں سمیت اس کے ذہن و تصورات میں ہلچل مچا گیا تھا اور وہ دنگ بیٹھی اسے جھٹلانے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ اپنے پری پلان کھیل میں اسے بھلائے آج تک وہ اپنی جیت، اپنے عمل پر سر فخر سے بلند کیے خوشی میں رقصاں تھی۔ اپنے مستقبل کے روشن خواب آنکھوں میں سجائے تھی، ایسے میں ماضی کی جھلک اس کی آنکھوں کے پردے پر ظاہر ہوتی...... اپنا جال بنا رکاوٹ کے پھیلائے جا رہی تھی۔

علی کے خط کے ٹکڑے اس کے پاؤں میں بکھرے پڑے تھے مگر اس خط میں لکھا حرف حرف علی کے جذبات کی عکاسی کرتا اس کی روتی آنکھوں، تڑپتی روح کی داستان اس کے اردگرد مسلسل دہرائے جا رہے تھے اور وہ چاہ کر بھی ان حروف کی پکار سننے سے خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔ اسکول سے واپسی کے بعد یہ چھٹا گھنٹہ تھا اور وہ تب سے کمرے میں بند تھی، کمرے کی فضا اسے بہت وحشت زدہ سی محسوس ہو

رہی تھی، اکتاہٹ اپنی جگہ تھی، سر کا درد بھی اب اس کی برداشت سے باہر ہوا جا رہا تھا، رگیں پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے اٹھ کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے اور فرار کے لئے دروازے کی طرف رخ کیا، لاک کھولا اور کمرے سے نکل کر سیدھا کچن کا رخ کیا، گلاس میں پانی ڈالا اور ٹیبلٹ منہ میں رکھ کر سارا پانی ایک ہی سانس میں پی گئی۔

''کیا ہوا مستبشرہ! سر میں درد ہے۔'' زہرہ بیگم اسے دیکھ کر کچن میں آئی تھیں۔

''جی اماں! ابھی ٹیبلٹ لی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''چائے بنا کر لا دوں؟''

''نہیں ابھی نہیں، تھوڑی دیر بعد بنا لوں گی ابھی دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے منع کیا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلو ٹھیک ہے مگر آرام کرو جا کر، میں تمہارے بابا جان کے ساتھ قاسم بھائی کی طرف جا رہی ہوں، آصفہ آپا بیمار ہیں، تمہارے سر میں درد نہ ہوتا تو ساتھ چلی جاتی لیکن ابھی تم جا کر لیٹو۔'' انہوں نے بتاتے ہوئے ہدایت کی۔

''سر تو ٹھیک ہو جائے گا، میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' مستبشرہ فوراً سے بولی کیوں کہ وہ کسی بھی طرح فرار چاہ رہی تھی۔

''نہیں تم کسی اور دن چلی جانا، ابھی تم خود سیٹ نہیں ہو۔'' انہوں نے ممتا بھری محبت سے ٹوکا۔

''اچھا پھر آپ میری طرف سے انہیں پوچھ لیجیے گا۔'' اسے ماننا پڑا۔

''ٹھیک ہے اور تم کھانا کھا لینا، کیا پتہ ہماری واپسی کس وقت ہو۔'' جانے سے پہلے دوبارہ آنے پر کہنے لگیں۔

''بہتر اماں جان۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

کچھ ہی دیر میں سید جمال شاہ اور زہرہ بیگم چلے گئے، مستبشرہ نے اپنے لیے چائے بنائی اور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر پینے لگی۔ کمرے میں جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا مگر کب تک؟ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا، کھانے کی طلب نہ تھی مگر ذہنی تھکن سے جسم ٹوٹ رہا تھا، آنکھیں بھی نیند سے بھاری ہو رہی تھیں۔ 9 بجے کے بعد اس نے اٹھتے ہوئے ناچار کمرے کا رخ کیا اور دانستہ زمین پر بکھرے کاغذ کے ٹکڑوں پر نظر انداز کرتی لائٹ آف کیے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، لیکن پھر سے بے بس ہونے میں اسے زیادہ دیر نہ لگی تھی۔ لیٹنے کے کچھ ہی دیر بعد وہ تنگ آ کر بیٹھ گئی تھی، عجیب بے چینی، گھبراہٹ، بے زاریت اسے بوجھل کئے دے رہی تھی۔

علی آیان حسن گیلانی کی مانوس آواز اسے بہت واضح بہت قریب سنائی دے رہی تھی۔ خط میں لکھا ہر لفظ اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں کے سامنے روشن ہو رہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' لائٹ آن کرتی وہ کمرے کے وسط میں کھڑی نگاہیں زمین پر گاڑے محو سوال تھی۔

''کیوں علی میرے حواسوں پر چھائے جا رہا ہے، میری سماعتیں اس کی آواز سننے سے محروم کیوں نہیں ہو رہیں، کیوں پڑھا میں نے اس کا بے ہودہ خط۔ کیا ضرورت تھی مجھے؟ میں تو اس کو بھول آئی تھی پھر آج اتنے عرصے بعد کیسے؟'' بہت سے سوال خود سے کرتی،

الجھن کا شکار ہوتی وہ مسلسل ان پرزوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے پاؤں میں بکھرے پڑے تھے۔

کئی لمحے اس نے اپنے وجود کے اندر گہری خاموشی وسکوت میں گزارے، پھر جانے کسی خیال کے تحت جھک کر کاغذ کے بکھرے ٹکڑے سمیٹنے لگی اور سمیٹنے کے بعد ٹیبل پر رکھتی ہوئی متلاشی نظروں سے اردگرد دیکھتی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی اور دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگی، جبھی ہاتھ میں مطلوبہ سکواش ٹیپ آئی تو سرعت سے پلٹ کر ٹیبل کے قریب آئی اور بالکل غیر ارادی طور پر تمام پرزوں کو الفاظ کی ترتیب سے سیٹ کیا اور انہیں جوڑنے لگی، چند منٹوں کی کوشش کے بعد خط اپنی اصل حالت میں آ چکا تھا۔ اس نے تمام الفاظ پر نظر دوڑائی اور الفاظ کی ترتیب کے اطمینان کے بعد خط فولڈ کر کے واپس ٹیبل پر رکھا۔

''اب یہ لاکٹ کہاں ہے؟ کہاں پھینکا تھا میں نے؟'' ہلکی سی بڑبڑاہٹ کے ساتھ وہ اس جانب بڑھی جہاں اس نے غصے و بے دردی کے ساتھ لاکٹ دیوار پر مارا تھا۔ زمین پر دو زانو ہو کر متلاشی نظروں سے دیکھا تو لاکٹ فوراً سے نظر آیا۔ مستبشرہ نے ہاتھ بڑھا کر لاکٹ اٹھایا اور اٹھتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگی۔

''MA...... مستبشرہ...... علی......'' آہستگی سے اپنا اور علی کا نام لیتی MA پر انگلی پھیری تو اسے خوشگوار احساس ہوا، وہ ٹیبل کی طرف آئی اور توقف کے بعد لاکٹ تہہ شدہ کاغذ پر رکھ کر وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی، اب انداز میں غصے واکتاہٹ کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔

ایک اطمینان اس کے اندر اترا تھا مگر فی الحال وہ واضح محسوس نہیں کر سکی تھی۔ کیا یہ پہلا قدم تھا؟

ہاں شاید...... یہ پہلا قدم ہی تھا جس نے مستبشرہ جمال کے خلاف جا کر اس کی مرضی کے خلاف اپنے حق میں اس کو بے بس کر کے شانت کیا تھا۔

☆......☆......☆

پہلے سے بالکل انجانی آنکھوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ خاموشی سے پرسوالیہ فضا اس کی سانسوں کو گرمائش دے رہی تھی۔ مقابل جواب کا منتظر تھا اور وہ سوال پر حیران تھی۔ مقابل کے انداز وغیر متوقع بات پر فوری ردعمل کی سوچ ابھی سے کوسوں دور بیٹھی زبان کے گنگ ہونے کا مظاہرہ وملاحظہ فرما رہی تھی۔

''بتاؤ مہ روش! چپ کیوں ہو؟'' اپنی مسلسل خاموشی پر اسے مراد کی طنزیہ آواز سنائی دی تو ایک مرتبہ پھر بے یقین ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''آئی تھینک یو ہیو نو آئیڈیا۔'' مراد اس کی حیرت بھانپتے ہوئے گویا قیاس لگانے لگا، یقیناً پہلی رات کی دلہن پیار بھری بات، اقرار، وعدے سننے کی چاہ میں گزرے دنوں کو ایسے وقت میں ایسے سوال پر کہہ بھی کیا سکتی ہے، فوراً اسے کیا مطلب نکال سکتی ہے جبکہ مقابل مکمل طور پر تیار بھی ہو۔

''حسن کے قصیدے، محبت کے فسانے بہت پڑھ لیے گئے، کہے اور کچھ سنے، کیوں نہ اب کچھ سنجیدہ بات کر لی جائے۔'' مراد

نے اس کے مہندی سے سجے خوبصورت ملائم ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا، گرفت مضبوط و قدرے سخت تھی۔ مہ روش کو اپنے ہاتھوں میں سرسراہٹ دوڑتی محسوس ہوئی۔

''تم سے آج میں نے بہت باتیں کرنی ہیں، کچھ دل کی، کچھ تمہاری اور کچھ گزری......ایسی جو گزر کر بھی نہیں گزریں۔'' ٹھہرے ہوئے لب و لہجے میں وہ پرسوچ انداز اپناتا...... ماہی کو وسوسے میں ڈال رہا تھا۔

''اچھا تمہیں یاد ہے میں نے تم سے سرپرائز کی بات کی تھی۔'' یکدم وہ اپنی سابقہ ٹون میں واپس آیا البتہ مہ روش اب بھی خاموش تھی۔

''او ہو بولو بھی......کہیں سانپ تو نہیں سونگھ گیا تمہیں۔'' وہ دانستہ شریر ہوا تا کہ ماہی اچانک کی حیرت سے باہر نکل کر مکمل ہوش و حواس میں اسے سن اور سمجھ سکے۔

''سرپرائز والی بات یاد ہے تمہیں ماہی؟'' اس نے اپنی بات دہرائی۔

''جی...... یاد ہے۔'' اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ آج کی رات دلہن بنی وہ مراد کے لہجے و انداز کے اتار چڑھاؤ پر واقعی بولنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

مراد جاذبیت سے مسکراتا بیڈ سے اٹھ کر صوفے کی طرف بڑھا۔ کوٹ کی جیب سے مخمل کی ڈبیا نکال کر کوٹ اتار کر صوفے پر رکھا پھر واپس بیڈ کی طرف آیا اور ریلیکس ہو کر بیٹھا۔

''یہ تمہارا گفٹ۔'' مراد نے سونے کی خوبصورت رنگ اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنائی، نگاہیں بغور ماہی کے چہرے پر ٹکی تھیں اور الفاظ کے تانے بانے بننے کے بعد ذہن مطمئن تھا۔

''تھینک یو۔'' عجب کشمکش کا شکار ہوئی وہ دھیرے سے بولی۔

''اب سرپرائز کی طرف آئیں۔'' مراد نے بات بدلی۔

''جی۔'' اسے اثبات میں سر ہلاتا دیکھ کر مراد نے بہت سنجیدگی سے پرسوچ انداز اپنایا۔ آج وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی کھیلنے والا تھا جس میں اپنی جیت کا وثوق لیے اس نے تین راز منکشف کرنے تھے۔ مہ روش ہمہ تن گوش تھی۔

''مہ روش سعید، پہلے تو میں تمہاری وہ غلط فہمی دور کر دوں گا جس کا شکار میں نے خود تمہیں کیا۔'' بالآخر بہت عرصے بعد وہ تمام ہتھیاروں سے لیس بات کا آغاز بڑی جرأت سے کرتا کچھ پل کو رکا۔ مہ روش اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر لب سیئے۔

''سرپرائز یہ ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔'' دو ٹوک، سپاٹ انداز میں وہ رسان سے بولا۔ انداز تحمل سے لبریز تھا جبکہ مقابل نے سیکنڈ کے ہزارویں لمحے سے پہلے کچھ مزید گہری بے یقینی سے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا تھا یوں جیسے اپنی سماعتوں پر شک گزرا ہو۔

''زیادہ حیران ہونے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے مہ روش سعید! ابھی تو چند انکشافات مزید رہتے ہیں۔'' مراد اس کو دیکھتا محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

''ہاں محبت کا جال ضرور پھیلایا۔'' پھر بات جاری رکھی۔

''کیوں؟'' بے ساختہ اس کے لب استعجاب میں ہلے تھے۔

''اتنی بھی کیا جلدی جاننے کی ڈیئر! ابھی تو رات باقی ہے۔'' وہ ہنسا۔ ماہی اب کے خود تو چپ رہی مگر مراد کو چپ نہ کروا سکی۔

''نہ مجھے تم سے محبت ہے نہ اس شادی میں میرے جذبات شامل ہیں۔'' وہ ترتیب سے بولا۔ نگاہیں ماہی کے چہرے پر مرکوز تھیں جہاں ہزاروں رنگ آ جا رہے تھے، شرم کی لالی پر عجب بے یقین سے تاثرات چھا رہے تھے۔ مراد کی باتوں اور لہجے کو سمجھنے میں اسے دشواری اور انہیں قبول کرنے میں اس کا دماغ دقت کا شکار ہو رہا تھا۔

''پھر یہ شادی......؟'' سوسمجھ نہ آیا کہ کیا پوچھے۔ ہونٹ بھینچ کر الفاظ کو روکتی وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

''بدلے کے لیے کی ہے میں نے یہ شادی۔'' یکدم وہ سخت، تلخ ہوا۔

''ہاں مہ روش سعید! میں نے تم سے یہ شادی بدلے کے لئے کی ہے، انتقام کی آگ کو شانت کرنے کیلئے کی ہے میں نے تم سے شادی۔ وقار سعید کی بہن سے مجھے محبت کیونکر ہو سکتی ہے اور پلیز حیران ہونے کی ایکٹنگ بالکل نہ کرو۔'' اپنی بات کے دوران مہ روش کے فق پڑتے چہرے کو دیکھ کر وہ نہایت سفاکیت سے بولا تھا لیکن اس لمحے مہ روش چاہ کر بھی حیرانگی کے آثار کو چہرے و آنکھوں سے زائل نہ کر سکی تھی۔ متحیر سوچیں اعصاب سے ہم آہنگی کھوئے جا رہی تھیں۔

''تین سال میں نے کڑھتے ہوئے گزارے ہیں، تین سال میں نے اپنے اندر وقار کیلئے نفرت کا لاوا سنبھال کر رکھا تھا، اس نے میری بہن کو ٹھکرا کر اسے رسوا کرنا چاہا تھا، میری بہن کو......ادینہ کی زندگی برباد کرنے چلا تھا وہ مگر وقت پلٹا کھا گیا، آج سے میں اس کی بہن کی زندگی برباد کروں گا، اس نے سارے پتے ایک ساتھ پھینک کر کھیل شروع کیا تھا اور میں ایک ایک پتا پھینک کر چلتا رہا، میں چاہتا تو اس طرح عین شادی کے وقت انکار کر سکتا تھا اس طرح مزہ نہ آتا۔ میری بہن تو آباد رہی مگر وہ اپنی بہن کی خوشیاں اپنے عمل سے برباد کر گیا، میری بہن لحہ لحہ مسکرائے گی اور اس کی بہن پل پل تڑپے گی، ہاں مہ روش! تم اپنے بھائی کے کیے کی سزا پانے کے لئے تیار ہو جاؤ، وقار کا بدلہ میں تم سے لوں گا، تمہارے ذریعے میں اسے مات دوں گا۔'' وہ جنونی ہو رہا تھا۔

ماہی کی کلائی پر سختی سے اپنی انگلیاں پیوست کرتا وہ بے انداز میں لفظ چبا کر ادا کرتا وہ اندر کا غبار باہر نکال رہا تھا، خود پر سے اچھائی و محبت کا لبادہ ہٹائے اپنی اصل شکل اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آ رہا تھا، آنکھیں انتقام کی آگ سے سرخ ہوتی مہ روش پر واضح ہو رہی تھیں۔ کلائی میں درد محسوس کرتی بھی گویا وہ محسوس نہ کر پا رہی تھی کہ اس درد سے زیادہ درد مراد منصور کا دوسرا انکشاف، تلخ لہجہ اس کے لیے برداشت کرنا تکلیف دہ تھا، اندر تک لرزتی وہ پل بھر میں خوف کھا گئی تھی۔

''مگر فرق صرف اتنا ہو گا میں اس کی طرح سب کو نہیں بتاؤں گا بلکہ تمہاری بے بسی وقار کو اپنے فیصلے پر پچھتانے کیلئے مجبور کرے گی، میرا امیج برقرار رہے گا، میری ذات خاندان بھر میں معتبر رہے گی کہ میں نے وقار کی بہن سے شادی کی۔ بکھرے ہوئے خاندان کو

سمیٹ کر رشتوں کی مضبوط ڈور باندھی۔ میری اعلیٰ ظرفی ہر زبان بیان کرے گی اور وقار پر ہر بندہ تھو تھو کرے گا، اس کی بہن اس سے نفرت کرے گی۔" مراد اپنا پلان، اپنی اعلیٰ ظرفی بڑے فخر سے بتا رہا تھا اور اس کی باتیں مہ روش کے اندر ہلچل طوفان برپا کر رہی تھیں۔ وہ ابھی تک یقین نہیں کر رہی تھی۔ مراد کا لہجہ پہلے سا تھا نہ انداز، زبان میں شائستگی تھی نہ اپنائیت وجت کی کوئی رمق تھی۔

"سچ میں مہ روش! وقار نے تمہارے لئے بہت برا کیا۔" کافی چیختے چلانے کے بعد وہ تمسخرانہ انداز سے اس سے افسردگی ظاہر کرنے لگا۔

مہ روش نے اپنی کلائی چھڑا کر اس کے خوفزدہ کرتے چہرے سے آنکھیں چرائیں۔ دل تو بہت چاہا کہ ہاتھ بھی کانوں پر رکھ کر اس کی بدصورت ہوتی آواز نہ سننے کی سعی کرے۔ وقار سے بدلہ، وقار کے کیے کا طعنہ، وقار کے لئے نفرت، اسی نفرت میں مراد منصور کی اصلیت، مراد کی سوچ مہ روش پر کھل چکی تھی اور مرتی پر کیا نہ کرتی کے مصداق اسی لمحے اسے سب باتوں پر یقین کرنا پڑا تھا۔ دلہن کے روپ میں اقرار، اظہار، وعدہ وفا کے بجائے اس تلخ حقیقت، اپنی آئندہ کی بربادی کی نوید پر یقین کرنا پڑا۔

تنفر میں ڈوبا مراد کا لہجہ، کڑوی غصیلی، انتقامی باتیں...... اتنا سنجیدہ مذاق کوئی کہاں کر سکتا ہے جو وہ ایک لمحے کو بھی خوش فہمی کا شکار ہوئی اور مراد کی خصلت میں تو مذاق شروع سے نہ تھا۔

کتنا مشکل تھا اس کے لئے اچانک کی صورتحال کو قبول کرنا مگر مراد منصور نے ناممکن ہونے کا سوال یا جواز باقی چھوڑا ہی نہ تھا۔ دھماکوں کی زد میں اس کا ذہن منتشر تھا اور زبان گونگی ہو چکی تھی۔ اسے وقار سعید کی بہن ہونے کی سزا بہت سوچ سمجھ کر دی گئی تھی پھر اس وقت خواب سپنے بھی کسی اذیت سے کم نہ تھے۔ وہ موڑ جہاں سے آج اس نے اپنی خوبصورت زندگی کا آغاز کرنا تھا مراد کے سنگ، اس وقت اسی موڑ کے آگے اسے گہری کھائیاں دکھائی دے رہی تھیں جہاں مراد اسے دھکا دینے والا تھا۔

"اور ہاں...... بدلے اور انتقام کے علاوہ بھی تم سے شادی کی ایک وجہ بہت خاص تھی۔" مراد کی آواز پھر سے کمرے کی فضا میں گونجی۔ مہ روش پہلے ہی وار سے تزلزل کا شکار ہو چکی تھی اب کے خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

میں تمہاری طرف کبھی توجہ نہ دیتا اگر عروش مجھے چھوڑ کر نہ جاتی۔" ماہی کو نیچا کرنے میں اس مرتبہ جو تیر اس کی کمان سے نکلا تھا وہ خود اسے بھی تڑپا گیا تھا۔ لڑکی کا نام سن کر وہ چونکی تھی۔ اب کیا کہنے والا تھا مراد منصور...... اتنا سب کچھ سننے کے بعد اس کی سماعتوں کو ابھی اور بھی کچھ سننا باقی تھا۔ آج کی رات نے اس کی برداشت کا امتحان بہت کڑا لینا تھا مگر وہ ابھی سے شاید بے بس ہو چکی تھی۔

"میں نے ٹوٹ کر چاہا تھا اسے مگر اسے اپنی خوبصورتی پر ناز تھا، میری محبت کی تذلیل کی اس نے، مجھے مراد منصور کو ٹھکرایا کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں، کسی خوبصورت لڑکی کے قابل نہیں ہوں، کوئی مجھ جیسے غصیلے، سنجیدہ، خودغرض بندے سے محبت نہیں کر سکتا مگر میں اسے دکھاؤں گا کہ تم نے مجھ سے محبت کی ہے، ایک خوبصورت لڑکی نے محبت کی ہے مراد منصور سے......" اس کے لہجے میں تناؤ تھا۔

تھوڑی بہت کسک تھی اس کے انداز میں جسے مہ روش نے نوٹ کیا تھا۔ عروش کے ہاتھوں خود کو محبت سمیت ٹھکرائے جانے کا ملال مراد منصور کے اندر بہت گہرا۔

''اس گھمنڈی لڑکی کو میں نے منہ توڑ جواب دینا ہے۔ جانتی ہو عروش کے چیلنج، تمہاری خوبصورتی اور وقار سے بدلے کی آگ نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا ہے۔ بات اگر صرف وقار سے بدلہ لینے کی ہوتی تو میں پریشے سے بھی شادی کر سکتا تھا مگر تم اس سے زیادہ خوبصورت ہو، اسٹائلش ہو، عروش کے مقابلے میں، میں تمہیں باآسانی اتار سکتا ہوں۔'' بالآخر مراد منصور نے تیسرا راز وشادی کی دوسری وجہ اس کے گوش گزار کر دی۔ وقار کی بہن ہونے کی سزا کے بعد عروش کے چیلنج نے مراد کے ہاتھوں اس کی ذات کی تذلیل، جذبات کی تضحیک بھی کر دی تھی۔ آج کی خاص رات کی ساری کسر پوری ہو چکی تھی جس پر مہ روش کے آنسوؤں نے مہر ثبت کر دی تھی۔

''تمہارا یہ رونا تو اب ساری عمر کا ہوگا سو آج نہیں...... آج کی رات صرف وصرف میری ہے۔'' مہ روش کی غیر ہوتی حالت کو سرے سے نظر انداز کرتا وہ طنزیہ بولا، ساتھ ہی ایک جھٹکے سے مہ روش کے سجے سنورے وجود کو اپنی طرف کھینچا۔

تمام باتیں کہنے اور دل کا غبار نکالنے کے بعد وہ ریلیکس ہو چکا تھا اور مہ روش کچھ بھی کہنے یا احتجاج کرنے سے قاصر، بے آواز آنسو بہاتی اپنی قسمت کے لکھے پر شاکڈ سی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''عمر! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' سونے سے پہلے علی آیان نے دوست کو کال کر کے مطلع کرنا چاہا...... یا شاید اپنے فیصلے کے متعلق اس کی رائے لینی چاہی۔

''کیسا فیصلہ؟''

''تم چاہتے ہو نا کہ میں مستبشرہ کو بھول جاؤں، مما اور ڈیڈ کے لئے میں زندگی جیوں۔'' بتانے سے پہلے وہ تصدیق چاہنے لگا۔

''ہاں میں، آنٹی اور انکل سب یہی چاہتے ہیں اور سب تمہارے لیے ہی ہے، ہم تمہیں ساری عمر روگ میں نہیں دیکھ سکتے، زندگی کسی ایک حد میں قید رہ کر گزارنے کا نام نہیں ہے۔ تم اندر ہی اندر اس ایک لڑکی کے لئے نہیں مر سکتے، ابھی تمہیں خود کیلئے بہت سارا جینا ہے اور تمہیں جینا بھی چاہیے۔'' جواباً عمر نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ مسکرایا۔

''ہاں مجھے جینا ہے دوست! اپنے لیے نہ سہی مگر خود سے جڑے رشتوں اور خود سے وابستہ محبتوں کا قرض چکانے کے لئے۔'' پھر ٹھوس آواز میں بولا۔

''یہ ہوئی نہ عقلمندی والی بات۔'' عمر نے اسے سراہا۔

''میں مستبشرہ کو بھول جانا چاہتا ہوں۔'' علی بتانے لگا۔

''تمہاری اس سوچ سے ہمیں خوشی ہوگی تمہاری بات بہتری کی امید کے لیے ہے، رئیلی آئی ایم ہیپی۔'' عمر واقعی سن کر خوش ہوا تھا۔

''اسی لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے جس میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' وہ اصل بات کی طرف آنے لگا۔

''کیسا فیصلہ؟''

''یہ ملک چھوڑنے کا۔''اس نے مختصراً دوٹوک کہا۔

''وہاٹ......؟''عمر چونکا۔

''دیکھو عمر، اگر مستبشرہ کو بھولنا یہاں میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی ایسا نہ سوچتا مگر یار، یہاں میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ جا کر دیکھوں، میرا دل امید لیے مجھے اب ہر وقت اکساتا ہے کہ میں ملتان جاؤں، اسے دیکھوں......کیا وہ واقعی پہلے سی ہے یا بدل گئی ہے، لیکن میں جانتا ہوں وہ بدلے یا نہ بدلے میں اسے دیکھ کر سنبھل نہیں سکوں گا، یہاں میں اسے بھولنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا۔''علی نے اندر کا ڈر بیان کیا۔ عمر تو سن کر ہی دنگ رہ گیا، پرسوچ انداز میں ہونٹ بھینچے چپ ہو کر اسے سننے لگا۔

''اس ملک سے دور جا کر میں خود کو یقین دلا سکتا ہوں کہ وہ میری دسترس میں نہیں ہے۔ میں اسے دیکھ سکتا ہوں نہ کبھی وہ مجھے مل سکتی ہے۔'' لہجے کی بے بسی کو عمر سے چھپانے کی سعی میں وہ مضبوط بننے لگا۔

''مگر یار علی! یہ تو خود کو دھوکا دینے والی بات ہوئی۔''

''اس دھوکے میں کوئی مضائقہ تو نہیں، اگر سچ میں یہاں سے دور جا کر میں اپنی کیفیت سے چھٹکارا پا سکتا ہوں یا پانے کی کوشش کر سکتا ہوں تو کیا برائی ہے اس میں۔'' جبکہ وہ اٹل تھا، خود کو کنوینس کرنے کے بعد وہ مینٹلی تیار ہو چکا تھا۔

''برائی تو کوئی نہیں ہے بٹ انکل اور آنٹی کے بارے میں سوچا ہے تم نے؟ وہ تمہارے بغیر رہ سکتے ہیں نہ تمہیں خود سے دور بھیج سکتے ہیں۔''عمر نے صاف لفظوں میں کہا۔

''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس فیصلے کی تکمیل میں تم میری مدد کرو، میں انہیں اپنے جوابات سے قائل نہیں کر سکوں گا لیکن یہی باتیں تمہارے منہ سے سن کر وہ مان جائیں گے اور ویسے بھی میں ساری عمر کے لئے تو نہیں جا رہا، بس کچھ ہی عرصے کی تو بات ہے جب بھی مجھے لگا کہ میں مستبشرہ کو بھولنے میں کامیاب ہو چکا ہوں تو میں اسی وقت واپس آ جاؤں گا۔ آئی سوئیر......اینڈ میں یقیناً اسے اپنی ذات سے جدا کر کے لوٹوں گا۔''علی آیان کی باتوں میں پختگی و وثوق تھا جو عمر کو قائل کرنے میں یقیناً کامیاب ہو چکا تھا۔

''اگر ایسا واقعی میں ممکن ہے تو ٹھیک ہے، میں جہاں تک ممکن ہو سکا تمہاری مدد کروں گا۔''وہ راضی ہوا۔

''تھینک سو عمر۔ میں کچھ ہی دنوں میں مما اور ڈیڈ سے بات کروں گا۔''علی مطمئن سا مسکرایا۔ یہ فیصلہ اس نے بہت مجبور ہو کر کیا تھا مگر بہتری کے لئے کیا تھا۔

☆......☆......☆

رات بظاہر بڑی خاموشی سے گزر رہی تھی۔ کمرے کی مہکتی فضا میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا......مگر اس کے اندر طوفان قیامت سی تباہ کاریاں لیے پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کے اندر کی دنیا میں سب کچھ تہس نہس ہو چکا تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ مسلسل اشک بار آنکھوں سے سن ذہن لیے بیٹھی تھی۔

سب کچھ کتنی جلدی، اچانک اس پر واضح ہوا تھا۔ خوشیوں کے رنگوں پر پلک جھپکنے سے پہلے ہی دھندلاہٹ کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ گردن گھما کر اپنے پہلو میں دیکھا تھا جہاں مراد منصور اس کی ذات میں زلزلے، آندھیاں برپا کرنے اور حق زوجیت وصول کرنے کے بعد پرسکون نیند سو رہا تھا۔ آج کیلئے آنکھوں میں سجائے اس کے ڈھیروں خواب اور سپنے ارمانوں سمیت بے دردی وسفاکیت سے کچل کر انجان بنا بے خبر سو رہا تھا۔

مہ روش بغور اسے دیکھتی ''فرق'' کے متعلق سوچنے لگی۔

گھونگھٹ کے فرق کو سوچنے لگی۔ گھونگھٹ سے پہلے اس نے جس مراد منصور کو دیکھا تھا وہ کوئی اور تھا، جس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن رہتا تھا، جس کی باتوں میں محبت کا رس گھولتا امرت تھا، جس کے انداز میں چاہت تھی، جس کے لمس میں اپنا پن تھا۔ مگر گھونگھٹ اٹھانے کے بعد......!

اس نے ایک نئے، الگ مراد منصور کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نہیں بلکہ غصے، نفرت اور انتقام کا الاؤ تھا جس کی باتوں میں زہر کا عنصر نمایاں تھا، اس کے انداز میں تنفر، تحقیر اور اس کے جذبات کے لئے تضحیک تھی جس کے لمس سے اسے تپتے انگاروں پر جھلسنے کا احساس ہوا تھا۔

یہ کیسا فرق تھا......؟

محض گھونگھٹ گرانے اور اٹھانے کی یہ کیسی انوکھی تفریق کی کہانی اسے محسوس ہوئی تھی۔ یہ خواب تھا، حقیقت یا آنکھوں کا دھوکا؟ سماعت ناکارہ ہو چکی تھی یا سچ سننے میں جھوٹ لگ رہا تھا۔

مراد منصور نے اس کے ساتھ مذاق کیا تھا یا ایک ہی جھٹکے میں اسے افسانے سے نکال کر حقیقت میں لے آیا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی تھی، نہ اندازہ لگا سکی نہ قیاس کی فرصت ملی۔

''کیوں مراد! میرے ساتھ آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ محو سوال بے آواز شدت سے رونے لگی۔

''وقار بھائی سے بدلے کی آگ میں مجھے کیوں جلایا؟ کیا قصور تھا میرا؟ یہی کہ میں ان کی بہن تھی، انہوں نے ادینہ کو ٹھکرایا اور آپ نے مجھے اپنا کر اپنی بہن کو ٹھکرائے جانے کا بدلہ لیا۔ کیسی اعلیٰ ظرفی ہے آپ کی، آپ میں اور وقار بھائی میں کوئی فرق نہیں ہے، ہاں البتہ میری اور ادینہ کی قسمت میں ضرور فرق ہے، وہ ایک جھٹکے کے بعد سنبھل گئی تھی اور میری ساری زندگی جھٹکوں میں گزرے گی۔'' مہ روش سوال جواب کی کیفیت میں گھری تھی۔

''یہی نہیں......آپ نے میرے اعتبار کا خون کیا، میرا استعمال کرنے کے لئے محبت کا جال پھینکا۔ کیوں مراد! مجھے محبت کے نام سے متنفر کرنا چاہا آپ نے؟ اگر بدلہ ہی لینا تھا تو صرف بدلہ لیتے، کیوں کسی کی بے وفائی سے میرے جذبات کو میرے دل میں دفن کر دیا؟ کیوں محبت کا غلط استعمال کیا آپ نے؟ مجھ سے محبت بدلے کے لئے ضروری تو نہ تھی۔'' گزرتا ایک ایک منٹ صدیوں پر محیط تھا۔ نیند اس

کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی مگر سوالات نظر کے سامنے تھے۔

''وقار بھائی کے کیے کی سزا تو آپ نے دے دی مگر میں آپ کی ناکام محبت کی خطاوار بن کر چپ نہیں رہوں گی، میری بے بسی میں کسی پر واضح نہیں ہونے دوں گی۔'' یکدم کسی سوچ نے اس کے دماغ میں ہلکورہ لیا تو اور پرعزم مگر بھیگی آواز میں کہتی ہتھیلی سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''بدلے کی ایک بازی تو آپ جیت گئے مگر دوسری میں آپ کو نہیں جیتنے دوں گی، عروش کی بے وفائی کا بدلہ میں اپنی محبت کو بے مول کر کے آپ کو نہیں لینے دوں گی، ایک چال کے بعد دوسری چال آپ کی کامیاب نہیں ہو سکتی۔'' سوچتے ہوئے وہ اٹھی اور منہ دھو کر واپس بیڈ پر آئی۔

''آج رات کی حقیقت اور آپ کی اصلیت دن کے احاطے میں کھو جائے گی، میں تقدیر کے لکھے پر یقین کرتی ہوں اور میرا یقین ہے کہ میری چپ مجھے ثابت قدم اور آپ کو متزلزل کرے گی۔'' آنکھیں موند کر اوپر بازو رکھتی وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ دن بھر کی جسمانی اور کچھ دیر پہلے والی ذہنی تھکاوٹ سے اس کی کوشش جلد ہی کامیاب ہوئی تھی، باقی رات شانت گزری۔

☆......☆......☆

اگلی صبح کا اجالا ہر سو پھیل چکا تھا۔ سات بجے کے قریب مراد منصور کی آنکھ کھلی اور پہلے خیال کے ساتھ ہی اس نے اپنے اطراف میں نظر دوڑائی جہاں مہ روش ابھی تک سو رہی تھی، وہ نگاہ غلط اس پر ڈال کر اٹھا اور واش روم کی طرف بڑھا۔ تین سال بعد اس نے پرسکون رات گزاری تھی۔ شاور لینے کے بعد ڈریس چینج کرتا وہ اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا، شیشے سے ہو کر اس کی نگاہوں کا محور مہ روش ہی تھی جو چندھیائی آنکھوں کو کھولتی کسمسا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''گڈ مارننگ۔'' مراد نے بال سیٹ کرنے کے بعد برش واپس رکھتے ہوئے مڑ کر بہت خوشگوار انداز میں اسے مخاطب کیا۔ گزری رات والا تلخ روپ فی الوقت سائیڈ میں رکھے یوں ظاہر کرنا چاہا جیسے رات بہت دلنشین بنائی تھی اس نے مہ روش کے لئے۔ آواز پر مہ روش نے ناگواری سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور دانستہ اوپر نہ دیکھا۔

''اوہو...... اتنا غصہ۔'' مراد لطف اندوز ہوا، مسکرا کر کہتا اس کے برابر جا بیٹھا، اس کے بیٹھتے ہی وہ اٹھنے لگی، مراد نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ابھی تو شروعات ہیں مسز مراد منصور۔'' پھر طنزیہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی بات جاری رکھی۔

''آگے آگے بس دیکھتی جانا...... ہوتا ہے کیا؟'' اس کی بات پر ماہی نے بنا کوئی تاثر دیئے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی۔

''رات تو کافی شاندار گزری ہوگی تمہاری......؟'' مراد نے اسے زچ کرنے کے لئے ہاتھ پر گرفت اور زیادہ مضبوط کرتے ہوئے ہونٹ اس کے کان کے قریب لے جا کر رازدارانہ پوچھا۔ سوال پر وہ اندر تک سلگ اٹھی تھی مگر ضبط کر گئی۔ سامنے کھڑا شخص مکمل

تیاری میں تھا ایسے میں وہ ایسا کوئی جملہ ادا نہیں کرنا چاہتی تھی جو اس کی اس کھیل میں نا اہلی پر پہلے ہی اقدام سے بزدلی کی مہر ثبت کر دیتا۔ مراد کے اصل روپ نے رات کو اسے اندر تک خوفزدہ کر دیا تھا۔

''اور سرپرائز پسند آیا کہ نہیں؟'' مراد اسے تنگ کرنے کی غرض سے پھر سے پوچھنے لگا۔ ماہی نے اب بھی کوئی رسپانس دینا گوارا نہ سمجھا، خاموش رہی، ہاتھ اس کا مسلسل حرکت میں تھا مگر مقابل کے مضبوط شکنجے میں اس کی حیثیت لاچار، پھڑپھڑائی چڑیا سے زیادہ اس لمحے کچھ نہ تھی۔

''بے یقینی، غصہ، خاموشی ...... سچی ڈیئر! تمہارے ساتھ یہ کھیل کھیلنے میں بہت مزہ آئے گا۔'' وہ ڈھٹائی سے کہتا مسکرایا۔

کمرے میں اس کی آواز وقفے وقفے سے گونج رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہی دل میں شکر بجالائی۔ مراد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ فوراً واش روم کی طرف بڑھی کہ فوراً کسی کا سامنا اس کے چہرے کے تاثرات نہیں کر سکتے تھے۔ مراد کے سامنے بھی بڑی مشکل سے وہ خود کو سنبھالے کھڑی تھی۔ اس کے واش روم میں جانے کے چند ثانیوں بعد مراد نے قدم آگے بڑھائے اور دروازہ کھولا۔

''گڈ مارننگ۔'' ادینہ ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ اندر آئی۔

''گڈ مارننگ۔'' مراد آہستگی سے کہتا صوفے پر جا بیٹھا۔

''ماہی کہاں ہے؟''

''واش روم۔'' جواب دیتے ہوئے مراد نے چہرے پر بشاشت لائی۔

''ناشتہ تیار ہے میں پوچھنے آئی ہوں، ناشتہ یہیں کمرے میں لاؤں تم دونوں کے لئے یا باہر سب کے ساتھ کرو گے؟'' ادینہ اس سے پوچھنے لگی۔

''میں تو باہر ہی کروں گا، تم مہ روش سے پوچھ لینا۔'' وہ سرسری بولا۔

''اوکے میں کچھ دیر میں آتی ہوں، پھر ماہی سے پوچھ لوں گی۔'' ادینہ نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور چلی گئی۔

وہ موبائل میں مصروف ہوا۔ دس پندرہ منٹ بعد واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز اسے سنائی دی۔ اس نے موبائل واپس جیب میں رکھا اور مہ وش کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ لب سیئے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ کوئی خاص تاثرات اس نے واضح نہیں کئے تھے، نہ ہی خوشی و شرم و حیا کی لالی اس کے رخساروں پر بکھری تھی۔ ایک رات کی دلہن، وہ اپنی شادی کے دوسرے ہی دن سادہ سے پنک سوٹ میں شوہر کے بالکل سامنے کھڑی دانستہ نظریں جھکاتی خود کو اردگرد سے انجان ظاہر کر رہی تھی۔

''گڈ مارننگ ماہی۔'' وہ دونوں خاموش ہی تھے جب کچھ دیر بعد ادینہ واپس کمرے میں آتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے خوشگواریت سے بولی تھی۔

''گڈ مارننگ۔'' ماہی نے اس کی طرف اسمائل پاس کی۔ ادینہ نے اس سے ناشتے کے لئے پوچھا تو اس نے بھی باہر ہی سب کے ساتھ کرنے کو ترجیح دی اور خود کو بالکل نارمل رکھا۔

''ماہی! تم یہ ڈریس پہن لو۔'' ادینہ نے الماری سے بھاری کامدار سوٹ نکال کر اسے مخاطب کیا۔

''ابھی نہیں ناشتے کے بعد۔'' اس نے منع کیا۔ ادینہ نے اوکے کہتے ہوئے سوٹ ایک سائیڈ پر رکھا، مراد اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں باہر جا رہا ہوں، تم دونوں آ جانا۔'' کہتے ہوئے نکل گیا۔ ماہی نے اس کے جاتے ہی ریلیکس فیل کیا۔

''گفٹ کیا ملا؟'' ادینہ اس کے قریب آئی۔

''رنگ۔'' ماہی نے ہاتھ اس کے سامنے کیا۔

''صرف رنگ؟'' وہ چونکی۔

''کتنا بدھو ہے مراد، قسمت سے اتنی خوبصورت بیوی ملی ہے جسے اس نے رنگ پر ہی ٹرخا دیا۔ یار ماہی! اسی وقت ہاتھوں ہاتھ لیتی اسے۔'' ادینہ کی بات پر مہ روش بظاہر فوراً مسکرائی مگر اندر اٹھتی ٹیس برداشت کرنا اسے بہت تکلیف دہ لگا تھا۔

''صرف رنگ نہیں مراد نے تو مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ میری توقعات کے خلاف، میری خواہشات سے زیادہ، وہی سمیٹ لوں تو میرے لئے کافی ہوگا۔'' ماہی دل ہی دل میں کہتی بالوں کو چوٹی میں قید کرنے لگی۔

''اچھا مراد نے تعریف وغیرہ بھی کی یا وہاں بھی کنجوسی دکھا گیا؟'' ادینہ پر مزاح لہجے میں مزید پوچھنے لگی۔

''نہیں...... بہت زیادہ کی ہے۔'' گزری رات کے اثر سے نکلتی وہ ادینہ کے سامنے اسی لہجے و انداز میں بولی جیسے نئی نویلی دلہن شادی کے دوسرے دن اپنی مسکراہٹ سے اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ ادینہ اس کی بات پر مسکرائی۔

''چلیں......'' مہ روش نے اگلے ہی پل سوالیہ اسے پوچھا کہ مبادہ وہ پھر کوئی شوخ و شریر سا سوال نہ کر لے...... جواب دینا اس کے لئے ابھی تھوڑا مشکل تھا۔

''ہاں۔''

دونوں آگے پیچھے باہر نکلیں۔ مہ روش نے کلثوم پھپھو اور شاہدہ پھپھو کو سلام کیا اور ڈائننگ ٹیبل پر مراد کے برابر سیٹ سنبھالی کہ وہ سیٹ خاص اس کے لئے رکھی گئی تھی۔ ناشتہ ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران اختتام کو پہنچا تو ادینہ نے مہ روش کو تیار ہونے بھیجا۔ سعید احمد کے گھر سے صبح کال آئی تھی کہ لڑکیاں ناشتہ لے کر آ رہی ہیں مگر کلثوم پھپھو نے منع کر دیا کہ زحمت کی کوئی ضرورت نہیں، آپس کی ایک ہی بات ہے، سو وہ لوگ ناشتہ لانے پر منع کرنے سے لنچ کے لئے فورس کرنے لگے تو مجبوراً کلثوم بیگم کو ماننا پڑا۔ پریشے اور باقی کزنز آنے والی تھیں۔

مہ روش کو تیار ہونے کے لئے فوراً سے جانا پڑا تھا۔

☆......☆......☆

فلک کے ارادے نیک اور عزم مضبوط، حوصلہ بلند تھا۔ دلجمعی سے سیکھنے کی چاہ میں امی اور تائی جان کے ساتھ کچن میں مصروف رہتی جو کہ گھر بھر کے افراد کیلئے خوش آئند بات تھی، سبھی اسے اپنے کہے پر عمل پیرا دیکھ کر مطمئن تھے کہ ایسے میں آصفہ بیگم کو موسمی بخار نے اپنے شکنجے میں لیا، سو ان کی کمی پوری کرنے کے لئے وہ فل ٹائم فہمیدہ بیگم کے ساتھ رہنے لگی۔ کھانا وغیرہ تو امی ہی بناتیں مگر وہ ان کی ہیلپ کر دیتی، فہمیدہ بیگم پکانے کے دوران اسے گائیڈ کرتی رہتیں۔ اس وقت بھی رات کے کھانے کے بعد برتن دھو کر امی سے ترکیب پوچھی اور گرین ٹی بنا کر آصفہ بیگم کے کمرے کی طرف گئی۔

''گرین ٹی۔'' اندر داخل ہوتے ہی با آواز بلند بولی تو مشارب شاہ اور آصفہ بیگم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''تم نے بنائی ہے؟'' مشارب نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں...... خاص تائی جان کے لئے۔'' آصفہ بیگم کی طرف کپ بڑھاتے ہوئے وہ محبت بھری آواز سے بولی۔ جب سے وہ بیمار ہوئی تھیں تب سے فلک کام کے علاوہ ان کا بھی بھرپور خیال رکھ رہی تھی۔

''جیتی رہو۔'' آصفہ بیگم نے اس کے سر پر مشفق ہاتھ پھیرا۔

''خاص امی کے لئے بنائی ہے تو میرا پینا ممنوع ہے۔'' مشارب نے اس کی بات پکڑی۔

''جی نہیں...... اگر ممنوع ہوتا تو تمہارے لیے نہ لاتی، مجھے پتہ تھا کہ تم تائی جان کے پاس ہی ہو گے۔'' فلک نے وضاحت دی۔

''مطلب اب تمہیں پھر تھینکس کہنا پڑے گا۔'' وہ ہنسا۔

''جی ہاں......'' وہ بھی آصفہ بیگم سمیت مسکرائی۔

''تو پھر مس فلک شاہ! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے کچھ پل نکال کر اتنی زبردست شاندار سی چائے ہمارے لئے بنائی۔'' وہ تفصیلی شکر بجا لائی۔

''ہاں چائے تو واقعی لاجواب بنائی ہے تم نے۔'' آصفہ بیگم نے بھی اسے سراہا۔ فلک کی ہر اچھی بری کوشش کو ان سمیت سب سراہتے ہوئے پسندیدگی کی سند سے نوازتے کہ یوں وہ جوشیلے انداز میں مزید لگن سے کام میں جت جاتی تھی۔

''تو تائی جان جلدی سے پی کر ٹھیک ہو جائیں آپ، سچی آپ کے بغیر کچن میں بالکل مزہ نہیں آتا، میں نے سوچا تھا آپ سے کئی طرح کی ڈشز سیکھوں گی، آپ کی طرح اچھے اچھے کھانے بناؤں گی مگر میرے سوچتے ہی آپ بیمار ہو گئی ہیں، اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں بس۔'' فلک کہتے ہوئے آخری میں استحقاق سے بولی۔ مشارب اس کے انداز پر ہنسا۔ یہی باتیں تو اسے فلک کی پسند تھیں۔ گھر کے ہر فرد خصوصاً بڑوں سے محبت و احترام اس کی شخصیت کا بہترین خاصہ تھیں۔ آصفہ بیگم نے پیار، شاد کرتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ لگایا۔

''جس طرح تم نے میرا اتنا خیال رکھا ہے، میں تو ابھی سے بہتر محسوس کر رہی ہوں، بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں میں، بخار بھی نہیں رہا،

تم تیار رہنا کل سے میں کچن میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

''مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' وہ ان کی بات پر مسکرائی۔

''تم سے زیادہ چچی جان کو خوشی ہوگی۔ سچ میں یار فلک! تم اتنی جلدی لائن پر آجاؤ گی آئی مین کام اور گھرداری کے معاملے میں سدھر جاؤ گی، ہم میں سے کسی کو امید نہیں تھی۔'' مشارب بولا ساتھ ہی کپ ہونٹوں سے لگایا۔

''کیوں؟'' فلک نے خشمگیں نگاہوں سے سوالیہ اسے دیکھا۔

''تمہاری باتیں کام سے بھاگنا اسی امید کی طرف اشارہ کیا۔'' وہ غیر سنجیدہ تھا۔ فلک نے اسے مصنوعی خونخوار نظروں سے گھورا۔

''مگر مجھے یقین تھا کہ ہماری فلک سب کچھ کرسکتی ہے اور دیکھو سیکھ بھی چکی ہے، فہمیدہ ویسے ہی پریشان رہتی تھی، میں نے کتنی دفعہ اسے سمجھایا کہ گھر کی بچی ہے گھر میں ہی رہے گی مگر ماں ہے ناں، بیٹی کے مستقبل کی فکر کب پرسکون رہنے دیتی ہے، اس کی ایک ہی خواہش ہے کہ فلک اسی عمر میں رکھ رکھاؤ سیکھے گی تو آئندہ کی زندگی سہل انداز میں گزرے گی۔'' آصفہ بیگم اپنا وثوق ظاہر کرتیں فہمیدہ شاہ کی فکرمندی بتانے لگیں۔ فلک ان کی بات پر خاموش رہی۔

''ہاں تو چچی جان کی فکر جائز تھی، لڑکیوں کو سب کچھ سیکھنا چاہیے، جانے آگے کیسا سسرال ملے، کیسے لوگ ہوں کون جانتا ہے؟'' البتہ مشارب اب سنجیدہ ہوا۔ فلک کو ایک دوست اور کزن کی حیثیت سے اس نے ہمیشہ دل کے بہت قریب پایا تھا اور اپنے معاملے میں اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد سے فہمیدہ بیگم کی طرح وہ بھی فکرمند رہتا۔ فلک شاہ کو کہاں وہ اداس یا پریشان حال دیکھ سکتا تھا۔ خود سے زیادہ فلک کی خوشیاں اس کے لیے زیادہ اہم اور معنی رکھتی تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے کبھی فلک کو بتایا نہیں مگر اکثر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تھا، مگر اب سے پہلے وہ کوئی بات سمجھنا ہی کہاں چاہتی تھی۔ مشارب کی بات پر آصفہ شاہ نے بغور اسے اور پھر فلک کو دیکھا۔

''تم ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرنا، آگے کیا ہوگا، کیوں ہوگا، کیسا ہوگا، کون جانے...... مجھ سے متعلق ہر بات کو مستقبل کے آئینے میں کیوں دیکھتے ہو؟'' جو اپنے مخصوص انداز میں مشارب سے مخاطب گو یا لڑنے کے موڈ میں تھی۔ اس کی بات اور دونوں کی تکرار سے آصفہ بیگم پرسوچ انداز میں مسکرائی تھیں۔

''کیوں نہ دیکھو؟ آتا جاتا کچھ ہے نہیں تمہیں اور میں فکر نہ کروں گا تو کون کرے گا۔'' وہ برجستہ سے چھیڑنے کے لئے سپاٹ بولا۔

''کیوں نہیں آتا۔ امی سے پوچھ لو سب سیکھ لیا ہے میں نے۔'' فلک کو پتنگے لگنے میں دیر نہ لگی، مصمم ارادہ باندھنے کے بعد وہ ابھی سے چپ رہنے کی غلطی نہ کرسکتی تھی کہ خود پر کسی کا شک ابھی ڈالنا نہیں چاہتی تھی، البتہ دل کو پورا یقین تھا اس کے احساسات میں شدت ہے جو مشارب کے جذبات کو محسوس کرسکتے ہیں، گھر والوں کی طرف سے تو وہ شروع سے ٹینشن فری تھی۔ بھلا دونوں کے رشتے پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

''خاک سب سیکھا ہے تم نے، کپڑے تو تم ابھی تک پریس نہیں کرتی، صبح جب میں آفس جا رہا تھا تب بھی تم عثمان سے اسی سلسلے میں تو تو، میں میں کر رہی تھیں، کیا تھا وہ سب؟'' مشارب نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''وہ جو بھی تھا تم کو اس سے کیا؟'' آصفہ بیگم اس کی بات پر محظوظ مسلسل ان دونوں کو کھوجتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں کہ دل کی خواہش کو سوچ کے مثبت ہونے سے انہوں نے پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

''دیکھ لیں امی، اسی لئے کہتا ہوں یہ کبھی نہیں سدھر سکتی۔'' مشارب کو اس کی کھنچائی کا موقع ملا۔

''اور کتنا سدھروں تمہارے لئے My Love'' جس کا فلک نے آصفہ بیگم سے پہلے دل میں جواب دیا۔

''یہ جیسی بھی ہے ہمیں بہت عزیز ہے۔ فہمیدہ کی ضد، فکر اور خواہش کی وجہ سے میں اس کے ساتھ ہوں ورنہ اسے کوئی کام کرنے کی کیا ضرورت ہے، پھولوں سی نازک ہے ہماری فلک۔ اللہ تعالیٰ اس کا نصیب اچھا اور زندگی سہل کرے، زندگی نے تو اپنی رفتار سے گزرنا ہے، گزرے گی۔'' گھر کی اکلوتی لڑکی سب کو عزیز تھی، سو آصفہ بیگم نے بیٹے کا ساتھ دے کر اسے تنگ کرنے کے بجائے دعائیہ کہا تو فلک نے مسکراتے ہوئے مشارب کو انگوٹھا دکھایا۔

''اب میں کیا کہوں۔'' مشارب نے اگلے ہی لمحے ہتھیار ڈالے۔

''تم کچھ نہ کہو بس خاموش رہو۔'' فلک فوراً بولی۔

''دیکھ لیں امی اسے، سب باتیں ایک طرف اس میں تو ذرا بھی لحاظ نہیں، پورے پانچ سال دو مہینے بڑا ہوں اس سے مگر یہ مجھے تم کہتی ہے، کبھی بھولے سے ''آپ'' اس کے منہ سے نہیں نکلا۔'' جس پر مشارب نے ایک سرا پکڑ کر دوسرا سرا آصفہ بیگم کے ہاتھ تھمانا چاہا، ساتھ ہی خالی مگ ٹرے پر رکھا۔ آصفہ بیگم بھی چائے ختم کر چکی تھیں۔ فلک نے اسے گھورا۔

''آپ جناب تو تب کہوں جب تم پانچ سال اور دو مہینوں کے ساتھ گھنٹوں، منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب بھی دو۔'' پھر جھٹ اپنے مخصوص انداز میں سابقہ جملہ دہرایا۔

''سچی میں فلک! تمہارا اوپر والا پورشن عقل سے پیدل ہے۔'' مشارب اس کی ہزار بار دہرائی بات پر زور سے ہنسا۔ فلک نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور تمہارا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے۔'' پھر کہتے ہی کپ ٹرے میں رکھتی بیڈ سے اترنے لگی۔ دونوں اس کی بات پر مسکرائے۔ آصفہ شاہ کو اپنا وثوق پختہ محسوس ہونے لگا تھا۔

''پاگل۔'' مشارب نے اسے مزید چڑانے کے لئے با آواز بلند کہا اب کے فلک نے اس کی بات کو نظر انداز کیا مگر دل میں ضرور اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''تمہارے پیار میں پاگل ہوں اور اپنی محبت سے تمہیں بھی پاگل نہ کر دیا تو پھر کہنا'' اور خاموش نظروں سے زیر لب مسکرائی۔

''او کے تائی جان! پھر صبح ملاقات ہوگی، اللہ حافظ اینڈ گڈ نائٹ۔'' آصفہ بیگم سے کہتی وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''میں بھی ہوں یہاں۔'' مشارب نے فوراً پیچھے سے آواز دی۔

''اوہ سوری......گڈ نائٹ۔'' فلک سرعت سے پلٹ کر گویا ہوئی۔

فلک کمرے سے باہر نکل آئی۔ لبوں پر بڑی دلنشین مسکراہٹ تھی۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ دانستہ مشارب شاہ کو نظر انداز کر کے تائی جان سے مخاطب ہوئی تھی، یہ جاننے کے لئے کہ کیا مشارب خود سے اسے بلائے گا یا نہیں اور اب اپنے اندر پھیلتے وثوق کے سائے اسے گہرے پڑتے محسوس ہوئے تھے۔

''آئی ایم ویری ہیپی مشارب اینڈ تھینکس۔ مجھے شدت سے اس دن کا انتظار رہے گا جب تم باقاعدہ مجھ سے اعتراف محبت کرو گے، لو یو سو مچ۔'' سیڑھیاں اترتی وہ بڑے ترنگ سے سوچ جا رہی تھی۔

''مشارب بیٹا!'' فلک کے جانے کے بعد وہ سونے کے لئے اٹھ رہا تھا جب آصفہ بیگم نے اسے پکارا۔ وہ بڑھتے قدموں کو روک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی امی۔''

''ادھر آؤ بیٹھو یہاں، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔ مشارب اثبات میں سر ہلاتا واپس اپنی نشست سنبھالنے لگا۔

''کہیے امی۔'' اور سوالیہ مگر محترم نظروں سے انہیں دیکھتا بولا۔

''بیٹا! میں چاہتی ہوں کہ میری زندگی میں تمہارا گھر آباد ہو۔'' وہ سنجیدہ ہوئیں۔

''جی امی۔'' مطلب سمجھنے کے باوجود وہ حیران ہوا۔ تعجب نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

''غم خوشی زندگی کا حصہ ہے، انسان کی بہت سی خواہشات ہوتی ہیں مگر سب سے بڑی خواہش اولاد کی زندگی، خوشی، آبادی اور اس کی اگلی نسل کو دیکھنا ہے اور میں بھی اپنی زندگی میں تمہاری شادی کروانا چاہتی ہوں۔'' وہ خاصی تفصیل سے تمہیدی انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کرنے لگیں۔

''ہاں پر اتنی بھی کیا جلدی ہے امی۔'' جواباً وہ اتنا ہی بولا۔ کچھ ذہن میں بات بھی انتظار کی گردش کر رہی تھی۔

''جلدی کہاں بیٹا! ماشاءاللہ تم بڑے ہو گئے ہو، برسر روزگار ہو، کوئی کمی نہیں ہے تم میں۔'' وہ بولیں۔ جان نثار کرتی نظریں اپنے خوبرو سپوت پر گاڑے اسے گویا وہ ابھی کے ابھی اسے راضی کرنے کے موڈ میں تھیں۔

''ہاں پر امی ابھی نہیں۔'' اور وہ کسی بھی وجہ سے ہی سہی مگر ابھی انہیں ٹالنے کی تگ و دو کرنے لگا۔

''ابھی کیوں نہیں؟ مجھے زندگی سے کبھی کبھار ڈر لگتا ہے، سانسوں کی مہلت کب تک رہے کون جانتا ہے اور آج کل کیا پتہ چلتا

ہے، چھوٹی سی بیماری جان لے لیتی ہے۔'' وہ صاف بولیں۔

''امی! اللہ آپ کو صحت دے، ہمارے لیے سلامت رکھے اور آپ تو اتنی باہمت ہیں، ہر ایک کو مشکل میں حوصلہ دیتی ہیں اور وخود موسمی بخار سے گھبرا رہی ہیں، کچھ نہیں ہوگا آپ کو، پلیز ایسی باتیں نہ کریں۔'' ان کی بات پر وہ بولا۔ ماں کے لئے لہجے میں تفکر تھا۔

''پر بیٹا......'' جواباً وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر مشارب انہیں ٹوک گیا۔

''پلیز امی......'' اور آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھامے پھر بات جاری رکھی۔

''آپ کی خواہش سر آنکھوں پر لیکن تھوڑا انتظار کر لیں۔''

''ایک دو مہینے۔'' تھوڑے انتظار کو انہوں نے سوالیہ لے کر پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ ہنسا پھر بتایا۔

''تین سال۔''

''تین سال کا عرصہ تمہیں تھوڑا لگتا ہے۔''

''بہت تھوڑا تو نہیں لگتا پر زیادہ بھی تو نہیں ہے۔'' وہ انہیں قائل کرنا چاہتا تھا۔ انتظار کا فیصلہ کرنے کے بعد ذہن میں سوچ پختہ تھی۔

''اچھا میں لڑکیاں تو دیکھنا شروع کر سکتی ہوں، کیا پتہ ابھی پسند آئے کہ نہیں اور تم دیکھنا ایسی لڑکی میں اپنے بیٹے کے لئے ڈھونڈوں گی جو تمہیں دیکھتے ہی پسند آئے گی، تمہارے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی سب کو اچھی لگے گی۔'' وہ کہتے ہوئے ساتھ بیٹے کو دیکھ رہی تھیں جو مسکرائے جا رہا تھا جیسے ماں نے اس کے دل کی سن لی ہو۔ اگلے ہی پل وہ سنجیدہ سا ہوا کہ ابھی بات کا رخ اور موقع دونوں مناسب تھے جبھی انہیں اجازت طلب نظروں سے دیکھتا بولا۔

''امی! ایک بات کہوں؟''

''ہاں کہو۔''

☆......☆......☆

''لڑکی میں پسند کر چکا ہوں۔'' بتاتے ہوئے اس نے نظریں جھکائی تھیں۔ وہ مشارب کے انکشاف پر بالکل نہ چونکیں البتہ مشارب کا اقرار ان کے لبوں پر ہنسی لے آیا۔

''ہنس کیوں رہی ہیں؟'' وہ جھینپ سا گیا تھا۔

''کیونکہ میں یہ سب جانتی تھی۔'' اسے مطلع کیا۔

''وہاٹ، کیسے...؟'' سنتے ہی وہ اچھنبے کا شکار ہوا۔ حیرت بھری استفہامیہ نگاہوں سے پوچھنے لگا۔

''ماں ہوں تمہاری، تمہارے اٹھنے بیٹھنے پر نظر رکھتی ہوں، تمہارے الفاظ میری پکڑ میں ہوتے ہیں اور تمہاری آنکھیں سب کہانی

سناتی ہیں۔۔۔ بیٹے لاکھ چاہیں ماؤں سے چوری چھپا نہیں سکتے۔'' وہ بولیں۔ مشارب خود کے پکڑے جانے اور ان کے مضبوط لہجے پر مسکرا رہ گیا۔

''سو۔۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ تم شادی پسند سے کرو۔'' انہوں نے گویا بیٹے کو ریلیکس کر دیا۔

''امی جان، تسی گریٹ ہو۔'' وہ اٹھ کر ان کے گلے لگا، سرشاری سے بولا۔ وہ بیٹے کے انداز پر نہال سی ہوئیں۔

''امی! جہاں آپ یہ جان گئی ہیں وہاں ضرور آپ کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ وہ لڑکی کون ہے جو آپ کی بہو ہونے کا شرف حاصل کرے گی۔'' مشارب نے نام بتانے کے بجائے پوچھنا چاہا۔

''ہاں بیٹا جی! میں جانتی ہوں کہ وہ خوش نصیب لڑکی کون ہے۔۔۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

''گریٹ۔۔۔ تو پھر آپ کو کیسی لگتی ہے وہ؟'' اس نے اشتیاق سے بات جاری رکھی۔ ماں کے ریلیکس کرتے انداز سے اس کا دل مطمئن ہوا تھا۔ منزل پانے کی راہ سے دھندلاہٹ ختم ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ سب کچھ یکدم سہل سا لگنے لگا تھا۔

''بہت اچھی اور جانتے ہو کہ اگر تم نے اسے پسند نہ بھی کیا ہوتا تو میں نے اور تمہارے بابا نے فیصلہ کر لیا تھا، بلکہ ہماری خواہش تھی کہ ہم اسے ہی تمہارے لیے بیاہ کر لائیں۔ ہمیں بہت عزیز ہے وہ اور یقین ہے کہ تم دونوں ایک ساتھ بہت خوش رہو گے۔'' نہایت دھیمے اور پرسکون لب و لہجے میں وہ کہہ رہی تھیں جبکہ مشارب مسلسل مسکراتا اپنی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔

نام لڑکی کا ایک بھی فریق نے نہیں لیا تھا مگر جو سوچ دونوں ماں بیٹے کے ذہن میں تھی شاید وہ ایک نہیں تھی۔۔۔؟

''اتنی خوبصورت، پیاری بہو کیلئے میں تین سال انتظار کر لوں گی البتہ تم اپنا کیئریر بناؤ تاکہ کوئی تمہیں انکار نہ کر سکے۔'' وہ غیر سنجیدگی سے بولیں، جانتی تھیں ان کا بیٹا ہر لحاظ سے قابل ہے۔ انکار کی گنجائش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

''امی! آپ کے بیٹے کو انکار نہیں ہوسکتا، اینڈ تھینک یو سو مچ۔۔۔ آپ نے میرے دل کی بات سنی اور دل سے مانی بھی۔'' ان کے گرد بازو حمائل کرتا پیار کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا جبکہ آنکھیں اپنی زندگی کے مہتاب کے تصور سے روشن ہوئی تھیں۔

اردگرد پھیلی خوشگوار فضا میں مسکراہٹ کے ہوتی بکھیرتا ہوا وہ دل میں اپنی محبت سے مخاطب تھا۔

''دیکھا مستبشرہ! تم میری ہی نہیں سب کی پسند ہو، میں نے تمہاری خواہش کا احترام کیا یقیناً تین سال بعد تم میرے جذبات کا احترام کرو گی، مجھے مایوس نہیں کرو گی، میری محبت تمہاری محبت کا انتظار کرے گی۔'' وہ اس حد تک پر وثوق تھا کہ ماں کے سامنے اپنی محبت کا نام تک نہ لیا کہ یقیناً دونوں کی سوچ کا محور اور موضوع مستبشرہ جمال کی ذات تھی مگر شاید وہ اس کی سب سے بڑی خوش فہمی تھی بلکہ غلط فہمی تھی کیونکہ اس کے جانے کے بعد آصفہ بیگم کے لب مسکرائے تھے اور ذہن و دل مطمئن سا ہوا تھا۔

''فہمیدہ! اب تم بے فکر ہو جاؤ، فلک اپنے ہی گھر میں ہوگی۔ اس کا مستقبل انشاءاللہ بہت محفوظ ہوگا۔ مشارب، فلک کو خوش رکھے گا، میں فلک کو بہو نہیں بیٹی بنا کر رکھوں گی، میری فلک ہے ہی اتنی پیاری اور میرے بیٹے کی پسند بھی۔'' مشارب کے سامنے تو انہوں نے نام

نہ لیا تھا مگر اس کے جانے کے بعد فہمیدہ بیگم کے خود سے گفتگو کے دوران فلک شاہ کا نام لیتیں وہ بہت خوش تھیں۔ خواہش یہی تھی کہ فلک ان کے بیٹے کی دلہن بنے، پھر وہ بھائی اور بھابی کی فکر بھی دور کرنا چاہتی تھیں۔ فلک گھر کی اکلوتی، لاڈلی بیٹی تھی، پھر ان کے خیال میں مشارب کی پسند اور محبت بھی تھی اور فلک کی آنکھوں میں رقم تحریر بھی انہیں نہال کر گئی تھی۔ ایسے میں اعتراض یا اختلاف کیونکر کسی کو ہوتا، انہیں اپنی اولاد کی خوشی عزیز تھی، اسے اپنے وثوق میں دونوں ہی طمانیت لیے شانت تھے۔

☆......☆......☆

شادی کی طرح ولیمہ بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا، مراد اپنے کیے کے مطابق سب کے درمیان بڑی اعلیٰ ظرف سے بیٹھا رہا، اب ہر ایک کے دل میں معتبر مقام بنانے کے بعد تمام تمام پتے جبراً مہ روش کے ہاتھ میں تھما کر اس نے اپنی چال چلی تھی۔ ماہی پر طنزیہ کڑوے کسیلے جملے فی الحال وہ کمرے کی حدود میں رکھے ہوئے تھا۔ سب کے سامنے آنکھوں میں اپنائیت کے جگنو لیتے لہجے کی شائستگی و نرمی بحال رکھنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، ولیمے کی محفل کے دوران بھی نہایت خوشگوار مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ وقتاً فوقتاً مہ روش سے کوئی نہ کوئی بات کرتا اور مجبوراً مہ روش نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراتی، خاندان کے باقی افراد انہیں خوش دیکھ کر مطمئن سے تھے۔

دوسری طرف مہ روش مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے خاموش زبان کو قابو کیئے بدلتے حالات کے مشکل دوراہے پر کھڑی تھی جہاں فوراً سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے وہ محروم تھی۔ کسی بھی سوچ کو فیصلے کی پختہ نہج تک لے جانا اس لمحے اس کے بس سے باہر تھا، نہ وہ مراد کی اصلیت سب کے سامنے لا سکنے کی فوری سکت رکھتی تھی نہ اس کی باتوں پر رو دھو کر واویلا مچانے میں اسے بہتری کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ شادی کی رات خاموشی کو اس نے اپنا پہلا ہتھیار بنانا چاہا تھا کیونکہ ابھی خاموش رہ کر اسے مزید سچائی جاننا تھی۔

شادی سے پہلے کی تمام کیفیات، جذبات، پیار محبت جو وہ دل میں مراد منصور کے لئے محسوس کر رہی تھی اس پر شادی کی رات کے بعد سے دھندلاہٹ کے تیزی سے پھیلتے عکس کو محسوس کر رہی تھی کہ گویا مراد کی اصلیت اور اپنی آئندہ کی بے قدری پر وہ تلخ سی ہوئی تھی، اس لمحے اس نے آئندہ سفاک بننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسٹیج پر جہاں مراد شانت ظاہر کرتا خود کو مسرور ظاہر کر رہا تھا، وہیں مراد کی سنگت میں بیٹھی مہ روش اپنی قسمت پر نازاں، آنکھوں میں انبساط کے ڈھیروں رنگ سمیٹے پریشے اور باقی کزنز سے باتوں میں محو بات بے بات مسکرا رہی تھی، جو کہ مراد منصور کے لئے باعث حیرت تھا، جس کا کھلا اظہار اس نے مہمانوں کے جانے کے بعد رات گئے کمرے میں آ کر کیا تھا۔

”واہ بھئی واہ۔۔۔!“ طنزیہ لہجے میں لپٹا انداز داد دینے والا تھا جس پر ماہی نے سنبھلنے کی کوشش کی، جانتی تھی اب کے آغاز کے بعد اس نے نا چاہتے ہوئے بھی مراد کو سننا ہے البتہ اسے نظر انداز کرتی صوفے پر جا بیٹھی۔

”میں تو تمہیں بہت کمزور سمجھ رہا تھا۔“ وہ اپنی حیرانگی زبان پر لاتا اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوا، ماہی نے اس کی بات پر ری ایکٹ کرنا گوارا نہ سمجھا۔ لب بھینچے کلائی میں سجے کنگن انگلی سے گھمانے لگی، انداز ایسا تھا کہ وہ محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

''میرا تو خیال تھا تم رو دھو کر میرا کام آسان کر دو گی مگر تمہیں۔۔۔گریٹ یار! میری دلچسپی تم نے بڑھا دی ہے۔'' وہ اپنی ہی ترنگ میں تھا۔

''تمہارے رویئے سے کہیں بھی تم نے شک کی گنجائش کسی کے لیے نہیں چھوڑی، سب تمہیں دیکھ کر مطمئن سے لگے۔'' وہ اب بالکل ماہی کے ساتھ جڑ کر بیٹھا تھا، ہاتھ پیچھے سے لے جاتے ہوئے اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ ماہی نے ناگواری سے بھنویں سکیڑیں۔ مراد کے لمس سے اسے اکتاہٹ محسوس ہوئی تھی۔

''کسی نے سچ کہا ہے جوڑے آسمان پر بنتے ہیں، روح کہیں بھی ہو اپنے ملاپ کی روح ڈھونڈ ہی لیتی ہے، میں چال باز اور تم ڈرامے باز، کیا جوڑ ہے یار۔۔۔'' اس کے کان میں وہ سرگوشی کرتا پرلطف تاثر دیتا آخر میں مسکرایا۔ ماہی سے اب برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''پلیز۔'' جھٹکے سے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتی وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

''پلیز۔۔۔'' جھٹکے سے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹائی وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہاری خاموشی تمہاری سماعت کے سامنے دیوار نہیں بن سکتی اور ابھی تو شروعات ہے، دیکھتے ہیں میری چال تمہاری خاموشی کو توڑتی ہے یا تم اپنے ارادے سے سب نارمل رکھنے کی سعی کرتی رہو گی۔'' وہ رکھائی و سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہی بالآخر پے در پے واروں سے جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی۔

''سب آپ کے جیسے نہیں ہوتے، میں نے آج تک جو کیا وہ آپ کے لیے نہیں کیا، باقی سب کے لئے کیا ہے۔ خاندان اور اپنے گھر والوں کی عزت عزیز ہے مجھے، رشتوں کا پاس رکھنے کے لئے آپ کی اعلیٰ ظرفی سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے، نہ میں آپ جیسی ہوں نہ مجھے ڈرامے رچانے کا کوئی شوق ہے۔'' وہ پھٹ پڑی تھی البتہ آواز دھیمی اور لہجہ قابو میں تھا۔ مراد منصور کا قہقہہ یکدم کمرے کی فضا میں گونجا۔

''چلو شوق نہ سہی پر چپ کا قفل تو بالآخر ٹوٹا۔'' اس کے قریب جا کر چہرے پر آتی لٹ کو انگلی سے چھوتے ہوئے وہ دلفریب انداز میں بولا۔ ماہی نے دو قدم پیچھے کیئے۔

''دور کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے؟ تمہیں چھونے، تم سے بات کرنے کا شرعی و قانونی حق رکھتا ہوں میری جان۔'' ٹون وہی رکھتے ہوئے لہجے میں طنزیہ چاہت بھرا استحقاق ظاہر کرتا وہ مسرور ہوا۔ بازو ماہی کی کمر کے گرد حائل کرتا وہ گرفت مضبوط کر چکا تھا۔ ماہی اس کی حرکت پر کلبلاتی، کوفت میں مبتلا تھی۔

''کیسی محبت کرتی ہو مجھ سے؟'' اس کی مسلسل حرکت پر وہ مصنوعی نروٹھے پن سے استفسار کرنے لگا۔

''پلیز چھوڑیں مجھے۔'' وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی قدرے سخت و مضبوط آواز میں بولی۔

’’دو دن کی دلہن ہو اور شوہر سے یوں بھاگ رہی ہو جیسے اس شادی میں تمہاری مرضی نہیں گھر والوں کی زبردستی شامل ہو۔‘‘ وہ فل موڈ میں تھا۔

’’پسند۔۔۔‘‘ پہلا حصہ ماہی نے کڑوے گھونٹ کی طرح پیا۔ اس معاملے میں وہ مراد کے ہاتھوں ذلیل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے مراد کی چال سے بے خبر نا سمجھی میں پیار کیا تھا۔ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، بولنا بے سود تھا۔ ضبط کرتی وہ اپنے آنسو روک رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے شدید رونا آتا تھا مگر ان تین دنوں میں اپنے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی پر خود کو رونے سے باز رکھا، وہ مراد منصور کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

’’آج تمہارا پیارا بھائی نہیں آیا تمہاری خوشیوں میں شریک ہونے، میں تو انتظار ہی کرتا رہا کب تم دونوں کا سامنا ہوگا اور میں تمہاری آنکھوں میں اس کے لئے نفرت دیکھوں گا۔‘‘ مراد نے کچھ یاد آنے پر اسے پھر سے مخاطب کیا، ساتھ ہی اسے اپنی مضبوط گرفت سے آزاد کیا۔

وقار عین وقت پر ولیمہ اٹینڈ کرنے کے بجائے اسپتال گیا تھا اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا البتہ ماہی نے سانس بحال کرتے ہوئے برجستہ جواب دیا۔

’’یہ موقع میں آپ کو کبھی نہیں دوں گی، نہیں کرتی میں اپنے بھائی سے نفرت، وہ میرے لئے اب بھی معتبر ہیں۔‘‘ پختہ لہجے میں اگرچہ اس نے خود سے جھوٹ بولا تھا مگر یہ جھوٹ بولنا اس نے اس لمحے ضروری سمجھا تھا۔ مراد کو تاؤ دلانا چاہ رہی تھی وہ۔ مراد سے خائف اپنی بے بسی کو لے کر وقار سے ان گزرے تین دنوں میں بے پناہ شکوے اس کو ہوئے تھے مگر وہ مراد پر اپنے بھائی سے ناراضی ظاہر نہیں کرسکی تھی۔

’’البتہ آپ سے محبت کی جو غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے اس کا خمیازہ بھگتنے کے بعد اب میری آنکھوں میں آپ کے لئے نہ کوئی سپنے ہیں، نہ میرے دل میں آپ کے لئے اعتبار کی کوئی رمق باقی ہے۔‘‘ بات جاری رکھے وہ دوٹوک کہتی آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور بے دردی و غصے کے ملے جلے تاثرات سے تمام زیور اتارنے لگی۔

مراد کو اس کی بات ہضم نہیں ہوئی۔ انا پسند بندہ تھا، اپنے مقصد کی راہ میں دراڑ کیسے برداشت کرتا؟ فوراً سے اس کے سر پر پہنچا اور بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف موڑا۔

’’اپنی آنکھوں میں تمہیں میرے خواب سجانے ہوں گے، اپنے دل میں میری محبت کو زندہ رکھو گی تم۔۔۔ عروش کو منہ توڑ جواب دینا ہے میں نے، سمجھیں تم۔‘‘ تنفر و تحکم سے کہتا اس کی آنکھوں میں گھورنے لگا۔

ماہی چپ توڑنے کے بعد مراد کا یہ روپ دیکھ کر محوِ حیرت ہوئی۔

’’اسے جواب دینے میں مجھے کوئی مطلب نہیں۔‘‘ پھر ریلیکس ہو کر جواب دیا۔

’’ایک بات میں تمہیں بتا دوں مہ روش، میرے سامنے زیادہ فضول اور عروش کے متعلق کچھ غلط بولنے کی غلطی کبھی مت کرنا، میں

یہ دونوں باتیں برداشت نہیں کرسکتا۔'' جواباً اسے وارن کرتا بیڈ پر آ لوٹا۔ مہ روش کچھ نہ بولی۔ تمام زیور اتارنے کے بعد سمیٹ کر ایک جگہ رکھے پھر الماری سے سادہ سا سوٹ نکال کر ڈریس چینج کرنے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ مراد سے بحث فی الحال وہ کرنا نہیں چاہ رہی تھی، چاہ کر بھی وہ اس کڑوی حقیقت کے سامنے سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ خود کو اتنا بے بس و مجبور پایا تھا اس نے اور شومئی قسمت کہ مقابل بھی وہ شخص تھا جس سے اس نے کئی بار اپنی چاہت کا اقرار کیا تھا۔

''کیوں نہیں سمجھ سکتی عورت مرد کی فطرت کو؟ مرد کی سوچ میں کیوں عورت بے وقوف بن جاتی ہے؟'' چہرے سے میک اپ اتارتی وہ گہرے افسوس میں غرق ہوئی۔

بہت سی باتوں کے ساتھ ایک سوچ ''مرد و عورت'' سے متعلق بھی ہلکورہ لے کر اس کے ذہن میں جاگی تھی۔ عورت خود کو بہت سمجھدار تصور کرتی ہے مگر درحقیقت مرد کے شاطر دماغ کے سامنے اس کی ساری سمجھ بوجھ ریت کے ٹیلے کی طرح ہوتی ہے جسے باآسانی عرش سے فرش پر پٹخا جا سکتا ہے۔ عورت کی محبت محض کسی مذاق کی طرح ہوتی ہے جسے مرد یا تو سیریس لے لیتا ہے یا اس مذاق کو مذاق بنا کر عورت کے لئے اذیت ناک بنا دیتا ہے۔

مہ روش میک اپ اتارنے کے بعد منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے گئی، اس لمحے واش روم سے باہر نکلنے کو اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ باہر مراد اپنی فرض کی خاطر اس کا منتظر ہوگا مگر اب اندر وہ کب تک رہتی۔ بچاؤ تو سب ناممکن تھا، توقف کے بعد باہر نکلی، کمرے میں سکوت تھا جو اسے دیکھتے ہی مراد نے توڑا۔

''اتنا انتظار چاہنے والوں کو نہیں کراتے ڈیئر، بہت ظالم ہو تم، میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں اور تم ایک نظر بھی نہیں دیکھ رہیں۔'' مراد نے ایک اور تیر اپنی فتح و برتری کا اس پر پھینکا۔ انداز میں غصہ تو نہ تھا مگر محض لگاوٹ کا تاثر اس نے دیا تھا وہ مہ روش کو زہر لگی تھی۔

''مجھے اگنور کر کے تم اپنا ہی نقصان کرو گی سو۔۔۔'' مہ روش کو مسلسل دوسری جانب رخ موڑے دیکھ کر وہ فطری غصے کو روک نہ پایا اور جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

''پلیز۔۔۔''

''آئندہ جان بوجھ کر مجھے اتنا انتظار کروانے کی غلطی مت کرنا، نہ یوں مجھے نظر انداز کیا جانا برداشت ہوگا۔'' اس نے صاف لفظوں میں اس پر واضع کیا۔

مہ روش ایک مرتبہ پھر خاموش رہی تھی البتہ اس کا دل اندر سے کلس کر رہ گیا تھا جبکہ مراد منصور پرسکون رات گزارنے کی مکمل تیاری میں تھا۔

☆......☆......☆

زندگی واقعی ایک پھول کی طرح ہے جس میں حجت وہ کانٹا ہے جو صرف درد دیتا ہے۔ دل میں پیوست ہو کر خواہشوں اور سپنوں کی خوشبو نچوڑ لیتا ہے۔ سانس لینا محال، یقیناً عذاب کر دیتا ہے۔ محبت کا ڈسا دن کرب کے سمندر میں گزارتا ہے اور راتیں ہجر کی آگ میں جھلستے ہوئے گزارتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی سنبھلنے کا ایک آسرا اس شخص کے اختیار میں ہوتا ہے۔ خود کو ایک حد میں محدود کیا جا سکتا ہے، نہ ساری زندگی کا روگ پالا جا سکتا ہے۔ غم اگرچہ بہت گہرا ہوتا ہے مگر اس سے نکلنے کی راہ محصور نہیں ہوتی۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی راہ نکل آتی ہے۔

جسے عشق کی انتہا سے زیادہ چاہا جائے بے شک اسے بھولنا مشکل و دشوار نہیں ناممکن ہوتا ہے لیکن امید کی ساری کشتیاں جل جانے کے باوجود بعض اوقات اندھیرے میں محض ایک دیا روشن ہو جائے تو رنجشوں کی اذیت میں جکڑا دل سنبھل جاتا ہے۔ آنکھوں کے بجھتے چراغ روشن کی جستجو میں مگن ہو ہی جاتے ہیں اور ویسے بھی مایوسی کسی کے لئے بھلے کی ہوتی کہاں ہے کہ نا امیدی سے پہلو بھر لیے جائیں۔ کتنے بھی حالات ذلت کے گرد تنگ کیوں نہ ہوں، الجھنوں کا جال سلجھاؤ کی راہ ہموار کرنے کی سوچ پیدا کر دیتا ہے۔

علی آیان حسن گیلانی اپنے آپ سے آشنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے دل، جسم و روح سے مستبشرہ جمال کو الگ نہیں کر سکتا۔ اس کا عشق سچا تھا، جذبے بے لوث تھے جبھی مستبشرہ جمال کے قریب سے گھائل ہو کر بھی اپنے دل میں اس کے لئے کدورت نہ پال سکا۔ ابتداء میں رنج زیادہ تھا مگر تب بھی اس نے مستبشرہ کے لئے برا کہا نہ سوچا، صرف دل ہی دل میں اس سے شکوہ کناں تھا لیکن اب وہ کسی شکوے و گلے کی پرواہ کیے بنا خود کو قائل کر رہا تھا۔ جو ہوا اس کے ساتھ وہ سب قسمت میں لکھا تھا، ہر ستم پر دل کراہتا رہا مگر اب وہ خود کو صابر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اپنے اندر برپا ناکامی و ٹھکرائے جانے کی تکلیف، آندھی و طوفان کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

بہت سوچنے کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچا تھا اور اب اس فیصلے پر قائم رہتے ہوئے عمر کی مدد سے عمل پیرا ہونا چاہتا تھا کہ اب وہ اپنے لیے نہ سہی مگر خود سے جڑے رشتوں کے لئے جینا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

''اوہ۔۔۔تو اس سب کی وجہ تم ہو علی آیان حسن گیلانی۔'' پورے ایک ہفتے بعد وہ بالآخر نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ انکشاف اس کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

''تم ہی تھے میری بے سکون، بے چین راتوں کے سبب۔ سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی ایک مرتبہ پھر تم نے میری زندگی میں دخل دیا۔ چپ چاپ دو مہینوں سے میرا تعاقب کیا۔ میرے آس پاس نہ ہوتے ہوئے بھی میرے لیے وحشتوں کا سامان مہیا کرتے رہے، آخر کیوں علی آیان؟ کیوں لکھا یہ خط جو کسی آسیب کی طرح میرے ذہن سے چمٹ گیا ہے۔'' وہ تصور میں اس سے محو سوال تھی۔ ہاتھوں میں پکڑا خط اسے الجھا رہا تھا۔ خط پڑھنے کے بعد اس ایک ہفتے میں وہ چکرا کر رہ گئی تھی، عجب بے کلی اسے ہراساں کر رہی تھی۔

''کیوں سائے کی طرح اس ایک ہفتے میں اس کی یاد میرے ساتھ ہیں؟ کوئی تو وجہ ہوگی؟'' وہ اصل وجہ سے بے خبر تھی۔

اتنا عرصہ وہ اپنا دامن، اس کی پرچھائیوں سے بچائے اسے بھولنے کی تگ و دو میں کامیاب رہی تھی۔ بظاہر شانت تھی اور اندر سے

مطمئن تھی۔ اپنی ہی سوچ میں خود پر فخر محسوس کرتی شاداں تھی کہ اچانک سے ہواؤں کا رخ تبدیل ہوا اور اب وہ علی کی یادوں کی تیز ہواؤں کی زد میں گویا بے آسرا کھڑی تھی۔ ہار تو البتہ وہ اب بھی نہیں مان رہی تھی مگر اپنی بات، اپنے عمل کے حق بجانب ہونے پر اب بھی قائم تھی۔

''میں نے جو کیا ہم دونوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے کیا، تمہارے جذبات اگر سچے تھے تو بابا جان سے کیا میرا وعدہ ان سے زیادہ میرے لیے اہم تھا۔'' اس کا لہجہ اب بھی مضبوط تھا، علی کے لیے اب بھی اس کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی نہ وہ شرمندگی فیل کر رہی تھی۔ اس کا دل ذرا برابر بھی نرم نہیں پڑ رہا تھا البتہ علی کے لیے غصہ ہنوز اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔

''وعدہ نبھانا میری زندگی کا واحد، اصل مقصد تھا جس کی راہ میں تمہاری محبت حائل ہوئی اور جس بھی انجام کو پہنچی وہ سراسر اس کی اپنی غلطی تھی بلکہ تمہاری۔۔۔ ہاں میں نے تو تمہیں مجبور نہیں کیا تھا۔''

سوال، جواب کی کیفیت سے نکل کر بڑے دھڑلے سے وہ علی آیان کو اس کی محبت سمیت الزام دے گئی۔ اکتاہٹ الگ بڑھتی جا رہی تھی۔ اتنی فرصت سے تو وہ اپنے متعلق بھی کم ہی سوچتی تھی۔

''بس علی آیان حسن گیلانی! بہت ہوا، میں تمہیں مزید خود پر سوار نہیں کر سکتی۔'' جھنجھلاہٹ و بے زاریت سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ کڑے لفظوں میں اس سے دل میں مخاطب ہوئی۔

''میرے جواب کے بعد تم اب کس حال میں ہو، کس کیفیت میں جکڑے ہو گے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں، میں میرے مقصد میں کامیابی کے بعد اپنی منزل پانے کے بے حد قریب ہوں، جہاں مزید مجھے آگے بڑھنا ہے بناء تمہاری یادوں کے۔ میں پشیمان نہیں ہوں، میں نے اپنی ذات پر بابا جان کا اعتبار سلامت رکھنے کے لئے تمہیں تمہاری بھلائی کی خاطر محبت کے پرفریب کھیل میں مات دی۔'' الجھن کو سلجھائے وہ حتمی قدم اٹھانے کے لئے تیار تھی۔ ابھی کے ابھی وہ اس کشمکش، شش و پنج سے نکلنے کے لئے فیصلہ کرنے کے نزدیک تھی۔

''اور علی آیان حسن گیلانی! میں تمہارے دھوکے کو غلط ثابت کر دوں گی۔ میرا خود سے وعدہ ہے میں کبھی بھی کسی بھی حال میں تمہیں یاد نہیں کروں گی۔'' وہ پرعزم سوچ کے ساتھ اٹھی۔

بیشک علی کا خط پڑھنے کے بعد وہ راتوں کی بے چینی اور رت جگے سے آزاد ہو چکی تھی مگر رات بھر جاگنے، وحشت زدہ ہونے سے بڑھ کر اس کے لیے یہ سچائی زیادہ اذیت و کربناک ثابت ہو رہی تھی کہ جس بے سکونی کی وجہ وہ تلاش کر رہی تھی اس کا جواب علی آیان حسن ہے۔

تنہا ہوتے ہی علی کی یادیں بنا دستک اسے احساس دلائے ستاتی تھیں، رات بھر جگاتی تھیں کہ وہ یہ ماننے پر مجبور ہو کہ اس نے وعدہ نبھانے میں کہیں نہ کہیں سفاکی کا مظاہرہ کیا ہے۔ علی کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ اس کے اچھے کے لئے ہی سہی مگر اس کے ساتھ ناانصافی کی ہے، مگر اب سب جاننے کے باوجود اسے احساس ندامت نہیں ہو رہا تھا۔ واقعی مستبشرہ جمال اپنے کہے کی پکی تھی۔ علی کا آخری خط دراز میں ڈالتے ہوئے اس نے لاکٹ پر نگاہ مرکوز کی۔

''یہ لاکٹ ایک مذاق کی طرح ہے، میں اسے سنجیدہ نہیں لیتی۔ مستبشرہ، علی کی کبھی نہیں ہو سکتی اور محبت تو دور کی بات رہی، میرا تمہاری طرف مائل ہونا، تمہارا خیال کچی نیند کے ادھورے خواب سے بڑھ کر کچھ نہیں۔'' ٹھوس انداز، بے لچک لہجے میں وہ اپنا ارادہ بنا گئی۔

منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی۔ گھڑی دس بجا رہی تھی، اس نے صبح سے ناشتہ نہیں کیا تھا مگر اب ذہن بنانے کے بعد گویا چائے کی طلب بڑھ گئی تھی کہ شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں میں برش پھیرا۔

''آج آخری مرتبہ، ہاں علی! آخری مرتبہ تمہارے تصور سے مخاطب ہوں، اس کے بعد میری سوچیں تمہارے خیال سے انجان رہیں گی، میں اپنے قدم پیچھے نہیں لے سکتی۔'' برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کھلے بالوں میں ہاتھ پھیرتی دوٹوک بولی، پھر آہستگی سے باہر آئی۔ آج پچھلے سات دنوں سے چھائی بیزاریت چہرے سے ہٹاتی وہ بشاشت لاتی مسکراتے لبوں کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

ٹینشن کی وجہ سے وہ ان دنوں میں اسکول بھی نہیں گئی تھی، طبیعت خرابہ کا بہانہ بنا کر وہ چھٹی پر تھی۔

''السلام علیکم اماں۔۔۔!'' زہرہ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

''وعلیکم السلام۔ اٹھ گئی ہو۔'' انہوں نے اسے پیار کیا۔

''جی اماں! ناشتہ تیار ہے؟'' اس نے اپنی نشست سنبھالی، آج کل وہ دس بجے قریب ہی کمرے سے نکلتی تھی۔ ٹائم نوٹس میں رکھتے ہی وہ اس کے لئے ناشتہ تیار کر لیتی تھیں۔

''ہاں تیار ہے، آج کچھ طبیعت ٹھیک لگ رہی ہے تمہاری۔'' اس کے سامنے چائے و دیگر لوازمات رکھتے ہوئے وہ کہنے لگیں۔

''جی اماں۔۔۔'' فیصلے کے بعد اس کا ذہن بھی فریش تھا۔

''شکر اللہ کا، اپنا خیال رکھنا اب، ہر وقت کا کام ذہن پر بوجھ ڈالتا ہے۔''

''بہتر اماں جان، اس لئے آج میں سارا دن آپ کے ساتھ باتوں میں صرف کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں، کل سے انشاء اللہ اسکول بھی جاؤں گی اور ویسے بھی ایک دو ماہ تک میرے اسکول کا کام بھی مکمل ہو جائے گا۔'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بتانے لگی۔

''بابا جان کیا کہتے ہیں؟ اور کتنا کام رہتا ہے؟'' توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

''بس تھوڑا سا رہتا ہے، مشارب بھی چکر وغیرہ لگاتا رہتا ہے وہاں۔'' بتاتے ہوئے انہوں نے اپنے لاڈلے بھتیجے کا ذکر کیا۔

''اچھا ہے ناں، بابا جان بھی بہت خوش ہیں اس سے۔'' وہ جواباً اتنا ہی بولی۔ زہرہ بیگم بھی اب کے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی تھیں وہ بھی خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی۔

☆......☆......☆

الجھے ذہن کو وہ سلجھانا چاہ رہی تھی۔ ذہنی انتشار و قلبی الجھاؤ نے اس کے اعصاب گویا شل کر دیئے تھے۔ شادی کی رات کے بعد اس ایک ہفتے میں اس نے اپنی ذات پر عذاب جھیلا تھا، اور وہ عذاب مراد کی حقیقت اور اپنی آئندہ زندگی میں مراد کی نظر میں اپنی اوقات کی

صورت میں اس کی روح کو بے بسی سے روند رہا تھا۔ایک ہفتے میں مراد نے ایک ایک لمحہ ایسا ضائع نہ ہونے دیا جب فرصت میں وہ ماہی کو ذہنی ٹارچر دے سکے۔ جذبات، احساسات کی شدت کو تو وہ سوچ ہی نہ سکی، بس خاموشی سے دیکھتی رہی، مراد کی سچائی، اس کے روپ کا بہروپ، گزرے ڈھائی ماہ کی جھوٹی سچی باتوں سے اس ایک ہفتے کی تلخی کا موازنہ کرتی رہی اور اس موازنے نے اس کو جیسے نڈھال کر دیا تھا۔

جھوٹ، فریب، دھوکا، پیار کا ناٹک، بدلہ، انتقام، ٹھکرائے جانے کا ملال غبار کی مانند دل میں جمع کیے مراد منصور بناء قصور کے اسے سزا سنا گیا تھا۔

کیا وہ اس سزا کی مستحق تھی؟

مراد منصور کو ایسے سوالات اور ان سے متعلقہ جوابات دینے میں کوئی غرض اور ان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، دلچسپی تو اسے شاید مہ روش بھی نہ تھی مگر بناء دلچسپی کے اس نے اپنا سارا کھیل دلچسپ بنا دیا تھا۔ ماہی کو طغیانیوں میں دھکیلنے کے بعد وہ مطمئن تھا۔شانت سا آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف تھا۔ساتھ ہی آفس جانا بھی شروع کر دیا تھا۔

ادینہ ابھی تک میکے میں ہی تھی۔ معید بھی فی الحال واپس نہیں آیا تھا۔ادینہ نے فون پر اس کے آنے تک میکے میں رہنے کی اجازت اس سے اور ساس سے لے لی تھی، ساس اس کی پھپھی بھی لگتی تھیں مگر قدرے تیز و سخت مزاج کی تھیں۔ کچھ اس کے شوہر معید کا بھی خاص الخاص حکم تھا کہ کہیں بھی آئے جائے خصوصاً میکے میں تو پہلے ساس سے پھر اس سے اجازت لے۔ عام روٹین میں بھی اسے ایک ہفتے کی اجازت دینے کے لئے نہ ملی تھی، اس مرتبہ معید بھی گھر میں نہیں تھا اور مراد کی شادی بھی تھی تو انہوں نے رہنے دیا البتہ خود وہ بھتیجے کی شادی میں بارات والے دن ہی آئی تھیں۔

مراد کے آفس جانے کے بعد کچھ دیر مہ روش، ادینہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی رہی پھر جب ادینہ، کلثوم بیگم کے بلانے پر ان کے ساتھ کچن میں لنچ کی تیاری میں ادا کرنے چل دی تو مہ روش نے آہستگی سے گردن گھما کر کچن کی طرف دیکھا۔ مہ روش کو الجھن سلجھانی تھی، ذہن میں گردش کرتے سوالوں کا جواب پانا تھا۔اس کی نظر ادینہ اور پھپھو دونوں پر پڑی، وہ گھر کے ہر فرد کا چہرہ بغور پڑھنے میں محو تھی۔کلثوم پھپھو، ادینہ بھی اس کے قیاس کے شکی پہلو میں گردش کر رہی تھیں۔شاہدہ پھپھو ولیمے کے بعد فیملی سمیت واپس جا چکی تھیں۔ مراد بھی آفس میں تھا۔شادی کے دوسرے روز اس نے دانستہ باقی افراد پر غور نہیں کیا تھا مگر اسے تصدیق چاہیے تھی۔

اس کے ساتھ جو ہوا اس کا اصل ذمہ دار، پلانر تو مراد منصور تھا مگر کیا مراد کو ماہی کی زندگی داؤ پر لگانے میں سپورٹ تھی۔ اگر تھی تو کس کی تھی؟ ادینہ جو اپنے ٹھکرائے جانے کا بدلہ وقار سے اس کی صورت لینا چاہ رہی تھی یا پھر پھپھو کی جن کے دل میں شاید بھانجے کے لئے تنفر تھا جو شاید اس وقت کا دکھ اور صدمہ اپنے اندر پالے ہوئے تھیں جب ان کی بیٹی رسوائی میں گرنے والی تھی، جہاں ان کی بیٹی کی جگ ہنسائی کا پورا سامان وقار سعید تیار کر چکا تھا، اور اب اس مقام پر وہ ماہی کو آ کر کہیں اس سب کا بدلہ تو نہیں چاہ رہی تھیں؟

شک کا بیج اس کے دل میں جنم لے چکا تھا، اسے اب اس شک کے محض شک ہونے کا گمان نہیں بلکہ اس شک کے بھیس میں

ڈھلتے پہلو کا سرا پکڑنا تھا۔ تقدیر کے سنگین مذاق میں مراد کے ساتھ شامل اس فرد کے چہرے سے اپنائیت ومحبت کا نقاب اتار کے اپنی عدالت میں پیش کرنا تھا، اپنے ناکردہ گناہ وجرم کا ثبوت سے لینا تھا، اگرچہ وہ چہرے پڑھنے میں ہرگز بھی ماہر نہ تھی نہ آنکھیں پڑھنے کا ہنر جانتی تھی مگر اپنی زندگی سے اس طرح کھیلنے پر اسے غور کرنے پر مجبور کیا تھا۔

البتہ دو گھنٹے کی سعی میں وہ ناکام رہی تھی، نہ وہ ادینہ کی باتوں میں سچ جھوٹ کی کوئی رمق تلاش کرسکی تھی نہ کلثوم پھپھو کی باتوں، لہجے اور اپنائیت میں اسے کھوٹ کا کوئی عنصر شامل نظر آیا تھا۔

''مہ روش! کھانا تیار ہے آجاؤ۔'' ایک بجے کے قریب ادینہ نے اسے بلایا تھا۔ مراد کی واپسی 4 بجے کے قریب ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آنکھوں سے شک کی پٹی تھوڑی دیر کے لئے اتار دی کہ اب ان دونوں کی باتوں، لہجے سے اندازہ لگانا تھا۔

''مراد سے اتنا کہا میں نے کہ آفس سے چھٹی لے لو، نئی نئی شادی ہوئی ہے کچھ وقت دونوں ساتھ میں گزارو مگر کام تو جیسے اس کی وجہ سے رکے پڑے تھے، ایک کان سے مجھے سنا اور دوسرے سے بات نکال کر باہر کر گیا، بیوی سے زیادہ کام اس کے نزدیک اہم ہیں، اب بندے کو اتنا ذمے دار ایسے موقع پر نہیں ہونا چاہیے۔'' کھانے کے دوران ادینہ بولی تھی۔

''اس کی بھی اپنی ہی منطق ہے، کسی کی سنتا ہی کب ہے، اپنی مرضی کی کرتا ہے۔ میں بھی روکنا چاہا تھا مگر آفس کے اتنے کام گنوائے کہ مجھے چپ ہونا پڑا۔'' کلثوم بیگم بھی بولیں البتہ وہ خاموش رہی۔

''شروع سے ایسا ہی ہے بدھو، ماہی! تم روک لیتیں ناں اسے۔'' ادینہ نے اسے خاموش نہ رہنے دیا۔

''میں۔۔۔'' وہ جو چپ رہ کر اندازہ لگانا چاہ رہی تھی، آواز پر سنبھلی۔

''ہاں۔ تمہارے کہنے پر رک جاتا، نئی نویلی دلہن کی بڑی سنتے ہیں مراد۔۔۔''

''لیکن میرا معاملہ باقی دلہنوں سے الگ ہے، میری وہ سنتے نہیں، بس اپنی سنانا جانتے ہیں۔'' ادینہ کی بات پر وہ اندر ہی اندر کسک کا شکار ہوئی تھی مگر بظاہر نارمل رہی۔

''وہ رکتا بھی کیسے؟'' جبھی ادینہ نے مکمل جائزہ لیتی نظروں سے اسے دیکھا ساتھ ہی بولی۔

''جی۔'' ماہی متعجب ہی اسے دیکھنے لگی، ذہن یکدم الرٹ ہوا، دل میں سوال بھی ابھرا۔

''کیا ادینہ واضح کردے گی کہ مراد کے پلان میں شریک تھی۔ اور اگر ادینہ بھی مراد کے فعل میں شامل نکلی تو؟ ادینہ بھی وقار بھائی کا بدلہ لینا چاہتی ہوگی۔'' ان سوالوں کے جواب جاننے کے لئے وہ مکمل اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''امی! دیکھیں تو ذرا اسے، شادی کو محض ایک ہفتہ ہی ہوا ہے اور یہ کتنی سمپل سی بیٹھی ہے، نہ ہیوی ڈریس، نہ جیولری، نہ میک اپ، شروع کے چار دن جو میں نے زبردستی سے تیار کروایا تھا بس وہی لگ رہا تھا کہ نیولی میرڈ ہے، ایسے سمپل رہو گی تو مراد کہاں تمہارے اردگرد چکر کاٹے گا۔'' ادینہ کا انداز ہلکا پھلکا تھا، لہجہ بھی اس کے لیے خاص تھا، وہ کوئی جواب نہ پاسکی۔

"جی بھر کر تیار ہوا کرو آج کل۔" ادینہ نے تاکید کی اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"بیٹا اور بھی لو ناں۔" کلثوم بیگم نے اس کی خالی پلیٹ میں چاول ڈالنے چاہے۔

"نہیں پھپھو تھینکس۔" اس نے سہولت سے منع کیا۔ البتہ اب کا ذہن ان کی طرف گیا تھا، کئی سوال آنکھ کے پردے پر ظاہر ہوئے تھے۔

"اگر پھپھو، مراد کے ساتھ ہیں تو اب تک اپنائیت کا لبادہ کیوں اوڑھے ہوئے ہیں؟"

فی الحال اس کے دماغ میں محض منفی سوچیں ہی تھیں اور بناء تصدیق کے تھیں۔ دل ابھی اگرچہ صاف تھا لیکن شک کے صحیح یا غلط ہونے کے بعد ہی وہ نئے سرے سے ان کے مقام کا تعین کر سکتی تھی۔

کھانے کے بعد وہ ادینہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں ہی تھی۔ اپنے کسی سوال کا جواب اسے نہیں مل سکا تھا۔ 4 بجے کے قریب مراد کی آمد تھی پنک سوٹ میں میک اپ کے ساتھ اس نے بالوں کو کیچر میں مقید کیا تھا۔

"چائے لاؤں؟" مراد ڈریس چینج کر کے باہر صوفے پر بیٹھا تو ادینہ نے پوچھا۔

"تم نہیں۔۔۔ آج ماہی بنائے گی چائے، دیکھتے ہیں آج امی جان کی اکلوتی بہو کو چائے بنانی آتی بھی ہے کہ نہیں۔" اسے روکتے ہوئے مراد نے ماں اور بہن کے سامنے مہ روش کو بہت پر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں آتی اسے۔ ماشاءاللہ بہت ذائقہ ہے میری بہو کے ہاتھ میں۔" جواباً کلثوم بیگم بہو کے لیے ستائشی انداز میں بولیں۔ سعید احمد کے گھر میں زیادہ تر مہ روش کے ہاتھ کی بنی چائے ہی انہوں نے پی تھی۔

"ابھی دیکھ لیں گے۔" مراد بولا۔ نگاہیں ہنوز ماہی پر ہی تھیں۔ مہ روش خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادینہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اس کے ساتھ ہوئی، دونوں آگے پیچھے کچن کی طرف بڑھیں۔

"دیکھا تیار ہونے کا فائدہ، مراد کی چاہت بھری نظریں تم سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں اس لیے فرمائش کر ڈالی۔" ادینہ نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے کہا تو وہ زیر لب مسکرائی۔

"تم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو ادینہ، ان کی فرمائش اور چاہت بھری نظریں تو محض دھوکا ہیں، میں جانتی ہوں وہ مجھ جیسا نے کے لئے یوں مخاطب کرتے ہیں، الجھن ہوتی ہے مجھے ان کی نظروں سے۔" دل ہی دل میں کہتی وہ چائے کا پانی چولہے پر چڑھانے لگی۔

☆......☆......☆

شاور لینے کے بعد وہ ٹی وی لاؤنج میں آیا، ٹی وی آن کیا اور دیکھنے لگا۔ ساتھ ہی دھیان داخلی دروازے کی طرف بھی تھا۔ کچھ ہی دیر میں عمر آنے والا تھا، مما اور ڈیڈ سے بات کرنے، انہیں اپنے فیصلے کے حق میں قائل کرنے کے لیے اس نے عمر کو بلایا تھا۔ ساجدہ گیلانی لنچ تیار کر رہی تھیں۔ حسن گیلانی آفس میں تھے۔ وہ عموماً شام کو ہی واپس آتے تھے۔ ایک بجے کے قریب عمر کی بھی آمد ہوئی۔ علی نے ٹی وی

آف کیا اور اس کی جانب بڑھا، سلام و دعا کے بعد اسے لیے صوفے پر آبیٹھا۔

''تیاری کیسی ہے؟'' علی نے راز دارانہ پوچھا۔

''میں یہاں امتحان دینے تو نہیں آیا، لنچ کرنے آیا ہوں۔'' عمر نے اپنی شوخ طبع کے باعث گویا اس کی درستگی کی۔

''آئی ایم سیریس عمر۔'' علی نے اسے گھورا۔

''مذاق میں بھی نہیں کر رہا۔'' عمر ہنسا۔

''عمر یار پلیز۔۔۔''

''اوکے سوری۔۔۔تم دیکھ لینا تمہارے سامنے ہی آنٹی سے بات کروں گا۔''

''پلیز عمر! کوشش کرنا تمہیں سن کر مان جائیں ورنہ یار میرے لئے انہیں سنبھالنا مشکل ہوگا۔'' اسے فکر تھی۔

''اوکے ریلیکس یار! لیکن وہ بچی تو ہیں نہیں کہ یہاں میں بات مکمل کروں گا اور وہاں وہ بھی مان جائیں گی بلکہ مجھے شاباش دیں گی اور خود اپنے ہاتھوں سے تمہارا بیگ پیک کریں گی کہ علی ایسا تم نے پہلے کیوں نہ سوچا۔'' عمر سنجیدگی کو سائیڈ پر رکھتے ہوئے گویا اسے چڑانے کے سوا میں تھا۔ علی اچھا خاصا چڑ بھی کیا تھا، کشن اٹھا کر زور سے اسے مارا البتہ لب مسکرائے تھے۔

''بہت گھٹیا ہو تم۔''

''جبھی یہاں آیا ہوں تمہارے کہنے پر۔'' وہ برا مانے بغیر بولا اور سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ''مجھے بہت مشکل لگتا ہے کہ آنٹی مانیں گی۔''

''مان جائیں گی، مجھے پہلے سا دیکھنے کے لئے انہیں تھوڑی وقت کا سامنا تو کرنا پڑے گا اور یہ فیصلہ میں نے انہی کے لیے کیا ہے۔'' علی سیدھا ہو کر بیٹھا، عمر کچھ نہ بولا۔ ''چلو اٹھو آؤ کھانا تیار ہو گیا ہوگا۔'' علی نے بات بدلی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ عمر نے بھی اس کی پیروی کی۔ دونوں آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، ساجدہ گیلانی کھانا و برتن وغیرہ سیٹ کر چکی تھیں۔

''مما! عمر آگیا ہے۔'' علی نے ماں کو متوجہ کیا۔

''السلام علیکم آنٹی۔۔۔'' ان کا رخ اپنی طرف دیکھ کر عمر نے احتراماً سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟'' مسکراتے لہجے میں جواب دیتے ہوئے انہوں نے اسے ساتھ لگا کر پوچھا، عمر انہیں علی جتنا ہی پیارا تھا، اسے علی جیسے ہی ٹریٹ کرتی تھیں۔

''ایک دم فائن، آپ سنائیں؟'' اس نے خوشگواریت سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا، آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔ عمر آہستگی سے چیئر کھینچ کر بیٹھا۔ علی نے اپنی نشست سنبھالی۔ ساجدہ گیلانی نے دونوں کو کھانا سرو کیا اور خود بھی اپنے لیے نکال کر دوسری سائیڈ پر بیٹھیں۔

''اور عمر بیٹا! کیا کر رہے ہو آج کل؟'' کھانے کے دوران وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ابھی اسی مہینے سے فیملی بزنس جوائن کیا ہے، پاپا کے ساتھ آفس جاتا ہوں۔'' اس نے مختصراً بتایا۔ علی ان دونوں کو خاموشی سے سن رہا تھا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا۔'' انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور بات جاری رکھی۔

''اللہ تمہیں ہر میدان میں کامیاب و کامران کرے لیکن کچھ اسے بھی سمجھایا کرو۔''

''جی آنٹی۔'' نا سمجھنے کے انداز میں عمر نے استفسار کیا۔

''مما! مجھے کیا ہوا ہے؟'' جبکہ علی نے منہ کی طرف لے جاتے نوالے کو پیچھے کرتے ہوئے چونک کر انہیں دیکھا، ماں کے لئے وہ سنبھل ہی تو گیا تھا۔

''اسے سمجھاؤ کہ یہ بھی حسن کے ساتھ آفس جایا کرے، 3 ماہ ہونے کو آئے ہیں اور یہ دنیا سے بیزار گھر میں ہی مقید ہو کر رہ گیا تھا۔ حالات کیسے بھی ہوں ان کا مقابلہ کرنا چاہئے، اب ساری عمر کا روگ لگانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ حسن کو بھی اب اس کی ضرورت ہے آفس میں۔'' انہیں موقع ملا تھا خاصی تفصیل سے بولیں۔ علی نے لمبی سانس خارج کی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی جبکہ عمر سنجیدہ ہوا تھا۔ علی نے آنکھ کے اشارے سے عمر کو چپ رہنے کی تاکید کی تھی۔

''علی کو بھی احساس ہے اب اس بات کا۔'' تو عمر نے آنٹی کو اپنی طرف متوجہ پا کر علی کی تاکید کو فی الحال سائیڈ پر رکھا۔

''ہونا بھی چاہئے اسے، سب کچھ اسی کا تو ہے، ایک دن ساری ذمے داری اس کے کندھوں پر ہو گی، ابھی سے سیکھے گا تو آئندہ آسانی رہے گی۔ یہ وقت اس کے لئے مفید ہے۔ من کا بوجھ بھی ذرا کم ہو گا۔'' کہتے ہوئے ان کی نگاہیں علی پر مرکوز تھیں جو خود کو کھانے میں منہمک ظاہر کر رہا تھا تاکہ اپنے تئیں عمر کو موقع دے رہا تھا کہ وہ اسی کڑی کو لے کر اصل بات کی طرف آئے۔

''جی آنٹی بالکل۔'' جبکہ عمر رسان سے ان کی تائید میں بولا۔ علی نے ماں سے نظریں چرا کر اسے گھورا، عمر اسے صبر کا اشارہ کرتا اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔ باقی کا کھانا ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران کھایا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد تینوں لاؤنج میں آئے۔

''مما، آپ اور عمر باتیں کریں، میں زبردست سی چائے بنا کر لاتا ہوں۔'' مزید آدھا گھنٹہ گزرنے کے باوجود بھی جب عمر اصل مدعا کی طرف آنے سے قاصر رہا تبھی علی اٹھ کھڑا ہوا۔

ساجدہ گیلانی نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا کہ جب بھی علی موڈ میں ہوتا اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دیتا تھا اور آج اتنے عرصے بعد جب وہ ذہنی و قلبی دباؤ اور اذیت کے بعد بیماری سے اٹھا تھا، کافی فریش بھی لگ رہا تھا، انہوں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ آہستگی سے قدم اٹھاتا جب ان کی نظروں سے اوجھل ہوا تو پلٹ کر ہاتھ جوڑتا عمر کو اشارہ کرنے لگا۔

''پلیز۔۔۔''

''اوکے۔'' عمر نے اثبات میں سر ہلایا اور کچن میں چلا گیا۔

''آنٹی! مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی علی کے سلسلے میں۔'' توقف کے بعد عمر نے ذہن میں الفاظ ترتیب دیئے۔

''کہو بیٹا۔'' ان کا انداز نارمل تھا۔

''دراصل آنٹی! علی اب جینا چاہتا ہے، آئی مین وہ اپنی اصل زندگی میں واپس آنا چاہتا ہے، اس کے ساتھ جو ہوا، جس کیفیت سے وہ اب تک گزرا ہے، اس سے آپ کے لئے چھٹکارا پانا چاہتا ہے، خودساختہ بے بسی سے نکل کر اپنی روٹین کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہے۔'' عمر کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ ڈائریکٹ کیسے انہیں علی کے فیصلے سے آگاہ کرے سو تمہید باندھی۔ ساجدہ گیلانی نے چپ رہ کر تحمل سے اسے سنا۔ ان کی بھی تو یہی خواہش تھی، علی کو کب وہ اس حال میں دیکھنا چاہتی تھیں اور کب تک دیکھ سکتی تھیں۔ بات سن کر ان کے چہرے پر ٹھہراؤ اور اطمینان در آیا تھا۔ عمر کو ان کے انداز و تاثرات سے تقویت ملی تھی۔ مدھم لہجے میں بات جاری رکھی۔

''علی اب مستبشرہ کو بھولنا چاہتا ہے، اسے اپنے دل سے نکالنا چاہتا ہے۔'' انہیں مطلع کرتا وہ کچھ پل کو رکا۔

ساجدہ گیلانی کی سماعتوں پر یہ انکشاف خوشگوار احساس بن کر ٹکرایا۔

''اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے؟'' اپنی خوشی کا اظہار انہوں نے فوراً کیا۔ دوسری طرف چائے کا پانی چولہے پر چڑھانے کے بعد بھی کچن کے دروازے میں ایستادہ اپنا مکمل دھیان ان کی طرف رکھے ہوئے تھا۔

''اس کے لئے علی نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' وہ آگے بڑھا۔

''کیسا فیصلہ؟'' اب کے وہ سوالیہ ہوئیں۔

''آنٹی، علی یہاں رہ کر مستبشرہ کو نہیں بھول سکتا۔'' براہ راست بتانے کے بجائے وہ سنبھل کر بولا کہ اصل مدعا سننے کے بعد ان کا ری ایکشن ہرگز بھی طمانیت بھرا نہیں ہو سکتا۔

''پھر۔۔۔؟'' وہ ناسمجھی کے عالم میں تھیں۔

''علی کچھ عرصے کے لیے اس ملک سے دور کہیں اور دوسرے ملک میں جانا چاہتا ہے۔'' بالآخر وہ بتا گیا۔

''کیا۔۔۔؟'' حسب توقع سنتے ہی ان کی آنکھیں حیرت سے باہر نکلیں۔ عمر نے کچھ پل کے لئے نظر علی پر ڈالی جو اب دروازے سے ہٹ کر اندر کو ہو لیا تھا۔ ''پاگل تو نہیں ہو گیا وہ۔'' ساجدہ گیلانی کو حیران کن تاثر اگلے ہی لمحے غصے میں بدلا تھا۔ عمر اب کیا بولتا، چپ ہی رہنا اس نے مناسب سمجھا۔ ''سب باتیں جائز ہیں مگر یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ ذرا خیال نہیں ہے اسے اپنا نہ ہمارا۔'' ان کا ردعمل شدید تھا۔ غصہ یکدم سوا نیزے پر جا پہنچا تھا۔

''اس نے یہ فیصلہ آپ لوگوں کی خاطر کیا ہے۔'' عمر نے بولنے کی سکت جمع کی۔ پھر انہیں بولنے کا موقع دیئے بنا مزید بولا۔ ''اور یہ فیصلہ اس کے حق میں بہترین ہے، محض کچھ مہینوں کے لئے آنٹی! اسے اجازت دے دیں، یہاں رہ کر مستبشرہ ک اس کے دل سے نکالنا

ناممکن ہے، میں نے کئی مرتبہ کوشش کی ہے، کئی دلائل دیئے ہیں اسے، مستبشرہ کے خلاف اس کو ہر بار بھڑکانا چاہا تا کہ وہ اس سے متنفر ہو، اسے خود پر حاوی نہ کرے مگر ہر بار میں ناکام رہا کیونکہ اس نے مستبشرہ سے سطحی پیار نہیں کیا بلکہ عشق کی انتہا سے زیادہ چاہا ہے اسے، ہم اس کی حالت کو محض فریب کا اثر یا ناکامی کا دکھ کہہ سکتے ہیں مگر درحقیقت وہ مستبشرہ سے زندگی کی مات کھا بیٹھا ہے۔ پلیز آنٹی! ایک ماں ہونے کے علاوہ بھی سوچیں، وہ اگر واپس زندگی میں کسی بھی طرح آنا چاہتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ وہ ہمیشہ کے لیے تو یہ ملک نہیں چھوڑ رہا، بہت جلد وہ واپس ہم سب کے بیچ پہلے جیسا بن کے آئے گا، انشاءاللہ۔'' عمر نے اچھا خاصا بول کر انہیں جذباتی کرنا چاہا تھا۔

''میں اب اسے خود سے دور نہیں بھیج سکتی۔ ماں ہوں میں اس کی، صرف ماں بن کر ہی سوچ سکتی ہوں اتنا عرصہ اپنے بچے کو اذیت میں دیکھا ہے، اسے خود سے دور کیسے کروں؟ وہ یہاں بھی اس لڑکی کو بھول سکتا ہے، اسے اپنی زندگی سے نکال سکتا ہے، جب تک وہ خود کو اندر سے مضبوط اور قائل نہیں کر لیتا، چاہے کہیں بھی جائے وہ لڑکی اس کے دل و دماغ پر حاوی رہے گی۔'' ساجدہ گیلانی کسی طور پر راضی نہیں ہونا چاہ رہی تھیں صاف لفظوں میں بولیں۔

''یہ علی کی زندگی کا سوال ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ یہاں وہ چاہ کر بھی مستبشرہ کو اپنے تصورات سے نہیں نکال سکتا۔'' عمر بے حد سنجیدہ تھا۔

''تو کیا اب اس لڑکی کی وجہ سے ہم اپنے بیٹے کو خوار ہونے کے لئے چھوڑ دیں، یہاں سب اس کا خیال رکھتے ہیں اور اب تو وہ بہتر بھی ہو گیا ہے۔'' ان کی بے چین ممتا کو بیٹے سے دوری گوارا نہ تھی۔

''ہاں مگر بظاہر۔۔۔ آپ اور انکل کے لئے سنبھلنا چاہتا ہے آنٹی! بے شک آپ اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتیں، مگر اس کا بھی تو خیال کریں، قیامت ٹوٹی ہے اس کے اعصاب و قلب پر۔'' عمر انہیں علی کی خاطر ہر صورت میں قائل کرنا چاہتا تھا۔ آہستہ اور ٹھہری ہوئی آواز میں گویا ہوا۔ تب علی بھی ٹرے لیے وہاں خاموشی سے آیا۔

''روگ یہ خود لگائے بیٹھا ہے، سچ تسلیم کر چکا ہے مگر حقیقت سے جان چھڑانا چاہ رہا ہے، اب باہر جانے کی کیا تک بنتی ہے، اس شہر میں مستبشرہ کا نام ہے نہ اس کی خوشبو کیسی ہے جو یہ دامن بچا کر بھاگنا چاہ رہا ہے۔'' بیٹے پر نظر پڑتے ہی وہ پھٹ پڑیں۔

''کیا! کیا آپ نہیں چاہتیں کہ میں۔۔۔'' علی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جب وہ اس کی بات کاٹ گئیں۔

''علی! تم پلیز چپ رہو، مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہیں تھی۔'' ناراضی سے اسے ڈانٹا۔

''آنٹی! اگر علی کو لگتا ہے کہ یہ یہاں سے دور جا کر مستبشرہ کو بھول سکتا ہے تو اسے صرف ایک موقع دیں، کچھ عرصے کے لئے۔'' عمر پھر سے بولا تھا، علی کی حالت زار اس سے بھی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

''پلیز مما! جب مجھے لگا کہ میں مستبشرہ کو بھول گیا ہوں تو میرا وعدہ ہے میں اسی وقت واپس آ جاؤں گا۔'' علی التجائیہ بولا ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر یقین دلانا چاہا۔

''میں تمہیں کسی بھی وجہ سے خود سے دور نہیں کر سکتی، تمہیں کھونا نہیں چاہتے ہم، ایک ہی تو بیٹے ہو تم ہمارے۔ ان دو ماہ میں تمہاری حالت نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے بیٹا، کیسے پھر تمہیں خود سے دور بھیجیں۔'' ان کا دل راضی ہونے کو تیار نہیں تھا، نہ وہ رضامندی دے رہی تھیں۔

''میں نے بھی یہ فیصلہ اپنی خوشی سے تو نہیں کیا ہے مما! آپ سے دور رہنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا، اگر حالات عام ہوتے لیکن ابھی آپ کے ساتھ پہلے جیسا رہنے کے لیے میرا یہاں سے جانا ضروری ہے۔ ملک کے جس کونے میں وہ بسی ہے وہاں اب بھی میرا دل جانے کو کرتا ہے۔ ایسے میں، میں کیسے خود کو سمجھاؤں؟ پلیز مما! مجھے جانے دیں، نہ روکیں۔'' وہ ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا۔

''تم فیصلہ کر چکے ہو تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بیٹا؟ بس صرف اپنی من مانی کرو، اب بتانے کا کیا فائدہ۔'' ساجدہ گیلانی فوراً سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتی تھیں، نہ ان کا دل مان رہا تھا، ناراضی سے اٹھتے ہوئے طنزیہ بولیں اور وہاں سے چلی گئیں۔

''کیا کروں میں؟'' علی مایوس سا ہونٹ بھینچ گیا۔

''میں نے کہا تھا وہ اتنی آسانی سے نہیں مانیں گی۔'' عمر نے اپنی بات دہرائی۔

''پھر اب کیا کروں؟'' وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

''آئی تھنک تم انکل سے بات کرو، وہ شاید آنٹی کو قائل کر سکیں۔'' عمر نے صلاح دی۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا، پر کہیں ایسا نہ ہو وہ بھی میرے فیصلے کی مخالفت کر دیں، اگر مما اور ڈیڈ بخوشی راضی نہ ہوئے تو جا نہیں سکوں گا میں۔'' کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھا۔ ماں باپ کو دکھ دینا نہیں چاہتا تھا اور خود یہاں کچھ عرصے کے لیے رہنا نہیں چاہتا تھا۔

''تھوڑا انسسٹ کرنا مان جائیں گے، اچھا اب میں چلتا ہوں، مجھ سے جو ہو سکا وہ میں نے کر لیا، آگے بھی اگر میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں حاضر ہوں گا۔'' عمر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تھینک یو یار۔ اور دیکھو میں نے چائے بنائی تھی، باتوں میں دھیان ہی نہیں رہا، اب تو ٹھنڈی بھی ہو گئی ہے تم تھوڑی دیر بیٹھو میں اور بنا کر لاتا ہوں۔'' علی کو چائے کا خیال آیا تو فوراً بولا، عمر مسکرایا۔

''آج رہنے دو پھر کبھی آنٹی کے ساتھ پیئیں گے، ابھی میں نکلوں گا، اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔۔۔'' عمر کے جاتے ہی علی نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

☆......☆......☆

سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ موسم بدلنے لگا تھا، ہوا میں خنکی بڑھ سی گئی تھی اور سرد ہواؤں نے گویا اس کے دل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اس کا دھڑکتا دل سرد ہوتے جذبات کے ساتھ محض دھڑک رہا تھا۔ یخ بستہ فضا میں صبح و شام چھائی دھند جیسے اس کی آنکھ کے پردے پر گہری ہوتی جا رہی تھی، خواب سپنے سب فسانہ بن کر بکھر چکے تھے۔

لوگوں کے نزدیک اس کی زندگی اپنے خوشگوار، یادگار موڑ پر اسے لائے اس پر محبتوں کی بارش برسا رہی تھی مگر اپنی نظر میں وہ تڑپ رہی تھی۔ محبتوں کی بارش تو کچھ دن پہلے تک دھوکا تھی جو اَب اپنی اصلیت دکھاتی آگ کی مانند برستی اس کا انگ انگ جلا رہی تھی، ایسے میں بے بسی بھی حد سے سوا تھی۔ کسی سے کچھ کہنے کی یا فریاد کرنے کی سکت بھی اس میں دم توڑ چکی تھی، ساتھ ہی شک اسے الگ کھائے جا رہا تھا۔ ذہن میں سوال بہت تھے مگر جواب سب کے ندارد تھے۔ وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی، ابھی کی خاموشی اسے شک میں ڈالے پاگل کر سکتی ہے، پھپھو یا ادینہ سے وہ فی الوقت پوچھ بھی نہیں سکتی تھی مگر مراد منصور شاید اس کے ہر سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

''اپنی تسلی کے لیے مجھے مراد سے پوچھنا ہوگا، خاموشی کا کوئی فائدہ نہیں، میں بے بس نہیں بن سکتی۔'' ماہ روش نے فیصلہ کیا۔ مراد کے کمرے میں آنے تک ذہن میں الفاظ و سوال ترتیب دیئے اور جب وہ کمرے میں آئی تو کافی سوچ بچار کے بعد اسے ہمت کر کے مخاطب کر ڈالا۔

''مجھے کچھ پوچھنا ہے آپ سے؟'' انداز دوٹوک تھا۔ مراد ڈریسنگ کی طرف بڑھ رہا تھا چونک کر اس کی طرف مڑا۔

''سب کچھ تو میں تمہیں بتا چکا ہوں ڈیئر۔'' پھر اپنے مخصوص انداز میں اسے چوٹ کرنے سے باز نہ آیا۔

''آپ کے ساتھ اور کون کون شامل تھا؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتی سنجیدہ تھی۔

''کس سلسلے میں۔۔۔؟'' وہ اول تو سمجھا نہیں، اوپر سے حیران الگ تھا۔ ماہی کے سوال کرنے کا انداز اسے بہت عجیب لگا تھا۔

''لوگوں کی نظر میں اعلیٰ ظرفی کی مثال بننے میں اپنے انداز کو معتبر بنانے میں۔'' وہ طنزیہ ہوئی۔

''کہنا کیا چاہتی ہو تم؟''

''مجھے وضاحت دینے کی ضرورت نہیں، آپ کو پتہ ہونا چاہیئے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔'' آواز میں لچک تھی نہ آنکھوں میں خوف۔ اس نے مراد کی اصلیت کو قبول کر لیا تھا۔

''مجھے پہیلیاں بوجھنے کا اول تو کوئی شوق نہیں اور دوسرا مجھے اس انداز میں مخاطب کر کے جو تم چاہ رہی ہو اس کا جواب دینے سے پہلے میں تمہیں بتا دوں، اگر اس کمرے کی فضا کو شانت دیکھنا ہے تو آنکھ نیچی، آواز دھیمی ہو۔ دو ماہ میں جہاں تم نے مجھے نرم دیکھا وہاں ایک مجھے گرم ہونے میں نہیں لگے گا، میرے غصے سے تمہیں اب تک واقف ہو جانا چاہیئے۔'' مراد منصور جو اَب تک خود اس کے لئے ایک پہیلی بن کر رہ گیا تھا اس کے قریب ہوتے ہوئے انتہائی کڑوے و سخت لہجے میں بولا۔ آواز دھیمی تھی مگر رعب لیے ہوئے تھی۔ ماہی نے اس لمحے دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور رخ دوسری جانب کر گئی۔ ''اور ہاں۔۔۔ میرے سامنے خود کو روگ لگانے کی ضرورت نہیں، تم پہلے جیسی تھیں مجھے ویسی ہی نظر آنی چاہیئے۔ البتہ باقی لوگوں خصوصاً اپنے میکے والوں کے سامنے رونا چاہو تو رو لو انہیں بھی تو پتہ چلنا چاہیئے کہ میری بہن کی زندگی داؤ پر لگا کر انہوں نے تمہیں برباد کر دیا ہے، تمہارے بھائی کو سب کی نظروں میں ذلیل دیکھنا چاہتا ہوں میں۔'' اپنے غصے وہ انتقام کی آگ میں وہ اب تک جل رہا تھا۔ ماہی وقار کے ذکر پر توجہ نہیں دینا چاہتی تھی، وقار سے متعلق معاملہ الگ تھا، فی الحال اسے اپنی ذہنی الجھن

سلجھانا تھی۔ مراد کے لہجے سے چھلکتی اپنی تحقیر کو بھی نظرانداز کر گئی۔

''مجھ سے جڑے رشتے کو پلان کرنے میں آپ کا ساتھ کس نے دیا تھا؟'' اس مرتبہ بلاتمہید بولی۔

''تمہیں کس پر شک ہے؟''

''شک تو مجھے آپ پر بھی نہیں تھا۔'' طنز میں لپٹا جملہ پھر اس کی زبان سے پھسلا۔ مراد نے بغور اسے دیکھا پھر اسے تپانے کے لئے سراہا۔

''چپ کیا توڑی ہر سوال کا جواب تیار کر رکھا ہے تم نے۔''

''پھپھو یا ادینہ؟'' اس کی بات اگنور کی مختصر دو ٹوک پوچھا۔

''آئی ایم شاکڈ مس مہ روش سعید۔'' مراد حقیقتاً حیران ہوا تھا۔

''بتا دیں مجھے، سچ سہنے کی ہمت ہے مجھ میں۔''

''اس ایک ہفتے میں تمہارے ذہن میں کس قدر فتور بھر گیا ہے، تمہیں امی کی محبت اور ادینہ کے خلوص پر یقین نہیں رہا۔'' وہ دنگ سا گویا اسے شرمندہ کر رہا تھا۔

''آپ پر بھی یقین کیا تھا، اس کا کیا صلہ ملا مجھے جو اَپ خود کو مزید خوش فہمی کا شکار رکھوں۔'' اس نے شک میں رعایت نہیں برتی، صاف بولی۔

''امی نے ہمیشہ تمہیں بیٹی کہا ہے، سب سے زیادہ چاہتی ہیں وہ تمہیں، شاید ادینہ سے بھی بڑھ کر اور میں پاگل تھوڑی تھا جو اُن سے ذکر کر کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا۔'' وہ بتانے لگا۔ مہ روش نے خاموشی سے سنتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وقار نے انہیں دکھ پہنچایا تھا مگر انہوں نے کبھی ماموں سے شکوہ نہیں کیا، نہ تمہارے بارے میں کچھ برا سوچا، وہ تو سب کچھ قسمت کا لکھا مان کر تعلق ختم نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ میری وجہ سے تین سال تک وہ سب سے دور رہی تھیں، میں اپنی بہن کی ذلت برداشت کر سکتا تھا نہ اپنی ماں کو روتا دیکھ سکتا تھا۔'' تمام سچائی وہ اسے بتا رہا تھا۔ کچھ پل رک کر اندر اطمینان سا بھر رہا تھا مگر ماہی کے لئے وہ نرم نہیں پڑا تھا۔

''جیسے تمہارا بھائی گھٹیا نکلا ویسے تمہاری سوچ بھی گھٹیا نکلی۔'' اسے سنانے سے باز نہ آیا۔ ماہی نے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا، وہ مزید کہنے لگا۔

''اور ادینہ جس پر تم شک کر رہی ہو، وہ تو پاگل ہے، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی نہ وقار کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے نہ تمہارا برا چاہتی ہے۔'' اپنی ذات کو سائیڈ پر رکھے وہ ان دونوں کی محبتوں سے ماہی کو شرم دلانے میں جت گیا تھا، اپنا کیا اس لمحے بھولے سے ماں اور بہن کی سچائی اور خلوص سے روشناس کروانا اس کے بھائی کے کیے کا آئینہ دکھا رہا تھا۔

''میں نے ایک دو دفعہ اسے اپنی سوچ میں شامل کرنا چاہا تھا مگر بات نہ بنی۔ میری سوچ سے بے خبر بس اسی میں خوش ہو گئی کہ

میرے رشتے سے سب ٹھیک ہو جائے گا، تمام رنجشیں اور اختلاف مٹ جائیں گے۔'' اسے تمام سوالوں کا جواب دینے کے بعد وہ اب ماہی کی طرف دیکھ رہا تھا جو آنکھیں بند کیے اپنے شک کو ختم کرتی ہر سانس کے ساتھ اپنے اندر سکون اترتا محسوس کر رہی تھی۔

''اپنی گھٹیا سوچ کی تسلی کے لئے کسی اور سوال کا جواب بھی چاہیے تمہیں؟'' فوراً سے مراد اپنی ٹون میں واپس آیا۔

ماہی نے آواز پر آنکھیں کھولیں۔ پھپھو اور ادینہ کی طرف سے ذہن و دل صاف ہو چکا تھا۔ وہ مطمئن تھی البتہ خاموشی سے فرار چاہتی دروازے کی طرف بڑھی، جبھی لپک کر مراد نے اس کا بازو گرفت میں لیا اور اسے اپنی طرف موڑا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے نظر انداز کرنے کی غلطی کبھی مت کرنا، تمہارا یہ فعل تمہارے حق میں برا ہو سکتا ہے۔'' اسے وارن کیا۔

''اب شاید میرے سارے فعل بھی آپ کے حق میں مثبت نہ ہوں۔'' وہ برجستہ مگر تحمل سے بولتی ہوئی شاید اسی لمحے کچھ سوچ چکی تھی۔

''مطلب۔۔۔؟''

''میرا بازو چھوڑیں، مجھے باہر جانا ہے۔''

''پہلے اپنی بات کی وضاحت دو۔'' وہ اٹل ہوا۔

''کوئی وضاحت نہیں ہے میرے پاس، غلطی سے میرے منہ سے نکل گئی تھی بات۔'' اس نے فوراً جان چھڑانی چاہی۔

''بہت چالاک سمجھتی ہو خود کو؟'' وہ غصہ ہونے لگا۔

''آپ کے سامنے میری کیا اوقات۔''

''باتیں تمہیں بھی بہت آتی ہیں۔'' ماہی کی جرح وہ بمشکل سن رہا تھا۔

''خاموش رہوں تب بھی اعتراض، بولوں تو بھی طنز۔۔۔'' اس نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بڑبڑاہٹ کی۔

''کیوں مجھے غصہ دلاتی ہو ماہی۔'' وہ اب واقعی غصے میں آ رہا تھا۔

''میں ادینہ کے پاس جا رہی ہوں پلیز۔'' اسے لاحاصل بحث سے اکتاہٹ سی ہونے لگی۔ بے چارگی سے اسے دیکھا۔ مراد سے طویل بحث گویا اس کی بے بسی کا امتحان تھی۔

''میرے سامنے ہمیشہ سیدھی بات کرنا، ناٹک مجھے پسند نہیں۔'' اسے اپنے طور میں ڈھلنے کی تاکید کی، اپنے سامنے تو وہ کسی کی کبھی چلنے دیتا کہاں تھا، خواہ مخواہ کا غصہ تو شروع سے اس کی سرشت میں شامل رہا تھا۔ مہروش کیا جواب دیتی، خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر لان میں چلی آئی جہاں ادینہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی، ماہی کو دیکھ کر اس نے توقف کے بعد کال ڈسکنیکٹ کی۔

''بیٹھو ناں تم۔''

''شکریہ۔'' ماہی نے کرسی سنبھالی۔

''معید کی کال تھی۔'' ادینہ نے خود ہی بتایا۔

''تین دن بعد ان کی واپسی ہو گی، پرسوں مجھے ان کے آنے سے پہلے گھر جانا ہو گا۔''

''اتنی جلدی کیوں، معید بھائی کے آنے کے بعد چلی جانا۔''

''نہیں میاں جی کا استقبال ضروری ہے، معید آئے تو ان کے ساتھ چکر لگاؤں گی۔'' شوخی سے کہتی وہ بولی، اتنے میں مراد بھی وہیں چلا آیا اور بیٹھتے ہی ٹیبل پر سے اخبار اٹھایا۔ کلثوم بیگم بھی تھوڑی دیر بعد وہیں آ گئی تھیں، ادینہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''امی! معید کی کال آئی تھی وہ تین دن میں واپس آ رہے ہیں، پرسوں میں پھر جا رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے چلی جانا، مگر آج پہلے تم سسرال والوں کے لئے سوٹ وغیرہ بھی چن کر الگ کر لو، کب سے تمہیں کہہ رہی ہوں اور تم ٹالے جا رہی ہو، معید کے لیے بھی دو تین اَن سلے جوڑے دیکھ لینا، میں نے الگ سے نکال کر رکھے ہوئے ہیں۔'' انہوں نے ادینہ کو پھر سے باور کروایا۔

''امی! اس سب کی کیا ضرورت ہے۔'' اسے جیسے کوئی دلچسپی نہ تھی، ماں کو پھر سے منع کرنے لگی۔

''کیوں نہیں ضرورت، خوشی کا موقع ہے اور تمہارے سسرال کا معاملہ ہے، اتنے دن بعد وہ بھی خالی ہاتھ جا کر ہمیں شرمندہ تو نہ کرواؤ۔ جیٹھانی، دیورانی مذاق بنائیں گی، ساس بھی تمہاری کم نہیں ہیں۔'' کلثوم بیگم صاف کہتیں اسے ڈانٹنے لگیں۔

''امی پلیز۔۔۔'' ادینہ نے خفیف نظروں سے انہیں دیکھا، مہ روش نے البتہ ادینہ کی طرف دیکھا، مراد نے بھی توجہ دی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں امی، پھپھو کو جیسے کوئی جانتا نہیں ہے نا، چھوٹی چھوٹی بات پکڑنے کی پرانی عادت ہے ان کی، یوں خالی ہاتھ جا کر انہیں موقع نہ دو کہ وہ ساری جگہ کہتی پھریں کہ بھتیجے کی شادی پر بھائی کے گھر سے بہو کچھ نہیں لائی۔'' سنجیدگی سے بولا۔

''اچھا بس۔۔۔ لے جاؤں گی۔'' ادینہ نے ہار مانی، اس سے پہلے کہ مزید کچھ سنتی۔

''اتنی بیزار کیوں ہو جاتی ہو اپنی ساس کی طرح، وہ بھی شادی میں آئیں تو بیزار شکل لے کر جیسے آ کر احسان کیا ہو، بھئی ہم نے کوئی زبردستی تھوڑی کی تھی کہ آنا ہے، نہ آتیں۔ ساری عمر اپنے خول میں قید رہیں اب زور بھی ہمیں دے رہی ہیں۔ ایسے موقعوں پر لوگ خفت مٹاتے ہیں پر ان سے اتنا نہ ہو سکا کہ سیدھے منہ بات کریں، اگر تم بیچ میں نہ ہوتیں تو میں انہیں مخاطب بھی نہ کرتا۔'' مراد نے کوئی بھی لحاظ کیے بغیر کہا۔ وہ تھا ہی ایسا، ہر بات صاف اور سیدھی کرتا، اسی لیے شاید سبھی اس کی طبیعت سے خائف اس کی سنجیدگی کو دور سے سلام کرتے تھے۔ ادینہ نے کچھ کہنے کے بجائے ماں کی طرف دیکھا البتہ مہ روش اس کی باتوں پر چونکی تھی۔

''یہ شخص تو کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتا۔'' دل میں سوچا۔

''بس کرو مراد! کیوں ایک بات کا سرا دوسری بات سے جوڑتے ہو، کیا فائدہ کچھ بولنے کا۔'' کلثوم بگم نے اسے ٹوکا اور بات جاری رکھی۔

''کل فروٹس اور مٹھائی بھی لے آنا، ادینہ ساتھ لے جائے گی۔''

''اوکے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتا اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔
کلثوم پھپھو کسی کام سے اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ ادینہ نے مراد کے چپ ہوتے ہی شکر کا کلمہ پڑھا اور ماہی کی طرف متوجہ ہوئی جو مراد کے کھردرے لہجے کو سوچتی ادینہ سے باتوں میں محو ہوئی۔
شام کو شاہدہ پھپھو کی طرف سے کال آئی تھی۔ کل لنچ کے لئے انہوں نے سب کو مدعو کیا تھا، دعوت قبول کر لی گئی تھی، مہ روش خوش تھی کیونکہ وہاں امی ابو تو نہیں البتہ پریشے بھی جا رہی تھی، اسے امید تھی کہ ان دنوں کی الجھن پریشے سے مل کر کچھ کم ہو سکتی ہے، یہاں اسے موقع نہیں ملا تھا کہ فون پر پریشے سے تفصیلی بات کر سکتی، وہ سوچ چکی تھی کہ کل اپنے ساتھ ہوئی قسمت کی سنگینی بہن کو بتائے گی تو شاید دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اسی انتظار میں اس نے کل کا انتظار کیا۔
پھپھو کے گھر نئے نویلے دلہا دلہن کا شاہانہ استقبال کیا گیا، سب کزنز اور خصوصاً پریشے سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی تھی، ذہن مراد کی باتوں سے آزاد ہو گیا تھا۔ کھانا بہت شاندار تھا، تمام وقت سب کے ساتھ باتوں میں گزرا اور ایسے میں اسے کوئی موقع نہ مل سکا تھا کہ وہ پریشے سے اپنی دو چار باتیں کرتی، سو خواہش دل میں ہی دبا کر رہ گئی اور گھر واپس آنے سے پہلے پریشے سے جلد آنے کا وعدہ کیا اور تمام باتیں وہیں کرنے پر ٹال گئی۔

☆......☆......☆

علی آیان نے دوبارہ سے ماں سے بات کرنے کے بجائے حسن گیلانی کی طرف رخ کیا۔ عمر کی مدد سے تمام حالات اور اپنی کیفیت بتائی کہ جب تک وہ اپنے فیصلے پر کھرا اتر کر مستبشرہ جمال کو بھلا نہیں دیتا تب تک وہ انگلینڈ میں رہنا چاہتا ہے، ساتھ ہی ان کی مدد طلب کی۔ حسن گیلانی باریک بین اور متحمل مزاج انسان تھے، ہر چیز کے مثبت و منفی پہلو کو نظر میں رکھ کر راہ متعین کرتے تھے اور یہاں تو ان کے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی زندگی کا سوال تھا، اگر علی واقعی بہتری کی امید ان سب اور اپنے لیے رکھے بیٹھا تھا تو وہ کیونکر انکار کرتے۔
''ٹھیک ہے علی بیٹا! میں ساجدہ سے بات کروں گا، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور تمہاری بہتر زندگی کے لیے ساجدہ بھی مان جائیں گی۔''
''تھینک سو مچ ڈیڈ۔'' علی تشکر سے بولا۔
''مگر ایک بات ہے۔''
''کون سی بات؟'' وہ سوالیہ بولا۔
''یہی کہ انگلینڈ میں ہمارے رشتہ دار نہیں ہیں اور ساجدہ تمہیں کبھی بھی کسی ایسی جگہ بھیجنے کے لئے رضامند نہیں ہو سکتی جہاں تم اکیلے رہو، اور سب سے بڑی بات اپنے کام خود کرو گے، پہلا نقطہ وہ یہی اٹھائیں گی کہ تمہارا وہاں خیال رکھنے والا کوئی نہیں ہوگا، تمہارا کھانا بنانے اور کپڑے دھونے، استری کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔'' بیوی کی بیٹے کے لیے فکرمندی کو پرمزاح انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے

قابلِ غور بات سامنے لائی تھی۔

''یہ بات تو ہے۔'' وہ باپ کی بات سے متفق تھا۔

''پھر کیا کریں۔''

''اٹلی بیسٹ رہے گا، وہاں تمہاری پھپھو اور چچا اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں، ساجدہ مان گئیں تو مطمئن بھی رہیں گی اور تم بھی گھر جیسے ماحول میں رہو گے، ویسے بھی سب تم سے محبت کرتے ہیں، کافی عرصے سے بلا بھی رہے ہیں اور اب جبکہ تم کچھ عرصے کے لئے جانا بھی چاہتے ہو تو اٹلی ٹھیک رہے گا۔'' کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے علی کو بہترین صلاح دی۔

''واقعی ڈیڈ یقیناً مما کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔'' علی نے خوشی و طمانیت سے کہا۔

''اور وہاں تم مصروف بھی ہو جاؤ گے، سرمد کے ساتھ اس کے آفس جانا، کچھ بزنس کے بارے میں سیکھ بھی جاؤ گے، سرمد کو بھی ہیلپ کی ضرورت ہے، ابھی اس کے دونوں بیٹے چھوٹے ہیں اور پھر واپس آ کر تم یہاں پاکستان میں بزنس سنبھال لینا۔'' وہ مکمل سوچ چکے تھے۔

سرمد گیلانی اور حسن گیلانی کا مشترکہ بزنس تھا۔ پاکستان میں بزنس حسن گیلانی اکیلے سنبھال رہے تھے اور ساتھ ہی ہر دوسرے مہینے وہ اٹلی سرمد گیلانی کی طرف بھی چکر لگاتے، وہاں کے معاملات میں سرمد گیلانی کے ساتھ صلاح مشورے اور کاروبار میں مزید بہتری کی راہ نکالتے۔ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد سے وہ علی کی طرف سے مایوس تھے۔ مستبشرہ سے جدائی میں بیٹے کو نڈھال دیکھ کر وہ ایک لمحہ بھی چین سے نہیں رہے تھے، اس دوران اٹلی میں نہ جا سکے مگر اب علی کی خواہش سے انہیں امید کی کرن نظر آئی تھی، اپنے جوان بیٹے کو وہ بیکار نہیں جانے دے سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے ڈیڈ۔ میں تیار ہوں۔'' علی کو کوئی انکار نہیں تھا۔

''گڈ۔ میں ساجدہ سے بات کر لوں پھر سرمد سے بھی رابطہ کرتا ہوں۔''

''تھینک یو ڈیڈ۔'' علی ان کے گلے لگا۔

''خوش رہو۔'' وہ مسکرائے۔ حسن گیلانی نے جہاں بیٹے کو خوش کر دیا تھا وہاں بیوی کی راضی کرنے کا طریقہ بھی سوچ لیا تھا۔

☆......☆......☆

مستبشرہ جمال اس کی پہلی محبت، وہ پہلی لڑکی جس نے اس کے احساسات و جذبات کو انجانے میں اپنی اداؤں سے بگاڑا تھا اور جب سے اب تک اسے دیوانہ بنائے رکھا تھا مگر اس دیوانگی میں بہت گہری خاموشی تھی۔ پچھلے ہفتے سالوں سے وہ بڑی خاموشی سے اسے دل میں بسائے اپنی یکطرفہ محبت کے سر میں آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ نہ اسے اعتراف کی جلدی تھی نہ اقرار کی، بس دل میں چاہت کے ہزاروں دیپ مستبشرہ جمال کے نام کے جلائے ہوئے تھا۔

کزنز ہونے کے ناطے ملنے ملانے پر کوئی پابندی کبھی نہ تھی۔ وہ پھپھو کے گھر شروع سے زیادہ آتا جاتا کرتا تھا، احسان سے بھی

دوستی تھی، زہرہ پھپھو اور مستبشرہ جمال سے باتوں کے دوران وقت گزرنے کا مشارب شاہ کبھی اندازہ ہی نہ کر پایا تھا۔ مشارب کو اس سے مخاطب ہونا اچھا لگتا تھا، چھوٹی سی چھوٹی بات اس سے شیئر کرتا تھا۔ جب وہ فائنل ائیر میں تھا تب اسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کچھ کچھ بدل رہا ہے، مستبشرہ کو لے کر اس کی فیلنگز میں بدلاؤ آتا جا رہا تھا، وہ عجب کشمکش کا شکار تھا جبھی معمولی سی کوشش کے بعد وہ جان چکا تھا، اپنے اندر بدلاؤ کی وجہ معلوم کر چکا تھا۔

وہ جان چکا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں، قہقہوں کے دوران محبت کے خوبصورت، پرفسوں جذبے نے اس کے دل پر دستک دے دی تھی اور پہلی ہی دستک پر اس نے اپنے دل کے تمام دروازے مستبشرہ کے لیے وا کر دیئے تھے، اپنے تمام جذبے اس کے نام کر دیئے تھے۔ اپنی آرزوؤں، ارمانوں میں اسے بسا لیا تھا۔ خون کے ہر قطرے کے ساتھ اسے جسم میں گردش کرتے پا لیا تھا، اپنی روح کو آئندہ کی بے لوث محبت کے سمندر میں اپنی تمام کیفیات سونپ کر خود وہ ہوا میں رقص کرنے لگا تھا، محبت کا احساس اس کے لیے خوبصورت تھا۔ مستبشرہ حسین تھی، دل کیا جواز اٹھاتا؟

اس نے انتظار کا فیصلہ کیا، تب مستبشرہ کالج میں تھی۔ وہ اس کے خواب، خواہش سے واقف تھا۔ اسے دل میں بڑھتے محبت کے طوفان پر قابو پانا پڑا۔ مستبشرہ اسلام آباد پڑھنے کے لئے یونیورسٹی گئی، مشارب شاہ نے 4 سال شدت جذبات سے اس کا انتظار کیا۔

اس دوران اس کی ننھی سی دوست فلک شاہ بھی کالج میں آ پہنچی۔ فلک سے اس کی دوستی خوب تھی، گھنٹوں اس سے باتیں کرنا مشارب کا معمول تھا۔ فلک کی نادانیاں، مستیاں، بات سے بات چھیڑنا اسے لطف دیتا تھا۔ چچی جان کی فکر کو دیکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا مگر وہ بات ہی ٹال جاتی۔ فلک کو کام کرنا پسند نہ تھا۔ وہ فلک سے کام کرواتا تھا۔ اسے تنگ کرتا، وہ ناراض ہوتی، اسے مناتا، آئسکریم کھلانے لے جاتا۔ فلک اس سے بہت خوش تھی مگر اس دوران وہ اپنے دل کی بھی خوب خبر رکھے ہوئے تھا، جہاں مستبشرہ کے انتظار کے ساتھ مشارب کو ننھا منا سا خدشہ دھیرے دھیرے سوچنے پر مجبور کرتا۔

کیا فلک اس کی دوستی کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں تو نہیں تول رہی؟ کہیں فلک ہنسی مذاق، مشارب کی گفتگو کو محبت کا رنگ تو نہیں دے رہی؟ کہیں فلک دوستی کے رشتے پر محبت کی پوشاک تو نہیں ڈال رہی؟ ایسے بہت سے خدشات کے حل کے لئے اس نے جانتے بوجھتے فلک کے سامنے معنی خیز گفتگو کی۔ اپنے متعلق اس کے جذبات جاننے چاہے اور بہت جلد اس کے تمام خدشات ہوا ہوئے۔ فلک کے دل میں اپنے لیے اسے کوئی خاص الگ قسم کی فیلنگز کا احساس نہ ہوا، وہ ریلیکس سا ہوا اور نہ وہ سوچے ہوا تھا کہ اگر فلک ایسا کچھ سوچے ہوئے ہے تو وہ آرام سے اسے سمجھا کر اپنا راستہ اس سے الگ کر لے گا، مگر ایسا نہ ہونے کی تسلی بخش یقین کے بعد وہ اپنے سابقہ رویے میں فلک سے باتیں کرتا، مگر اسی جان پرکھ سے جہاں وہ مطمئن ہوا تھا وہیں یہ جاننے میں بالکل ناکام ہوا تھا کہ اس کی معنی خیز گفتگو سے فلک شاہ کے دل میں پرسحر سا بھونچال آیا تھا۔ اس کی سوچوں کا محور محض مشارب کی ذات رہ گئی تھی جس کا کھلا اظہار خود سے تو اس نے بہت دھڑلے سے کیا تھا مگر مشارب کے سامنے چپ کے قفل ڈالے وہ مشارب کے منہ سے اقرار و اعتراف سننے کے لیے طویل تر انتظار کرنے کے لیے

بھی تیار ہوگئی تھی۔

اس دوران مستبشرہ جمال پڑھائی مکمل کرنے کے بعد ملتان واپس آئی تو مشارب نے اپنا اولین ارادہ اس سے بات کرنے کا بنایا مگر اس سے پہلے وہ کم از کم مستبشرہ کی سوچ جاننا چاہتا تھا۔ مستبشرہ اپنا اسکول کا بنانا اور چلانا چاہتی تھی، شادی بھی تین چار سال تک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی جس کا ذکر باتوں ہی باتوں میں اس نے مشارب سے کیا اور مشارب نے جواباً چپ سادھتے ہوئے انتظار کا فیصلہ کیا۔

آصفہ بیگم اپنے اکلوتے بیٹے کے دل کا حال جان گئی تھیں۔ وہ بھی ماں کے سامنے اقرار کر گیا۔ اپنی منزل کے تمام راستے اسے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ جانے بغیر کہ امی فلک کو بہو بنانا چاہتی ہیں اور وہ مستبشرہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اپنی زندگی میں اسے سب پرفیکٹ لگ رہا تھا اپنی خوش بختی پر وہ بہت خوش تھا۔

☆......☆......☆

منصور عالم اور کوثر بیگم دو ہی بہن بھائی تھے۔ ماں باپ کے حیات ہوتے ہی منصور عالم کی شادی کلثوم بیگم سے ہوئی تھی، دونوں ایک دوسرے سے خوش تھے۔ ان کی دو اولادیں مراد اور ادینہ تھیں۔ منصور عالم کی بہن کوثر نے بھی ماں باپ کی زندگی میں ہی پسند کی شادی کرنی چاہی تھی مگر تب منصور عالم نے بہن کی شدید مخالفت کرتے ہوئے انہیں پسند کی شادی سے باز رہنے کو کہا تھا۔ وہ شروع سے شدید غصیلے اور اپنی من مانی کے قائل تھے، گھر بھر میں ان کا رعب تھا، ان کی بات کو اہمیت دی جاتی تھی مگر بہن نے اپنے معاملے میں بھائی کو ذرا برابر بھی اہمیت نہ دی اور کسی بھی طرح ماں باپ کو راضی کر لیا۔ منصور عالم بے طرح کے طیش کا شکار کوثر کی شادی کو اپنی بے عزتی سمجھتے رہے، وہ شدید رنج میں ڈوبے رہے، بہن سے کلام اس کی شادی کے روز سے نہ کیا اور جب ماں باپ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے بہن سے گویا ہر رشتہ ختم کر لیا تھا۔ کوثر کو بھائی کے قطع تعلق سے ذرا بھی دکھ نہ ہوا۔ بھائی اگر اپنی انا و عزت کے خول میں قید تھا تو بہن نے بھی دوبارہ بھائی سے رابطے میں اپنی تذلیل سمجھی۔ یونہی دن، مہینے اور سال گزرتے گئے، دونوں نے ملنا ملانا نہ تھا، اسی دوران منصور عالم خالق حقیقی سے جا ملے مگر ان کی جگہ ان کے بیٹے مراد منصور عالم نے سنبھال لی تھی۔ منصور عالم اگر سیر تھے تو وہ اپنی ذات میں سوا سیر تھا۔ کوثر بیگم بھی بھائی کے مرنے کے بعد اپنے لہجے میں لچک نہ لا سکیں۔ بھاوج اور بھائی کی اولاد سے بھائی کے جیسا سلوک روا رکھا۔ کلثوم بیگم اور ادینہ تو نہ کچھ کہتیں، نہ مزید بدمزگی چاہتی تھیں مگر مراد، کوثر بیگم سے باپ کی طرح بیر پالے ہوئے تھا۔ سنجیدہ و غصیلا وہ بھی تھا۔

وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ کلثوم بیگم اور سعید احمد نے بڑی چاہ اور سب کی رضامندی سے ادینہ اور وقار کا رشتہ طے کیا، سب خوش تھے۔ شادی کی تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں۔ مہندی سے دو دن پہلے نکاح کی تقریب رکھی گئی تھی مگر عین نکاح کے وقت وقار نے ادینہ سے شادی سے انکار کر دیا۔ سب نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا، کلثوم بیگم تو سکتے میں چلی گئی تھیں۔ بیٹی کی رسوائی کا ڈر ان کا دل دہلا گیا تھا۔ مراد الگ اندر ہی اندر جل رہا تھا، ایسے میں کوثر بیگم کے بیٹے معید نے ادینہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ کوثر بیگم نے معید کو بہت روکا، جس بھائی نے ساری عمر اپنی زندگی میں انہیں پوچھا تک نہ تھا وہ اسی بھائی کی بیٹی کو کسی صورت میں بہو نہیں بنانا چاہتی تھیں مگر

ان کا بیٹا اپنی بات پر بضد رہا۔تمام گزری باتیں ایک طرف، معید نے کڑے وقت میں پیچھے ہٹنا مناسب نہ سمجھا اور ادینہ کو اپنا لیا۔ مراد نے ماموں کے گھر سے تعلق توڑ لیا، معید نے تب نہ صرف ادینہ کو اپنایا بلکہ اسے ہر خوشی دی۔کلثوم بیگم اور مراد مطمئن ہو گئے مگر وہاں سے کوثر بیگم نے اپنا کرنا شروع کیا، انہیں ادینہ کا وجود آنکھوں میں چبھنے لگا۔ ایسے میں معید نے ماں کے بجائے بیوی کا ساتھ دیا۔ ادینہ نے پھپھو کی پرواہ نہ کی کہ محض معید کا ساتھ اس کے لیے بہت تھا لیکن ادینہ سے پھپھو کا اختلاف اور رویہ مراد کی برداشت سے باہر تھا۔ دونوں پھوپھی، بھتیجا ایک دوسرے کو دیکھنے کے روادار تھے البتہ کلثوم بیگم ادینہ کو سمجھاتی رہتیں کہ کچھ بھی ہو جائے کوثر بیگم سے نہ الجھے، شاید یہی وجہ تھی کہ آج تک کوئی بات یا مسئلہ سنگین حالات تک نہ گیا تھا۔ شادی کے تین سال گزرنے کے باوجود ادینہ کے ہاں اولاد نہ ہوئی اس بات پر بھی معید نے اس کا ساتھ دیا کہ بیشک اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

''ادینہ، میں نے سب کے سوٹ اور باقی چیزیں گاڑی میں رکھوا دی ہیں، مراد گاڑی اسٹارٹ کر رہا ہے تم بھی جلدی کرو۔'' کلثوم بیگم نے آ کر اسے کہا تھا۔

''اچھا امی، بس دو منٹ۔'' اس نے موبائل پرس میں رکھتے ہوئے کہا پھر مزید بولی۔

''ماہی! تم بھی چلو ناں۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے اور یوں اس کا تمہارے ساتھ جانا مراد کو بھی اچھا نہیں لگے گا۔'' ماہی کی جگہ کلثوم پھپھو نے کہا۔

''افوہ امی، میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ یہ میرے ساتھ گھر کے اندر بھی جائے، بس مجھے گھر کے باہر ڈراپ کر کے واپس آ جائے۔'' وہ بولی۔

''اتنی سی دیر کے لئے جا کر میں کیا کروں گی۔'' ماہی نے اب کے منع کرنا چاہا۔

''کچھ خاص نہیں بس مجھے ڈراپ کرنے کے بعد مراد کے ساتھ تھوڑا گھوم پھر لینا، شادی کے بعد تم دونوں ایک مرتبہ بھی باہر نہیں گئے آج موقع مل رہا ہے تو فائدہ اٹھاؤ۔'' وہ کہتے ہوئے مسکرائی۔

''ہاں بیٹا، ادینہ ٹھیک کہہ رہی ہے، تم بھی ساتھ جاؤ، تھوڑا گھوم پھر لینا، کتنے دن ہوئے گھر میں ہی ہو تم۔'' اس سے پہلے کہ وہ منع کرتی، پھپھو نے ادینہ کی تائید کی۔

''جیسے آپ چاہیں۔'' وہ بحث یا انکار کرنے کے بجائے اثبات میں سر ہلانے لگی حالانکہ دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ مراد کے سنگ اکیلے سفر کرے۔

''یہ ہوئی ناں بات۔'' ادینہ مسکرائی۔

''اچھا امی چلتی ہوں، اللہ حافظ۔'' پھر اجازت لیتی ماں کے گلے لگی۔

''اللہ حافظ! اپنا خیال رکھنا۔'' اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ بولیں۔ انہیں ہمیشہ ادینہ کی فکر رہتی تھی۔ اللہ کی شکر گزار بھی تھیں کہ

معید ماں کی باتوں میں نہیں آتا ورنہ تو ادینہ کی زندگی دوبھر ہو جاتی۔ وہ دونوں آگے پیچھے گاڑی تک آئیں۔ مراد جو ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا مہ روش پر نظر پڑتے ہی فوراً بولا۔

''آپ کہاں کی تیاری میں ہیں بیگم صاحبہ۔'' انداز و آواز چاہت بھری تھی۔ ادینہ مسکراتے ہوئے دروازہ کھول کر بیٹھنے لگی البتہ مہ روش اس دھوکے باز شخص کے بناوتی پیار بھرے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی ابھی بھی خاموشی سے بیٹھنے لگی۔

''ماہی کو میں نے کہا ہے ساتھ چلنے کو اور مجھے ڈراپ کرنے کے بعد تھوڑا گھوم پھر لینا دونوں۔'' ادینہ نے کہا۔

''بہت اچھا کیا تم نے، میں رات میں ہی اس سے ڈسکس کر رہا تھا۔'' گاڑی روڈ پر ڈالتے ہوئے وہ بولا بلکہ مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ ماہی نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر باہر دوڑتے مناظر دیکھنے لگی۔

''ڈسکس کرنے سے کیا ہوتا ہے، ایک دفعہ بھی لے کر تو گئے نہیں اسے۔''

''آج کے بعد روز لے جاؤں گا۔'' مراد نے بیک یومرر سے ماہی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا مراد! تم دونوں ہنی مون کے لئے کہاں جاؤ گے؟'' ادینہ نے یاد آنے پر پوچھا۔ ماہی ہنوز باہر دیکھ رہی تھی مگر اس کا سارا دھیان ان دونوں کی گفتگو پر تھا۔

''کہیں بھی نہیں۔'' اس نے خاصا مگر غیر متوقع جواب دیا۔

☆......☆......☆

''کیوں۔۔۔؟'' ادینہ بے یقین ہوئی۔

''شکر ہے۔'' مہ روش سنتے ہی دل میں شکر بجالائی۔

''آفس میں کام بہت ہے اور تم جانتی ہو کام میں مجھے کوتاہی برداشت نہیں، ویسے بھی بکواس لگتا ہے یہ سب مجھے، ٹائم اور پیسے کا زیاں ہے۔'' توجہ ڈرائیونگ پر رکھے وہ صاف بولا۔ ادینہ نے حیرانگی سے اسے پھر مہ روش کو دیکھا۔

''کچھ ہی دن کی تو بات ہو گی مراد۔'' ادینہ نے آہستگی سے کہا۔ جرح مراد کو پسند نہ تھی۔

''فائدہ کیا ہے اس سب کا تم بتاؤ مجھے؟''

''فائدے کی بات اس میں کہاں سے آ گئی، تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گی۔'' ادینہ بری پھنسی تھی پوچھ کر، بے تکا سا جواز دیا۔ ماہی جسے ہنی مون پر جانے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی شانت سی بیٹھی رہی۔

''مجھے قطعاً کوئی شوق نہیں ہے گھومنے پھرنے کا نہ مہ روش کو ہونا چاہیے، ویسے بھی شادی میں کافی فنکشنز تھے میری تو اب تک تھکاوٹ بھی نہیں اتری۔'' اس کا ارادہ سرے سے جانے کو نہیں تھا۔

''ہاں ادینہ! میں بھی نہیں جانا چاہتی ویسے بھی ساری جگہیں تو دیکھی ہوئی ہیں۔'' ماہی نے بھی گویا انکار کیا۔

''تم دونوں بھی عجیب ہو بٹ جیسے تم دونوں کی مرضی، اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ادینہ نے بھی بات سمیٹنی مناسب سمجھی۔

آدھے گھنٹے کی ڈرائیور کے بعد مراد نے گاڑی ادینہ کے گھر کے سامنے روکی۔ ادینہ کے ساتھ وہ اندر تو نہیں جانا چاہتا تھا مگر ساتھ میں سامان وغیرہ زیادہ تھا سو ماہی کو گاڑی میں ہی چھوڑ کر سامان اٹھائے اندر گیا۔ پھپھو کو دور سے ہی سلام کیا اور الٹے قدموں واپس آ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلی نظر ماہی پر ڈالی جس نے اس کی آمد پر خاص توجہ نہ دی تھی۔

''دل کے ارمان آج دل میں ہی دبانے پڑے تمہیں، ہے ناں؟'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ہنی مون ٹرپ پر اس نے جان بوجھ کر جانے سے انکار کیا تھا، مقصد ماہی کے جذبات پر وار تھا مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ماہی کے تمام احساسات و جذبات اس نے شادی کی پہلی رات ہی اپنی سفاکیت سے کچل ڈالے تھے۔ اب شاید وہ مراد سے متعلق کوئی خاص جذبہ دل میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی ارمان نہیں تھا۔''

''کمال ہے، خود سے زیادہ چاہا ہے تم نے مجھے، پھر بھی نہیں تھا؟ تعجب ہے من چاہے شوہر کے ساتھ بھی تمہارے ارمان سوئے ہوئے ہیں۔'' ماہی کے منہ سے اگلوائے جملے کو ذہن میں رکھے وہ طنز سے باز نہ آیا۔ وہ لب بھینچے باہر دیکھنے لگی۔ اس لمحے مراد سے اعترافِ محبت اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت لگی۔

''دل تو تمہارا بہت چاہتا ہوگا کہ سب کے سامنے چیخ چیخ کر مجھے برا بھلا کہو، اپنی بے چارگی ظاہر کرو۔'' وہ پھر سے بولا تھا۔

''یہ آپ کی غلط فہمی ہے، میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔''

''کب تک ڈیئر! آخر کب تک؟'' وہ لطف اندوز ہوا۔

''جب تک ہو سکا۔''

''چلو دیکھتے ہیں تمہاری برداشت کی حد کہاں تک ہے۔'' وہ چیلنج پر اتر آیا۔

''برداشت کی حد جہاں تک بھی ہوئی مگر ایک بات تو طے ہے، اپنے عمل کو زبان آپ خود دیں گے۔'' ماہی بنا کسی سوچ یا مستحکم ارادے کے برجستہ بولی۔

''پاگل سمجھا ہے مجھے۔'' وہ تمسخرانہ ہنسا۔

''نہ میں اپنے ماں باپ کو اپنی وجہ سے کوئی دکھ دوں گی نہ آپ کی وجہ سے اپنے بھائی کو ان کی نظروں میں گرنے دوں گی۔ وقار بھائی میرے لیے ہر صورت قابلِ محترم ہیں۔'' ماہی نے اسے چڑانے اور غصہ دلانے کے لئے مضبوط آواز میں وقار کا ذکر کیا۔

''ایک بات بتا دوں میں تمہیں، میرا بیر بہت برا ہے، جس شخص سے مجھے نفرت ہو اس کے ساتھ میں اس سے جڑے رشتوں کو بھی نہیں بخشتا۔'' مراد نے جواباً ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے ڈرانا چاہا۔

''اب مجھے پرواہ نہیں۔'' ماہی کا لہجہ آج مضبوط تھا۔ نڈر آواز میں بولتی بے خوف انداز میں کندھے اچکائے۔ گاڑی سست روی

سے مین روڈ پر دوڑ رہی تھی۔

''تمہیں پرواہ ہونی چاہیے، تم وقار کی بہن ہو۔'' وہ تلخ ہوا۔

''اس میں میرا کوئی قصور ہے نہ میں اپنے بھائی کو قصوروار سمجھتی ہوں، مجھے تقدیر کے لکھے پر انسان کے فیصلے سے زیادہ یقین ہے، انسان بدلہ لے سکتا ہے لیکن تقدیر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

''بولتی اچھا ہو تم مگر بے کار، مجھے ایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ یہ دنیا مکافاتِ عمل کے گرد گھومتی ہے، جو جس کے ساتھ جیسا کرے گا ویسا ہی تمام عمر کاٹے گا، مجھ میں اور تمہارے بھائی میں کوئی فرق نہیں ہاں البتہ اس نے بویا تھوڑا تھا مگر اب کاٹے گا زیادہ۔'' مراد کے لہجے میں لچک نام کو نہ تھی۔ اب کے مہ روش وقار کے مسلسل ذکر سے بیزار ہوئی۔

''آپ اپنا کھیل اپنے طریقے سے جاری رکھیں، نہ میں کہیں بھاگی جارہی ہوں نہ ہی میرا بھائی۔ آپ کا انتقام میری بے بسی کو اتنا بے بس نہیں کرے گا کہ میں آپ سے اچھے کی امید کروں، میں کبھی آپ کے سامنے نہیں روؤں گی نہ اپنی وجہ سے کسی کو مجبور کروں گی کہ وہ میرے لیے آپ کے سامنے جھکے۔'' سنجیدگی سے کہتی آخر میں وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی تھی اور پھر بھری بنی باقی تمام راستے لب سیئے خود کو مضبوط ظاہر کرتی رہی البتہ مراد منصور اپنی عادت سے مجبور اسے سنانے میں مصروف رہا۔

☆......☆......☆

اس کا عزم ناکام ہوچکا تھا۔ سوچیں گہرے قفل کے باوجود مسلسل منتشر ہوتی جارہی تھیں اسے بے بس کرنے، علی کی یادیں ہر وقت اس کے تعاقب میں رہتیں۔ اس کے ہر ارادے کو مات دینے کے لئے بےقرار رہتیں اور وہ لاکھ جدوجہد کے باوجود تھک ہارسی جاتی تھی۔

''پلیز۔۔۔!''

فری پیریڈ میں اسکول کے لان کے تنہا گوشے میں بیٹھے اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے گویا علی کے تصور سے استدعا کی تھی جو گزرتے ہر لمحے کے ساتھ اس کے ذہن پر حاوی ہوتا جارہا تھا۔

''کیوں نہیں چھوڑ رہے تم میرا پیچھا۔۔۔ کیوں تنگ کررہے ہو مجھے، میں تمہیں سوچنا نہیں چاہتی۔ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا پھر کیوں مجھے ماضی میں قید کرنا چاہ رہے ہو۔'' اس کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کسی سے اس بارے میں شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ اکیلے اس عجیب ہوتی صورتحال سے نمٹ پارہی تھی۔

''بے شک مجھے تمہیں فریب نہیں دینا چاہیے تھا۔'' اندر ہی اندر وہ اعتراف کرنے لگی مگر یہ اعتراف وہ محض اپنی جان چھڑانے کے لئے کررہی تھی۔ اسے ذہنی سکون چاہیے تھا جو تین ماہ سے نہیں ملا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ تمہارے بے لوث جذبات کو میرے جھوٹے محبت کے ناٹک سے ٹھیس پہنچی ہے مگر میں مجبور تھی۔۔۔ کیسے بتاتی میں تمہیں۔۔۔ میرے بتانے پر تم کبھی اپنے قدم پیچھے نہ لیتے۔ جو ہوا وہ گزر گیا ہے اور گزرا ہوا وقت راہیں جدا کردیتا ہے۔ پھر تم

کیوں میرے تعاقب میں ہو۔ ہماری راہیں شروع سے جدا تھیں۔''

معلوم نہیں مستبشرہ، علی آیان کو سمجھا رہی تھی یا خود کو تسلی دے رہی تھی البتہ محوِ حیرت تھی کہ اس کے تصور کا ہر فیصلہ دماغ سے قبولیت کی سند لیتا دل کی طرف سے رَد کیوں کیا جا رہا تھا۔ کیا اس کا دل دماغ سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے مسلسل اس کی ناکامی کی وجہ بن رہی تھی یا شاید اس کا دل، دماغ سے بدلہ لے رہا تھا۔

وہ عجب صورتحال میں پھنسی دل دماغ کے چکر میں نئے سرے سے گھن چکر بنی۔ ایک مرتبہ پھر بہت سے سوال، اس سے جواب کے منتظر تھے۔ دماغ کے الجھاؤ کے باوجود کیوں اس کا دل شانت تھا۔۔۔؟

کیا اس کا دل دماغ کی بے سکونی پر شاد، علی کی یادوں کی روانی پر مطمئن ہو کر بے خبر رہنا چاہتا تھا۔۔۔؟

کیا اس کا دل اس لیے دماغ کی بھرپور نفی میں سرگرداں تھا کہ علی کو فریب دے کر محبت کی راہوں سے پیچھے ہٹانے کے فیصلے پر اسے نظر انداز کر کے محض دماغ کی رائے مانی گئی تھی۔

اور اب دل، دماغ کے اسی فیصلے کے غلط ثابت کرنے پر مصر تھا۔

''اگر تھا تو کیوں تھا۔۔۔؟''

''یوں تو وہ خود بے قرار رہ سکتا ہے؟''

مستبشرہ جمال نے کوئی تسکین بخش جواب نہ پایا تو خود پر بپھر گئی۔

''کیا ہوتا جا رہا ہے مجھے؟'' نا سمجھی میں بے بس ہوتی وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے غیر مرئی نقطے کی طرف دیکھنے لگی جبھی ایک جملہ سماعتوں سے دھماکا سن کر ٹکرایا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ کان میں ابھرتی آواز اس کی دوست مہ روش کی تھی۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ کل تمہیں اپنے دماغ کے اس فیصلے کی وجہ سے اپنے دل کے لئے پچھتانا پڑے۔'' ماہی کے تب کے دوستانہ لہجے میں کہی بات نے مستبشرہ کو اس لمحے بری طرح جھنجھوڑ کر سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر شاید کچھ دیر پہلے ذہن میں ابھرتے دل دماغ کے اختلافات میں پھنسے سوالات کے جواب جاننے کی راہ دکھا کر اسے حواس باختہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ بھنویں سکیڑ کر نفی میں سر ہلاتی وہ بے یقین تھی۔

''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ ماننے سے انکاری ہوئی۔

اگر یہ انکشاف تھا تو اس کے لئے بہت برا اور نا قابل ستائش تھا، اگر یہ سچ تھا تو اس کی ہار تھی۔ اس کی تمام تر جدوجہد کی ناکامی تھی، فسانے کی حقیقت تھی تو پھر مستبشرہ جمال کی بے یقینی لازم تھی۔ اپنے ہی کھیل میں بازی خود پر الٹتے وہ برداشت کیسے کرتی۔۔۔ محبت اس کے دل کا روگ نہ تھی پھر اعترافِ محبت کیسے کرتی۔

''نہیں۔۔۔ میرے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا، یہ سنگین مذاق میری توہین نہیں کر سکتا، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، میں پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں

میں سے نہیں ہوں۔ میں نے بابا جان کا اعتبار ملتان واپسی تک نہیں ساری عمر خود پر سلامت رکھنا ہے۔۔علی میری زندگی میں کسی صورت تمہاری گنجائش نہیں نکلتی۔" بینچ سے اٹھ کر وہ باقاعدہ نفی میں سوچتی چھوٹے چھوٹے چکر کاٹتی اپنے اندر لچک لانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر ایسے میں شاید بہت سی چیزیں اور باتیں اس کے خلاف اس کی راہ فرار میں روڑے اٹکانے کے لئے مسلسل تگ ودو کر رہی تھیں۔

"میری یادیں تمہارا سکون تباہ کر دیں گی۔" یہ علی کا جملہ تھا۔اس کی کرب میں بھیگی آواز مستبشرہ کو اپنے بے حد قریب سنائی دی۔

کیا واقعی۔۔۔علی کا کہا سچ ہو رہا تھا۔مستبشرہ اپنا سکون کھوئے جا رہی تھی مگر اسے تو علی سے نہ تب لگاؤ تھا نہ اب۔ پھر اس بے سکونی کی وجہ۔۔۔پچھتاوا تھا۔۔۔مگر نہیں۔۔۔اسے اب بھی اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔وہ اپنے حق بجانب ہونے پر اب بھی قائم محض چھٹکارے کی خواہاں تھی،تو پھر یہ سب کیا ہو رہا تھا؟اس کی بے قراری کیوں بڑھتی جا رہی تھی،کیوں اس کا دماغ سوچوں پر مضبوط قفل ڈالنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"کہیں اس سب کی وجہ اس کا دل تو نہ تھا؟"

جہاں بناء اسے خبر ہوئے کچھ نہ کچھ بدلتا جا رہا تھا،کیا اس کے جذبات دھیرے دھیرے اس سے بغاوت پر آمادہ ہوتے جا رہے تھے،کیا اس کے احساسات علی کا خط پڑھنے کے بعد کچھ بہت خاص محسوس کرنے لگے تھے؟

"نہیں۔۔۔!" مستبشرہ نے دل ہی دل میں چیختے ہوئے کھلے بالوں کو جوڑے کی شکل دی۔اب کے اسے دماغ کی ہر بات پر سوچ، ہر فیصلہ میلوں دور ہوتے دکھائی دیئے۔دھیان تھا تو صرف دل کی طرف مائل، جبھی متحیر سی چکرا کر گرنے کو ہوئی مگر اس سے پہلے کہ وہ کسی حتمی نقطے کو صحیح یا غلط قرار دیتی پیریڈ اوور ہونے پر بجتی زوردار گھنٹی اسے باہر کی دنیا میں واپس لائی۔اسے اپنا سر بھاری ہوتا محسوس ہوا۔ پیریڈ لینے کو ذرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔کچھ ہی پل میں قریب سے ارم کا گزرنا ہوا تو مجبوراً اسے آواز دی۔

"ارم!" آواز پر وہ مڑی اور اس کے قریب چلی آئی۔

"تم فری ہو ابھی؟" مستبشرہ نے سوالیہ پوچھا۔

"ہاں کیوں؟" وہ بولی اور اسے دیکھتے ہوئے مزید اضافہ کیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، کیا ہوا ہے؟" ارم نے اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ مسلسل سوچنے سے مستبشرہ کا چہرہ واقعی الجھن آمیز تاثر دے رہا تھا۔

"سر میں بہت درد ہے اسی لئے تمہیں بلایا کہ پلیز اگر تم فری ہو تو میری کلاس لے لو۔" اس نے کہا۔

"کیوں نہیں ضرور۔۔۔تم یہاں بیٹھو میں جاتے ہوئے بوا سے کہتی جاؤں گی کہ تمہارے لئے چائے لے آئیں اور باقی پیریڈز کی بھی فکر مت کرنا، میں یا ماریہ جو بھی فری ہوئی تمہارا پیریڈ لے لے گی۔" ارم نے خالص دوستانہ انداز میں کہا تو مستبشرہ تشکر سے مسکرائی۔

"تھینک یو سو مچ۔۔۔!"

جواباً ارم نے ایک پیاری سی اسمائل اس کی طرف پاس کی اور چلی گئی۔ مستبشرہ نے اس کے جانے کے بعد ریلیکس ہو کر بیٹھنا چاہا مگر پُرسوچ انداز میں۔

''مجھے کسی کی نظروں میں نہیں آنا، اماں تو مجھے یوں گم صم پریشان دیکھ کر ضرور مجھ سے وجہ پوچھیں گی، میں انہیں پھر کیسے قائل کروں گی، انہیں تو ویسے بھی میری صحت کی فکر رہتی ہے، میری ٹیچنگ میری ڈسٹربنس کی وجہ لگے گی اور میں نہیں چاہتی کہ وہ پریشان ہوں، مجھے کمزور نہیں پڑنا۔ اماں اور بابا کی نظروں میں علی کے ہاتھوں مشکوک نہیں بن سکتی میں، نہ علی کو خود پر حاوی رکھ کر اپنی زندگی کا سکون داؤ پر لگا سکتی ہوں، محض علی کی یاد مجھے دل سے نکالنی ہے، پھر میں اسے سوچوں گی بھی نہیں۔'' ایک اور عزم خود سے کرتی وہ شانت ہونے کی سعی کرنے لگی مگر شاید۔۔۔ نہیں بلکہ یقیناً علی کی یاد دل سے نکالنے کا عزم اس کے لئے نہایت مضبوط مگر دراصل بہت کمزور تھا، اس کے شعور پر مکمل طور پر واضح ہونے سے قبل علی کی یادیں اس کے دل میں بسیرا کر چکی تھیں جن سے چھٹکارا اب اس کے بس کی بات نہ تھی۔

پُرفریب محبت کا ناٹک تین ماہ بعد پرسحر انداز میں چھانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''اب تک کتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے؟'' مہ روش کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے بغور اسے دیکھا، ساتھ ہی سوال داغا، کلثوم بیگم محلے میں کسی کی عیادت کو گئی ہوئی تھیں۔ مراد لان میں بیٹھا تھا اور اب چائے کا سپ لیتے ہوئے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، ماہی نے کچھ پل کو اسی کے انداز میں اسے دیکھا، فرار کا کوئی ارادہ اب وہ نہیں رکھتی تھی ہاں جواب دے کر مراد منصور کے کھیل میں برابر ساتھ ضرور دے رہی تھی۔

''جتنی آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔''

''یعنی دیوانگی کی حد تک۔۔۔'' وہ محظوظ ہوتا ہنسا۔

''آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے؟'' جبھی وہ بولی۔

''تم سے شادی کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ انتہا کی محبت کر کے۔'' غیر سنجیدہ انداز میں سوال مراد کے استفہامیہ لہجے سے ملاپ کرتا ماہی سے پوچھا گیا۔

''اپنی اعلیٰ ظرفی پر پردہ ڈال کر۔'' تیسرے ہفتے وہ سنبھل چکی تھی تحمل سے معنی خیز انداز اپنایا۔

''مطلب۔۔۔؟'' مراد نے چائے کا سپ لیتے ہوئے سوالیہ اسے دیکھا۔

''چار دیواری میں وار آپ کے غصے کو کم کر سکتا ہے نہ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیابی دلا سکتا ہے۔'' وہ دوٹوک بولی۔

''تم نے کیا مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے جو میں خود کو سب کی نظروں میں برا بناؤں گا۔'' وہ کپ ٹیبل پر رکھتا اس کے برابر آیا۔

''دکھ والم کی مورت میں بھی نہیں بنوں گی۔'' وہ اب کمزور بالکل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

''تم شاید ابھی تک مجھے ٹھیک سے جان نہیں سکی کہ میں کتنا خراب بندہ ہوں۔'' بڑھتی جرح کے ساتھ مراد کا لہجہ اپنے اندر سختی لے آیا تھا۔

''جان کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' ماہی نے اگنور کیا۔

''اب تک میں ایک حد کے اندر تم سے برتاؤ کر رہا ہوں، تمہارا چیلنجنگ انداز تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے سو احتیاط برتو ورنہ ایک ایک لمحہ تنگ گزرے گا تمہاری سانسوں پر۔'' وہ مقابل کو سننے کی اتنی ہی سکت رکھتا تھا، شہادت کی انگلی اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتا اسے تنبیہ کرنے لگا۔

''ایک مرتبہ اعتبار و محبت کر کے نقصان اٹھا لیا ہے۔ اب زندگی کی حقیقت اور کتنی بربادی لا سکتی ہے میں اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی۔'' وہ چپ نہ ہوئی۔

مراد کے ہاتھوں محبت کے نام پر دھوکا کھانے کے بعد وہ دل تو سنبھال نہیں سکی تھی۔ محبت، محبوب کی محبت کے نام پر دھڑکتا دل ایک زوردار چھناکے سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بھی صبر کرتی اپنے ہی لئے بے حس بنی۔ ٹوٹے دل کی کرچیاں سمیٹیں نہ کھل کر روئی۔ ابھی تک باقاعدہ پلان اگرچہ اس نے نہیں بنایا تھا مگر سوچ لیا تھا کہ اب مراد کے سامنے کمزور نہیں پڑے گی۔

''میرے سامنے اکڑنے کی غلطی کبھی مت کرنا ماہی!'' مراد کو اگرچہ اس کی بات طیش دلا چکی تھی مگر وہ کنٹرول کر گیا۔

مہ روش اب کے بناء کچھ بولے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ فی الحال وہ کسی سوچ پر عمل کی پکڑ کو نہیں لے سکی تھی۔ مراد کے سامنے اسے عجب کوفت ہوتی، صبح وہ آفس جاتا تو کچھ ریلیکس فیل کرتی، شام کو وہ واپس آتا تو اسی کے کہنے پر اسے چائے بنا کر دیتی پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کی تگ و دو کرتی، کبھی پھپھو کے ساتھ باتوں میں لگتی تو کبھی بہانے سے کچن میں ان کے ساتھ کھڑی ہو جاتی۔ ڈنر کے بعد ٹی وی لگا کر بیٹھ جاتی مگر رات کے وقت فرار کے تمام راستے اس کے لئے مفقود ہو جاتے، مراد روزِ اول کی طرح اس سے برتاؤ کرتا۔ ماہی اس کے لمس سے گھبراہٹ محسوس کرتی مگر مراد اپنا حق بڑی شان سے وصول کرتا، ساتھ کئی طعنے، طنزاً سے سناتا، ماہی کے لئے اس کی قربت سے جان چھڑانا تو ناممکن تھا مگر ایک دو دفعہ کی برداشت کے بعد وہ برابر اس سے اسی کے انداز میں گفتگو کرتی، ہر رات کا ایک ایک منٹ گزارنا اسے بھاری لگتا۔

شادی سے پہلے کے دیکھے خواب سپنے، مراد کی قربت کا خوشگوار تصور، پیار محبت کی باتیں سوچتی تو انجانی اذیت کا شکار ہوتی۔

''کتنی بے وقوف تھی میں۔۔۔ کیوں با آسانی دھوکا کھا گئی۔'' اپنی ہی سوچوں کے محور میں وہ پھنستی تو بے چارگی سے سوچ کر رہ جاتی۔ مراد کا شاطر دماغ نہ پڑھ سکنے کا اسے بے حد افسوس تھا۔ شادی کو ایک مہینہ ہونے کو تھا اس دوران کمرے سے باہر ماں کے سامنے وہ اسے بے حد محبت سے بلاتا، یوں ظاہر کرتا جیسے ماہی کو دیکھے بناء ہر لمحہ اس کا بے تاب گزرتا ہو، بیٹے کا انداز اور مہ روش کے لئے پیار دیکھ کر کلثوم بیگم نہال سی ہو جاتیں۔

''شکر ہے اب یہ بھی زیادہ تر خوش رہتا ہے، اللہ تم دونوں کو یونہی شاد و آباد رکھے، مراد کے غصے کو کم کرے، تم دونوں سدا خوش رہو مجھے اور کیا چاہئے۔'' جس کا اظہار وہ مہ روش کے سامنے کرتیں تو وہ ان کے سامنے مسکرا دیتی۔

دن ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ مہ روش نے ایک دو دفعہ امی کی طرف رہنے کی بات مراد سے کلثوم بیگم کے سامنے کی مگر وہ اپنے ہی انداز میں اسے روک گیا۔

''کچھ دن رک جاؤ، ابھی مہمان بھی آ جا رہے ہیں اور بائیس سال ماموں کے یہاں گزارنے ہیں تم نے، یہاں ایک مہینہ ہوا ہے ابھی، ہمیں بھی اپنی خدمت کا موقع دو، کیوں امی؟'' انداز ہلکا پھلکا، لہجہ مسکراتا تھا۔

''کچھ دن بعد چلی جانا، میں اتنا ظالم تو نہیں کہ تمہیں روکوں گا۔'' بات جاری رکھتے ہوئے بولا، ماہی اس کی دوغلی، جھوٹی باتوں اور محبت بھرے انداز پر دل ہی دل میں سوچ کر رہ جاتی۔

''کاش۔۔۔ میں ابھی کے ابھی آپ کے چہرے سے اچھائی و محبت کا نقاب اتار سکوں، آپ کا اصلی روپ کم از کم پھپھو کے سامنے لا سکوں۔''

''ہاں بیٹا! کچھ دن بعد چلی جانا، اب ہمیں بھی تمہاری عادت سی ہو گئی ہے۔'' پھپھو نے بھی بیٹے کی بات پر یہی کہنا مناسب سمجھا۔

''پھپھو! جیسے آپ چاہیں۔'' وہ اتنا ہی بولی۔

چار پانچ دن گزرے تو پریشے کی کال آئی۔

''کیسی ہو پریشے بیٹا؟''

''میں ٹھیک ہوں پھپھو! آپ کیسی ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے بیٹا، ٹھیک ہوں، سعید بھائی کیسے ہیں؟''

''ابو بھی ٹھیک ہیں پھپھو، ماہی کو کچھ دنوں کے لئے بھیجیں ناں۔ سب اسے بہت یاد کرتے ہیں اور پکچرز بھی Develop ہو کر آ گئی ہیں، میں نے اسے بتایا بھی تھا کہ آ کر دیکھے۔'' وہ فوراً ہی اصل مدعا کی طرف آئی تھی۔

''کیوں نہیں بیٹا! میں مراد سے کہوں گی وہ ماہی کو تمہاری طرف کچھ دنوں کے لئے چھوڑ آئے گا۔'' انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

''تھینک یو سو مچ پھپھو۔'' وہ خوشی سے گنگنائی۔

''مہ روش کہاں ہے اس وقت، اس سے بات ہو سکتی ہے؟''

''میں ابھی اسی کی طرف سے آ رہی ہوں، اس کے سر میں درد تھا ابھی ٹیبلٹ وغیرہ دی ہے اسے، آرام کر رہی ہے، کہو تو اسے بلا لاتی ہوں۔'' انہوں نے بتایا۔

''نہیں پھپھو! رہنے دیں، ویسے بھی اب آئے گی تو پھر کر لوں گی اس سے ڈھیر ساری باتیں۔'' اس نے منع کیا۔

''چلوٹھیک ہے۔'' وہ ہنسیں۔

''اچھا پھپھو! اب میں فون رکھتی ہوں اللہ حافظ۔'' پریشے نے نفیسہ بیگم کے بلانے پر اجازت چاہی۔

''اللہ حافظ بیٹا۔'' الوداعی کلمات کے بعد انہوں نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھا۔ شام کو جب مراد گھر آیا تو انہوں نے پہلا کام یہی کیا کہ اسے ماہی کو لے جانے کے لیے کہا۔

''ٹھیک ہے میں اسے لے جاؤں گا مگر وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے، کل صبح میں آفس جاتے ہوئے اسے ڈراپ کردوں گا اور واپسی پر لے آؤں گا۔'' حامی بھرنے کے علاوہ کچھ دن ماہی کے وہاں قیام کا سن کر ساتھ ہی وہ بولا۔

''بات ضرورت کی نہیں ہوتی، ماں باپ کے گھر بیٹیاں جاتی ہیں رہنے، ابھی ادینہ بھی تو یہاں رہ کر گئی تھی اور مہ روش کی شادی کو صرف ایک ڈیڑھ مہینہ ہی ہوا ہے، اتنی جلدی میکے کی یاد پیچھا نہیں چھوڑتی، اس کا دل بھی چاہتا ہوگا۔ بے چاری پہلے بھی تمہارے کہنے اور روکنے پر رک گئی تھی، کچھ بولی بھی نہیں، اب جائے گی اور دو تین دن رہ کر واپس آجائے گی۔'' انہوں نے کہا۔

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''کچھ دیر بعد اسے لے جانا، میں نے اسے تیار ہونے کو کہہ دیا ہے۔'' وہ اسے ہدایت دینے لگیں۔

''اوکے۔'' وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھا، مہ روش تیار تھی، اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آخر موقع مل رہا ہے تمہیں، خوب۔۔۔ سب اپنی زبانی کہہ سنانا میری طرف سے مکمل اجازت ہوگی۔'' وہ پہلا قدم اندر رکھنے کے ساتھ ہی بولا۔

''میں باہر جا رہی ہوں آپ ڈریس چینج کرلیں، دیر ہو رہی ہے، پریشے کا بار بار فون آرہا ہے۔'' ماہی نے سنی آن سنی کرنے کی کوشش میں آہستگی سے کہا اور جانے لگی تھی فی الحال وہ مراد سے ہرگز نہیں الجھنا چاہ رہی تھی۔

''آں ہاں۔۔۔'' مراد نے فوراً سے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے قریب کرلیا۔ مہ روش نے اچانک افتاد پر سنبھلنے کی سعی میں نگاہ جھکائے اس کی قربت میں بنا حرکت کے ہونٹ کاٹے۔

''تمہیں اتنی چاہ سے اس لیے بیاہ کر لایا تھا کہ تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹوں مگر تم تو فرار کے چکر میں رہتی ہو، اتنی بیزاریت سے کیوں ڈیئر وائف۔۔۔ یونو آئی لو یو اینڈ آئی کانٹ لیو واؤٹ یو۔'' مراد نے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے کہا، ارادہ محض اسے تپانے کا تھا۔

''پلیز۔۔۔'' وہ واقعی الجھے انداز میں ایسا تاثر دے کر مراد سے دور ہٹی کہ وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

''حد ہوتی ہے جھوٹ فریب کی، مت کریں مجھ سے ایسی باتیں۔'' وہ مزید بھڑکی۔

''تم سے نہ کروں تو اور کس سے کروں ڈیئر۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''اپنی اس ناکام محبت سے کریں جو کم از کم آپ کے معیارِ محبت پر پوری اترے، میں آپ کے گھٹیا جذبات اور عروش کا مقابلہ کھلی

بے شرمی سے نہیں کرسکتی، ہاں البتہ عروش نے آپ کو آپ کے ہی انداز میں جواب دے کر آپ کی محبت کا حق دار ہونے کا پورا ثبوت دیا ہے تو پھر آپ اپنے تمام جذبے اسی کے لئے بچا کر رکھیں۔ کسی دن اس کے بھی اور آپ کے بھی کام آ جائیں گے۔'' وہ بولی تو بڑے دھڑلے اور بے خوف انداز میں تھی مگر اگلے ہی لمحے گال پر پڑنے والے زوردار تھپڑ نے اس کے قدموں کو جگہ سے ہلایا تھا، گرنے سے بچنے کے لیے دیوار کا سہارا لیتی وہ بے یقین بالکل بھی نہ تھی البتہ چہرے پر سرکتے بالوں کی اوٹ میں اس کی آنکھیں نمی سی تر ہونا چاہتی تھیں مگر بڑی دقتوں سے اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔

''شٹ اپ۔۔۔ جسٹ شٹ اپ۔۔۔'' بے حد غصہ ہوتا وہ دبی آواز میں بپھر کر دھاڑا تھا، آج ماہی کی باتوں نے اس کا ایک اور سفاک روپ اس کے سامنے لایا تھا، ماہی کا انداز اس کی برداشت سے باہر نکل گیا تھا۔

''تمہیں میں نے کہا تھا کہ میرے سامنے اس انداز میں اور عروش کے متعلق کچھ غلط مت بولنا، میں برداشت نہیں کرسکوں گا۔'' وہ ماہی کو یاد دلانے کی کوشش میں کھینچ کر اپنے سامنے لایا، ماہی کو فوراً خود کو سنبھالنا پڑا۔

❁ ❁

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھ سکیں گے۔

حسن گیلانی سے بات کے بعد وہ مطمئن ہوا تھا، انہوں نے امید دلائی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ ساجدہ گیلانی کو راضی کر لیں گے سو ریلیکس سا عمر کے ساتھ ضروری شاپنگ کرنے مارکیٹ کی طرف گیا تھا۔

اتوار کا دن تھا، حسن گیلانی بھی گھر میں ہی تھے اور بیگم سے بیٹے کے متعلق بات کرنے کا سوچ رہے تھے مگر ان کے سوچنے میں ہی ساجدہ گیلانی متفکر سی ان کے سامنے بیٹھتے ناراضی سے بولی تھیں۔

''سمجھائیں آپ علی کو۔۔۔کیوں میر ممتا کا امتحان لینا چاہ رہا ہے۔''

''ہوا کیا ہے؟''

''اب نیا شوشہ لے کر بیٹھا ہے ملک سے باہر جانا چاہتا ہے۔'' وہ علی پر غصہ تھیں، ان کی بات نے حسن گیلانی کو اصل مدعے کی طرف آنے کے لئے ہموار راہ دی تو فوراً بولے۔

''بعض اوقات والدین خصوصاً ماں کو اپنی ممتا سے بڑھ کر اپنے بچوں کا سکون عزیز ہوتا ہے، اولاد کی خوشی اور سکون ہی والدین کی خواہش ہوتی ہے اور ساجدہ یہ سچ ہے کہ علی کے لئے تمہاری ممتا، تمہارا پیار انمول ہے مگر ان سب سے الگ تمہیں کم از کم اس وقت ایسی صورتحال میں اپنی ممتا کو کچھ عرصے کے لئے قربان کرنا چاہیئے۔''

''حسن! آپ کیا کہہ رہے ہیں میں سمجھی نہیں۔'' وہ نا سمجھی کے سے انداز میں بولیں۔

''میں تمہاری فکر سے واقف ہوں ساجدہ! لیکن علی کا فیصلہ بھی شاید غلط نہیں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولے۔

''اوہ۔۔۔تو علی نے آپ کو سفارشی بنا کر بھیجا ہے۔'' وہ ناراض ہوئیں۔

''نہیں۔۔۔'' انہوں نے فی الفورنفی میں سر ہلایا کہ مبادا بات شروع ہونے اور انہیں قائل کرنے سے پہلے ہی ختم نہ ہو جائے، ساتھ ہی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے مزید بولے کہ بیگم صاحبہ کو بیٹے پر غصہ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

''بس اس نے مجھ سے اپنا مسئلہ شیئر کیا تھا۔''

''ایک مرتبہ میں اسے منع کر چکی ہوں حسن! اور اب بھی میرا وہی جواب ہے۔ میں اسے خود سے دور نہیں بھیج سکتی۔'' وہ دوٹوک قطعیت سے بولیں۔

''جن حالات سے وہ گزر رہے، جتنا نارسائی کے دکھ کو اس نے خود پر حاوی کیا ہے اس سے وہ مینٹلی سیٹ نہیں ہو پا رہا یہاں، نہ قلبی سکون اسے یہاں مل سکتا ہے، ہمیں اسے ایک موقع ضرور دینا چاہیئے، کیا پتہ بہت جلد وہ اپنی کوشش میں سرخرو ہو اور بالکل فریش پہلے جیسا بن کر لوٹ آئے۔'' انہوں نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ مجھے بہلا رہے ہیں حسن! یا علی کے دھوکے میں آ رہے ہیں۔ علی کا فیصلہ سراسر غلط ہے، فریب ہی سمجھیں آپ، اگر اسے

سنبھلتا ہوتا تو اب تک سنبھل چکا ہوتا، ایک معمولی سی لڑکی کے لئے جتنا اس نے خود کو روگ لگایا ہے، جتنا تڑپا ہے ایسے میں کوئی پاگل ہی ہوگا جو اس کے فیصلے کو سراہے گا، یہاں ہمارے ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو آگ میں جلاتا رہا، وہاں ہم سے دور غیروں، اجنبیوں میں مستبشرہ کو سوچ کر پاگل ہو جائے گا، سچ کہوں تو حسن وہ مستبشرہ کو بھولنا ہی نہیں چاہتا، ٹھوکر کھا کر گرنے کا یہ مطلب تو ہرگز بھی نہیں کہ وہ دوبارہ اٹھنا اور آگے بڑھنا ہی بھول جاؤ۔'' وہ سمجھنے کے موڈ میں ہی نہ تھیں۔

''اس فیصلے سے وہ اٹھ کر آگے ہی بڑھنا چاہتا ہے۔'' وہ اتنا ہی بولے۔

''اپنوں کی اسے فکر نہیں غیروں میں کیسے آگے بڑھ سکتا ہے وہ۔'' ساجدہ گیلانی تلخ وطنزیہ ہوئیں، علی کا فیصلہ انہیں ہرگز منظور نہ تھا نہ وہ اسے خود سے دور بھیجنا چاہتی تھیں نہ انہیں توقع تھی کہ علی خود کو خود ساختہ روگ سے نکالنے کی کوشش کر سکتا ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ علی نے مستبشرہ جمال سے جنون کی حد تک محبت کی تھی اور جس کی سزا وہ یہ بھگت رہا تھا مگر اس کے خیال سے پیچھا نہیں چھڑا پایا تھا۔

''غیروں میں نہیں وہ اپنوں میں ہی رہے گا، میں نے اسے اٹلی جانے کا مشورہ دیا ہے۔'' حسن گیلانی نے بتایا۔

''تو آپ اس کے فیصلے میں برابر کے شریک ہیں۔'' ساجدہ گیلانی نے خفیف انداز میں انہیں دیکھا۔

''شاید۔۔۔لیکن اس شراکت میں، میں نے تمہاری پرانی خواہش کو سرفہرست رکھتے ہوئے علی کو یقین دہانی کروائی ہے کہ تم اسے اجازت دے دو گی لیکن فی الحال میں نے اسے تمہاری خواہش کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔'' جبھی وہ سہولت سے فوراً بولے۔ شاید کہ اپنی خواہش کے پھر سے جاگنے پر وہ مان سکتی ہیں۔

''کون سی پرانی خواہش؟'' وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے ان سے استفسار کرنے لگیں۔

''جب تک علی نے مستبشرہ کا ذکر تم سے نہیں کیا تھا اس سے پہلے تم نے مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تم افریشم کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہو۔'' انہوں نے بیوی کو یاد دلایا۔

''ہاں تو پھر۔۔۔؟'' یاد آنے پر وہ پوچھنے لگیں۔

''پھر یہ کہ اب مستبشرہ، علی کی زندگی سے چلی گئی ہے، تم اپنی خواہش پوری کرنا چاہو تو یہ نادر موقع ہے۔'' انہوں نے تیر نشانے پر پھینکا۔

''مطلب؟'' وہ دھیمی پڑیں، حقیقتاً ان کی یہ خواہش اس وقت حسرت بن کر رہ گئی تھی جب علی نے ان سے مستبشرہ جمال کا ذکر کیا تھا، تب وہ بیٹے کی خوشی کے لئے مان گئی تھیں مگر اب پھر سے ان کی حسرت خواہش میں یکدم ڈھلی تھی۔

''اٹلی میں علی جتنا بھی وقت گزارے گا، افریشم اس کے ساتھ اگر رہی تو نہ صرف وہ مستبشرہ کو بھول جائے گا بلکہ خود سے افریشم سے رشتے کے لئے کہے گا، تم دیکھ لینا۔'' انہوں نے بیگم کو زبردست آس دلائی۔

''کیا ایسا ہو سکتا ہے؟'' پرامید آواز و نظروں سے انہوں نے شوہر کو دیکھا۔

''یقیناً۔۔۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مدھم سا مسکرائے۔

''اگر ایسا نہ ہوا تو؟'' ساجدہ گیلانی نے دوسرا پہلو بھی ساتھ لیا۔

''ایسا ہی ہوگا، تم فکر نہ کرو، تو کیا اب تم علی کو جانے کی اجازت دو گی؟'' حسن گیلانی نے انہیں مطمئن کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں مجبوراً۔۔۔'' اپنی خواہش کے ہاتھوں بالآخر انہیں ماننا ہی پڑا، وہ بولے۔

''سرمد کے دونوں بیٹے بھی ابھی چھوٹے ہیں، علی وہاں کے آفس کو بھی جوائن کرلے گا اور سرمد بتا رہا تھا کہ اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے کے بعد افریشم بھی بزنس جوائن کرے گی یوں دونوں مزید وقت ساتھ گزاریں گے اور عافیہ (بہن) بھی کتنے عرصے سے سب کو آنے کا کہہ رہی تھی، وہ بھی خوش ہو جائے گی۔

''ہاں اور کم از کم خود سے دور بھیج کر مجھے اس کے کھانے پینے کی فکر تو نہیں ہوگی، وہاں سب اس کے اپنے ہوں گے اس کا خیال رکھیں گے۔'' ساجدہ گیلانی نے اپنی بات کی۔ علی کو خود سے دور بھیجنے کے کٹھن فیصلے کے بعد ان کا دل البتہ مطمئن تھا۔

حسن گیلانی بالآخر انہیں راضی کرنے کے بعد بیٹے کا انتظار کرنے لگے، شام کو جب وہ واپس آیا تو ماں کو کچن میں موجود پا کر سیدھا حسن گیلانی سے پوچھنے ان کے کمرے کی طرف بڑھا، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی فائل میں محو تھے۔

''آؤ برخوردار! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔'' وہ علی کو دیکھتے ہی فائل سائیڈ پر رکھ کر سیدھے ہوئے۔

''ڈیڈ! آپ نے بات کی مما سے؟'' اس نے بے صبری سے پوچھا۔

''ہاں کی تھی۔'' وہ اس کے انداز پر مسکرائے۔

''پھر۔۔۔؟''

''تمہاری ماں نے اپنی ممتا کو تمہاری خوشی کے لئے زبردستی سائیڈ پر رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے، تم کچھ عرصے کے لیے اٹلی جا سکتے ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ اپنے ارادے کی تکمیل کرو گے۔'' وہ تفصیل سے بولے۔

''انشاءاللہ ضرور۔'' وہ پرعزم تھا۔

''مگر وہ اتنی جلدی کیسے مان گئیں مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔''

''بس ہے ایک وجہ۔''

''کیسی وجہ؟'' وہ حیران ہوا۔

''کچھ خاص نہیں اور وہ کہتے ہیں ناں کہ آم کھاؤ پیڑ نہ گنو، سو تم بھی تیاری کرو اب جانے کی وجہ تلاش نہ کرو۔'' وہ خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

''اوکے ڈیڈ! جیسے آپ کہیں، اینڈ تھینک یو سو مچ۔'' وہ بھی ان ہی کے انداز میں مسکراتا اٹھا اور ان کے گلے لگ کر تشکر سے کہتا جانے لگا۔

''کہاں چلے؟''

''مما کی طرف۔۔۔جانے تک کا سارا وقت ان کے ساتھ گزاروں گا اب ورنہ ناراض ہوں گی۔''ان کی طبیعت سے واقف وہ بولا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔''حسن گیلانی نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

''مراد بھائی کی نگاہیں پر آپ کا ہی طواف کر رہی تھیں۔''نفیسہ بیگم اور سعید احمد سے ملنے اور باتیں کرنے کے بعد پریشے اس کو تصویریں دکھانے کے لئے کمرے میں لے آئی تھی اور ایک ایک تصویر اس کے سامنے کرتی جہاں اس کی خوبصورتی کی تعریف کر رہی تھی وہیں مراد کی دیوانگی اور محبت سے بھی اسے آگاہ کر رہی تھی۔ مہ روش نے اس کی بات پر اس کے ہاتھ میں پکڑی ان تصویروں کو دیکھا جن میں مراد صرف اسے دیکھتا مسکرا رہا تھا۔

''ہوں۔۔۔اور اسی لیے ایک بھی پکچر ٹھیک نہیں آئی۔''بظاہر وہ شریر سے انداز میں کہتی پریشے کے گھورنے پر مسکرائی تھی مگر دراصل مراد کے ذکر سے اندر تک کڑواہٹ پھیلی تھی۔

''دس از ناٹ گڈ! ایک سے ایک بیسٹ پکچر ہے۔''

''چلو تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔''وہ ہنسی۔

''اچھا یہ دیکھیں اس میں آپ دونوں کا کپل ہنڈرڈ پرسنٹ پرفیکٹ لگ رہا ہے بالکل ایسے جیسے اللہ نے صرف ایک دوسرے کے لئے بنایا ہو آپ کو۔۔۔اور ساری خوشی، محبت آپ پر نچھاور کر دی ہو۔''پریشے نے ایک اور تصویر اس کے سامنے کی جس میں وہ اور مراد بالکل ساتھ بیٹھے زندگی سے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اردگرد سے بے نیاز لگ رہے تھے، ماہی نے پریشے کے ہاتھ سے تصویر لے کر آنکھوں کے سامنے کی، پریشے باقی تصویروں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مراد۔۔۔مراد۔۔۔مراد۔۔۔!''اس کا دل پھٹ کر چیخا تھا، اس شخص نے تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک نوچ کر کھرچ ڈالی تھی مگر شومئی قسمت پھر بھی اب اسے آگے ہر لمحے اپنے نام کے ساتھ اسی شخص کا نام سننا اور لینا تھا اور اس قدر بے بس ہو کر لینا تھا جیسے سانسوں کی روانی اس نام کے بغیر ممکن نہ ہو۔

''کہاں کھو گئیں جناب۔''پریشے نے اسے بری طرح محو پا کر ہوش کی دنیا میں واپس لانا چاہا، وہ پریشے کے لئے سنبھل کر مسکرائی۔

''کہیں نہیں۔۔۔بس۔''

''بس یہاں آئے چند گھنٹے ہوئے اور مراد بھائی کی یاد آپ کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں۔''وہ ماہی کی بات اچک کر سوالیہ کلکھلاتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مراد کی یاد محض یاد نہیں بلکہ بھیانک یاد ہے جو شاید ہی میرا پیچھا چھوڑے۔'' جواباً وہ برجستہ دل میں بولی۔

''کیوں ایسا ہی ہے ناں؟'' پریشے مکمل اس کی طرف متوجہ تھی۔

''نہیں ایسا بھی نہیں ہے اب۔'' ماہی نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا، وہ کسی کو بھی اپنے متعلق غلط فہمی کی اصلیت خود اپنی زبانی بتانا نہیں چاہتی تھی نہ کوئی بھی ایسا تاثر غلط بھول کر انہیں دینا چاہتی تھی جس سے شک کی کوئی گنجائش نکلتی۔

''اب آپ بن رہی ہیں، مراد بھائی کو پتہ چلے گا تو ناراض ہوں گے، ان کی محبت کی قدر کریں گی تو ان کی محبت میں برکت ہوگی، کچھ سمجھ آیا؟'' پریشے نے بڑی بوڑھیوں کے سے انداز میں کہا۔

''جی آ گیا سمجھ...... پر کیا ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟'' ماہی نے بچوں کے سے انداز میں کہتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کی، کم از کم وہ یہاں مراد کے ذکر سے آزاد رہنا چاہتی تھی۔

''ضرور کر سکتے ہیں۔''

''تو پھر کریں ناں۔''

''ہاں بالکل۔'' پریشے ہنسی اور تصویریں سمیٹ کر نئے سرے سے باتوں میں مصروف ہوئی، کچھ دیر بعد پریشے کام سے اٹھ کر گئی تو وہ بھی اٹھ کر باہر لان میں نکل آئی، جبھی ہارن کی آواز پر چوکیدار نے مین گیٹ کھولا اور وقار کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وقار فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلا۔ اس نے قدم اندر کی جانب حسب معمول بڑھانے چاہے مگر اس سے پہلے اس کی نظر مہ روش پر پڑی جو اسی کی طرف متوجہ تھی تو اندر جانے کے بجائے خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

''السلام علیکم وقار بھائی۔''

''وعلیکم السلام! کیسی ہو ماہی۔'' وقار نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے رسان سے بتایا۔ لب و لہجہ، انداز اس نے نارمل رکھا تھا مگر وقار کو دیکھتے ہی گزرے ڈیڑھ ماہ کا تمام عرصہ، مراد کے بہروپ کی وجہ، آج آنے سے پہلے پڑنے والا تھپڑ اور آئندہ کی تمام وہ متوقع بے قدری، بے بسی، بربادی کسی فلم کی طرح اس کے دماغ کے پردے پر رونما ہوئی تھیں جن کا ذمے دار یا وجہ وقار سعید کی ذات تھی۔

''کس وقت آئی ہو تم؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ابھی ایک گھنٹہ ہوا ہوگا۔'' اس نے مختصراً کہا۔ وقار سے لمبی گفتگو فی الحال وہ کرنا نہیں چاہ رہی تھی، اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کا لہجہ وقار کے لئے تلخ نہ ہو جائے۔

''کچھ دن رہو گی تو سہی ناں؟'' جبکہ وقار اسے کافی عرصے بعد دیکھ کر خوش ہوا تھا۔

''جی تقریباً ایک ہفتہ۔''

''اوکے، پھپھو کیسی ہیں؟ اور مراد بھی آیا ہے؟'' وہ بہن کی اندرونی و بیرونی کیفیت سے بے خبر اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔

''پھپھو ٹھیک ہیں اور مراد تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے تھے۔'' وہ ہر سوال کا جواب سنجیدگی سے دے رہی تھی۔ خود کو کمپوز کر رہی تھی، بہن ہونے کے ناطے وہ اس سے نفرت تو نہیں کر سکتی تھی مگر دل اس کا کچھ بدل سا گیا تھا۔

''اوکے اور تم اندر آؤ ناں سب کے ساتھ بیٹھو، یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو۔'' وقار نے اندر آنے کا کہا تو اثبات میں سر ہلاتی اس کے ساتھ اندر کی جانب بڑھی۔ باقی تمام افراد لاؤنج میں بیٹھے تھے، پریشے بھی کام سے فارغ ہو کر وہیں آ گئی تھی۔

''بھئی میں نے ریحانہ خالہ کے گھر فون کیا تھا، کل وہ اور سبین وغیرہ آپ سے ملنے آئیں گی۔'' ماہی کے برابر بیٹھتے ہوئے وہ اسے بتانے لگی۔

''اوکے۔'' تو وہ محض اتنا ہی بولی۔

رات کا کھانا کھانے سے پہلے تک اور کھانا کھانے کے دوران گھر کے تمام مکینوں کے درمیان ان کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کرتی مگر کھانا کھانے کے بعد پریشے کو گرین ٹی بنانے کا کہہ کر آہستگی سے کمرے میں چلی آئی اور بیڈ کی طرف بڑھی، سینڈلز اتار کر پاؤں اوپر کھینچ کر بیٹھ گئی، پھر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے دانستہ گردن سائیڈ ٹیبل کی طرف ڈالتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر فریم شدہ تصویر اٹھائی اور بغور سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

یہ وہی تصویر تھی جو پریشے نے ان کی انگیجمنٹ کے دن لی تھی جب مراد اسے رنگ پہنا رہا تھا، مہ روش کو وہ لمحہ اب بھی یاد تھا جسے پریشے نے موبائل میں کیچ کیا تھا۔ اس وقت مراد منصور کی آنکھوں میں بے پناہ محبت تھی اور ماہی کے چہرے پر انبساط کے ہزاروں رنگ اور آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی مگر اب۔۔۔ مراد کی اصلیت اس کے سامنے تھی، مراد کی جھوٹی چاہتوں کا مقصد اس پر کھل گیا تھا تو اب نہ آنکھوں میں پہلی سی چمک ٹھہری تھی نہ اس لمحے کی یاد اسے دل میں ترنگ پیدا ہوئی تھی، بس مراد کی ذات، اس کی یاد سے الجھن بڑھی تھی۔

یہ ایک دھوکا کھا کر اس کی خواہشات و جذبات انتقام کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اور دل تپتے انگاروں پر لمحہ لمحہ جھلس رہا تھا، پگھل رہا تھا، نہ تن من کو سکون تھا نہ روح کو قرار مل رہا تھا، اپنی بے قدری پر ملال بھی اسے ناکافی لگا تھا۔

''مگر یوں بھی آخر کب تک چلے گا؟'' وہ دل میں خود سے ہم کلام تھی۔

''مراد کا ہاتھ ایک بار اٹھ چکا ہے، میں لاکھ ہمت دکھاؤں مگر ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ زخمی شیر بنا ہر صورت میرا شکار کرتا رہے گا، میری زندگی تو اجیرن کر چکا ہے، مجھے سب کی نظروں میں قصوروار ٹھہرا سکتا ہے، مجھ سے جہاں تک ممکن ہوا میں مراد کا مقابلہ کروں گی، مجھے مراد باآسانی مات نہیں دے سکتا۔'' حواسوں پر مکمل اختیار رکھے وہ اپنی سوچ پر یقین کی مہر ثبت کرنا چاہ رہی تھی، نگاہیں ہنوز ہاتھ میں پکڑی تصویر پر مرکوز تھیں۔

''وقت کی اس کروٹ میں، میں تنزلی کا شکار نہیں ہو سکتی۔'' دل میں چھپے گہرے رنج کو بظاہر وہ آنکھوں میں عیاں ہونے سے

روکے ہوئے تھی مگر اشکوں کی ایک لمبی قطار نا چاہتے ہوئے بھی اندر ہی اندر گرے جا رہی تھی۔

''اپنے حق میں، میں کسے گناہگار سمجھوں اور کسے بے قصور ٹھہراؤں۔ مراد منصور کو۔۔۔ جسے اپنے آگے محض اپنے اور اپنی انا کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا یا وقار بھائی کو۔۔۔ جو ایک طرف میری بربادی کا سبب بنے ہیں اور دوسری طرف پورے خلوص سے میری خوشیوں کی دعا کرتے ہیں، مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔'' وہ کشمکش کا شکار ہوئی۔ البتہ وقار سے سخت نالاں ہو کر بھی وہ انتہا تک اس سے متنفر نہیں ہو سکی تھی۔

''میرا مجرم کوئی ایک ہو یا دونوں۔۔۔ میں شاید ہی کسی ایک کو بھی معاف کر سکوں گی۔'' وہ گہری سوچ میں تھی، وقار نے تقدیر کے اس بدلتے کھیل کا آغاز جانے انجانے میں اس کے لیے کیا تھا اور مراد منصور نے اُسی کھیل کو اپنے تئیں ایک دلچسپ موڑ دے کر اس کے لئے اسی کھیل کے اختتام کو سوالیہ بنا دیا تھا۔

وہ جانے کب سے کب تک یونہی اپنی سوچوں خیالوں میں محو رہتی اگر پریشے کی آمد نہ ہوئی ہوتی۔ پریشے کمرے میں آتے ہی اسے تصویر پر نظریں گاڑے منہمک دیکھ کر مسکرائی اور آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے فریم شدہ تصویر اچک کر شریر انداز میں بولی۔

''میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا، لگتا ہے مراد بھائی نے آپ پر اپنی محبتوں کا جادو کر دیا ہے جو آپ یہاں بھی ان کے سحر سے نکل نہیں پا رہیں۔''

''ہاں۔۔۔ اب تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' جس پر ماہی نے مصنوعی مگر دھیما قہقہہ لگا کر خود کو کمپوز کرنا چاہا تھا مگر ساتھ ہی کہے بنا نہ رہ سکی۔

''مگر محبتوں کا نہیں۔۔۔ اپنی ذات کا ایسا کالا جادو کیا ہے جس کا اثر دل پر ہوا ہے اور تکلیف روح نے محسوس کی ہے۔''

''آپ کی چائے۔'' پریشے نے گرین ٹی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

''تھینک یو۔'' اس نے چہرے پر خوشگواریت لائی اور مگ ہونٹوں سے لگا لیا۔

☆......☆......☆

سردی اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی مگر اس کے لئے اتنی بے اثر کہ سوچوں کی فرمائش کو جامد کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

''تم مجھے کمزور نہیں کر سکتے علی۔۔۔ میرے اور تمہارے درمیان اب کچھ نہیں رہنا چاہئے، نہ تمہاری یادیں نہ تمہاری محبت۔۔۔ میرے دل کو کمزور کرنا چھوڑ دو پلیز۔'' مستبشرہ جمال اس موڑ پر کھڑی تھی جہاں اسے اپنے ہر اس عزم و ارادے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جس پر وہ علی آیان کو بھولنا چاہ رہی تھی، اس کے غصے پر اسی ناکامی نے بے بسی کے آثار نمایاں کرنے شروع کئے تو وہ التجائیہ لہجے میں بڑبڑائی۔

''میں اپنے بابا کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتی علی! اپنی یادوں سے کہو کہ میری زندگی تباہ نہ کریں، میں نے ابھی بہت آگے بڑھنا ہے، میرے دل کو اپنے خیالات میں مت جکڑو، میں اپنے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نہیں دیکھنا چاہتی۔'' مستبشرہ کو اس لمحے بھی اپنی ذات کی

سالمیت کی فکر تھی۔ وہ اپنی لمبی پرواز کو قائم رکھنا چاہ رہی تھی۔ اپنے بابا کی نظروں میں ہر صورت سرخرو رہنا چاہتی تھی، ایسے میں علی کا اس کی سوچوں اور خیالات سے دور۔۔۔ بہت دور رہنا لازم تھا۔

''چلو میں مان لیتی ہوں کہ مجھے تم سے پیار کا ناٹک کرنے کے بجائے پہلے ہی دن صاف لفظوں میں تمہیں جواب دینا چاہیے تھا لیکن مجھے سچ میں پچھتاوا نہیں ہے اپنے کیے پر۔ میں نے سب کچھ تمہاری بھلائی کے لیے کیا تھا سچ میں، میرا مقصد تمہارا دل دکھانا ہرگز بھی نہیں تھا۔'' جانے مستبشرہ اس کے سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی اسے سمجھا رہی تھی یا خود کو تسلی دے کر اپنی پرسوچ وحشت زدہ کیفیت سے چھٹکارا چاہ رہی تھی کیونکہ وہ جان کر بھی انجان بننا چاہ رہی تھی کہ علی کی یادوں سے محض وہ ذہنی طور پر فرسٹریشن کا شکار ہو رہی تھی، اس کا دل شانت تھا، دھڑکنوں کی روانی برقرار تھی۔

''یہ تمہارے خط کا وقتی اثر ہے بس اور کچھ نہیں۔۔۔ اگر میرے دل میں واقعی تمہارا خیال یا ذرا برابر بھی جگہ ہوتی تو مجھے اسی لمحے احساس ہو جاتا، مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا جو دل سے، دماغ سے مجھے تمہاری طرف مائل کرتا، آئی ہوپ میں جلد از جلد اس تمام اثر سے خود کو نکال لوں گی، تم زبردستی مجھ پر اپنی یادوں سمیت حاوی نہیں ہو سکتے۔''

وہ ہر سیڑھی پر ثابت قدم رہ کر اپنے فیصلے پر اٹل ہونے کی مہر ثبت کرنا چاہ رہی تھی۔

''اصل میں محبت کچھ نہیں ہوتی علی! یہ نہ زندگی بن سکتی ہے کسی کی نہ کسی کی زندگی بنا سکتی ہے، محض الجھن پیدا کرتی ہے محبت، تم خود دیکھو؟ تمہیں کیا بنا دیا محبت نے؟ اور مجھے دیکھو! میں نے محبت کو اہمیت نہ دی تو اپنے بابا کا اختیار جیتا، جس سے میری وہ خواہش پوری ہونے جا رہی ہے جو اگر میں محبت کے چکر میں پڑتی تو ہمیشہ تشنہ رہتی۔''

مستبشرہ نے محبت کے پاٹ میں اسے اور خود کو گھسیٹ کر موازنہ کیا، اس کے تصور کو سمجھانا چاہا، ایک مرتبہ پھر قرار کے حصول کے لئے حتمی لہجہ اپنایا۔

''محبت پاگل پن کے علاوہ کچھ نہیں ہے علی! یہ صرف بے وقوفی کا دوسرا نام ہے اور نہ میں پاگل ہوں نہ بے وقوف۔۔۔ میں تم سے محبت نہیں کر سکتی، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، اگر تم زبردستی مجھے یاد آتے بھی رہے تو میں اسے محبت ہرگز نہیں کہوں گی، میں ایک لمحے کی قید میں تمام عمر نہیں گزار سکتی۔۔۔ میں تم سے محبت نہیں کر سکتی۔'' اس کے الفاظ مضبوط اور لہجہ پائیداری لیے تھا۔

مگر یہ بات تو اس کے علم میں بھی تھی۔

محبت سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی نہ کسی ارادے سے محبت کو توڑ لگایا جاتا ہے، محبت پاگل پن ہو یا بے وقوفی یہ پھر بھی محبت ہی رہتی ہے۔ دھیرے دھیرے رفتہ رفتہ اپنی جڑیں پھیلاتی ہے۔ چاہے کوئی خفا ہو یا خوش، جس دل میں بسیرا کرنا چاہے اس دل میں بس جاتی ہے، ایک خوبصورت ننھے معصوم جذبے کی طرح جس کا احساس بھلے جلد ہو یا بدیر مگر اس احساس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

محبت کا ایک لمحہ کافی ہوتا ہے عمر قید کے لئے۔۔۔!

اور جو احساس محبت ہو جائے تو محبت کا جذبہ فرار کی، انکار کی تمام راہیں مفقود کر کے اپنی من مرضی کرتا ہے، پھر کسی کی نہیں سنتا۔
مستبشرہ جمال فی الحال تو اس اصلیت سے نظریں چرا رہی تھی اپنے دل کی بھرپور نفی کر رہی تھی، دماغ کے ہر فیصلے کو مستحکم کرنا چاہ رہی تھی اور جتنی جلدی کرنا چاہ رہی تھی اتنی شدت سے ناکامی کا سامنا کر رہی تھی، جسے وہ فی الحال تو علی کے خط کا وقتی اثر گردان رہی تھی لیکن۔۔۔!
دل اور دماغ کی جنگ میں فیصلہ آنا ابھی باقی تھا۔

☆......☆......☆

''ماہی! تم سے ایک بات کا کہا تھا میں نے۔۔۔'' مہ روش کو تنہا دیکھ کر وقار اس کے پاس آیا تھا اور اب اس کے سامنے کھڑا اس سے مخاطب سوالیہ ہو کر اسے دیکھ رہا تھا، دوسری جانب اس نے وقار کے سامنے ایک مرتبہ پھر اپنے اندر موجود سختی کو چھپانے کی سعی میں کچھ نہ یاد آنے پر آہستگی سے استفسار کیا۔
''کون سی بات؟''
''مجھے لگتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جانے کے بعد بھی مراد تھوڑا بہت اب بھی خفا ہے مجھ سے۔'' وقار قدرے سنجیدہ ٹھہرے ہوئے انداز میں گویا ہوا، ماہی نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔
''سب ٹھیک ہی تو نہیں ہوا بھائی۔۔۔'' اور نہایت شکوہ کناں لہجہ میں، اندر ہی اندر گلوگیر انداز اپنایا، اس کے سامنے بظاہر نارمل رہی۔
''ایسی کوئی بات نہیں ہے، مراد کا دل بالکل صاف ہے آپ پلیز ایسا نہ سوچیں۔''
''ہاں مگر مجھے گلٹی فیل ہوتا ہے۔'' وہ اب بھی پشیمان تھا۔
''تو وقار بھائی! آپ اس وقت سوچتے ناں۔۔۔اب کیا فائدہ جب زندگی کی ہر سانس داؤ پر لگ گئی ہو۔'' جس سے ماہی باوجود کوشش کے لمحوں میں سخت ہوئی۔
''ماہی۔۔۔؟'' اس کی بات پر وقار کی آنکھیں گویا پھٹی تھیں۔
''جب آپ نے اس وقت کسی کی فکر نہیں کی تھی تو اب کیوں کر رہے ہیں۔'' ماہی کا انداز تلخ وطنزیہ ہوا، اندر ہی اندر خود سے سوال جواب نے جیسے اسے تھکا دیا تھا۔
''تب اور بات تھی ماہی۔۔۔'' وقار کی آواز البتہ دھیمی و قدرے کمزور تھی۔
''کیا فرق ہے تب اور اب میں۔۔۔یہی کہ پہلے کسی اور کی بہن تھی اور اب بات آپ کی بہن کی ہے اس لیے آپ متفکر ہیں؟''
وہ خود کو بولنے سے روکنے میں ناکام ہو گئی تھی، آواز کی گونج کم تھی مگر وقار کے لئے حیران کن تھی۔
''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے شکست خوردہ ہو کر نفی میں سر ہلایا۔
''پھر کیسی بات ہے بھائی؟'' وہ سخت نالاں نظر آئی۔

''میں مانتا ہوں کہ میری وجہ سے بہت پہلے دلوں میں رنجشوں نے جنم لیا تھا لیکن میں ساری عمر کی عداوت نہیں چاہتا۔ تھک گیا ہوں میں بھی ہر ایک کو خود سے متنفر دیکھ کر میرا بھی دل چاہتا ہے کہ۔۔۔'' تاسف زدہ آواز میں وہ جذباتی سا ہوا تھا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ماہی بول پڑی۔

''اب سب ٹھیک ہو گیا وقار بھائی۔۔۔'' وہ بات یہیں سمیٹنا چاہ رہی تھی۔

''تو پھر ماہی؟ تمہاری باتیں۔۔۔؟''

''میں صرف اس لیے یہ سب کہہ رہی ہوں کہ آپ کو پہلے بھی فکر کرنی چاہیے تھی، اب میری فکر سے صرف اچھا بھائی بن رہے ہیں ایک اچھا انسان نہیں، ادینہ کا بھی آپ سے رشتہ تھا جس کا پاس آپ نہیں نبھا سکے تھے۔ آپ نے کیوں شادی سے انکار کیا یہ آپ کسی کو اب بھی بتانا نہیں چاہتے لیکن ادینہ کی زندگی تو داؤ پر لگ گئی تھی تب آپ نے نہ اس کے بارے میں سوچا تھا نہ آنے والے وقت کے بارے میں، پھر اب کیوں؟'' ماہی نے اس مرتبہ خود کو سیٹ کر لیا تھا۔

''کیا میں بھائی ہونے کے ناطے تمہاری فکر نہیں کر سکتا، تمہارے لیے سوچنا نہیں چاہیے مجھے؟ کیا میں بے حس بن کر بیٹھ جاؤں؟ سب سے قطع تعلق کر لوں؟'' وہ دلبرداشتہ سا ہوا تھا، دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''بات قطع تعلق کی نہیں ہے وقار بھائی۔''

''تم مجھے الجھن میں ڈال رہی ہو ماہی۔''

''میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا ہرگز بھی نہیں تھا، آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔'' وقار کو مایوس دیکھ کر وہ نادم سی ہوئی۔

''میں تمہیں واقعی خوش دیکھنا چاہتا ہوں ماہی۔'' وہ خلوص سے بولا۔

''آپ کو نہیں لگتا کہ میں خوش ہوں؟'' وہ بولی پھر اپنی ذات میں مزید اضافہ کیا۔

''میں بہت خوش ہوں وقار بھائی! آپ میرے دل میں بہت معتبر مقام رکھتے ہیں، مجھے آپ کے خلوص آپ کی فکر کی قدر ہے اور مراد کو بھی آپ سے اب کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں نے ان سے بات کی تھی اور اگر ان کے دل میں ذرا سی بھی کھٹک ہوتی تو وہ کیوں مجھ سے شادی کر کے ابو اور پھپھو کو پھر سے ایک کرتے، مراد بہت اچھے ہیں میں ان کے ساتھ بہت خوش ہوں، آپ پلیز زیادہ نہ سوچا کریں۔''

''ہوں۔۔۔ مگر تم زندگی داؤ پر لگنے کی بات۔۔۔''

☆......☆......☆

''وہ اپنے لئے نہیں کہہ رہی تھی میں، آپ جانتے ہیں ہم سب کو ادینہ بہت عزیز ہے، اُس وقت بھی ہم میں سے کوئی اس کا برا نہیں چاہتا تھا اور نہ اب ہم اسے ناخوش دیکھنا چاہتے ہیں۔'' ماہی نے پھر سے اس کی بات کاٹ کر وضاحت دی اور بڑی سہولت سے اسے ذات سے ہٹا کر کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''تو کیا ادینہ۔۔۔ماہی! ادینہ خوش تو ہے ناں، اس کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟'' ادینہ کے ذکر سے وقار کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر ابھرا تھا جو ماہی کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ وقار کے اس انداز کو اس کی ادینہ کے لئے فکرمندی کہتی یا پھر کچھ اور۔۔۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا۔

''اللہ نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو، یا وہ ناخوش ہو، وہ معید بھائی کے ساتھ خوش ہے۔'' اور فوراً وقار کو بتایا۔

''اچھی بات ہے۔'' جواباً وہ اتنا ہی بولا، چہرہ اب کے بغیر کسی تاثر کے سنجیدہ تھا۔

''وقار بھائی، ایک بات بتائیں گے مجھے؟'' قدرے توقف کے بعد ماہی نے اسے دیکھتے ہوئے اجازت طلب استفسار کیا۔

''پوچھو۔۔۔؟''

''ادینہ سے شادی سے انکار کیا وجہ تھی، کیوں آپ اس وجہ کو چھپا رہے ہیں اتنے عرصے سے؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھا، شاید اسے اپنی زندگی کے سلجھاؤ کے لئے بھی اس سوال کا جواب اور وقار کے انکار کی وجہ جاننی ضروری لگی تھی۔

''وجہ صرف میرے لئے معقول ہے، تم سب کے لیے وہ وجہ اہمیت نہیں رکھتی۔'' وہ بولا۔

''آپ بتائیں تو سہی۔''

''میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا تھا۔'' وہ بتانے لگا۔

''پھر آج تک کیوں نہیں کی؟''

''ضرور کرتا مگر کچھ دن بعد ایک ایکسیڈنٹ میں اس کی ڈیتھ ہوگئی تھی، سو میں نے کسی کو کچھ بتانا ضروری نہ سمجھا، آج اس کے لئے تمہیں بتا رہا ہوں کہ کم از کم تم مجھ سے نالاں مت ہو، میں بہت برا بھی نہیں ہوں۔'' وہ سر جھکائے اسے بتانے کے بعد دھیرے سے بولا۔

''میں اب کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ جس سے کرنا چاہتا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے اور جس کی شادی مجھ سے ہو رہی تھی وہ میری وجہ سے رسوا ہوتے ہوتے بچی، اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ کسی تیسری لڑکی کو مجھ سے کوئی تکلیف ہو۔''

''اب آگے سب ٹھیک ہوگا بھائی۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''ان شاء اللہ۔'' وقار نے فوراً کہا، پھر برادرانہ شفقت سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ لگا کر بولا۔ ''میں ہمیشہ تمہاری خوشی کی دعا کروں گا، اللہ تمہیں خوش و آباد رکھے۔''

''آمین۔'' آہستگی سے کہتے ہوئے وہ سر جھکا گئی تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا۔'' فلک حیران کھڑی تھی جبھی عثمان نے آگے بڑھ کر اس کی چٹکی کاٹی۔ وہ اچھل کر اس کی طرف مڑی۔

''آہ۔۔۔'' دکھ بھری ''آہ'' منہ سے نکالی اور خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

''بدتمیز، چٹکی کیوں کاٹی مجھے؟''

''اس لیے کہ تمہیں یقین آئے کہ تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہیں، واقعی میں پاس ہوگئی ہو، مرتے ہی سہی پر F-A کلیئر ہوگیا ہے تمہارا۔'' عثمان نے وضاحت دیتے ہوئے اسے یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی۔

''مرتے مرتے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ اچھے خاصے نمبروں سے پاس ہوئی ہوں میں۔'' وہ گھور کر اسے دیکھتی بڑے فخر سے بولی، چہرے پر بے پناہ خوشی رقصاں تھی۔

''جبھی یقین نہیں آرہا ہوگا۔'' تیمور نے پرمزاح لہجے میں طنزیہ کیا۔

''تم تو کچھ نہ ہی بولو موٹو۔'' فلک نے اپنے مخصوص انداز میں اسے گھرکا۔

''شٹ اپ۔۔۔'' تیمور اپنی شان میں گستاخی کہاں برداشت کرسکتا تھا، برجستہ اسے کہا مگر آج وہ اچھے موڈ میں تھی، بجائے جواب پر جواب دینے کے مٹھائی کا ڈبہ لیے اس کی طرف بڑھی جو عارف شاہ اس کے پاس ہونے کی خبر سننے پر خوشی سے لائے تھے، مشارب کو ابھی تک نہیں پتہ تھا وہ آفس میں تھا البتہ وہ اس کے واپس آنے پر اسے خوشگوار سرپرائز دینا چاہتی تھی، جبھی فون کرکے بھی نہ بتایا، گھر کے باقی مکین اس کی کامیابی پر خوش تھے۔

''آج کے دن میں تم سے لڑنا ہرگز نہیں چاہتی، سنو ایک اور مرتبہ منہ میٹھا کرو، میں صرف پاس ہی نہیں بلکہ اپنی محنت سے کامیاب ہوئی ہوں اس لئے خوشی ڈبل ہے تو مٹھائی بھی ڈبل کھاؤ۔''

''ضرور، ضرور۔۔۔'' تیمور تو تھا ہی میٹھے کا شوقین، فوراً سے اس کا کہا مانا اور مٹھائی اٹھا کر منہ میں ڈالی۔

''پھر تو ٹریٹ بھی ڈبل ہونی چاہیے۔'' عثمان نے اس کی خوشی کا فائدہ اٹھانے کے لئے فوراً فرمائش کی۔

''ہاں ہاں! کیوں نہیں، مگر نہیں۔'' جوش میں سر اثبات میں سرہلاتے ہوئے یک دم اسے کچھ یاد آیا تو فوراً ڈائریکشن چینج کر کے سر نفی میں ہلایا۔

''کیوں نہیں؟''

''اس لیے نہیں کہ ٹریٹ نہیں دوں گی بلکہ اس لیے نہیں کہ میں نہیں دوں گی، کیونکہ مستبشرہ نے کہا تھا کہ اگر میں پاس ہوئی تو ٹریٹ وہ دے گی اور میں نے ابھی تک یہ خوشخبری سنائی ہی نہیں، تم دونوں یہاں بیٹھو، میں اسے فون کرکے بتاتی ہوں تاکہ جلد از جلد ٹریٹ کا بندوبست ہوسکے۔'' اپنی عادت سے مجبور فلک نے باتوں کا پہاڑ کھڑا کیا اور بات ختم کرتے ہی فون کی طرف بڑھی، ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا، دو تین بیل جانے کے بعد کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''ہیلو۔۔۔'' دوسری جانب مستبشرہ ہی تھی۔

''ہیلو مستبشرہ! کیسی ہو؟'' فلک نے خوشگوار کھنکتی آواز میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' مستبشرہ کی آواز تھکی تھکی سی تھی، ان دنوں علی کو لے کر اس کے خط اور اپنی کیفیت سے وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہوتو پھر جلدی سے مجھے مبارک باد دو۔''فلک کا انداز ہمیشہ کی طرح اپنی ہی خاصیت لیے بہت پیارا استحقاق بھرا تھا۔

''کس بات کی؟''اس نے پہلے وجہ پوچھنی چاہی۔

''میں نے K-2 کی چوٹی سرکرلی ہے۔''وہ خوشی سے مسکراتی ہوئی بولی۔

''امیزنگ۔۔۔کیسے مگر؟''مستبشرہ اس کی عادت وشوخ وشریر طبیعت سے واقف اسی کے انداز میں پوچھنے لگی،ایک مقصد فلک سے باتوں کا اپنے ذہن پر چھائی بیزاریت اور تھکاوٹ سے جان چھڑانا بھی تھا،بہت دنوں بعد فلک کی کال سے اسے یہ موقع ملا تھا جسے وہ شاید گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

''وہ ایسے کہ مابدولت نے انگلش کو مات دے کر F-A کلیئر کرلیا ہے۔''اس نے بتایا۔

''اوہ رئیلی۔۔۔بہت بہت مبارک باد۔''مستبشرہ سن کر خوش ہوئی تھی۔

''تھینک یو،بٹ خالی خولی مبارک باد سے کام نہیں چلے گا،تم نے ٹریٹ کا وعدہ کیا تھا،سوآج تمہیں ہمارے گھر آنا ہوگا ٹریٹ دینے۔''فلک صاف اور سیدھا بولی۔

''آج نہیں فلک۔۔۔''یک دم وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے منع کرگئی،خود پر حیران بھی ہوئی،وہ فرار چاہ رہی تھی مگر شاید علی کی یاد کو اب اسے آزاد چھوڑنا گوارہ نہ تھا۔

''آج کیوں نہیں؟''فلک نے منہ بسورا۔

''میری طبیعت سیٹ نہیں ہے۔''

''بہانہ نہیں چلے گا،تھوڑی دیر پہلے تم نے خود کہا تھا کہ تم ٹھیک ہو۔''فلک نے اسے یاد دلایا،ٹریٹ کے علاوہ بھی وہ مستبشرہ کو اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خوشی میں ساتھ چاہتی تھی۔

''ہاں کہا تھا مگر میری سچ میں طبیعت ٹھیک نہیں ہے،میں کئی دن سے اسکول بھی نہیں جارہی،تم اماں سے پوچھ سکتی ہو۔''

''میں کسی سے نہیں پوچھ رہی،تم نے کہہ دیا،میں نے مان لیا۔''وہ خفا سی ہوئی۔

''پلیز فلک ڈیئر!ناراض مت ہونا۔''مستبشرہ کو خود بھی اسے منع کرکے اچھا نہیں لگا۔

''اوکے پھر تم وعدہ کرو کہ طبیعت ٹھیک ہوتے ہی آؤ گی یہاں۔''

''پکا وعدہ۔۔۔ٹریٹ پھر ڈیو رہی،ہاں گفٹ جلد ہی تم تک پہنچ جائے گا۔''وہ کچھ سوچتے ہوئے فوراً بولی۔

''میں انتظار کروں گی،اور تم پھپھو کو یاد سے بتانا میرے پاس ہونے کا،میں آؤں گی ان کی طرف ایک دو دن میں۔''

''اوکے بتادوں گی،اللہ حافظ۔''کہتے ہوئے مستبشرہ نے اجازت چاہی اور رابطے کے منقطع ہوتے ہی مشارب شاہ کا نمبر ڈائل کیا،اس کے کال ریسیو کرنے پر گھر جانے سے پہلے اپنی طرف آنے کو کہا،تو اس نے حامی بھرتے ہوئے اجازت چاہی،مستبشرہ نے فلک

کے پاس ہونے کا اماں اور بابا کو بتایا، وہ بھی سن کر خوش ہوئے تھے، کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ باہر لان میں چلی آئی۔

شام کے سائے پھیلتے جا رہے تھے، سردیوں کی شامیں، خنک آلود فضائیں، ٹھنڈی ہوائیں اسے شروع سے بہت پسند تھیں، اس نے کرسی سے ٹیک لگا کر نگاہیں اوپر کھلے آسمان پر ٹکا دیں، جہاں سفید بادلوں کے بے شمار ٹکڑوں کے نیچے دن بھر آوارہ گردی کرنے کے بعد چرند پرند اپنے آشیانے کی طرف قافلے کی صورت محو پرواز تھے، وہ انہماک سے انہیں دیکھنے لگی، دل کچھ بوجھل سا ہونے لگا، شام لمحہ لمحہ گزرتی اسے بے چین کرنے لگی تھی، یہ سرد شام سے پھیلتی ٹھہری ہوئی اداسی تھی یا اندر پنہاں وحشت و ویرانی کی کہانی، جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھی، وہ غیر مرئی نقطے کو گھورتی خالی ذہن کے ساتھ اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مشارب شاہ وہاں آ گیا تھا۔

''یہاں باہر اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو؟''

''بس یوں ہی دل چاہ رہا تھا۔''

''اچھا۔۔۔ ویسے میں سمجھا کہ کہیں میرا انتظار کر رہی تھیں۔'' وہ ہنسا، ساتھ ہی چاہت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ مستبشرہ ان نظروں سے انجان مسکرائی۔

''تم سمجھ سکتے ہو کیونکہ میں نے تمہیں بلایا ہے، تمہارا استقبال بھی مجھ کو کرنا ہے۔''

''ٹھیک کہا تم نے، لیکن تم کچھ پریشان، اداس سی لگ رہی ہو، خیریت؟'' وہ پوچھنے لگا، مستبشرہ کا چہرہ دیکھنے میں بھی اترا ہوا لگ رہا تھا، کچھ اس کی پرشوق آنکھوں کا بھی کمال تھا جو اپنی اپسرا کے مدھم رنگ و بجھی آنکھوں کو بے تاثر دیکھ کر بے تاب سی ہوئیں۔

''خیریت ہے سب، مشارب! تم سے مجھے ایک کام تھا۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

''کہو میں حاضر ہوں۔''

''تم جاتے وقت مارکیٹ سے میری طرف سے فلک کے لئے کوئی بھی اچھا سا گفٹ لیتے جانا، جو اسے پسند آئے، میں خود لے کر جاتی، لیکن آج میں نہیں جا سکتی۔'' مستبشرہ نے اسے بلانے کا اصل مدعا بیان کیا۔

''فلک کے لئے گفٹ۔۔۔ کیوں؟'' مشارب حیران ہوا۔

''میں نے اسے کہا تھا کہ جب وہ پاس ہوئی تو میری طرف سے ٹریٹ ہوگی، لیکن میں آج نہیں جا سکتی وہاں، اس لئے سوچا تمہارے ہاتھوں اسے گفٹ ہی بھجوا دوں۔''

''کیا۔۔۔ فلک پاس ہو گئی؟'' وہ شدید حیرت کا مظاہرہ کرتا خوش بھی ہوا۔

''ہاں، اس نے صبح ہی فون پر بتایا ہے مجھے۔''

''کمال ہے، اس نے مجھے نہیں بتایا۔''

''ہو سکتا ہے وہ تمہیں فون کے بجائے روبرو بتانا چاہتی ہو۔'' مستبشرہ نے اس کی حیرت کو رفع کرنا چاہا، آصفہ شاہ کی طرح اس

نے بھی دونوں کو لے کر اپنا ہی انداز بہت پہلے لگا لیا تھا، جبھی فلک کی سوچ سے سوچ کر بولی۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے تصدیق کی۔

''اچھا پھر میں نکلتا ہوں۔'' ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، اس سے اجازت لی۔

''تھوڑی دیر تو رکو، اندر اماں کے پاس بیٹھو، میں جب تک چائے بناتی ہوں تمہارے لیے۔'' مستبشرہ نے اخلاق نبھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں پھر کبھی سہی، تم پھپھو اور پھپھا جان کو میرا اسلام کہہ دینا۔'' اس نے منع کیا۔

''او کے، مگر گفٹ یاد سے لے جانا، اللہ حافظ۔'' مستبشرہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔

''اللہ حافظ۔'' وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل آیا، مستبشرہ واپس جا چکی تھی، اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مارکیٹ کی راہ لی، اپنی اور مستبشرہ کی طرف سے فلک کے لیے الگ الگ گفٹ پیک کروایا اور گھر کی طرف روانہ ہوا۔ شام کے سائے چل رہے تھے، راستے میں سے اس نے فلک شاہ کی من پسند آئس کریم بھی پیک کروالی، جانتا تھا دیوانی سی فلک سردی میں آئس کریم کی دیوانی تھی، باقی کا راستہ جلدی سے طے ہوا، اس کی گاڑی کا ہارن سن کر مین گیٹ چوکیدار کے بجائے فلک شاہ نے ہی کھولتے ہوئے خوشگوار مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا۔

''میرے پاس تمہارے ایک گڈ نیوز ہے مشارب شاہ۔۔۔'' اور اس کے گاڑی روکنے کا انتظار کیے بنا ہی ہانک لگائی۔ مشارب شاہ اس کے انداز پر مسکرایا، مستبشرہ کا کہا سچ لگا، وہ اسے روبرو بتانے کے چکر میں اب اس کے سامنے کھڑی تھی، وہ فی الحال گاڑی کے اندر تھا، مشارب نے شیشہ نیچے کیا ہوا تھا، فلک جھک کر بازوؤں سے ٹیک دروازے سے لگا کر اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے پتہ ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ ہو سکتا ہے؟'' وہ حیران ہوئی، مستبشرہ سے متعلق خیال اس وقت اسے آ نہیں سکتا تھا۔

''بس ان ہواؤں سے میری دوستی ہے جو تمہاری ہر بات مجھے بتا دیتی ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلا، ساتھ ہی آئس کریم اور گفٹس بھی ہاتھ میں لیے جن کی طرف فلک کا دھیان نہیں گیا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟'' اسے یقین نہ آیا، سو چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا بھلا؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔

''تمہیں عثمان یا تیمور میں سے کسی نے بتایا ہوگا؟''

''آں ہاں۔۔۔ کہاں ناں کہ مجھے ہواؤں نے خبر دی ہے۔'' وہ اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فلک نے اسے گھورا۔

''بچوں جیسی باتیں مت کرو مشارب شاہ۔۔۔!'' اور تیکھے انداز میں کہنا چاہا۔ مشارب شاہ اپنی پاگل سی دوست کے انداز پر کھل کر مسکرایا۔

''اچھا دادی اماں، نہیں کرتا۔''

''بتاؤ ناں، مجھے سچ سچ تمہیں کس نے بتایا ہے؟''

''بتانے سے پہلے مبارک باد دے دوں؟'' مشارب کا مقصد اسے تنگ کرنا تھا، سوشر یر مگر اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں، پہلے مجھے اس کا نام بتاؤ، جس نے میرے سرپرائز کا ستیاناس کر دیا ہے، میں کب سے تمہیں بتانے کے لئے اتنی سردی میں باہر کھڑی تھی، مگر سب بے کار میں گیا۔'' وہ بولی۔

''مستبشرہ نے مجھے بتایا ہے، بلکہ مجھے بلایا اور تمہارے لئے گفٹ بھیجا ہے، سو میں نے بھی تمہارے لیے گفٹ لیا ہے اور تمہارے لیے تمہاری پسند کی آئس کریم بھی لی ہے، مجھے بہت خوشی ہے کہ تم اپنی محنت سے پاس ہوئی ہو۔'' بتاتے ہوئے مشارب نے گفٹس اور آئس کریم اسے تھمائی، فلک کے چہرے پر بھرپور خوشگوار مسکراہٹ تھی۔

''تھینک یو سو مچ مشارب۔''

''یو ویلکم۔۔۔ اچھا اب جلدی سے آئس کریم سب کو کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ، پگھل رہی ہے۔'' اس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے اسے کہا۔

''اوکے۔۔۔ پھر میں نے مستبشرہ کو بھی تھینکس کہنے کے لئے کال کرنی ہے مگر تم تو رکو۔۔۔ تم نے مجھے مبارک باد نہیں دی اور اندر چل دیئے۔'' وہ اس کے پیچھے لپکی۔

''اوہ سوری۔۔۔ مبارک ہو تمہیں، لیکن آئندہ آگے بھی ایسی ہی محنت کرنا، میری بیسٹ وشز ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گی۔'' وہ مڑا اور خوش دلی سے بولا۔

''تھینکس۔'' وہ آنکھوں میں انبساط کے رنگ لائی، مسکرائی اور اپنے تئیں اس کے لہجے سے محبتوں کا رس نکال کر گنگناتی ہوئی کچن کی اور چل دی۔

☆......☆......☆

اس ایک ہفتے میں وہ ذہنی طور پر قدرے ریلیکس ہوئی تھی مگر مکمل طور پر وہ ریلیکس ہو کر بے غم نہیں ہونا چاہتی تھی، ایک جنگ سی اس کے اندر چھڑ گئی تھی، اپنی بے قدری کا ملال وہ مکمل طور پر تو زائل نہیں کر سکتی تھی مگر اس کے اثر کو تھوڑا بہت کم ضرور کرنا چاہتی تھی۔ مراد کے کھیل میں اسے اب اپنا کردار تھوڑا بہت ادا کرنا تھا، ایک عام لڑکی بن کر، خود کو کچھ بھی اچھا ہونے کے دھوکے سے نکال کر۔

بڑی گستاخ ہے تیری یاد، اسے تمیز سکھا دو

دستک بھی نہیں دیتی اور دل میں اتر جاتی ہے

وہ اپنی ہی سوچوں میں منہمک تھی، جب پری شے نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے با آواز بلند بڑی ترنگ میں شعر پڑھ کر اس کی

محویت کو توڑا۔ مہ روش نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو جہاں وہ مسکرا رہی تھی وہیں آنکھوں میں خوشی و شرارت لیے موبائل اسکرین اس کی آنکھوں کے سامنے ہلایا۔

''یہ کیا ہے؟''

''ایک خوبصورت میسج۔۔۔آپ کے لیے۔''

''میرے لیے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''جی ہاں، صرف آپ کے لئے، لیکن آپ اپنے خیالوں میں اتنی محو تھیں کہ آپ کا دھیان میسج کی طرف گیا ہی نہیں، سو مجھے ہی غیر اخلاقی حرکت مجبوراً کرنی پڑی، آپ کا میسج اوپن کر لیا اور یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔'' پریشے تفصیل سے بولی۔ مہ روش نے اسے گھورتے ہوئے موبائل اس کے ہاتھ سے لینا چاہا مگر اس نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھایا۔

''اب جب غیر اخلاقی حرکت کر چکی ہوں تو میسج بھی پورا پڑھوں گی میں۔''

''جی نہیں۔'' مہ روش نے نفی میں سر ہلایا، دل میں کھٹکا سا لگا کہ کہیں آگے مراد منصور نے کوئی طنزیہ بات یا کچھ بھی غلط نہ لکھا ہو جسے اگر پریشے پڑھ لیتی تو اس کے لیے ہینڈل کرنا مشکل ہو جاتا۔

''مجھ سے کیسا بھید ماہی، میں سب جانتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کیا جانتی ہو تم؟'' ماہی یک دم سنجیدہ ہوئی، بظاہر مصنوعی حیرت سے اسے دیکھا مگر درحقیقت بے یقین ہو کر، کہیں واقعی مراد نے کوئی ایسی بات تو نہیں لکھ دی جس سے پریشے سب کچھ جان گئی ہے؟

''یہی کہ صرف آپ ہی مراد بھائی کے پیار میں پاگل دن رات انہیں نہیں سوچتیں بلکہ وہ بھی آپ کے بنا نہیں رہ سکتے۔'' پریشے بولی، مہ روش نے یک دم سکھ کا سانس خارج کیا کہ اس کی بے بسی پر پردہ اٹھنے سے بچا تھا۔

''اسی لیے مراد بھائی آج شام کو آپ کو لینے آئیں گے، یہ انہوں نے میسج کے ساتھ ہی لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ آپ کے بناء زیادہ دن اکیلے نہیں رہ سکتے، جس کا اندازہ ہوتے ہوئے بھی آپ جانتے بوجھتے انہیں تڑپا رہی ہیں۔'' پریشے نے مزید بتاتے ہوئے میسج اسے سنایا۔ مہ روش اس کے سامنے آنکھوں میں چمک اور چہرے پر حیا کی لالی لائی، لیکن مراد کی انہی باتوں میں چھپے مطلب سے واقف اس کا ذہن منتشر ہوا تھا، وہ کچھ دن مزید رہنا چاہتی تھی، پر مراد کی بات تو پتھر پر لکیر ہوتی تھی، اسے آج شام پھر اس کے ساتھ جانا تھا۔

''اچھا اب موبائل دو گی تم مجھے؟ میں انہیں Reply کروں۔''

''شیور، وائے ناٹ۔'' پریشے نے مسکراتے ہوئے موبائل اسے تھمایا۔

''آپ کے ساتھ یہ ہفتہ اتنی تیزی سے گزرا کہ اندازہ تک نہیں ہوا، پھر کب آئیں گی؟''

''ابھی میں گئی نہیں ہوں اور میسج میں تم نے پڑھ لی ہے اپنے جیجا جی کی بے تابی کی کہانی، سو جب زیادہ دن تک میرے بغیر رہنے

لگے تب آجاؤں گی۔'' ماہی نے شریر انداز میں کہتے ہوئے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

''دیٹس ناٹ فیئر۔۔۔آئی نو مراد بھائی کا پیار ساری عمر آپ کے لیے ہر دن زیادہ سے زیادہ بڑھتا رہے گا، آپ ہیں ہی اتنی پیاری کہ مراد بھائی ایک لمحے کو آپ کے بنا رہنے کا سوچیں گے بھی نہیں، آپ تو لگتا ہے ان سے فرصت نکالنا ہی نہیں چاہتیں، جبھی ایسا کہہ رہی ہیں۔'' پریشے فل موڈ میں تھی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ ہنسی، دل میں محض الگ افسوس کیا، سب مراد کے روپ کے بہروپ میں خوش تھے۔

''آپ کی اگلی آمد پر دیکھ لیا جائے گا۔'' پریشے بولی۔ مہ روش نے شام سے پہلے تک اپنا تمام سامان پیک کیا، ڈریس چینج کیا اور باہر لاؤنج میں چلی آئی جہاں باقی تمام مکین بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید احمد شام کا اخبار پڑھنے میں محو تھے، وقار ٹی وی کا والیم دھیمے رکھے چینل سرچ کر رہا تھا، نفیسہ بیگم اور پریشے بھی آپسی باتوں میں مصروف تھیں، ماہی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد ڈور بیل کی آواز ہوئی، وقار اٹھ کر گیا۔ مراد اپنے سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا، وقار نے گلے لگ کر اس کا استقبال کرنا چاہا مگر مراد نے مصافحہ کرنے پر اکتفا کیا، وقار نے برا مانے بغیر اسے اندر آنے کو کہا، وہ خاموشی سے اندر چلا آیا۔ نفیسہ بیگم کو دور سے سلام کیا، پریشے کے سلام کا جواب دیا اور سعید احمد کے گلے لگا۔

''السلام علیکم ماموں؟''

''وعلیکم السلام! کیسے بیٹے ہو؟'' انہوں نے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے مختصراً کہتے ہوئے ایک نظر مہ روش پر ڈالی تھی۔ مہ روش نارمل سی نفیسہ بیگم کے ساتھ ہو کر بیٹھی، پریشے فوراً سے کچن کی طرف گئی تھی کیونکہ مراد منصور زیادہ دیر بیٹھتا نہیں تھا۔

''کلثوم کو بھی ساتھ لاتے، بہت دن ہوئے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' سعید احمد اس کی طرف متوجہ تھے۔ وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

''ماموں! میں تو سیدھا آفس سے یہیں آیا ہوں ورنہ امی کو ساتھ لے آتا، اگلی بار آیا تو انہیں ساتھ لے آؤں گا۔ آپ اور ممانی جان بھی آئیں ناں کبھی ہمارے گھر۔'' اس نے بتایا۔ ساتھ ہی انہیں دعوت دی۔ ماہی نے کن انکھیوں سے اس فراڈ شخص کو دیکھا۔

''ضرور بیٹا! کبھی آئیں گے۔'' انہوں نے حامی بھری۔ ''اور تمہارا کام کیسا جا رہا ہے۔''

''کام بالکل ٹھیک جا رہا ہے۔'' وہ بولا، اتنے میں پریشے مختلف لوازمات کے ساتھ چائے لائی اور اسے سرو کی۔ چائے سے فراغت کے بعد مراد نے اجازت چاہی، وقار تمام وقت وہیں خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔

''ماموں! پھر آیئے گا ضرور۔۔۔چلیں مہ روش۔۔۔''

''مراد بیٹا! کھانا کھا کر جانا، سب کچھ تیار ہے۔'' نفیسہ بیگم نے کہا۔

''آج نہیں ممانی جان! امی بھی ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی، انشاء اللہ پھر کبھی آپ سب کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔'' اس نے

سہولت سے منع کیا۔

''چلو ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ بولیں، جب تک مہ روش جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا امی! اللہ حافظ۔'' پہلے امی اور پھر ابو سے اجازت چاہی، پریشے کے گلے لگی، پھر خاموش بیٹھے وقار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''وقار بھائی! آپ میری طرف چکر لگاتے رہا کریں، اور پلیز اپنا خیال رکھیں، مجھے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ اچھی لگتی ہے نہ کہ سنجیدگی۔'' مقصد مراد منصور کو اندر تک جلانے اور وقار کو پریشانی سے نکالنا تھا کیونکہ مراد کا مقابلہ کرنے کے لئے وقار سے بہتر رویہ و محبت و لگاؤ کا اظہار اس کا ہتھیار بن سکتا تھا۔ ماہی کی بات پر جہاں وقار دھیرے سے مسکرا کر اٹھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ رہا تھا وہیں مراد نے شدید ناگواری سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے غصہ ضبط کیا تھا۔

''ماہی! چلیں اب۔۔۔ دیر ہو رہی ہے۔'' اور فوراً بولا۔ وہ ایک خاموش نظر اس پر ڈالتی باہر نکل آئی۔ مراد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اسے دیکھا، فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد وہ بالکل سامنے دیکھ رہی تھی، وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے ساتھ ہی زبان کو بھی حرکت میں لایا۔

''کیسا گزرا یہ ایک ہفتہ؟''

''آپ کی سوچ سے بھی زیادہ پرسکون اور شاندار۔'' وہ خوشگواری سے بولی۔

''ہم م م م م۔۔۔ ضرور ہر لمحہ پھر میں ہی تمہارے حواسوں پر چھایا رہا ہوں گا، جو اتنی خوش ہو۔'' وہ طنزیہ شرارت آمیز لہجے میں کہتا اسے دیکھنے لگا۔

''ہوں۔۔۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔'' وہ بھی اسے دیکھتی تحمل سے بولی۔

''مگر آپ کے بے ہودہ شیر اور میسج کی طرح بالکل بھی نہیں۔''

''اچھا۔۔۔ تو پھر کیسے سوچا تھا مجھے؟'' ماہی کی بات و انداز پر حسب معمول اسے غصہ تو بہت جلد آیا تھا مگر فی الوقت وہ غصے پر قابو پا گیا تھا۔

''بالکل ایسے جیسے آپ کے سوچا جا سکتا تھا۔'' چہرے پر ڈر و خوف کی کوئی شکن لائے بغیر وہ بولی۔

''اندر کا الاؤ کم نہیں ہوا تھا تمہارا، اس ایک ہفتے میں؟'' جواباً طنز ہوا۔

''آج سے کم ہوگا۔'' وہ مختصراً اسی کے انداز میں بولی۔

''کبھی آنے سے پہلے چھوٹا مظاہرہ کرنے کی سعی کر رہی تھیں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''جھوٹے آپ خود ہیں، اس لیے سب آپ کو جھوٹ اور فریب لگتا ہے۔'' وہ برجستہ سپاٹ انداز میں بولی، مراد کا وقار سے متعلق طنزیہ رویہ اسے اندر سے مضبوط کرتا بولنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''مجھے زیادہ بکواس پسند نہیں ہے۔''جس پر مراد کی برداشت ختم ہونے کو تھی ،اسے گھورتے ہوئے تلخ ہوا۔''ایک بات اور۔۔۔'' ساتھ ہی تنبیہی نگاہ اس پر ڈالی۔

''مجھے وقار میرے گھر میں نظر نہ آئے ،پلّو سے باندھ لو، یہ میرا حکم ہے اور میں اپنے حکم کی حکم عدولی برداشت نہیں کروں گا۔''

''آپ کا گھر اب صرف آپ کا نہیں ہے، میرا بھی ہے اور بھائی ہونے کے ناطے وہ میرے گھر آئیں گے۔ایک بار نہیں بلکہ بار بار آئیں گے، میں آپ کے سامنے انہیں بلاؤں گی اور آپ انہیں روک نہیں سکیں گے۔'' بے خطر آواز میں کہتی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، جہاں اس کے تاثرات بگڑ چکے تھے اور چہرہ لال بھبھوکا بن گیا تھا۔''کیوں کہ جہاں آپ نے خاندان کو جوڑنے کے لیے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔وہاں اس اعلیٰ ظرفی کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے کے لئے آپ کو چپ رکھنا ہوگی، بصورت دیگر بول کر یا دل کا خناس باہر نکالنے کے لئے آپ کو اپنے معتبر مقام سے دستبردار ہونا پڑے گا، جو آپ کی انا اور عزت نفس پر گراں گزر سکتا ہے، اس لیے آپ چاہتے ہوئے بھی اپنی یہ حسرت پوری نہیں کر سکتے،سوایسی کوشش بھی مت کریئے گا، جس سے آپ سب کی نظروں میں مشکوک ٹھہریں۔'' ماہی نے چپ ہوئے بنا صاف شفاف لفظوں میں اسے کہہ سنایا، جانتی تھی مراد جیسا انا پرست بندہ اپنا نام، مقام سب سے اونچا رکھنے کے لیے جہاں سینت سینت کر قدم رکھتا ہے وہاں کسی ایسی معمولی سی لغزش کو افورڈ نہیں کر سکتا جو اس کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دے۔

''تم میری فکر نہ کرو، میں تمہارا ایسا حشر کروں گا کہ تم خود مظلومیت کی داستان بنی پھرو گی۔'' لہجے میں دبی غراہٹ کے ساتھ وہ بولا۔

''مجھے اب آپ سے ڈر نہیں لگتا، یہ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں، مجھے بار بار دھمکی دینے یا ڈرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

''ماہی۔۔۔ماہی۔۔۔کیوں مجھے ہاتھ اٹھانے پر مجبور کرتی ہو۔'' گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر اس نے کھولتی نظروں سے اسے دیکھا۔ماہی لب بھینچتے اس کی بات پر مسکرائی۔

''مجھے مظلومیت کی داستان آپ صرف باتوں سے بنانا چاہتے ہیں۔''اور تمسخرانہ بولتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''آپ جس حد تک جا سکتے ہیں جائیں، میں بھی آپ کا مکمل وحشی پن دیکھنا چاہتی ہوں، محبت کے نام پر دھوکا اور فریب کھانے کے بعد آپ مجھے انتقام کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں، وہ بھی مجھے خبردار رکھ کر، یہ کسی مذاق سے کم نہیں ہے۔'' وہ متعجب تھی،مراد کا شعلہ جوالہ روپ اس لمحے اسے مذاق ہی لگا تھا۔

''بس مہ روش۔۔۔'' مراد نے کاٹ دار آواز میں اسے روکا۔

''مراد منصور مذاق کرتا ہے نہ مذاق برداشت کرتا ہے، میں چاہوں تو ابھی کہ ابھی تمہاری ذات کو تہس نہس کر سکتا ہوں اور کروں گا بھی، ہمارے درمیان تم ایک ضد کو لے کر بیٹھنا چاہ رہی ہوں ناں کہ تم اپنے منہ سے کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی،تو نہ بتاؤ، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن اپنے سامنے اکڑنے والوں میں صرف بھگاتا نہیں بلکہ اپنے پیروں تلے روندڈالتا ہوں اور اس بات کی تکلیف ہر سانس کے ساتھ تمہیں اذیت لگے گی۔''

''میں پرواہ نہیں کروں گی، مرد عورت کو کمزور سمجھ کر متکبر بننے کی کوشش ضرور کرتے ہیں مگر عورت کو اصل میں جانتے نہیں ہیں، بیشک عورت کو مرد کی نفرت، حقارت بے بس کر سکتی ہے مگر جب بات عورت کی عزت، نفس اور رشتوں کے تقدس کی ہو تو وہی بے بس عورت مرد کو بے بس کر دیتی ہے، عورت کو مردوں کے معاشرے نے پست کرنا چاہا ہے مگر اللہ نے عورت کو بہت مضبوط، صابر، شا کر بنایا ہے اور عورت اسی اللہ کے بھروسے ہر عہد میں لڑ کر ثابت قدم رہی ہے، مجھے بھی میرے اللہ پر اعتماد ہے، میں آپ کو آپ کے ہر وار کے سامنے ثابت قدم ملوں گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں پر عزم تھی۔

''دیکھا جائے گا ڈیئر۔'' مراد کو البہ وہ متاثر نہیں کر سکی تھی۔

☆......☆......☆

''علی! میں بہت مجبور ہو کر واپس تمہارے پاس آئی ہوں۔'' مستبشرہ تھک ہار کر اس کے سامنے کھڑی تھی، ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد دل کے ہاتھوں نہ نہ کرتے بھی اس شخص کے سامنے کھڑی تھی جس کی محبت کو اس نے ٹھکریا تھا اور اب جس کی محبت نے اس کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔

''کیوں مستبشرہ، اب کیوں؟'' جبکہ وہ واقعی حیران تھا، مستبشرہ آج اتنے عرصے بعد اس کے سامنے تھی اور اس وقت جب وہ اسے بھولنے کی مکمل تیاری کر چکا تھا۔

''تم خوش نہیں ہوئے مجھے پھر سے اپنے سامنے دیکھ کر؟'' وہ الٹا اس سے سوال کرنے لگی۔

''اب کیسی خوشی مستبشرہ! اب کیسی خوشی؟ تم نے تو خوشی نام کے لفظ تک سے میرے ذہن کو خالی کر دیا تھا، اب میں کیسے اور کیا کہوں تمہیں، پھر سے سامنے دیکھ کر؟'' وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا، مستبشرہ یک دم نادم سی ہوئی۔

''کچھ بھی کہو علی! مجھے برا بھلا کہو، میرے کیے کی سنگینی کو میری بد نصیبی کہو، جو کہنا ہے کہو، مگر کہو، میں شرمندہ ہوں، میں اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہوں، میں اپنی ہار تسلیم کرتی ہوں، مجھے اپنے عمل پر پچھتاوا ہو رہا ہے، تمہاری یادوں نے مجھے توڑ دیا تھا علی! میرے کہنے کو میرے منہ پر واپس مار دیا ہے، مجھے تمہارے سامنے کھڑا کر دیا، تمہاری گناہ گار ہوں، مجھے معاف کر دو۔'' بالآخر وہ بکھر گئی تھی، بری طرح شکست خوردہ ہو کر اس کے سامنے اعتراف کر گئی تھی۔

''یوں مت کہو مستبشرہ! پلیز خود کو سنبھالو۔''

''مجھے اب تم نے سنبھالنا ہے علی، تمہاری محبت نے مجھے سنبھالنا ہے اب، پلیز مجھے سمیٹ۔۔۔'' وہ اس کے سامنے گڑ گڑائی تھی۔

''اب بہت دیر ہو گئی ہے مستبشرہ۔'' وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

''نہیں علی! کوئی دیر نہیں ہوئی۔'' علی کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''تم نے جانے سے پہلے خود کہا تھا، اب ہماری راہیں جدا ہوں گی۔'' یک دم علی نے کٹھور پن کا مظاہرہ کیا۔ مستبشرہ سے محبت

کے باوجود اس کا لہجہ سخت اور تلخ ہو گیا تھا۔

''مجھے تہی داماں مت کرو علی۔''

''تم نے بھی مجھے یوں ہی مایوس کیا تھا۔''

''تم مجھ سے بدلہ لو گے۔۔۔اپنی محبت سے بدلہ لو گے؟'' وہ بے یقین ہوئی۔

''محبت میں پاگل پن تھا وہ سب، جس کا اظہار میں نے تم سے کیا تھا مگر اب جب میں خالی ہاتھ ہوں تو تمہیں ابھی کچھ نہیں دے سکتا۔'' وہ صاف اور سپاٹ بولا۔ اس لمحے کا اس نے بڑی شدتوں سے انتظار کیا تھا، جب پھر سے مستبشرہ اس کے سامنے ہو مگر آج جب وہ اس کے سامنے تھی تو نادانستہ طور پر وہ مستبشرہ کے لیے انجان بن گیا تھا۔

''میں تمہاری محبت میں یہاں واپس آئی ہوں علی، اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر، میں نے یونیورسٹی سے تمہارا ایڈریس لے کر بہت مشکلوں سے تمہیں ڈھونڈا ہے اور تم تو مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے، پھر اب کیوں پتھر دل بن کر میرا امتحان لے رہے ہو؟ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔''

''نہیں مستبشرہ! محبت میں کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا، کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی، بس وقت گزاری ہے محبت۔۔۔تم نے بھی یہی کہا تھا۔ دنیا کے مسافر خانے میں محبت کا کوئی مول نہیں ہے، ہم انسان بے قدرے ہیں، خود غرض ہیں، اپنے سوا کسی کا نہیں سوچتے، میں نے بھی محبت کو ایک پوٹلی میں باندھ کر بہتے دریا میں پھینک دیا ہے، وقت ایک جیسا نہیں رہتا، بنا کسی کا خیال کیے ہر احساس سے لاپرواہ تنہا گزر جاتا ہے اور میں خود کو اس وقت کی قید سے باہر نکال لایا ہوں، جب میں تمہاری محبت میں بے بس تھا، اب میں خود کو تم سے محبت دور کرنا چاہتا ہوں، تمہاری یادوں سے آزاد ہو کر اپنے لیے جینا چاہتا ہوں۔'' علی لچک دار انداز میں اس سے قطع تعلق کر رہا تھا، اپنی انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے دوبارہ سے دل میں بسانے کے بجائے اسے اپنانے سے انکار کر رہا تھا۔

''لیکن میں تمہارے ساتھ جینا چاہتی ہوں علی! تم سے جھوٹے پیار کا ناٹک میں نے خوشی کے لئے نہیں کیا تھا، میں اپنے بابا سے کیا وعدہ نبھانا چاہتی تھی، ان کا اعتبار جیتنا چاہتی تھی مگر مجھے تمہاری محبت نے مات دے دی۔ بابا مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، میری آنکھوں میں رقم تمہارے لیے محبت کو دیکھ کر انہوں نے اپنا وعدہ واپس لے لیا تھا، اب کی بار میں سچے دل سے تمہاری طرف آئی ہوں، میں تمہاری زندگی۔۔۔''

''اب میری زندگی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں مستبشرہ! میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں تمہیں بھولنے جا رہا ہوں۔ تم بھی مجھے بھول جاؤ، تمہارا کہا بالکل سچ تھا، علی اور مستبشرہ کم از کم اس جنم میں ایک نہیں ہو سکتے، میں تم سے دور، بہت دور تمہیں بھولنے جا رہا ہوں مستبشرہ! جہاں نہ تمہاری یادیں میرا تعاقب کریں گی، نہ میں اپنی یادوں کو تمہاری اور بڑھنے دوں گا، مجھے ابھی کہ ابھی جانا ہے، اب نہ میرے پاس تمہارے عمل کی تلافی کا وقت ہے نہ میرے پاس رکنے کا وقت بچا ہے۔ میں اپنی اس محبت کے لیے تم سے معافی کا خواستگار

رہوں گا، جو تمہیں واپس یہاں میرے پاس لائی ہے مگر ہمیں ایک نہیں کر سکتی، اپنا خیال رکھنا مستبشرہ، میرا جانا ضروری ہے۔'' علی کے دل پر اس نے پہلے کاری ضرب لگائی تھی اور اب علی گویا اس تمام دکھ و اذیت اور ملال کا مداوا کرنے کے لئے تمام حساب بے باق کر رہا تھا، مستبشرہ کو انکار کر کے اسے دل سے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اس وقت اس کے دل، دھڑکن، جذبات، خواہشات اور احساسات پر دماغ حاوی تھا۔ وہ مستبشرہ جمال سے عشق کے باوجود بے حس، خود سر بن گیا تھا، اس کی آنکھوں میں امید کی کرن کی کوئی رمق باقی نہ تھی، جو وہ نرم پڑتا۔

''شاید اسے ہی مکافات عمل کہتے ہیں۔''

''تم اپنی دنیا میں واپس چلی جاؤ مستبشرہ جمال، کیوں کہ میری دنیا میں اب محبت کی گنجائش باقی نہیں رہی، مجھے اب محبت پر یقین نہیں رہا، مجھے تم پر یقین نہیں رہا، مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں رہا، ایک بار کے بعد بار بار مرنا نہیں چاہتا، میں موت سے پہلے اپنی زندگی، اپنی سانسوں کے سامنے تمہاری وجہ سے فل اسٹاپ نہیں لگا سکتا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلی جاؤ۔'' وہ قطعیت سے کہتا واپسی کے لیے مڑ گیا تھا، مستبشرہ جمال کو اسی کے کھیل میں مات دے کر، اسے تہی داماں چھوڑ کر، کچھ پل وہ وہیں ساکت کھڑی علی کی باتوں کو سچ جھوٹ کے ترازو میں تولتے ہوئے قسمت کے اس وار پر بے یقین تھی، جامد قدموں کے ساتھ دل کی دھڑکن اسے بیٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اشکوں کی روانی کا تسلسل تیز رفتاری سے جاری ہو گیا تھا جنہیں ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی وہ بے بسی سے بچنا چاہ رہی تھی، جبھی اسے اپنے اندر انجانی سی طاقت محسوس ہوئی تھی۔ شاید یہ طاقت اس کی محبت کی طاقت تھی، جسے محسوس کرتے ہی وہ سرعت سے آگے کی طرف بڑھی تھی جہاں دور سے علی آیان گیلانی کی پشت دکھائی دے رہی تھی، وہ اس تک ایک ہی جست میں پہنچنا چاہ رہی تھی مگر اس کی راہ میں آناً فاناً لوگ جھنڈ کی طرح آ گئے تھے، اس کے لیے ایک دم آگے بڑھنا ناممکن ہوا تھا۔ یہی ناممکن اگلے لمحے علی کو کھونے کے ڈر سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر لایا تھا۔

☆......☆......☆

دسمبر کا مہینہ اپنے جوبن پر تھا، ہوا میں چھائی خنکی سردی کو بڑھانے میں محو تھی، دھوپ کی حدت اپنی شدت میں کم اثر معلوم ہو رہی تھی۔ مہ روش اپنے گرد شال لپیٹے لان کے بیچوں بیچ کرسی سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے پر سوچ انداز میں بیٹھی تھی۔ دل کی ہر دھڑکن پر دھند چھائے جا رہی تھی۔ گزشتہ عرصے میں دیکھے ہر سپنے وخوشگوار احساس پر دھیرے دھیرے برف جمتی جا رہی تھی، بہت سوچنے کے بعد وہ ایک نقطے پر پہنچی تھی۔

زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر لوٹ آئی تھی، دعوتوں وغیرہ کے سلسلے اختتام کو پہنچے، مراد صبح آفس جاتا اور شام 4 بجے کے بعد گھر واپس آ جاتا، مہ روش نے مہندی کا رنگ اترتے ہی گھر کے کاموں میں پہلے پھپھو کا ہاتھ بٹانا شروع کیا پھر مراد کے تمام کام اپنے ذمے لیے، کچن کے کاموں سے لے کر گھر کی صفائی اور کپڑے جھونے اور استری کرنے تک کے کام پھپھو کے منع کرنے کے باوجود خود کرنے شروع کئے بلکہ اپنی مصروفیت کا شاندار بہانہ ڈھونڈا، فارغ رہ کر وہ نہ تو مراد کو سوچنا چاہتی تھی نہ اپنی بے بسی کا رونا رونا چاہتی تھی، جو گزر گیا وہ بس گزر گیا

تھا اب وہ مراد کی چال کو مکمل آزادی دے کر اپنا مزید مذاق نہیں اڑانا چاہ رہی تھی، مراد کا کھل کر مقابلہ اس کے بس کی بات نہ تھی، نہ وہ ایسی کوئی بے وقوفی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، بند کمرے میں خاموش رہنا بھی بے سود تھا، مراد منصور کو متواتر سننا اور برداشت کرنا اس کے اعصاب پر بھاری گزرتا، اس نے کم ازکم کمرے کی حدود کے اندر الٹا سیدھا جیسا بھی سہی بس اب مراد کو جواب دینا تھا، مراد کے اندر چھپے غصے کی انتہا وہ دیکھنا چاہتی تھی، اسی کی زبان سے اس کے کیے کا اعتراف کروانا چاہتی تھی، کلثوم پھپھو کی نظر میں اسے اسی کے ہاتھوں لانا چاہتی تھی۔ اپنی بے بسی دبانے کے لئے سب کے سامنے خوشی وانبساط کا لبادہ اوڑھ کر مراد کی نام نہاد اعلیٰ ظرفی کا بھید کھولنا تھا اس نے اب۔ اپنی زندگی کے رنگ پھیکے کرنے والا یہ شخص اسے بہت اجنبی، بہت پرایا لگنے لگا تھا۔ مراد سے اپنی دلی وابستگی اسے دم توڑتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ تمام حساسیات سے جو وہ شروع سے اس رشتے کو نبھانے کے لئے سنبھالے رکھے تھی وہ اس بے حس، مطلبی، دھوکے باز شخص کی وجہ سے لاپرواہی میں بدل گئی تھیں۔ وہ فیصلہ کرنا چاہتی تھی، مراد کے پے درپے وار سہہ کر وہ شاید ساری زندگی کا ارادہ ہرگز بھی نہیں رکھتی تھی، امانت میں خیانت وہ چاہتی نہیں تھی مگر اس کی امانت میں موجزن چاہتوں کے سمندر کی قدر اور احساس مراد منصور کو نہیں تھا، پھر وہ کیوں ستی ساوتری بنتی؟ چپ چاپ رہ کر وہ مزید اپنی تضحیک نہیں کرواسکتی تھی۔

''مہ روش بیٹا! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ ہوا چل رہی ہے، بیمار ہو جاؤ گی، اٹھو شاباش، اندر آجاؤ۔'' خیالوں، سوچوں کی دنیا سے اسے پھپھو کی آواز باہر لائی تو اس نے آنکھیں وا کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ واپس چلی گئیں۔ ماہی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی، جہاں ہوا کے ساتھ ساتھ بادل بھی جمع ہو گئے تھے۔ بارش کا امکان بھی تھا، وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے اپنے کمرے میں چلی آئی اور ایک مرتبہ پھر فرصت سے سوچنے لگی۔

''میرا انتقام آپ کی طرح بھیانک تو نہیں ہوگا مراد منصور، لیکن میں اپنی معمولی سی کوشش سے آپ سے بدلہ لوں گی، میں اب ہر وہ عمل وفعل کروں گی جو آپ کی طبیعت پر گراں گزرے، جو آپ کو پسند نہیں، جس سے آپ کو غصہ آئے۔'' اس کی نگاہیں دیوار پر آویزاں مراد کی قدآدم تصویر پر جمی تھیں۔

''آپ وقت کے بہت پابند ہیں، کام میں آپ کوتاہی برداشت نہیں کرتے، آپ ہمیشہ ہر وقت سوٹڈ بوٹڈ رہنا چاہتے ہیں ناں، مگر اب نہیں۔ میں آپ کو وقت کی پابندی بھلا دوں گی، آپ کے کام خود بخود بگڑیں گے۔'' اپنی سوچ میں اس نے پوائنٹس (Points) ترتیب دینے شروع کئے۔

''آپ صفائی پسند بھی بہت ہیں، ہر چیز آپ کو جگہ پر اور ترتیب سے چاہیے ہوتی ہے مگر آج کے بعد سب کچھ آپ کو بے ترتیب نظر آئے گا، یہ کمرہ گندہ ملے گا، اسی طرح جس طرح آپ کی سوچ گندی ہے۔'' سنجیدگی سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

''آپ کی موسٹ فیورٹ چائے، جو آپ کی روٹین میں ایک ضرورت ہے، چائے آفس کی ساری تھکن اتار دیتی ہے۔ یہی کہنا

ہے ناں آپ کا؟ مگر اب آپ اعتراف کریں گے کہ چائے آپ کی تھکن مزید بڑھاتی ہے، میں چائے کو اسی طرح آپ کے لیے عذاب کر دوں گی جس طرح آپ نے میری زندگی کو اپنی ذات کی بدترین پر چھائی سے کیا ہے۔'' وہ مراد منصور کے وار سے اندر تک گھائل تھی، زخمی لہجے میں سوچتے وہ کھڑکی کے پاس آئی اور کھڑکی کے پٹ وا کر کے باہر دیکھنے لگی، ہوا کے خوشگوار جھونکے تسلسل سے اس کے چہرے سے ٹکراتے ہوئے بکھرنے لگے۔

''وقار بھائی سے نفرت ہے ناں آپ کو؟ تو اسی نفرت کو سب کے سامنے لانے کے لیے میں بار بار وقار بھائی کو آپ کے سامنے کھڑا کروں گی، وقار بھائی کے ذریعے ہر موڑ پر آپ کی اعلیٰ ظرفی کا امتحان لوں گی۔'' اس کی سوچ میں قطعیت تھی اور سوچنے کا انداز دوٹوک تھا، اس کا دل مراد نے مردہ کیا تھا اور اب وہی مردہ دل مراد کے لیے کٹھور بنا تھا۔

''اور میں۔۔۔'' وہ توقف کے لیے رکی۔ ''مجھ سے جو امید آپ نے لگا رکھی ہے، میں آپ کی وہ امید خاک میں ملا دوں گی۔'' وہ نخوت سے بڑبڑائی۔

☆......☆......☆

''محبت مذاق نہیں ہے مراد منصور۔۔۔'' ایک رنج اسے کھائے جا رہا تھا۔ ''اپنی محبت کو جتانے، نیچا دکھانے کے لئے آپ نے مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا تا کہ میری وجہ سے آپ کی انا کا پتلا سلامت رہے۔ مگر اس سب پلان میں آپ نے میری ذات کو، میری انا کو پاش پاش کر دیا ہے، آپ کی نظر میں میری کوئی عزت، کوئی مقام نہیں ہے تو پھر میں کیوں آپ کو اپنے دل کے تخت پر پورے مان سمان سے بٹھاؤں؟ آپ نے اپنی محبت کے لئے میری محبت کا استعمال کرنا چاہا ہے لیکن میری محبت حقیر نہیں ہے۔'' مراد کے ہاتھوں محبت میں فریب کھانے کا دکھ اس کے لیے اذیت ناک تھا۔ ''عروش کے چیلنج کو آپ کبھی پورا نہیں کر سکیں گے، میری جس خوبصورتی اور اسٹائل نے آپ کو میری طرف مائل کیا تھا، جس کے سہارے آپ مجھے عروش کے مقابلے میں اتار کر اپنی تضحیک کا بدلہ لینا چاہتے تھے، میں اس میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گی، میں خود کو بدل دوں گی تا کہ آپ کا خواب ہمیشہ تشنگی کی چادر اوڑھے حسرتوں کے سائے تلے اپنی بے بسی پر ماتم کرے۔'' تمام پوائنٹس ترتیب دے کر وہ مطمئن ہوئی۔

''آئندہ اب نہ میرا کوئی اسٹائل ہو گا نہ خوبصورتی برقرار رہے گی۔ میں نہ سجوں گی، نہ سنوروں گی، میری آنکھوں میں کوئی چمک ہو گی نہ چہرے پر شائستگی و نزاکت، میں اپنی ذات سے آج کے بعد لاپرواہی برتوں گی، یوں ہی آپ کو آپ کے کھیل میں مات کا احساس بگاڑے گا۔'' وہ مکمل سوچ چکی تھی۔

''اب آپ کا سامنا مہ روش سعید سے نہیں مسز مراد منصور سے ہو گا جو آپ کو آپ ہی کے انداز میں ملے گی۔'' وہ رسانیت سے دوٹوک بولی۔

''اور میرا یہ معمولی ساری ایکشن آپ کے ہر ایکشن کے لیے کافی ہو گا۔'' کھڑکی کے پٹ بند کرتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی،

ذہن و دل مکمل طور پر ریلیکس ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

علی آیان حسن گیلانی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا، جھنڈ کی صورت جمع لوگ رفتہ رفتہ وہاں سے ہٹ گئے تھے، اس کی آنکھیں مانو تو پتھر جیسی ہو گئی تھیں، بالکل سپاٹ، ویران، اداس سی، مگر وہ پھر بھی ہمت نہ ہارنا چاہتی تھی کہ اندر دھڑکتا دل علی کے نام کی مالا جپ رہا تھا، ایک اور کوشش کے لیے اس نے پھر سے قدم بڑھائے تھے، اسی طرف جہاں کچھ دیر پہلے علی گیا تھا، وہ اسے کسی صورت کھونا نہیں چاہتی تھی، کسی بھی صورت نہیں مگر تیزی سے اٹھتے، آگے بڑھتے قدم پوری سکت کے باوجود اس کا ساتھ دینے میں ناکام لڑکھڑائے تھے، وہ اگلے ہی لمحے زمین بوس ہوئی تھی۔

''آہ۔۔۔'' وہ کراہتے ہوئے بدک کر اٹھی، آنکھوں کے سامنے مکمل اندھیرا تھا۔

''علی! کہاں چلے گئے ہو تم؟'' وہ اٹھ کر پھر سے آگے کی اور جانا چاہ رہی تھی مگر اب کی بار پھر وہ زمین پر گری تھی لیکن اسے گرنے کا ہوش کہاں تھا۔

''پلیز علی! واپس آ جاؤ۔۔۔'' پھر سے اٹھنے کی کوشش کرتی وہ التجائی ہوئی، جبھی اسے ایک اور رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا، اب کہ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو ٹانگ میں تکلیف کا احساس جاگا، البتہ وہ مکمل حواس میں نہیں تھی۔

''کہاں ہوں میں۔۔۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟'' وہ توقف کے لیے رکی، منتشر ذہن کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی، جھک کر اندھیرے میں رکاوٹی شے کو محسوس کرنا چاہا، کان سائیں سائیں کرتے محسوس ہوئے، حیرت و بے یقینی سے آنکھیں پھیل گئی تھیں، وہ اپنے کمرے میں تھی۔

علی کے پاس واپس جانا، اپنی محبت کی بھیک مانگنا، اس کے ساتھ کی التجا، علی کا اسے چھوڑ کر جانا، مستبشرہ جمال کا پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگنا، سب خواب تھا، وہ خواب دیکھ رہی تھی، خواب میں قدموں کی لڑکھڑاہٹ نے اسے نیند سے بیدار کر دیا تھا مگر خواب کے زیرِ اثر پھر سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش میں وہ پہلے بیڈ سے نیچے گری تھی اور پھر کچھ فاصلے پر پڑی ٹیبل نے اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالی تھی، کمرے میں رات کی تاریکی کے سبب گہرا اندھیرا تھا، حواس میں آتے ہی اس نے لائٹ آن کی۔ وہ گہری بے یقینیوں کی زد میں تھی، اس نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، دھڑکن معمول سے تیز تھی، اضطرابی کیفیت میں مبتلا اَن ہونی کا خوف اسے ڈرانے لگا، صوفے پر بیٹھ کر اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپایا، سخت سردی میں بھی اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ سائیں سائیں کرتے کانوں میں اردگرد پھیلی عمیق خاموشی کو چیرتی اسے یک دم ہنسنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اسے لگا جیسے وہ ہزار کروڑ لوگوں کے بیچ بیٹھی ہو اور سب کے سب اس پر ہنس رہے ہوں، اور اس کی زبان گنگ سی انہیں منع کرنے میں ناکام ہو گئی ہو، کھو دینے کے احساس سے شل ہو گئی ہو، فی الوقت وہ صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

سردی کی طویل رات میں سیکنڈ کا ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا گیا، لمحوں کی قید نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا اور وہ کوئی احتجاج نہیں کر رہی تھی، ہنسی کی آوازیں دھیرے دھیرے مدھم پڑ گئی تھیں، کمرے کی فضا شانت ہو گئی تھی، لیکن ایک طوفان تھا جو اس کے دل و ذہن میں برپا ہو کر بے قرار سمندر کی بے قابو ہوتی لہروں کی طرح ہلچل مچانے پر تل گیا تھا۔

گزرا ایک ایک لمحہ وہ شدت سے یاد کرنے لگی، علی کی محبت، علی کی دیوانگی، علی کی شدت، علی کی چاہت، علی کا ہنسنا، علی کا بولنا، علی کا کہا لفظ۔۔۔اور۔۔۔۔اور وہ رات۔۔۔ جب اس نے ایسا ہی ایک خواب دیکھا تھا، ایک عجیب خواب۔۔۔ جب وہ اور علی ایک صحرا کے بیچوں بیچ کھڑے تھے، مستبشرہ اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے مگر علی یقین نہیں کرتا، مستبشرہ اس سے اپنی زندگی، اپنی خوشی کی بھیک مانگتی ہے، پر وہ سنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مستبشرہ پر چیختا ہے، چلاتا ہے، اسے چھوڑ کر جانے لگتا ہے، وہ علی کو بہت روکتی ہے مگر وہ نہ سنتا ہے نہ رکتا ہے، اسے چھوڑ کر جانے لگتا ہے، اتنے میں بڑے زوروں کی ہوا چلتی ہے اور وہ مستبشرہ کے دیکھتے ہی دیکھے اڑتی دھول مٹی میں کھو جاتا ہے، وہ اسے تلاش کرتی ہے مگر وہ اسے صحرا میں دبا ملتا ہے، اسے تمام عمر کے لئے تنہا چھوڑ کر چلا جاتا ہے، تب وہ اس خواب کی حقیقت سمجھ نہیں پائی تھی مگر آج، ابھی، اس وقت اس پر اسی حقیقت کا ادراک ہو رہا تھا، وہ خواب تھا یا حقیقت کا عکس؟ اس کے عمل کی سنگینی کو اسی پر الٹنے کا اشارہ تھا یا تب کے کھیل کو تب ہی روک دینے کا عندیہ تھا، کیا تھا وہ سب؟ جسے سننے کے بعد ماہی نے اسے پیچھے ہٹنے کو کہا تھا مگر اس پر اپنے بابا سے کیے وعدے کو نبھانے کا جنون سوار تھا مگر جو بھی تھا تب وہ نہیں رکی تھی تو کیا آج کا خواب اسے جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھا، حقیقت کے کس پہلو سے پردہ اٹھانا چاہ رہے تھے دونوں خواب؟

دونوں خوابوں میں علی سے اپنے پیار، اپنی زندگی وخوشی کی بھیک کیوں مانگی اس نے؟ کیوں دونوں خوابوں میں علی اسے چھوڑ کر جاتا ہے اور وہ اسے روک نہیں پاتی؟ کیوں پہلے صحرا کی اڑتی طوفانی دھول، مٹی اور پھر لوگوں کا جھنڈ اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر اسے تشنہ چھوڑ گئے؟ لوگوں کی ہنسی کی آوازیں کیا جتانا چاہ رہی تھیں اسے، کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ؟ قسمت کیا کھیل، کھیل رہی تھی اب اس کے ساتھ؟ کہیں وہ قسمت کے سنگین مذاق کا نشانہ تو نہیں بن گئی تھی، اپنے ہی ترتیب دیئے گئے پلان اور ناٹک میں بازی اسی پر تو نہی پلٹ گئی تھی؟

مستبشرہ جمال سوچوں کے گھن چکر میں پھنسی اپنی ہی عدالت میں اپنے کیے پر کٹہرے میں کھڑی تھی، وقت بھی جیسے اس لمحے تھم سا گیا تھا، یہ اعتراف جرم کا وقت تھا، اسے آج اور ابھی سزا یا جزا سنائی جانی تھی، وہ حتمی فیصلے کی منتظر ہوئی، کارروائی شروع ہو گئی تھی، علی کے ساتھ ساتھ اس کی تینوں دوستیں بھی اس کے خلاف گواہی دینے اس کی عدالت میں آ پہنچی تھیں۔ علی تمام کارروائی کے دوران خاموش تھا جبکہ اس کی تینوں دوستیں ماہی، معطر اور عدن اپنے بیان ریکارڈ کروا رہی تھیں۔

''ہم تینوں نے اسے روکا تھا۔'' وہ تینوں کہہ رہی تھیں۔

''ہاں مگر۔۔۔'' مستبشرہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ماہی اسے ٹوک گئی۔

''میں نے تم سے کہا تھا مستبشرہ! کہ جھوٹے پیار کا ناٹک مت کرو، ایک دن تمہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا، تمہارا جھوٹ سچ

میں بدل جائے گا، ناممکن کو ممکن ہونے میں پل بھر کی دیر لگتی ہے، علی کے جذبات کی سچائی نے تمہیں اندر سے موم کر دیا ہے، تمہاری کیفیت گواہ ہے مستبشرہ! تمہیں کیسے کا مداوا کرنا پڑے گا اور وقت آ گیا ہے کہ تم علی سے معافی مانگو، شرمندہ وہ نادم ہونے کے ساتھ اعتراف شکست کرنا ہوگا۔'' ماہی کی آواز اسے اپنے قریب بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔

مستبشرہ کا سر دھیرے دھیرے جھکتا جا رہا تھا، شاید یہ انداز اعترافِ شکست کا تھا، وہ نالاں تھی، اس کی گھمبیر خاموشی نے آخری مہر ثبت کر دی تھی، کوئی اعتراض، کوئی احتجاج اس کے پاس باقی نہیں رہا تھا، عدالت برخاست ہو گئی تھی۔ وہ تھکے جسم کے ساتھ بوجھل قدم اٹھاتی اس جگہ آئی جہاں علی کا خط اور لاکٹ پڑا تھا۔

''میں ہار گئی ماہی! میں ہار گئی۔ میں نے علی کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا ہے، ساری عمر کے لیے۔'' وہ کمزور لہجے میں بولی تھی، آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی جیسے قطرے نکل کر اس کے گال پر گر رہے تھے۔

''میرا مان توڑ دیا علی نے، میرا غرور خاک میں ملا کر مجھے میری ہی نظروں میں جھکا دیا، میرا کہا غلط ثابت ہو گیا، میں نے اپنا نقصان اپنے ہاتھوں سے کیا، قسمت نے جھوٹ کو سچ کر کے دکھایا ماہی! ناممکن کا سوال ہی باقی نہیں رہا، میرے پاس اب انکار کا کوئی جواز نہیں بچا، میں شرمسار ہوں، علی کو دھوکہ، تکلیف، اذیت دینے پر ندامت ہو رہی ہے مجھے، میرے اندر چھڑی جنگ ختم ہو گئی ہے، میں ہار گئی ہوں ماہی۔۔۔'' مستبشرہ نے تمام ہتھیار پھینک دیئے تھے، اس کا ازلی غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہر سزا کو قبول کر رہی تھی۔

''مجھے معاف کر دو علی! میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے، میں تمہاری گناہ گار ہوں، پلیز مجھے معاف کر دو۔'' وہ ہر الجھن آمیز سوچ سے آزاد ہو چکی تھی، اس سے آگے اسے سید جمال شاہ سے کیا وعدہ یاد تھا نہ اس وعدے کا پاس رکھنے کی کوشش وہ کر رہی تھی، بس تھی تو اپنے ضمیر کی عدالت میں پچھتاوے میں گری۔

''میں مستبشرہ جمال۔۔۔ آج ابھی اسی وقت اعتراف کرتی ہوں کہ میں علی آیان حسن گیلانی سے محبت کرتی ہوں، میں مانتی ہوں، تمہاری محبت میں اپنی شکست کو تسلیم کرتی ہوں، تمہارے بے لوث جذبات، سچی محبت اور یہ لاکٹ گواہ ہیں، میں صرف تمہاری ہوں، اس جنم میں علی اور مستبشرہ جمال ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں، ایک دوسرے کی محبت کے لیے بنے ہیں۔'' مستبشرہ جمال نے ہاتھ میں پکڑے لاکٹ کو بہت گہری، محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہونٹوں سے لگایا، پھر توقف کے بعد اسے پہن لیا، لاکٹ کے جسم سے مَس ہوتے ہی اسے خوبصورت احساس نے گھیرا تھا، یہ لمحہ اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

''علی! تم نے میری روح تک رسائی پا لی ہے، میں تمہاری سچائی کی معترف ہوں۔ میں ہر لمحہ تمہیں محسوس کروں گی، لیکن پلیز مجھے معاف کر دینا۔'' وہ تو بس ہر سانس کو جذب سے اندر اتارنے میں محو تھی۔ باقی کی رات کس رفتار سے گزری اسے پتہ نہیں چلا تھا۔

☆......☆......☆

بدلے کی مہم شروع ہو گئی تھی، ابتدا اس نے سویرے کی، مراد کے کپڑے اور شرٹس وغیرہ کل دھونے کے بعد اس نے دانستہ استری

نہیں کیے، صبح معمول سے گھنٹہ آدھ دیر سے اٹھی، مراد شاور لے رہا تھا، وہ کچن میں چلی آئی، کلثوم بیگم بھی کچھ دیر بعد وہاں آئیں، وہ انہیں سلام کرتی اپنے کام میں مصروف ہوگئی، جبھی کمرے میں مراد کی اونچی آواز کچن میں گونجی۔

''مہ روش۔'' مراد اسے بلا رہا تھا لیکن وہ سن کر بھی سنی ان سنی کر گئی تھی۔

''ماہی!'' مراد کی آواز پھر آئی تھی۔ وہ دھیان دیئے بغیر سر جھکائے مصروف رہنا چاہ رہی تھی، اتنے میں مراد نے پھر سے اس کا نام پکارا تو کلثوم بیگم اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بیٹا! مراد تمہیں آواز دے رہا ہے، کوئی کام ہوگا اسے، تم اس کی طرف جاؤ، میں یہاں دیکھتی ہوں۔'' پھپھو نے اسے جانے کو کہا۔ مہ روش، مراد کی آواز نظر انداز کر کے اسے کچن میں پھپھو کے سامنے چلاّتے ہوئے دیکھنا چاہ رہی تھی مگر پھپھو کے کہنے پر اسے مجبوراً کام سے ہاتھ روک کر کمرے کا رخ کرنا پڑا۔

''بہری ہو گیا؟ کب سے آوازیں دے رہا ہوں، آ کیوں نہیں رہی تھیں؟'' اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ عادت سے مجبور فوراً کڑی آواز میں پھٹ کر بولا۔

''مجھے ایک بھی آواز سنائی نہیں دی، اب بھی پھپھو نے بتایا ہے، تب آئی ہوں۔'' وہ بے فکر انداز میں کہتی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری ایک بھی شرٹ استری شدہ نہیں ہے، کچھ دیر میں مجھے آفس کے لیے نکلنا ہے لیکن تمہیں تو خبر ہی نہیں ہے۔ کیا کرتی رہی ہو کل؟'' گھورتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''کام۔'' ماہی نے تحمل سے مختصر جواب دیا۔

''کون سے کام؟'' وہ مزید غصہ ہوا۔

''گھر کے کام۔'' لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''یہ کام زیادہ اہم ہے۔'' مراد نے ایک شرٹ اٹھا کر اس کی طرف پھینکی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا۔'' وہ آرام سے بولی، البتہ شرٹ اس سے ٹکرا کر زمین پر گری تھی مگر اس نے پکڑنے یا اٹھانے کی زحمت تک گوارہ نہ کی، مراد کی یہ حرکت اسے زہر لگی تھی۔

''کیا اول فول بک کر میرا وقت ضائع کر رہی ہو، اٹھاؤ شرٹ اور استری کر کے لاؤ۔'' وہ دیر سے بچنے کے لئے جلدی سے بولا۔ ماہی کے پلان سے بے خبر تھا، سوری ایکشن حد کے اندر تھا۔ ماہی نے زمین پر پڑی شرٹ اٹھانے کے بجائے آگے بڑھ کر الماری سے دوسری شرٹ نکالی، مراد نے بھوئیں سکیڑ کر اسے دیکھا، کچھ حیران بھی ہوا۔

''ناشتہ تیار ہے؟ تمہارے استری کرنے تک میں ناشتہ کر لوں گا۔'' مراد کام اور وقت کے معاملے میں حد درجہ پنکچوئل تھا، سو

استفسار کیا کہ یوں وقت بچ جائے گا۔

''ابھی بنانا شروع کیا تھا اور آپ نے بلا لیا، تھوڑا بہت ٹائم لگے گا۔'' مراد جتنی جلدی چاہ رہا تھا ماہی اتنی ہی بے فکری سے بتا رہی تھی۔

''آٹھ بجے سے پہلے مجھے آفس کے لئے نکلنا ہوتا ہے، ساڑھے سات ہو گئے ہیں، دیر ہو رہی ہے مجھے، کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے آج؟'' وہ عجلت میں تنگ آیا۔

''آپ کی باتوں کا جواب دینے میں مزید وقت نکلا جا رہا ہے، آپ کچھ دیر خاموش رہیں، میں شرٹ استری کر کے ناشتہ بناتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے بنا اسے دیکھے اور رکے کمرے سے باہر نکل آئی، مراد نے عجیب نظروں سے پلٹتے ہوئے دروازے کو دیکھا تھا۔ مہ روش نے سست روی سے دس منٹ لگاتے ہوئے شرٹ استری کرنے کے بعد جا کر اسے دی، مراد سب نوٹس میں رکھے ہوئے بھی بمشکل چپ رہا کہ مزید بحث سے دیر نہ ہو، ڈریس اپ ہونے کے بعد وہ جب ناشتے کے لیے آیا تب تک آٹھ بج چکے تھے، جلدی جلدی ناشتہ کرتے ہوئے اس نے کلثوم بیگم سے اتنا ضرور کہا تھا۔

''امی! آج پہلی مرتبہ مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ اسے سمجھائیں کہ آئندہ ایسا نہ ہو، آپ جانتی ہیں میں کبھی بھی لیٹ ہونا پسند نہیں کرتا۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ شیلف کے پاس کھڑی ماہی نے اس کی بات پر دھیرے سے اس کی طرف دیکھا۔ ماں کے سامنے اس کے چہرے پر غصے کا کوئی عنصر نمایاں نہ تھا، بس انداز ماہی کے لئے تنبیہہ لیے تھا، وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔

''ابھی کچھ مزا نہیں آیا، لیکن خیر۔۔۔ آگے آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' سوچتے ہوئے وہ خاموشی سے وہیں آئی اور چیئر کھینچ کر بیٹھی اور اپنا کپ اٹھا کر چائے پینے لگی، کچھ ہی دیر میں مراد آفس کے لیے نکل گیا تھا، پھر پھپھو بھی ناشتہ کر چکی تھیں، اس نے چائے ختم کی اور معمول کے مطابق کچن سمیٹا، پھر کچن کے کاموں سے فراغت کے بعد کمرے کا رخ کیا، پہلی نظر زمین پر پڑی شرٹ پر گئی تو ذہن میں ایک اور خیال ابھرا، نظر اٹھا کر اس نے کمرے کو سرسری دیکھا، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تولیہ رکھا تھا، برش بھی ڈرا سے باہر تھا، مراد کی آفس کی چند فائلز وغیرہ صوفے پر پڑی تھیں۔

''آپ تو بڑے صفائی پسند، نفاست کے قائل بنے پھرتے ہیں، مگر یہ کیسی نفاست پسندی ہوئی کہ ہر چیز بے ترتیب ہے، بے ڈھنگی نظر آ رہی ہے، اگر یہی آپ کی صفائی پسند طبع کے عین اوپر اترتی ہے تو یونہی سہی، پڑیں رہیں اسی جگہ۔'' وہ گویا سوچتے ہی بے غم ہوئی۔

مراد صبح یونہی چیزیں ادھر ادھر پھیلا کر آفس جاتا تھا مگر واپسی پر اسے کمرہ ایک دم صاف اور ہر چیز جگہ پر چاہیے ہوتی تھی، ماہی اس کے آفس جانے کے بعد کچن سمیٹتی پھر کمرے کے الجھاؤ کو سلجھاتی، مگر اب اسے اس نے ہر وہ عمل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا جس سے مراد کا پارہ ہوا ہو، سو بے فکر انداز میں کمرے سے باہر نکل آئی۔ دل اندر سے سوگوار تھا، ٹی وی آن کر کے بے خیال انداز میں چینل سرچ کرنے لگی۔ ذہن میں دِرعدن اور معطر فاطمہ کی باتیں آئیں جو شادی سے پہلے فون پر انہوں نے کی تھیں۔

''رابطے میں رہنا، یہ نہ ہو مراد بھائی سے فرصت ہی نہ نکالو۔'' دِرعدن کا وہی شوخ و چنچل انداز تھا، تب وہ مسکرائی تھی۔

''ماہی! زندگی بہت خوبصورت ہے، آئی وِش کہ مراد بھائی تمہیں ہر وہ خوشی دیں، تمہارا خیال رکھیں کہ تمہیں ہر پل زندگی حسین لگے، میں چاہوں گی کہ ہم جب بھی فون پر بات کریں، تمہاری آواز، تمہاری خوشی کی کہانی سنائے۔'' معطر اپنی پیاری سی آواز میں اس کی خوشیوں کے لئے دعا گو تھی۔

''آئی ایم سوری عدن، معطر۔۔۔! میں چاہتے ہوئے بھی اب تم دونوں سے رابطہ نہیں کرسکوں گی، میری آواز میں مصنوعی خوشی کا عنصر تمہیں میری بربادی کا حال سنا دے گا، میں اپنی وجہ سے کسی کو پریشان نہیں کرسکتی، میری زندگی میں مراد سے متعلق کوئی لمحہ خوبصورت نہیں ہے جو میں تمہیں بتا سکوں، اور معطر! ہر بار زندگی ہر ایک کے لیے حسین نہیں ہوتی، ایک ایک لمحہ کبھی کبھار اذیت بن جاتا ہے اور مراد منصور کی ذات مجھے خوشی کے بجائے صرف دکھ دیئے جا رہی ہے، ایسا دکھ جسے جھیلنا بہت تکلیف دہ ہے مگر میں اسے کسی کے ساتھ بھی نہیں بانٹ سکتی، تم سب دوستوں کے ساتھ بھی نہیں۔'' سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

بچپن سے لے کر اب تک وہ ہر غم سے آزاد رہی تھی، اس کی ہر خواہش، ہر خوشی ہمیشہ پوری کی گئی تھی، اس کی طبیعت میں تتلی کے خوبصورت پروں جیسے بے شمار رنگ تھے، ہنسنا ہنسانا، بولنا، شرارت کرنا، ہر پل کو کھل کر جینا اس کی سرشت میں شامل تھا، چہرے پر خوبصورت سجیلی مسکراہٹ سنبھالے وہ زندگی کی رنگینی و خوبصورتی میں مگن رہنا جانتی تھی۔ کبھی دکھ تکلیف کی بات تک اس نے نہیں کی تھی مگر اب ایسے دکھ کا گھیرا دل کے گرد تنگ پڑا تھا کہ اپنی زندگی کے گزرے سال اسے اجنبی سے لگنے لگے تھے، وہ ہنسنا، بولنا، شرارت کرنا کسی نادانی سے بڑھ کر لگ رہے تھے۔ مراد کے دیئے دکھ نے اسے اپنے خول میں قید کر کے اندر سے نچوڑ لیا تھا، وہ بے بس ہوگئی تھی مگر ظاہر کسی طور نہیں کرنا تھا اسے۔

شام تک وہ معمول کے کاموں میں مصروف رہی، البتہ کمرے کا دوبارہ رخ نہیں کیا، مراد وقتِ مقررہ پر گھر آیا تھا۔

''چائے بناؤ، میں ڈریس چینج کر کے آتا ہوں۔'' کلثوم بیگم کو سلام کے بعد وہ اسے کہتا کمرے کی طرف بڑھا، ماہی اثبات میں سر ہلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی، وہ کمرے میں آیا اور ماہی کے خیال کے مطابق پہلی نظر پڑتے ہی حیران ہوا، کمرہ بے ترتیب حال میں تھا، بیڈ شیٹ سلوٹوں سے بھری پڑی تھی، صبح جو شرٹ اس نے پھینکی تھی وہ اس کے پیروں تلے تھی، کمرے کا یہ حال شادی کے بعد پہلی بار اسے دیکھنے کو ملا تھا، برا سا منہ بنا تا وہ ڈریس چینج کرنے کے لیے آگے بڑھا، ڈریس چینج کرنے کے بعد وہ باہر چلا آیا، جب تک ماہی بھی چائے بنا کر لے آئی تھی۔

''آج کمرہ صاف نہیں کیا تم نے؟'' اس نے ماں کے سامنے ہی اس سے باز پرس شروع کر دی۔

''نہیں۔'' وہ آہستگی سے جواب دیتی کپ اسے تھما کر صوفے پر جا بیٹھی۔

''کیوں؟''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں، ٹھیک تو لگ رہی ہو؟'' چائے پینے سے پہلے ہی وہ بولا۔

''سر میں درد تھا۔''

''ابھی تو نہیں ہے ناں، جاؤ صاف کرو، میرا دل تنگ ہوتا ہے گندگی سے۔''

''کل ہی کروں گی اب، ابھی کپڑے بھی پریس کرنے ہیں۔'' وہ بتانے لگی، البتہ دل میں الگ اس سے مخاطب ہوئی۔

''کمال ہے، ساری گندگی تو آپ کے اپنے ذہن میں ہے، پھر اسے کیسے برداشت کر رہے ہیں؟''

''اخ۔۔۔ چائے کیسی بنائی ہے آج، لگتا ہے گرم پانی اتار لائی ہو چولہے سے۔'' مراد نے اس کی پہلی بات کا جواب دینے سے قبل چائے ہونٹوں سے لگائی تھی مگر ایک ہی گھونٹ بھی بمشکل اندر اتارنے کے بعد کپ اس نے ٹیبل پر رکھا تھا۔

''کیوں ٹھیک نہیں بنی؟'' پھپھو کے سامنے وہ اتنا ہی پوچھ سکی تھی۔

''ایک تو بے ذائقہ، اوپر سے کچی ہے۔'' وہ بدمزہ سا ہو کر بولا تھا۔

''اچھا۔۔۔'' اس نے مصنوعی حیرانگی ظاہر کی۔

''مہ روش بیٹا! تم پھر چائے بنا لو مراد کے لیے، چائے نہ پیئے تو اس کے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔'' مراد کے بولنے سے پہلے ہی پھپھو نے اسے کہہ کر بات سمیٹی۔

''جی پھپھو۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کپ اٹھا کر دوبارہ سے کچن کی طرف بڑھ گئی، مراد چونکہ فی الحال ماہی کے ہر عمل کی اصل وجہ سے بے خبر تھا سو بنا غصے کے آرام سے بیٹھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں مغرب کی اذان شروع ہوئی، ماہی نے اس مرتبہ ٹھیک سے چائے بنا کر دی کہ اوپر نیچے گڑ بڑ اس کے لیے بھی گڑبڑ کر سکتی تھی، کلثوم پھپھو اذان کی آواز سنتے ہی نماز کی تیاری کے لیے چلی گئی تھیں، مراد بھی چائے ختم کرنے کے بعد مسجد میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، ماہی نے بھی اس کے جانے کے بعد کمرے کا رخ کیا تھا، ابتدا کے وار اس کے زیادہ کارآمد تو نہ تھے مگر وہ قدرے مطمئن تھی۔

☆......☆......☆

ہاتھ اگرچہ اس کے خالی ہو چکے تھے، آنکھوں سے تمام خواب ٹوٹ کر بکھر چکے تھے مگر دل میں ایک شمع روشن تھی۔ محبت کی شمع۔۔۔ ہاں اب بھی روشن تھی۔ جڑیں مضبوط ہوں تو درخت ایک ہی جھٹکے میں گرائے نہیں جاتے، نہ کوئی جادو منتر چلتے ہیں، نہ ایک پھونک سے جذبات کی سچائی پر نفرت کی گرد جم سکتی ہے، سمندر بظاہر جتنا پرسکون رہتے ہوئے اپنے اندر شدید اشتعال رکھتا ہے ٹھیک اسی طرح سچی محبت بظاہر نازک احساس جذبہ ہو مگر درحقیقت اسے ہمیشہ کے لیے فنا نہیں کیا جا سکتا، حالات کی سنگینی لاکھ محبت میں نفرت کی ملاوٹ کرنا چاہیے مگر زہر کی کڑواہٹ سے زیادہ محبت کی شیرینی وہ مٹھاس ہر نفرت، شکوے کو زائل کر دیتی ہے۔ علی آیان حسن گیلانی کی محبت بھی ایک چھوٹے روشن دیئے کی طرح ہی تھی، جسے شدید طوفانی بارش بھی بجھا نہیں سکی تھی، ہاں بارش کے گزرنے کے بعد کا اثر اس روشن دیئے کو سہا ضرور گیا تھا مگر اسے سرے سے تاریک نہیں کر پایا تھا۔

''ہاں مستبشرہ جمال! تمہارے ہر برے عمل و فعل کے بعد بھی میں تمہیں اپنے دل سے نکال نہیں پایا، میں اپنی آخری سانس تک تمہیں اپنے اندر محسوس کروں گا کیونکہ میں نے تم سے روح کا رشتہ جوڑا تھا جو شاید میرے مرنے کے بعد بھی تم سے قائم رہے، میں جانتا ہوں کہ اس ملک سے جانے کے باوجود بھی میں تمہیں ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں بھول سکتا مگر۔۔۔افسوس کہ میری محبت اتنی پر اثر ہونے کے باوجود بھی اتنی طاقت ور نہ تھی کہ تمہارے دل میں تھوڑی سی جگہ بنا سکتی، میں جا کر واپس آ گیا تو جانے اپنے دعوے اور فیصلے کو صحیح ثابت کرنے کے بعد اس حقیقت سے نظریں بھی ملا سکوں گا کہ نہیں کہ میں ایک غیر یقینی امید لیے تمہارا منتظر رہوں گا کہ ہم کبھی دوبارہ ملیں اور ہمیشہ کے لیے ملیں۔'' جانے کی تمام تیاری کرنے کے بعد وہ مستبشرہ جمال سے دل ہی دل میں پہلے کی طرح مخاطب اس سے اپنی دیوانگی ظاہر کرتا بہت وثوق سے کہتا اسے تمام عمر نہ بھولنے کی اصلیت کو مان رہا تھا۔

''تم میرے آس پاس کہیں بھی نہیں ہو مگر میری دھڑکنیں تمہیں ہر لمحہ محسوس کرتی ہیں، میری ہر سانس میں تمہاری مہک شامل ہے، تمہارے ساتھ بتایا ہر لمحہ، وہ تمام خوبصورت دن، میری زندگی کا اثاثہ ہیں، میں اگرچہ تمہارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اب کوئی مسافت طے نہیں کر سکتا، مگر مجھے دیوانہ یہ سمجھو کہ میرے اندر ایسی خواہش اب بھی ہے، تم سے بچھڑ کر بھی میں تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا میں تمہارے لیے تڑپا ہوں، تمہارے جانے سے جتنی تکلیف میرے دل کو ہوئی ہے ان پانچ ماہ میں، اتنی ہی میری محبت بڑھی ہے، میں نے تم سے متنفر ہونے کے ہزار جتن کیے مگر سچ کہا ہے کسی نے جنہیں دل سے چاہا جائے، دل میں بسایا جائے انہیں دل سے نکالا نہیں جاتا، میری محبتیں آج بھی تمہارے نام ہیں، تمہاری منتظر ہیں۔'' بڑی فرصت و طمانیت سے سوچتا وہ محبت کی مٹی سے گندھا محض ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے بھی نرم گداز پتیوں پر چلنے کی بات کر رہا تھا، اپنے بے لوث جذبات کا بیان بڑی خوبصورتی سے تصور میں پیش کر رہا تھا۔

''آج بھی میری ہر سوچ تمہی سے شروع ہو کر تمہی پر ختم ہوتی ہے، میں اپنی ہر بات میں تمہارا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، اپنی ہر مسکراہٹ کی وجہ تمہاری ذات بنانا چاہتا ہوں، تمہیں اپنی ہر سانس کا جواز بنانا چاہتا ہوں، دھڑکنوں کے شور میں تمہارے نام کی پکار سننا چاہتا ہوں، تمہیں......صرف تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں، تمہاری گہری کالی آنکھوں میں اپنا، صرف اپنا عکس دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا، کھڑکی کے پٹ وا کیے تو خوشگوار ٹھٹھرتی ہوا کا جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا، دسمبر کی آخری رات تھی، چند گھنٹوں بعد نئے سال کا آغاز ہونے والا تھا اور اپنے نئے سال کی ابتداء، وہ مستبشرہ جمال کو سوچ کر، اس کے تصور کے ساتھ ہی کرنا چاہ رہا تھا، آہستگی سے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر باہر برستی مدھم بارش کی بوندوں کو ہاتھ کی ہتھیلی میں سمیٹنا چاہا۔

''میرا دل چاہتا ہے مستبشرہ! کہ میں بارش میں تمہارے ساتھ بھیگوں۔'' علی نے زیر لب اس انداز میں اسے مخاطب کیا، جیسے وہ بالکل اس کے پاس، اس کے ساتھ کھڑی ہو، مگر ایسا نہیں تھا، اس نے اپنا ہاتھ اندر کیا کہ تصور میں ہنستی گاتی مستبشرہ جمال اس کے ضبط کو آزمانے لگی تھی، اس نے فوراً سے آنکھیں میچ لیں، وہ اپنی تشنگی پر رونا بھی تو نہیں چاہتا تھا۔

''میں کل چلا جاؤں گا مستبشرہ، تم سے شکوے ہزار سہی پر میں تمہیں اپنا جیسا ادھورا بالکل نہیں دیکھ سکتا، مجھے تم تو نہ ملیں، مگر میری

دعا ہے کہ تمہیں وہ ضرور ملے جس سے تم محبت کرو، مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ کتنا دکھ ہوتا ہے، میں تمہیں محبت کے لیے تڑپتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا، تم جس کی زندگی بنو گی وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوگا۔'' مستبشرہ جمال کے لیے دعا گو وہ اپنے لیے ارمانی تھا، اندر کہیں کسک سی محسوس کرتا حسرت زدہ ہوا، باقی کی تمام رات بھی اس نے جاگتے ہوئے صرف مستبشرہ جمال کے تصور سے باتوں میں گزاری، اپنے نئے سال کا آغاز اس نے اپنی محبت کو ساتھ لے کر کیا تھا، اور اپنے اس خبطی سے انداز پر وہ صبح کھل کر مسکرایا تھا البتہ اس کا موڈ بہت ہلکا پھلکا اور خوشگوار تھا۔

ساجدہ گیلانی اور حسن گیلانی کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے اس نے بہت سی باتیں کیں، حسن گیلانی نے سرمد گیلانی کو اس کی آمد کے متعلق بتا دیا تھا، وہاں اٹلی میں سبھی اس کی آمد کا سن کر بے حد خوش و منتظر تھے، صبح گیارہ بجے کی فلائٹ سے اسے جانا تھا، ماں کے بے حد اصرار پر بھی وہ نہ مانا اور انہیں منع کیا کہ وہ گھر سے ہی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوگا، ائیر پورٹ پر اس کے جاتے جاتے انہوں نے کوئی ہزار بار رو کر اپنی حالت خراب کر دینی تھی، حسن گیلانی نے بھی بیگم کو سمجھایا، تب کہیں جا کر وہ مانیں، گھر سے نکلنے تک وہ ماں کے ساتھ ہی رہا، کبھی ان کے گلے میں بانہیں ڈالے لاڈ اٹھواتا تو کبھی وہ اس کے جانے پر افسردگی کا اظہار کرنے لگیں مگر اسے تو جانا ہی تھا۔ عمر بھی آ گیا تھا اسے لینے، اس نے عمر سے ہی کہا تھا کہ وہ اسے ایئر پورٹ لے کر جائے۔ ماں باپ دونوں سے ملتا الوداعی کلمات ادا کرنے اور بہت سی دعائیں لینے کے بعد وہ عمر کی سنگت میں ایئر پورٹ کی جانب نکلا۔

''یار عمر! ایک بات پوچھنی تھی تم سے؟'' راستے میں علی بولا تھا۔

''کون سی بات؟'' نگاہیں سامنے ہی مرکوز رکھے عمر نے پوچھا۔

''تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں ایک پیکٹ دیا تھا مستبشرہ کو دینے کے لیے؟ جب وہ واپس جا رہی تھی۔'' پوچھتے ہوئے اسے بتایا۔

''ہاں یاد ہے، کیوں؟'' عمر نے اب کے اسے دیکھا۔

''تم نے دیا تھا وہ مستبشرہ کو؟''

''ہاں دیا تھا، کیوں۔۔۔ اتنے عرصے بعد تم پھر کیوں پوچھ رہے ہو؟'' عمر نے ناسمجھی کے عالم میں نارمل سے انداز میں استفسار کیا۔

''مجھے وہ مستبشرہ کے لیے نہیں دینا چاہیے تھا۔'' علی گہری سوچ میں غرق بولا۔

''ایسا کیا تھا اس میں؟'' عمر قدرے حیران ہوا، تفکر سے پوچھا۔

''خط اور لاکٹ۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''کیسا خط، کون سا لاکٹ؟'' عمر کی طرف سے سوال پر سوال آیا، وہ لاعلم تھا، حالانکہ اس وقت پیکٹ لے کر مستبشرہ کو دینے کا وعدہ کرتے وقت بھی علی کی اس وقت کی حالت کے پیش نظر وہ پوچھ نہ سکا تھا اور بعد میں اسے یاد نہ رہا تھا ورنہ ضرور پوچھتا، لاکٹ کے بارے میں بھی اسے معلوم نہیں تھا۔

''تب کی کیفیت میں، میں نے اسے خط کے ذریعے پتا نہیں کیا کیا لکھا تھا، اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی، مگر مجھے اسے کچھ بھی نہیں لکھنا چاہیئے تھا، اس کو پڑھ کر جانے کیسا لگا ہو، کیا پتہ وہ ہرٹ ہوئی ہو، شرمندہ ہو، مجھ پر غصہ ہو، اور بہت پہلے اپنی یکطرفہ محبت کو میں نے اَمر کرنے کے لیے ایک لاکٹ بنوایا تھا جس پر MA لکھا تھا مگر جانے سے قبل مستبشرہ نے وہ مجھے واپس لوٹا دیا تھا کہ اسے اس لاکٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے میرا لاکٹ گھٹیا لگا تھا مگر میں نے اسے اس یقین کے ساتھ وہ لاکٹ واپس آیا کہ ایک نہ ایک دن اسے میری محبت کا یقین آئے گا اور وہ بھی اپنی دیوانگی کا اظہار مجھ سے کرے گی، لیکن مجھے اسے کچھ بھی نہیں دینا چاہیئے تھا۔'' وہ تفصیلاً و سنجیدہ مگر عجیب کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

☆......☆......☆

عمر نے گاڑی دوسری سڑک پر لیتے ہوئے اسپیڈ قدرے کم کی، نظریں کچھ پل کو علی پر ٹھہریں، پھر سامنے دیکھنے لگا۔

''تم مستبشرہ کے لیے فکر مند ہو؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' اس نے کندھے اچکائے، آج اتنے عرصے بعد یاد آنے پر وہ واقعی انجان تھا۔

''تم صرف آگے دیکھو علی! پیچھے تمہارے لیے کچھ نہیں بچا ہے، وہ لڑکی کبھی اپنے کیے پر پچھتا نہیں سکتی، اس کے دل میں تمہارے لئے تب نرم گوشہ تھا نہ خط پڑھنے کے بعد ہوگا کیونکہ میں نے اس کی آنکھوں میں سفاکیت اور لہجے میں تمہارے لئے بے حسی کو محسوس کیا تھا، وہ پتھر کی بنی ایسی مورت ہے جسے تمہارے جذبات کی حدت اور چاہت کی شدت بھی پگھلا نہیں سکتی، وہ کبھی تمہارے لیے موم بن کر نہیں جلے گی، تم بھی علی! اس کے لیے جلنا چھوڑ دو۔'' عمر نے اسے سمجھاتے ہوئے مستبشرہ کی ذات کی نفی کرنی چاہی، ایک مقصد علی کو اس کے ذکر سے ہٹانا تھا، جو سب کچھ کھو کر حتیٰ کہ دل کا سکون کھو کر بھی اس ظالم ہرجائی کے لیے متفکر تھا، جسے علی کی ذرا برابر بھی پروا نہ تھی۔

''ہوں۔۔۔!'' عمر کی بات پر وہ کچھ خاص نہ بولا، اب بولنے کا فائدہ بھی کچھ نہ تھا، خواہ مخواہ کی جلن کے سوا۔

''وقت بہت قیمتی ہوتا ہے، وقت کو ضائع کرنے والے ساری عمر ناکام رہتے ہیں، ایک دوست ہونے کے ناطے میرا مشورہ ہے علی! کہ بس صرف اب اپنا اور خود سے جڑے رشتوں کے لیے سوچنا۔ محبت کا انجام برا ہوتا ہے، انسان کو برباد کر دیتی ہے محبت، اگر انسان صرف محبت میں ہی قید ہو کر رہنا چاہے، تمہارے آگے ابھی لمبی زندگی پڑی ہے، جو گزر گیا اسے یاد مت کرنا بلکہ ایک تلخ حادثہ سمجھ کر اس سے نکلنے کی کوشش کرنا، ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں، انکل، آنٹی کی واحد خوشی ہو تم۔''

عمر ایک سچے دوست کی طرح اسے تائید کرتے ہوئے بتا بھی رہا تھا، وہ محض سنتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا، عمر نے گاڑی پارکنگ ایریا میں پارک کرتے ہوئے گاڑی لاک کی اور اس کے بیگ باہر نکالے، دونوں ہمراہی میں ائیرپورٹ کے اندر داخل ہوئے۔

''آئی وِش کہ بہت جلد تم اپنے کہے کو سچ ثابت کر کے لوٹو گے۔''

''اِن شاءاللہ۔'' عمر کی بات پر وہ فوراً بولا۔ من کچھ بوجھل سا ہو رہا تھا، فرار پانے کے چکروں میں اپنے ملک، اپنے شہر، ماں

باپ، دوست سب سے دور جا رہا تھا، سب کے خلوص و پیار کو دامن میں اگر چہ سمیٹ چکا تھا مگر بچھڑنے پر قدرے ملول بھی تھا۔

''مما اور ڈیڈ کی طرف یاد سے آتے جاتے رہنا، ان کا خیال رکھنا عمر۔'' فلائٹ کی اناؤنسمنٹ کے بعد وہ عمر سے گلے ملتے ہوئے بولا۔

''شیور۔۔۔ یو ڈونٹ وری، تم بس رابطے میں رہنا۔'' عمر بھی اداس سا اسے بے فکر کرتا دوستانہ حکم صادر کرتا دھیرے سے مسکرایا۔

''اوکے سر۔'' علی بھی ہنسا۔

''اچھا تو پھر میں چلتا ہوں، اللہ حافظ۔'' جانے سے قبل الوداعی کلمات ادا کیے۔

''اللہ حافظ! اپنا خیال رکھنا۔'' عمر بولا۔ علی اس کی جانب اسمائل پاس کرتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ عمر نے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک اسے دیکھا پھر واپسی کے لیے قدم بڑھانے لگا۔

☆......☆......☆

''ہیپی نیو ائیر۔۔۔!'' فلک ہاتھ میں تازہ پھول لیے اس کے سامنے آئی تھی، مشارب شاہ آفس کے لیے نکل رہا تھا، ہمیشہ کی طرح رہتے ہوئے مسکرایا، ساتھ ہی بولا۔

''Happy new year....''

''یہ پھول میرے لیے لائی ہو؟'' اس کے ہاتھ میں پکڑے سرخ گلاب پر نظر پڑتے ہی پوچھا۔

''ہوں...... ہر سال دیتی ہوں تمہیں۔'' اس نے جتایا۔

''تم کہیں غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو؟'' مشارب نے بھوئیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ انداز و لہجہ شریر تاثر دے رہا تھا، دل تو پہلے قیاس کے بعد مطمئن تھا، دماغ نے دوست سے مذاق پر اکسایا، چمکتی آنکھوں کے ساتھ اس کے بڑھے ہاتھوں سے پھول لیے، سوالیہ اسے دیکھا۔

''نہیں، البتہ تم خوش فہمی کا شکار ضرور نظر آتے ہو۔'' وہ برجستہ بولی۔ فلک کا دل الگ پرسکون تھا، من چاہا سامنے کھڑا استفسار کر رہا تھا، اپنے تئیں اس کے اظہار کی منتظر اس کی ہر بات کو ذو معنی انداز میں لیتی دل و دماغ سے شانت تھی۔

''کچھ زیادہ ہی اسمارٹ نہیں ہو گئیں تم؟'' وہ ہنسا۔

''جی میں تو شروع سے ایسی ہوں۔'' وہ اترائی۔

''اچھا مذاق کرتی ہو تم۔'' وہ محظوظ ہوا۔

''یہ مذاق نہیں ہے، کسی سے بھی پوچھ لو۔''

''چچی جان سے پوچھوں پھر؟''

''ارے رہنے دو، امی تو کبھی ایک لفظ میری فیور میں نہ بولیں گی، الٹا ایک سو ایک باتیں میری مخالفت میں کر دیں گی۔'' اس نے فوراً منع کیا۔

''یہی تو۔۔۔؟'' وہ بھرپور انداز میں ہنسا۔

''چچی جان تمہیں سب سے بہتر جانتی ہیں اور تم خود ان کا جواب بتا رہی ہو، اٹس مین۔۔۔ یہ واقعی اچھا مذاق تھا۔''

''ہنسو، جتنا ہنسنا ہے ہنسو، پر ایک دن تم خود میری تعریف کرو گے کہ میں واقعی بیسٹ ہوں اور تب تم بالکل سیریس ہو گے۔'' وہ صاف بولی۔

''دیکھا جائے گا۔'' وہ غیر سنجیدہ تھا۔

''میں اب جاؤں آفس؟''

''ہاں جاؤ اور سنو۔۔۔ واپسی پر میرے لیے آئسکریم ضرور لے کر آنا۔''

''گلا خراب ہو جائے گا، رات کو ہی بارش رکی ہے، ٹھنڈ بھی بہت زیادہ ہے، روز روز آئسکریم نہ کھایا کرو، بیمار ہو جاؤ گی، کچھ دن پہلے ہی تو کھائی تھی تم نے۔'' اس نے منع کیا، انداز میں فلک کے لیے پرواہ تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا مجھے، تم بس میرے لیے لانا۔''

''تم نہیں سدھرو گی۔'' مشارب نے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی کی طرف قدم بڑھائے، فلک نے یہ بات تو اس کی مانی نہ تھی۔

''مشارب شاہ۔۔۔!'' فلک نے پیچھے سے اس کے نام کی ہانک بلند کی، وہ رکا۔

''کہو میرے سکون کی دشمن، اب کیا کہنا ہے؟''

''تم جب چڑ کر مجھے گھورتے ہو تو بہت اچھے لگتے ہو۔'' اس نے دل کی بات دل سے کی۔

''کمال ہے، اس سے پہلے تم نے کبھی ایسا نہ بولا۔'' وہ گاڑی کے اندر بیٹھ گیا تھا۔

''تمہاری خوشامد میں کہہ رہی ہوں تاکہ تم میری بات مانو، آئسکریم لاؤ۔'' وہ شوخی سے مسکرائی۔ جبھی کچھ یاد آیا تو اسے پھر سے پکارا۔

''اب کیا ہے؟'' وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا، چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ مشارب نے شیشے میں اسے دیکھا۔

''دو منٹ میرے لیے رکو، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''کہاں۔۔۔ آفس؟'' وہ چونکا۔

''نہیں، پھپھو کے گھر، مستبشرہ کے پاس، تم مجھے جاتے ہوئے وہاں چھوڑتے جانا۔'' وہ بولی۔

''لیکن مستبشرہ تو اس وقت اسکول گئی ہوگی۔'' مشارب نے بتایا۔

''ہاں پر پھپھو تو گھر میں ہی ہوں گی، میں شام کو واپس آؤں گی، جب تک مستبشرہ بھی واپس آ جائے گی۔'' فلک اپنی جگہ پر ہی کھڑی تھی۔ رات کو امی سے بھی اس نے پوچھ لیا تھا، اس کا ارادہ ناشتے کے وقت ہی مشارب کو بتانے کا تھا مگر نیو ییئر وش وہ ہمیشہ اسے پھول دے کر کرتی تھی، تو صبح اٹھتے ہی وہ پھولوں کا بندوبست کرنے میں مصروف ہوگئی تھی، ناشتہ بھی ابھی تک نہیں کیا تھا۔

''اچھا جلدی کرو پھر۔''

''بس میں ابھی آئی۔'' کہتے ہوئے وہ اندر کی طرف گئی۔ امی کو بتایا، رات جو سوٹ نکال کر رکھا تھا وہ پہنا، بال بنائے، سردی کی شدت کے پیش نظر شال لی اور جلدی سے باہر آئی، جب تک مشارب گاڑی باہر نکال چکا تھا، وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوئی۔ تمام راستے اس نے اپنی نان اسٹاپ باتوں کا سلسلہ جاری رکھا، مشارب ہمیشہ کی طرح خوش دلی سے اسے سنتا رہا، سید جمال شاہ کی حویلی کے سامنے اس نے فلک شاہ کو اتارا، وہ واپسی پر آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ فلک اس کے جانے کے بعد اندر گئی۔ پہلا سامنا سید جمال شاہ سے ہوا۔

''السلام علیکم پھپھا جان۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ اسے اچانک سامنے دیکھ کر خوش ہوئے، سب کی طرح فلک انہیں بھی دل سے عزیز تھی، ہمیشہ مستبشرہ جیسا برتاؤ اس سے برتتے تھے۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''اللہ کا شکر ہے بیٹی، آؤ، اندر آؤ۔'' وہ اسے لیے اندر گئے، زہرہ شاہ کچن میں تھیں۔ وہ دونوں کچن میں چلے آئے، مستبشرہ اسکول کے لیے نکل چکی تھی، پھپھو بھی اسے سامنے دیکھ کر خوشی سے مسکرائیں، سلام دعا کے بعد وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

''اچھا ہوا پھپھو! کہ آپ کچن میں ہی مل گئی ہیں، آج دل آپ کے ہاتھ کا بنا ناشتہ کرنے کو چاہ رہا تھا، سو بنا ناشتہ کیے صبح ہی صبح چلی آئی، اب آپ جلدی سے ناشتہ بنائیں، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے اور آپ جانتی ہیں میں بھوک کی کتنی کچی ہوں۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی تو وہ دونوں مسکرائے۔

''کیوں نہیں میری بچی، میں ابھی تمہارے لیے بناتی ہوں۔'' پھپھو نثار ہوتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں، فلک کی یہی بات سب کو پسند تھی کہ وہ ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لیتی تھی، بلکہ اپنائیت سے جو دل چاہے کہہ دیتی تھی، فرمائش کر لیتی تھی۔

''آپ سب تو ناشتہ کر چکے ہوں گے؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''ہاں۔ مستبشرہ نے بھی اسکول جانا ہوتا ہے، سو سویرے ہی کر لیتے ہیں۔'' انہوں نے بتایا، ساتھ ہی اس کے لیے ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئیں۔ فلک شاہ ان کے پاس آ کھڑی ہوئی، ساتھ ہی حسب عادت باتیں کرنے لگی۔

☆......☆......☆

ایک ہفتہ گزر گیا تھا، وہ اپنا کیا کرنے میں مصروف تھی، مراد ابھی تک اسے پرکھ نہیں سکا تھا، اس کے ہر عمل کی اصل وجہ سے بے خبر تھا، سوا احتجاجاً غصے تھوڑا بہت چلّا کر خاموش ہو جاتا، لیکن مہ روش کی دن بدن بنتی بگڑتی روٹین سے وہ تنگ آ گیا تھا البتہ اس کا شاطر دماغ کوئی بات اور وجہ پکڑ میں نہیں لے پایا تھا۔

اس ایک ہفتے میں ایک بار بھی وہ آفس فکس ٹائم پر نہ پہنچا تھا، 5 یا 10 منٹ آرام سے اوپر نیچے ہو رہے تھے، تنگ آ کر اس نے ماں کے سامنے مہ روش کو محتاط کرنا چاہا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی، پھپھو کی سمجھ سے بھی تمام باتیں کوسوں دور تھیں، سو وہ ان کی باتیں سنتی اور جب وہ سمجھاتیں تو سعادت مندی سے اثبات میں سر ہلاتی، البتہ کرنا اپنے کیے جا رہی تھی، جبھی صبح آفس جاتے وقت مراد کمرے کی حدود میں اسے بے نقط سنا کر جاتا اور واپسی پر کمرے میں پھیلی گندگی جو دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اسے لے کر دل کا غبار باہر نکالتا، مگر ماہی۔۔۔اس کی کسی بات کا اثر نہیں رہی تھی۔

اس دن اتوار تھا، مراد گھر میں ہی تھا، مہ روش نے صبح ناشتے کے بعد ہی مشین لگائی، کپڑے وغیرہ دھوئے، دس بجنے کے قریب جا کر فارغ ہوئی، پھر کمرے کا رخ کیا، اب اپنا دل بھی گندگی دیکھ کر اس کا کراہیت محسوس کرنے لگا، سو ہمت باندھ کر کمر کسی اور صفائی شروع کی، ہفتے بھر کی گندگی بمشکل ایک گھنٹے میں اس نے سمیٹی تو کمرہ اپنے اصل رنگ و روپ میں لوٹا تو اس کی اپنی آنکھیں چمکیں، مراد کی وجہ سے وہ بہت کچھ اپنی طبیعت کے خلاف کر رہی تھی، کمرے کے بعد وہ سیدھی استری اسٹینڈ کی طرف گئی، مراد کو غصہ دلانے کے لئے اپنائی گئی سستی، کاہلی سے کافی سارے کپڑے جمع تھے، اس نے بسم اللہ پڑھ کر ابتدا کی، مراد بظاہر ٹی وی کے سامنے اڑنگ تڑنگ سا لیٹا ہوا تھا مگر اس کی نگاہیں مہ روش کا ہی طواف کر رہی تھیں اور دماغ اس کی مصروفیت سے بنتی تھکاوٹ دیکھ کر اس کو مزید تھکانے کی ترکیب سوچ رہا تھا، دماغ کی ہر چال ماہی کو تنگ کرنے کی تھی اس لیے جب وہ چند ایک سوٹ استری کرنے کے بعد کچن کی طرف گئی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"تم اگر چپ رہ کر میرے سامنے باقی اعتراف سب کے سامنے کرتی تو میں ہرگز بھی تمہیں زیادہ تنگ کرنے کی نہ سوچتا۔" وہ آپ ہی آپ بولا۔

کلثوم بیگم موسمی شدت کی وجہ سے بخار کی لپیٹ میں آ گئی تھیں، دو تین دن سے مہ روش نے انہیں کمرے سے باہر نکلنے دیا تھا، ان کا خاص خیال رکھا تھا، جبھی آج وہ بہتر محسوس کر رہی تھیں، انہوں نے کہا بھی ماہی سے کہ وہ تھک گئی ہے، کھانا وہ بنا لیں گی مگر ماہی نے صاف منع کر دیا اور سارے کام خود کرنے کے بعد کھانا بنایا، ٹیبل پر لگایا، مراد کو کھانے کے لیے کہا اور خود جا کر پھپھو کو کمرے سے لے کر آئی۔

"یہ کیا پکایا ہے آج؟" کلثوم بیگم اور مہ روش نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا، جب مراد منصور نے اپنی سوچ کے مطابق برا سا منہ بناتے ہوئے مہ روش کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"سبزی بنائی ہے۔" اس نے آہستہ سی آواز میں بتایا۔ آج مسلسل کام سے تھک گئی تھی اس لیے سبزی بنا لی تاکہ جلدی بن سکے۔

"کیوں۔۔۔؟" اس نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"کیا مطلب کیوں؟" کھانے پر مراد پہلی بار بولا تھا، اس نے سوالیہ اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں کھانی آج سبزی۔" وہ صاف بولا۔

"کیوں بیٹا؟" پھپھو بھی حیران ہوئیں، سبزی مراد کو شروع سے پسند تھی۔

''بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' مگر اسے آج اپنی پسند نہیں، مہ روش کی تھکاوٹ نظر آ رہی تھی، جسے اس نے مزید بڑھانا تھا۔

''تو بیٹا! پہلے بتاتے، اب تو سب کچھ تیار ہے، کھانے کا وقت بھی ہو گیا ہے، اتنی جلدی تو اب کچھ مزید تیار نہیں ہو سکتا۔'' پھپھو نے اپنی لاڈلی بھتیجی کے خیال سے بولنا ضروری سمجھا تو اسے کہا، مگر اسے فکر کہاں تھی۔

''تو یہ پہلے پوچھ لیتی ناں مجھ سے۔'' مراد کی بات پر مہ روش نے اسے دیکھا تو گویا بغور دیکھنے سے مراد کی حجت کا مقصد سمجھ گئی، مراد کی ذات کی تمام پہیلیاں اب وہ سمجھنے لگی تھی۔

''مراد! اگر تمہارا دل کسی اور چیز کا کر رہا ہے تو تم اسے بتا دیتے۔''

''اب کہہ رہا ہوں ناں، بنا کر دے۔ میں تھوڑی دیر انتظار کر لیتا ہوں۔'' وہ اپنی کہی بات پر ہر صورت قائم رہنا چاہتا تھا۔

''مہ روش تھک گئی ہے بہت، آج سارا وقت مصروف رہی ہے، میں بنا دیتی ہوں، کیا بناؤں؟'' وہ بیٹے کی ضد سے واقف تھیں، ماہی کا خیال بھی تھا، سو پوچھا۔

''آپ کچھ نہ بتائیں، آپ کھانا کھائیں، آرام کریں، بیمار ہیں اور معمول کے کام ہی تو کیے ہیں اس نے، کون سا ماؤنٹ ایورسٹ سر کر کے آئی ہے، جو تھک گئی ہے، بیوی ہے، شوہر کے لیے کھانا کیوں نہیں بنا سکتی دوبارہ؟'' وہ رعایت برتنے والوں میں سے نہیں تھا، دوٹوک بولا۔

''جی پھپھو! آپ کھانا کھائیں، میں خود بناتی ہوں۔'' وہ ساری گفتگو کا اصل مدعا سمجھ گئی تھی، کہتے ہوئے اٹھنے لگی۔ سوچ میں جوابی کارروائی کی ترکیب بھی لے آئی تھی۔

''اچھا۔۔۔ پر پہلے کھانا تو کھالو۔'' کلثوم بیگم نے اسے کہا۔

''جی پھپھو۔'' وہ واپس جگہ پر بیٹھی۔ ''آپ کے لیے کیا بناؤں؟''

''بریانی۔۔۔'' مراد نے فوراً اپنے تئیں مشکل فرمائش اس کے سامنے رکھی۔ مہ روش نے چہرے پر کوئی بھی بل لائے بغیر خندہ پیشانی سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اٹھ کر کچن سے باہر نکل گیا، پھپھو بھی کچھ دیر میں کھانا کھا کر اپنے کمرے میں مہ روش کے اصرار پر چلی گئی تھیں، مہ روش نے انہیں کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگانے دیا او بہت محبت سے انہیں آرام کی تاکید کی اور خود کھانے کے برتن سمیٹ کر فریج کی طرف بڑھی۔ ٹماٹر وغیرہ لیے، کچن سے ملحق اسٹور سے پیاز وغیرہ لیئے اور کاٹنا شروع کیے، ذہن میں مراد منصور کے لیے مرچی بھری تھی، گریوی تیار کرتے وقت دماغ میں موجود سارا تیکھا پن ہاتھ میں لاتے، مرچ مصالحہ تیز ڈالا، البتہ نمک کی مقدار کم رکھی، چاول بھی مکمل بوائل نہ کیئے، دھیمی رفتار کے ساتھ بالآخر اس نے بدمزہ بریانی تیار کر کے مراد منصور کے سامنے رکھی۔

''یا اللہ جی۔ رزق کی بے قدری اور بے حرمتی پر معاف کرنا۔'' پلیٹ میں بریانی نکالتے وقت وہ دل میں ضرور بولی تھی۔ مراد کے چہرے پر عجیب تمسخرانہ مسکراہٹ تھی جو اسے زہر لگتی تھی مگر اس نے اپنے چہرے پر بشاشت قائم رکھنی تھی کہ پہلی ہی چمچ منہ میں لے جانے

کے بعد مراد کا چہرہ اپنی مسکراہٹ سے محروم ہونے والا تھا۔

''آخ تھو۔۔۔'' پہلے ہی نوالے کے ساتھ جہاں مسکراہٹ غائب ہوئی تھی وہیں منہ میں پڑے چاول اس کی زبان کے لیے امتحان ثابت ہوئے تھے۔ اتنا برا ذائقہ پہلی بار اس کی زبان نے چکھا تھا۔ مہ روش اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بھرپور انداز میں اندر مسکرائی۔ مراد نے سرعت سے پانی کا گلاس منہ سے لگایا تھا۔

''کیسی گھٹیا بریانی بنائی ہے تم نے۔۔۔'' پھر اس پر دھاڑا۔

''اس وقت ایسی ہی بن سکتی تھی۔''

''بکواس بند کرو۔'' مراد میں برداشت بالکل نہ تھی۔ ''بہت پَر نکلتے جا رہے ہیں تمہارے، حد میں رہو اپنی۔''

''میں نے کیا غلط کیا ہے؟'' ماہی جرح سے اسے غصہ دلانا چاہتی تھی۔

''حد سے بڑھ رہی ہو تم، اس کے بعد برداشت نہیں کروں گا میں۔'' ماہی کو تنگ کرنے کے چکر میں اس نے جو بھوک برداشت کی تھی، وہ اب غصہ بن کر سامنے آئی۔

''ابھی کیوں برداشت کر رہے ہیں؟'' وہ طنزیہ بولی۔

''زبان سنبھالو ماہی، ورنہ میں بہت برے طریقے سے پیش آؤں گا۔'' آواز اس کی دھیمی تھی مگر غصہ سوا نیزے پر پہنچا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا ماہی بہت اچھی کوکنگ کرتی آئی ہے شروع سے، سیر سوا سیر والا قصہ اسے کہاں گوارہ تھا۔

''زبان میری میں نے سنبھالی ہی ہوئی ہے البتہ آپ اپنے چہرے سے مزید کتنے نقاب اتار سکتے ہیں مجھے اس کی مطلق پرواہ نہیں ہے، مجھے دھمکی سے بالکل ڈر نہیں لگتا۔'' وہ تلخ وطنزیہ ہوئی۔

مراد منصور کے لیے مقابل کو اتنا سننا بہت تھا، ضبط اس کی سرشت میں باقی نہیں رہا تھا۔ ایک مرتبہ اس پر ہاتھ اٹھا کر اس نے جھجک بھی ختم کر دی تھی، اب بھی خون میں موجود اشتعال انگیزی کو قابو میں نہ رکھ سکا، آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا، تھپڑ اتنا بے ساختہ اور قوت سے بھرپور تھا کہ لمحے کے لیے مہ روش نے اپنا توازن کھویا تھا مگر پل میں سنبھل گئی تھی۔

''میں صرف دھمکی نہیں دیتا مہ روش سعید! بلکہ جو کہتا ہوں اس پر عمل بھی کرتا ہوں، میرے سامنے محتاط رہنے کو کہا تھا نا میں نے؟ پر تم بات سے نہیں ہاتھ سے سمجھنے والی ہو، تو یونہی سہی۔'' ماں کے خیال سے آواز دھیمی تھی مگر گرج سے بھرپور تھی۔ مہ روش تو یقین، بے یقینی کی کیفیت میں پڑی ہی نہیں تھی، مراد کیا کر سکتا تھا اور کس حد تک جا سکتا تھا، اس کے حق میں کتنا برا کر سکتا ہے وہ ان چکروں میں پڑنا ہی نہیں چاہ رہی تھی، دل مراد سے متنفر ہو چکا تھا مگر نظریں بے گناہ ہونے کے باوجود اسے دیکھنے کی سزا بھگت رہی تھیں، سفاکیت سے اسے دیکھا۔

''یہ آپ کی حد نہیں ہے، تھپڑ کا نشان تو منٹوں میں زائل ہو جاتا ہے، آئندہ کچھ ایسا کریئے گا جس سے آپ کو فائدہ بھی ہو۔'' عجیب سے لہجے میں اس نے مراد کو صلاح دی۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' مراد کو پتنگے لگے۔ غضب ناک انداز میں بازو سے پکڑ کر اسے کچن سے باہر نکالا، ماہی کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''آپ اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔'' وہ اس کی گھورتی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ مراد نے اس مرتبہ خود کو آگے بڑھنے سے روکا تھا۔

ذہن میں یک دم ماں کی موجودگی کا احساس جاگا تھا، جبھی اسے مزید کچھ کہنے کے بجائے کچن کا دروازہ بند کیا، ماہی اس کی سوچ پر بالکل نہیں اتری تھی، یہ بات جہاں اس کے لیے حیران کن تھی وہیں برداشت سے باہر، غصے سے اس کی بھوک بھی بڑھ گئی تھی۔ بریانی تو کسی کام کی نہ تھی، مجبوراً خود ٹھنڈی سبزی پلیٹ میں نکال کر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ دوسری طرف ماہی کو اپنی ساری تھکن اترتی محسوس ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

چاروں اطراف پھیلی فضا اسے خوشگوار لگ رہی تھی، آسمان پر چھائے بادل گویا اس کے دل وروح پر اطمینان کی بارش برسا رہے تھے۔ پانچ ماہ گزرنے کے بعد پشیمانی، ندامت اور پچھتاوے کے ساتھ جو ٹھہراؤ اعترافِ شکست محبت سے دل میں آیا تھا وہ وحشتوں اور انجانی بے چینی کو مات دے گیا تھا، اب وہ واپس جا کر علی کے دکھ کا مداوا تو نہیں کرسکتی تھی مگر اپنی ہی ذات کی تسکین کے لیے اس کے لیے اپنی محبت سے اپنے حق میں کفارہ ادا کرنے کو تیار تھی، گزرا وقت واپس نہیں آتا، جو گزر گیا تھا ان لمحوں میں نہ دوبارہ ان لمحوں میں جا کر سب کچھ ٹھیک کیا جاسکتا تھا۔

''علی! ہوسکتا ہے کہ تم میری سوچ کے مطابق اولین صدمے سے نکل کر اصل زندگی ایک بہتر زندگی کی طرف واپس آگئے ہو، میری فرضی حقیقت کو قبول کر کے محبت کی بھول بھلیوں سے نکل کر مجھ سے نفرت کرنے کیساتھ ایک پرفیکٹ پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ چکے ہو مگر میں ایک پرفیکٹ پریکٹیکل لائف میں قدم رکھنے سے پہلے اس محبت کے خول میں قید ہوگئی ہوں، جس سے میں تمہیں نکالنا چاہتی تھی، پر مجھے اب یہ اچھا لگ رہا ہے، میرا ہر کام ایمانداری کے سائے میں ہوتا ہے اور تم سے محبت بھی میں مکمل ایمانداری سے کروں گی، یہ میرا پختہ یقین ہے خود پر۔'' اسکول سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھے غیر مرئی نقطے کی طرف دیکھتی وہ سوچ رہی تھی، محبت فسانہ ہے یا حقیقت؟ محبت دل کا آئینہ ہے یا زندگی کا عکس ہے، محبت اور اپنے اعتراف کے بعد وہ تو ہر لمحہ محبت کو ہی تو محسوس کر رہی تھی لیکن ایک کسک جو دل میں تھی وہ بار بار اسے اس کے کیے کی سنگینی کا احساس دلا کر شرمندہ کرتی، اسے برا بھلا کہتی تو وہ محبت کے خوبصورت خوشگوار حسین انکشافات میں جینے کے ساتھ آنکھوں کی نمی کو محسوس کرتی۔

اب تو اس کی صبح شام، دن رات، ہر گھڑی، ہر لمحہ ایک ہی مصروفت تھی، علی کو سوچنا، بار بار اس سے معافی مانگنا، اس سے محبت کا اظہار کرنا، یہی اس کی محویت کا مرکز تھا، گاڑی حویلی کی حدود کے اندر داخل ہو چکی تھی، ڈرائیور نے گاڑی کھڑی کی تو وہ بیک ڈور کھول کر باہر نکلی اور آہستگی سے قدم اٹھاتی اندر کی جانب بڑھی۔

''السلام علیکم اماں۔''معمول کے مطابق اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔۔۔مستبشرہ بیٹی۔۔۔!''جبکہ سلام کا جواب عقب سے آتی فلک شاہ نے دیا تھا، زہرہ بیگم مسکرائی تھیں جبکہ مستبشرہ خاصی حیرانگی سے پلٹی تھی۔

''تم۔۔۔!''آواز و انداز میں خوشگوار تاثر تھا۔

''جی جناب۔''وہ ہنستے ہوئے اس کے گلے ملی۔

''تم کس وقت آئی ہو؟''

''صبح سویرے، میں نے تو ناشتہ بھی یہیں کیا ہے۔خاص تم سے ملنے آئی ہوں، بلکہ کل رات کو ہی پروگرام بنالیا تھا میں نے۔بس صبح آنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی۔''وہ بتانے لگی۔

''تو تم مجھے رات کو ہی بتا دیتیں، میں آج اسکول سے چھٹی کر لیتی۔''

''نہیں، میں نے سوچا کہ مستقبل کے معماروں کو ڈسٹرب نہ کیا جائے، کہیں برا ہی نہ مان جائیں۔''وہ شرارت سے بولی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوا،تم جانتی ہو، بلکہ ہمیشہ کی طرح تمہیں سامنے دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے،میری ساری تھکن اتر گئی ہے۔''وہ بولی۔

''اوہ سوئیٹ۔''فلک چہکی۔

''اچھا جاؤ، جلدی سے فریش ہو کر آؤ، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، یقیناً تمہیں بھی لگ رہی ہو گی، میں پھپھو کے ساتھ کچن میں ٹیبل سیٹ کر رہی ہوں، جب تک تم آؤ۔''

''میں بس ابھی آئی۔''مستبشرہ نے اس کے کہنے پر کمرے کا رخ کیا۔تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئی، سید جمال شاہ بھی وہاں موجود تھے، چاروں نے ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران کھانا کھایا، فلک کی موجودگی و بے ساختہ باتوں سے ہنسی مذاق چل رہا تھا، کھانے سے فراغت کے بعد وہ مستبشرہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی تھی، وہ دونوں اپنی پرانی باتوں میں مگن تھیں جبھی فلک کی نگاہ مستبشرہ کے پہنے ہوئے لاکٹ پر گئی تو فوراً ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا۔

''کتنا خوبصورت ہے، کب بنوایا ہے تم نے؟''ساتھ ہی توصیفی انداز میں کہتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

''یہ۔۔۔؟''مستبشرہ فوراً سے اسے جواب نہیں دے سکی تھی۔

''ہاں۔۔۔اور اس پر MA کیوں لکھوایا ہے، M سے تو چلو تمہارا نام بنتا ہے مگر اس A کی کیا کہانی ہے؟''فلک اپنی عادت سے مجبوراً اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھے بغیر استفسار کر رہی تھی۔مستبشرہ توقف کے لیے کچھ نہ بولی، اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی بھی یوں اس سے پوچھ سکتا ہے۔

''کہانی تو بہت خوبصورت ہے اس کی۔''وہ کوئی بہانہ بناتی اس سے پہلے ہی اس کے لبے آہستگی سے ملے تھے۔

''اوہو۔۔۔تو A کوئی جناب ہیں۔'' فلک پرشوق انداز میں بولی۔

''آں ہاں۔۔۔جناب نہیں جنابہ ہیں۔'' یک دم حواس سنبھال کر اس نے بات بنائی، ساتھ ہی ذہن میں بہانہ تراشا، کسی کو کچھ بتانا اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا، علی کو وہ بس اپنے دل میں بسا کر سب سے چھپا کر رکھنا چاہ رہی تھی۔

''یہ کیسی خوبصورت کہانی ہوئی پھر؟'' فلک کا مزہ گویا کرکرا ہوا تھا۔

''یہ سب سے خوبصورت کہانی ہے ڈیئر۔اس میں پیار، محبت، خلوص، اپنائیت اور جذبات سبھی کے بے پناہ رنگ ہیں۔'' وہ لاکٹ ہاتھ میں لے کر بہت جذب کے ساتھ بولی تھی، فلک اسے ناسمجھی کے عالم میں دیکھنے لگی، مستبشرہ کی آنکھوں میں الوہی چمک اتر آئی تھی۔

''یہ لاکٹ عدن نے سب فرینڈز کو دیا ہے، یہ ہماری دوستی کی خوبصورت کہانی کا ایک خوبصورت سا احساس ہے۔'' فلک کی حیرانگی کو رفع کرنے کے لیے اس نے بہانہ اس کے گوش گزار کیا تو وہ مسکرائی۔وہ مزید بتا رہی تھی۔

''میرا، مہ روش اور معطر کا نام M سے بنتا ہے جبکہ عدن کا نام A سے بنتا ہے اس لیے اس نے ہم تینوں فرینڈز اور خود کے لیے ایسا لاکٹ بنوا کر ہماری فرینڈشپ کو ہمیشہ کے لیے مضبوط کرنے کی خواہش کی تھی اور ہم سب نے اسے مضبوط تر کرنے کا وعدہ کیا ہے، یہ لاکٹ گواہ رہے گا کہ ہم فرینڈرز کو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔'' مستبشرہ ایک فرضی کہانی فلک کو لاکٹ سے متعلق سنا رہی تھی جبکہ اپنے دل میں وہ علی آیان حسن گیلانی سے اپنی محبت کا پھر سے اعتراف کر رہی تھی، اسی محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کر رہی تھی۔

''واؤ گریٹ۔۔۔آئی وِش کہ ایسی سچی پکی دوستی ہمیشہ قائم رہے، تم سب ایک دوسرے سے مضبوط رابطے اور رشتے میں رہو بلکہ MA کبھی جدا نہ ہوں۔'' فلک ان چاروں کی دوستی کے لیے دعائیہ بولی۔

''آمین۔۔۔'' جبکہ مستبشرہ جمال نے اس میں سے صرف اپنے مطلب کی بات نکالی تھی اور بے ساختہ اس کی آخری بات پر ''آمین'' بولی تھی۔

''لیکن تمہارا لاکٹ دیکھ کر مجھے جیلسی فیل ہو رہی ہے۔'' اگلے ہی لمحے فلک بولی تھی۔

''کیوں؟''

''کاش میرا بھی ایسا کوئی فرینڈ ہو۔''

''مشارب ہے ناں تمہارا دوست۔'' مستبشرہ اپنے اور علی کی طرح ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جبھی اسے یاد دلایا۔

''ہاں، مجھے تو یاد ہی نہیں رہا، میں کہوں گی اس سے کہ مجھے بھی ایک لاکٹ بنوا کر دے جس پر میرا اور اس کے نام کا پہلا حرف لکھا ہو FM مگر نہیں، پھر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میرا FM Radio سے کوئی تعلق ہے۔'' کہتے ہی وہ خود محظوظ انداز میں ہنسی، مستبشرہ کے لبوں پر بھی اس کی بات سے مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''چلو میں اس سے کہوں گی کہ صرف میرے نام کا ہی لاکٹ بنوا کر مجھے دے دے، ساتھ ساتھ نام کا ہونا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا

رشتے کی مضبوطی کے لیے پیار، محبت، کیئر، اپنائیت وانسیت کا ہونا ضروری ہے، کیوں صحیح کہہ رہی ہوں نا؟‘‘

’’بالکل صحیح کہہ رہی ہو بلکہ کافی سمجھدار بھی ہوگئی ہو۔‘‘ اس نے فلک کو سراہا۔

شام کے وقت آفس سے واپسی پر مشارب شاہ اسے لینے آیا تھا، اس وقت احسان کی کال بھی آئی ہوئی تھی، فلک اس سے باتوں میں مصروف گلے شکوے کر رہی تھی اور اس کی باتیں تو اتنی جلدی ختم ہونے والی نہ تھیں، سو مشارب پھپھو کے پاس بیٹھ گیا، مستبشرہ جب تک اس کے لیے چائے بنالائی تھی۔

’’اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟‘‘

’’تکلف کیسا؟ اور تم یہاں کون سا روز روز آتے ہو، جب فلک آتی ہے تب اسے باہر سے چھوڑتے ہو اور واپسی پر 5 منٹ مشکل سے بیٹھتے ہو۔‘‘ مستبشرہ اسے اور فلک کو لے کر معنی خیزی سے بولی۔

’’اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔‘‘ وہ بولا، ساتھ ہی چائے کا سپ لیا، چاہت بھری نظریں اس کے خوبصورت چہرے پر مرکوز تھیں۔

’’ایسی ہی بات ہے۔‘‘

’’خیر۔۔۔ تمہاری ٹیچنگ کیسی جا رہی ہے؟‘‘

’’اے ون، فرسٹ کلاس۔‘‘

’’گڈ۔۔۔ تمہارے اسکول کی کنسٹرکشن کا کام بھی اب آخری مراحل میں داخل ہو گیا ہے، میں ایک دو دن پہلے ہی وہاں گیا تھا۔‘‘ وہ بتانے لگا۔

’’ہاں، بابا جان نے بتایا تھا۔‘‘ وہ بولی۔ کچھ دیر بعد فلک آ گئی تھی، مشارب پھپھو کے ساتھ باتیں کر رہا تھا اس کے آتے ہی اجازت لیتا اٹھ کھڑا ہوا تھا، فلک بھی مستبشرہ اور زہرہ پھپھو سے گلے ملنے کے بعد اس کے سنگ قدم اٹھاتی باہر کی طرف بڑھی تھی۔

☆......☆......☆

سب کچھ پیچھے چھوڑ کر وہ نئے شہر، نئی فضا میں آ گیا تھا، راستے بھر اس کا دھیان مستبشرہ جمال سے جڑے اپنے ماضی کی طرف ہی تھا، جس سے فراغت ائیر پورٹ سے نکل کر اسے سرمد گیلانی سے ملاقات کے ساتھ ہی ملی تھی۔

’’السلام علیکم چاچو۔۔۔‘‘ وہ ان کے گلے مل کر خوشگوار انداز میں بولا تھا۔

’’وعلیکم السلام بیٹا۔۔۔‘‘ طویل عرصے بعد وہ اپنے لاڈلے بھتیجے سے مل رہے تھے، اسے سامنے دیکھ کر خوش تھے۔

’’کیسے ہیں چاچو آپ؟‘‘

’’میں اللہ کا شکر ہے، ٹھیک ہوں، تم سناؤ سفر کیسا گزرا ہے، تنگ تو نہیں ہوئے؟‘‘ وہ اس کا سامان گاڑی میں رکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں، سفر ٹھیک ٹھاک گزرا ہے۔''

''گڈ۔۔۔آؤ بیٹھو، گھر میں سب تمہاری راہ دیکھ رہے ہوں گے، عافیہ بھی اپنے بچوں سمیت آئی ہوئی ہے، تم سے ملنے۔'' وہ اسے گاڑی میں بیٹھنے کا کہتے ہوئے بتانے لگے، وہ مسکراتے ہوئے گاڑی میں ان کے برابر بیٹھا، جبھی سرمد گیلانی کے موبائل کی بپ بجی، انہوں نے موبائل اٹھا کر اسکرین کی طرف دیکھا جہاں افریشم گیلانی کا نام اس کی پکچر کے ساتھ جگمگا رہا تھا، انہوں نے علی کو ایکسکیوز کرتے ہوئے کال پک کی۔

''پاپا! مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔'' جہاں دوسری طرف سے وہ اپ سیٹ موڈ میں بولی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' سرمد گیلانی مسکرائے۔

''بس مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔'' وہ ضدی نروٹھے لہجے میں بولی۔

''مائی ڈیئر! پھر کال کیوں کی ہے؟'' انہوں نے اپنی پیاری سی بیٹی کو جتایا۔

''میں آپ سے ناراض ہوں۔'' وہ خفا تھی۔

''میں نے کیا غلط کیا ہے؟'' وہ حیران ہوئے۔

''آپ نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ ائیر پورٹ مجھے ساتھ لے کر جائیں گے علی کو لینے۔'' اس نے یاد دلایا۔

''تم یونیورسٹی گئی ہوئی تھیں ڈیئر۔۔۔'' انہوں نے وجہ بتائی۔ علی آیان سرسری انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''آپ انتظار کر سکتے تھے۔''

''بیٹا! جہاز لینڈ کر چکا تھا، علی ائیر پورٹ سے باہر آ گیا تھا، اسے بھی ٹائم پر پک کرنا تھا، بٹ آئی ایم سوری۔'' وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولے، بیٹی سے سوری کیا۔

''آپ نے پرامس کیا تھا، میں آج یونی سے بھی جلدی لوٹ آئی تھی۔'' وہ بولی۔

''اگین سوری۔۔۔تم فون رکھو، ہم تھوڑی دیر میں گھر آ جائیں گے، باقی باتیں اور تمہارے شکوے گھر میں سنیں گے۔ اوکے؟'' وہ ہنسے۔

''اوکے۔۔۔'' جبکہ افریشم نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی، سرمد گیلانی نے موبائل واپس رکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور ساتھ ہی علی سے مخاطب ہوئے۔

''افریشم کی کال تھی، خفا ہو رہی تھی، میں نے پرامس کیا تھا ائیر پورٹ تمہیں لینے دونوں ساتھ آئیں گے لیکن وہ یونیورسٹی میں تھی، سو میں اکیلے ہی تمہیں لینے آ گیا، اب ناراض ہو رہی تھی۔''

''اس کا مطلب ہے وہ اب بھی ویسے کی ویسی ہی ہے۔'' وہ مسکرایا۔ افریشم سے آخری ملاقات اس کی دو سال قبل ہوئی تھی، جب

سرمد گیلانی اپنی فیملی سمیت پاکستان چھٹیاں گزارنے آئے تھے، بہت باتونی ہونے کے ساتھ وہ زندہ دل تھی، ہنسنا ہنسانا اس کی عادت و فطرت میں شامل تھا، احد اور عباد اس سے چھوٹے تھے، دونوں کی آپس میں ہی زیادہ بنتی تھی، سو اس نے وہ تمام عرصہ علی کے ساتھ گزارتے ہوئے بہت انجوائے کیا تھا، علی نے بھی اس کی کمپنی میں بہت انجوائے کیا تھا، دونوں میں دوستی تو شروع سے تھی مگر اس عرصے میں قریب رہنے سے ان کی دوستی مزید گہری ہوگئی تھی۔

''ہوں......شرارتی تو ہے مگر اب تھوڑی بہت سمجھدار بھی ہوگئی ہے۔'' انہوں نے بتایا۔ گھر کا راستہ باتوں میں گزرا تھا، علی آیان حسن کا تمام فیملی ممبرز نے پرتپاک انداز میں استقبال کیا تھا، عالیہ چچی اور عافیہ پھپھو نے اسے خوب پیار دیا، احد اور عباد، حریم اور فرجاد بھی اس سے مل کر خوش تھے۔

''ہیلو علی۔'' سب سے آخر میں افریشم اس سے ملی تھی۔

''ہائے افریشم! کیسی ہو؟'' اس نے لہجے کو خوشگوار بنایا تھا۔

''فٹ اینڈ فائن۔۔۔تم سناؤ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بولا۔

''بٹ لگ تو نہیں رہے۔'' افریشم کی تیز چمکتی آنکھوں نے فوراً اس کا جائزہ لیا تھا۔

''اچھا۔۔۔'' علی نے اسے دیکھا۔

''کیوں؟'' اس نے وجہ پوچھی۔

''مے بی، سفر کی وجہ سے تھکن کا اثر میرے چہرے پر نمایاں ہو۔'' اس نے بتایا۔

''ہاں، یہ بھی ہوسکتا ہے، پھر تم ایسا کرو کہ جلدی سے فریش ہو کر آؤ، لنچ کرو، آرام کرو، تھکن اتارو، اترے ہوئے چہرے کے ساتھ تم بالکل اچھے نہیں لگ رہے۔'' افریشم بولی، وہ مسکرایا۔

''رئیلی؟''

''ہاں، اور لگتا ہے ڈائیٹنگ کا بھوت بھی سوار ہوگیا ہے تم پر، کافی کمزور بھی لگ رہے ہو پہلے کی نسبت۔''

''نہیں تو، ٹھیک تو لگ رہا ہوں۔'' افریشم کی بات پر اس نے قدرے حیرانگی سے خود کو دیکھا پھر بولا۔

''ٹھیک تو لگ رہے ہو مگر پہلے سے کم۔''

''ہوسکتا ہے کیونکہ میں نے کبھی نوٹس نہیں کیا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا، البتہ عام سے لہجے میں کہتے ہوئے خیال جھٹکا تھا، اب اسے کیسے بتایا کہ اسے ڈائیٹنگ نے نہیں بلکہ مستبشرہ کے دیئے دکھ نے نچوڑ لیا ہے۔

''علی بیٹا۔۔۔!'' افریشم کے کچھ کہنے سے پہلے عافیہ گیلانی اسے پکارتی ہوئی آئیں۔

''جی پھپھو۔''

''بیٹا! باتیں وغیرہ بعد میں کر لینا، عالیہ بھابی نے کھانا تیار کیا ہوا ہے، تم تھک بھی گئے ہو گے، کھانے کے بعد آرام کر لینا۔''

''جی پھپھو! میں ڈریس چینج کر لوں، پھر آتا ہوں۔''

''اچھا، افریشم! تم علی کو اس کا کمرہ دکھا دو، اور اسے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی اس کے کمرے میں رکھوا دو۔'' انہوں نے ساتھ ہی افریشم کو ہدایت دی اور چلی گئیں، افریشم نے کمرے تک اس کی رہنمائی کی۔ کمرے میں ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں، علی گھر کو سرسری نظر سے دیکھتے ہوئے اپنے بیگ میں سے پہننے کے لیے کپڑے نکالنے لگا۔

''افریشم۔'' ساتھ ہی اسے پکارا۔

''ہوں؟''

''مما نے سب کے لیے گفٹس بھیجے ہیں مگر تمہارے لیے خاص پاکستانی ڈریسز بھیجے ہیں، ساتھ ہی وہ تمام چیزیں جو پاکستانی لڑکیاں گھروں میں پہنتی ہیں، جیولری، سینڈلز اور پتہ نہیں کیا کیا، میں نے کہا بھی کہ کیا ضرورت ہے، کیا پتہ یہاں تم پہنو گی یا ایک کونے میں لے کر رکھ دو گی، مگر انہوں نے کہا کہ تم تک ان کا پیار بھرا حکم پہنچاؤں کہ جو انہوں نے بھیجا ہے تم ایک بار انہیں ضرور پہنو۔'' وہ تفصیل سے اسے بتا رہا تھا۔

''ایک بار کیوں؟ میں تو بار بار پہنوں گی، مجھے تو پاکستانی ڈریسز وغیرہ بہت پسند ہیں، آئی ایم ویری ہیپی، تھینکس ٹو آنٹی، بٹ تمہیں کیوں لگا کہ میں نہیں پہنوں گی؟'' وہ خوش ہوئی تھی، ساتھ ہی بھویں سکیڑ کر اس سے استفسار کیا۔

''بس ایسے ہی۔'' اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا، سو کندھے اچکائے۔

''نہیں، تمہیں لگا ہو گا کہ میں اتنے سالوں سے یہاں رہ رہی ہوں، مکمل طریقے سے لازمی طور پر یہاں کے لائف اسٹائل کو اپنا کر ہر رنگ میں رنگ چکی ہوں گی، شلوار قمیض، دوپٹہ لینا چھوڑ دیا ہو گا، بٹ ایسا کچھ بھی نہیں ہے، ہاں یونی میں تو نہیں پہنتی، بٹ گھر میں پہننا پسند کرتی ہوں۔'' وہ دوستانہ انداز میں بات واضح کرتی بولی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' وہ مسکرایا۔

❁ ❁

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

''خالص نہ سہی پر سچی کھری پاکستانی ہوں، دیکھ لو، صاف شفاف اردو بول رہی ہوں، نہ اردو بولتے وقت میرا منہ ٹیڑھا ہو رہا ہے نہ زبان دکھ رہی ہے اور نہ لہجے کا مخصوص پن کنٹرول سے باہر ہے۔'' وہ اپنی خوبصورت نسوانی آواز کے ساتھ بتانے لگی۔

''ویری گڈ! آخر کزن کس کی ہو؟'' علی نے اسے سراہتے ہوئے کالر جھاڑے۔

''حریم اور فرجاد کی۔'' اس نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلکھلا کر کہا۔

''پر دوست تو میری ہو۔'' علی اس کی بات پر مسکرایا۔

''تم پھر جلدی سے آؤ، سب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے، میں چلتی ہوں۔'' افریشم نے غیر محسوس طریقے سے بڑھتی گفتگو کو روک کر کہا۔

''اوکے، میں آتا ہوں۔'' وہ ڈریس اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھا، افریشم ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں؟'' مراد منصور کی آواز میں حیرت کے ساتھ دبا دبا سا اشتعال بھی موجود تھا، پچھلے دو ہفتوں سے مہ روش کی ذات اسے الجھن میں ڈال رہی تھی، کمرے میں پھیلی بے ترتیبی، کھانے میں نمک مرچ کی کمی، تو کبھی زیادتی، صبح ناشتے میں تاخیر، کپڑوں کی استری خراب تو کبھی ایسے دھلے ہوئے جیسے دھوئے نہ گئے ہوں، اوپر سے اس نے خود پر توجہ دینی بھی ترک کر دی تھی، یہ سب مراد منصور کی سمجھ سے باہر تھا۔

''مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے؟'' اس نے حیرانگی ظاہر کی۔

''اپنی حالت دیکھی ہے تم نے؟'' مراد کی خشمگیں نگاہوں میں سوال تھا۔

''کیا ہوا ہے مجھے؟'' وہ ریلیکس تھی۔

''جا کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو، پتہ چل جائے گا، کام والی ماسی سے بھی پرے ہوتی جا رہی ہو۔'' مہ روش کی خوبصورتی وہ خود ماند کر رہی تھی، اپنی ڈریسنگ کا خیال رکھنا وہ چھوڑ چکی تھی، یہ اس کے پلان کا حصہ تھا جو مراد کو ناگوار گزرا تھا۔

''اچھا۔۔۔'' وہ استہزائیہ ہوئی۔

''کیا اچھا؟ حالت ٹھیک کرواپنی، دیکھنے کو دل نہیں کر رہا تمہیں۔'' وہ دوٹوک سخت لہجے میں اسے تنبیہ کرنے لگا۔

''تو نہ دیکھیں، میں فورس تو نہیں کر رہی آپ کو۔'' وہ بے پرواہ تھی۔

''امیزنگ۔۔۔'' امڈتے غصے کو اس نے بمشکل ضبط کیا، ماہی کا بے خوف وخطر انداز بھی اس کے لیے حیران کن تھا، البتہ کھولتی

نظروں سے اسے گھورا۔ ''تم کچھ زیادہ ہی زبان دراز نہیں ہوتی جا رہیں؟''

''آپ کو ایسا لگ رہا ہے وگرنہ یہ ایک عام سادہ سی بات ہے۔'' وہ خود کو اندر سے مضبوط کر رہی تھی، پھپھو بھی اس وقت گھر میں نہیں تھیں، تھپڑ مارنا اب مراد کے لئے کوئی بڑی بات نہ رہی تھی، کلثوم بیگم کی غیر موجودگی میں وہ اپنے غصیلے عمل کو سنگین اور وسیع کر سکتا تھا مگر بظاہر وہ شانت تھی۔

''تمہیں میری بات یاد نہیں ہے؟ میں نے تمہیں شادی کی ایک وجہ بتائی تھی۔'' گھمبیر، کاٹ دار آواز میں اس نے ماہی کو یاد دلانا چاہا۔

''اچھا، کون سی؟''

''عروش۔''

''مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' ہمت کر کے دھیمی آواز میں بولی۔

''لیکن مجھے ہے۔'' وہ اس کے قریب آیا، دائیں ہاتھ کے پوروں سے اس کا چہرہ اپنی طرف اٹھایا۔

''اس سے بھی اور تم سے بھی۔''

''دکھ آپ کا ہے، مداوا میں نہیں کروں گی۔'' ماہی نے بمشکل اپنے چہرے سے اس کا ہاتھ ہٹایا، انداز جرح کو بڑھانے والا تھا، مراد کو بھڑکنے میں ویسے بھی دیر نہیں لگتی تھی۔

''تم وہی کرو گی، جو میں چاہوں گا، جو میں کہوں گا۔''

''ناکامی انسان کو کمزور کر دیتی ہے اور کبھی کبھار پاگل بھی۔'' ماہی نے بے ساختہ طنز کیا، مراد منصور نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''تب جب ناکامی کو خود پر حاوی کر لیا جائے اور میری زندگی میرے بنائے پلان کے مطابق چل رہی ہے مگر لگتا ہے تمہیں اپنی اوقات کا ابھی تک اندازہ نہیں ہوا۔'' ضبط کرتا وہ تلخی سے بولا۔

''اپنی نفرت اور حقارت میں بیشک آپ مجھے بے بس حقیر سمجھ رہے ہوں لیکن اگر اللہ چاہے تو ریت کے ذرے جتنی چیونٹی، ایک بدمست، طاقتور ہاتھی کو گرا کر اس کو زمین بوس کر سکتی ہے، ہم تو پھر انسان ہیں، ہماری کیا اوقات کہ کسی کی زندگی کی ڈور کو اپنے اختیار میں کر سکیں، انسان کا غرور اور خواہ مخواہ کی طاقت اللہ کو پسند نہیں، غرور اکثر خاک میں مل جاتا ہے اور طاقت کب کمزوری بن جاتی ہے آدمی کو علم بھی نہیں ہوتا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ مراد نے بے اثر انداز میں اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''یہ باتیں تم مجھے ڈرانے کے لئے کر رہی ہو یا پھر خود کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے؟''

''تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں، جسے پرکھ سکتے ہیں وہ لے لیں۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''یہ فلسفیانہ باتیں کہیں اور جھاڑنا۔'' مراد نے برہمی و بے دردی سے ہاتھ اس کے سر کی طرف لے جاتے ہوئے اس کے بالوں کو گرفت میں لیا۔ مہ روش کو گرفت کی مضبوطی سے درد کا احساس ہوا، نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور ہاتھ اس کے ہاتھ پر لے جاتے ہوئے بال چھڑانے کی سعی کی۔

''آئندہ تم مجھے اس حالت میں نظر نہ آؤ ورنہ میں بہت برے طریقے سے پیش آؤں گا اور اپنی شکل وصورت کو صحیح سلامت دیکھنا چاہتی ہو تو زبان کا استعمال کم کرنا، میں نے جتنا تمہیں سننا تھا سن لیا ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔ ماہی سے درد برداشت کرنا اب مشکل ہو رہا تھا، مراد کی گرفت مضبوط تھی، تکلیف روکنے کی کوشش میں اس نے زبان نہیں ہلائی تھی۔

''بہت موقع دیا ہے تمہیں اور بہت نکال لیا تم نے دل کا غبار، ایک منٹ بھی مقابل کو چپ کروانے کے لیے بہت زیادہ لگتا ہے مجھے، تم تو دس سیکنڈ کی مار ہو، اب تک چپ نہیں کروایا تو خود کو مضبوط، بہادر سمجھنے لگی ہو، میرا مقابلہ کرو گی، مجھے زمین بوس کرو گی؟ میرے برابر بول کر میرے خلاف کھڑی ہو گی تم، تو یاد رکھنا میرا نام مراد منصور ہے، خاک میں ملا دوں گا تمہیں۔''

''پلیز میرے بال چھوڑیں۔'' ماہی کی آنکھیں بھر آئی تھیں، مراد کے جارحانہ وغضب ناک انداز میں کہے جملے درد کی شدت کی وجہ سے کان کے اوپر سے ہی گزر رہے تھے۔

''کیوں۔۔۔ برداشت کرو اب، میرا مقابلہ کرنا چاہتی ہو ناں، تو پھر اب ری ایکٹ کر کے دکھاؤ، التجا کیوں کر رہی ہو؟'' وہ پھنکارا تھا۔

''مجھے درد ہو رہا ہے۔'' وہ بے بس نہیں ہونا چاہ رہی تھی مگر اس کی آواز کمزور پڑی تھی، مراد بغور اس کے چہرے کو گھور رہا تھا جہاں درد کے آثار نمایاں تھے۔

''مجھے بھی ہوا تھا، وقار اور عروش کی وجہ سے، جس کا خمیازہ تمہیں بھرنا ہے، ہر موقع پر میرے سامنے اپنے بھائی کے کیے کا حساب دینا ہے اور تب تک حساب دینا ہے جب تک میں اپنے اندر پلتے دکھ کو ختم نہیں کر لیتا، وقار اور عروش کو اپنے پیروں میں جھکا نہیں لیتا، میرے دل میں اب کوئی محبت، کوئی احساس نہیں بچا، جو میں تم میں سے کسی کی فکر کروں، تم نے تو مجھے ساری عمر جھیلنا ہے اب، اپنی زندگی میں سکون اور خوشی چاہتی ہو تو آئندہ خیال رکھنا، میں جانتا ہوں کہ میں بہت برا ہوں، اپنے سوا کسی کی پرواہ نہیں کرتا، کسی کی بھی نہیں، دھیان رکھنا۔'' وہ انتہا کی حد تک سفاک تھا، اس کا لفظ لفظ انگارے برسا رہا تھا، ایک جھٹکے سے ماہی کے بال چھوڑ کر وہ پل بھر کو رکا تھا، مہ روش بدک کر پیچھے ہوئی تھی، مراد تحقیر بھری غصیلی نگاہ اس پر ڈالے کمرے سے باہر نکل گیا تھا، اس وقت وہ مراد کے سامنے بہت بے بس ثابت ہوئی تھی، زبان اس کی سن ہو چکی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا پلکوں کے باڑ کو توڑ کر اپنی راہ ہموار کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ مراد منصور کا ہر روپ بھیانک تھا، وہ بہت خوفزدہ ہو چکی تھی اس سے، لاکھ چاہنے کے باوجود مراد منصور سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا اس کے لیے ناممکن تھا۔

☆......☆......☆

شدید سرد موسم میں بھی اس کے اندر آگ لگی ہوئی تھی، ایسی آگ جو اسے پچھتاوے میں دھکیل کر ایک ایک لمحہ کا حساب بے باق کر رہی تھی، اس کے پیروں تلے سے پھولوں سے سجی راہ گزر کو کھینچے اس کے سامنے طویل ودشوار مسافت کے لیے کانٹوں سے لبریز، اذیت، کرب، ملال کی سڑک تعمیر کر رہی تھی، جس پر اسے نا چاہتے ہوئے بھی اب تمام عمر چلنا تھا، ہر گزرتا دن اس کے لیے بے رونق اور دل کی نگری کے لیے سوگوار یت بڑھا رہا تھا۔

عشق جس کو طلاق دے دے

عمر اس کی تمام عدت!

مستبشرہ جمال عمر بھر کے روگ کا شکار ہو گئی تھی، حالانکہ اس نے تو خلع کا نوٹس بھی نہیں بھیجا تھا، وہ تو بس علی آیان حسن گیلانی کو علیحدگی کا عندیہ سنا کر واپس آ گئی تھی، اس کی دسترس سے دور، اپنی راہ جدا کر کے۔۔۔مگر مقابل اسے سن کر کمزور ہوا تھا، مقابل کی درخواست البتہ بہت دم دار تھی، جو سب فیصلے اس کے خلاف ہو گئے تھے، اسے فریق کے حق میں، اس کی محبت کے پرزور اصرار پر عمر قید کی سزا مل گئی تھی۔سزا بھی مشقت بھری۔

نہ اس کا دل اب اس کے لیے دھڑک سکتا تھا نہ سانسوں کو اس کے لیے تسلسل برقرار رکھنے کی اجازت تھی، سوچوں پر بھی اپنی ذات کے لیے سوچنے پر پہرے لگا دیئے گئے تھے۔زبان احتجاج کے قابل نہیں رہی تھی، لبوں پر چپ کے قفل ڈالنے کا کڑا و حتمی حکم اسے ملا تھا اور ہر حکم کی پیروی اس پر لازم تھی۔

”مجھے ہر سزا قبول ہے۔“ وہ سر تسلیم خم کر چکی تھی۔

”میں اپنی ذات کے لیے سوچوں بھی تو گناہ ہوگا۔“ وہ سوچ سے عمل تک بدلنے سے خود کو روک نہیں سکی تھی، اعتراف کے بعد اب یہ فیصلہ کر چکی تھی۔

”مجھ پر میرا کوئی اختیار باقی نہیں رہا اب۔“ علی کی محبت مکمل طور پر اس پر حاوی ہو چکی تھی، اپنے لیے سوچنے اور علی کی یادوں سے دامن چھڑانا اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا مگر وہ اپنی ہار پر افسردہ نہیں تھی۔

”میں صرف تمہاری ہوں علی! ہمیشہ کے لیے۔“ وہ خود سپردگی کے عالم میں اس کے سامنے گھٹنے ٹیک چکی تھی، تصور میں اس سے کہتے ہوئے مستبشرہ کو کوئی جھجک نہیں تھی۔

”اپنے لیے۔۔۔اپنے انداز میں، اب جینا بہت دشوار ہوگا۔“ وہ ہمت سے کام لینا چاہ رہی تھی کیونکہ سوچ سے عمل تک بدلنے کے بعد جہاں و دل سے لے کر جذبات تک بدلی تھی وہیں اب اس نے سر سے پیر تک علی کی محبت میں بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”تم سے ناانصافی کا کفارہ میں خود سے، خود کو بدل کر لوں گی، اب اپنے لینا جینا مذاق لگتا ہے، میں قسمت کے ایک سنگین مذاق

کے بعد خود اپنا مذاق مزید نہیں بنانا چاہتی، میری ہر مسکراہٹ پر تو صرف تمہارا حق ہے، میں اب خود کے لیے کیسے مسکرا سکتی ہوں، میرے کھلے بال تمہیں پسند تھے، تو اب میں کیونکر انہیں کھول سکتی ہوں، جب انہیں سراہنے والی آنکھیں میرے قریب، میرے پاس نہیں ہیں؟ میں چاہ کر بھی تمہارے پاس جانے کی سکت نہیں رکھتی علی! میرا دل ڈرتا ہے کہ کہیں تم اس سے اپنے دل کا بدلہ نہ لے لو، مگر یہ میرے دل کا وعدہ ہے تم سے، اس دل میں بسے ہو تم۔۔۔ تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں کرے گا۔'' نیلگوں آسمان پر نظریں جمائے مستبشرہ جمال صرف علی سے مخاطب اس کی ذات، اس کی محبت میں محو تھی۔

''ادھوری محبت کا دکھ کس طرح روح کو شکستہ کرتا ہے، زخم زخم گھائل کرتا ہے، میں وہ سب محسوس کرنا چاہتی ہوں، میں اس دکھ سے گزرنے کے لیے تیار ہوں علی! جس سے تم میری وجہ سے گزر رہے ہو، میں خود کو تکلیف میں رکھ کر تمہاری اذیت کا اندازہ کرنا چاہتی ہوں، اس ادھورے پاس بھرے فسانے کا حقیقی روپ دیکھنا چاہتی ہوں، اپنے کیے پر پچھتانا مجھے بہت معمولی لگتا ہے۔'' وہ اس سے مخاطب رہنے لگی تھی، زیادہ تر وقت گم صم بیٹھ کر اپنے ناحق ہونے کو تسلیم کر کے وہ سب محسوس کرنا چاہتی تھی جیسے علی کر سکتا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا علی آیان! کہ محبت ان لوگوں کے لیے خواب، سراب، عذاب ہوتی ہے جو محبت کو مذاق سمجھتے ہیں، تب میری نظر میں بھی محبت کی کوئی وقعت کوئی سچائی نہیں تھی مگر اب محبت کا یقین میں ڈھلتا خواب میرے لیے محض سراب ہے جو صرف ذہن و دل میں ہلچل مچائے سکون کو تباہ و برباد کر کے محبت کیعذاب سے روشناس کروائے، ہر ایک ناانصافی اور سنگدلی کا حساب مانگ رہا ہے، کاش علی! میں تمہاری زندگی میں نہ آئی ہوتی، تو آج تم خوش ہوتے، زندگی کو جی رہے ہوتے، ہر رنگ میں رنگ کر دکھ درد سے انجان ہوتے۔'' اپنی پشیمانی مٹانے کے لیے وہ حسرت زدہ تھی۔

''میں اللہ سے دعا کروں گی علی! کہ تم مجھے بھول جاؤ، میں تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں، بابا جان سے کیے وعدے کو نبھانے کے لیے بھی مجھے تمہارے ساتھ ناٹک نہیں کرنا چاہیے تھا، بے شک میرا ناٹک اب ناٹک نہیں رہا مگر میں تمہارے قابل ہی نہیں ہوں، تم ایک سچے، بے غرض انسان ہو، تمہاری زندگی، تمہاری سوچ صرف مجھ تک ہی نہیں ختم ہونی چاہیے، میں دعا کروں گی کہ تمہاری زندگی میں وہ لڑکی آئی جو تمہارے دامن سے میرے دیئے گئے دکھ سمیٹ کر اپنی ذات سے تمہیں بے پناہ خوشیاں دے۔'' وہ سچے دل سے اس کے لیے دعا گو تھی۔

''اور میں۔۔۔!'' آنکھیں میچ کر توقف کے بعد اس نے اپنے اندر جھانکا۔

''میرا ماضی، میرا حال اور مستقبل اب میرا نہیں رہا علی! تمہاری دعا قبول کر لی ہے اللہ نے، میں اب اپنے ماضی کو بھولنے کی دعوے دار نہیں ہوں کیونکہ میری زندگی اب میری نہیں رہی، مجھ پر، میری زندگی ماضی، حال، مستقبل پر صرف تمہارا حق ہے، میں تمہیں اپنے ساتھ محسوس کرنے لگی ہوں، مجھے لگتا ہے میں تم سے روبرو بات کر رہی ہوں، تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔۔۔ اور میں تمہارے ہاتھ تھام کر تمہیں اپنے مستقبل کا وہ آئینہ دکھا رہی ہوں جس میں تمہارا عکس نمایاں ہے۔'' مستبشرہ جمال واقعی میں اس انداز سے کہہ رہی تھی

جیسے علی آیان حسن گیلانی اس کے سامنے ہو، اسے اپنے ہونے کا احساس دلا رہا ہو۔

''لیکن یہ ہی میرے کیے کی سزا ہو گی، مجھے اپنے لیے نہیں جینا اب۔''

''اور جانتے ہو علی! تم سے محبت کے باوجود بھی میں چاہوں گی کہ ہم زندگی میں کبھی دوبارہ نہ ملیں، میں تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت یا تضحیک نہیں دیکھ سکوں گی، میں تمہاری بے رخی نہیں برداشت کر سکوں گی، تمہاری آنکھوں کی اجنبیت میں، اپنے لیے وہ سفاکیت جو میں نے دو مرتبہ خواب میں دیکھی اگر مجھے رقم ملی تو میں ٹوٹ جاؤں گی، تمہاری محبت ہی اب میری متاع حیات ہے، جسے میں کھونا نہیں چاہتی۔'' جہاں وہ شرمندہ، نادم، ملوم تھی وہیں تھوڑی بہت خود غرضی بھی اس کی محبت میں شامل ہو رہی تھی۔ علی کو ٹھکرانے کے بعد وہ خود کا ٹھکرایا جانا برداشت کرنے کے قابل خود کو نہیں سمجھ رہی تھی، ایک بار تسلیم کرنے کے بعد دوسری شکست کا سامنا بہت مشکل رہا تھا اسے۔

☆......☆......☆

لیکن اس ڈر کو مٹانے کے لیے مہ روش اپنا کیا کیے جا رہی تھی، بظاہر بڑی خاموشی سے مگر اس کا ہر عمل اب مراد کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا مگر اسے پرواہ نہ تھی، مراد نے بھی تو اس سمیت کسی کی پرواہ نہیں کی تھی۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ ناں کہ تلوار سے زیادہ زبان کا وار تکلیف دیتا ہے اور مہ روش تو زبان کے اتنے وار سہہ چکی تھی کہ اب کبھی کبھار اسے روز کا معمول بنتی تلوار کی مار جسم سے زیادہ جذبات و اعصاب کے لیے برداشت کرنا کوئی مشکل کی بات نہ تھی، جسم پر مراد کے ہاتھ کی ہر وہ ضرب اتنا جاندار اثر نہیں ڈال رہی تھی جتنی ابتداء میں، دل سے رستے بے اختیار ہوتے ارمان اسے تڑپا رہے تھے، خود سے کسی کو کچھ نہ بتانے کے فیصلے پر وہ اب بھی قائم تھی اور یہی بات اس کی مراد کو چڑانے والے ہر عمل کے ساتھ مراد کو تلخ سے تلخ تر اور اس کے حق میں سفاک بنائے جا رہی تھی۔

وقت دھیرے دھیرے اپنی رفتار سے آگے بڑھنے میں مصروف ہر گزرتے لمحے پر ماضی کی گرد پھیلائے جا رہا تھا، لیکن مراد کا اصل روپ کسی طور مہ روش کے لیے ماضی نہیں بن سکا تھا، مراد کا بھیانک روپ، اس کی اصلیت سامنے آنے کے بعد ہر ہر لمحہ اس کے ذہن کے منظر پر یوں صاف ظاہر تھا جیسے ابھی ایک سیکنڈ پہلے کی بات ہو اور یہی سب ماہی کے موم دل کو پتھر بنانے میں کوئی کسر روا نہیں رکھ رہے تھے۔ وہ ہر ممکن کوشش میں اس کی نظروں سے فرار چاہ کر کچھ دیر پرسکون رہنا چاہتی تھی مگر ایسا کچھ بھی تو نہیں ہو رہا تھا۔

''مہ روش بیٹا!''

''جی پھپھو۔''

''بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، مجھے کچھ دنوں سے تم ٹھیک نہیں لگ رہیں؟'' کلثوم بیگم نے محبت بھری فکر سے اس سے پوچھا۔

''ایسی بات نہیں ہے پھپھو! میں بالکل ٹھیک ہوں، ہاں کبھی کسی وقت طبیعت بوجھل سی لگنے لگتی ہے، پتہ نہیں کیوں؟'' وہ تفصیل سے نارمل بولی، پچھلے کچھ دنوں سے واقعی وہ اپنے پلان سے ہٹ کر سست ہوتی جا رہی تھی۔

''اللہ خیر کرے گا، اور تم اپنا خیال بھی رکھا کرو۔''

''جی پھپھو۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور کچھ دن اپنے گھر سے بھی ہو آؤ، دل خوش رہے گا، یہاں پھر تین بندے ہیں تم بھی تنگ آ جاتی ہو گی۔'' انہوں نے کہا۔

''نہیں پھپھو، ایسی بات نہیں ہے، میں تنگ نہیں ہوتی، اب یہی تو میرا گھر ہے اور مراد آئے تو میں ان سے کہوں گی، ایک دو دن بعد آ جاؤں گی پھر واپس۔'' وہ پھپھو کی محبت پر شاد ہوئی، ساتھ ہی کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! خوش رہو۔'' پھپھو نے کہا اور کچھ دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد کسی کام سے اٹھ کر چلی گئیں۔ ماہی بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی، پھپھو کے کہنے پر اس کا دل خود بھی امی کے گھر جانے کو ہوا تو الماری کی طرف بڑھی، ایک دو سوٹ نکالے اور خود آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بال وغیرہ سیٹ کیئے اور باہر لان میں چلی آئی، کھلی فضا میں پر سکون انداز میں چیئر سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند کر بیٹھی، اندر کمرے میں دل بھاری لگتا تھا اسے، اسی لیے آج کل زیادہ تر وقت پھپھو کے ساتھ ہوتی یا پھر باہر آ کر بیٹھ جاتی تھی۔

حسب معمول 4 بجے کے بعد مراد کی واپسی ہوئی تو ماہی نے کچن کا رخ کیا اور چائے کا پانی چولہے پر چڑھایا، مراد ڈریس چینج کر کے ٹی وی لاؤنج میں آ چکا تھا، ماہی نے آج پکی چائے اتارنے کے بجائے دل کھول کر میٹھا اس بڑھانی چاہی، دو چمچ چینی کے بجائے 4 چمچ چینی چائے میں ڈالی اور اپنے چہرے پر بلا کی سنجیدگی سجائے رکھی کیونکہ وہ یہ سب مذاق میں بالکل نہیں کر رہی تھی۔

''چائے۔۔۔'' مہ روش نے کپ اسے تھمایا اور خود سامنے جا کر بیٹھ گئی، مراد نے ایک نظر خاموشی سے اسے دیکھا پھر چائے کا سپ لیا مگر جیسے ہی چائے اس کے منہ میں گئی، اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے، زیادہ میٹھا اسے پسند نہ تھا اور آج تو ماہی نے دل کھول کر چینی کا استعمال کیا تھا۔

''کیا ہے یہ؟'' اس کی خونخوار نظروں کا رخ اگلے ہی لمحے مہ روش کی طرف ہوا تھا۔

''چائے۔۔۔'' اس نے تحمل سے صاف مگر مختصر جواب دیا۔

''بکواس بند کرو۔'' وہ بری طرح سے دھاڑا۔ لنچ وہ آفس میں ہی کرتا تھا مگر گھر آ کر اسے صرف چائے نہیں بلکہ زبردست کڑک چائے پسند تھی جو مہ روش اچھی طرح جانتی تھی، جبھی کبھی کبھی کچی چائے اس کی خدمت میں پیش کرتی اور کبھی بے ذائقہ، مگر آج مراد چلائے بنا نہ رہ سکا۔

''یہ سچ میں چائے ہی ہے۔'' وہ اتنا ہی بولی البتہ دل سے اس کے آگ بگولہ ہونے کی منتظر ہوئی۔

''مذاق کر رہی ہو تم؟'' وہ کپ ٹیبل پر رکھ کر غصے سے اس کی طرف بڑھا۔

''یہ مذاق نہیں ہے۔'' وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی، کلثوم بیگم مراد کی دھاڑتی آواز سن کر اسی طرف آئی تھیں۔

''تمہیں پتہ ہے مجھے میٹھا زیادہ پسند نہیں ہے۔'' وہ تو بگڑ ہی گیا تھا، کچھ آفس کی تھکان بھی تھی اور کچھ مہ روش کے حالیہ فعل اپنا اثر دکھا رہے تھے جو وہ اسے غصہ دلانے کے لیے سرزد کرتی آ رہی تھی۔

''جی، مجھے پتہ ہے۔'' پھپھو پر نظر پڑتے ہی وہ آہستگی سے بولی۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' کلثوم بیگم نے دخل اندازی کر کے استفسار کیا۔

''دیکھیں آپ۔۔۔کیسی چائے بنائی ہے اس نے، اتنی چینی ڈالی ہے کہ ساری کی ساری پہلے سپ پر دماغ کو چڑھ گئی ہے جبکہ یہ جانتی ہے کہ مجھے اتنی میٹھی چائے بالکل پسند نہیں ہے۔'' وہ واقعی غصے میں تھا جو ماں کے سامنے بھی کنٹرول نہ کر سکا۔

''ہاں پر میں نے بالکل برابر میٹھا ڈالا ہے، جتنا یہ چائے میں پسند کرتے ہیں۔'' تھوڑی بہت سمٹنے کی ایکٹنگ کرتی ماہی دھیرے سے بولی تھی۔

''جھوٹ مت بولو۔'' مراد نے اسے تنبیہہ کی۔

''امی! آپ ایک سپ لے کر تو دیکھیں، معلوم ہو جائے گا آپ کو۔'' ساتھ ہی کپ اٹھا کر ماں کو دیا۔ کلثوم بیگم اس سے پہلے کہ کچھ کہتیں، مراد نے کپ ان کے منہ سے لگایا، چائے منہ کے اندر جاتے ہی انہوں نے مہ روش کی طرف دیکھا تھا۔

''بیٹا! چینی واقعی بہت زیادہ ہے۔'' آواز مگر دھیمی تھی۔

''پتہ نہیں پھپھو، حالانکہ میں نے چائے Taste کی تھی۔'' اس نے مصنوعی ندامت ظاہر کی۔

''پتہ نہیں کیسے ٹیسٹ کی تھی تم نے، پہلے تو بناء Taste کیے ٹھیک ٹھاک بنا لیتی تھیں، پھر اب دو تین ہفتوں سے کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ پتہ نہیں کون سی ضد میں کیے جا رہی ہو سب؟'' مراد نے اسے سنانے میں کوئی رعایت نہیں بخشی۔

''میری آپ سے کیوں کوئی ضد ہو گی، دیکھیں ناں پھپھو، پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہیں یہ۔'' وہ نہایت معصومیت کا مظاہرہ کرتی گویا اندر سے مطمئن ہوئی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، جان بوجھ کر تم نے ایسا کیا ہے، ادھر سارا دن آفس میں سر جھپاؤ اور گھر آؤ تو ناٹک بھگتاؤ، آئندہ میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا۔'' ماں کو موقع دیئے بغیر وہ اسے وارن کرنے لگا۔ کلثوم بیگم کے لیے مراد کا غصہ ہونا عجیب نہیں تھا مگر مہ روش سے اس لہجے میں اس کا بولنا انہیں ذرا اچھا نہ لگا تھا۔

''آپ بیٹھیں، میں ابھی اور بنا لاتی ہوں چائے۔'' جبکہ ماہی آرام و آہستگی سے بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے، ہٹو میری نظر کے سامنے سے۔'' جواباً وہ اس پر چلایا۔ یہی سب کچھ اگر کمرے کی حدود کے اندر دبی آواز میں ہو رہا ہوتا تو یقیناً وہ اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

''بس کرو مراد! اب اتنا غصہ ہونے کی کیا بات ہے؟ ایک آدھ بار ہو جاتا ہے ایسا۔'' انہوں نے اس کو سمجھانا چاہا۔ ماہی، مراد کے کہنے کے عین مطابق اس کی نظر کے سامنے سے ہٹ چکی تھی۔

''ایک آدھ بار نہیں امی، یہ اب معمول بناتی جا رہی ہے اپنا، اس دن بھی کچی چائے بنائی تھی اس نے۔'' مگر اس کا غصہ کسی طور کم ہونے کو نہیں آ رہا تھا، ناچار کلثوم بیگم بنا کچھ کہے خود ہی وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

رات کھانے سے پہلے تک مراد کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ اکیلے میں مہ روش سے اپنی شان میں کی گئی گستاخی کی اپنی تسکین کے لئے سزا دے سکتا، ماں کے سامنے اس نے بہت تحمل میں رہنے کی کوشش کی تھی، وگرنہ دل تو ہاتھ اٹھانے کو بہت چاہا تھا، مہ روش اس کے سامنے کھانے کے وقت بھی کلثوم بیگم کے کہنے پر آئی تھی، کھانا کھانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا، پچھلے کچھ دنوں سے کھانے کو دیکھ کر ہی اس کا دل متلانے لگتا تھا۔ مراد منصور نے ماہی کو بری چائے بنانے کی سزا سختی سے اسے میکے جانے سے روک کر دی، ماہی نے بھی پھر جانے کی ضد نہ کی، نہ کلثوم بیگم نے دوبارہ اس وقت اس سے کہا، مراد کے غصے سے وہ ہمیشہ ہی خائف رہتی تھیں۔

☆......☆......☆

یہ آب و ہوا کے بدلاؤ کا اثر تھا یا وہ خود کو کمپوز کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر فی الحال جو بھی تھا اس نے مستبشرہ جمال کو اپنے پاس، اپنے ساتھ محسوس کرتے ہوئے بھی اسے خود پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔ یہ بات اس کے لیے اطمینان بخش ثابت ہوئی تھی۔ وہ پھپھو اور چاچو کی فیملیز کے ساتھ پہلے کی طرح ایک دم ہی گھل مل گیا تھا، افریشم، احد، عباد، حریم اور فرجاد کے ساتھ پہلے چار ہفتے تو اس نے گھوم پھر کر گزارے، خوب مزہ آیا، پھر حسن گیلانی نے فون پر اسے سرمد گیلانی کے ساتھ آفس جانے کی تاکید کی تو وہ آفس چاچو کے ساتھ جانے لگا۔ سرمد گیلانی نے ایک ایمپلائی کو اس کی ہیلپ کے لیے اس کے ساتھ رکھا تا کہ بیسک چیزوں اور رولز (Rules) وغیرہ کے متعلق جلد از جلد جان سکے۔

مستقل رہائش تو اس کی سرمد گیلانی کے ہاں تھی مگر وہ آفس کے بعد پابندی سے افریشم یا احد و عباد میں سے کسی ایک کے ساتھ عافیہ پھپھو کی طرف چکر لگاتا، گھنٹہ بھر وہاں ان کے ساتھ باتیں وغیرہ کرتا، پھپھو کے ہاتھ کی چائے پیتا، عافیہ پھپھو چائے کے ساتھ مختلف لوازمات سے اپنے لاڈلے بھتیجے کی آؤ بھگت کرتیں، وہ خوشی خوشی ہر ایک ڈش ٹیسٹ کرتا، یہاں آنے کے بعد وہ ذہنی طور پر ریلیکس ہو چکا تھا۔

آج بھی آفس کے بعد وہ افریشم کے ساتھ پھپھو کی طرف آیا ہوا تھا۔ سرمد گیلانی اور عافیہ گیلانی کے گھروں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا، سو وہ زیادہ تر واک کرتے ہوئے ہی ان کے گھر جاتے تھے۔ افریشم سے وہ زیادہ کلوز تھا، آج پھپھو کی طرف سے واپسی پر افریشم گھر جانے کے بجائے اسے لیے قریبی پارک میں چلی آئی تھی۔

''گھر ہی چلتے ہیں افریشم! یہاں کیا کریں گے؟''

''کیا مطلب کیا کریں گے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اس میں اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو، ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ یہاں چلتے چلتے باتیں کرنے سے تو بہتر ہے گھر میں سب کے ساتھ جا کر بیٹھیں، باتیں کریں۔'' وہ اس کے حیرت آمیز تاثرات کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اُف علی! تنی بڈھی روح ہے تمہاری۔۔۔'' وہ مزید حیران ہوئی، ساجدہ گیلانی کا بھیجا سوٹ پہنے وہ اس وقت خوبصورت، خوشگوار موسم کا حصہ لگ رہی تھی۔

''کیوں میں نے کیا غلط کہہ دیا ہے کچھ؟'' وہ الٹا پوچھنے لگا۔

''اور نہیں تو کیا، شام کے وقت گھر میں بیٹھ کر خاک مزے کی باتیں کی جاتی ہیں؟ غروب آفتاب کے وقت ایک تو ویسے بھی وقت کی رفتار دھیمی ہو جاتی ہے، اوپر سے گھر کا مخصوص ٹھہرا ہوا ماحول، مجھے تو شام کے وقت گھر میں قید خانہ لگتا ہے۔''

''تو یہاں پارک میں وقت کون سا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے؟''

''ہوا کے گھوڑے پر سوار نہ سہی مگر کھلی فضاء میں چلتے ہوئے باتیں کرنا، ہوا کے جھونکوں کا جسم سے ٹکرا کر بکھرنا، مجھے تو بہت پسند ہے، میں تو آج کل تمہاری وجہ سے شام کے وقت گھر میں پائی جاتی ہوں ورنہ تو میں اور میری فرینڈز یا تو کسی پارک میں جاتے ہیں یا پھر لونگ ڈرائیو پر۔'' وہ اپنے متعلق اسے بتا رہی تھی۔

''بٹ مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''اسی لیے بڈھی روحوں جیسا حال بنائے پھرتے ہو، تم ناں، بس زندگی کو گزارنے والی بات کر رہے ہو، زندگی کو جینے کا ڈھنگ تمہیں نہیں آتا؟'' وہ کافی غور و فکر کے ساتھ اس سے کہہ رہی تھی، آنکھیں اب بھی اس کے چہرے پر جمائے ہوئے تھی۔

''اچھا۔۔۔'' وہ ہنسا۔

''کیا اچھا؟ میں کوئی مذاق نہیں کر رہی جو تم مسکرا رہے ہو، دیکھو ذرا اپنے اردگرد، لوگ کتنے مگن ہیں، کیسے اپنی زندگی کو انجوائے کر رہے ہیں۔'' افریشم نے اس کی توجہ پارک میں موجود لوگوں کی طرف مبذول کرنی چاہی، جہاں بچے، بڑے، بوڑھے جوان تقریباً ہر عمر کے لوگ بنا کسی کی پروا کیے باتوں میں مصروف تھے، بچے کھیل کود میں مگن تھے، کئی نوجوان لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہنستے مسکراتے جا رہے تھے، کتنی بینچ پر بیٹھے تھے تو کئی درختوں سے ٹیک لگائے ایک دوسرے کی آنکھوں میں محو تھے۔

''اسے زندگی جینے کا ڈھنگ کہتے ہیں؟'' کپلز کی صورت میں گزرتے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر اچانک اسے مستبشرہ جمال کا خیال آیا تھا، ساتھ ہی اپنی پاکیزہ، بے لوث محبت کو اس نے محسوس کیا تھا مگر کسی بھی لمحے قید ہوئے بنا وہ چونک کر افریشم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا۔

''بالکل۔۔۔اور جو تمہیں بالکل بھی نہیں آتا؟'' وہ غیر سنجیدہ تھی۔

''تو پھر تم سکھا دو ناں مجھے۔'' جبھی علی بھی اسی کے انداز میں بولا۔

''سکھاؤں گی، تمہیں بھی اور خود بھی سیکھوں گی۔''

''مطلب تم بھی بے ڈھنگی ہو؟'' دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ ہنسا۔

''بیڈ جوک، میں سارے ڈھنگ سے واقف ہوں لیکن تمہارے ساتھ شروع سے سیکھوں گی، جبھی تم ٹھیک سے سیکھ پاؤ گے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''تمہیں خود پر یقین ہے، سکھا پاؤ گی مجھے؟'' علی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے مصنوعی چیلنجنگ انداز میں پوچھنے لگا۔ افریشم کا انداز اسے اچھا لگا تھا۔

''تمہیں شک ہے میری صلاحیتوں پر؟''

''اس میں تمہاری کون سی صلاحیت شامل عمل ہو گی؟''

''ایک بے ڈھنگے شخص کو زندگی جینے کا ڈھنگ بنا صلاحیت کے کوئی نہیں سکھا سکتا۔'' وہ اترائی۔

''اگر سیکھنے والا سکھانے والے کی صلاحیت کا اعتراف نہ کرے، سیکھتے ہوئے بھی کچھ نہ سیکھے تو پھر ایسی صلاحیت کا فائدہ؟'' علی آیان حسن اپنی اس جذباتی سی کزن کو چڑانے کے موں میں تھا، مزے لے کر پوچھنے لگا۔

''تم مجھے پاکستان کے گورنمنٹ اسکول کی پھر کوئی ٹیچر سمجھ لینا، جو سکھانے پر آئے تو مارنے سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔'' افریشم نے اپنے خطرناک پہلو کو سامنے لاتے ہوئے بھرپور قہقہہ لگایا۔ علی نے بھی اب کہ اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

''خود پر تمہیں ہنڈرڈ پرسنٹ یقین ہے؟''

''آف کورس، تمہیں میرے یقین پر کوئی شک ہے؟''

''بالکل نہیں۔''

''ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ افریشم گیلانی نام ہے میرا، کس کام کو کرنے کی ایک بار میں ٹھان لوں پھر اسے انجام تک پہنچا کر ہی رہتی ہوں۔'' وہ کھنکتی آواز میں غیر سنجیدگی سے اسے دیکھ کر بولی۔

''چلو پھر میں دعا کروں گا کہ تم اپنے یقین کو سلامت رکھ سکو۔'' علی آیان حسن نے مذاقاً دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے، جس پر افریشم گیلانی خوبصورتی سے مسکرائی تھی۔

☆......☆......☆

مراد منصور کی سمجھ میں کچھ نہ کچھ تو آنے لگا تھا جو وہ سمجھتے ہوئے اپنے اشتعال پر قابو پا کر اپنے شک پر پہلے یقین کی مہر ثبت کرنا

چاہ رہا تھا کہ اگر اس کا شک، محض شک ہوا تو بات اس کے نزدیک اتنی گھمبیر نہ ہو گی لیکن اگر اس کے شک پر یقین کی مہر ثبت ہو گئی تو کوئی شک نہیں تھا کہ وہ مہ روش کے حق میں کتنا برا ثابت ہو سکتا تھا، بہت برداشت سے کام لیتے ہوئے وہ کھوجتی نظروں سے اس کے تعاقب میں تھا۔ محبت تو دور کی بات اسے تو ماہی سے انسیت بھی نہیں تھی۔ وقار سعید کی وجہ سے سعید احمد کے گھر کے تمام مکینوں کے لئے اس کے دل میں زہر بھرا تھا، اپنے گھر میں مہ روش کا چلتا پھرتا وجود اسے نہیں بھاتا تھا، اگر مہ روش ادینہ سے فون پر بات کرتی تب بھی اسے سخت تکلیف ہوتی، مہ روش کو کڑوی کسیلی سنانے کے ساتھ ایک آدھ مرتبہ ہاتھ اٹھانا وہ اپنی عادت بناتا جا رہا تھا مگر ایسے میں مہ روش کا تحمل، بولنا اس کی برداشت ختم کر رہا تھا۔ ماہی نے تو جیسے شادی کے بعد سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اب اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی، دل کی تمام خواہشات دم توڑ گئی تھیں، اب خود کو اگر حقیقت کے آئینے میں دیکھتی تو سارا وجود چھلنی نظر آتا، نہ اب اپنے لیے جینے کی خواہش مند تھی نہ کبھی خوش فہمی کا شکار رہنا چاہتی تھی۔ مراد منصور کو البتہ وہ اپنے تئیں تھوڑا بہت کڑا وقت ضرور دینا چاہ رہی تھی، جب ہی اس کی آفس سے واپسی سے قبل وقار کو فون کر کے بلایا اور مراد آیا تو وقار سمیت اس کا استقبال کیا، وقار، ماہی کی باتوں پر یقین کر کے بہت خوش تھا کہ مراد کے دل میں اس کے لئے کوئی عداوت نہیں ہے، وہ انہیں دل سے معاف کر چکا ہے، سو وقار مراد کو دیکھتے ہی خوشگوار گرم جوش انداز میں اس سے ملا۔

''کیسے ہو مراد؟''

''ٹھیک نہیں ہوں، میرے سر میں درد ہے۔'' مراد نے بناء مروت کے اپنے بگڑتے تاثرات کو سمیٹ کر سپاٹ انداز میں کہا، لہجہ دبا دبا سا تھا، سر درد بہانا تھا، یہ ماہی بخوبی جانتی تھی جبھی دھیان نہ دیا۔

''میں تھوڑا آرام کرنے جا رہا ہوں۔'' مراد نے ایک سرسری مگر گہری نظر ماہی پر ڈالتے ہوئے کہا اور وقار سے دوبارہ مخاطب ہوئے یا اسے دیکھے قدم کمرے کی جانب بڑھا گیا۔ وقار نے سنجیدگی سے اسے جاتا دیکھا تھا، انداز پرسوچ تھا۔

''وقار بھائی! آپ تو بیٹھیں۔'' ماہی نے اسے پکارا۔

''ہوں۔۔۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتا صوفے پر بیٹھا۔

کلثوم پھپھو بھی عصر کی نماز سے فارغ ہو کر لاؤنج میں آئیں، وقار اٹھ کر ان سے ملا اور حال احوال پوچھنے کے بعد اپنی نشست پر بیٹھا تو ماہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''نہیں ماہی، بیٹھو، میں چائے نہیں پیوں گا، ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر سے پی کر آیا تھا لیکن اب نکلتا ہوں، ریحانہ خالہ کی طرف سے پریشے کو بھی لینا ہے۔'' وقار نے اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوتا، 5 منٹ بھی نہیں لگیں گے اور اگر چائے نہیں پینی تو میں کچھ اور بنا لاتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''کچھ نہیں بناؤ، ادھر میرے پاس بیٹھو۔'' وقار نے اسے منع کیا۔

''کیوں بیٹا! کچھ تو لو۔'' کلثوم بیگم بولیں۔

''نہیں پھپھو، ماہی تم مراد کو چائے بنا کر دو، اس کے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے سہولت سے پھپھو کو کہتے ہوئے ماہی کو کہا۔

''جی۔۔۔!'' ماہی نے سر تو اثبات میں ہلایا مگر کچن کا رخ کرنے کے بجائے واپس صوفے پر بیٹھی، اتنی اچھی تو اب وہ بھی نہیں تھی، مراد منصور کے لیے۔

''مراد آ گیا ہے واپس؟'' جبکہ پھپھو حیران سی اس کی طرف مڑیں۔

''جی پھپھو۔''

''اسے کہو وقار آیا ہوا ہے، یہاں آ کر بیٹھے۔''

''یہاں سے ہو کر گئے ہیں، وہ کہہ رہے تھے کہ سر میں درد ہے، آرام کرنے جا رہے ہیں۔''

''پھر بھی۔۔۔تھوڑی دیر کے لئے تو بیٹھتا۔'' انہیں بیٹے کی حرکت پسند نہ آئی تھی، وہ خود خوش اخلاق، مہمان نواز تھیں، بیٹے کو بھی اچھی تربیت دی تھی مگر یہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کے بیٹے نے ان سے سیکھا ضرور تھا مگر ادینہ والے معاملے کے بعد سعید احمد کے گھر والوں سے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''پھپھو! کچھ نہیں ہوتا، مراد کے سر میں درد تھا اور میں کون سا غیر ہوں۔'' وقار نے بات سمیٹنی چاہی۔

''بیٹا! ناراض مت ہونا تم۔'' وہ خود مراد پر حیران تھیں، وقار سے کہا۔

''اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟'' وہ نارمل سے لہجے میں بولا۔ دل میں البتہ مراد کے تاثرات دیکھ کر کھٹکا سا پیدا ہوا تھا۔

''پھپھو! میں چلتا ہوں اب۔'' وقار اجازت لیتا جانے کے لئے اٹھا۔

''میں آپ کو گیٹ تک چھوڑتی ہوں۔'' مہ روش بھی اس کے ساتھ ہو لی، وہ پھپھو کو اللہ حافظ کہتا ماہی کے ساتھ باہر آیا۔

''ماہی۔۔۔!'' اور پرسوچ انداز میں اسے پکارا۔

''جی بھائی!''

''تم نے واقعی میں مراد سے بات کی تھی؟'' ذہن میں گردش کرتے سوال کو اس نے زبان پر لایا۔

''جی، آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' آہستگی سے پوچھتی وہ حیران ہوئی، یہ بات تو اس کے ذہن میں آئی نہیں تھی کہ جہاں وقار کو دیکھ کر مراد کا پارہ ہائی ہو سکتا ہے وہاں مراد کے رویے سے وقار کے ذہن میں شک وشبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کم از کم اپنی زندگی برباد ہونے کے بعد وہ اپنی وجہ سے کسی کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی، حتیٰ کہ وقار سعید کو بھی نہیں جو اس کی بربادی کی بنیاد ٹھہرایا گیا تھا۔

''ایسے ہی۔'' وقار طویل بحث اور ماہی کو سوال جواب میں اس وقت نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا۔

''وقار بھائی! پلیز زیادہ نہ سوچا کریں، اب سب ٹھیک ہے، مراد کو تو آپ اور مجھ سمیت سب شروع سے جانتے ہیں، ان کی نیچر سے واقف ہیں۔''

''ہوں۔''

''اب آپ اپنے لیے بھی کچھ سوچیں، پتہ ہے امی بھی آپ کی وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔'' ماہی نے بھی بات بدلی۔

''میں کیا سوچوں اب اپنے لیے؟''

''اپنی شادی کے بارے میں سوچیں، کسی ایک کے جانے سے زندگی میں ٹھہراؤ لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، آپ کو بھی خوش رہنے کا پورا حق ہے، آنے والے وقت کو ماضی کی چادر سے ڈھانپ لینے سے کچھ بھی تو نہیں بدلا جا سکتا، آپ کو اپنے بارے میں سوچنا چاہئے۔'' ماہی نے کہا۔

''نہیں ماہی۔۔۔!'' وقار نے سرعت سے سنجیدگی کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں نہیں؟'' اس نے وجہ پوچھنی چاہی۔ ''یا پھر فی الحال نہیں؟''

''اوں ہوں۔۔۔ کبھی نہیں، اپنے لیے سوچنا تو میں نے بہت پہلے چھوڑ دیا تھا۔''

''یہ کیا بات ہوئی، یہ تو آپ خود سے ناانصافی کر رہے ہیں۔''

''میری ذات کسی کے لیے خوشی کا باعث نہیں بنی تھی اور نہ خوشی مجھے راس آئی تھی، میں نے تب سے خوشیوں کے لیے بھٹکنا چھوڑ دیا تھا، اب تو نہ خوشی کی خواہش باقی ہے نہ دل میں اتنی سکت ہے کہ خوشی کی تلاش کرتا پھرے۔'' وقار سعید گہری سوچ کے ساتھ سنجیدہ تھا، مہ روش اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ دور کھڑکی کے پردوں کی اوٹ سے مراد منصور کھولتے خون کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔

''بس یہی دعا کرتا ہوں کہ تم خوش رہو۔'' وقار نے دستِ شفقت اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرائی۔ وقار کے جانے کے بعد اس نے کچن کا رخ کیا، مراد کے لیے چائے بنائی اور بالکل ٹھیک بنائی کہ آج اسے غصہ دلانے کے لیے اس کا وقار سے سامنا اس نے کروا لیا تھا، چائے بنانے کے بعد کمرے میں آئی، مراد کمرے میں چھوٹے چھوٹے چکر کاٹ رہا تھا، اسے دیکھ کر رکا۔

''چائے۔'' اس نے بنا اسے دیکھے چائے ٹیبل پر رکھی۔

''آج بہن بھائی کا لاڈ پیار تو ختم ہونے کو نہیں آ رہا تھا۔'' وہ طنزیہ گویا ہوا۔ مہ روش خاموش رہی۔

''تم یہ سب مجھے دکھانے کے لئے کر رہی تھیں ناں؟'' وہ عادت سے مجبور تھا، اس کے قریب آیا۔

''آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟'' ماہی نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھ میں اور تم میں فرق ہے، تم مجھے نہیں سمجھ سکی تھیں مگر میں سب سمجھ گیا ہوں۔" مراد اپنی بد دماغی کی ملاوٹ زبان کی سختی سے کر رہا تھا۔

"واقعی۔۔۔ مجھ میں اور آپ میں فرق ہے؟" وہ استہزائیہ بولی۔

"آں ہاں۔۔۔" مراد نے سرعت سے اس کا بازو مروڑ کر اس کی کمر کے پیچھے کرتے ہوئے گویا اسے بولنے سے باز رکھنا چاہا۔

"جس جنگ کو آپ نے شروع کیا ہے، میرا حصہ ڈالے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی، پھر پابندیاں کیسی؟" وہ ذومعنی ہوئی۔

"ایک بات مجھے سمجھ نہیں آ رہی، تم بہادر، باہمت ہو یا پھر ڈھیٹ؟" مراد نے الفاظ چباتے کے ساتھ اس کے بازو پر دباؤ بڑھایا، ماہی نے بڑھتی تکلیف کو روکنے کی کوشش کرنے کے ساتھ جواباً لہجے کو تلخ بنایا۔

"مجھے آپ جو بھی سمجھیں، مگر میری نظر میں آپ انتہائی ڈرپوک انسان ہیں، جو نفرت بھی سات پردوں میں چھپ کر نکال رہا ہے، جو اندر سے وحشی، جنگلی ہے مگر بدنامی کے خوف سے چہرے پر ہزاروں نقاب چڑھائے لاکھ جتن کر لے۔ مطمئن ہوتا ہے نہ سکون سے رہ سکتا ہے، میرے کندھے پر بندوق رکھ کر بھی آپ نشانہ نہیں لگا پا رہے، اب مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ اسے میں آپ کی بزدلی کہوں یا۔۔۔" وہ بولی تو خاصی پھٹ کر بولی تھی۔ مراد کے ڈراوے دھمکاوے اس نے بہت سہہ لئے تھے، وہ ایک جگہ پر ہنوز کھڑا تھا اور وہ مسلسل ایک ہی اذیت سے گزر رہی تھی، کسی صورت بھی تو اسے زندگی آگے بڑھتی نہیں محسوس ہو رہی تھی، آر یا پار ہو جانے کی سوچ کے ساتھ بغیر لحاظ کے بولی مگر مراد کی سماعتیں جواب دے گئی تھیں، اسے ایک جھٹکے سے دھکا دے کر وہ وحشیانہ انداز میں آگے بڑھا، دل میں کوئی رحم تھا نہ محبت، نہ ہمدردی، محض نفرت ہی نفرت تھی، ایک آگ تھی جس پر ماہی نے مزید تیل ڈال کر اسے بھڑکا دیا تھا، چند ہی سیکنڈوں نے مراد کے پے در پے تھپڑوں نے مہ روش کے نازک سراپے کو بے حال کر دیا تھا، درد شدید تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو روکنے کے باوجود امڈ آئے تھے۔

"بزدل مرد ہی عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، اور آپ بزدل ہی ہیں، آپ نے بدلے کے لیے بھی ایک عورت کا سہارا لینا چاہا ہے، مرد سے مقابلے اور جرح کی سکت آپ میں ہے ہی نہیں، آپ ایک کمزور انسان ہیں۔" ماہی کی زبان کو بریک نہیں لگا تھا اور اس دوران اس نے آواز دھیمی رکھی تھی، پھپھو کے خیال سے اس نے ایک بھی تکلیف دہ آواز منہ سے نہیں نکالی تھی۔

"مجھ سے مت الجھو ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا، اسی وقت۔" اسے بھی ماں کی موجودگی کا احساس تھا لیکن دبی آواز میں چنگھاڑ تھی۔

"آپ ایسا صرف سوچ سکتے ہیں کر نہیں سکتے۔" آنسو صاف کرتی وہ طنزیہ مسکرائی تھی، مراد سے بے خوف ہو کر سامنا کرنے کی انجانی سی طاقت جانے اسے کہاں سے مل رہی تھی۔

"کروں گا، تمہیں تمہارے گھٹیا بھائی سمیت سب کی نظروں میں ذلیل و خوار کر کے ماردوں گا۔" وہ شدید اشتعال میں کہہ رہا تھا۔

"گھٹیا میرا بھائی نہیں آپ ہیں۔" وہ برستہ تنفر سے بولی۔

"ایک دن تھو کو گی اپنے بھائی کے منہ پر، یاد رکھنا۔"

''مجھے کچھ بھی یاد دلانے کے بجائے آپ اپنے مطلب سے مطلب رکھیں، جتنا انتقام لے سکتے ہیں لینے کی کوشش کریں، میں خاک میں بھی مل گئی تو پرواہ نہیں مگر اپنے بھائی سے نفرت میں کبھی نہیں کر سکتی، جتنی آپ کو اپنی بہن کی فکر ہے اس سے زیادہ مجھے اپنے بھائی سے محبت ہے۔'' وہ ٹھوس اور مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مراد اسے سن رہا تھا کہ اب سچ میں اس کے سر میں درد شروع ہوا تھا۔

''قتل تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے مہ روش سعید کا کر لیا تھا، اب آپ کے سامنے مسز مراد منصور کھڑی ہے، جو آپ کو آپ ہی کے انداز میں ملے گی۔'' وہ بول رہی تھی۔ حساب تو ماہی کے بھی اس کی طرف جمع ہو گئے تھے جنہیں بے باق کرنے کا اس نے ارادہ باندھا ہوا تھا۔

''تم تھک ہار کر گھٹنے ٹیک دو گی، پھر نہ ایسا دعویٰ کرو گی نہ بھائی سے جھوٹی محبت کا اظہار، یہ مراد منصور کہہ رہا ہے، مسز مراد منصور سے، پلو سے باندھ لو۔'' وہ مہ روش کو سن کر اس بات کا اندازہ تو لگا گیا تھا کہ وہ مار سے ڈر کر خاموش ہونے والوں میں سے نہیں تھی، جبھی اسے وارن کرنے لگا۔ مہ روش نے اس مرتبہ خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ مراد کا رعب اور دبدبہ اسے مدھم ہوتا دکھائی دے رہا تھا مگر وہ جانتی تھی مراد اس کو سن کر تھوڑا خود پر قابو پا گیا تھا کہ جس کھیل کو وہ آسان اور یکطرفہ سمجھ رہا تھا درحقیقت وہ اس کے لیے اب اپنے طریقے سے آگے بڑھانا آسان نہیں تھا۔ مہ روش کی خلل اندازی اسے ناگوار و دشوار گزری تھی۔

☆......☆......☆

''تم واقعی میں مجھے ڈسٹرب لگتے ہو؟'' ریک پر بکس سیٹ کرتے ہوئے وہ اس کی طرف مڑی تھی۔

''کوئی خاص وجہ؟'' وہ نارمل سے لہجے میں استفسار کرتے ہوئے اسے دیکھنے لگا، یہ بات اس کے لیے حیران کن تھی۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا افریشم گھما پھرا کر یہی بات اس سے کر اور پوچھ رہی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں کندھے اچکائے۔

''پھر کیوں۔۔۔؟''

''تمہیں دیکھ کر بس مجھے ایسا لگتا ہے، تمہاری باڈی لینگویج تمہارے مینٹل سیٹ اپ سے بالکل میچ نہیں کرتی۔'' وہ خود الجھتے ہوئے بولی، ساتھ ہی مزید کہا۔

''اٹس امیزنگ بٹ ٹرو۔''

''کیسے۔۔۔؟''

''اگین آئی ڈونٹ نو، بٹ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تمہاری آنکھیں کچھ بولنا چاہتی ہیں مگر تم کچھ چھپانا چاہ رہے ہو۔'' افریشم گیلانی پہلے دن سے علی آیان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی، اس نے علی کو پہلے سے مختلف پایا، نہ وہ چہرہ شناس تھی نہ آنکھیں پڑھنے کا ہنر جانتی تھی مگر اسے علی میں کچھ عجیب محسوس ہوا تھا جبھی وہ بار بار پوچھنے بیٹھ جاتی۔

''آئی تھنک تم انڈین موویز زیادہ دیکھتی ہو، کہیں تم نیٹ پر مویز تو نہیں ڈاؤن لوڈ کرتی رہتیں، جو ایسی بات کر رہی ہو؟'' علی نے اس کی بات کو رفع کرنے کے لئے مذاقاً کہا۔

''میرے پاس اتنا فضول، فالتو ٹائم نہیں ہے کہ انڈین موویز دیکھوں، میں سیریس ہوں، سچ میں تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے مجھے۔'' افریشم نے اسے گھورتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔

''پھر یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔'' وہ اتنا ہی بولا۔ البتہ وہ حیران ضرور تھا، اپنے تئیں اسے لگ رہا تھا جیسے یہاں آ کر وہ مینٹلی طور پر سیٹ ہو گیا ہے مگر افریشم کی باتوں نے اس کی غلط فہمی کو دور کر دیا تھا۔

''ضروری نہیں کہ جو مجھے لگتا ہے وہ صحیح لگتا ہے، بٹ میں صرف تم سے ڈسکس کر رہی ہوں۔'' افریشم ریک سیٹ کرنے کے بعد اس کے برابر آ کر بیٹھی۔

''تو اس ڈسکشن کو یہیں کلوز کر دو کیونکہ تمہیں جو لگ رہا ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔'' علی نے کہتے ہوئے بات ختم کی۔

''مے بی۔۔۔'' افریشم نے اسے دیکھتے ہوئے مختصراً کہا۔ علی تھوڑی دیر مزید اس کے ساتھ بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ اٹلی آنے کے بعد وہ اندر ہی اندر سنبھل گیا تھا، اس کے دل میں گویا ٹھہراؤ سا آ گیا تھا، وہ نہ مکمل فرصت سے مستبشرہ جمال کو سوچ رہا تھا نہ اس کی یادوں میں غرق رہ کر اپنے لیے اردگرد کی فضا کو سوگوار بنا رہا تھا، اتنا تو وہ جانتا تھا کہ وہ لاکھ کوشش کر لے، مستبشرہ کو نہ بھول سکتا ہے، نہ دل سے جدا کر سکتا ہے مگر وہ صبر کرنا سیکھ رہا تھا، اپنی کیفیت میں اعتدال لانا چاہ رہا تھا، ایسے میں افریشم کے سوال اور باتیں اسے نہ آگے بڑھنے دے رہے تھے نہ ایک جگہ پر ٹکنے دے رہے تھے، وہ اپنی ذات میں عجیب کشمکش کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

مراد واش روم میں تھا، وہ آہستگی سے کمرے میں آئی تھی، اس کی سوچ کے مطابق ہر صبح اسے آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی، آج بھی 8 بجنے والے تھے، مراد نے رات کو ہی اسے شرٹ استری کرنے کو کہا تھا، اس نے شرٹ استری کر کے ہینگر میں لٹکا دی تھی مگر ناشتہ بناتے وقت بار بار اس کے ذہن میں شرٹ ہی گھوم رہی تھی، جبھی ناشتہ ٹیبل پر لگانے کے بعد وہ پھپھو کو مراد کو بلانے کا کہتی کمرے میں آئی، اور سیدھی ہنگ کی ہوئی شرٹ کے پاس جا کر رکی، اس کے ہاتھ خود بخود شرٹ کے بٹن کی طرف گئے تھے۔ وہ اردگرد سے بالکل بے خبر تھی، اسی بے دھیانی میں ہی وہ خود پر پڑتی مراد منصور کی تپتی آنکھوں کو محسوس نہیں کر پائی تھی۔ مراد واش روم سے نکل رہا تھا اسی وقت مہ روش کمرے میں داخل ہوئی تھی، اسے کمرے میں ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں داخل ہوتے دیکھ کر مراد پل بھر کو اپنی جگہ پر رکا تھا اور جب مہ روش نے انگلی کے پوروں میں شرٹ کے بٹن کو گھمانا شروع کیا تھا۔ تب اس کی شاطر عقل حرکت میں آئی تھی، لمحے بھر میں وہ اس تجسس سے باہر نکلا تھا جس کا شکار وہ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے تھا۔ اس کا شک صحیح نکلا تھا، اس کے کاموں میں گڑبڑ ماہی کی چال تھی، وہ جان بوجھ کر ہر کام مراد

کی مرضی کے عین خلاف کرتی تھی، اسے بھڑکانے کے لئے، مراد نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا، اس کی بدخوئی، غصے سمیت سوا نیزے پر تھی، ماہی نے اپنی شامت کو آج کھلی دعوت تھی۔

''مجھے اسی دن کا انتظار تھا، مسز مراد منصور'' ماہی کے لیے بہت کچھ غلط سوچ کر وہ آگے بڑھا تھا، آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی، اس کے ہاتھ میں پکڑا بٹن جو وہ اپنی دانست میں شرٹ سے جدا کر چکی تھی، یک دم زمین پر گرا تھا، بدک کر اس نے شرٹ چھوڑ دی تھی البتہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے بجائے اپنی بوکھلاہٹ و حیرت پر قابو پانا چاہا تھا۔

''تم کیا سمجھتی تھیں مجھے کچھ پتہ نہیں چلے گا؟'' وہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔ ماہی اس لمحے اچانک اس سے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔''مجھے تمہاری حرکتوں پر شک تھا مگر تمہاری معصوم شکل سے دھوکا کھا گیا لیکن اب کیا کرو گی تم مائی ڈیئر وائف۔۔۔'' مراد نے تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ اس کو کندھے سے پکڑ کر زبردست جھٹکے سے اپنی طرف موڑا تھا۔''کیوں خود سے دشمنی کرنا چاہتی ہو؟'' ہاتھ میں پکڑے تولیے کا گولا بناتے ہوئے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنے پکڑے جانے پر صماً بکماً کھڑی تھی، بظاہر اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے مگر اس کا دل مراد کا ایک اور وحشیانہ روپ دیکھنے سے قبل ہی لرز گیا تھا۔

''اب کیا کرو گی ماہی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر خوف کی جھلک دیکھنا چاہ رہا تھا، وہ اب بھی لب بھینچے کھڑی تھی، اپنے نہ بولنے پر حیران تھی مگر اس لمحے خاموشی میں ہی اس نے اپنی عافیت جانی تھی کیونکہ اب بات میاں بیوی، مرد و عورت کے تضاد والی شروع ہوئی تھی اور اس کے سامنے ایک انا پسند مرد کھڑا تھا جسے صرف اپنی ذات عزیز تھی، جو صرف اپنی بات کا قائل تھا جو صرف اپنی برتری چاہتا تھا جس کی نظر میں اس کی کوئی وقعت تھی نہ عزت، اور نہ پروا کا احساس۔''تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں کوئی ڈر نہیں ہے؟ میں تمہاری آنکھوں کو ابھی خوف و ڈر سے ملواتا ہوں۔'' مراد نے خبطی انداز میں ایک ہاتھ اس کے سر کے پیچھے رکھا تھا۔ وہ کیا کرنے جا رہا تھا؟ ماہی انجان تھی۔

''اب کس انداز میں خوف سے اس کی ملاقات کروانا چاہ رہا تھا؟''

''کیوں اس کے دل کی آگ اب تک ٹھنڈی نہیں ہو سکی تھی؟''

''صرف ایک منٹ۔۔۔ بہت ہوگا تمہارے لیے۔'' مراد نے کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں بنا تولیے کا گولہ اس کے منہ اور ناک کے سامنے رکھا تھا، ماہی کی سانس اچانک بند ہوئی تھی، اس نے تیزی سے ہاتھ چلا کر مزاحمت کی تھی مگر مراد نے گرفت مضبوط رکھی ہوئی تھی، ماہی کا چہرہ پل بھر میں لال ہوا تھا، اس کی آنکھیں مزید پھیل کر باہر کو نکلی تھیں، ابھی آدھا منٹ بھی نہیں ہوا تھا، اس نے پانی سے بھری آنکھیں اٹھا کر مراد منصور کو دیکھا تھا جو بے حسی سے اسے گھورتا اس کے چہرے پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔ ماہی کی آنکھوں سے پانی نکل کر گالوں سے گرنے لگا تھا۔ ایک منٹ ختم ہونے کو نہیں آ رہا تھا، اسے محسوس ہوا جیسے وہ زندگی و موت کی کشمکش کے درمیان پھنس گئی ہو، مراد اس کی آنکھوں میں خوف کی لہر لے آیا تھا، وہ بری طرح تڑپی تھی۔

''یہ تو صرف ٹریلر ہے مہ روش سعید! فلم دیکھنے سے پہلے تو تم مر ہی جاؤ گی۔'' مراد نے ہاتھ ہٹانے سے قبل طنزیہ مگر ترش انداز میں کہا تھا۔ مہ روش نے اس کے پیچھے ہٹتے ہی سانس بحال کرنا چاہا تھا، چند سیکنڈ لمبے لمبے سانس لے کر خارج کیے۔ ساتھ ہی ہاتھ کی پشت سے گالوں سے پھسلتے آنسوؤں کے قطروں کو صاف کرنے لگی، مراد کتنا ظالم، بے حس، سفاک انسان تھا یہ وہ اس ایک منٹ میں اچھی طرح جان گئی تھی جبھی دوبارہ اس پر نظر نہیں ڈالی تھی۔

''یہ تمہارے تمام کیے کا مداوا کر گیا ہے، اب آئندہ کے لیے میں تمہیں محتاط رہنے کا بھی نہیں کہوں گا، یہ تو بس ٹرائی تھی، اپنے خوف کا اندازہ کر لو، آگے اس سے بھی برا ہو سکتا ہے تمہارے ساتھ۔'' الماری میں سے دوسری شرٹ نکالتے ہوئے وہ اسے خبردار کر رہا تھا۔

''اب جو بھی کرنا سوچ کر کرنا۔'' شرٹ پہن کر اس سے کہتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ مراد کے کمرے سے نکلتے ہی وہ مزید بے ہمت ہوئی تھی، اس نے خود سے کیا عہد بھی توڑ لیا تھا کہ آج آنسو ختم ہونے کو نہیں آرہے تھے، بے آواز روتی رہی، سوچتی رہی۔

''مجھے اپنی قسمت پر افسوس نہیں مراد منصور، آج اگر میں کمزور ہوں، میری آنکھوں میں خوف ہے تو یہ میرا وعدہ ہے میں ایسا ہی خوف آپ کی آنکھوں میں بھی دیکھوں گی، آپ کا لہجہ بھی کمزور ہو گا، آپ کا غرور اللہ پاک خاک میں ملائے گا۔ آپ بھی شرمندہ ہوں گے، معافی مانگیں گے۔ قسمت کا کھیل ضرور پڑے گا، تب میں آپ کو معاف نہیں کروں گی، تب میں کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر آپ کے ہاتھوں میں آپ کے کیے کا ثمر ڈالوں گی۔'' وہ جانے کیا کیا سوچ کر بولے جا رہی تھی مگر قسمت پر اس کا یقین پختہ تھا۔

قسمت کے لکھے پر مراد کے اصلی روپ سے ملتی تھی تو قسمت کا لکھا ہی نشیب و فراز پر قابو پا سکتا تھا، چوہے بلی کا کھیل مراد جہاں تک لے جا سکتا تھا اب لے جاتا، اسے کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ جس دن اس کھیل نے گرفت میں آ جانا تھا، اس دن وہ بھی لحاظ و احساس کی چادر اتار سکتی تھی، مراد کی سفاکیت نے اسے زخمی شیرنی بنا دیا تھا۔

☆......☆......☆

ناشتے کی ٹیبل پر سرمد گیلانی کے اٹھتے ہی وہ بھی چائے کا آخری سپ لینے کے بعد کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے جانے کے لیے اٹھا تو افریشم فوراً سے بولی۔

''پاپا! آج علی آفس نہیں جا رہا۔''

''کیوں؟'' جس پر سرمد گیانی نے سوٹڈ بوٹڈ کھڑے علی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں تو آفس کے لیے ہی تیار ہوا ہوں چاچو۔'' علی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی افریشم کو دیکھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ رہی تھی۔

''لیکن آج تم آفس نہیں جاؤ گے۔'' علی سے کہنے لگی۔

''کیوں نہیں جاؤں گا؟'' وہ حیران ہوا۔

''کیونکہ میں بھی آج یونی نہیں جا رہی۔'' اس نے بتایا۔

''تو۔۔۔؟''

''تو یہ کہ عباد اور احد بھی آج فری ہیں، حریم اور فرجاد کو بھی میں نے کال کر لی ہے، تم ہم سب کے ساتھ آؤٹنگ کے لیے جا رہے ہو۔'' افریشم نے اسے تفصیل اور وجہ بتائی۔

''آئی ایم سوری، بٹ میں آفس کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے معذرت کی۔

''سوری کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، تم آفس نہیں جا رہے، بس میں نے کہہ دیا ہے، لیکن پاپا! آپ جا سکتے ہیں، آپ کو دیر ہو رہی ہے۔'' افریشم نے اس کے لیے تحکم بھرا دوستانہ لہجہ اپنایا ساتھ ہی سرمد گیلانی کو مخاطب کیا۔ انہوں نے علی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''علی بھائی! ایک دن آفس نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، آپ پر نہ آفس پر، لیکن ہم آپ کے ساتھ بہت انجوائے کریں گے، افریشم نے تو سارا پلان بھی سیٹ کر لیا ہے۔'' احد بولا۔

''اسی لیے میں یونی بھی نہیں جا رہی۔'' افریشم نے اپنا ٹکڑا جوڑا۔

''اوکے۔۔۔'' تو مجبوراً علی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں پھر جاتا ہوں علی۔'' سرمد گیانی جانے لگے۔

''بائے پاپا، ہیو اے نائس ڈے۔'' افریشم نے ان کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ بھی اس کی طرف اسمائل پاس کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''پروگرام سیٹ کرنے سے پہلے تم مجھے بتا تو دیتیں۔'' وہ افریشم کی طرف مڑا۔

''اب بتا دیا ہے ناں۔'' وہ مسکرائی اور مزید بولی۔

''تم باتوں میں ٹائم ویسٹ مت کرواور جا کر جلدی سے تیار ہو جاؤ، جب تک میں حریم اور فرجاد کو کال کر کے نکلنے کا کہتی ہوں۔''

''میں تو تیار ہوں۔'' وہ اپنی جگہ پر ہی کھڑا ہو کر بولا۔

''پکنک پر ایسے سوٹڈ بوٹڈ ہو کر نہیں جایا جاتا مسٹر علی آیان حسن گیلانی، جا کر کوئی اچھی سی جینز شرٹ پہنو، بالوں پر کوئی جیل وغیرہ لگاؤ، کوئی پرفیوم اسپرے کرو، اس ڈریس میں تم بالکل بور لگ رہے ہو۔'' افریشم نے اسے مشورہ دیتے ہوئے ساتھ ہی اس کی اچھی خاصی اسمارٹ، ڈیشنگ پرسنیلٹی کو بور کہا تو وہ ہنسا۔

''تم مت بخشنا مجھے، پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔''

''اتنا پیارا تو لگ رہا ہے علی۔'' عالیہ گیلانی جو پاس سے گزر رہی تھیں، مداخلت کرتے ہوئے توصیفی انداز میں بولیں۔

''تھینکس۔'' وہ مسکرایا۔

''لیکن افریشم جب تک آئیں بائیں شائیں نہ کرلے اسے سکون نہیں ملتا۔'' احد نے افریشم کی ٹانگ کھینچی تو پاس سے گزرتا عباد مسکرایا۔

''ہاہاہاہا۔۔۔بہت اچھا مذاق کرتے ہو تم۔'' افریشم نے اسے گھورا۔

''آئی نو۔'' اس نے اثر لیے بناء کہا، ساتھ ہی باہر کی طرف بڑھا۔

''علی، تم جاؤ ڈریس چینج کر کے آؤ، میں حریم کو کال کرتی ہوں۔'' افریشم اسے کہتے ہوئے موبائل پر حریم کا نمبر زڈائل کرنے لگی۔

علی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ افریشم کا استحقاق بھرا لہجہ، بے تکلف انداز اسے شروع سے اچھا لگتا تھا، اس کی فرینک نیچر سے کافی ریلیکس فیل کرتا تھا۔ آدھے گھنٹے میں وہ سب گھر سے نکلے تھے، راستے بھر وہ سب آپس میں خوب ہنسی مذاق کر رہے تھے، علی ان کی گفتگو سے خوب لطف لے کر مسکرا رہا تھا، صبح سے لے کر شام تک وہ لوگ مختلف جگہوں پر گئے، خوب ہلہ گلہ کیا، فرجاد اپنے ساتھ فٹ بال لایا تھا تاکہ اپنی فیورٹ گیم کھیل سکے، ایک سرسبز جگہ کا انتخاب کر کے کچھ دیر وہ فٹ بال کھیلتے رہے تھے، وہاں اردگرد اونچے پھیلے ہوئے گھنے سایہ دار داخت تھے، علی ایک درخت کے سائے میں ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا، افریشم نے الجھتی نظروں سے اسے دیکھ کر چلنے کا اشارہ کیا تھا، وہ گاڑی کی طرف بڑھا، راستے میں انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا، پھر مزید آگے گئے، عباد نے جو ڈرائیونگ کر رہا تھا اس نے ایک جگہ پر گاڑی روکی، سب نیچے اترے، وہاں قریب ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی، وہ جگہ بھی سرسبز تھی، چھوٹے بڑے درخت بھی لگے ہوئے تھے۔ موسم بھی خوشگوار تھا، ہوا بھی ہلکی ہلکی چل رہی تھی۔

''پہاڑی کے اوپر چلتے ہیں۔'' حریم نے فوراً ارادہ بنایا۔

''نہیں۔۔۔یہیں سے دیکھو، پھر واپس چلتے ہیں۔'' عباد نے منع کیا۔

''ہاں اوپر گئے تو کافی دیر ہو جائے گی، ویسے بھی شام ہونے والی ہے۔'' فرجاد کی بھی اب مزید ہمت نہیں رہی تھی سو بولا۔

''کچھ نہیں ہوتا، چلتے ہیں مزہ آئے گا۔'' افریشم نے حریم کا ساتھ دیا۔

''پھر کبھی سہی، مگر اب تھک بھی گئے ہیں سب۔'' وہ دونوں سستی سے بولے۔

''میں تو ذرا نہیں تھکی۔'' افریشم نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں بھی نہیں تھکی۔'' حریم بھی صاف بولی۔

''یار! ایک تو لڑکیوں کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے، سمجھتی ہی نہیں ہیں۔'' عباد تنگ آیا۔ ڈرائیونگ بھی صبح سے کر رہا تھا، وہ الگ

تھکاوٹ تھی۔علی آیان اس دوران البتہ خاموش ہی تھا، احمد اور فرجاد آگے بڑھ گئے تھے۔افریشم اس کی طرف مڑی، ساتھ ہی پوچھا۔

''علی!اوپر جانا ہے یا تھک گئے ہو؟''

''نہیں، چلتے ہیں۔'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھا، حریم بھی آگے نکل گئی تھی، افریشم سب سے پیچھے تھی، عباد ان دونوں کے خلاف بڑبڑاتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا، کچھ ہی دیر میں حریم سمیت تمام لڑکے پہاڑی کے اوپر پہنچ گئے تھے۔

''علی۔۔۔'' افریشم نے آخری سرے پر پہنچ کر علی کو آواز دی تھی جو ارد گرد قدرت کے پھیلے حسین مناظر دیکھنے میں مگن تھا۔

''ہوں۔۔۔'' آواز اس کی طرف مڑا۔

''اپنا ہاتھ میری طرف کرو۔'' وہ سست لہجے میں بولی، اوپر ہونے کے لئے اسے سہارا چاہئے تھا، علی نے اس کے کہنے پر اپنے ہاتھ کو دیکھا، ذہن میں اچانک ایک خیال ہلکورے لے کر جا گا، اپنے ہاتھوں میں تو وہ ہمیشہ مستبشرہ جمال کا ہاتھ دیکھنا چاہتا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ فوراً سنبھلا۔

''اپنا ہاتھ دو، اور اوپر کھینچو مجھے، اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔'' اس کی آواز بھی جیسے جسم کی طرح تھک گئی تھی جو رک رک کر نکلی، علی مسکرایا تھا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''عباد ٹھیک کہتا ہے، تم لڑکیاں سمجھانے سے نہیں سمجھتیں، حال سے بے حال ہو جاؤ پھر بھی کرنی اپنی ہی کرتی ہو۔''

''اسی میں تو زندگی کا فن ہے۔'' اس نے اوپر چڑھتے ہوئے کہا۔

''اس کے بعد اب گھر جائیں گے۔'' عباد نے اپنی ہانک بلند کی تھی اسے دیکھ کر۔

''اوکے۔'' وہ بولی۔علی، فرجاد کے بلانے پر اس کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

فلک شاہ منہ پھلائے چھت پر بیٹھی تھی، مشارب شاہ بھی گرل سے ٹیک لگائے اس کے قریب کھڑا تھا، بات اتنی بڑی یا گھمبیر بالکل بھی نہیں تھی جتنا فلک ری ایکٹ کر رہی تھی، آفس والے مشارب شاہ کو اس کی قابلیت کی بناء پر مین برانچ میں بھیج رہے تھے۔سب اس کے پروموشن پر خوش تھے سوائے فلک کے، جو اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھی۔

''تم بس کہہ دو کہ تمہیں کہیں نہیں جانا۔'' فلک نروٹھے لہجے میں حتمی انداز اپنا کر بولی۔

''میں پیپرز سائن کر چکا ہوں فلک۔۔۔''

''کیا ضرورت تھی تمہیں مشارب شاہ! یہاں کس چیز کی کمی تھی تمہیں؟''

''بات کمی کی تو نہیں ہے، اب ساری عمر ایک جگہ ہی تو نہیں رکا جا سکتا، آگے بڑھنا، ترقی کی منازل طے کرنا تو ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے اور میری بھی خواہش۔۔۔''

''گولی مارو اپنی خواہش کو، تم کہیں نہیں جا رہے بس۔'' وہ کچھ سننا نہیں چاہ رہی تھی، اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''پاگل مت بنو، میری سوچ ایک ہی حد میں تمام عمر نہیں رہ سکتی، میں یہ موقع نہیں گنوا سکتا، میری پروموشن سے تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے، اسلام آباد آنے جانے سے سیلری بھی ڈبل ہوگی، وہاں مجھے ہر آسائش مل رہی ہے، گاڑی، گھر۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا مگر فلک نے پھر اسے روکا تھا۔

''یہاں تم کون سا جھونپڑی میں رہ رہے ہو، جو گھر گاڑی کی بات ایسے کر رہے ہو جیسے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو کچھ۔'' وہ طنزیہ بولی۔

''ستم سچ میں پاگل ہو۔''

''پاگل تو تم ہو رہے ہو، سیلری، گھر، گاڑی اور آسائشات کے لیے۔'' اس کے دل کو گھرا رنج تھا جو بنا سوچے وہ روانی سے کہہ گئی۔

''فلک پلیز۔۔۔'' مشارب شاہ کو اس کی پہلی بات ناگوار گزری، سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''اب گھور کیا رہے ہو؟'' فلک کو بھی اس کا انداز برا لگا، خفگی سے بولی۔

''تمہارا مسئلہ کیا ہے آخر؟ روکنے کی کوئی خاص وجہ ہے تو بتاؤ، باقی سب تو بہت خوش ہیں میری ترقی سے۔'' اس کی مزید بڑھتی خفگی کے خیال سے مشارب نے اپنا مخصوص دھیما اور نرم لہجہ اپنایا، دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''تم چلے گئے تو میں یہاں باتیں کس سے کروں گی؟'' اس نے فوراً وجہ بنا کر پوچھی۔ اب دل کی بات تو فوراً کرنے سے رہی تھی۔

''دانت کیوں نکال رہے ہو، میں اس وقت بالکل سنجیدہ ہوں۔''

''اتنی سی بات کے لیے تم بیویوں کی طرح لڑ رہی ہو مجھ سے، آئی کانٹ بلیو، تم سچ میں پاگل ہو فلک شاہ۔۔۔'' مشارب بے یقین تھا۔ فلک کی ناراضی اسے اس وقت شریر سا مذاق لگی تھی۔

''تم بھی تو شوہروں کی طرح اڑیل بن رہے ہو، کیا تمہارے نزدیک ہماری دوستی سے زیادہ پیسے اہمیت رکھتے ہیں؟'' من کا چور فلک سے کھری کھری اگلوا رہا تھا۔

''تمہیں کیوں لگ رہا ہے کہ پیسے میرے نزدیک زیادہ اہم ہیں؟'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں فلک شاہ کو دیکھا اور استفسار کیا۔

''اگر اہم نہیں ہوتے تو تم ہرگز بھی کانٹریکٹ پیپرز پر سائن نہ کرتے۔''

''یار! آفس والے بار بار انسسٹ کر رہے تھے تو میں نے حامی بھر لی، ڈبل سیلری، گھر اور گاڑی کی بات تو بعد میں انہوں نے

بتائی تھی، تم جانتی ہو شروع سے مجھے زندگی کی بنیادی ضرورت کے ساتھ باقی من پسند سہولیات بھی میسر آئی ہیں، میرے نزدیک یہ چیزیں اتنی میٹر نہیں کرتیں۔" اس نے اصل بات واضح کی۔ اس بات سے تو فلک کو بھی کوئی اختلاف نہیں تھا۔ بیشک وہ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا نہیں ہوا تھا مگر شروع سے لے کر اب تک اس کی خواہش کو پورا کیا گیا تھا، ماں باپ کا اکلوتا بھی تھا، سو اس کی ہر جائز خواہش پوری کرنے میں قاسم شاہ اور آصفہ بیگم کو دلی تسکین ملتی تھی۔

"تو تم اب انہیں منع کر دو، کیا پتہ تمہارے منہ کرنے سے کوئی ایسا شخص وہاں جائے جسے ان سب چیزوں کی ضرورت بھی ہو۔" ملر فلک اپنے ننھے سے دل کو سمجھاتی بھی تو کیسے؟ محبت کے سحر نے تو اس کے دل کو بے اختیار کر لیا تھا، پہلے ہی دن سے۔

"اگر میں نے پیپرز سائن نہ کیے ہوتے تو میں تمہاری اس دانشمندانہ سوچ کو ضرور سراہتا لٹل فرینڈ۔ بٹ اب پیپرز سائن کرنے کے بعد آفس کے رولز کے مطابق مجھے وہاں جانا ہوگا، بصورت دیگر میری جاب بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے، اور یہ میری Dream Job ہے جس سے میں ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔" وہ بولا۔

"ہاں اور ہماری دوستی کی پرواہ نہیں ہے تمہیں؟"

"میں کوئی سات سمندر دور تو نہیں جا رہا فلک! یہیں ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہا ہوں، ہر دوسرے مہینے آ جایا کروں گا جب تک تم تیمور اور عثمان سے باتیں کرنا۔" مشارب نے اسے صلاح دی۔

"ان سے باتیں کم لڑائی زیادہ ہوگی میری۔"

"لڑائی تو تم مجھ سے بھی کرتی ہو۔" وہ ہنسا۔

"تمہاری بات اور ہے۔" وہ بولی۔

"ہوں۔۔۔ چلو میرے پاس ایک حل ہے، میں تمہیں ایک موبائل لے کر دے دوں گا جاتے وقت، پھر تمہارا جب دل چاہے مجھ سے باتیں کر لینا۔" وہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

"موبائل۔۔۔ امی کو جانتے نہیں ہو تم؟" اسے فہمیدہ بیگم کی سخت طبع کہاں بھول سکتی تھی، فوراً یاد کرتے ہوئے اسے بھی یاد دلانا چاہا۔

"میں چچی جان سے بات کر لوں گا، تم اس کی فکر مت کرو۔"

"لیکن تمہیں مجھ سے ایک پرامس کرنا ہوگا۔" وہ مان گئی تھی۔

"شیور۔۔۔ بتاؤ۔۔۔"

"جب تمہیں وہاں پہلی سیلری ملے گی تو تم آتے وقت میرے لیے لاکٹ بنوا کر لاؤ گے، جس پر میرا نام لکھا ہوگا۔" وہ بڑے مان سے بولی۔

''ڈن۔۔۔اب اپنا موڈ ٹھیک کرو اور پیاری سی اسمائل چہرے پر لاؤ، مجھے پیکنگ کرنی ہے، مارکیٹ بھی جانا ہے۔'' اس نے کہا۔فلک نے مجبوراً دل کو راضی کرلیا تھا، اس کے کہنے پر مسکرائی۔

''یہ ہوئی نا بات۔'' وہ بھی مسکرایا، ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''مشارب شاہ۔۔۔'' اپنے مخصوص انداز میں اسے پکارتی وہ بھی اس کے پیچھے آئی۔

''کہو میری۔۔۔پیاری سی دوست۔'' وہ رکا۔

''آج تم نے مجھے اپنے سکون کی دشمن نہیں کہا۔'' وہ حیران ہوئی، وہ اس کا نام ہی یہ جملہ سننے کے لئے پکارتی تھی۔

''ہاں۔۔۔کیونکہ آج تمہارے روکنے سے اپنے پن کا احساس دیا ہے مجھے تم نے، اور اب ویسے بھی ایک دو مہینوں بعد ملاقات ہوگی تو جتنا میرے سکون کو تباہ کرسکتی ہو کرلو، آئندہ کم ہی موقع ملے گا۔'' وہ بولا۔فلک شاہ مسرائی، مشارب اپنی باتوں سے ہی اس کے لئے خاص بنا تھا۔

''پیکنگ میں ہیلپ کروں تمہاری؟'' خوشدلی سے پوچھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ، مجھے خوشی ہے کہ تم سدھرتی جا رہی ہو۔'' کہتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھائے۔''اپنی ذمہ داری کا احساس ہو رہا ہے تمہیں۔''

''صرف تمہارے لیے مشارب شاہ۔'' اس کے سنگ زینہ اترتی وہ دل میں بولی تھی۔مشارب شاہ سے محبت کا احساس ہی اس کی متاعِ حیات بن کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

مہ روش کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی، ہر وقت من بوجھل سا رہنے لگا تھا، جسم بھی لمحے بھر میں تھکنے لگا تھا، کھانے کو اس کا دل نہیں کرتا تھا اور جو تھوڑے سے لقمے زندہ رہنے کے لیے حلق سے نیچے اتارتی وہ اگلے ہی لمحے اگل دیتی، اپنی حالت کی اصل وجہ سے وہ انجان تھی مگر پھپھو اسے دیکھتے ہی پہلی نظر میں سمجھ گئی تھیں، لیکن فی الحال انہوں نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ایک دو دن یونہی گزارے۔مراد منصور یکدم موسمی بخاری کے ساتھ نزلہ، زکام کا شکار ہوا، آفس سے دو تین دن کی چھٹی لے کر وہ مکمل آرام کے ساتھ مہ روش سے اپنی خدمت اور خاطر داری کروا رہا تھا، مہ روش اس دن کے بعد سے مراد کے سامنے خاموش ہوگئی تھی کہ حقیقتاً مراد سے اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا، اس کی بدلے کی مہم کسی منطقی انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی اس نے روک دی تھی، مراد کا شاطر، بدمزاج دماغ اس کی چپ پر پرسکون تھا۔شام کے وقت وہ مراد کے کہنے پر جب اس کا سر دبا رہی تھی، کلثوم پھپھو نے اسے آکر شاہدہ پھپھو کی آمد سے مطلع کرتے ہوئے باہر آنے کو کہا تو وہ فوراً سے اٹھ کر باہر نکل آئی تھی، کافی عرصے بعد انہیں دیکھ کر خوشی سے ان سے ملی، شاہدہ پھپھو انہیں انوائٹ کرنے آئی تھیں،

انہوں نے اریش اور عندلیب کی نسبت طے کر دی تھی، کل ان کی انگیجمنٹ تھی، مہ روش نے کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد کچن کا رخ کیا تو شاہدہ پھپھو نے کلثوم بیگم سے پوچھا، لہجہ ان کا فکرمند تھا کیونکہ ہمیشہ سجی سنوری رہنے والی ہنستی مسکراتی مہ روش آج انہیں مہ روش نہیں لگ رہی تھی، بالکل عام سے روپ میں سادہ سا سوٹ پہنے جسم پر شال لپیٹے انہیں وہ کچھ بجھی بجھی سی دکھائی دی تھی۔

کلثوم پھپھو نے بہن کو مطمئن کیا کہ یہ پریشانی والی بات نہیں ہے، خوشخبری ہے، مہ روش کی طبیعت اور چال ڈھال خاص وجہ سے تھی، شاہدہ پھپھو سن کر خوش ہوئیں، کچھ دیر میں مراد بھی باہر آیا، ان سے ملا اور سامنے صوفے پر ہی بیٹھ گیا، مہ روش بھی دیگر لوازمات کے ساتھ چائے لے آئی تھی، سب کو چائے سرو کر کے وہ شاہدہ پھپھو کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

''ماہی بیٹا! اپنا خیال رکھا کرو۔'' چائے کا سپ لیتے ہوئے شاہدہ پھپھو نے عجلت واپنائیت سے اسے کہا تو مراد نے بغور ماہی کو دیکھا، اس کی خود کی نظریں بھی اپنے حلیے پر گئی تھیں، یک دم اسے شرمندگی نے گھیرا تھا، عروش والے معاملے کو لے کر مراد منصور کو ہری جھنڈی دکھانے کے لیے جو اس نے خود اپنی ذات سے بے پرواہی برتی تھی وہ ابھی تک برقرار تھی، اس حلیے میں وہ صرف مراد کے سامنے رہنا چاہتی تھی، پھپھو کی بات پر آہستگی سے ''جی'' کہا، کلثوم بیگم کی قیاس آرائی مہ روش اور مراد سے فی الحال نہیں کہی تھی، سو ایک وہ شرمندہ تھی تو دوسرا اس کی ظاہری حالت کو لے کر ایک مرتبہ پھر غصے میں آیا تھا۔

شاہدہ پھپھو نے کلثوم بیگم کو ساتھ لے جانے کے لیے رضامند کیا کہ بھانجے کی خوشی میں انہیں سب سے پہلے شامل ہونا ہے، گھنٹے آدھ بعد اریش انہیں لینے آ گیا تھا، اٹھ کر ماہی کو گلے لگاتے ہوئے مراد کو مخاطب کیا تھا۔

''مراد! کل تم اور مہ روش ٹائم پر آ جانا۔''

''جی خالہ جان۔'' کلثوم بیگم نے بھی جانے سے پہلے مہ روش کو اپنا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی، ان کا ارادہ واپس آ کر مہ روش کو لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا تھا، وہ پھپھو لوگوں کو دروازے تک چھوڑنے کے بعد واپس آئی تو مراد اپنی بگڑتی طبیعت کی پرواہ کیے بغیر اسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔

''بند کرو یہ ناٹک۔۔۔ کیا ڈھونگ رچانا چاہ رہی ہو، کسے نخرے دکھا رہی ہو؟''

''کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ تپ کر بولی۔ کچھ ان دنوں طبیعت بھی چڑچڑی ہو گئی تھی اس کی، بیزاریت سے اسے دیکھا۔

''بہت شوق ہے تمہیں دکھ والم کی تصویر بننے کا۔'' مراد کو اس کے حلیے نے تاؤ دلایا، مہ روش جواب اس کے سامنے چپ رہنا چاہتی تھی خود پر کنٹرول نہ رکھ سکی، برجستہ بولی۔

''نہ مجھے شوق ہے نہ میں کسی کے سامنے خود کو پیش کرنے میں خوشی محسوس کرتی ہوں، میرا ایک ہی روپ ہے، رنگ بدلنا مجھے نہیں آتا نہ ناٹک کی مجھے ضرورت ہے۔''

''بکواس بند کرو، بہت لمبی ہوتی جا رہی ہے تمہاری زبان۔'' اسے ہمیشہ کی طرح مقابل کو سننا ناگوار گزر رہا تھا۔

''بکواس میں نے شروع نہیں کی تھی۔''

''تو میری باتیں تمہیں بکواس لگتی ہیں؟''

''پلیز۔۔۔ مجھ سے مت الجھیں، تنگ ہوتی ہوں میں ایسی باتوں سے، نہیں اچھی لگتیں مجھے طنز میں ڈوبی ذو معنی باتیں، اب تو میرا پیچھا چھوڑ دیں، کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟'' اس کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بھر آئی تھی۔ مراد اس کے لیے عذابِ مسلسل بن رہا تھا، وہ سہہ رہی تھی مگر کب تک؟

''یہ ناٹک ہی ہے تمہارا، ایسا حال بنا لیا ہے اپنا جیسے دنیا جہاں کے مظالم تم پر توڑ دیئے گئے ہوں۔'' وہ اس کے لیے ہر صوت میں تلخ ہی تھا۔

''جو آپ نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے سامنے دنیا کے مظالم کچھ معنی نہیں رکھتے۔'' اس نے دل میں سوچا، بول کر وہ جرح نہیں بڑھانا چاہ رہی تھی، وجود پر پہلے ہی خفگی چھائی ہوئی تھی۔

''ہر وقت منہ پر بارہ بجائے رکھتی ہو، نحوست کا احساس ہوتا ہے تمہیں دیکھ کر، ایک ہی مرتبہ چیخ چیخ کر سب کے سامنے دل کا غبار نکال کر باہر کرو، جتنا رونا ہے رو لو، میرا دل کبھی تمہارے لیے صاف نہیں ہو سکتا۔'' وہ بول رہا تھا اور ماہی اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کا دل کبھی صاف ہو ہی نہیں سکتا، ذہن اور خناس اور فتور سے بھرا ہو تو دل کی بات نہ کی جا سکتی ہے نہ سمجھی جا سکتی ہے۔'' وہ دوٹوک طنزیہ ہوئی۔ مراد کے ابرو تنے اور پیشانی پر بل پڑے تھے، ماہی سے ضد میں اسے بخار کا خیال ہی نہ رہا تھا۔ آگے بڑھ کر اپنی عادت پوری کی۔

''مار کھائے بغیر تمہاری زبان بریک نہیں لگائی، میں جتنا ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہوں تم اتنا مجھے مجبور کرتی ہو۔'' قہر آلود آواز میں وہ چلایا تھا۔

''لفظوں کی مار کے سامنے ہاتھ کی مار تو کچھ بھی نہیں ہے، میں تو اندر سے کب کی مر چکی ہوں، اب باقی مار مجھ پر اثر نہیں کرتی۔'' اس کی آواز بھی بے قابو ہوئی تھی۔

''چپ کر جاؤ۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''اس کے لیے آپ کو میرے سامنے سے ہٹنا ہوگا۔'' وہ صاف بولی۔

''کس بات کی اکڑ میں تن کر میرے سامنے کھڑی ہونا چاہ رہی ہو؟''

''آپ کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟'' وہ بیزار ہوئی تھی۔

''تمہیں نہیں پتہ؟'' وہ طنزیہ ہوا۔ مہ روش اب اسے کیا جواب دیتی، کوئی بھی تو راہ فرار اسے میسر نہیں رہی تھی۔

''نفرت کرتا ہوں میں تم سے، تمہارے بھائی سے۔۔۔شدید نفرت۔'' وہ اس کے کان میں زہر اگل رہا تھا، نزلہ، زکام سے سرخ ہوا چہرہ لال بھبھوکا بن گیا تھا۔

''محبت تو اب میں بھی آپ سے نہیں کرتی۔'' وہ دل میں ہی بولی۔

''تہس نہس کردوں گا میں تم دونوں کو۔'' شعلہ بار نگاہوں سے مسلسل اسے گھورتا ہوا وہ اندر کی آگ باہر نکال رہا تھا، جو کسی طور نہ کم ہو رہی تھی نہ مکمل طور پر باہر نکل رہی تھی۔ ماہی کو ہی وہاں سے واک آؤٹ کرنا پڑا۔ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے کچھ نہیں تھا جو کسی کی پرواہ کرتے۔ چیخنے چلانے اور بے آرامی کی وجہ سے مراد منصور کی طبیعت رات تک بہت بگڑ گئی تھی، بخار بھی بڑھ گیا تھا، چہرے اور سر کی ہڈیوں میں شدید درد ہو رہا تھا، مہ روش رات کو اسے ٹیبلیٹ دے کر خود سونے لیٹ گئی تھی، مراد نے ساری رات باقی بے سکون گزاری تھی، اگلے دن بھی اس کی حالت سنبھلنے کے بجائے مزید خراب ہوئی تھی، گھر کے کاموں کے ساتھ مہ روش کو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ٹائم دینا پڑ رہا تھا۔

شام سے پہلے اریش اور عندلیب کی انگیجمنٹ بھی تھی، وہ وہاں جانے کے لئے بھی تیار تھی مگر مراد نے اس سے پوچھے یا کہے بغیر ہی شاہدہ پھپھو کو کال کر کے آنے سے معذرت کر لی تھی، مراد کی طبیعت کے پیش نظر انہوں نے بھی آنے کو زیادہ زور نہیں دیا تھا مگر جب ریحانہ خالہ کی طرف سے پریشے نے کال کر کے مہ روش کو انسسٹ کرنا چاہا تو وہ حیران ہوئی، کتنی خوش تھی وہ کہ سب سے مل لے گی مگر یہاں مراد نے اس سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا تھا مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے اسے معذرت کرنی پڑی۔ وہ حقیقتاً اپنے رشتے کی اصلیت کو کسی کی نظر میں نہیں لانا چاہتی تھی، پریشے اس سے ناراض بھی ہوئی، مگر وہ سہولت سے انکار کر گئی، البتہ نہ مراد نے اس بابت اس سے کوئی بات کی نہ مراد سے کوئی استفسار کر سکی، ایک خلش سی اس کے دل و دماغ میں جگہ بناتی جا رہی تھی، کچھ بھی تو اس کے حق میں اس کے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا تھا، یہ دکھ تو اب ساری عمر کا تھا۔

☆......☆......☆

اسٹڈی روم کی لائٹ آن دیکھ کر وہ اسی طرف چلی آئی تھی، رات کے کالے سائے برقی قمقموں کی وجہ سے گھر میں زیادہ گہرے نہ تھے، وہ سیڑھیاں چڑھ کر اسٹڈی روم میں آئی۔

''اوہ۔۔۔تم ہو یہاں؟'' وہ وہاں علی کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''ہاں۔۔۔کیوں؟'' علی اس کی حیرانگی پر حیران ہوا۔

''اس وقت یہاں میں سمجھی پاپا ہوں گے، میں پاپا کو Good Night کہنے آئی تھی، تم یہاں کیا کر رہے ہو اس وقت؟''

''کچھ خاص نہیں، بس فائل دیکھ رہا تھا۔''

''کام اتنا نہیں ہوتا جتنا تم خود کو مصروف رکھتے ہو۔'' افریشم بولی۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے ٹائم پاس کے لیے یہاں آیا ہوں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل بند کرتے ہوئے ٹیبل پر رکھی۔

''آج تو تمہیں زیادہ نیند آنی چاہیے، سارا دن گھومنے پھرنے سے تھک گئے ہو گے، احد اور عباد تو کب کے سو بھی چکے ہیں، میں بھی بہت لیزی فیل کر رہی ہوں، نیند بھی غضب کی آئی ہوئی ہے، پانی پینے کے لیے باہر آئی تھی، یہاں لائٹ آن دیکھی تو پاپا کے خیال سے آ گئی۔'' وہ ٹیبل کی دوسری جانب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہوں۔۔۔لیکن میں ذرا بھی نہیں تھکا بلکہ مجھے تو بہت مزہ آیا ہے۔''

''بٹ سارا دن تم کھوئے کھوئے سے لگ رہے تھے۔'' وہ برجستہ بولی۔

''اچھا۔۔۔؟'' علی حیران نہ ہوا کہ افریشم گھما پھرا کر اس کے آنے کے بعد کر رہی تھی۔

''تم ہمارے ساتھ ہو کر بھی ہمارے ساتھ نہیں تھے۔'' وہ سنجیدہ تھی، اپنا خیال اسے بتانے لگی۔

''امیزنگ۔۔۔'' غیر سنجیدگی سے اس نے مصنوعی دلچسپی ظاہر کی۔

''حالانکہ تم بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے۔'' وہ علی کو گھور کر بولی۔

''میں کوشش نہیں کر رہا تھا بلکہ میں نے سچ میں آج بہت انجوائے کیا ہے۔''

''پھر مجھے تمہیں دیکھ کر ہر بار ایسا کیوں لگتا ہے کہ جیسے ایسا کچھ خاص ہے ضرور جو تم۔۔۔'' وہ بولنے لگی کہ علی آہستگی سے اسے ٹوک گیا۔

''کچھ بھی خاص نہیں ہے افریشم! بس تم کچھ زیادہ ہی میرے بارے میں مشکوک ہو گئی ہو، اتنا زیادہ تجسس صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا، زیادہ سوچا نہ کرو، پاگل ہو جاؤ گی۔'' جس انداز میں اس نے افریشم کی بات کاٹ کر بات بدلنے کی سعی تھی وہ مزید افریشم کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا، اس کی چھٹی حس تو کب کی بیدار تھی، اب شک کو یقین میں بدلنے کے درپے تھی۔

''اگر تم نے سچ نہ بتایا تو واقعی پاگل ہو جاؤں گی۔''

''کیا سچ؟''

''جس نے تمہیں بدل دیا ہے۔'' اس نے دوٹوک پوچھا۔

''ایسا کوئی سچ ہے ہی نہیں۔''

''ہے تو ضرور، پہلے تم ایسے نہیں تھے، تم فزیکلی اور مینٹلی ایک ہی جگہ پر ہوتے تھے مگر اب یوں لگتا ہے جیسے تم یہاں ہو اور تمہارا دماغ تمہاری سوچیں کہیں اور ہیں۔'' افریشم وہ سچ بول رہی تھی جو علی نے اٹلی آنے کے بعد محسوس نہیں کیا تھا۔ چند لمحے خاموشی سے اسے

دیکھنے کے بعد دھیمی آواز میں بولا۔

''تم بھی تو اب پہلے جیسی نہیں رہی ہو، تو کیا میں اپنا قیاس لگا لوں کہ تم کچھ چھپا رہی ہو؟ یا تمہارے ساتھ کوئی خاص ہوا ہے؟'' مقصد افریشم کا دھیان خود سے ہٹانا تھا۔

''نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے، تم اپنی بات گول کر رہے ہو، مجھ میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی، میں پہلے جیسی تھی اب بھی ویسی ہی ہوں، تم کسی سے بھی پوچھ لو۔''

''مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ۔۔۔'' وہ کامیابی سے بات بدل گیا تھا۔

''کیا لگتا ہے تمہیں، کیا بدلاؤ آیا ہے مجھ میں؟''

''پہلے تم اتنا نہیں بولتی تھیں، نہ مشکوک انداز میں سوال کرتی تھیں، نہ یوں مجھ سے چپکی رہتی تھیں۔'' شریر انداز میں کہتے ہوئے مسکرایا۔

''ایکسکیوز می۔۔۔ میں تم سے چپک کر نہیں بیٹھی ہوئی اور دوسری بات سوال بے شک اب مشکوک ہوئے ہیں مگر میں پہلے جتنا ہی بولتی ہوں۔'' وہ روانی سے بولی، علی آیان مسکرایا۔

''افریشم! تم تو ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی ہو یار! کیسے یقین دلاؤں میں تمہیں کہ تمہارا شک غلط ہے۔'' پھر ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوا۔

''اپنے شک کے غلط صحیح ہونے کی تصدیق میں خود ہی کر لوں گی، تم بس انتظار کرنا، اور یاد رکھنا اس دن تمہیں میرے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا۔'' وہ صاف بولی، سوچ لیا تھا کہ اب اس سے نہیں پوچھے گی بلکہ پاکستان کال کر کے ساجدہ گیلانی سے ہی تمام قصے کی اصل کہانی جانے گی، اسے اپنا شک بے کار نہیں لگ رہا تھا۔

''اچھا تم بتاؤ مجھے، میں کیا چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں؟'' وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' اس نے کندھے اچکائے، ساتھ ہی کرسی سے اٹھی۔

''جب کچھ نہیں جانتیں تو اپنا وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟'' دوستانہ انداز میں بولا۔

''کیونکہ فی الحال میرے پاس کرنے کو کچھ اور نہیں ہے۔'' دروازے کے قریب جا کر وہ اسے دیکھتی، مسکراتی آنکھوں سے بولی۔

''گڈ نائٹ۔'' علی بھی جگہ سے اٹھا۔

''گڈ نائٹ۔'' افریشم کہتے ہوئے اسٹڈی روم سے باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

کلثوم پھپھو کا قیاس بالکل درست نکلا تھا، لیڈی ڈاکٹر نے انہیں مبارک باد دی تھی، ساتھ ہی اسے اپنا خیال رکھنے کی سخت تاکید کی

تھی، مہ روش امید سے تھی، کلثوم پھپھو نے اسے خود سے لگاتے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی، لیکن یہ خبر سنتے ہی عجیب سی کیفیت کا شکار بت سی بن گئی تھی، اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی، اپنی برباد شادی شدہ زندگی میں اسے ایسا کوئی ارمان نہیں تھا، اس کا دماغ اس بات کے لیے رضا مند نہیں تھا، کئی لمحوں تک اپنی ہی ذات میں گم صم بیٹھی رہی تھی کہ گھر واپس آنے تک اسے اپنا سارا وجود زلزلوں کی زد میں جکڑتا محسوس ہو رہا تھا، دماغ میں دبا دبا سا طوفان برپا ہو چکا تھا۔ وہ مراد منصور کو جھیل رہی تھی، یہی زندگی کا خسارہ اس کے لیے کافی تھا۔ اب اس شخص کی اولاد۔۔۔ وہ اپنی زندگی میں نہیں چاہتی تھی۔ اندر ہی اندر جیسے وہ لمحوں میں سفاک ہوتی جا رہی تھی، خبر سنتے ہی اسے مراد سے اپنی نفرت کا شدید احساس ہوا تھا، مراد نے خود اس کے دل میں اپنے لیے نفرت بھری تھی، جو ماہی کو بے حس بنا گئی تھی۔

''مراد! آپ کو بھی تو آپ کے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔'' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر گویا وہ کچھ نہ کچھ سوچ چکی تھی، ایک انتقامی سوچ بار بار اس کے ذہن میں ابھر رہی تھی اور وہ جان کر انجان بن رہی تھی۔ اس کی سوچ گناہ سے متعلق تھی مگر وہ مجرم بننے کو بھی تیار تھی، اپنے وجود کا حصہ بننے والا بچہ اسے اپنا نہیں صرف مراد منصور کا لگ رہا تھا جس کے لیے وہ بے رحم ہو کر فیصلہ کر رہی تھی، دل میں موجود مراد منصور کا خوف اسے ختم ہوتا محسوس ہوا تھا، فیصلہ کر لینے کے بعد اس کا دماغ ریلیکس ہو گیا تھا، مراد منصور کا بخار اتر گیا تھا، نزلہ زکام بھی باقی نہیں رہا تھا، سو اگلے دن ہی آفس گیا ہوا تھا لیکن جب واپس آیا تو کلثوم بیگم نے اسے چائے دیتے ہوئے باپ بننے کی خوشخبری بنائی، وہ بے حد خوش ہوا، مہ روش کمرے میں تھی وہ چائے ختم کر کے سیدھا کمرے میں آیا، مہ روش نے اس کی آمد کو مکمل طور پر نظر انداز کیا تھا۔

''میں تم سے پہلی بار خوش ہوا ہوں۔'' البتہ اس نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس کے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے گویا اطلاع دی تھی، ماہی نے آواز پر اسے دیکھا تھا، مراد کی آنکھوں کے انگارے اسے دکھائی نہیں دیئے تھے، وہ پہلی ہی نظر میں اس کی خوشی کا اندازہ کر چکی تھی۔

''لیکن میں خوش نہیں ہوں۔'' جبھی دوٹوک سپاٹ بولی۔

''مجھے تمہاری پرواہ نہیں ہے، میرے لیے صرف میں اہم ہوں۔'' مراد کو اپنی انا زیادہ عزیز تھی، برجستہ اسے اس کی اپنی نظروں میں اوقات یاد دلائی۔

''اور یہ بات میرے لیے اہمیت نہیں رکھتی۔'' آج وہ اندر سے مضبوط تھی، نرم و دھیمے لہجے کے ساتھ اس کی آواز جامع تھی، مستحکم ہو کر بولی۔

''تم کیوں مجھے غصہ دلاتی ہو ماہی! جبکہ تم میرے غصے سے واقف ہو، مجھے زبان دراز عورتوں سے نفرت ہے۔'' مراد آج چیخنا چلانا ہرگز نہیں چاہتا تھا محض اس کو تنبیہ کرتے ہوئے بولا۔ ماہی نے توقف کے لیے بغور اسے دیکھا پھر رسان سے بولنے لگی، جبھی باہر دروازے کے ہینڈل پر کلثوم بیگم کا ہاتھ جامد اور پاؤں آگے بڑھنے سے رکے تھے۔ وہ لیڈی ڈاکٹر کی ہدایت کے بعد مہ روش کے لیے دودھ

کا گلاس لائی تھیں مگر مراد کی آواز نے انہیں ایک ہی پوزیشن میں کھڑا دیا تھا۔

''اور مجھے آپ سے۔۔۔''

''اتنی بڑی خوش خبری کے بعد میرا ارادہ تمہیں کچھ عرصے تک کے لیے ٹینشن فری کرنے کا تھا مگر تم خود سے دشمنی کرنے پر تلی ہوئی ہو۔'' مراد اس سے دو قدم کے فاصلے پر آ کر رکا، باہر کلثوم بیگم حیرانگی و نا سمجھی کے عالم میں کھڑی تھیں۔

''دشمنی آپ نے خود سے کی ہے، جس میں نقصان کا آپ کا اپنا بھی ہو گا۔ میں اب وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔'' وہ آج ایک ہی جست میں تمام حساب چکتا کرنا چاہتی تھی، قطعیت سے کہتے ہوئے اس کے برابر کھڑی ہوئی۔

''تمہاری اس سب بکواس کا مطلب یا مقصد کیا ہے؟ جو بنا اپنی شامت کی پرواہ کیے میرے سامنے یوں کھڑی ہو؟'' مراد منصور کے خون کو آج بھی کھولنے میں قطعی کوئی دیر نہیں لگی تھی، مہ روش کا ارادہ پختہ تھا، سوا سے سنانے کی سکت کے ساتھ اٹل انتقامی لہجے میں بولی۔

''میں آپ کی اولاد کو اس دنیا میں نہیں آنے دوں گی۔''

''الٰہی خیر۔۔۔'' کلثوم بیگم کا دل بری طرح دہلا تھا، دونوں کی باتوں کو ان کی سمجھ گرفت میں نہیں لے سکی تھی مگر مہ روش کی بات انہیں بے یقین، متعجب زدہ کر گئی تھی۔

''ہوش میں تو ہو تم؟'' مراد منصور کا چہرہ بھی دیکھنے لائق ہوا تھا، اسے مہ روش سے اس بات کی توقع نہیں تھی، بے قابو ہو کر اس پر چلایا تھا۔

''میں اب ہی تو ہوش میں آئی ہوں۔'' وہ مگر شانت تھی، مراد سے انتقام نے گویا اسے اندھا کر دیا تھا، اپنے اندر کی آگ بجھا کر وہ مراد کے دیئے ہر دکھ سے چھٹکارہ چاہتی تھی۔

''ایسا سوچنا بھی مت، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں، سن لو کان کھول کر۔'' وہ بری طرح بگڑا تھا، غراتی آواز میں اسے خبردار کرتا شدید تنفر سے بولا تھا۔

''میں ایسا ہی کروں گی، یہ میرا آپ سے انتقام ہے، آپ کے ہر عمل کا ردعمل ہو گا یہ۔'' ماہی کی آنکھوں میں بھی سختی تھی، موم دل تو کب کا پتھر بن چکا تھا۔ کلثوم بیگم کی سمجھ میں گھمبیر ہوتی صورت حال باہر تھی، ان کا دماغ بری طرح الجھا تھا۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین آ رہا تھا نہ کوئی سرا ہاتھ لگ رہا تھا، وہ حیران پریشان، لرزتے دل کے ساتھ اسی حالت میں سن ہوتے دماغ کو لیے کھڑی تھیں۔ کیسا بدلہ۔۔۔ کیسا انتقام۔۔۔ کیا معاملہ تھا سارا۔۔۔؟ وہ حیران تھیں۔

''چٹاخ۔۔۔'' مراد منصور کا ہاتھ آج بھی اٹھ چکا تھا، ضبط اس میں نہیں تھا اور آج تو ماہی کی بات سے وہ حواس کھو چکا تھا، تھپڑ کی گونج بہت جاندار اور اونچی تھی، جسے کلثوم بیگم نے بھی سنا تھا لیکن ماہی کو کوئی خوف نہیں تھا، مراد کا ہر روپ برداشت کر چکی تھی، سنبھلنا تو اول

دن سے سیکھ گئی تھی۔

''آپ کا ہر تھپڑ بے اثر ہے، میں اپنا کرنا کر کے رہوں گی، آپ مجھے جس انداز میں روک کے دیکھ لیں مگر میں آپ کو آپ کے کیے کی سزا دوں گی، یہ بچہ اس دنیا میں آنکھ نہیں کھولے گا۔'' وہ سفاکیت سے بولی تھی۔

''میں اسی دن تمہیں طلاق دے دوں گا۔''

''آپ جیسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے سے بہتر ہوگا وہ دن۔'' وہ تلخ وطنز سے گویا ہوئی۔

''نہیں۔۔۔ وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔'' مراد اس سے زیادہ تلخ ہوا تھا۔ بے دردی سے اس پر جھپٹا تھا، جبھی کلثوم بیگم سے باہر کھڑا ہونا مشکل ہوا تھا، سرعت سے اندر داخل ہوئی تھیں۔

''مراد۔۔۔'' دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے مراد کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا تھا، جو بے قابو ہو کر مزید طاقتور ہوا تھا، اس وقت ماہی نے پھپھو کو دیکھ کر آنکھیں چرائی تھیں، مراد ماں کی آمد پر حیران بھی نہ ہو سکا تھا، کلثوم بیگم نے مراد کو پیچھے کرتے ہوئے مہ روش کو دیکھا تھا جس کی حالت دیکھ کر انہیں گہرے ملال نے گھیرا تھا مگر مراد کو اس پر ترس نہیں آیا تھا۔

''کیا کر رہے ہو تم مراد، ہٹو پیچھے، کیوں اس معصوم سے اتنی بے دردی سے پیش آ رہے ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

''یہ اسی قابل ہے۔'' وہ قہر آلود نظروں سے ماہی کو ہی دیکھ کر بولا تھا۔

''جاؤ تم یہاں سے۔'' فی الحال انہیں مراد کا وہاں سے جانا ہی مناسب لگا تھا۔ ماہی پھپھو کی موجودگی میں شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتری تھی، پھپھو کے سامنے وہ مراد کو لانا تو ضرور چاہتی تھی مگر یوں وحشیانہ روپ میں ہرگز نہیں، مراد نے کئی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا مگر آج پھپھو کے سامنے۔۔۔ وہ بری طرح نڈھال بڑی قابل رحم حالت میں تھی۔

''مراد۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔'' وہ پہلی بار بیٹے پر چلائیں تھیں۔ مراد بھناتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر مہ روش کو اپنی پرشفقت بانہوں کے حصار میں لیا تھا، اس نے چہرہ ان کے بازوؤں میں چھپایا تھا، رونا ہرگز بھی نہیں چاہتی تھی مگر آج سارے بند ٹوٹ گئے تھے، وہ ضبط ہار گئی تھی۔

''روؤ مت میری بچی! کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ۔'' وہ نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے دلاسہ دیتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھیں۔ مہ روش فوراً سے کوئی جواب کوئی وضاحت نہیں دے سکی تھی۔ بے آواز روتی رہی۔

''ماہی بیٹا! مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟'' پھپھو کی فکرمندی، محبت اور شائستہ لہجے پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا، وہ بے حد پریشان اور نادم سی لگ رہی تھیں۔ اب کچھ بھی چھپانا بے سود تھا، اکیلا غم سہنا اسے بس کرنے لگا تھا، روتی آواز میں من وعن تمام باتیں انہیں بتانے لگی۔

☆......☆......☆

ابھی اسے آفس آئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے جب افریشم گیلانی اس کے کیبن میں اس کے سامنے موجود تھی، اسے سامنے دیکھ کر وہ پوچھے بناء نہیں رہ سکا تھا۔

''تم یہاں کیسے؟''

''میرا کہا سچ نکلا، تم مجھ سے کچھ چھپا رہے تھے۔'' وہ فوراً سے اپنی آمد کی اصل وجہ تک آئی۔

''میں سمجھا نہیں۔'' اس نے سامنے رکھی فائل بند کی، سوالیہ اسے دیکھا۔

''میں نے ساجدہ آنٹی کو کال کی تھی۔'' وہ بتانے لگی۔

''کیوں؟'' وہ چونکا۔

''اپنی الجھن کو سلجھانے کے لیے۔''

''کون سی الجھن؟'' افریشم کا یہ انداز اسے ہمیشہ سے حیران کرتا آ رہا تھا۔

''جو تمہیں دیکھ کر پہلے دن مجھے ہوئی تھی۔''

''تم کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہو افریشم۔'' علی آیان کو اس کی بات سے تھوڑا بہت اندازہ ہوا تو صاف بولا۔

''میں تمہاری زندگی کو ضائع ہونے سے بچانا چاہ رہی ہوں۔''

''تم نے مما کو کیوں کال کی تھی؟'' وہ پریشان ہوا تھا۔

''تمہاری ڈسٹربنس کی وجہ پوچھنے کے لیے۔'' وہ گویا ہوئی۔

''اوہ افریشم! تمہیں مما کو کال نہیں کرنی چاہیے تھی، وہ ضرور پریشان اور میرے لیے متفکر ہوئی ہوں گی۔'' اسے ماں کا خیال آیا تھا، اپنے لیے ان کی نیچر سے واقف تھا، وہاں وہ کتنی پریشان ہو کر اس کے لیے تکلیف سے گزری تھیں، علی کو اٹلی آنے کی اجازت دینے پر وہ ایک مرتبہ پھر افسردہ ہوں گی، اس نے شاکی نظروں سے افریشم کو دیکھا۔

''ہاں ہوئی تو ہیں لیکن میں نے ان سے وعدہ کیا ہے، میں تمہیں زندگی کی طرف واپس لاؤں گی۔'' افریشم نے جھجکتے ہوئے اسے ریلیکس کرنا چاہا۔

''مما نے تمہیں بتایا کیا ہے؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے عجلت میں کچھ بے زاریت سے پوچھنے لگا۔

''وہی جو تم نے مجھ سے چھپایا ہے۔'' وہ مختصراً مگر سنجیدگی سے بولی۔

''ضروری تو نہیں ہے ہر ایک کے سامنے اشتہار بنا جائے۔'' وہ ایک دم تلخ ہوا، افریشم کی یہ حرکت اسے پسند نہیں آئی تھی۔

''میں نے خود کو ہر ایک میں شمار نہیں کیا تھا۔'' اس نے شاکی نظروں سے علی آیان حسن گیلانی کو دیکھا، اپنا استحقاق سمجھ کر وہ اس

کے سامنے بیٹھی تھی، اس وقت علی کے لیے اس نے اپنے دل سے بہت خاص محسوس کیا تھا۔

"تمہیں مما کو کال کر کے کچھ نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔" وہ اپنی جگہ اس سے ناراض ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں ڈسٹرب نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ دوستانہ انداز میں فکرمندی سے بولی۔

"میں ڈسٹرب نہیں ہوں افریشم۔" اس کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

"تو کیا تم یہاں آتے ہی اپنے ذہن و دل سے مستبشرہ جمال کو نکال چکے ہو؟" وہ طنزیہ بولی۔ علی کی ٹال مٹول سے وہ ہرٹ ہوئی تھی۔

"مما کو تمہیں کچھ نہیں بتانا چاہیے تھا۔" وہ ایک ہی سوچ میں غرق تھا۔

"کیوں۔۔۔ کیوں نہیں بتانا چاہیے تھا مجھے؟ میں کوئی غیر اجنبی تو نہیں ہوں۔" اسے برا لگا تھا کہے بنا رہ نہ سکی۔

"بات یہ نہیں ہے افریشم۔" وہ اسے سمجھانے سے قاصر تھا، آہستہ سے بولا۔

"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں ہے علی! مگر ایز اے فرینڈ، ایز اے کزن مجھے تمہاری فکر ہے، جب سے تم یہاں آئے ہو خود کو ایڈجسٹ کرنا چاہ رہے ہو مگر کر نہیں پا رہے ہو، سب کے ساتھ بیٹھنا، باتیں کرنا بھی تمہیں اندر سے ریلیکس نہیں کر سکا جبکہ ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا، جب ہم پاکستان گئے تھے تب تم اب سے جدا تھے مگر اب جب تم یہاں ہو تو چاہ کر بھی پہلے جیسے نظر نہیں آ رہے، آئی ڈونٹ نو کسی اور نے یہ محسوس کیا بھی ہو گا کہ نہیں مگر میں یہ سب نظرانداز نہیں کر سکی ہوں، جبھی آنٹی کو کال کی، انہوں نے مجھے تمہاری ناکام محبت اور مستبشرہ کے بارے میں بتایا ہے، اینڈ آئی ایم شاکڈ تم ابھی تک اسی محبت کے اثر میں جکڑے ہوئے ہو۔" وہ کہہ رہی تھی اور علی آیان حسن گیلانی عجیب نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سن رہا تھا۔ "سب کچھ پیچھے چھوڑ کر آنے کے باوجود تم مکمل طور پر یہاں نہیں ہو، تمہارا ہر خیال، تمہاری ہر سوچ آج بھی وہیں بھٹک رہی ہے جہاں سے تمہیں مستبشرہ نے ٹھکرایا تھا، تم بظاہر اسے سوچنا نہیں چاہ رہے تب بھی تمہاری سوچ میں اس کا عکس ہے، تمہارے اندر کہیں موجود ہے وہ، جو تم اسے محسوس کرتے ہو، تمہارے ہر روپ میں وہ موجود ہے۔" علی جس ذکر سے بچنے کے لیے یہاں آیا تھا وہ ذکر افریشم اس کے سامنے کر رہی تھی مگر وہ اسے روک نہیں رہا تھا، خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

"کیوں سوچتے ہو تم اسے علی؟" توقف بھر کے لیے رک کر اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں اس سے پوچھا۔

"میں اسے نہ سوچوں تب بھی میرا دھیان اسی کی طرف رہتا ہے۔" جواباً وہ عجیب انداز میں بولا۔

"کیوں۔۔۔؟" وہ تمام کہانی آنٹی کی زبانی سننے اور علی کی موجودہ کیفیت پر حیرت زدہ تھی۔

"محبت۔۔۔ جو میں نے اس سے کی تھی وہ ہر کیوں کا جواب ہے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا، آواز میں اعتماد تھا، اسے اپنی محبت پر گویا یقین کامل تھا۔ افریشم سب کچھ تو معلوم کر چکی تھی، سو اس کے سامنے مزید ٹال مٹول یا کچھ بھی چھپانے کی کوشش اس نے نہ کی۔

"لیکن اسے تم سے محبت نہیں تھی۔" افریشم نے اسے جتایا۔

''بات یہاں اس کی نہیں میری ہو رہی ہے اور مجھے اس سے جنون کی حد تک محبت تھی، ہے اور مجھے یقین ہے رہے گی بھی۔'' وہ وثوق سے بولا۔

''علی۔۔۔!'' متعجب زدہ سی وہ محض اس کا نام لے سکی، نگاہیں حیرت سے مزید پھیل چکی تھیں۔

''محبت میرے نزدیک محض چار حروف کا مجموعہ نہیں ہے، میری محبت میں عشق، جنون، دیوانگی سمیت وہ تمام عناصر شامل ہیں، جو صرف دل سے دل کا رشتہ نہیں بلکہ روح سے روح کا تعلق قائم کرتے ہیں۔'' وہ از حد سنجیدہ ہوا تھا۔ افریشم خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، توقف کے لیے رک کر وہ دوبارہ بولا۔

''تمہیں شاید میری باتیں افسانوی لگیں یا مذاق بھی، لیکن یہ سچ ہے میں مستبشرہ کو بھولنے یا اپنے دل سے نکالنے یہاں نہیں آیا۔''

''لیکن آنٹی تو کہہ رہی۔۔۔'' افریشم نے جواباً کچھ کہنا چاہا تو علی اس کی بات کاٹ گیا۔

''مما جو کہہ رہی تھیں وہ سب میں نے ان سے مجبوراً کہا تھا، میرے دل پر گزری کوئی اذیت کوئی دکھ یا ملال مستبشرہ کے لئے میری محبت کو ختم نہیں کر پا رہے تھے، ہر گزرتے دن کے ساتھ میری محبت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، ٹھکرائے جانے کے باوجود میرا دل پھر سے مستبشرہ کو چاہنے، اسے دیکھنے کا خواہش مند تھا اور میں اڈتی خواہشات کو روکنے میں ناکام ہو رہا تھا، بے بس ہو کر راہ فرار اختیار کی ہے میں نے۔'' افریشم نے اس کے لہجے و آواز کو محسوس کیا تھا، کس قدر کمزور لگا تھا محبت میں علی کا لہجہ اس کو شکست خوردہ، بجھا بجھا سا، وہ لب بھینچے اس کی طرف محو تھی۔

''اسے بھولنا ناممکنات میں سے ہے لیکن اس کی یاد کی شدت کو زائل کرنا چاہ رہا تھا میں یہاں، مگر تم مسلسل مجھے اسے سوچنے پر مجبور کرتی آئی ہو، حالانکہ میں تم پر کبھی بھی ظاہر نہ کرتا، اگر تم مما کو کال نہ کرتیں تو۔'' وہ اسے کہنے کے ساتھ جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلنے کے بعد پی رہا تھا، وہ خاموش رہی تھی۔ ''زندگی کو محض گزارنا نہیں چاہتا تھا میں، مجھے زندگی کو جینے کے سارے ڈھنگ آتے ہیں افریشم! مگر میں مستبشرہ کے بغیر ڈھنگ کی زندگی کیسے گزار سکتا ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہتا اس سے استفسار کرنے لگا۔ افریشم گیلانی کے پاس فی الوقت اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''تم نے سنا تو ہوگا کہ اندر باہر کے سبھی موسم ایک سے ہوتے ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے، ہر سال باہر کے موسم اپنے اپنے وقت پر بدلتے ہیں، بناء کسی کی پرواکیے، لیکن دل کے موسم کی کہانی اس سے مختلف ہے، یہاں بہار خزاں کے آنے جانے والا حساب نہیں ہوتا، نہ دل کے موسم میں سدا خوشی کا راج رہتا ہے نہ دکھ کے بعد فوراً سے خوشی کی واپسی ممکن ہوتی ہے، میرے دل میں خوشی کو سمیٹتی بے پناہ، بے شمار دھڑکنیں تھیں لیکن غم کے گہرے سائے کالی تاریک رات سے زیادہ اندھیرے سے نکلے جو جانے کا نام نہیں لیتے، بس اندر ٹھہر سے گئے ہیں۔'' وہ عجیب غمزدہ، مایوس تاثر میں گھرا تھا، افریشم محض تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔

''ایسے میں، میں جو بے ڈھنگی زندگی گزار رہا ہوں، بس بناء کسی تبدیلی کے ایسے ہی گزارنا چاہتا ہوں، زندگی کے رنگوں میں رنگ کر جینے کی خواہش باقی نہیں ہے مجھے۔'' وہ گویا کرب سے گزر رہا تھا۔ افریشم، علی کی تکلیف کو محسوس کر رہی تھی۔

''لمحوں کی قید میں تو بزدل رہتے ہیں علی۔'' آہستگی سے بولی۔

''میں لمحوں کی قید میں رہنا بھی نہیں چاہتا، میرے لیے میری محبت اور مستبشرہ کی یاد ہی کافی ہے۔'' وہ سنبھل کر بولا۔

''وہ اب تمہاری زندگی میں نہیں ہے۔'' افریشم اسے محبت کے خول سے باہر نکالنے کی غرض سے بولی۔

''میری زندگی ہی وہ ہے۔'' علی نے البتہ اپنے الفاظ پر زور دیا۔

''میں تمہارے دکھ کا اندازہ کر سکتی ہوں علی! لیکن یہ محض بہلاوا ہے، بے وقوفی کی بات ہے۔'' افریشم نے اسے سمجھانے کی سعی کرنی چاہی، ساجدہ گیلانی نے بھی اسے سب بتانے کے بعد علی کا خاص خیال رکھنے اور خوشی کی طرف لانے کا وعدہ بھی لیا تھا، سو لہجے میں اعتماد تھا۔

''لیکن تم میری محبت کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔'' اس کی آنکھوں میں محبت کا جنون تھا۔

''میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی۔'' افریشم نے بات بدلی۔

''مجھے کیا ہوا ہے؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''جو تمہیں ہوا ہے تم اسے دیکھ نہیں رہے نہ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''افریشم! تم کن باتوں میں پڑ گئی ہو؟'' لاحاصل بحث طویل پکڑ رہی تھی، وہ تنگ آیا تو بات ختم کرنے کے لیے بولا۔

''مجھے تمہاری فکر ہے۔'' اس نے صاف کہا۔

''تم پلیز میری فکر نہ کرو۔''

''کیوں نہ کروں؟''

''میں جس حال میں ہوں خوش ہوں۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا اور بات جاری رکھی۔ ''مستبشرہ جمال کوئی چیپٹر نہیں ہے کہ جسے کلوز کر دیا جائے، وہ جیسی تھی یا اس نے جو کیا وہ میرے اختیار میں نہیں تھا کہ میں اسے اپنے حق میں بدل سکتا مگر میں اس کے لیے جیسا ہوں اور جتنا دل سے میں نے اس کو چاہا ہے اس کو برقرار نہ رکھنا میرے اختیار میں ہو کر بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

''ابھی تو میں چلتی ہوں علی! لیکن سچ میں مجھے تمہاری فکر ہے، میں تمہیں اداس حال میں نہیں دیکھ سکتی، میں تمہیں زندگی گزارنے نہیں دوں گی بلکہ تمہارے ساتھ مل کر زندگی جیوں گی، آئی پرامس۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آخری باتیں اس نے دل سے کہی تھیں۔ اس کے جانے کے بعد علی آیان حسن گیلانی نے تھکے ہارے سے انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں، دل میں یک دم غبار سا جمع ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

کلثوم پھپھو کے چہرے پر ہزاروں بے یقین تاثرات تھے، ایک پر ایک انکشاف سوہان روح تھا، کچھ بھی تو سب سننے کے بعد ان سے نہیں بولا جارہا تھا، وہ کیسے اس سب سے بے خبر رہیں، کیوں دس مہینوں میں ایک بار بھی انہیں شک نہیں گزرا، کیوں وہ ان دونوں خوش سمجھ رہی تھیں، کیوں وہ مہ روش کے دل کا حال جان نہ سکیں، کیوں اپنے بیٹے کے دماغ کو نہ پڑھ سکیں، کیوں مراد منصور کے اصل روپ کو وہ آج تک پہچان نہ سکیں؟

وہ تو بہت اچھے طریقے سے جانتی تھیں اپنے بیٹے مراد منصور کو، اس کی عادت، فطرت کو جانتی تھیں، اس کے غصے وسفاکیت سے باخبر ہوتے ہوئے بھی وہ کیسے اس کا یقین کر گئیں کہ وہ مہ روش سے شادی خاندان کو پھر سے ایک کرنے کے لیے کر رہا ہے، مہ روش کے لیے اس کے دل میں خاص جذبات ہیں، تو کیا یہ تھے وہ خاص جذبات؟ جنہیں اس نے انتقام ونفرت کی پوشاک میں لپیٹ کر اپنے ہر روپ سے، اپنے ہر عمل سے مہ روش سعید کی نہیں وقار سعید کی بہن کی زندگی میں زہر گھولا، اسے ایک بہترین زندگی کا وعدہ کر کے شادی کے بعد بدترین زندگی دان کی، ان کا دل تڑپ اٹھا تھا، ان کا بیٹا ان کی ناک کے نیچے ان کی لاڈلی بھتیجی سے سفاکی، بے رحمی سے کھیلتا رہا اور انہیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی، وہ صدمے کی کیفیت میں ساکت بیٹھی تھیں، ان کا سر مراد منصور نے گویا ندامت سے جھکا دیا تھا، کتنا دشوار لگا تھا انہیں اس وقت مہ روش کی آنکھوں میں دیکھنا، جس کرب سے وہ گزرتی آرہی تھی انہوں نے اسے لمحوں محسوس کیا تھا، مہ روش ان کے سینے سے لگی رو رہی تھی اور وہ اسے چپ بھی نہیں کرواسکی تھیں، بیٹے کی اصلیت نے ان کی زبان شل کر دی تھی، بھتیجی کا دکھ انہیں الگ پرملال کر گیا تھا۔ روتے روتے مہ روش کی آنکھیں جب خشک ہوئیں تو اس نے خود کو سنبھالنا چاہا تھا، اپنی بے بسی کا بھید، پھپھو کے سامنے کھلنے کے بعد جیسے وہ تمام ہمت ہار گئی تھی۔

''مجھے معاف کر دو بیٹی۔'' وہ سنبھلی تو انہوں نے شرمندگی سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

''نہیں پھپھو! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟'' مہ روش اپنی جگہ شرمسار ہو کر رہ گئی، اس نے ایسا کب چاہا تھا، سرعت سے پھپھو کے ہاتھ نیچے کیے۔

''مراد نے مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کر دیا ہے بیٹی! اگر مجھے ذرا برابر بھی اس کی گری ہوئی سوچ کی بھنک پڑی ہوتی تو میں یقین کرو کبھی تمہاری زندگی داؤ پر نہ لگنے دیتی۔'' کہتے ہی وہ روئی تھیں، بھتیجی کے لیے محبت ان کے لہجے سے عیاں تھی، بیٹے نے انہیں اپنے ہی ضمیر کے سامنے نادم کر دیا تھا، مہ روش کی آنکھوں کے کنارے بھی نم ہوئے تھے۔

''میں تم سے معافی۔'' وہ پھر سے کمزور لہجے میں بولنے لگیں تو مہ روش انہیں ٹوک گئی۔

''نہیں پھپھو! آپ کیوں معافی مانگیں گی، شاید یہی میری قسمت کا لکھا ہے، مجھے کم از کم آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔'' وہ آنسو صاف کرتی سچے دل سے بولی کہ یقیناً اس سب میں ان کی کوئی سازش عمل دخل نہ تھی۔ مراد منصور تن تنہا ہی اس کی کہانی کا ولن تھا۔

''میں نے اس لیے تو تمہارا رشتہ نہیں مانگا تھا۔'' وہ یاس سے بولیں۔

''قسمت اور تقدیر کے لکھے کو بھی تو نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔'' وہ ان کی خفت مٹانا چاہ رہی تھی۔

''وقار نے جو کیا سو تب کیا تھا مگر مراد کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ آزردہ تھیں، بیٹے نے انہیں کڑی تکلیف میں ڈال دیا تھا جس کا مداوا کسی صورت ممکن نہیں تھا۔

''میں مانتی ہوں پھپھو، ابتداء وقار بھائی نے کی، مگر ادینہ تو اپنے گھر میں خوش تھی پھر مراد نے کیوں انتقام کے تحت محبت کے نام پر میرے جذبات سے کھیلا، مجھے وقار بھائی کے کیے کی سزا دی کہ میری روح تک گھائل ہو گئی ہے، پھپھو، میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر دھوکہ نہیں، مراد کی ذات کی بے اعتباری نے مجھے سلگتی آگ میں پھینک دیا ہے، جہاں اب مجھے تمام عمر جھیلتے ہوئے زندگی گزارنی ہے۔'' ماہی کی آواز میں سسک تھی، دل میں کسک تھی، ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولتے اس نے اپنا سر ان کے سینے میں چھپایا تھا۔ کلثوم بیگم اسے اپنے بازوؤں کے نرم محبت بھرے حلقے میں لے کر تڑپ اٹھیں۔

''پھپھو! مراد نے مجھے کسی اور کے کیے کی سزا دی ہے، انتقام کا نشانہ بنایا ہے، بدلے میں، میں صرف ان سے ان کے کیے کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔'' وہ پھر سے بولی تھی، جس بدلے کی مہ روش بات کر رہی تھی، کلثوم پھپھو فوراً سے اس تک پہنچی تھیں۔

''بیٹا! یہ گناہ ہے، مراد نے تمہارے ساتھ بیشک بہت برا کیا ہے مگر تم اس روح پر کیوں ظلم کر کے اپنا ضمیر پلید کرنا چاہتی ہو جو تمہارے اندر پنپ رہی ہے، جو تمہارے وجود کا حصہ ہے، تمہاری اولاد ہے، یہ گناہ ہے میری بچی! اللہ کے کاموں میں دخل دینا ہمارے بس کی بات نہیں، اس معصوم کو ناحق سزا مت دینا۔'' کلثوم پھپھو نے عاجزانہ التماس کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے، وہ مراد کی پھیلائی تباہی تو نہیں روک سکتی تھیں مگر مہ روش کو گناہ و سزا کے بچانا چاہتی تھیں، اب کہ مہ روش نے ان کے بندھے ہاتھوں کو نیچے نہیں کیا تھا۔

''پھپھو! میں مراد سے بدلہ لینا چاہتی ہوں۔'' دوٹوک بولی۔

''خود کو تکلیف دے کر کیسا بدلہ؟ اللہ ہے ناں اس سے بدلہ لینے والا، اللہ پر یقین رکھو، وہ رحیم ہے، سب پے قادر ہے، ظلم اللہ کو پسند نہیں ہے، اللہ نے ہمیشہ ظالم کو سزا دی ہے اور تم تو بہت پیاری، نیک ہو، کیوں پھر اللہ پاک کی ناراضی مول لینا چاہتی ہو؟ خود کو مزید سزا مت دو میری بچی۔''

''مراد بہت برے ہیں پھپھو۔'' وہ اپنی بات پر اٹل نہ رہ سکی تو شکستہ آواز میں بولی۔

''جو جیسا ہوتا ہے اللہ پاک و برتر اسے اسی کے انداز میں ملتا ہے، تم اللہ پر یقین رکھو۔'' اس نے اسے سمیٹنا چاہا۔

''اللہ پر تو یقین ہے پھپھو! مگر اپنی قسمت کا کیا کروں جسے مراد لکھنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ مکمل طور پر کمزور اور بے بس ہوئی تھی اسی لمحے۔

''سب کی قسمتوں کا لکھاری تو اللہ پاک ہے، وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا، زیادتی کرنے والوں کا نصیب صرف خاک ہوتی

ہے،غرور وتکبر ہمیشہ زیر ہوتے ہیں اور بیٹی! دھوپ کے بعد چھاؤں لازمی آتی ہے، تپتے بے سکون دن کے بعد ٹھنڈی شام اور پر سکون رات آتی ہے، یہ قدرت کا نظام ہے،دھوپ، بے سکونی، تپش مستقل نہیں رہتی تو پھر دکھ کیسے ہمیشہ کے لیے ہو سکتے ہیں۔'' وہ بردباری سے گویا ہوئیں۔

''میں نے ان دس مہینوں میں جس طرح سے مراد کو پہچانا ہے وہ نہیں بدل سکتے،انہیں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ روکھائی سے بولی تھی۔

''ہاں بیٹا! پر جھوٹ میں لپیٹ کر سہی مگر اس نے سارے خاندان کو پھر سے ملا کر تمہارے ذریعے مجھے اور سعید بھائی کو قریب کیا ہے، میں نہیں چاہتی کہ میں سعید بھائی کی نظروں میں مراد کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔''

''میں خود غرض نہیں ہوں پھپھو! میں ابو کو دکھ دینا چاہتی ہوں نہ پھر سے رنجشوں کو بڑھاوا دینا چاہتی ہوں، میں نے زندگی کی تلخیوں سے سمجھوتا کر کے جینا سیکھ لیا ہے۔'' کلثوم بیگم نے گہرے دکھ کے ساتھ رشک سے اسے دیکھا جو بڑے تحمل سے کام لیتی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے،وہ سوچ لینے کے بعد پہلے کی طرح تماشہ نہیں چاہتی تھیں۔

''مہ روش بیٹا! مجھ سے وعدہ کرو تم اپنی اولاد کو اس دنیا میں آنے سے نہیں روکو گی۔''

''جی پھپھو۔'' اس نے شکستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔'' انہیں انجانا سا خوف تھا جبھی اس سے وعدہ لے رہی تھیں۔

''پھپھو! مجھے اگر کسی کو کچھ بتانا ہوتا تو اب تک بتا چکی ہوتی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں جانتی ہوں بیٹا! اور مجھے تمہارے دکھ کا اندازہ ہے۔'' وہ ہنوز نادم تھیں۔

''پھپھو! آپ بھی مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ ادینہ سے بھی کچھ نہیں کہیں گی، میں اپنی ذات کا بھرم نہیں کھونا چاہتی۔'' وہ بولی، اپنی بے بسی کا بھید کسی طور کھولنا نہیں چاہتی تھی، ایک گھر میں رہتے ہوئے پھپھو کو کبھی نہ کبھی تو پتہ چل جانا تھا سو وہ اتفاقاً سب سن کر جان چکی تھیں مگر اب مزید وہ اپنے اور مراد کے رشتے کی اصلیت اور کسی کے سامنے لا کر جگ ہنسائی یا ترس بھری نگاہیں خود پر نہیں چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر میں مراد سے ضرور بات کروں گی، اس نے بہت برا کیا ہے، میرا سر میری ہی نظروں میں جھکا دیا ہے، میں کتنی چاہ سے بیاہ کر لائی تھیں تمہیں اور تمہارے یہاں آتے ہی تمہارے دل کے حال سے بے خبر ہو گئی، تمہیں انجانے میں مراد کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کبھی تمہارے دکھ سکھ کی خبر نہ لی۔'' وہ گویا ہوئیں کہ واقعی اپنی لاعلمی کے سبب اس وقت وہ خود کو مراد منصور کے برابر ہی گردان رہی تھیں۔

''پلیز پھپھو! آپ ایسی باتیں نہ کریں، میرے دل میں کسی کے لئے کوئی میل نہیں ہے، نہ مجھے آپ سے کوئی شکایت ہے۔ میرے دل میں آپ کا مقام بہت معتبر ہے۔'' وہ سچے دل سے صاف الفاظ میں بولی، پھپھو کی ندامت بھری آنکھوں سے وہ اپنی جگہ شرمندہ ہو کر رہ گئی تھیں،توقف کے لیے رک کر ان کے بولنے سے قبل ہی پھر سے بولی۔

''اور آپ مراد سے بھی کوئی بات نہیں کریں گی پھپھو! جو جیسا چل رہا ہے چلنے دیں، نہ ہم کسی کی سوچ بدل سکتے ہیں، نہ فطرت و

خصلت۔'' وہ بے تاثر سے انداز میں بولی، جانتی تھی مراد منصور سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

''ایک مرتبہ میں اس سے بات کرلوں پھر آگے دیکھتے ہیں۔'' وہ بولیں۔ مہ روش نے اب کہ کچھ نہ کہا بس آہستگی سے ان کی محبت بھری گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لیں، پھپھو نے جھک کر اس کے سر پر بوسہ لیتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

☆......☆......☆

اسکول کی کنسٹرکشن کا کام ختم ہو گیا تھا، سید جمال شاہ نے 3 ہفتوں کے اندر ہی تمام کاغذی کارروائی نپٹالی تھی، اسکول کا نام وغیرہ رکھنے کے بعد انہوں نے مقامی اخبار میں اشتہار وغیرہ بھی دے دیا تھا، اپنی خواہش کی تکمیل پر مستبشرہ بہت خوش تھی مگر دل میں بسیرا کیے سرد موسم نے اندر ہی اندر بے رونق کیا ہوا تھا۔

''اب خوش ہو مستبشرہ بیٹی؟'' سید جمال شاہ نے تمام کاموں سے فراغت کے بعد اس سے پوچھا تھا۔

''جی بابا جان! اور یہ سب آپ کی وجہ اور ساتھ سے ہوا ہے، آپ نے میری خواہش کو پورا کیا ہے، میری خوشی کا خیال رکھا، میں آپ کا شکریہ بھی کہوں تو یہ لفظ چھوٹا ہوگا۔'' مشکور انداز میں بولی۔

''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے، تم میری بیٹی ہو، میرا جگر گوشہ ہو، اولاد کی خوشی ہی والدین کو زندگی کا سکھ نصیب کرتی ہے اور تم تو میری بہت بہادر، باہمت اور لاڈلی بیٹی ہو، میری اللہ سے دعا ہوگی کہ اللہ سب کے والدین کو اگر بیٹی دے تو وہ مستبشرہ جیسی دے۔'' ان کے لہجے و آواز میں مان تھا، فخر تھا اور وہ مطمئن تھے۔

''تھینک یو سو مچ بابا جان۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

اسکول ایڈمیشن کے بینرز بہت سے اسکولوں نے جگہ جگہ لگائے ہوئے تھے، مارچ کا مہینہ چل رہا تھا، بہت سے اسکولوں میں Annual Results اناؤنس ہو چکے تھے، اس نے بھی سید جمال شاہ کی مشاورت سے کچھ جگہوں پر Addmission Open کے بینرز لگوائے، اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ پہلے ہی سال زیادہ تر لوگ اسکول پر Trust کریں گے یا نہیں، سب کو اپنے بچوں کے مستقبل کا خاص خیال اور فکر تھی، وہ خود بھی ابتداء میں کم ہی تعداد کو لے کر آگے بڑھنا چاہتی تھی کہ اسے بھی مستقبل کے لیے ملک کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنا تھیں لیکن وہ اس وقت حیران ہوئی تھی جب اس کی سوچ سے زیادہ لوگ اپنے بچوں کو ایڈمیشن کے لیے لے کر آرہے تھے، حیرانگی کے ساتھ اسے خوشی بھی ہوئی تھی، اپنے علاقے میں سید جمال شاہ کا ایک خاص نام اور مقام تھا، لوگ ان کی شرافت و خلوص کے معترف تھے، ان کی دل سے عزت کرتے تھے، وہ بھی جس کسی کو ان کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی بناء احسان جتائے یا بنا کسی لحاظ کے اپنی طرف سے جتنا ہو سکتا تھا مدد کرتے تھے، ایک وجہ لوگوں کے اعتماد کی یہ بھی تھی اور دوسرا سب جانتے تھے کہ مستبشرہ جمال اعلیٰ تعلیم کے بعد اپنی خواہش اور علاقے کی ترقی کے لیے اسکول بنانا چاہ رہی ہے، بہت سے لوگوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی، وہ بہت مطمئن اور خوش تھی،

مشارب شاہ نے بھی معلوم ہونے پر اسے اسلام آباد سے میسج کیا تھا۔

''مبارک ہو مستبشرہ! آئی ایم ویری ہیپی، میری بیسٹ وشز ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔''

''تھینکس مشارب۔'' وہ مشارب کے خلوص پر مسکرائی تھی، مشارب جب تک یہاں تھا اس نے سید جمال شاہ کی بھی کافی کاموں میں مدد کی تھی، اب اس کا میسج پڑھ کر مستبشرہ کو بہت اچھا لگا تھا، اپنی سیٹ اس نے ایمانداری کے ساتھ سنبھال لی تھی، اس کی دوست ارم کی شادی ہوگئی تھی، شادی کے بعد اس نے ٹیچنگ کو خیر باد کہہ دیا تھا لیکن ماریہ، مستبشرہ جمال کے بے حد اصرار پر ریزائن کر کے اسے جوائن کر چکی تھی، باقی کا اسٹاف بھی اس نے ماریہ کی مدد سے نہایت قابل چنا تھا، سکول شروع ہوگیا تھا، وہ یکدم مصروف ہوئی تھی لیکن اس کی مصروفیت میں بھی علی آیان حسن گیلانی اس کے ساتھ تھا، وہ اسے خود سے کسی طور الگ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''میری اولاد کو ختم کرنے کی بات کر رہی تھی وہ؟'' اس کی رگیں ابھی تک شدید غصے سے پھٹ رہی تھیں، کلثوم بیگم اب اسے سمجھانے آئی تھیں تب وہ مزید آگ بگولہ ہوا تھا، اصلیت تو اس کی ماں کے سامنے آچکی تھی تو تمام جھجک بالائے طاق رکھے ماہی کے لیے تلخی سے بولا تھا۔

''تم نے بھی تو اس کے ساتھ برا کیا ہے۔'' کلثوم بیگم نے بھی چلا کر اسے جتایا تھا۔

''کمال ہے امی! آپ اس کا ساتھ دے رہی ہیں؟'' اس نے بے یقین ہونا چاہا تھا۔

''تو کس کا دوں، تمہارا؟ تم نے مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کر دیا ہے۔'' وہ بیٹے سے حد درجہ نالاں تھیں، کمزور آواز میں بولیں۔

''لیکن مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔''

''کیوں اس معصوم کی زندگی تباہ کی ہے تم نے، کیوں مراد؟'' وہ بیٹے کی سفاکی پر رو دی تھیں۔

''اس کے بھائی نے بھی آپ کی بیٹی کی زندگی تباہ کی ہے۔'' مراد نے انہیں باور کروانا چاہا۔

''ادینہ اپنے گھر میں خوش ہے۔''

''لیکن میں وقار اور اس کی بہن کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ تنفر سے بھرا پڑا تھا۔

''ماں ہو کر بھی کیوں میں تمہاری سوچ جان نہ سکی۔'' اس وقت انہیں گہرا رنج ہو رہا تھا، یاسیت وافسردگی سے بولیں۔

''امی، آپ اس فضول بحث میں نہ پڑیں اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ مہ روش سکھ کا سانس لے تو کہہ دیں اسے کہ اپنی حد میں رہے ورنہ میں اسے مار دوں گا، مجھے جیل بھی جانا پڑا تو جاؤں گا، اگر اس نے میری اولاد کو نقصان پہنچایا، میں اسے خاک میں ملا دوں گا۔'' وہ انہیں بتا رہا تھا، لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

''مت کرو اتنا ظلم اس معصوم پر۔''

''ابھی تک تو میں نے اسے کچھ نہیں کہا لیکن اگر وہ باز نہ آئی تو پھر اسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔'' وہ انہیں خبردار کر رہا تھا۔ انہوں نے عجیب نظروں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''مراد! تم نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے، اپنا آپ گناہ گار لگ رہا ہے مجھے، مہ روش کو میں بیٹی بنا کر لائی تھی اس گھر میں، مگر تم نے اس کے لیے یہ گھر جہنم بنا دیا ہے، اللہ کے عذاب سے ڈرو، ظلم کرنے والا اللہ کو پسند نہیں ہے۔''

''پلیز امی! اسی لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو پتہ چلے۔'' وہ سخت بیزار ہوا۔

''مراد! تم جو کر رہے ہو اسے یہیں ختم کر لو۔'' بیٹے کی خودسری نے انہیں التماس پر مجبور کیا تو التجائیہ بولیں۔

''نہیں امی۔۔۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا، پھر مزید بولا۔ ''میرے دل میں کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، آپ اپنی بیٹی کی زندگی داؤ پر لگانے والوں سے چاہے لاکھ محبت کا اظہار کریں مگر میرے دل میں میری بہن کی زندگی کو رسوائی کے بھنور میں ڈالنے والوں کے خلاف زہر بھرا ہے، میں چاہوں بھی تو اس نفرت کو نہیں مٹا سکتا جو میں وقار اور اس سے کی بہن سے کرتا ہوں۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

''تم آئندہ ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے مہ روش پر۔'' انہوں نے بات بدلی، مراد کو اپنی بات پر اٹل دیکھ کر انہیں سخت مایوسی ہوئی تھی۔

''پھر اسے سمجھائیں آپ، میرے خلاف جانے کی کوشش کبھی نہ کرے۔'' کلثوم بیگم کے ساتھ طویل ہوتی بحث لاحاصل، بے فائدہ تھی، سپاٹ لہجے میں کہتا وہ وہاں رکا نہیں تھا، اس کے جانے کے بعد وہ خالی ذہن کے ساتھ وہیں بیٹھ گئی تھیں، کچھ بھی ان کے اختیار میں نہیں تھا وہ جا کر مہ روش کو دلاسہ یا ہمت دیتیں، بس شرمندگی اور ملال تھا جو ختم ہونے کو نہیں آ رہے تھے۔

مہ روش اپنے کمرے میں ہی بند تھی، ٹینشن اور بے تحاشہ رونے سے اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، ٹیبلٹ لے کر لیٹ گئی تھی مگر نیند آنکھوں سے دور تھی، ذہن میں دن بھر میں ہوئی تمام باتیں بار بار ریوائنڈ ہو رہی تھیں، اپنے اور مراد کے تعلق کی اصلیت کا پھپھو پر انکشاف اسے ہنوز اپنی ہی نظروں میں شرمندہ کر رہا تھا، آنکھوں کی نمی کو چھپانے کے لیے اس نے بازو آنکھوں پر رکھا ہوا تھا، پھپھوا سے رات کھانے کے لیے بلانے آئیں تو اس نے منع کر دیا، انہوں نے زیادہ انسسٹ نہیں کیا تھا البتہ دودھ کا گلاس اپنے سامنے اسے پلا کر آرام کی تاکید کرتیں لائٹ آف کر کے چلی گئی تھیں، وہ خاموشی سے لیٹی رہی تھی۔ دروازے کی آہٹ پر بھی اس نے توجہ نہیں دی تھی، مراد منصور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی تھی، مہ روش کو دم سادھے لیٹا دیکھ کر وہ دروازہ لاک کرتا اسی کی طرف آہستگی سے بڑھ کر اس کے بازو کو آنکھوں سے ہٹایا تھا، اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا، مراد نے استہزائیہ اسے گھورا تھا۔

''سکون مل گیا ہو گا تمہیں؟''

''خواہش تو آپ کی پوری ہوئی ہے۔'' وہ بھی طنزیہ ہوئی، اٹھ کر بیٹھی۔

''کسی کو بتانے کا کھیل یہیں ختم ہوا ماہ روش، تمہاری مرضی تم جسے بتانا چاہو بتاؤ، چھپانا چاہو چھپاؤ، مجھے کوئی غرض باقی نہیں ہے، یہ قصہ کہانی نہیں ہوگا، اب پریکٹیکل لائف میں پریکٹیکل طریقہ ہوگا۔'' وہ بولا تھا۔

''میرے لیے تو یہ کبھی بھی قصہ کہانی نہیں تھا۔'' وہ تلخ ہوئی تھی۔

''اپنے ارادے میں ناکام ہونے کے بعد آپ خود کو مطمئن کرنے کے لیے اسے قصہ کہانی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں بچا، آپ کا جلالی غصہ، مار پیٹ بھی سب بے کار نکلے، مجھے بے بس کمزور کر کے بھی آپ بدلے کی آگ نہیں مٹا سکے، نہ کھلے عام وقار بھائی سے کچھ کہہ سکے، قصہ کہانی تو یہ آپ کے لیے تھا، میں نے تو حقیقت کو بہت پہلے قبول کر لیا تھا اور اب تک اپنی بات پر قائم ہوں۔''

''پھر بھی تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔'' مراد کے لہجے میں فطری اکڑ اور انا کا غلبہ تھا۔

''کیسا مقابلہ؟'' وہ پھیکی ہنسی ہنسی، مراد منصور اس وقت غصے کو کنٹرول کر کے اس کے پاس آیا تھا۔

''تم کچھ نہیں کر سکتیں۔'' سونارمل لہجے میں بولا۔

آپ کیا کر سکتے ہیں؟'' ماہی نے برجستہ سوال الٹا کر اس سے پوچھا۔

''کچھ بھی۔۔۔'' مختصر الفاظ وہ دوٹوک انداز میں چبا کر بولا۔

''تو کر کے دیکھ لیں، ساری عمر پڑی ہے، زندگی کو لمحہ لمحہ دیکھا جائے تو بہت طویل ہے، میری طویل مسافت کو آپ کتنا بدترین تلخ بنا سکتے ہیں؟ کتنی سختیاں میری زیست کی کتاب پر لکھ سکتے ہیں؟ کس قدر مجھے بے بس کر سکتے ہیں؟ میرے اندر بکھری کرچیوں سے کس حد تک مجھے اذیت و تکلیف دے سکتے ہیں؟ اب اور کیا خاص کر سکتے ہیں آپ میرے ساتھ؟'' اس کا انداز چیلنجنگ تھا، مراد منصور نے اپنے عمل و کیے سے انجانے میں اسے اندر سے مضبوط بنا دیا تھا، اپنی زندگی کی تلخ سچائی نے اسے اندر سے بے خوف اور نڈر کر دیا تھا۔

''تمہاری ڈھٹائی کی داد دینی پڑے گی، میرے سامنے تن کر کھڑے ہونے کا ہتھیار دیکھ لینے کے باوجود تمہاری اکڑ ختم نہیں ہوئی؟ ایک ایک لمحہ عذاب کر دوں گا میں تمہارے لیے۔'' وہ کچھ حیران بھی ہوا تھا کہ اب تک تو ماہی کو اپنے چاروں شانے چت کر کے اس کے سامنے جھک جانا چاہیے تھا مگر ایسا ہوا نہیں تھا یا ماہی ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی، وہ خطرناک و غضب ناک آواز میں کاٹ دار لہجے میں بولا۔

''عذاب سارا تو جھیل چکی ہوں میں، اب بھی کوئی عذاب لمحہ رہتا ہے؟'' وہ مصنوعی حیرت سے پوچھتی از حد سنجیدہ تھی، مراد نے عجیب نظروں سے ماہی کو دیکھا تھا، کہیں سے بھی تو وہ کمزور نہیں لگ رہی تھی، اتنی ہمت اور اعتماد وہ ماہی سے توقع نہیں کر رہا تھا۔ وہ شاید جانتا نہیں تھا کہ بعض اوقات مرد کا بھیانک، سفاک، بے حس روپ ایک ڈری، سہمی ہوئی کمزور عورت کو بھی مضبوط بنا دیتا ہے، عورت کا دل نرم موم جیسا ہوتا ہے، جسے مرد پتھر بناتے ہیں، عورت کے احساسات و جذبات میں سرد کڑواہٹ و زہر بھر کر اسے کٹھور بننے پر مجبور کرتا ہے اور مہ

روش اسی کی وجہ سے سنگدل، بے حس اور اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اندر سے چھلنی چھلنی ہوگئی تھی، آج کے بعد اس نے بولنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا مگر آج کے دن وہ بولنا چاہتی تھی، اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے اس کے مقابل کھڑی تھی۔

''عورت کو مرد حقیر سمجھ سکتے ہیں، اس سے ناروا سلوک کرتے ہیں، عورت کی زندگی عذاب کرتے ہیں، جب جب اس عورت سے ان کا رشتہ مرد اور عورت والا ہوتا ہے۔ باپ، بھائی یا بیٹے والا نہیں، میں کسی اور کی بہن اور بیٹی تھی جبھی آپ کا جیسا دل چاہا سلوک کیا، مگر آپ کو اب احساس نہیں ہوسکتا، آپ کو احساس دلانا ضروری ہے مراد! اور میری بددعا ہے، اللہ آپ کو بیٹی دے، جس کا نصیب میرے جیسا ہو، جسے آپ جیسا مرد ملے، جو آپ کی بیٹی کی زندگی اجیرن کرے، تب احساس ہوگا آپ کو تکلیف اور درد کیا ہوتا ہے، عذاب لمحے کسے کہتے ہیں۔'' وہ دل کا غبار مزید نکالتی اس سے پہلے مراد منصور نے ضبط کا دامن چھوڑ دیا تھا، وہ جو غصہ کنٹرول کر کے آیا تھا ایک ہی جاندار، کڑا کے دار تھپڑ سے اسے روک دیا۔

''بکواس بند کرو اپنی۔'' سخت ناگواری سے چلایا تھا۔

''نہیں مراد! میری بددعا فرش سے عرش تک جائے گی، قبول ہوگی، تب آپ اپنے کھیل کو مجبور ہو کر ختم یا بند کریں گے۔'' سلگتے گال پر ہاتھ رکھے وہ سلگتے انداز میں بولی تھی، یہ گھڑی اس کے صبر کو زیر کیے اسے اپنی ہی اولاد کے حق میں بددعا دلا رہی تھی مگر وہ حواس میں تھی ہی کہاں، اسے اپنا اندر پنپتا وجود بہت ناگوار گزر رہا تھا۔ جس کے ہونے کا احساس اسے مراد کے بھیانک روپ کی اصلیت بن کر تڑپا رہا تھا۔

''مجھے بیٹی نہیں چاہیے۔'' وہ حکمیہ چلایا۔

''یہ آپ کے یا میرے اختیار میں نہیں ہے مگر آپ کے ہاں بیٹی ہی ہوگی۔'' وہ کہتے ہوئے عجیب وثوق سے ساتھ بولی تھی۔

''پھر اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' مراد نے اپنا فیصلہ بھی لمحوں میں اسے سنا کر اس کی بددعا کو رد کرنا چاہا تھا۔

''تعلق تو لازمی ہوگا مراد! اور اس تعلق کا احساس بھی آپ کو ضرور ہوگا جب آپ کی بیٹی کا نصیب آپ جیسا مرد ہی لکھنے کی کوشش کرے گا۔'' وہ ٹھوس آواز میں بولی تھی، اس لمحے وہ بے رحم بنی تھی، مراد منصور کو وہ اس وقت زہر لگی تھی، اسے مزید سننا اس کے بس سے باہر تھا جبھی اپنے ہی طریقے سے اسے چپ کروانے آگے بڑھا تھا۔

☆......☆......☆

''افریشم جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔'' ساجدہ گیلانی ناراض سی سخت لہجے میں بولیں۔

''آپ کو مجھ پر۔۔۔ میری بات پر یقین نہیں ہے؟'' وہ الجھا۔

''یقین تھا جبھی تمہیں وہاں بھیجا لیکن تم روگ سے نکلنا ہی نہیں چاہتے، افریشم کو تو کچھ نہیں پتہ تھا، پھر اسے کیا سوجھی پوچھنے کی؟ تم

نے اپنا حال ہی ایسا بنایا ہوگا۔'' وہ غصہ تھیں، افریشم کے پوچھنے کے بعد تو ان کی فکرمندی میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

''نہیں مما! آپ کو تو پتہ ہے افریشم کا، جس کے پیچھے پڑ جائے پھر اسے نہیں چھوڑتی۔'' موبائل دوسرے کان سے لگاتے ہوئے اس نے پاس کھڑی افریشم گیلانی کو گھورا تھا جس کی وجہ سے اس وقت مما اس سے ناراض ہو رہی تھیں۔

''تمہاری باتیں مجھے اب محض بہلاوا لگ رہی ہیں علی۔'' وہ اس کی بات نظرانداز کرتیں سیریس تھیں، اس کو صاف لفظوں میں کہا۔

''پلیز مما! ٹرسٹ می۔۔۔'' وہ دلیلیں دے کر تھک گیا تھا۔

''اپنی فکر کیوں نہیں کرتے تم۔۔۔؟'' وہ بھی چڑ گئی تھیں۔

''کرتا ہوں میں، خواہ مخواہ افریشم نے آپ کو پریشان کر دیا ہے، مجھے بھی پوچھ پوچھ کے تنگ کر رہی ہے اور اب میرے سامنے کھڑی دانت نکال رہی ہے، اچھا خاصہ ایڈجسٹ کر چکا تھا میں یہاں کہ اس نے آپ کو کال کر دی۔'' انہیں کہتے ہوئے وہ افریشم کو دیکھ رہا تھا جو زیرلب مسکرائے جا رہی تھی۔

''اگر وہاں بھی تمہارے ساتھ مسئلہ ہے تو واپس آ جاؤ۔'' وہ علی کی باتوں سے بےفکر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔

''آئی پرامس یو مما! آئندہ ایسا نہیں ہوگا، میں اپنا خیال رکھوں گا، آپ کے لیے۔'' وہ بات بگڑنے سے بچانے کے لیے فوراً بولا، انداز محبت بھرا تھا۔

''اگر نہ رکھا تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔'' ساجدہ گیلانی نے فل اینڈ فائنل بات کی، ٹال مٹول انہیں پسند نہ تھی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' اس نے یقین دلایا۔

''اگر ہوا تو۔۔۔؟'' وہ مشکل سے ہی اس کے لیے مطمئن ہو سکی تھیں۔

''اگر مگر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔'' نرمی سے ماں کی بات کاٹ کر وہ انہیں ریلیکس کرنے کے لیے بولا تو انہوں نے بہت سی تاکید کے ساتھ بات ختم کی۔ علی نے مسکرائے ہوئے کال ڈسکنیکٹ کی اور مصنوعی تیوروں سے افریشم کی طرف مڑا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا۔۔۔؟'' علی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کھلکھلا کر پوچھا۔

''بہت مزہ آ رہا ہے تمہیں؟'' وہ طنزیہ ہوا، دونوں پارک میں تھے۔

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مسکرا تو ایسے رہی تھیں جیسے سب کچھ بہت انٹرسٹنگ ہو رہا تھا۔'' وہ روکھا سا بولا۔

''سب کچھ تو نہیں البتہ بہت انٹرسٹنگ لگ رہے تھے۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''اچھا۔۔۔!'' علی نے پھر سے اسے گھورا۔

''اور نہیں تو کیا۔'' چلتے ہوئے درخت کی شاخ کو پکڑ کر اس نے چھوڑا تھا۔

''تمہاری وجہ سے وہاں مما میرے لیے پریشان ہو رہی ہیں۔''

''میری نہیں تمہاری اپنی وجہ سے۔''افریشم نے تصحیح کی۔

''واپس آنے کا کہہ رہی تھیں مما مجھے۔''علی نے بتایا۔

''تو۔۔۔؟''وہ سنجیدہ ہوئی۔

''ابھی تو میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''کبھی تو جاؤ گے۔''

''ہاں، جانا تو پڑے گا۔''وہ بولا۔

''خود پر یقین ہے، مستبشرہ کو بھلا سکو گے؟''وہ بغور اسے دیکھتی پوچھنے لگی۔

''خود پر یقین ہوتا اگر دل ساتھ دیتا تو۔''وہ مختصراً مگر ٹھوس بولا۔

''مستبشرہ بہت خوبصورت تھی؟''افریشم نے پرشوق انداز میں پوچھا۔

''میرے لیے بہت خاص تھی۔''وہ اپنی ہی دھن میں بولا۔

''کوئی کسی کے لئے اتنا خاص بھی ہو سکتا ہے؟''وہ محوِ حیرت ہوئی۔

''کسی کا تو مجھے نہیں پتہ، میرے لیے اس سے بڑھ کر کچھ خاص نہیں ہے۔''وہ اولین چاہت کی شدت کو لفظوں میں سمو کر بولا۔

''آئی ایم شاکڈ۔۔۔آئی مین اِٹس امیزنگ۔''افریشم نے حیران اور کچھ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھا تھا، علی کا محبت میں یہ انداز اسے سب سے جدا لگا تھا، بہت منفرد، بہت خاص لگا تھا۔

ایسی چاہت تو ہر لڑکی کا خواب ہو سکتی ہے، مستبشرہ نے یقیناً افریشم کے نزدیک اپنے حق میں برا کیا تھا، علی کی دیوانگی اور عشق و محبت نے انجانے میں اسے اپنی طرف اٹریکٹ کیا تھا، اس نے پہلی مرتبہ علی کو بہت خاص انداز میں خاص نظروں سے دیکھا تھا، یہ پہلی نظر کی محبت نہیں تھی مگر احساس بہت خوبصورت تھا۔

''اگر آنٹی میری وجہ سے پریشان ہوئی ہیں تو آئی پرامس یو علی! میں ہی ان کی پریشانی ختم کروں گی، تمہیں تم پر یقین دلا کر ان کی فکر رفع کروں گی۔''جبھی فوراً بولی، نظریں اس کے وجیہہ مگر سنجیدہ و قدرے افسردہ چہرے پر جمی تھیں۔

''آئی وش کہ تم ایسا کر سکو۔''

''میں ایسا ضرور کروں گی۔''وہ پختگی سے بولی، دل میں ارادہ باندھ کر اب اسے اپنا کہا سچ کرنا تھا، علی کی رفاقت میں چلتے ہوئے وہ آئندہ کے متعلق ہی سوچنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

فضا میں غمگین سا ٹھہراؤ آ گیا تھا، ماحول میں چھائی سوگواریت مزید بڑھی تھی، سب کی آنکھیں پرنم تھیں، وہ سب فوراً سے بولنے کی سکت سے عاری تھیں، مہ روش، نایاب کو خود سے بھینچے بے بسی سے روئے جا رہی تھی، معطر فاطمہ، درعدن اور مستبشرہ اس کے دکھ کو محسوس کرتیں، کچھ بھی کہنے، دلاسہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھیں، گہرے رنج کی لہر ان کے دل میں تھی، ماہی کی کیفیت پر وہ کچھ بھی تو نہیں کہہ سکی تھیں۔

''مراد کی وجہ سے میں نے اپنی اولاد کے لئے بد دعا مانگی، مجھے اس وقت کچھ ہوش نہیں تھا، اپنا دکھ ہی نظر آ رہا تھا، اپنی تکلیف کا احساس ذہن میں باقی تھا، میں مراد کو تکلیف دینا چاہتی تھی مگر میری بد دعا میرے لیے ہی تکلیف کا باعث بنتی جا رہی ہے۔'' ماہی نے ہی سنبھلنے کی کوشش کے ساتھ بولنا چاہا تو ایک ایک لمحے کی بے سکونی اور اذیت اس کی آواز سے عیاں ہونے لگی تھی۔ نایاب ان چاروں کی روتی آنکھوں کو عجیب مگر معصومانہ انداز میں دیکھتی مہ روش کے ساتھ سمٹی ہوئی تھی، اس کے معصوم، کچے ذہن میں یہ باتیں نہیں رک رہی تھیں، معطر فاطمہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے اسے اپنے پن کا احساس دلانا چاہا، ماہی نے اپنے اور اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے اب بہت ڈر لگتا ہے معطر! عرصہ بیت گیا اس اپنائیت بھرے احساس کو محسوس کیے، ہر وقت تنہائی، گھٹن کا احساس سائے کی طرح ساتھ رہا ہے، میں تو خود سے بھی انجان ہو گئی ہوں۔'' وہ حسرت زدہ ہوئی۔

''ماہی! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' عدن آہستگی سے بولی۔

''ہاں پر جسے میرا ساتھ دینا چاہئے تھا اس نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا، اس کی نظر میں میری کوئی وقعت نہیں ہے، اس کا نام تو میرے نام سے جڑا ہے، مگر ایک تشنگی سی مجھے اندر سے نچوڑ رہی ہے۔'' وہ آزردہ تھی، دھیرے سے بولی۔

''مراد بھائی کو کبھی تو احساس ہوا ہوگا؟'' مستبشرہ جمال نے بات آگے بڑھانی چاہی۔

''نہیں، کبھی بھی نہیں۔۔۔ میری بد دعا مجھے ہی تکلیف دیتی آ رہی ہے، مراد نے تو ہر تعلق، ہر بار نئے سرے سے توڑا ہے، انہیں کسی کی پرواہ ہے کہاں جو کبھی احساس کرتے، وہ تو ہر غم سے بے غم ہیں، میری زندگی تباہ کرنے کے بعد ہی تو وہ اپنی زندگی سہل انداز میں گزار رہے ہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ توقف کے لیے گہری خاموشی اپنائی، وہ تینوں یاس میں ڈوبی تھیں۔

''نایاب کی پیدائش کے بعد ہی مجھے اپنی بد دعا کی سنگینی کا احساس ہوا تھا مگر تینوں بار میں نے مراد کو جانتے بوجھتے یہی بد دعا دی ہے۔'' وہ پھر سے بولی تھی، دل کے زخم آج پھر تازہ ہو رہے تھے، آج وہ خود کو رونے سے باز رکھ رہی تھی، نہ اپنی بے بسی کو زبان دینے سے کترا رہی تھی۔ وہ تینوں خاموشی سے اس کو سن رہی تھیں۔

''میری بد نصیبی کہ اپنی بد دعا کے ہاتھوں میں نے مراد کو اپنی اور اپنی اولاد دونوں سے غافل کر دیا، مجھے اب اپنی پروا نہیں ہے لیکن میرا دل میرے جسم کا ہر عضو دعا کرتا ہے کہ میری بد دعا قبول نہ ہو، میرے جینے کی وجہ ہی میری بچیاں ہیں، اگر ان کو کچھ ہو گیا تو آخرت میں

بھی خود کو معاف نہیں کرسکوں گی۔" وہ دلگرفتہ تھی، ماحول میں چھائی اداسی لمحہ لمحہ بڑھتے جا رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا ماہی۔۔۔" مستبشرہ نے نایاب کو اپنے پاس لیتے ہوئے کہا۔

"میں تو ہر پل چاہتی ہوں کہ ایسا نہ ہو مگر قسمت کا تو کچھ پتہ نہیں چلتا، زندگی کب اذیتوں کے بھنور میں پھنستی ہے، خواہشات کب کیسے کوئی روندڈالتا ہے، مرد عورت کو کچھ نہیں سمجھتے، عورت کے دکھ درد کو سمجھتے ہیں نہ ان کا مداوا کرنا جانتے ہیں، مرد اپنی انا کا بھرم قائم رکھنے کے لیے کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے، عورت چاہے گھٹ گھٹ کر جیئے یا جینا ہی چھوڑ دے، مرد عورت کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑتا، اپنے بدترین رویے کی تلافی کرنا نہیں جانتا، جو جیسا چلا آرہا ہوتا ہے اسے چلاتا ہے، عورت چاہے ماں ہو، بیٹی ہو یا بیوی، مرد صرف اسے بے بس کرنا جانتے ہیں، اس پر حکمرانی چاہتے ہیں، سارے نہ سہی پر مراد جیسے مرد عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں زخمی آواز سے بول رہی تھی، وہ تینوں ملول دل کے ساتھ اسے سن رہی تھیں، نایاب، مہ روش کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو نگاہ ٹکائے دیکھ رہی تھی، ان آنسوؤں کی وجہ تو وہ کبھی بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی تھی مگر اس نے مہ روش کی آنکھوں کو بے شمار بار نمی سے تر دیکھا تھا۔

"اور وقار بھائی۔۔۔" عدن نے سوالیہ اسے دیکھا۔

"پہلے مجھے ان سے بے حساب شکوے گلے تھے، جن کا مراد کی وجہ سے میں نے کبھی ان سے یا کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا مگر جب کیا تو بے کار کیا، سب مرد ایک جیسے بھی نہیں ہوتے، وقار بھائی بیشک میری بربادی کی وجہ بنے تھے مگر میری قسمت میں ہی مراد کا ساتھ لکھا تھا، زندگی تو برباد ہونی ہی تھی، وجہ وقار بھائی بن گئے، مراد نے مجھے ان سے انتقام کی بھینٹ چڑھایا، اب تو سختیاں دیکھنے اور جھیلنے کی عادت بن گئی ہے، زندگی کی ڈگر کس وقت کون سے موڑ پر لے جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ایک کسک تھی اس کے لہجے میں جسے وہ بے اثر انداز میں ظاہر کرتی یا سیت مگر جبراً بے پرواہی سے بولی۔

اس کا حوصلہ باقی تینوں کے لیے قابل دید تھا، وہ تینوں دنگ سی تھیں، نشیب و فراز میں ڈولتی مہ روش اب اندر سے کافی مضبوط ہوگئی تھی، وہ تینوں اسے ہمت دیتیں یا دکھ کا اظہار کرتیں؟ مہ روش نے گال پر پھسلتے ہوئے آنسوؤں کو پوروں سے صاف کیا، کرب سے اس کی آواز گویا بیٹھ گئی تھی، گلا خشک ہوا تھا، معطر نے گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا، اس نے تین گھونٹ پانی پی کر گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"مراد مجھے زندہ زندان میں بھی ڈال دیتے پر رشتوں کی بے اعتباری نہ سونپتے، محبت میں دھوکہ دے کر میری روح کو گھائل نہ کرتے۔" وہ سسکی تھی، مستبشرہ جمال نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔ ماہی ہی تھی جو اسے سب سے زیادہ علی کو محبت کے پر بہار موسم اور خوبصورت مزاج سے ہٹانے سے روتی رہی تھی، اسے محبت کے استعمال سے باز رکھنا چاہتی تھی تاکہ بعد میں اسے دکھ نہ ہو، وہ نہ پچھتائے، اپنے کیے کا ازالہ اسے خود نہ کرنا پڑے اور اب وہی۔۔۔ محبت کے ہاتھوں تڑپ رہی تھی، محبت اس کے لیے محض عذاب ثابت ہوئی تھی، اپنے دکھ سے زیادہ اس لمحے وہ ماہی کے لیے کرب سے گزری تھی، محبت کے کتنے حسین، خوشگوار، انمول روپ ہوتے ہیں مگر بعض اوقات

کوئی ایک ایسا کیوں زندگی میں آجاتا ہے جو محبت کے رنگ پھیکے کر دیتا ہے، محبت کو بدصورت روپ دے کر محبت سے دل متنفر کر دیتا ہے، وہ شرمندہ سی کلس کر رہ گئی تھی، اسے خود میں اور مراد منصور میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آیا تھا، دونوں نے محبت کو ٹشو پیپر کی صورت ہی تو استعمال کیا تھا، علی آیان حسن گیلانی اور مہ روش سعید کی زندگی میں دونوں نے اپنی اپنی جگہ محبت کی چاشنی کو زہر میں بدلا تھا، اسے خود پر، مراد منصور پر بے تحاشہ غصہ آنے لگا تھا، سر ہاتھ پر ٹیک کر اپنی اور مراد کی سنگینی کا موازنہ کرتی وہ خود کو بہت کم تر، حقیر محسوس کر رہی تھی۔

''کیا ہوا مستبشرہ؟'' نایاب اتر کر دوبارہ مہ روش کے پاس گئی تو درعدن نے اسے پکارا۔

''مجھے مراد بھائی اور خود میں کوئی فرق نظر نہیں آرہا۔'' وہ عمیق مایوسی میں غرق تھی، شرمندگی سے بولی۔

''ایسا نہیں ہے مستبشرہ۔'' ماہی نے فوراً اسے ٹوکا۔

''ایسا ہی ہے ماہی۔'' شرمندگی سے اس کی آواز روہانسی ہوئی۔

''نہیں مستبشرہ! نہیں، تم خود کو مراد کے ساتھ مت ملاؤ، وہ بہت برے ہیں، انہیں کبھی کوئی شرمندگی نہیں ہوئی، تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے اور تم نے تو علی کی بھلائی کے لیے ہی سب کیا تھا، مراد کی طرح عمر بھر کی بربادی کا سامان تو اس کے لیے پیدا نہیں کیا، تمہارے دل میں اس کے لیے نفرت کا انتقام کی آگ نہیں تھی، نہ تمہارا روپ سنگین اور سفاک تھا۔'' ماہی نے اس کی گلٹی کو کم کرنے کے لیے صاف کیا۔

''نہیں ماہی! علی کے لیے تو میرا روپ سفاک، سنگین اور بے حس ہی تو تھا، میں نے محبت کو اس کے لیے بربادی کا سامان ہی تو بنایا تھا۔ خالی ہاتھ ہو جانے کے بعد شرمندگی اور احساس کس کام کے ہیں؟ میں نے اس کی بھلائی کے لیے اسے اپنے بدصورت بہروپ کا احساس دلانا چاہا تھا مگر وہ میرے بہروپ کی اصلیت تو نہیں جانتا تھا اور ضروری تو نہیں جیسا میں نے سوچا تھا اس کے ساتھ ویسا ہی ہوا ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''وہ سنبھل گیا ہے مستبشرہ۔'' جبھی معطر فاطمہ ہونے سے بولی، مستبشرہ جمال سمیت ماہی اور عدن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم ملی ہو علی سے؟'' مستبشرہ بے یقین اور خوشگوار احساس سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جبکہ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

''ہاں لیکن۔۔۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے بات مکمل نہیں کی تھی۔

''لیکن کیا؟'' عدن نے برجستہ استفسار کیا، ماہی خاموش تھی، مستبشرہ کی نگاہوں میں بے چینی تھی، اندر دھڑکتا دل اپنی رفتار سے زیادہ تیزی سے بے ترتیب انداز میں دھڑکا تھا۔

''اس کی زندگی میں کوئی اور لڑکی آگئی ہے، افریشم۔۔۔ اس کی کزن، ان دونوں کی شادی۔۔۔'' معطر نے اٹک اٹک کر کہتے ہوئے پھر سے بات ادھوری چھوڑی تھی کہ مستبشرہ جمال کی آنکھوں سے نکلتے آنسو گلاسز کے پیچھے سے بھی واضح دکھائی دے رہے تھے۔ وہ

تینوں مستبشرہ کی کیفیت کا اندازہ سیکنڈ کے ہزارویں لمحے میں کرتیں خاموش نگاہوں سے مستبشرہ جمال کو دیکھتیں ملال میں گھری تھیں اور مستبشرہ جمال۔۔۔اسے اپنی دھڑکنیں بیٹھتی محسوس ہوئی تھیں۔

''کیا علی واقعی اسے بھول کر اپنی زندگی جینے لگ گیا تھا؟'' یہ سوچ اسے نا قابل برداشت ناگوار گزری تھی، علی کی زندگی میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی مگر وہ چاہتی یہی تھی، وہ عجیب کھوئی نگاہوں سے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتی آنکھوں سے برستی برسات کو روک نہیں سکی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کچن میں صبح سے مصروف تھی، چھ سالوں میں آصفہ بیگم اور فہمیدہ بیگم نے اسے گھریلو امور میں ماہر بنا دیا تھا، کچن کے کاموں سے لے کر گھر تک کی صفائی اس نے اپنے سر پر لے لی تھی، ان چھ سالوں میں وہ ساری کی ساری بدل گئی تھی، فطری و مزاجی بچکانہ پن پر سنجیدگی و سمجھداری کی پوشاک ڈالے عادتاً بے پرواہ رہنے والی فلک شاہ اپنی شخصیت میں ٹھہراؤ اور توازن لے آئی تھی، اس سب میں کچھ گزرتے ماہ و سال کا ہاتھ اور کچھ اس کے دل میں موجود محبت اسے بدل گئی تھی جسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی، جو اس کی متاع جان، متاع حیات تھی، وہ مشارب شاہ کی پسند میں مکمل طور پر ڈھل گئی تھی، ڈائجسٹ پڑھنا، انٹرنیٹ یوز کرنا، تیمور عثمان سے لڑنا، اس نے چھوڑ دیا تھا، محبت نے اسے مکمل سنجیدہ بنا دیا تھا لیکن وہ خوش تھی، اندر سے مطمئن تھی، ایک سکون سا اس کی روح کو قرار بخشتا آ رہا تھا، اس نے ہر لمحہ محبت کے احساس کو بھرپور انداز میں محسوس کیا تھا، مشارب شاہ کی خواہش پر F.A کے بعد اس نے پہلے B.A اور پھر M.A میں ایڈمیشن لیا اور محبت کی لگن ہر امتحان میں اسے کامیاب کرتی گئی تھی البتہ اپنے فیصلے پر وہ اب بھی قائم تھی، مشارب شاہ کی طرف سے ہنوز اعتراف کی منظر وہ اپنے دل کا حال منکشف اثبات میں کرنا چاہتی تھی۔

کل مشارب شاہ نے کال کر کے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی، آج صبح سے ناشتے کے بعد وہ کچن میں مصروف اس کی فیورٹ ڈشز بنا رہی تھی، فہمیدہ بیگم اس کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھیں، اس نے انہیں منع کر دیا تھا، 12 بجے تک تمام کام نمٹا کر کمرے میں آئی اور ٹیبل کی طرف گئی، موبائل اٹھایا اور مشارب کا نمبر ڈائل کیا، دوسری بیل پر کال پک کر لی گئی تھی۔

''ہیلو مشارب شاہ۔۔۔'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں اس کا نام لیا تھا۔

''کہیے مس فلک شاہ'' وہ مبہم سے لہجے میں بولا۔ ان چھ سالوں میں فلک شاہ کی شخصیت کے بدلاؤ، مزاج میں ٹھہراؤ نے مشارب شاہ کو مطمئن کیا تھا، وہ فلک کو ہمیشہ سے پرفیکٹ دیکھنا چاہتا تھا اور وہ پرفیکٹ بن گئی تھی، اس کے کہنے پر ایک بہتر زندگی کے لیے، فلک کو تنگ کرنا، سکون کی دشمن کہنا اس نے ترک کر دیا تھا۔

''اور کتنا ٹائم لگے گا تمہیں پہنچنے میں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''تقریباً آدھا گھنٹہ۔'' اس نے بتایا۔

''اوکے، میں پھر انتظار کرتی ہوں، کھانا وغیرہ بنالیا ہے میں نے، جلدی سے آجاؤ۔'' وہ بولی اور موبائل رکھنے لگی۔

''اچھا سنو۔۔۔'' مشارب نے برجستہ اسے روکا۔

''سناؤ۔'' وہ مسکرائی۔

''تم تھوڑا اور انتظار کر لینا، میں سوچ رہا ہوں، راستے میں مستبشرہ سے بھی ملتا آؤں، ابھی وہ اسکول میں ہی ہوگی۔'' وہ کہنے لگا۔

''ہاں، مگر نہیں۔'' فلک نے فوراً منع کیا۔

''کیوں؟''

''میں کل سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں، صبح سے تمہارے لیے کچن میں ہوں، تمہارا حق بنتا ہے سب سے پہلے مجھ سے ملو، انڈر اسٹینڈ؟'' وہ صاف بولی۔ محبت کے معاملے میں وہ خودغرض تھی، مشارب کا دھیان صرف خود پر چاہتی تھی۔

''دھونس جمانا چاہ رہی ہو؟'' وہ غیر سنجیدہ ہوا۔

''اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو یونہی سہی، پہلے تم گھر ہی آؤ گے۔''

''اوکے میم، کوئی اور حکم؟'' وہ ہنسا۔

''فوراً سے پہلے آؤ۔'' وہ برجستہ بولی۔

''تم فون رکھو، میں بس آیا۔'' اس نے کہا تو فلک نے کال ڈسکنیکٹ کی، وارڈ روب کی طرف گئی، ہینگر سے خوبصورت سا سوٹ نکالا اور پہنا اور گنگناتے لبوں کے ساتھ خوشگواری دل کے ساتھ آئینے کے سامنے گئی، آنکھوں میں انتظار کے جگنو تھے، پہلے سے ترتیب شدہ بالوں کو پھر سے ٹھیک کیا، بہتر انداز میں سلجھایا، فوریٹ پرفیوم اسپرے کیا اور محبت کے سروں پر دھڑکتے دل کو سنبھالتی باہر لاؤنج میں آئی، جہاں گھر کے باقی مکین بھی موجود تھے، وہ آصفہ بیگم کے پاس براجمان ہوئی، ان کے کندھے پر سر ٹیک کر ان سے باتیں کرنے لگی، تھوڑی دیر بعد ہارن کی آواز آئی تھی، وہ یکدم اٹھی تھی۔

''مشارب آگیا ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی باہر کی جانب گئی تھی، آصفہ بیگم اس کے انداز پر زیرِلب مسکرائی تھیں جبکہ فہمیدہ بیگم بولے بنا نہ رہ سکی تھیں۔

''کتنی بار اس سے کہا ہے کہ نام سے مت پکارا کرے مشارب کو، مگر مجال ہے جو اثر لے۔''

''ارے فہمیدہ! کچھ نہیں ہوتا، بچی ہے، سمجھ جائے گی، جہاں اتنا بدل گئی ہے، ذمے دار، سمجھدار ہوگئی ہے وہاں اتنی سی بات پر مت ڈانٹو اسے۔'' آصفہ بیگم نے انہیں کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے آپا! مگر برا لگتا ہے، گھر والوں کی تو خیر ہے کوئی اور سنے گا تو کیا کہے گا؟'' انہیں فکر تھی، جوان بیٹی کی ماں چھوٹی

چھوٹی باتوں کو لے کر اتنا تو ضرور سوچتی ہے، آصفہ بیگم نے ان کی فکر رفع کرنے کا اسی لمحے سوچا تھا۔ اس مرتبہ ویسے بھی ان کا ارادہ مشارب اور فلک کی نسبت باقاعدہ طے کرنے کا تھا۔

''کیسے ہو مشارب شاہ؟'' وہ گاڑی لاک کر کے باہر نکلا تھا، جب فلک اس کے قریب آئی تھی، ان گزرے چھ سالوں میں ہر مرتبہ وہ موبائل پر اس سے آنے کے متعلق پوچھتی گئی اور جب وہ گھر آ جاتا تو تب حال احوال پوچھنے کی طرف آتی۔

''فٹ اینڈ فائن۔'' وہ مسکراتی آنکھوں سے بغور اسے دیکھ کر بولا۔ وہ پہلے بھی خوبصورت تھی مگر خوشگواری دل اور احساس محبت نے ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی خوبصورتی کو نکھار بخشا تھا، اپنی روشن، گنگناتی آنکھوں اور کومل سی مسکراہٹ کے ساتھ بائیں گال پر پڑتے گہرے ڈمپل سے چاند کی چاندنی چرانے کے بعد وہ ہر بار اس کے سامنے آتی تھی، اپنی نادان محبت میں اتنی محو ہو کر کہ کبھی وہ یہ محسوس ہی نہ کر سکی کہ مشارب شاہ اسے اس نظر نہیں دیکھتا جس کی وہ خواہش مند تھی، جس نظر کی تپش وہ خواب میں بھی محسوس کرتی تھی۔

''اندر چلیں۔'' مشارب نے آگے بڑھتے ہوئے اسے پکارا۔

''ہاں۔'' وہ سر جھٹکتی اس کے ساتھ ہولی، دل مسرور تھا، فضاء میں جلترنگ سے بجتے محسوس ہونے لگے تھے، معصوم محبت کا ہر رنگ مسحور کن تھا، مشارب کی سنگت کا فسوں اسے خود بیگانہ کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

مدھم ہوائیں دھیرے دھیرے اس کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں، غروب آفتاب کا منظر بہت ٹھہراؤ سے گزر رہا تھا۔ شام کے سائے رفتہ رفتہ اپنا پڑاؤ ڈال رہے تھے، وہ خود کو ان اداس، ٹھہرے ہوئے لمحوں کا حصہ سمجھ رہی تھی، اس کے دل میں ویرانی کا پڑاؤ سالوں پرانا تھا، ایک خاموش سا سمندر لہروں کو منجمد کیے اس کی آنکھوں میں سکوت اختیار کیے اس کے پنہاں غم اور حالت زار کا عکس نمایاں کر رہا تھا، وہ اندر سے بری طرح انتشار کا شکار تھی، اپنی ذات آج چھ سال بعد بھی اس کو تنزل کا شکار نظر آ رہی تھی، وقت واقعی کبھی کسی کے لیے نہیں رکھتا۔

چھ سال کا عرصہ مزید اسے روند کر گزر گیا تھا مگر وہ آج بھی اسی کیفیت میں مبتلا تھی۔ وہی کرب، وہی ملال، وہی اذیت، وہی درد، وہی بے یقینی اسے اپنے گھیرے میں لیے تھی، طنز و تضحیک بھری نگاہوں کا سامنا آج بھی اسے تھا، اپنی بے قدری، اپنی بدنصیبی کو وہ اب بھی دل کے آر پار ہوتے دیکھ رہی تھی، اپنی ذات کے لیے تحقیر و تنفر وہ آج بھی قسمت کے ان صفحات پر دیکھ رہی تھی جنہیں مراد منصور لکھ رہا تھا، قسمت کی کتاب اس کے آنسو کو صفحات پر جذب کرتی، اپنی ساعتوں کو ناکارہ کرتی اس کی ہر آہ، ہر تکلیف کو رقم کرتی سفید کاغذ سامنے لائے جا رہی تھی، اور کالی سیاہی سے لبریز قلم مراد منصور کے ہاتھ میں تھا، جو بنا شرمندگی کے بڑی بے دردی کے ساتھ سفید کاغذوں کو سیاہ کیے جا رہا تھا۔

مہ روش سعید کے لیے برداشت کرنا بہت مشکل تھا مگر اب نہ چاہتے ہوئے بھی، اپنی ذات کی پرواہ کیے بغیر اسے خاموشی سے سب سہنا تھا، اپنے لیے جینے کی اب اسے کوئی خواہش نہیں تھی مگر اسے جینا تھا، خود کے لیے نہ سہی پر اپنی دو معصوم بچیوں کے لیے، جو اس کی

بد دعا کا خمیازہ بھگت رہی تھیں، اس تیسرے وجود کے لیے جو اس کے اندر سانس لے رہا تھا جس کے لیے مراد منصور کے سامنے اس کے منہ سے بد دعا نکلی تھی، جس سے ایک مرتبہ پھر مراد منصور نے قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا تھا، جو اس کے لیے بہت صبر آزما تھا، نایاب اور اریبہ کی پیدائش سے پہلے مراد نے ہر بار اس پر واضح کیا تھا کہ اگر اس کی بد دعا قبول ہوئی، لڑکیاں ہوئیں تو صرف کاغذوں پر وہ انہیں اپنی بیٹیاں تسلیم کرے گا، باقی ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، وہ قول و فعل کا پکا تھا۔

نایاب پانچ سال اور اریبہ تین سال کی تھی مگر اس نے کبھی ان دونوں کو خود سے قریب نہیں ہونے دیا، کبھی ان پر محبت بھری نگاہ نہ ڈالی، نہ انہیں وہ اپنی پرشفیق گود میں بٹھایا، نہ کبھی ایک باپ کی طرح ان کی تکلیف پر پریشان، نہ مسکرا کر انہیں دیکھا، نہ کبھی انہیں پاس لٹا کر کوئی کہانی سنائی، نہ ان کے معصوم بچپن کو باپ کی محبت کے پرسکون سائبان تلے یادگار بنانے کی کوشش کی، بس انہیں اس دنیا میں لانے کا ذمہ دار تھا، باقی وہ ان سے غافل تھا، نایاب پہلی تھی، شروع سے سہم گئی تھی، ایک جھجک اس کی معصوم شخصیت پر غالب آ گئی تھی، مراد منصور کو دیکھ کر حرکات و سکنات جامد سی ہو جاتی تھیں، وہ بت سی بن جاتی تھی، گھر کا ماحول اس پر بری طرح اثر انداز ہوا تھا، ماں باپ کا آپس میں اختلاف، باپ کا چلانا، ماں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور بعد میں اکیلے ہوتے ہی اپنی بدنصیبی اور بے بسی پر بے آواز آنسو بہانا اس کے معصوم سے چہرے کو سنجیدہ بنائے اس کے کومل ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین گیا تھا، وہ نہ کبھی کھل کر ماں کے ساتھ مسکرا سکی تھی نہ معصوم سی شرارتوں سے گھر کے ٹھہرے ہوئے ماحول میں شوخ و شریری ہلچل مچا سکی تھی، مہ روش اسے دیکھ کر سخت رنج میں گھرتی، ان الفاظ پر ملول ہوتی جو وہ مراد سے نفرت میں کہہ گئی تھی۔ کلثوم بیگم الگ اندر سے اندر کلس کر رہ گئیں۔

نایاب کے بعد اریبہ کی پیدائش بھی مراد منصور کو سخت ناگوار گزری تھی، جس کا وہ کھلا اظہار کرتا تھا البتہ اریبہ، نایاب کی نسبت زیادہ تیز نکلی تھی، مراد منصور کے اکھڑ، بدمزاج رویے اور کاٹ دار چبھتی نظروں کو دیکھ کر اس کے قریب نہیں جاتی تھی، مگر فطرت کچھ بے چین اور روح موج مستی والی تھی، کبھی ٹک کر ایک جگہ نہ بیٹھتی، گھر میں ادھر ادھر بھاگتی پھرتی، شرارتیں کرتی، اپنی ننھی سی آواز کو گھر کی فضا میں شامل کیے کلثوم پھپھو سمیت مہ روش کو اپنے پیچھے لگائے رہتی، اور جب مراد اپنی عادت و خصلت سے مجبور مہ روش پر چیختا چلاتا تو رونا شروع کر دیتی، کبھی دادی کی گود میں چھپ جاتی تو کبھی مہ روش کو اسے لے کر سائیڈ پر ہونا پڑتا۔ اریبہ تین سال کی ہوئی تو مہ روش ایک مرتبہ پھر امید سے ہوئی۔ جب تک نایاب بھی اسکول جانے لگی تھی۔

گھر کے کاموں اور بچیوں میں ہر وقت مصروفیت میں وہ البتہ اپنی ذات سے بے خبر ہو گئی تھی، مراد نے کبھی بیٹیوں کو پیار نہیں دیا تھا مگر اس کا سراوقت ان دونوں کے لیے تھا، کبھی اس دوران اس نے اپنے بارے میں نہیں سوچا، اپنی بیٹیاں اسے اپنی چلتی سانس کا جواز لگتی تھیں، کلثوم بیگم اب تک اس سے شرمندگی کا اظہار کرتی تھیں مگر اس نے سمجھوتہ کر لیا تھا، ہر غم ہر دکھ سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

وقار سعید سے اس کا دل نالاں تھا، اسے وقار سے بے پناہ گلے شکوے تھے مگر آج تک اس نے کوئی حرف شکایت اس کے لیے

منہ سے نہیں نکالا تھا جس کا مراد منصور کو گہرا غصہ تھا مگر گزرتے وقت میں اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا، اب وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی اصلیت کا پتہ چلے کہ بس وہ وقار کا بدلہ مہ روش سے ہی لے رہا تھا، یہی اس کے اطمینان کے لیے کافی تھا۔ جان گیا تھا کہ اصلیت کھلنے پر وہ اپنا معتبر مقام کھو دے گا کیونکہ کلثوم بیگم جتنا اس کی عادات سے خائف رہتی تھیں۔ اس کا مہ روش سے مسلسل بدترین برتاؤ دیکھ کر اس سے شدید متنفر ہو چکی تھیں، بیٹے کے کیے سے وہ مایوس ہوئی تھیں، اس سے سخت ناراض تھیں۔ لیکن لبوں پر قفل ڈال کر زبان کو خاموش رہنے کا پابند کر لیا تھا کیونکہ مراد نے کچھ سننا نہیں تھا اور وہ اس کی خودسری کو بدل نہیں سکتی تھی، ادینہ جب بھی ایک دو دن کے لیے رہنے آتی تو اسے گھر کے اداس، ٹھہرے ہوئے ماحول سے الجھن ہونے لگتی، ماں، بھائی، ماہی کے چہرے پر چھائی عمیق سنجیدگی، بھتیجیوں کی ڈری سہمی سی شکلیں، نایاب کی بے رونق، اداس آنکھیں، اریبہ کی پابند شرارتیں، مراد کے چہرے کے عجیب تاثرات سب اس کی سمجھ سے باہر تھے، وہ کلثوم بیگم اور ماہی سے ہر بار، بار بار پوچھتی مگر وہ ٹال جاتیں، اس کا وہم قرار دیتیں مگر اسے اندر سے مطمئن نہ کر سکتیں، وہ عجیب کوفت کا شکار رہ جاتی تھی، وقت یوں ہی گزرے جا رہا تھا، دن رات بے رونق ہی رقم ہوئے جا رہا تھا، کوئی لمحہ گھر کے کسی فرد کے لیے پر کیف نہیں تھا، اس دن اتوار تھا، مراد منصور بھی گھر میں ہی تھا، نایاب کو بھی اسکول سے چھٹی تھی، ماہی پریگنینسی کے ابتدائی ماہ سے گزر رہی تھی، آج کل طبیعت کچھ بوجھل سی رہتی تھی اس کی، اوپر سے اریبہ کے پیچھے مسلسل بھاگنے سے اسے لگ تھاوٹ ہوتی تھی، آج صبح سے اس کے سر میں بھی درد تھا، کھانا وغیرہ کلثوم پھپھو نے خود ہی بنا لیا تھا، کھانے کے بعد اس نے بمشکل اریبہ کو سلایا تھا، نایاب ہوم ورک ختم کر کے اس کی گود میں بیٹھی تھی، نماز کا وقت ہو گیا تھا، اس نے نایاب کو کارٹون لگا کر دیئے اور خود وضو کر کے نماز پڑھنے لگی، اسی وقت مراد منصور بھی کمرے میں آیا تھا، ماہی نے مکمل توجہ اور دلجمعی سے نماز ادا کی اور دعا کے لیے بیٹھی، دعا مانگتے وقت اس نے اپنے چہرے پر مراد منصور کی آنکھوں کی تپش صاف محسوس کی تھی مگر ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا، وہ مکمل توجہ اور دل سے اپنی بددعا کے رد ہونے کی دعا کرنا چاہتی تھی مگر مراد کا خود پر فوکس اسے ڈسٹرب کرنے لگا تھا، توقف کے بعد درود شریف پڑھ کر جائے نماز تہہ کر کے اٹھنے لگی۔

''کیوں مانگتی ہو اتنی لمبی دعائیں، جب قبول بھی نہیں ہوتیں؟'' مراد سیدھا ہو کر بیٹھا، طنز و تضحیک آمیز آواز میں بولا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟''

''تمہارا ظاہر و باطن چیخ چیخ کر یہاں اس معاملے میں بھی تمہاری بدنصیبی کی داستان سنا رہا ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''دعا کو قبول کرنا یا رد کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور مجھے اللہ پاک پر توکل ہے، جو سچے دل سے مانگی گئی دعاؤں کو مستجاب کرتا ہے اور انسانی سوچ کو رد کرتا ہے۔'' وہ تحمل سے بولی، گزرے سالوں میں پرانی خصلتیں بھول گئی تھی، بحث و جرح سیکھ لی تھی اس نے۔

''اچھا۔۔۔ پر میں تو اتنی جلدی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے والا۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

''تکبر واکڑ ایک دن انسان کو جھکا دیتی ہے، وقت کی کروٹ بہت خطرناک ہوتی ہے، کوئی بھی لائحہ عمل چاہے کتنا ہی پائیدار کیوں

نہ ہو، کوئی کتنی ہی سمجھداری سے زندگی پلان کرے مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ پاک و برتر کی رضا ہوتی ہے۔'' وہ سنجیدہ تھی، مضبوط انداز میں بولی۔

''بہر کیف تمہاری دعا سے میں فی الحال نہیں مرنے والا، تمہیں مار کے ہی مروں گا میں۔'' مراد اپنی ہی ذات و سوچ کے خول میں قید تھا، اسے جتانے لگا۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں آپ کے مرنے کی دعا کرتی ہوں؟'' وہ تعجب زدہ ہوئی۔

''میرے جینے کی دعا بھی تم نہیں کر سکتیں۔'' اس نے واضح کیا۔

''کسی کے لیے موت مانگ کر میں خود کو گناہ گار بھی نہیں کر سکتی۔''

''گناہ گار تو تم ہو۔'' مراد نے اپنے الفاظ پر زور دیا، قدم ماہی کی جانب بڑھائے، جائے نماز جگہ پر رکھتے ہوئے وہ اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔

''اپنی اولاد کے حق میں تم گناہ گار ہو، اپنی کالی زبان سے تم نے ان کے لیے بد دعا مانگی تھی، اب پاک باز بننا بے سود ہے۔'' درشت لہجے میں اسے جتانے لگا۔

''وہ میری بیٹیاں ہیں، آج کیوں آپ ان کے لیے بول رہے ہیں؟'' مراد اب اوپر سے جتا رہا تھا جو اس کی برداشت سے باہر تھا، طنزیہ بتاتے ہوئے استفسار کیا۔

''اس لیے کہ تم ان کی خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتیں۔'' وہ دو ٹوک بولا۔

''فکر تو آپ بھی ان کی نہیں کرتے۔'' بغور مراد کی آنکھوں میں وہ دیکھنے لگی، جہاں محض اسے اپنے لیے تحقیر نظر آئی تھی، نایاب اور اریبہ کے لیے کوئی خاص تاثر نہیں تھا مراد منصور کی آنکھوں میں۔

''تمہاری بد دعا سے میں بے فکر ہوا ہوں، ہر تعلق کو تم نے خود توڑا ہے۔''

''کیسا تعلق۔۔۔؟'' وہ استہزائیہ ہوئی، پھر مزید بولی۔ ''تعلق کی اہمیت کا اندازہ ہے آپ کو؟ تعلق و رشتے کی بات کرنا آسان ہے مگر اسے نبھانا بہت مشکل ہے اور آپ صرف تعلق بناتے ہیں اور بھول جاتے ہیں، خونی رشتوں کو تو نبھانا، ان کا احساس تک تو کرنا آتا نہیں ہے آپ کو، اب ٹانگ اوپر کرنے کے لیے پلیز تعلق کا راگ مت الاپیئے، ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔'' دل میں جمع غبار بڑھنے سے وہ پھٹ پڑی تھی۔

''یوں بول کر تم بھی اپنی اولاد کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتیں، مرا ان سے قطع تعلق کی وجہ تم ہو، لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ آئندہ میرے رویے میں بدلاؤ آئے تو اب کہ اپنی کالی زبان سے بد دعا مت نکالنا، مجھے اس مرتبہ بیٹا چاہیے، اگر بیٹا ہوا تو میں نایاب اور اریبہ سے۔۔۔''

مراد ہائپر ہونے کے بجائے آہستگی سے بول رہا تھا مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ماہی نے سرعت سے اسے ٹوکا تھا۔

''ایک منٹ۔۔۔'' انداز پر سوچ تھا، بات جاری رکھی۔ ''آئی ایم شاکڈ، آپ اپنی بات سے مکر رہے ہیں، شرط رکھ رہے ہیں، محض ایک بیٹے کے لیے آپ میری بیٹیوں سے تعلق بنانے کی بات کر رہے ہیں جن سے آپ میری وجہ سے نفرت کرتے ہیں۔''

''ہاں، اور اگر تم چاہتی۔۔۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ بولنے ہی لگا تھا جب ایک مرتبہ پھر ماہی نے اسے ٹوکا تھا۔

''اگر مگر کی باگیں چھوڑیں آپ، بیٹا چاہیے ناں آپ کو؟''

''ہاں چاہئے مجھے بیٹا۔''

''نہیں ہوگا، آپ جیسے مرد کے ہاں بیٹا ہونا ہی نہیں چاہئے، جو اپنی یا کسی اور کی بہن کا گھر برباد کرنے کا ذمے دار ہو، ایسا بیٹا میں جنم نہیں دینا چاہوں گی، میں اس مرتبہ بھی بیٹی کی دعا اور خواہش کروں گی، اس دنیا میں مکافات عمل ہوتا ہے اور اپنے عمل کا ردعمل آپ کو بیٹا نہیں، بیٹی دکھا سکتی ہے اور مجھے پورا یقین ہے اس مرتبہ بھی آپ ایک بیٹی کے باپ بنیں گے۔''

''تم اپنے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کی بھی زندگی برباد کر رہی ہو۔''

''آپ کیوں فکر کر رہے ہیں، زندگی تو ہماری برباد ہوئی تھی ہوگئی ہے اور ہو رہی ہے، اب ہمیں برباد کرنے کے بعد فکر آپ کو کرنی نہیں چاہئے۔'' وہ کھرے الفاظ میں بولی، مراد نے کئی پل ساکت نظروں سے اسے دیکھا، مہ روش پر اب بھی اسے غصہ تھا، اب بھی اس سے نفرت کا زہر دل میں بھرا پڑا تھا، وہ اب بھی اپنے دماغی فیصلے اس کو دکھ اور تکلیف دینے کے لیے اس کی ذات، عزت نفس کے خلاف کرتا تھا، الغرض مہ روش سے بیر اس کی بدترین خصلت بن گیا تھا، چھ سال کے عرصے نے اس کے ظاہری غصے کو کم کر دیا تھا مگر ایک الاؤ آج بھی اس کے اندر منجمد تھا، اس کے دل میں کبھی مہ روش کے لیے کوئی نرم گوشہ اس نے محسوس نہیں کیا تھا، وہ بس ہر لمحہ اس کو بے بس کر کے روندنا چاہتا تھا مگر شومئی قسمت کہ یہاں اسے مایوسی ہوئی تھی، اس کے پلان کے مطابق نہ آج تک وہ کسی کے سامنے کچھ بولی تھی، نہ وقار سعید سے نفرت پر آمادہ ہوئی تھی بلکہ ہر بار وہ مراد منصور کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کی کوشش کرتی تھی، یہ سب تو مراد منصور کبھی کبھار برداشت کر لیتا تھا اور کبھی ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیتا تھا مگر ایک طرف سے اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ وہ مہ روش کو عروش کے مقابلے میں لا کر اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتا تھا مگر مہ روش کی ظاہری بگڑی ہوئی حالت، پہلے کی نسبت معمولی سا پھیلا ہوا جسم اور اس پر ڈھیلا ڈھالا سا لباس اس کی امید کو خاک میں ملا گیا تھا، اس نے زور زبردستی سے بھی اسے اپنا خیال رکھنے کے لیے قائل کرنا چاہا، برے نتائج کی دھمکی دے کر بھی سدھارنا چاہا مگر وہ ڈھیٹ بن گئی تھی، ایک بازی تو وہ ابتداء سے ہار گئی تھی مگر دوسری بازی وہ مراد منصور کو نہیں جیتنے دے سکتی تھی۔

مراد منصور نے وقار سعید کو وجہ بنا کر اسے مات دی تھی مگر وہ عروش کی وجہ سے مراد منصور کے ہاتھوں مزید تضحیک کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی، انا کی وہ قائل نہ تھی مگر عزت نفس کھونا نہیں چاہتی تھی۔

''مما! اریبہ اٹھ کر رو رہی ہے۔'' مراد کے بولنے سے قبل اس کے پاس آ کر بولی تھی، مہ روش نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے

اثبات میں سر ہلایا اور مراد کی طرف خاموش نظروں سے دیکھتی نایاب کو لیے اریبہ کی طرف چلی گئی تھی، مراد منصور اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک ہلتے ہوئے دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''علی۔۔۔علی!'' افریشم گیلانی نے ٹیبل بجا کر اسے ہوش وحواس میں لایا، آواز پر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا جو اسے ناگوار گزرا تھا۔

''اوہ سوری۔'' وہ سرعت سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''کیا سوری؟ اور کتنا برباد کرو گے خود کو؟'' وہ تلخ ہوئی، ان گزرے چھ سالوں میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی، دل الگ مجبور کر رہا تھا۔

''کوئی کام تھا؟'' ہمیشہ کی طرح علی نے بات بدلنی چاہی۔

''کسی ایک حادثے کو زندگی کے لیے المیہ نہیں بنایا جاتا، چھ سال ہو گئے ہیں مگر تم اب بھی روگ پالے ہوئے ہو۔'' وہ آج بگڑ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری! بٹ بات کیا ہے؟'' وہ جواباً آہستگی سے گویا ہوا۔

''سوچوں سے فرصت ملے تو تمہیں کوئی ہوش آئے۔''

''اتنا غصہ کیوں ہو رہی ہو؟'' وہ ہر مرتبہ اس کے بگڑنے پر چونکتا تھا۔

''آنٹی کوئی سو مرتبہ کال کر چکی ہیں تمہارے سیل پر، مگر تم ان کی کال پک نہیں کر رہے، فکرمند ہو رہی ہیں، مگر تمہیں آج تک ان کی پرواہ نہیں ہوئی ہے، ابھی مجھے کال کی ہے انہوں نے۔'' غصے کے ساتھ وہ بتا رہی تھی۔

''اوہ نو۔۔۔'' سنتے ہی اس نے ہاتھ سر کی طرف کیا۔

''پلیز علی! اپنے علاوہ بھی کسی کے لیے سوچا کرو، مانا کہ محبت کو دل سے نکالا نہیں جاتا مگر ان کے بارے میں بھی تو سوچو جو تم سے محبت کرتے ہیں، تمہاری فکر کرتے ہیں، یوں ایک ہی خول میں ساری زندگی تمام کرنے سے تم اپنے بڑھتی محبت کی وجہ سے اس سے نالاں رہتی تھی، اکثر و بیشتر ناراض ہو کر اچھی خاصی لڑائی بھی کر لیتی تھی مگر علی اسے منا لیتا تھا۔ اب بھی اس کے جانے کے بعد نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ سرسری سا اس کی باتوں کو سوچتے ہوئے موبائل کان سے لگا گیا جہاں اب ساجدہ گیلانی اس سے شدید ناراضی کا اظہار برہمی کے ساتھ کر رہی تھیں اور وہ ہر بار کی طرح تحمل سے انہیں سن رہا تھا۔

☆......☆......☆

سورج طلوع ہو چکا تھا، چڑیوں کی چہچہاہٹ فضا میں جلترنگ سی پیدا کر رہی تھی، ایک نئی صبح کا آغاز اس نے معمول کے مطابق اٹھ کر نماز کی ادائیگی کے بعد لان میں چہل قدمی کے بعد اماں اور بابا جان کے ساتھ ناشتے سے کیا تھا اور اب اپنے کمرے میں اسکول جانے سے قبل آئینے کے سامنے کھڑی معمول کی طرح گزرے ماہ و سال کو اپنی ذات پر پرکھ رہی تھی، وقت کتنی تیز رفتاری سے اسے خزاں آلود کیفیت میں دھکیلے، قید کیے گزر گیا تھا، ندامت، شرمندگی اور پچھتاوے تو مدھم پڑ چکے تھے مگر جو تباہی اس نے اپنے دل کے لیے انجانے میں چنی تھی اس کی کسک ہر پل بڑھتی جا رہی تھی، کوئی جذبہ کوئی احساس مداوے کے قابل نہیں رہا تھا، تشنگی کا درد ذہن و دل کو مزید سوگوار کرنے میں مگن تھا، رنج و ملال نے اس کے دل کو کمزور کر دیا تھا، وہ اندر ہی اندر بکھر گئی تھی، ٹوٹ گئی تھی مگر اس سے زیادہ تکلیف دہ لمحے اسے علی کو رد کرنے والے لگ رہے تھے، جب وہ اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگ رہا تھا، اسے بے یقین نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کی تلخی و سفا کی کو مذاق گردان رہا تھا مگر کاش کہ وہ سب مذاق ہوتا، محض ایک مذاق۔ یوں بعد میں احساس اسے المیے میں نہ ڈالتا، اس نے مکمل طور پر خود کو بدل دیا تھا، سر سے پیر تک، دل سے جذبات تک اور سوچ سے عمل تک۔ اپنے عہدے کی مناسبت سے وہ اپنی شخصیت کو سوبر اور پروقار بنا گئی تھی، چہرے پر سنجیدگی اس پر جچنے لگی تھی، بات بات پر مسکرانا اس نے چھوڑ دیا تھا، ہمیشہ سے کھلے رہنے والے بالوں کو اس نے مستقل چٹیا کی شکل میں قید کر لیا تھا اور اپنی کالی سیاہ گہری آنکھوں کو اس نے گلاسز کے پیچھے چھپا لیا تھا، وہ پلکوں کی جھالر نما فریم میں صرف علی آیان حسن گیلانی کے عکس کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی، ایک آخری نظر خود پر ڈالے وہ باہر نکل آئی تھی، دل میں درد زندہ تھا، لمبی لمبی آہیں بھرتے، تڑپتے سسکتے جذبے تھے، اس کا دماغ اب خود کو مجرم قرار دے چکا تھا، اپنا حال، ماضی، مستقبل اسے اجنبی پرائے لگنے لگے تھے مگر زندگی کے اس ٹھہراؤ اور خزاں آلود مستقل موسم سے وہ مطمئن تھی۔

☆......☆......☆

"مشارب بیٹا۔۔۔!"

"جی امی۔" رات کھانے کے بعد وہ ماں کے پاس آ کر بیٹھا تھا۔

"تم سے ایک بات کرنی تھی۔"

"کہیے امی۔" وہ ہمہ تن گوش تھا۔

"میں چاہتی ہوں اس مرتبہ تمہارے اسلام آباد جانے سے پہلے تمہارے رشتے کی بات کر دوں، ویسے بھی تم نے جو عرصہ بتایا تھا وہ گزر گیا ہے۔۔۔" آصفہ شاہ، شائستہ و شفقت بھری نظروں سے اپنے خوبرو، وجیہہ بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جیسے آپ کی مرضی امی!" اسے بھلا کیا اعتراض تھا، چہرے پر مبہم تاثرات ابھرے۔

"جیتے رہو اور میں چاہ رہی تھی کہ شادی بھی جلدی کروا لیں گے، گھر کی بات ہے، فلک کی عمر بھی مناسب ہے، عارف بھائی اور

فہمیدہ بھی بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے، ہماری تو یہی خوشی ہے کہ تم دونوں ایک ساتھ ہنسی خوشی ہماری نظروں کے سامنے آباد رہو۔'' بیٹے کے خوشگوار تاثرات دیکھ کر انہیں اطمینان ہوا تھا، خلوص دل سے بولیں۔

''امی! یہاں بات میری شادی کی ہو رہی ہے، فلک کہاں سے آ گئی بیچ میں؟'' فلک کا نام سنتے ہی اس کے مسکراتے ہونٹ سمٹے تھے مگر سوالیہ لہجہ غیر سنجیدہ تھا۔

''کیا مطلب بیٹا! فلک کے بغیر تمہاری شادی کی بات کیسے آگے بڑھ سکتی ہے؟'' آصفہ شاہ نے قدرے چونک کر مشارب شاہ کی طرف دیکھا تھا۔

''کیوں نہیں بڑھ سکتی امی؟'' وہ ان کی بات سے حیران ہوا۔

''بیٹا! فلک ہی سے تو تمہاری شادی۔۔۔''

''ایک منٹ امی۔۔۔!'' مشارب شاہ ماں کی ادھوری بات کا معنی لمحے میں سمجھا تو فوراً سے انہیں آہستگی سے ٹوک گیا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔''

''غلط فہمی کیسی مشارب! میں وہی کہہ رہی ہوں کو تمہاری خواہش ہے، جسے کئی سال پہلے تم نے شادی کے لیے چنا تھا۔'' آصفہ بیگم سنجیدگی سے بولیں، مشارب کی حیرانگی نے انہیں متعجب زدہ کیا تھا۔

''نہیں امی! آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' مشارب شاہ پل میں اصل بات تک رسائی پانے کے بعد سرعت سے بولا تھا۔

''کیسی غلط فہمی؟''

''امی! جو آپ سمجھ رہی ہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہے، فلک کے بارے میں تو میں نے کبھی اس متعلق نہیں سوچا، پھر آپ کو ایسا کیوں لگا؟'' وہ حد درجہ حیران تھا۔

''بیٹا! میں نے پہلے تم سے فلک کے متعلق ہی بات کی تھی، تب تو تم کچھ نہیں بولے تھے۔'' انہوں نے بات واضح کرنی چاہی۔

''امی! تب میں فلک کی نہیں مستبشرہ کی بات کر رہا تھا، شاید تب ہم میں سے کسی نے نام نہیں لیا ہوگا جبھی۔۔۔ فلک تو میری دوست ہے بس، اس کے علاوہ نہ میں اس کے لیے ایسا سوچتا ہوں اور نہ وہ۔'' اس نے بات واضح اور مکمل کی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' انہیں اول تو یقین ہی نہ آیا، مزید بولیں۔

''اور فلک تو تم سے اتنی اٹیچ ہے، تم دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے ہو۔''

''ساتھ ساتھ رہنے کا ہرگز بھی یہ مطلب نہیں ہوتا امی، کہ بات شادی تک پہنچے۔''

''مجھے ایسا لگا تھا۔'' انہوں نے اپنی بات پر زور دیا۔

''امی! میں پاگل نہیں ہوں، میں نے فلک اور اپنی دوستی کو بہت سوچ سمجھ کر آگے بڑھایا ہے، میں نے فلک کو مختلف باتوں سے پرکھا تھا، آپ یقین جانیں اگر مجھے فلک کے ذہن و دل میں کچھ خاص بدلہ ہوا محسوس ہوتا تو میں اسی وقت محتاط ہو جاتا مگر اس کی باتوں سے نہ مجھے اندازہ ہوا تھا نہ اس کے دل میں میرے لیے کچھ خاص تھا، سو وہ اب تک میری دوست ہے، لیکن اگر مجھے یہ اندازہ ہوتا کہ ہماری دوستی باقی سب کی نظروں میں محبت سمجھی جائے گی تو تب بھی میں اس کے قریب نہ جاتا، اس سے باتیں نہ کرتا، سچ بتاؤ تو مجھے اب شرمندگی ہو رہی ہے کہ ہماری دوستی کو محبت کا رنگ دیا گیا ہے۔'' وہ بولا تھا۔ آصفہ شاہ کی آنکھوں سے حیرانگی کے اثرات زائل ہوئے تھے مگر فلک انہیں دل سے عزیز تھی، تھوڑا بہت افسوس بھی ہوا تھا مگر بیٹے کی خوشی انہیں زیادہ عزیز تھی۔

''شکر ہے میں نے فہمیدہ اور عارف بھائی سے بات کرنے سے پہلے تم سے پوچھ لیا ہے ورنہ جہاں شرمندگی ہوتی وہاں ناراضی الگ پیدا ہوتی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

''ہاں پر چلیں اب تو بات کلیئر ہو گئی ہے۔'' البتہ وہ مطمئن تھا۔

''تمہارے ابو سے بھی بات کرنی ہے، وہ بھی فلک کو تمہارے لیے بیاہ کر لانا چاہتے تھے۔''

''ابو تو مان ہی جائیں گے مگر جب تک آپ زہرہ پھپھو سے بات کریں گی تب تک میں مستبشرہ سے خود بھی بات کروں گا، کہیں وہ بھی آپ کی طرح غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! ہم نے تو تمہاری خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچا تھا لیکن اپنی مرضی ہم تم پر زبردستی تو مسلط نہیں کر سکتے، ہاں فلک اس گھر کی اکلوتی بچی ہے، ہماری اولاد کی طرح ہے، اللہ اس کا نصیب اچھا کرے، آمین۔۔۔'' انہوں نے دعائیہ کہا۔

''ثم آمین۔۔۔ اور امی! یہ بات آپ فلک کے سامنے مت کریئے گا، اس کے ذہن میں بات نہ بیٹھ جائے کہیں کہ میں نے اس کے لیے انکار کیا ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا، فلک کی بھی فکر تھی۔

''نہیں کرتی اور جب کوئی بات ہے ہی نہیں تو وہ دل پر کیوں لے گی؟'' انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ مشارب شاہ مطمئن نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا مگر اپنے دل می محویت میں وہ انجان ہو گیا تھا۔ فلک کی کیفیات و محبت سے بے خبر تھا، سو انداز اطمینان بخش تھا، اپنی محبت کے حصول کا احساس اس کے لئے خوشگوار تھا لیکن فلک کے دل میں مچنے والی تباہی اور اٹھنے والی ہلچل کا گمان اس سے کوسوں دور تھا یا شاید اسے تھا ہی نہیں، مگر شاید اب فلک شاہ کا ردعمل شدید ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

''تم تنگ آ گئی ہو افریشم گیلانی۔۔۔!'' علی آیان حسن گیلانی ڈنر کے لیے اسے مشہور ریسٹورنٹ میں لے کر آیا ہوا تھا، بغور اس کا جائزہ لینے کے بعد اس کی عمیق خاموشی کو دیکھتے قیاس لگانے لگا۔

''تم نے مجھے تنگ کرنے میں کوئی کسر بھی تو نہیں چھوڑی۔'' وہ طنزیہ ہوئی۔

''لیکن تمہاری ہمت کی داد دینی چاہیئے۔'' وہ ہنسا۔

''مذاق کر رہے ہو؟'' اسے برا لگا۔

''نہیں۔۔۔ سچ میں تم نے جو کہا تھا اب بھی اس پر قائم ہو، یہ الگ بات ہے کہ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''اس لیے کہ تم دل کے معاملے میں بہت ڈھیٹ ہو۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

''ہاں شاید۔۔۔ اور زندگی جینے کا ڈھنگ زبردستی نہیں سکھایا جا سکتا، یہ وہ ہنر ہے جو دل خود بخود سیکھتا ہے، محبت سے، تمام خوبصورتیوں سے لبریز ہو کر، اگر دل کی ہستی میں تلاطم ہو، درد ہو، تشنگی ہو یا دو کیئے جانے کی تکلیف، تو یقین مانو زندگی کو جینا بہت کٹھن ہوتا ہے چہ جائیکہ ڈھنگ سے جینا...... ڈھنگ سے جینے کا خواب بھی عذاب لگتا ہے۔'' علی کی کیفیت اب بھی سالوں پہلے جیسی تھی۔

''ہوں۔۔۔'' وہ لب بھینچے سر ہلانے لگی۔

''اب تو تمہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ مجھے جینے کا ڈھنگ سکھانے کے چکروں میں تم خود سارے ڈھنگ بھولتی جا رہی ہو۔'' علی اس کے شوخ و چنچل انداز کا عادی تھا مگر اب افریشم اسے اکتائی ہوئی لگتی تھی، وجہ اسے کھوج لگانے کی فرصت نہیں ملی تھی البتہ نارمل سے انداز میں گویا ہوا تھا۔

''جب دل میں کسی کی محبت ہو اور دل کے مکین کو خبر نہ ہو، تو یہ احساس اذیت دیتا ہے علی! محبت توجہ مانگتی ہے، بے خبر فطرت ذات کا سکون تباہ کر دیتی ہے، ایسے میں واقعی زندگی کو ڈھنگ سے جینا بہت دشوار ہوتا ہے۔'' وہ اپنے دل کی کیفیت کے حصار میں مقید ہو کر بولی، جہاں صرف علی کی محبت تھی اور وہ محبت توجہ اور احساس کی طلب تھی۔ پچھلے کئی سالوں سے یکطرفی کے خول میں پنپ کر تھک گئی تھی، تنگ آ گئی تھی، اب امر ہونا چاہتی تھی جس کے لیے علی کا ساتھ اسے مقصود تھا مگر علی خود اپنا بھی نہ رہا تھا اس کی محبت کو اپنی سنگت سے کیسے پہل کر سکتا تھا، یہ تشنگی کا عالم بہت تکلیف دینے لگا تھا اسے۔

''آخر تم سمجھ گئی ہو میری کیفیت۔'' وہ اتنا ہی بولا۔ افریشم کی بات کو اس نے گہرائی سے نہیں لیا تھا، وہ خالی نظروں سے علی کو دیکھنے لگی۔

''میں اپنی کیفیت کو سمجھنے میں ناکام ہو رہی ہوں علی۔'' وہ ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

''تم نے مجھ سے کچھ کہا۔۔۔؟'' گلاس منہ سے لگاتے ہوئے استعجابی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''نہیں۔'' اس نے افسردہ دل کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

''میں تم سے تمہاری بے خبری کا گلہ بھی نہیں کر سکتی علی آیان حسن گیلانی! سب جانتے ہوئے بھی میرے دل نے تمہیں اپنی دھڑکنوں میں بسایا ہے، ایک ایسی راہ کا انتخاب کیا ہے جو شاید ہمیشہ ادھوری رہے گی، محبت اگر مشورے سے کی جاتی تو میں کبھی اپنے دل کو اجازت نہ دیتی مگر ہائے افسوس۔۔۔ جذبہ محبت بہرہ ہوتا ہے، نہ کسی کے روکنے سے رکتا ہے نہ مقابل کے دل میں اپنی حیثیت و مقام کو پرکھ

سکتا ہے۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی تھی۔ زبان اور آنکھیں اول دن سے خاموش رہنے کی پابند کی ہوئی تھیں، جانتی تھی ہر دل کی چاہت ہوتی ہے، علی کے دل کی چاہت مستبشرہ جمال تھی، اس کے دل کی چاہت علی تھا مگر چاہت کی وہی مسافت منزل کو پہنچتی ہے جس راہیں ایک ہوں، ایک مقام، ایک پوائنٹ پر آ کر جب دو دلوں کو جذبات و احساس سے پذیرائی ملتی ہو، جہاں دونوں ایک ہوں جبکہ ان دونوں کے راستے الگ الگ منزل رکھتے تھے، افریشم گیلانی اپنے دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

مراد منصور کا دماغ غصے سے گھومے جا رہا تھا، اب کچھ بھی تو مہ روش ایسا کہہ اور کر نہیں رہی تھی جس سے وہ مطمئن ہوتا، اس کی ہر بار، بار بار کی بددعا بھی مراد منصور کا خون کھولا کر رکھ دیتی تھی، بگڑے تیوروں کے ساتھ وہ ماں کے پاس گیا تھا۔

"سمجھائیں اسے آپ؟" تمام بات انہیں بتا کر بولا تھا، کلثوم بیگم ششدر ہی رہ گئی تھیں۔ وہ خود بھی ماہی کو سمجھاتی تھیں مگر ان کے سامنے حامی بھرنے کے بعد وہ مراد منصور کے سامنے تمام لحاظ بھول جاتی تھی، بعد میں لاکھ اپنی بددعا کے رد ہونے کی دعا کرتی تھی لیکن مراد منصور کے سامنے اس پر انتقام کا خبط سوار ہو جاتا تھا۔

"وہ خود بخود سمجھ جائے گی مراد! اگر تم اپنے رویے میں بہتری لے آؤ۔" وہ بولیں۔

"یہ آخری موقع میں اسے دوں گا اگر وہ اپنا گھر بچانا چاہتی ہے تو سوچ سمجھ کر ہاتھ اٹھائے، مجھے بیٹیوں کی لائن نہیں بیٹا چاہیے، بیٹے کی پیدائش اس کی زندگی سہل کر سکتی ہے ورنہ ساری عمر وہ یوں ہی گزارے گی۔" ماں کی نصیحت وہ سننا نہیں چاہتا تھا، دوٹوک بولا۔

"کیوں اس کے لیے کفر سوچتے ہو، بیوی ہے وہ تمہاری، تمہاری بچیوں کی ماں ہے، اس بے قصور کو کیوں سزا دے رہے ہو، بیٹا یا بیٹی خدا کی دین ہے، نہ ماہی بیٹی پیدا کرنے کا اختیار رکھتی ہے نہ تم اللہ کے کام میں اپنی خواہش سے دخل دے سکتے ہو، ضد چھوڑ دو، نکل آؤ انا کے خول سے باہر، اس معصوم کی زندگی کو برباد کر کے اپنی آخرت تباہ مت کرو مراد! اللہ ہر ایک سے حساب لینے والا ہے، اس کی پکڑ بہت مضبوط ہے، کیوں نہیں ڈرتے اپنے ظالمانہ اعمال کے بدترین نتائج سے؟" بیٹے اور بہو کے درمیان وہ الجھ گئی تھیں، مراد کے ناروا سلوک نے انہیں بے بس کر دیا تھا اور ماہی کی بے بسی ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی، نایاب اور اریبہ سے مراد کا اجنبی انداز بھی انہیں بہت چبھتا تھا۔

"یہ بات کی باتیں ہیں، جب ہوئی دیکھ لی جائیں گی، فی الحال نہ میں خود کو بدل سکتا ہوں نہ اس کے لیے اچھا سوچ سکتا ہوں، وجہ آپ جانتی ہیں۔" مراد کا انداز بے لچک تھا، تنفر سے بولا۔

"عورت کے صبر کو مت آزماؤ مراد! کیونکہ عورت کا انتقام کا روپ بہت برا ہوتا ہے۔"

"انتقام تو وہ خود سے لے رہی ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھ پر ایسی باتیں اثر کرتی ہیں نہ کوئی خاص معنی رکھتی ہیں۔ خود سے اس کے عمل کو میں اذیت ناک بنانا چاہتا ہوں، اپنی اولاد کو بددعا دے کر اسے سکون تو نہیں مل سکتا، اس کی بددعا میرا سر درد نہیں بن سکتی۔" وہ

قطعی انداز میں بولا۔

''پھر بیٹے کی خواہش کیوں کرتے ہو؟'' وہ برجستہ طنزیہ ہوئیں۔ان کے استفسار سے گویا مراد منصور پل بھر کے لیے لاجواب ہوا تھا۔

''ماہی کی بے ریا فطرت میں زہر اور نفرت کی ملاوٹ کرنا بند کر دو اب، چھ سال ہو گئے ہیں تمہاری شادی کو، بدلے کی کیسی آگ ہے جو بجھنے کو نہیں آ رہی؟'' کلثوم بیگم اسے قائل کر کے بات ختم کرنا چاہتی تھیں۔گھر کی بے سکون فضا کو خوشگواریت میں ڈھلتا دیکھنا چاہتی تھیں، بھتیجی کی خزاں آلود زندگی میں پیار دیکھنے کی خواہش مند تھیں، لیکن مراد ان کی ہر خواہش کو حسرت میں بدل رہا تھا۔

''وقار نے جوادینہ کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد آپ اپنی آنکھوں پر محبت کی پٹی باندھ سکتی ہیں امی! لیکن میں نہیں، اپنے اندر لگی آگ میں خود نہیں بجھانا چاہتا۔'' وہ روکھائی سے بولا تھا۔

اسی وقت مہ روش دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی، مراد کی بات وہ سن چکی تھی مگر کوئی تاثر اس نے نہیں دیا تھا، کلثوم بیگم دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جبکہ مراد منصور نے ایک قہر آلود نظر اس کے وجود پر ڈالی تھی۔

''پھپھو! میں پوچھنے آئی تھی کہ آج کیا بنانا ہے؟'' مراد کی تپش زدہ نگاہوں کو نظر انداز کرتی وہ دروازے کے پاس رک کر پوچھنے لگی۔

''کچھ بھی بنا لو بیٹا! جو تمہارا دل کرے۔'' وہ شائستگی و نرمی سے بولیں۔

''جی پھپھو۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتی جانے لگی۔

''ماہی بیٹا! نایاب اور اریبہ کہاں ہیں؟'' انہوں نے آواز دے کر پوچھا۔

''کمرے میں ہیں، کھیل رہی ہیں۔'' اس نے پلٹ کر بتایا، ساتھ ہی باہر نکل گئی۔مراد کی نگاہ اسے کوفت میں مبتلا کر دیتی تھی، اس کی گھر میں موجودگی میں وہ زیادہ تر اس کے سامنے آنے سے اب بھی گریز ہی کرتی تھی۔

''مہ روش کے ساتھ نہ سہی پر اپنی اولاد کے ساتھ ہی بہتر رویے سے پیش آیا کرو، انہیں تمہاری شفقت کی ضرورت ہے، ان سے تو محبت کرو، ان کی معصومیت کا احساس کرو۔'' بارہا مراد سے کی گئی بات کو ایک مرتبہ پھر انہوں نے پرزور انداز میں دہرایا تھا۔

''کبھی نہیں۔۔۔'' اور وہ ہنوز دوٹوک انکاری لہجے میں بولا تھا۔مہ روش کے ساتھ ساتھ دونوں بیٹیوں کے لیے بھی اس نے اپنے دل میں کبھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی، اس کی سفاکیت آج بھی برقرار تھی، کلثوم بیگم نے تاسف و یاس سے بیٹے کو دیکھا۔ماں کی خاموشی پر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔کلثوم بیگم آج تک اسے قائل کر کے اس کے دل سے نفرت کو مٹا نہیں سکی تھیں، نہ مہ روش اور بچیوں سے بیگانی بھرا برتاؤ دیکھ کر شرم کے تحت اسے روک پا رہی تھیں کہ اگر اولاد کو پیدا کر کے انجان بننا ہے تو پھر اولاد پیدا ہی کیوں کرتے ہو! اپنی پوتیوں میں ان کی جان تھی۔

☆......☆......☆

صبح ناشتے کے بعد وہ تیار ہونے گیا تھا، ارادہ آج مستبشرہ جمال سے بات کرنے کا تھا تاکہ پھر اگلے دو تین دن میں آصفہ شاہ، سید جمال شاہ اور زہرہ پھپھو کے سامنے رشتے کی بات ڈال سکیں۔

''کہیں جا رہے ہو مشارب شاہ؟'' وہ گاڑی کی طرف گیا جب پودوں کو پانی دیتی فلک نے اسے دیکھ کر وہیں سے پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''کہاں؟'' ہاتھ میں پکڑا پائپ اس نے دوسری کیاری کی طرف کیا تھا۔

''ایک ضروری کام ہے۔'' فرنٹ ڈور کھول کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوا تھا۔ فی الوقت اسے تفصیل بتانی ضروری نہ سمجھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد ریورس کرنے لگا۔

''اوکے بیسٹ آف لک!'' وہ اونچی آواز میں بولی۔

مشارب شاہ نے گاڑی باہر نکالنے سے پہلے اس کی طرف اسمائل پاس کی تھی، مین روڈ پر گاڑی ڈالتے ہوئے وہ چہرے پر مسحور کن مسکرائے سجائے ہوئے تھا، آنکھوں میں لطیف سا انداز تھا، اندر تھوڑی بہت جھجک اور ہچکچاہٹ بھی تھی، پہلی مرتبہ اپنے احساسات کو زبان دینے جا رہا تھا، ذہن الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف عمل تھا، پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ مستبشرہ جمال کے اسکول کے سامنے تھا، گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ چوکیدار سے مصافحہ کرتا مین گیٹ عبور کر کے مستبشرہ جمال کے آفس کی طرف بڑھا تھا، وہاں پہنچا تو اسے کوئی فائل پڑھنے میں منہمک دیکھ کر توقف کے لئے دروازے میں ایستادہ ہو کر اسے آنکھوں کے رستے دل میں اتارا، وہ ہنوز بے خبر تھی، خود پر اشتیاق نگاہوں کی حدت سے انجان سر جھکائے دائیں ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں میں پن گھمانے میں محو تھی، توقف کے بعد مشارب شاہ نے دروازہ نوک کر کے اس کی محویت کو توڑا تھا۔

''مے آئی کم ان میم؟'' مستبشرہ کی نظر خود پر پڑتے ہی وہ مسکرا کر بولا۔ مستبشرہ غیر متوقع طور پر اسے سامنے پا کر اول تو چونکی تھی پھر سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''یس کم ان۔۔۔'' اسے اندر آنے کو کہا۔

''تھینکس۔'' وہ اندر آیا، چیئر کھینچ کر بیٹھا۔

''تم کس وقت آئے ہو، مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔'' سامنے رکھی فائل بند کرتے ہوئے سائیڈ پر رکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

''تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے لیکن لگتا ہے تم بزی تھیں، میں نے آ کر تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہے۔''

''نہیں۔۔۔ میں بس فائل دیکھ رہی تھی، تم سناؤ! اسلام آباد سے کب آئے ہو؟''

''دو دن پہلے آیا ہوں، سوچا تم سے مل بھی لوں اور کچھ ضروری باتیں بھی کر لوں، لیکن تم بتاؤ تمہارا اسکول کیسا جا رہا ہے، بور تو نہیں ہوتیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''جہاں شوق ہو وہاں بوریت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں یہاں بہت انجوائے کرتی ہوں، بہت ریلیکس فیل کرتی ہوں اور اسکول ماشاءاللہ بہت اچھا جارہا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں شائستہ آواز اور نرم لہجے میں بولی تھی۔

''دیٹس گریٹ۔۔۔'' وہ مسکرایا۔

''چائے پیو گے، منگواؤں؟'' مستبشرہ نے اخلاق سے پوچھا۔

''نہیں، ابھی ناشتہ کر کے ہی ادھر آیا ہوں، تم سے ایک بات کرنی تھی مستبشرہ۔'' منع کرتے ہوئے اس نے اصل بات کی طرف آنا چاہا، سوالیہ اسے دیکھا۔

''کہو مشارب۔۔۔'' وہ مکمل توجہ سمیٹ کر اس کی طرف ہوئی۔

''کہتے ہوئے جھجک ہو رہی ہے، کئی سالوں سے یہ بات دل میں ہے اب وقت مناسب ہے تو کہنا ضروری لگ رہا ہے۔'' وہ آہستگی و سنجیدگی سے بولا۔

''کون سی بات؟''

''میں نے پہلے امی سے بات کی ہے اور امی پھپھو سے بات کریں، اس سے پہلے سوچا تم سے بات کرلوں۔'' وہ تمہید باندھ رہا تھا۔ مستبشرہ جمال ٹیبل پر کہنی رکھے چہرہ ہتھیلی پر ٹکائے ہمہ تن گوش تھی۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں مستبشرہ۔'' بالآخر مشارب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''واٹ۔۔۔؟'' مستبشرہ کو گویا سنتے ہی ہزار والٹ کا کرنٹ لگا ہو، بری طرح چونکتے ہوئے بھویں سکیڑ کر مشارب شاہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔

''کیا کہا تم نے؟'' دماغی تسلی کے لیے فوراً بولی۔ مشارب کی بات، انکشاف اسے متعجب زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

''تمہاری حیرت بجا ہے لیکن یہ ابھی کا نہیں کئی سال پہلے کا فیصلہ ہے، جس کا ذکر میں نے پہلے کبھی نہیں کیا، تاکہ تم اپنا اسکول بنانے کی خواہش کو وجہ بنا کر انکار نہ کردو۔'' البتہ مشارب شاہ اطمینان سے بولا تھا۔

''لیکن مشارب۔۔۔؟''

''میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' اس نے لطیف سے انداز میں دھیرے سے اعتراف کیا۔

''کیسے ہو سکتا ہے یہ؟'' جبکہ مستبشرہ کی حیرت کم ہونے کو نہیں آرہی تھی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟''

''تم تو فلک سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے۔'' اس نے وجہ بتائی۔

''نہیں بلکہ میرے لیے یہ بات عجیب ہے، جب تم سے شادی کی بات میں نے امی سے کی تو انہوں نے بھی یہی کہا، ایسا کچھ نہیں ہے، میں حیران ہوں کہ سب کو ایسا کیوں لگ رہا ہے؟'' مشارب شاہ اس مرتبہ اپنی جگہ حیران ہوا تھا۔ وضاحت دینے کے ساتھ نا سمجھی کے عالم میں استفسار کرنے لگا۔

''کیونکہ تم اور فلک شروع سے بہت کلوز (Close) ہو، اتنا تو کوئی بھی نہیں ہوتا، مجھے کیا سب کو ایسا لگتا ہے کہ تم دونوں، آئی مین۔۔۔'' کہتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی تھی۔

''یہی تو۔۔۔ ہم صرف بہت اچھے دوست ہیں، ہم دونوں نے کبھی ایسا سوچا تک نہیں ہے لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ ہم دونوں کی فرینڈ شپ کو باقی سب محبت کے ترازو میں تول رہے ہیں۔'' وہ الجھ کر بولا تھا۔

''یہ میرے لیے غیر یقینی بات ہے مشارب۔۔۔!''

''لیکن یہ سچ ہے۔'' اس نے اپنے الفاظ پر زور دیا۔

''پھر بھی۔۔۔''

''اپنی تسلی کے لئے تم فلک سے بھی پوچھ سکتی ہو۔'' مشارب نے اس کے سامنے Option رکھا، مستبشرہ نے اس کے لہجے کے وثوق کا اندازہ لگایا۔

''میں نے ہمیشہ تم دونوں کو کپل کی صورت میں دیکھا ہے۔''

''میں اپنے ساتھ صرف تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں مستبشرہ۔'' خمار آلود آواز میں اس نے بات بدلی، آنکھوں کے حصار میں مستبشرہ کے چہرے کو سمایا، مستبشرہ جمال نے اپنی نگاہوں کا رخ بدلا۔

''میں خلوص دل سے تمہیں اپنانا چاہتا ہوں مستبشرہ، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' مشارب نے باقاعدہ اسے پرپوز کیا، آنکھوں میں الوہی چمک تھی، انداز میں دبی دبی سی گرمجوشی تھی، مستبشرہ نے اب کے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا، اندر دل میں مقیم شخص کی موجودگی کا احساس دماغی سوچوں کو منتشر کرتا اسے فوراً انکار پر اکسانے لگا تھا مگر وہ خاموش رہی تھی۔ دل و دماغ نے اسے بولنے کی اجازت ہی نہیں دی تھی۔

''مجھے کوئی جلدی نہیں ہے مستبشرہ، میں جانتا ہوں اتنی بڑی بات یوں اچانک سے لمحوں میں نہیں طے کی جاتی، میرے دل میں تمہارے لیے محبت اور قدر ہے، میں تھوڑا انتظار کر سکتا ہوں، تم مجھے بعد میں بھی جواب دے سکتی ہو لیکن میں چاہوں گا کہ کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت تم میرے دل کو مت بھولنا جہاں صرف تم بستی ہو۔'' فوراً جواب طلب کرنے کے بجائے مشارب شاہ نے اسے سوچنے کی مہلت دی، ساتھ ہی اپنے دل کے فسانے کی حقیقت اسے بتائی، مستبشرہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی، بس صرف دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میں اب چلتا ہوں۔'' مشارب شاہ توقف کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا، مستبشرہ نے بھی اسے مزید بیٹھنے کو نہیں کہا تھا کہ دل میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔اس سب کی اسے امید نہیں تھی، خالی نظروں سے اس کو جاتا دیکھ کر پرسوچ انداز میں اپنے اندر جھانکنے لگی تھی، جہاں علی کے سوا کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''بہت بہت مبارک ہو تمہیں عمر۔'' علی نے خوشگوار انداز میں اسے مبارک باد دی تھی، اس کے دوست عمر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔عمر اگرچہ اس سے اب بھی اپنی شادی پر نہ آنے کو لے کر ناراض تھا مگر علی اس کے تمام گلے شکوے اور ناراضی کو سائیڈ پر رکھے اسے ہفتے میں دو تین مرتبہ ضرور کال کرتا تھا۔عمر اسے سخت سناتا بھی تھا مگر وہ اس کی محبت بھری دوستانہ ڈانٹ پر بالکل کان نہیں دھرتا تھا، ساجدہ گیلانی سے جب عمر کی بیٹی کی پیدائش کا سنا تو فوراً ان سے اجازت چاہ کر علی کو کال کی۔

''تھینکس۔''

''کیسی ہے میری بھتیجی؟'' علی نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''کس پر گئی ہے؟''

''فی الحال تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی مگر خوبصورت ہے، بہت پیاری کومل سی، بالکل گڑیا جیسی۔'' عمر کے لہجے میں بیٹی کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

''سوسوئیٹ یار! ماشاءاللہ۔'' علی توصیفی انداز میں بولا، پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنی بات میں مزید اضافہ کیا۔

''عمر! تمہاری بیٹی کا نام میں رکھوں؟'' لہجہ سوالیہ تھا، انداز استحقاق بھرا تھا۔عمر کو بھلا کیا اعتراض تھا فوراً بولا۔

''مجھے خوشی ہوگی۔''

''مستبشرہ۔'' عجیب دلنشین سی کیفیت میں اس نے نام بتایا۔

''ہرگز نہیں۔'' عمر نے فوراً دوٹوک کہا، سنتے ہی علی پر غصہ بھی آیا۔

''وہ کیوں اس نام میں کیا برائی ہے؟'' وہ حیران ہوا، عمر کا انداز بھی کچھ ناگوار گزرا۔

''اس نام میں نہیں، اس نام سے جڑی ان یادوں میں برائی ہے علی! جن کو تم نے خود پر سوار کیا ہوا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''مجھے یہ نام اچھا لگتا ہے، اگر تم رکھ لیتے تو مجھے خوشی ہوئی، لیکن بیٹی تمہاری ہے، نام رکھنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے، تمہیں جو مناسب لگے اپنی بیٹی کا نام رکھ لینا، میں فون رکھتا ہوں، پھر بات کریں گے۔'' علی یک دم سنجیدہ ہوا، کچھ خفگی بھی ہوئی، طویل بحث میں بھی نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

''ایک منٹ علی۔۔۔'' عمر نے سرعت سے اسے روکا۔علی نے اس کی آواز پر کال ڈسکنیکٹ تو نہیں کی البتہ منہ سے بھی کچھ نہ بولا۔''آئی ایم سوری، تمہیں میرا انداز، میرا منع کرنا برا لگا۔'' عمر نے خاموشی کو توڑا۔

''اٹس او کے۔''

''تمہیں اس حال میں دیکھ کر ہم نہ خوش ہیں نہ مطمئن ہیں، ہمیں تمہاری پرواہ ہے، تمہارا دکھ ہمیں بھی بہت تکلیف دیتا ہے علی۔'' عمر آہستگی سے بولا۔

''میں ٹھیک ہوں عمر۔'' البتہ علی کی آواز قدرے مضبوط کرنے کی کوشش میں بھی کمزور ہوئی تھی۔

''خود کو دھوکا دینا چھوڑ دو علی! ہم میں سے کوئی پاگل یا تم سے بے خبر نہیں ہے جو ہر بار تمہارے بہلاووں پر یقین کرے، کچھ ماہ کا کہہ کر گئے تھے تم اور اب سالوں بیت گئے ہیں لیکن نہ تم نے یقیناً خود کو بدلنے کی یا مستبشرہ کو بھولنے کی کوشش کی ہے، نہ پرائے دیس کی آب و ہوا نے تم پر اثر کیا ہے، تم اب بھی ایک مخصوص خول میں مقید رہنا چاہتے ہو جہاں صرف نارسائی کا دکھ، ٹھکرائے جانے کا ملال اور نہ ختم ہونے والی اذیت ہے۔'' عمر نے دوستانہ انداز میں اسے صاف شفاف آئینہ دکھایا تھا۔علی آیان حسن گیلانی نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے تحمل سے اسے سنا تھا، اس حقیقت سے وہ آنکھیں چرا سکتا نہ خبطی پن کا مظاہرہ کر کے اس بھنور سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

''کم از کم آنٹی کا ہی خیال کر لو۔'' عمر نے اسے احساس دلانا چاہا۔

''میں روانہ ان سے فون پر بات کرتا ہوں۔'' جواباً بے تکی سی بات کو اس نے جواز بنایا۔

''یوں تم سمجھتے ہو کہ ان پر بہت بڑا احسان کر رہے ہو؟'' وہ طنزیہ ہوا۔

''یہاں کا بزنس اب میں سنبھال رہا ہوں۔'' اس نے نہ آنے کا عذر پیش کیا۔

''بہت اچھی بات ہے۔'' عمر تو گویا تپ اٹھا تھا، طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میں مجبور ہوں عمر۔''

''شٹ اپ۔۔۔ بھاڑ میں جائے ایسی مجبوری جو خونی رشتوں سے غافل کر دے انسان کو، مجبوری بھی ایسی جو خود پالے ہوئے ہو، جو صرف خسارہ دلا رہی ہے تمہیں۔'' عمر نے کھرے لہجے میں اسے سخت سنائیں، ساتھ ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

علی آیان نے عمر کے ردعمل میں موبائل کان سے ہٹاتے ہوئے آنکھیں بند کی تھیں۔وہ خود تو کسی کو بھی جان بوجھ کر اپنی ذات سے تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا مگر اتنے سال گزر جانے کے باوجود بھی وہ اپنے دل کے ہاتھوں بے بس تھا۔رگوں میں پھیلتی بے بسی نے اسے مجبور کیا ہوا تھا، اپنے حق میں بہتر فیصلہ اسے ناممکنات میں سے ایک لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

بے یقینی ہنوز اپنی جگہ تھی مگر وہ عجیب کشمکش کا شکار تھی۔ مشارب شاہ کے پرپوزل کا اسے گمان نہیں تھا مگر اس کے پرپوزل کے بعد وہ بری طرح الجھ گئی تھی، اچانک سے اسے جواب نہیں دیا تھا اور نہ اب سوچنے کے بعد جواب ایک حتمی فیصلے تک پہنچ پائی تھی۔ دل کی سلطنت کا حکمران علی آیان حسن گیلانی تھا۔ تمام جذبے اور احساسات پر وہ قابض تھا، اس کی موجودگی سے وہ کتنی آسودہ اور مطمئن تھی، قدم قدم اس کی یادوں کے سنگ وہ کتنی محویت سے محبت کی راہ گزر کو عبور کیے جا رہی تھی، ایسے میں مشارب شاہ نے آ کر دستک دیئے بغیر ہاتھ آگے بڑھا کر اسے الجھتے بھنور میں پھنسا دیا تھا۔ ایک طرف دل میں علی کے لیے بے پناہ محبت تھی، اس کی محبت کا ایک قد آور، مضبوط، شاخ در شاخ پھیلا ہوا شجر تھا اور دوسری طرف مشارب شاہ ہاتھ بڑھائے اس کے ساتھ اور محبت کا خواہش مند تھا، کوئی بھی فیصلہ اس لمحے اس کے لیے کرنا مشکل تھا۔ رات دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی، وہ باہر بالکونی میں کھڑی تھی، اوپر آسمان پر موجود تنہا چاند ہزاروں لاکھوں ستاروں کے جھرمٹ کے سنگ اس کی ہر سوچ کو پرکھنے میں مصروف ایک حتمی فیصلے کے منتظر تھے۔ ہوائیں، فضائیں بھی گویا اس کی الجھن کو سلجھتا دیکھنے کے لئے ٹھہر سی گئی تھیں، وہ غیر جانبداری سے فیصلہ کرنا چاہتی تھی، اپنی ذات کو درمیان میں لائے بغیر محبت کے حساس جذبوں کے تقدس کو سمیٹ کر ایک حتمی فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ محبت میں نارسائی زندگی کا المیہ بن جاتی ہے۔ اس نے علی آیان حسن گیلانی کی محبت کو نارسائی دان کر کے شاید جانتے بوجھتے اپنے دل کے لیے عمر بھر کا روگ چنا تھا، علی آیان کو اذیتوں کے بے کراں سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کر کے اپنے لیے بھی تڑپتے لمحوں کا ساماں پیدا کیا مگر مشارب شاہ کو ایسی کسی بھی صورتحال و کیفیت سے بچانا اس کے اختیار میں تھا۔ علی کے لیے وہ درد بنی تھی، مشارب شاہ کے لیے دوا بن سکتی تھی، علی سے کیے اپنے سنگین عمل کا مداوا وہ مشارب شاہ کی محبت کو امر کر کے کر سکتی تھی، ایک کے بعد دوسرے شخص کو اپنی ذات سے اب وہ تکلیف دے کر پچھتاؤں میں نہیں گرنا چاہتی تھی، بے چینی، وحشت و بے سکونی کو ایک مرتبہ پھر اپنے تعاقب میں نہیں لگانا چاہتی تھی تو کیا وہ اپنے سنگین عمل کا مداوا ایک مرتبہ پھر علی آیان حسن گیلانی کو دل سے نکال کر کرنے جا رہی تھی؟

''نہیں علی! تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گے، میری پہلی اور اولین چاہت تم ہو۔ بس میں خود کو مزید کسی کے حق میں گناہ گار نہیں کرنا چاہتی، میری ہر سوچ تمہاری ہوگی، میرا ہر خواب تم سے منسلک ہوگا، بس میں پچھتاوے کی زد سے نکلنا چاہتی ہوں، میں ایک مرتبہ پھر کسی کو دکھ دے کر مجرم نہیں بننا چاہتی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی علی آیان حسن گیلانی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''میں خود غرض نہیں ہوں علی! میں اپنے لیے یہ فیصلہ نہیں کر رہی مگر یقین جانو یہ فیصلہ اب ضروری ہے ورنہ شاید میری آخری سانس تک میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔ نہ اس کا دل اس فیصلے سے مطمئن ہوا تھا نہ دماغ کو تسکین ملی تھی۔ مستبشرہ جمال نے فیصلہ البتہ اٹل کر لیا تھا، جبھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واپس کمرے میں آئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پڑا موبائل اٹھا کر اس نے مشارب شاہ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ہیلو مستبشرہ۔'' تیسری بیل پر دوسری جانب سے کال پک کر لی گئی تھی، مشارب کی گرم جوش آواز اس کے کان میں ابھری تھی۔

''مشارب! میں نے تمہارے پرپوزل کے بارے میں بہت سوچا ہے۔''اس نے بات شروع کی، اندر دل کٹا جا رہا تھا مگر وہ اپنی بات پر قائم رہنا چاہتی تھی۔

''میں تمہارا فیصلہ جاننا چاہوں گا۔''اس کے جسم کا ہر عضو سماعت بنا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''وہ آہستگی سے بولی۔ دوسری جانب مشارب شاہ کے ہونٹوں کو جاذب، مسحور کن مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

''تھینک یو سو مچ مستبشرہ۔''فرطِ مسرت سے بولا۔ مستبشرہ جمال اس کی آواز میں موجود خوشی کا اندازہ کرنے لگی، کتنی کھنک تھی اس کے لہجے میں، ایسی ہی کھنک اس سے بات کرتے وقت علی آیان حسن کے لہجے میں ہوتی تھی۔ مستبشرہ کے چہرے کا طواف کرتے وقت اس کی آنکھیں کس قدر چمکتی تھیں مگر ہائے افسوس۔۔۔!

''میں بہت خوش ہوں مستبشرہ۔ اور اپنی محبت کو گواہ بنا کر اسی لمحے تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں زندگی کی ہر خوشی دوں گا۔''وہ بے حد چہک رہا تھا۔ خواہش بھر آئی تھی، خواب سچ ہونے والا تھا، مستبشرہ البتہ فیصلے کے بعد دل میں اٹھتی کسک کو برداشت کرتی چپ تھی۔

''تم نے آج مجھے ایک نئی زندگی کی نوید سنائی ہے۔ I Love you so much۔۔۔''مبہم سا گرم جوش انداز مشارب شاہ کی خوشی کا حال بتا رہا تھا لیکن وہ......دوسری جانب آنکھ میں آئے آنسوؤں کی کہانی میں کھوئی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

کئی مہینوں بعد ادینہ چھ ماہ کے لیے رہنے آئی تھی، معید کو کام کے سلسلے میں 6 ماہ کے لیے ملک سے باہر جانا تھا، جانے سے پہلے وہ ادینہ کو اس کے میکے چھوڑ گیا تھا کیونکہ اپنی ماں کی فطرت سے وہ واقف تھا، سب اس کے آنے پر خوش ہوئے تھے، نایاب بھی اس سے خاصی مانوس تھی، اریبہ البتہ مہ روش کو ہی تھکانے میں مصروف تھی۔ ادینہ گھر کی ٹھہری ہوئی فضا میں اریبہ کی مستیوں کو انجوائے کرتی تھی، نایاب صبح اسکول میں جاتی تھی، شام کو مدرسے اور باقی وقت مہ روش کے پاس رہتی تھی، آج کل ادینہ مہ روش کے حالت کے پیش نظر اسے زیادہ تر اپنے ساتھ ہی مصروف رکھتی تھی، ادینہ کی اپنی اولاد نہیں تھی، شادی کو سات سال گزر گئے تھے، معید اور وہ دونوں اللہ کی رضا سے مطمئن تھے، حالانکہ معید ماں باپ کا لاڈلہ بیٹا تھا، کوثر نے بھائی سے بغض کو دل میں رکھے کئی مرتبہ اسے دوسری شادی کا کہا تھا مگر ادینہ سے محبت میں اسے باقی کوئی خواہش زیادہ عزیز نہیں تھی، سو کبھی اس نے ادینہ کے سامنے بھی اولاد کی شدید خواہش نہیں کی تھی لیکن ادینہ کو اولاد کی بہت خواہش تھی۔

''اللہ! مجھے بھی نایاب جیسی ایک بیٹی دے۔''نایاب کی معصومیت ادینہ کو بہت اچھی لگتی تھی، جب بھی اسے گود میں بٹھاتی ہمیشہ دعا کرتی۔

''اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، انشاء اللہ ایک دن تمہاری دعا ضرور قبول ہو گی۔'' ماہی اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلاتی، ادینہ کے لہجے کی حسرت دیکھ کر وہ ہمیشہ اس کے لیے خود بھی دعا کرتی تھی، اس کی خود کی زندگی کے دن سوگواریت میں سموئے بہت سستی سے گزر رہے تھے۔ ادینہ کو یہاں آئے ایک ہفتہ ہونے والا تھا، عموماً وہ ایک دو دن کے لیے آتی تھی، جس میں وہ سرسری ہی تمام گھر والوں کو الجھن آمیز تاثرات میں گھرا دیکھ کر خود الجھتی تھی مگر اس مرتبہ اس ایک ہفتے میں وہ تھوڑی بہت اکتائی تھی۔

تمام افراد کی روٹین اسے بہت عجیب لگی تھی، ماہی صبح اٹھ کر ناشتہ بنانے کے بعد نایاب کو اسکول کے لیے تیار کرتی تھی، اتنے میں مراد چہرے پر سنجیدگی سجائے ناشتہ کرتا اور خاموشی سے آفس کے لیے نکل جاتا تھا، نایاب خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتی تھی، اریبہ ناشتے کے وقت دادی کے پاس ہوتی تھی، انہی کے ہاتھ سے ناشتہ کرتی تھی، ماہی نایاب کو اسکول بھیجنے کے بعد خود آخر میں ناشتہ کرتی، پھر برتن سمیٹتی، کچن کا پھیلاؤ سنبھالتی، گھر کی صفائی ستھرائی کرتی، کھانا آج کل کلثوم بیگم بناتی تھیں، مہ روش کا شام مراد کے آنے تک کا وقت دیگر کاموں اور اریبہ کے ساتھ گزرتا، مراد آتا تو وہ بنا اس کے کہے چائے بنا کر اسے دیتی اور اس کے سامنے دوبارہ رات کے کھانے کے وقت آتی، نہ اس نے مراد کو کبھی ماں کے سامنے بیٹھ کر بیٹیوں کی باتیں کرتے دیکھا تھا نہ بیٹیوں سے پیار کرتے دیکھا تھا اور نہ اس نے کبھی مراد اور ماہی کو آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے دیکھا تھا۔

مراد منصور کے چہرے پر سنجیدگی اور ماہی کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر اسے الجھن ہونے لگتی، شادی کے محض 5 سال گزرنے کے بعد کوئی بھی میاں بیوی کم از کم ایسے نہیں ہو سکتے اور مراد کی تو ماہی سے پسند کی شادی تھی، پھر کیوں اسے اس پسند کی کوئی رمق ان دونوں کی آنکھوں میں ایک مرتبہ بھی محسوس نہیں ہوئی تھی؟ یہ سوال اسے حیرت میں ڈال گیا تھا، کوئی خاص تجسس اسے نہیں ہوا تھا مگر وہ کم از کم جواب جاننا چاہتی تھی۔

''یہ تمہارا وہم ہے۔'' تمام بات سننے کے بعد کلثوم بیگم اتنا ہی بولی تھیں، وہ ماں کے کمرے میں ہی ہوتی تھی، رات سونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر ان سے پوچھنا چاہا۔

''یہ وہم نہیں ہے امی! مجھے بار بار ایسا لگتا ہے جیسے۔۔۔'' نفی کرتے ہوئے اس نے بولنا چاہا مگر کلثوم بیگم رسانیت و سہولت سے اسے ٹوک گئیں۔

''اپنے بھائی کو تو تم شروع سے جانتی ہو، ہمیشہ سے وہ ایسا ہی ہے، سنجیدہ اور خود میں مگن رہنے والا اور ماہی ایک تو وہ اس حالت میں ہے کہ خود کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے اوپر سے دو بچیوں کے پیچھے بھاگنا، ان کے ہزار کام کرنا، اریبہ تو ویسے بھی اسے بیٹھنے نہیں دیتی، ساتھ گھر کے کام بھی میرے منع کرنے کے باوجود کرتی ہے، ایسے میں تم خود سوچو کہاں وہ خود کو پہلے جیسا رکھ سکتی ہے؟'' کلثوم بیگم نے کئی جواز اس کے سامنے رکھے۔

"امی! لیکن اتنا بھی تو انسان بیزار نہیں ہو سکتا، عندلیب کو دیکھ لیں آپ، دو بچے تو اس کے بھی ہیں لیکن اس نے خود کو پہلے سے بھی فٹ رکھا ہوا ہے، بچے بھی سنبھالتی ہے اور اریش کو برابر وقت دیتی ہے، دونوں کتنا خیال رکھتے ہیں ایک دوسرے کا، گھومنے پھرنے جاتے ہیں، ایک دوسرے کو مکمل وقت دیتے ہیں، لیکن مراد اور ماہی کو تو کبھی میں نے بات کرتے بھی نہیں دیکھا، دن بھر ایک دوسرے سے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ اجنبی ہوں۔" وہ وضاحت سے بولی۔

"مراد سارا دن آفس میں گزار کر آتا ہے، تھکا ہوا ہوتا ہے۔" کلثوم ماہی سے وعدے کے بعد ٹال مٹول کر رہی تھیں۔

"لوگوں کی تھکن اولاد کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر اتر جاتی ہے، چاہے دن بھر کتنے ہی خوار کیوں نہ ہو لیں، گھر واپس آ کر اپنی اولاد کے ساتھ وقت گزارتے ہیں، کھیلتے ہیں ان کی خوشی میں خوش ہو کر ان کی ننھی منی خواہشات پوری کرتے ہیں، مگر میں نے تو مراد کو کبھی نایاب اور اریبہ کے ساتھ بھی نہیں دیکھا، بلکہ جب وہ کھیل رہی ہوں تو انہیں جھڑکتا ہی دیکھا ہے اسے، کیا ہے یہ سب؟ مجھے بہت الجھن ہو رہی ہے۔" سچ مچ ادینہ الجھ کر ہی تو رہ گئی تھی۔

"یہ فضول کا سوچنا چھوڑ دو، نہیں ہوگی الجھن پھر۔" وہ البتہ بات ختم کرنا چاہتی تھیں۔

"کاش! یہ فضول کی سوچ ہی ہے۔" وہ بولی۔

"سو جاؤ اب ادینہ۔" کلثوم بیگم نے لیٹتے ہوئے اسے تاکید کی۔

"جی۔" ادینہ نے اٹھ کر لائٹ آف کی لیکن اندر سے وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ گھر کا ماحول اور ماہی اور مراد کا اجنبیوں سا برتاؤ اسے عجیب کشمکش میں ڈال گیا تھا۔

☆......☆......☆

"افریشم! کہاں ہو تم؟" کوئی چوتھی مرتبہ علی نے اس کے کیبن میں جا کر اسے دیکھا تھا مگر وہ ہنوز نہیں آئی ہوئی تھی، لنچ کا ٹائم بھی ہونے والا تھا، اپنے آفس میں آ کر اس نے افریشم کا نمبر ڈائل کر کے اس سے استفسار کیا تھا۔

"آج میرا خیال کیسے آ گیا ہے جناب کو؟" جواب دینے کے بجائے وہ بولی، لہجے میں مصنوعی حیرانگی تھی۔

"اس بے تکی بات کا مطلب؟"

"ویسے تو تم ہمیشہ اپنی محبوبہ کے دھیان میں رہتے ہو۔" اس نے بتایا۔

"اس وقت تو تم مجھے اس کا دھیان دلا رہی ہو۔" علی نے جتایا۔

"کیونکہ تم اسی بات سے خوش ہوتے ہو۔" وہ اسی کے انداز میں بولی۔

"کافی سمجھدار ہو گئی ہو، اور ابھی تک تم آفس کیوں نہیں آئیں، لنچ ٹائم ہو گیا ہے، تم جانتی ہو میں لنچ صرف تمہارے ساتھ کرتا

ہوں۔" وہ اصل مدعے کی طرف آیا۔

"آج تم لنچ اپنی پرنسز کی یادوں کے ساتھ کرلو۔" وہ بے لچک آواز میں بولی۔

"اوہ۔۔۔ ہر وقت طنز یار! کبھی تو سیدھا جواب دے دیا کرو۔" علی کو ناگوار گزرا۔

"اوکے تم لنچ کر لینا مجھے آج دیر لگے گی آنے میں یا شاید میں آج نہ آسکوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"کیوں کہ مجھے لگتا ہے میں پاگل ہوگئی ہوں یا ہونے والی ہوں۔" اب کہ وہ سنجیدہ ہوئی۔

"تم ہو کہاں اس وقت؟" علی کچھ نہ سمجھا۔

"کل اپائنمنٹ لی تھی ابھی سائیکالوجسٹ کی طرف جا رہی ہوں۔" اس نے بتایا۔

"کیوں؟" وہ چونکا پھر مزید حیرانگی کے ساتھ پوچھا۔ "کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"کہاں ناں کہ مجھے لگتا ہے میں پاگل ہوگئی ہوں یا ہونے والی ہوں۔" وہ بے حد سنجیدہ ہوئی کہ علی اس کی بات کو مذاق نہ سمجھے۔ علی ہی تو تھا اس سب کی وجہ، افریشم دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی، ہر وقت کی سوچوں سے اسے ٹینشن ہونے لگی تھی، ہر وقت یکطرفہ محبت میں عمر بھر کی تشنگی کا احساس دیمک کی طرح اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا، نہ وہ علی کے سامنے اپنے جذبات کا اعتراف کرسکتی تھی نہ اس کے دل سے مستبشرہ جمال کو نکال کر اسے اپنی طرف مائل کرسکتی تھی، ایسے میں بے شمار الجھتی، بکھرتی سوچیں اسے نچوڑ رہی تھیں، اسے لگنا لگا تھا جیسے وہ اس ادھوری کہانی کو سلجھا نہ سکی تو پاگل ہو جائے گی۔ اور پاگل ہو کر وہ اپنی ذات کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"یہ کیسا مذاق ہے؟"

"یہ مذاق نہیں ہے علی۔"

"پھر اچانک سے تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"

"اچانک سے تو نہیں ہوا مجھے کچھ، لیکن تم کہاں سمجھو گے یہ سب باتیں۔" افریشم کا لہجہ روکھا پھیکا سا تھا۔ علی آیان نے الجھن آمیز تاثرات سے بھویں سکیڑی تھیں۔

"تم بتاؤ تو سہی افریشم۔"

"بس آج کل طبیعت کچھ سیٹ نہیں رہتی، عجیب سی بے چینی اور بے سکونی ہے، سوچا چیک اپ کروا لوں۔" بہانہ بناتے ہوئے اس نے بات ادھر ادھر کرنی چاہی۔

"تم مجھے بتا دیتیں میں تمہیں لے کر چلا جاتا۔" علی اب خفا ہوا۔

''تمہیں اپنا ہوش کہاں رہتا ہے علی، جو میری بھی فکر کرتے۔'' وہ خود کو کہنے سے باز نہ رکھ سکی، یہ شکوہ تو اسے پہلے دن سے تھا۔

''تم ایسی باتیں کرنا اور سوچنا چھوڑ دو، آدھی ٹینشن تمہاری یوں ہی ختم ہو جائے گی۔'' اس نے طنز کے بدلے طنزیہ کہا تو افریشم پھیکی ہنسی مسکرائی، علی بھنور میں پھنسا ہوا شخص تھا بھلا اسے کیسے اس مشکل سے نکال سکتا تھا۔

مستبشرہ جمال کی کال کے بعد مشارب شاہ بے پناہ خوش ہوا تھا، آصفہ شاہ کو بھی جا کر کہہ دیا تھا کہ وہ ایک بھی دن ضائع کیے بغیر کل ہی زہرہ پھپھو کے گھر جائیں اور اس کے رشتے کی بات ڈالیں، اسلام آباد جانے سے پہلے وہ چاہتا تھا کہ انگیجمنٹ ہو جائے اور آصفہ شاہ کا رادہ بھی جلدی ہی اس کی شادی کا تھا، انہوں نے قاسم شاہ سے بھی بات کی، قاسم شاہ کی خواہش فلک کو بہو کے روپ میں دیکھنا تھی لیکن تمام بات جاننے کے بعد انہیں مشارب اور مستبشرہ کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ فلک اپنی کسی دوست کے گھر گئی ہوئی تھی، اس کی غیر موجودگی میں آصفہ شاہ اور قاسم شاہ نے فہمیدہ اور عارف شاہ سے مشاورت کی، وہ دونوں بھی سن کر خوش ہوئے، قاسم شاہ نے آصفہ بیگم اور فہمیدہ بیگم کو کل جانے کا کہا، فلک کو ساتھ لے جانا تو لازمی تھا ورنہ اس کی ناراضی افورڈ کرنا سب کے لیے بہت مشکل ہوتی تھی، فلک کو دوست کے گھر سے مشارب ہی واپس لایا تھا مگر اس نے فلک سے کوئی بات نہیں کی تھی، گھر کے باقی کسی فرد نے بھی اس کے سامنے کوئی ذکر نہیں کیا تھا، رات تمام کاموں سے فراغت کے بعد بھی فلک اور مشارب گھنٹوں معمول کی طرح چھت پر باتیں کرتے رہے تھے مگر اس دوران بھی مشارب شاہ کو اسے بتانے کا کوئی خیال ذہن میں نہیں آیا تھا، تمام وقت اور رات اپنی رفتار سے گزری، البتہ اگلا دن اسے چھوڑ کر باقی سب کے لیے مصروف ترین دن تھا، ناشتے کے بعد آصفہ شاہ نے مشارب کو مارکیٹ بھیجا تھا، فروٹس، مٹھائی اور دیگر چیزوں کے لیے، اس وقت بھی فلک وہاں موجود نہیں تھی جو وجہ پوچھتی، شام تک کا وقت بہت جلدی گزرا تھا، مغرب کی نماز کے بعد فہمیدہ بیگم اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

''فلک بیٹا! جلدی سے تیار ہو جاؤ، ہم بس پندرہ منٹ میں نکلتے ہیں۔''

''اس وقت کہاں جا رہے ہیں سب؟'' وہ چونکی، ہاتھ میں پکڑا نیل فائلر پیچھا کیا۔

''لو بھلا۔۔۔ میں نے تو پہلے بتایا ہی نہیں ہے۔'' انہوں نے اپنی بھول پر ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

''کیا نہیں بتایا؟''

''یہی کہ میں اور آصفہ آپا، زہرہ آپا کے گھر جائیں گے، تمہارا جانا بھی ضروری ہے۔''

''کیوں کوئی خاص بات ہے جو اس وقت جا رہے ہیں؟''

''بات تو خاص ہی ہے، تمہیں مشارب نے نہیں بتایا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں، مشارب نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا، آپ بتا دیں پھر مجھے تیار بھی ہونا ہے۔'' وہ تو ہر وقت جانے کے لئے کہیں بھی تیار رہتی تھی۔ ان سے پوچھتے ہوئے وارڈ روب کی طرف ڈریس سلیکٹ کرنے بڑھی۔

''ہم مشارب کے لیے مستبشرہ کا ہاتھ مانگنے جا رہے ہیں، مشارب بھی چاہ رہا ہے کہ اس مرتبہ اسلام آباد جانے سے پہلے منگنی وغیرہ ہو جائے، انشاءاللہ اگلی مرتبہ جب وہ آئے گا تو پھر شادی کی تاریخ بھی رکھ دیں گے۔'' فہمیدہ بیگم نے اسے تفصیل سے بتایا تھا۔ دوسری جانب فلک کو گویا اپنی سماعتوں پر شک گزرا تھا۔

''کیا کہا آپ نے؟''

''مشارب کے لیے مستبشرہ کے رشتے کی بات کرنے جا رہے ہیں، تم جلدی سے تیار ہو جاؤ؟'' اس مرتبہ انہوں نے اپنی بات پر زور دیا تھا، ساتھ ہی اسے تاکید بھی کی تھی، الفاظ بہت واضح اور لب ولہجہ بالکل صاف تھا، فلک کو سننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی مگر پل بھر میں اس کی بھویں حیرت سے سکڑی تھیں، ہینگر کی طرف جاتا اس کا ہاتھ یکدم رکا تھا، چہرے پر عجیب وغریب تاثرات امڈ کر پھیلے تھے، یہ بات اس کی سماعتوں کے لیے تو غیر یقینی تھی مگر اندر جو لمحوں میں دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی وہ اس کے قابو سے باہر ہوئی تھی، وہ وارڈ روب کے کھلے پٹ کی اوٹ میں تھی، فہمیدہ بیگم اسے دیکھ نہیں سکی تھیں مگر اس کی حالت عجیب تر ہوئی تھی۔

''کیا کہا آپ نے؟'' فوراً سے وہ یقین نہیں کر سکی تھی، بے یقینی سے سر باہر نکال کر فہمیدہ بیگم کی طرف سوالیہ دیکھ کر اس نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

''اب کیا تمہیں لکھ کر دوں فلک۔۔'' اس مرتبہ فہمیدہ بیگم نے اس کی حیرت و بے یقینی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''پلیز امی! ٹھیک سے بتائیں۔'' فلک کا دل بہت بری طرح گھبرایا تھا، سنجیدگی سے بولی، فہمیدہ بیگم نے بیٹی کی اندرونی کیفیت سے بے خبر ایک مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی۔ بے یقین سی فلک گویا آن کی آن میں دھماکوں کی زد کا شکار ہوئی تھی، دل کو بڑا دھچکا لگا تھا، آنکھیں اچانک پھیل گئی تھیں، اسے بس اتنا محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس کے چاروں اطراف زلزلے ہو رہے ہیں، دل میں تباہی سی مچ گئی تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' متعجب زدہ آواز لڑکھڑائی تھی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور مشارب کی خواہش پر آج ہم وہاں جا رہے ہیں۔'' وہ فلک کو دیکھے بناء اس کی کیفیت کا اندازہ لگائے بغیر اس کی بے یقینی کو ختم کرنے کے لیے بتانے لگیں، فلک کو اپنا دل کانٹے دار شکنجے کی مضبوط گرفت میں جکڑتا محسوس ہوا، اس کے وہم وگمان تک کو ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا جو یہ سب ہونے کا سوچ بھی نہیں سکے تھے، وہ عجب کشمکش کا شکار تھی۔

''اتنی بڑی بات آپ اب مجھے بتا رہی ہیں؟'' اس نے شاکڈ وشکایتی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''مجھے تو خود کل بتایا ہے آصفہ آپا نے، میرا خیال تھا مشارب تمہیں بتا چکا ہو گا۔''

''اس نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔'' فلک کی آواز روہانسی ہوئی تھی، بڑی مشکلوں سے خود پر قابو پاتے ہوئے وہ فہمیدہ بیگم کے سامنے کھڑی تھی۔

''خیر کوئی بات نہیں ہے، اب پتہ چل گیا ہے تو تیار ہو جاؤ۔'' انہوں نے بات ختم کرنا چاہی مگر شاید یہ بات یونہی آرام سے ختم نہیں ہونے والی تھی اب یہ فلک کے اندر برپا کہرام بہت شدت لیے تھا، اس کا اندر باہر پل میں بپھر گیا تھا۔

''میں نے کہیں نہیں جانا، آپ نے جانا ہے تو جائیں۔'' وہ لہجے پر قابو نہیں رکھ سکی تھی، قدرے بدتمیز انداز میں بولی تو فہمیدہ بیگم نے گھور کر اسے دیکھا۔

''یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم؟'' غصے سے بولیں۔

''اچھا پلیز۔۔۔آپ جائیں میں نہیں جا رہی۔'' اس نے انداز میں نرمی پیدا کی۔

''کیوں ابھی تو تیار تھیں تم جانے کے لیے؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''اب نہیں جا رہی۔'' فوراً خود پر قابو پاتی وہ نارمل انداز میں بولی، ابھی کہ ابھی ماں کے سامنے نہ کوئی انتہائی فیصلہ کر سکتی تھی نہ اپنی کیفیت کو بیان کر سکتی تھی۔ فی الوقت خاموشی مناسب تھی لیکن کیا یہ خاموشی مصلحت کی راہ نکال سکتی ہے؟

''نہ بتانے پر خفا ہو رہی ہو؟'' اسے خوش دیکھنے کے بجائے چہرے پر عجیب سے تاثرات سمیٹے کھڑا دیکھ کر فہمیدہ بیگم نے پوچھا۔

''آپ سب نے حتیٰ کہ مشارب نے یہ بات مجھ سے چھپائی ہے، کیوں؟''

''بات چھپائی نہیں ہے، بس بتانے میں دیر ہو گئی ہے۔'' انہوں نے وضاحت دی۔

''ایک ہی گھر میں کیسی دیر؟'' اس کا اندر باہر پھٹا جا رہا تھا، تھوڑی تلخ ہوئی۔

''کیوں فضول بحث میں پڑ رہی ہو، اگر جانا ہے تو تیار ہو جاؤ۔'' وہ بولیں۔

''آپ جائیں مجھے نہیں جانا۔'' وہ دوٹوک خفگی سے بولی۔ فہمیدہ بیگم نے اس کے ضدی لہجے پر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا، اس کی ضد پختہ ہوتی تھی، اسے قائل کرنا بھی مشکل مرحلہ ہونا تھا، جس سے فی الوقت وہ گزرنا نہیں چاہتی تھیں، آہستگی سے باہر نکل گئیں، ان کے نکلتے ہی فلک نے سرعت سے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کیا کہ مبادا کوئی اور اسے بلانے نہ آ جائے، اس عمل کے دوران اس کی آنکھوں کے گوشے نرم ہو چکے تھے، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ بیڈ کے سرے پر آ کر ٹکی تھی۔

''ایسا نہیں ہو سکتا مشارب شاہ۔۔۔'' اس کے اندر اب بھی بے یقینی تھی، دل میں موجود محبت یک دم تڑپنے لگی تھی، دوسری جانب مشارب شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان سیٹی پر شوخ سی دھن بجا رہا تھا، آصفہ بیگم اور فہمیدہ بیگم کو باہر آتا دیکھ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

''فلک کہاں ہے، ابھی تک تیار نہیں ہوئی؟'' ان دونوں کے بیٹھتے ہی اس نے پوچھا، اپنی خوشی میں وہ اپنی دوست کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

''وہ نہیں جا رہی۔'' فہمیدہ بیگم نے بتایا۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''ناراض ہوگئی ہے کہ کسی نے اسے پہلے نہیں بتایا۔'' انہوں نے وجہ بتائی۔

''اوہ واقعی۔۔۔ہمیں اسے بتانا چاہیے تھا، مگر خیال ہی نہیں رہا۔'' آصفہ بیگم نے کہا۔

''آپ رکیں میں اسے لے کر آتا ہوں، اس کے بغیر تو میری ہر خوشی ادھوری ہے۔'' مشارب کو گلٹی فیل ہوا تو فوراً اترنے لگا لیکن فہمیدہ بیگم اسے روک گئیں۔

''رہنے دو مشارب! تم جانتے تو ہو اس کی ضد کو، دروازہ بھی لاک کر کے بیٹھی ہے، دیر ہو رہی ہے، چلو ہمارے واپس آنے تک خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔''

''چلیں ٹھیک ہے، میں خود ہی اس سے بات کرلوں گا، اسے منالوں گا، ویسے مجھے اسے پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا، ناراضی بجا ہے اس کی۔'' اس نے گاڑی مین گیٹ سے باہر نکالی۔

''مشارب! تم یہیں رکو گے یا واپس آ جاؤ گے؟'' آصفہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

''واپس آؤں گا لیکن جب آپ لوگوں نے آنا ہوا تو مجھے کال کر لیجئے گا، میں لینے آ جاؤں گا۔'' وہ سہولت سے بولا۔ آصفہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا اور فہمیدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

☆......☆......☆

''پھر کیا کہا سائیکالوجسٹ نے؟'' شام کو علی اس کے سامنے تھا۔

''زیادہ سوچا نہ کرو۔'' افریشم نے مختصراً جواب دیا۔

''میں نے بھی تمہیں یہی کہا تھا۔'' علی نے اسے یاد دلایا۔

''ہوں۔'' اس نے جواباً سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''کچھ دن آفس سے بھی ریسٹ کرلو، ہوسکتا ہے کام کی وجہ سے ٹینشن ہوئی ہو۔'' علی نے اسے دوستانہ مشورہ دیا۔

''نہیں علی! یہ کام کی وجہ سے نہیں ہوا۔'' وہ ٹھوس آواز میں بولی۔

''پھر کس وجہ سے ہوا ہے؟''

''میں ٹھیک ہوں علی! اب سنبھال لیا ہے میں نے خود کو۔'' وہ بولی۔

''تم مجھے الجھاؤ مت، میری بات کا جواب دو۔'' وہ اپنے سوال سے نہ ہٹا، بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''الجھ تو میں خود گئی ہوں علی! اب خود جواب پا کر اپنی ذات کو سلجھانا ہے مجھے۔'' آہستگی سے کہتے ہوئے افریشم گیلانی نے اپنے

اندر جھانکا تھا جہاں صرف علی تھا۔علی کی موجودگی کا احساس تھا،محبت کی خوشبو سانسوں کے ساتھ مہک رہی تھی،دھڑکنوں کے شور میں علی کے نام کی گونج تھی مگر کیا فائدہ؟

علی ان سب سے انجان تھا یا جان کر بنا ہوا تھا،محبت کی کہانی بھی بھلا کبھی کسی سے پوشیدہ رہ سکی ہے؟ مگر وہ اب فیصلہ کرنا چاہتی تھی،اسے علی کی طرح عمر بھر کا روگ پالنے میں کوئی دلچسپی تھی نہ وہ اپنی حالت خراب اور زندگی عذاب کرنا چاہتی تھی۔اسے پہلے کی طرح جینا تھا جس کے لیے اسے ذہن و دل سے علی کا نام و نشان مٹانا تھا،وہ علی کی بے اعتنائی پر کھرچ کھرچ کر سب مٹانا چاہتی تھی،علی کے ساتھ کے بغیر بھی نہ سہی مگر کم از کم زندگی جینا چاہتی تھی،علی کو جس کے لیے دل سے نکالنا لازم تھا۔

''افریشم یار! تم پہلے سی نہیں رہیں۔''علی نے اداسی سے اسے دیکھا۔

''ہر گزرتے دن ، بڑھتی عمر کے ساتھ انسان میں چینجنگ آتی ہے،مجھ پر بھی حالات کے کچھ اثرات ہوئے ہیں،لیکن مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔''وہ ہولے سے بولی۔

''بٹ مجھے افسوس ہے،تم کیا تھی اور کیا ہو گئی ہو،کاش! کہ میرے بس میں ہوتا میں تمہیں پہلے جیسا بنا دیتا،تمہیں بات بات پر مسکرانے پر مجبور کر دیتا،تمہیں ان دنوں میں واپس لے جاتا جہاں تم زندگی جیتی تھیں،مجھے زندگی جینے کا ڈھنگ سکھانا چاہتی تھیں۔''علی بولا تھا۔افریشم بغور اسے دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ سب تمہارے اختیار میں ہے علی! لیکن تم ایسا نہیں کر سکو گے۔''

''تم مجھے راہ دکھاؤ میں ایسا ضرور کروں گا۔''وہ وثوق سے بولا۔

''اس سے پہلے پھر تم مجھے ایک سوال کا جواب دو علی۔۔۔''اگر وہ پر وثوق تھا تو افریشم گیلانی نے اسے آزمانا ضروری سمجھا،سنجیدگی و سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''پوچھو سوال۔''

''مبشرہ جمال کو اپنے دل سے،اپنی زندگی سے نکال سکتے ہو؟''

''نہیں۔''وہ برجستہ شدت سے بولا۔

''پھر تم میرے درد کی دوا نہیں بن سکتے علی آیان حسن گیلانی۔''افریشم نے آنکھوں کی نمی کو لب بھینچ کر پیتے ہوئے اسے دیکھا،دو ٹوک،زخمی لہجے میں کہا اور کہتے ہی وہاں سے چلی گئی تھی،بنا علی کا جواب سنے۔

''کیسا درد؟''افریشم کے جانے کے بعد وہ دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔

☆......☆......☆

''فلک یار پلیز، دروازہ تو کھولو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' مشارب شاہ انہیں ڈراپ کرنے کے بعد گھر آ کے سیدھا اس کے کمرے کی طرف گیا تھا، فلک کے کمرے کا دروازہ ہنوز لاک تھا، مشارب کی لگاتار دستک اور ایکسکیوز پر بھی وہ باہر نہیں آ رہی تھی، اس کی آواز سن کر اس کا دل مزید کٹنے لگا تھا، آنکھوں سے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے، دل میں مچی افتاد بڑی خاموشی سے تباہی پھیلا رہی تھی۔

''تم میری خوشی میں خوش نہیں ہونا چاہتیں فلک۔۔۔'' مشارب شاہ نے اسے دوستانہ بلیک میل کرنا چاہا، اس نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں مانتا ہوں کہ مجھے سب سے پہلے تمہیں بتانا چاہیے تھا مگر یار انسان ہوں، بھول ہو ہی جاتی ہے، پلیز باہر آؤ، میں تمہیں خود سے خفا نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ مسلسل بول رہا تھا اور دوسری جانب وہ مستقل چپ سادھے اپنے جذبات کی بے قدری پر پرملال تھی۔

☆......☆......☆

''ناراضی اپنی جگہ مگر دروازہ تو کھولو، مجھے صفائی کا موقع دو۔'' وہ پھر سے بولا۔ ایک مرتبہ پھر نوکیلا تیر فلک شاہ کے دل کے آر پار ہوا تھا۔ اتنے سال اسے خبر ہی نہ ہوئی، وہ مشارب شاہ کے دل کا حال جان ہی نہ سکی، اپنی محبت میں ناداں بنی رہی، اعتراف و اقرار کی منتظر رہی، اپنی محبت کو انتظار بھری مسافت پر ڈالے رہی اس کا ہمسفر بننے کے خواب آنکھوں میں سجاتی رہی، محبت کے بیج کو جذبات کے پانی سے آبیاری کرتی رہی، ایک خوبصورت شجر تیار کرنے کے بعد تمام چاہتوں کو، تمام رنگوں کو سمیٹے انتظار کرتی رہی مگر تمام انتظار رائیگاں ہو چکا تھا۔ پل بھر میں تمام خواب سپنے چکنا چور ہو گئے تھے، محبت کا محل پل بھر میں ریت کے ٹیلے کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ مشارب شاہ نے اس کے دل کی بستی میں تباہ کن ہلچل مچا کر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا تھا، شکست خوردگی کا احساس اسے نڈھال کر گیا تھا۔

''فلک پلیز! جواب دو بولو تو سہی، ایک ذرا سی بات کو دل پر لے لیا ہے تم نے۔'' مشارب شاہ اب تنگ آیا۔ مشارب کے لہجے، انداز اور آخری بات پر فلک کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

''یہ میرے لیے ایک ذرا سی بات نہیں ہے مشارب شاہ۔۔۔'' آنسوؤں کو صاف کرتی، خاموشی توڑتی وہ پھٹ کر بولی تھی۔ مشارب حیران ہوا تھا۔

''آرام سے بات کرتے ہیں فلک! تم باہر تو آؤ۔'' وہ ملائمت سے بولا۔

''تم ابھی جاؤ مشارب! مجھے تم سے فی الحال کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ بولی، اسے جانے کو کہا۔

''اتنا غصہ مت کرو فلک۔۔۔'' مشارب اسے خفا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

''جاؤ مشارب شاہ! فی الوقت مجھے آواز مت دینا، میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، نہ میں باہر آؤں گی، تم نے آج مجھے بہت تکلیف دی ہے۔'' وہ قطعیت سے بولتے ہوئے واش روم میں چلی گئی تھی۔ مشارب نے اسے مزید آوازیں دی تھیں مگر اندر سے

جواب ندارد تھا، وہ توقف کے بعد مایوسی سے سر ہلاتا وہاں سے ہٹ گیا تھا، فلک کا اس حد تک ضدی اور ناراض رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا، آج وہ اندر سے خوش تھا مگر فلک کی ناراضی بھی افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔

☆......☆......☆

ماہی کی طبیعت رات کو ہی خراب تھی، بے سکونی سے نیند بھی نہیں آ رہی تھی، رات کے آخری پہر کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی تھی، نتیجتاً صبح معمول کے مطابق اس کی آنکھ نہ کھلی۔ نایاب نے اسے اٹھایا، تب تک دیر ہو چکی تھی، اس نے نایاب کو اسکول کے لیے تیار بھی کرنا تھا، جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا، اسے یونی فارم پہنایا اور نایاب کو اٹھائے ناشتے کے لئے باہر لائی، اس کی طبیعت خرابی کے باعث ادینہ نے ناشتہ تیار کرلیا تھا، کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے نایاب کو گود میں لیا اور اسے ناشتہ کروانا شروع کیا۔

''کیا بات ہے ماہی! تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں؟'' کلثوم بیگم اسے دیکھ کر بولی تھیں۔

''پھپھو، بس کچھ طبیعت خراب ہے رات سے، اسی لیے آج دیر سے اٹھی ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''تو بیٹا تم آرام کرلیتیں، نایاب کو ادینہ ناشتہ کروا لیتی۔''

''میرے بغیر یہ کہاں کچھ حلق سے نیچے اتارتی ہے۔'' وہ بولی۔

''پھر بھی۔۔۔ تمہاری طبیعت کچھ دنوں سے ایسی ہی ہے، اپنا خیال رکھا کرو بیٹی۔''

''کوشش تو کرتی ہوں پھپھو۔'' وہ پھپھو کی خود کے لیے بے رونق ہوتی آنکھوں کی کہانی سے باخبر آہستگی سے بولی۔

''میں نے کبھی تمہیں کوشش کرتے نہیں دیکھا ماہی۔۔۔'' کلثوم بیگم کی ضبط پر محیط خاموشی سے بے خبر ادینہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں سمجھی نہیں؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم اپنی ذات سے لاپرواہ ہوگئی ہو۔''

''ان دنوں میری ایسی ہی حالت ہوتی ہے، چاہے کتنا بھی خیال کیوں نہ رکھ لوں۔'' اپنے پھولے ہوئے جسم کو جواز بنا کر اس نے بات رفع کرنی چاہی۔

''کمال ہے باقی لڑکیاں تو اس حالت میں نکھر جاتی ہیں، ان کا روپ قابل دید ہوتا ہے۔'' ادینہ نے حیرانگی ظاہر کی، نایاب ان کی باتیں سنتی خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی۔

''صرف پہلی مرتبہ میں ہوسکتا ہے، نایاب کی پیدائش سے پہلے میں اب سے بہتر تھی مگر اریبہ نے دل کا زور ختم کر دیا ہے، نایاب کی فکر الگ ہوتی ہے اس لیے میں اریبہ کو سنبھالوں یا خود کو، ایک ساتھ سب مینیج کرنا مشکل ہے۔'' وہ سہولت سے بولی۔

''ہاں مگر تھوڑی بہت تو توجہ خود پر دینی چاہیئے، تم تو بالکل لاپرواہ ہوگئی ہو، نہ پہلے کی طرح اپنی ڈریسنگ کا خیال رکھتی ہو نہ پہلے کی طرح فٹ رہی ہو، ڈھیلے ڈھالے کپڑے، گنجلک بال، اترا ہوا چہرہ اور آنکھوں کے گرد حلقے بھی پڑ گئے ہیں تمہارے۔'' اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے ادینہ بولی تھی۔ مہ روش کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیلی۔

''نایاب! اسکول کے لیے نکلے تو میں تمہیں لے کر مارکیٹ جاؤں گی، جب تک میں یہاں ہوں تمہارا خیال رکھوں گی تب کہیں جا کر تم پہلے والی ماہی بنو گی، یوں سچ میں بالکل بور لگتی ہو۔'' ادینہ نے بات مکمل کی۔

''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی۔

''مہ روش۔۔۔'' ادینہ کے مزید بولنے سے قبل مراد منصور کی آواز گونجی تھی۔ ''مہ روش۔'' اگلے ہی لمحے وہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

''جی۔'' ماہی نے سوالیہ اسے دیکھا۔

''اتارو اسے گود سے اور دوسری کو جا کر سنبھالو، اٹھتی بعد میں ہے رونا پہلے شروع کر دیتی ہے، روزانہ دکھتے سر کے آفس کے لیے نکلنا پڑتا ہے۔'' وہ غصے سے بول رہا تھا، ادینہ نے خاموش وسنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مہ روش! تم نایاب کا لنچ باکس وغیرہ دیکھو، میں جاتی ہوں اریبہ کی طرف۔'' کلثوم بیگم نے اٹھتے ہوئے اسے کہا، صبح ویسے بھی اریبہ انہی کے ہاتھ سے ناشتہ کرتی تھی۔ ماہی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نایاب کو گود سے اتار کر کرسی پر بٹھایا اور خود اس کا لنچ باکس تیار کرنے کے لیے اٹھی، جب تک مراد اپنی نشست سنبھال چکا تھا، ادینہ اسے ناشتہ سرو کر رہی تھی جبکہ نایاب عجیب خالی، سہمی ہوئی نظروں سے مراد منصور کو دیکھنے کے بعد الجھتے انداز میں اپنے بیگ کی زپ کو کھولنے اور بند کرنے لگی تھی۔

''نایاب بیٹا! پاپا کو گڈ مارننگ بولو۔'' ادینہ اس کے انداز کو اور نظروں کو بھانپ کر مراد کی طرف اس کی توجہ دلانے کے لیے بولی، ادینہ کے کہنے پر نایاب نے بولے بغیر محض سر اٹھا کر ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا پھر ماہی کو دیکھنے لگی۔

''ایسے مینرز سکھانے سے بچے سیکھتے ہیں، یہاں تو کسی کو کوئی تمیز ہی نہیں ہے۔'' مراد، ماہی پر چوٹ کیے بنا نہ رہ سکا، فوراً طنز کا نشتر پھینکا۔ مہ روش نے کوئی توجہ ہی نہ دی، مراد کا بیٹیوں سے رویہ، اجنبیت کا احساس، ان سے ہر وقت کی بیزاریت اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد وہ چاہتی ہی نہ تھی کہ وہ یا اس کی بیٹیاں خود سے مراد منصور کو مخاطب کریں، اسے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی نہ وہ اس کے انگارے برساتے سائے میں بیٹیوں کو جھلسانا چاہتی تھی۔

''شام کے وقت تو تم گھر میں ہی ہوتے ہو، تھوڑا وقت انہیں سکھانے کے لیے نکالو، سیکھ جائیں گی۔'' ادینہ نے اسے کہا۔

''میرے پاس ان فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔'' وہ دوٹوک بولا۔

''تمہارے پاس وقت نہیں ہے، یہاں اور کسی کو تمیز نہیں ہے تو پھر کیسے سیکھیں گی یہ مینرز؟'' ادینہ نے برجستہ پوچھا۔

''مجھے اس فضول کی بحث میں الجھانے کے بجائے اسے سمجھاؤ جو اس کی ذمہ دار ہے۔'' مراد کے تیکھے لہجے کو بغور سنتی مہ روش الجھی تھی، مراد اس کے نزدیک الجھا ہوا شخص تھا جس نے وقت کی لپیٹ کے ساتھ اسے بھی الجھا دیا تھا، عام روٹین کی طرح خاموشی سے لنچ باکس تیار کرنے کے بعد وہ نایاب کے پاس آئی اور اس کا بیگ کھول کر لنچ باکس اندر رکھنے میں محویت ظاہر کی، ادینہ البتہ چپ تھی، مراد نے ایک خشمگیں نظر دونوں ماں بیٹی پر ڈالتے ہوئے چائے کا کپ منہ سے لگایا، جب تک کلثوم بیگم اریبہ کو اٹھائے وہاں آئی تھیں، مراد چائے ختم کیے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اللہ حافظ امی۔۔۔'' قدم باہر کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا، نایاب اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

''اللہ حافظ۔''

''لائیں امی! اریبہ کو مجھے دیں، میں کرواتی ہوں اسے ناشتہ، اریبہ بیٹا، جلدی سے پھپھو کی گودی میں آ جاؤ۔'' ادینہ نے سر جھٹکتے ہوئے اریبہ کو اپنے پاس کیا۔

''چلو نایاب! وین آ گئی ہے، دادو کو اللہ حافظ بولو۔'' ہارن کی آواز پر مہ روش نے نایاب کو بیگ اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ کرسی سے اتر کر کلثوم بیگم کے پاس بڑھی۔

''اللہ حافظ دادو۔''

''اللہ حافظ میری جان۔'' انہوں نے نایاب کے دونوں گالوں پر پیار کرتے ہوئے کہا اور وہ مہ روش کی طرف واپس مڑی، اس کا ہاتھ تھاما اور جانے لگی اور جاتے جاتے گویا کچھ یاد آنے پر مڑی تھی۔

''بائے پھپھو۔''

''بائے جانو۔'' ادینہ کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ ابھری تھی، نایاب کے ننھے سے چہرے پر اب مسکراہٹ کھلکھلائی تھی، تھوڑی دیر بعد مہ روش اسے چھوڑ کر واپس آئی تھی اور اس کے چیئر پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اریبہ، ادینہ کی گود سے اتر کر اس کے قریب آئی تھی۔

''ارے یہ کیا۔۔۔ لگتا ہے اسے مزہ نہیں آیا میرے پاس۔'' ادینہ حیران ہوئی۔

''مزہ آئے نہ آئے، اس نے میرے جی کا جنجال بننا ہوتا ہے۔'' ماہی ہنسی، ساتھ ہی اریبہ کو پیار کیا جو مسکراتی، شرارتی نظروں سے ادینہ کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ مراد ہر وقت غصے میں کیوں رہتا ہے؟'' ادینہ نے ماہی کو دیکھا، بات بدلی، ماہی نے سوال پر کلثوم بیگم کی طرف دیکھا، وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔

''تم شروع سے انہیں جانتی ہو، وہ ایسے ہی ہیں۔'' ماہی نے آہستگی سے جواب دیا۔

''اوہو۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی، تم سے امی سے یا کسی سے پوچھ لو تو ایک ہی جواب سب نے دینا ہوتا ہے، مراد شروع سے ایسا ہے، ویسا ہے، سنجیدہ ہے، وغیرہ وغیرہ، عجیب صورتحال ہے۔'' ادینہ یک دم تنگ آ ئی۔

''کوئی عجیب صورت حال نہیں ہے ادینہ! سچ میں۔'' ماہی نے لہجہ مضبوط رکھا۔

''مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا، گھر کا ماحول بھی عجیب گھٹن زدہ سا لگتا ہے، گھر کے مکین بھی الجھے ہوئے پریشان لگتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ ڈھونڈنے سے بھی مشکل لگتی ہے، ایسا تو کہیں نہیں ہوتا امی! ماہی پلیز! اگر اس گھر میں کوئی مسئلہ چل رہا ہے تو مجھ سے ڈسکس تو کریں۔''

''جب کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں تو کیا بتائیں تمہیں؟'' کلثوم بیگم نے اب کی بار اس سے پوچھا تو اس نے دونوں کو باری باری دیکھا، پھر سامنے پڑے برتن سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی، ساتھ ہی بولی۔

''لیکن کوئی بات ہے ضرور، میں پاگل یا ناسمجھ نہیں ہوں جو اردگرد سے لاپرواہی برتوں، مجھے جو نظر آ رہا ہے وہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔'' اور برتن سنک میں رکھ کر دھونے لگی، ماہی کو جبھی بات بدلنے کا موقع ملا۔

''ادینہ! تم ادھر آ ؤ بیٹھو، میں دھوتی ہوں برتن۔''

''نہیں تم پہلے ناشتہ کرو، میں یہ کرتی ہوں۔'' اس نے منع کیا البتہ ماتھے پر بل گھرے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

رات گزری، صبح ہوئی مگر وہ کمرے سے باہر نہیں آئی، اس کے اس قدر شدید ردعمل پر سب حیران تھے، مشارب رات کو پھر اس کی طرف گیا تھا مگر اندر سے کوئی جواب یا رسپانس نہیں ملا تھا، صبح ناشتے کے لیے فہمیدہ بیگم اسے بلانے گئیں مگر وہ باہر نہ نکلی، رات بھر رو کر حالت اپنی اس نے خراب کر لی تھی، آنکھیں سرخ انگارہ ہو کر جل رہی تھیں، سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، جسم بے سکونی سے ٹوٹا جا رہا تھا، ذہن ہنوز بے یقین سا زلزلوں کی زد میں تھا۔

مشارب شاہ ناشتے کے لیے ڈائننگ روم میں آیا تو ماں سے پہلے اسی کے متعلق پوچھا۔ جب بھی ملتان چھٹیوں پر آتا فلک اس کے ساتھ ہی ناشتہ کرتی تھی، لیکن آج وہ اسے ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ Good Morning کہنے کے لیے وہاں نہیں تھی۔

''فلک نے کر لیا ناشتہ؟''

''ابھی تک وہ باہر نہیں نکلی۔'' آصفہ بیگم نے بتایا۔

''کیوں؟''

''کل سے ناراض ہے، نہ بتانے پر غصہ ہے۔''

''ویسے پاگل ہی ہے فلک۔'' مشارب نے ہونٹ کچلا۔

''تمہیں اسے بتانا چاہیے تھا، جیسے وہ اپنی ساری باتیں تم سے کرتی ہے، تو تمہیں بھی اس سے شیئر کرنا چاہیے تھا۔'' وہ بولیں۔

''ہاں مگر اس وقت دھیان میں نہیں تھا اب اس کی ناراضی احساس دلا رہی ہے، آپ ناشتہ لگائیں میں اسے لے کر آتا ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''رہنے دو مشارب! وہ اس وقت باہر نہیں آئے گی، میں ابھی ہو کر آئی ہوں وہاں سے۔'' فہمیدہ بیگم نے اسے روکا۔

''آپ دیکھیئے گا میرے کہنے پر وہ باہر آ جائے گی۔'' وہ وثوق سے کہتا اس کے کمرے کی طرف چلا آیا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ایک بار، دوبار، سہہ بار۔۔مگر نہ دروازہ کھلا نہ اندر سے وہ بولی۔

''فلک! دروازہ کھولو پلیز۔'' فلک جو آنکھیں صاف کیے دروازے سے ہی ٹیک لگائے بیٹھی تھی اس کی آواز سن کر گویا اندرونی ضبط سے گزری تھی، انکھوں میں اتری نمی روکنے سے بھی نہیں رکی تھی۔

❁ ❁

ناول اس دل میں بسے ہوتم ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

رات گزری، صبح ہوئی مگر وہ کمرے سے باہر نہ آئی۔ اس کے اس قدر شدید ردعمل پر سب حیران تھے۔ مشارب رات کو پھر اس کی طرف گیا تھا مگر اندر سے کوئی جواب یا رسپانس نہ ملا۔ صبح کے لئے فہمیدہ بیگم اسے بلانے گئیں تب بھی وہ باہر نہ تھی۔ رات بھر رونے سے اس نے اپنی حالت خراب کر لی تھی۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو کر جل رہی تھیں۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ جسم بے سکونی سے ٹوٹا جا رہا تھا۔ ذہن ہنوز بے یقین سا زلزلوں کی زد میں تھا۔

مشارب شاہ ناشتے کے لئے ڈائننگ روم میں آیا تو ماں سے پہلے اسی کے متعلق پوچھا۔ جب بھی ملتان چھٹیوں پر آتا فلک اس کے ساتھ ہی ناشتہ کرتی تھی لیکن آج وہ اسے ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ صبح بخیر کہنے کے لئے وہاں نہیں تھی۔

''فلک نے کر لیا ناشتہ؟''

''ابھی تک وہ باہر نہیں نکلی۔'' آصفہ بیگم نے بتایا۔

''کیوں؟''

''کل سے ناراض ہے۔ نہ بتانے پر غصہ ہے۔''

''ویسے پاگل ہی ہے فلک۔'' مشارب نے ہونٹ کچلا۔

''تمہیں اسے بتانا چاہئے تھا جیسے وہ اپنی ساری باتیں تم سے کرتی ہے تو تمہیں بھی اسے سے شیئر کرنا چاہئے تھا۔'' وہ بولیں۔

''ہاں مگر اس وقت دھیان میں نہیں تھا اب اس کی ناراضی احساس دلا رہی ہے۔ آپ ناشتہ لگائیں میں اسے لے کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''رہنے دو مشارب۔ وہ اس وقت باہر نہیں آئے گی۔ میں ابھی ہو کر آئی ہوں وہاں سے۔'' فہمیدہ بگم نے اسے روکنا چاہا۔

''آپ دیکھئے گا میرے کہنے پر وہ باہر آ جائے گی۔'' وہ وثوق سے کہتا اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک بار، دو بار، سہ بار......مگر نہ کھلا نہ اندر سے وہ بولی۔

''فلک! دروازہ کھولو پلیز۔'' فلک جو آنکھیں صاف کئے دروازے سے ہی ٹیک لگائے بیٹھی تھی اس کی آواز سن کر گویا اندرونی ضبط سے گزری تھی۔ آنکھوں میں اترتی نمی روکنے سے بھی نہ رکی تھی۔

مشارب نے پھر اسے پکارا۔

دل شدت سے ٹوٹا تھا۔ سنبھلنا مشکل تھا۔ سماعتوں سے ٹکراتی آواز اور معذرت کے کلمات مزید جلے پر نمک چھڑک رہے تھے۔ باہر مشارب شاہ اپنی بھرپور کوشش کے بعد سخت مایوس ہوا تھا۔ حقیقتاً اب اسے فلک کی باہر نہ آنے کی ضد اور اس پر مزید گہری چپ ناگوار

گزری تھی۔مزید وہاں کھڑے رہنے سے الجھن ہونے لگی تھی۔تھک کر بولا۔

''ٹھیک ہے فلک......اندر ہی رہنا،مت آنا باہر......میری ایک بھول کو سنگین گناہ بنا دیا ہے۔اتنی بچکانہ ضد مایوس کن ہے۔اب راضی کرنے نہیں آؤں گا۔صبح صبح میرا دماغ خراب کر دیا ہے۔جا رہا ہوں میں۔'' آواز کے ساتھ البتہ لب و لہجے میں غصہ و خفگی نمایاں تھی۔

کہتے ہی وہ جا چکا تھا۔فلک نے قدموں کی آہٹ مدھم ہوتے ہی آنکھیں صاف کیں۔غصے میں تو وہ بھی تھی۔

دل جذبات سمیت بے مول ہونے پر تڑپ رہا تھا،بکھر رہا تھا۔سنبھلنا مشکل ترین عمل تھا۔باہر کسی سے کہتی بھی تو کیا کہتی،فریاد کرتی،ٹوٹے دل کی دوہائی دیتی یا اپنی یکطرفہ محبت کی تشنگی پر نوحہ کناں ہوتی،ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے فرار کی بھی تمام راہیں مفقود تھیں۔ذہن منتشر سوچوں کو سمیٹنے کی سعی کرنے لگا البتہ اتنا تو وہ سوچ چکی تھی کہ اب اتنا آگے نکل آنے اور محبت کے یکطرفہ ہونے کے باوجود اس نے پیچھے نہیں ہٹنا۔اسے اپنے دل کو ہر حال میں پرسکون کرنا تھا۔

مشارب کو غصے سے آتے دیکھ کر آصفہ بیگم اور فہمیدہ نے سوالیہ اسے دیکھا۔

''کوئی نہ جانے اب اسے منانے...... بالکل پاگل ہے،ایک بھی بات کا جواب نہیں دے رہی،بھوک پیاس لگی تو تھک ہار کر خود آ جائے گی باہر۔''اس نے سب کے سامنے حل پیش کیا۔جواباً وہ دونوں کچھ نہ بولیں۔

''فہمیدہ......تم ہی کچھ سمجھاؤ اسے۔''عارف شاہ نے ناشتے سے ہاتھ روکتے ہوئے بیوی کو مخاطب کیا۔قاسم شاہ بھی متوجہ ہوئے۔

''جی۔''انہوں نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

اندر ہی اندر انہیں شرمندگی ہوئی۔فلک کی ضد کی پختگی اب سب کو ہی الجھا رہی تھی۔بظاہر وہ سب کے سامنے تھی مگر وہ وجہ اتنی اہم نہیں تھی کہ دن رات خود کو کمرے میں بھوکا پیاسا قید رکھا جاتا۔

''اچھا نہیں لگتا۔گھر کی پہلی خوشی ہے اور وہ بدمزگی پھیلانے پر تلی ہوئی ہے۔''عارف شاہ مزید بولے تھے۔انداز عام تھا مگر بات سنجیدہ۔

''آ جائے گی باہر۔''قاسم شاہ نے البتہ بھائی کی بات پر آہستگی سے کہا۔

مزید کچھ نہ بولے۔

فہمیدہ بیگم شوہر کی بات پر شرمندہ ہوئی تھیں۔کل تک اپنی مکمل ناراضی کے اظہار کے بعد اگر فلک ناشتے کے لئے باہر آ جاتی تو کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن وہ اڑیل اپنی بات بڑھا رہی تھی۔وہ چپ چاپ برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آئیں۔ذہن البتہ گنجلک سوچوں کا منبع بنا تھا۔دل میں عجیب وہم وسوسے جگہ بنانے لگے تھے۔نادانستہ ہی سہی لیکن وہ فلک کے اس قدر شدید ردعمل پر مشکوک سی ہوئیں۔اندر ڈر پنپنے لگا۔ڈر کے آثار آنکھوں میں منجمد ہونے لگے۔

''اللہ کرے جیسا میں سوچ رہی ہوں......ویسا کچھ نہ ہو۔''اگلے ہی لمحے وہ زیر لب بڑبڑائیں۔

انہیں ہمیشہ ہی فلک کا مشارب کے بے حد نزدیک ہونا بہت زیادہ پسند نہ تھا۔ان کے دل میں دونوں کو لے کر کبھی کوئی غلط سوچ بھی نہیں آئی تھی۔ مشارب کا اخلاق ہمیشہ ایک لحاظ سے بے فکر کرتا مگر دونوں کی قربت، فلک کا بے دھڑک ہر بات اس سے کرنا انہیں خائف کرتا۔ وہ لوگوں کی نظر سے ان دونوں کو دیکھنے پر کبھی کبھار مجبور بھی ہوتیں، فلک کو اپنے تیئں سمجھاتیں مگر وہ اتنی عمیق سوچ کہاں رکھتی تھی کہ ہر پہلو کو باریک بینی سے پرکھتی۔

سب ناشتہ کر کے جا چکے تھے۔ کچن کے کاموں سے فراغت کے بعد ان کا سارا دھیان اسی کے کمرے کی طرف تھا۔کل سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ پانی پینے تک کے لئے باہر نہیں آئی تھی۔ جانتی تھیں کہ وہ مزید برداشت شاید ہی کر سکے اور ان کا خیال درست بھی ثابت ہوا تھا۔تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور کمرے سے نکل کر وہ سیدھی کچن میں گئی تھی۔ فہمیدہ بیگم بھی فوراً وہاں گئیں جب تک وہ پانی کی بوتل ہاتھ میں لئے باہر نکل رہی تھی۔ ماں پر نظر پڑتے ہی اس نے نگاہ چرالی۔قدم پل بھر کو رک گئے لیکن اسے کسی سے بات نہیں کرنی تھی۔ سرخ آنکھیں، دل کی حکایت سنا سکتی تھیں۔انہیں اٹھنے سے باز رکھا۔بغیر کچھ بولے ہی جانے لگی، فہمیدہ بیگم نے اسے نہ روکا کہ سرعام باز پرست سب کو متوجہ کر کے نیا تماشا بنا سکتی۔ وہ تیزی سے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ بھی اسی رفتار سے اس کے پیچھے گئیں اور جب وہ دروازہ بند کر رہی تھی تب انہوں نے اسے سختی سے پکڑا تھا۔

''رکو......ہوش میں ہوتم؟''

کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ پھر دبے لفظوں میں بولیں۔آواز میں برہمی تھی۔ وہ رکی ضرور مگر زبان خاموش تھی۔

''کیا چوہے بلی کا کھیل کھیل رہی ہو کل سے......سب پریشان ہیں، خوشی کے موقع پر ڈرامہ لگانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے؟ اور ادھر دیکھو میری طرف...... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟'' سختی سے کہتے کہتے ان کی نظر اس کے بکھرے بالوں میں چھپے چہرے پر ٹھہری تو یک دم پریشان ہوئیں۔ دونوں ہاتھوں سے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

اس نے بے بسی سے نظریں اٹھائیں۔

گہری لال آنکھیں......

اور آنکھوں میں تیرتی نمی......

کہانی گویا واضح تھی۔

فہمیدہ بیگم کا غصہ متزلزل ہوا۔ غصے پر اگلے ہی لمحے ان کے وہم کو سچ کرتے احساس نے عجیب بے چینی سے دبیز چادر ڈالی۔ بیٹی بے بسی کی مورت بنی ان کے سامنے کھڑی تھی اور وہ اس کی بے بسی پر حیران......مگر جلد ہی وہ ہوش و حواس میں واپس آئیں کہ فلک کو خبردار

کرنا از حد ضروری تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جس حلیے میں انہوں نے اسے دیکھا ہے کوئی اور بھی اسے دیکھے یا قیاس لگائے۔ نہیں چاہتی تھیں کہ بات کمرے کی چار دیواری سے نکل کر گھر کے کسی بھی مکین کی سماعتوں سے ٹکرا کر اس کا بھید کھول دے۔ اس کے دل کی حالت سب پر عیاں کر دے۔

''امی! مجھے کسی کی خوشی سے کوئی سروکار نہیں۔ مشارب صرف میرا ہے۔'' ماں کی چپ نے اسے تقویت دی۔ وہ ٹوٹے لہجے میں دل کا دکھ، اپنی خواہش لبوں پر لے آئی۔

جسے سنتے ہی انہوں نے برجستہ نفی میں سر ہلایا تھا۔ ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھے کہ اب ایسا ممکن نہیں تھا۔ رشتہ کی بات باقاعدگی سے کر دی گئی تھی۔ گھر میں سبھی خوش تھے، مطمئن تھے۔ ایسے میں فلک کے جذبات فضا کو سنگین و معاملے کو پیچیدہ کرنے میں ذرا دقعت نہ اٹھاتے۔ خاندان و رشتوں میں دراڑ لازم تھی۔

جو انہیں نامنظور تھی۔

''نہیں فلک...... میرے سامنے تو یہ بات کر دی مگر دوبارہ یہ الفاظ اپنی زبان پر مت لانا، یہ ناممکن ہے۔ مشارب نے خود مستبشرہ کو چنا، اپنی محبت اس کے لیے ظاہر کی۔ اس کے دل میں تمہارے لئے ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو...... تمہاری، ہماری اور اس گھر کی عزت کا سوال ہے۔ خدارا، اپنے منہ سے آئندہ یہ الفاظ مت نکالنا۔'' انہوں نے سنجیدگی و تحمل سے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

بیٹی کو تماشا کھڑا کر کے رسوائی سمیٹتے کہاں دیکھ سکتی تھیں۔

''میں مشارب سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اس کے بناء نہیں رہ سکتی امی...... میں چپ بھی نہیں رہ سکتی امی۔'' فلک کا چپ گوارہ نہ تھی۔ بات اس کے دل کی تھی، خوشی کی تھی، زندگی کی تھی۔

پہلی کرب ناک آزمائش کے سامنے ہی ہتھیار کیسے ڈال دیتی۔ کیسے اپنی محبت کو تشنگی کے حوالے کرتی، کیسے ہر سانس کے ساتھ دل کا روگ برداشت کرتی، اتنی سکت اس میں نہیں تھی۔

''تمہیں چپ رہنا ہوگا فلک۔''

''نہیں۔'' وہ انکاری تھی۔

''تمہیں میری قسم فلک! ہوش میں آؤ۔'' فہمیدہ بیگم نے زیادہ تکرار کے بجائے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

''امی......!'' اس نے بے چارگی سے ماں کو دیکھا۔

دل الم و حزن میں غوطہ زن ہوا۔

''عزت، محبت سے بڑھ کر ہوتی ہے فلک! تمہیں اس گھر میں سب نے محبت دی، ہر رشتے نے عزت دی، قاسم بھائی اور آمنہ آپا

نے تمہیں ہمیشہ بیٹی کہا، پیار دیا، ان کا مان مت توڑو، ایک ہی بیٹا ہے ان کا...... اس کی خوشی کو برباد مت کرنا۔ میری، اپنے ابو کی عزت کو داؤ پر مت لگانا......" وہ ہنوز اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھیں۔ دبے لفظوں میں اس سے استدعا کر رہی تھیں۔

وہ دوبارہ کچھ کہہ ہی نہ پائی۔

"تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو، تمہاری ہر خوشی، ہر خواہش ہمیں عزیز ہے۔ ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ تم یوں روؤ...... مت روؤ میری بچی، اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں جس جذبے کو تم محبت گردان کر خود کو کل سے اذیت دے رہی ہو وہ محبت نہیں انسیت ہے، جسے تم نے سمجھنے میں غلطی کی، مشارب نے ہمیشہ تمہیں دوست کہا، بچوں کی طرح ٹریٹ کیا...... اسے بھی دکھ ہوگا تمہیں اس حال میں دیکھ کر۔" وہ اسے مکمل شانت کرنا چاہتی تھیں۔

ورنہ اس وقت جو حالت و کیفیت انہوں نے بیٹی کی دیکھی تھی کوئی بعید نہ تھا کہ جلد بازی میں وہ اندر جمع غبار کو باہر نکالنے سے پہلے ذرا سا بھی سوچتی۔ غلط صحیح جو زبان پر آتا برملا کہہ دیتی۔

"چپ رہو گی ناں فلک؟" انہیں تصدیق چاہئے تھی۔

فلک نے خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔

نہ زبان کو حرکت دی نہ سر کو جنبش دی۔

"مجھے یقین ہے تم ہمیں شرمندہ نہیں کرو گی۔" اس کی خاموشی کو انہوں نے "ہاں" میں لیا۔ فلک کا ہاتھ تھام کر وثوق سے بولیں۔

جبکہ اس کے اندر طوفان سے پہلے چھائی خاموشی کی طرح ٹھہراؤ آیا تھا۔ منتشر گنجلک سوچوں کے سرے آنکھوں کے عین سامنے آنے لگے تھے لیکن اس نے انہیں ہاتھ بڑھا کر تھامنے کی سعی نہیں کی تھی۔

اس کی خاموشی فہمیدہ بیگم کے لیے طمانیت بخش ثابت ہوئی۔

"ابھی کمرے میں ہی رہنا، کسی کے سامنے مت آنا۔" البتہ انہوں نے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے تائید کی کہ سرخ آنکھیں ناراضی سے پرے کی کہانی سنانے کا مکمل ساماں لیے ہوئے تھیں۔

اس بار اس نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"شاباش۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ایک طور سراہنے کی کوشش کی اب اس کی خاموشی میں ہی مصلحت پوشیدہ تھی۔

☆......☆......☆

ادینہ شام کے وقت فون پر معید سے بات کر رہی تھی۔ آواز دھیمی تھی مگر دور سے بھی اس کے چہرے کے تاثرات میں اتار چڑھاؤ واضح تھا۔ کلثوم بیگم نے کچن سے نکلتے وقت ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر صوفے پر بیٹھے مراد منصور کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ ہاتھ میں

اس کے لئے چائے کا کپ تھا۔ اس کے قریب پہنچیں تو ایک پل کو ٹھٹکیں، مراد عجیب نظروں سے ادینہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر ڈھیروں الجھنیں لیے۔ ادینہ کے کل سے مسلسل معید سے رابطے میں رہنے اور پرسوچ انداز اپنانے میں انہیں بھی حیران کیا تھا کیونکہ اس سے پہلے دو محض ایک دو دنوں کے لیے جب بھی رہنے آئی، بہت کم بات کے لیے موبائل استعمال کرتی، اس بار وہ پہلی مرتبہ اتنے طویل عرصے کے لیے رہنے آئی تھی۔ معید سے موبائل پر بات چیت اب بھی کم کرتی مگر جب بھی کرتی تو اگلے کئی گھنٹے یا خاموشی کی نذر ہوتے یا گہری سوچوں میں گم گزر جاتے لیکن اس کے باوجود کبھی انہوں نے ایک ادھ بار پوچھنے کے بعد پرزور انداز نہ اپنایا، نہ ادینہ کبھی معید یا سسرال سے متعلق تفصیلی باتیں کرنے کی عادی تھی۔ میکے آتی، ماں کے ساتھ، باقی سب کے ساتھ اپنا خوشگوار ٹائم گزار کر جاتی۔

لیکن آج جیسے مراد منصور اسے اس قدر انہماک سے دیکھ رہا تھا وہ انہیں مہ روش کے حوالے سے فکر مند کر گیا تھا۔ وہ ڈر گئیں کہ کہیں ادینہ کے پل پل بدلتے تاثرات ماہی کے لیے اس کے دل میں مزید نفرت کو بڑھاوا نہ دے دیں۔

''مراد...... چائے پیئو۔'' فوراً اسے پکارا۔

آواز پر اس کا انہماک ٹوٹا، گردن گھما کر ماں کو دیکھا اور خاموشی کے ساتھ ان کے ہاتھ سے کپ لیا۔

''اور کچھ چاہیے۔'' انہوں نے پوچھا۔

مقصد اس کا دھیان بٹانا اور خاموشی توڑنا تھا۔

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ توقف کے بعد سوالیہ ماں کو دیکھا۔ ''امی! ادینہ کسی پریشانی میں ہے۔''

''نہیں بیٹا۔'' سوال پر حیران ہونے کے باوجود انہوں نے لہجے کو عام رکھا۔

''معید کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں چل رہا اس کا؟'' اس نے سنجیدگی سے ایک اور سوال کیا۔ انداز تفتیشی تھا۔

''نہیں تو...... اگر ایسا کچھ ہوتا تو ادینہ ہمیں بتاتی۔'' انہوں نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔ دل البتہ اندر فکر مند ہوا تھا۔ بیٹے کے منفی رویہ ہر وقت انہیں خائف رکھتا تھا۔

اتنے میں ادینہ بھی کال بند ہونے کے بعد وہاں آ گئی تھی۔

''کوئی مسئلہ ہے تمہیں۔ پریشان کیوں تھی بات کرتے ہوئے؟'' ماں کے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی اسے مخاطب کیا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا جب وہ اس نوعیت کا سوال کر رہا تھا۔ ادینہ نے پہلے اسے اور پھر کلثوم بیگم کو حیرت سے دیکھا۔ اگلے پل سنبھل کر بولی۔

''کچھ خاص نہیں...... معمولی سی بات تھی۔''

''بات کیا تھی؟'' مراد کا روپ آج بالکل الگ تھا۔ دوٹوک پوچھنے لگا۔

''معید چاہتا ہے میں گھر جاؤں لیکن میں اس کی غیر موجودگی میں گھر نہیں جانا چاہتی۔ پھوپھو کی عادت سے آپ سب بھی واقف ہیں۔ میں نے انکار کیا تو ناراض ہو رہا تھا۔ بس یہی بات تھی۔'' وہ رسان سے بولی۔

اس بار مراد منصور نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

لیکن ادینہ کا جواب اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ ایک ہی لمحہ میں وہ سب سوچ رہا تھا جس متعلق آج سے پہلے کبھی اس کا دھیان نہ گیا تھا۔ آج بھی نہ جاتا اگر وہ آفس سے واپسی پر معید کو نہ دیکھتا...... معید اسی شہر میں تھا۔ وہ باہر گیا ہی نہ تھا۔ گھر آنے سے قبل غیر ارادی طور پر وہ معید کے ساتھ کھڑے شخص سے، معید کے جانے کے بعد باتوں باتوں میں چھان کر کے آیا تھا اور تب سے اب تک بہن کے جھوٹ نے اسے بدترین حیرت میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

اندر الاؤ بھی بھڑکا ہوا تھا۔ مگر وہ اس کے جھوٹ تک ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ پہنچنا چاہتا تھا کہ بعد میں غصہ نکالنے کے لیے اصل قصوروار کی بہن اس کے بے رحم شکنجے میں ہی ہوگی۔

''پھوپھو زیادہ تنگ کرتی ہیں تمہیں؟'' توقف کے بعد وہ پھر پوچھنے لگا۔

''مجھے کچھ خاص نہیں کہتیں...... لیکن شروع سے ان کے دل میں اس گھر کے کسی فرد کے لئے گنجائش نہیں۔ مجھے بس کوفت ہوتی ہے اس لیے معید کے بغیر وہاں نہیں رہنا چاہتی۔'' وہ خود کو مکمل سنبھالے وضاحت سے بولی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مراد اب اس کے جھوٹ سے باخبر ہے۔

''تو معید سے کہو کہ کوئی الگ گھر دیکھ لے۔'' سنتے ہی اس نے صلاح دی۔

''شروع میں معید نے الگ گھر کی بات کی تھی لیکن سب نے مخالفت کی۔ پھر وہ بھی کچھ نہ بولا۔ مجھے معید کے ساتھ اس گھر میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے میں نے بھی کبھی الگ گھر کے لیے زور نہیں دیا۔'' اس نے بتایا۔

کلثوم بیگم جہاں بیٹے کے پے در پے سوالوں پر حیران تھیں وہیں ادینہ کے جواب انہیں مطمئن کر رہے تھے۔

''گھر والوں نے پیسوں کی وجہ سے مخالفت کی ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو پہلے میں دے دیتا ہوں۔ تم معید کے ساتھ الگ رہو۔ اس کی ماں کی باتیں سننے یا دل میں گنجائش نکالنا ضروری نہیں ہے۔'' وہ مزید بولا۔

باپ کے بعد کوثر بیگم کے لیے اس کا رویہ تلخی لیے تھا۔ بہن کی وجہ سے ان سے تعلق رکھنے پر مجبور تھا مگر اب اس مجبوری کو بہن کے جھوٹ کے بعد ذہن سے اتار پھینکنا لازم لگا۔ اسے صرف ادینہ کی زندگی میں سکون و خوش حالی چاہئے تھی۔

''پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس بار ادینہ نے صاف منع کیا۔

''دیکھو ادینہ...... اگر کوئی سنگین مسئلہ ہے تو بتا دو، کچھ چاہئے بھی تو بتاؤ میں، میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ حقیقتاً متفکر تھا۔

الجھا ہوا تھا۔ اس کا جھوٹ بھی بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا اور سب جاننا بھی چاہتا تھا۔ سنجیدگی سے کہتا اسے دیکھنے لگا۔

''میں خوش ہوں مراد۔'' وہ اس بار اپنے الفاظ پر زور دے کر بولی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال کرتا اس نے بات بھی بدلی۔

''تم اس وقت فارغ ہو؟''

''کیوں؟''

''ماہی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔''

''ابھی ضروری ہے۔'' اس کے ذکر سے وہ یکدم جیسے بیزار ہوا تھا جسے کلثوم بیگم نظر انداز نہ کر سکی تھیں۔

''ہاں ضروری ہے...... اور میں تو حیران ہوں نہ تم اس کی فکر کرتے ہو نہ وہ اپنا خیال رکھتی ہے۔'' وہ مہ روش کے لئے پریشان تھی۔

''میں کیا فکر کروں اس کی۔ سارا دن گھر میں ہوتی ہے۔ ہر سہولت، کھانے پینے کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ میں تو اب اس کے منہ میں نوالے ڈالنے سے رہا۔ اپنا اور بچے کا خیال رکھنا اس کی مرضی تک ہے۔'' وہ بولا تو لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا تھا۔ توقف بھر کو رک کر بات جاری رکھی۔

''میں اس وقت تھکا ہوا ہوں، کل آفس میں کام بھی زیادہ ہو گا۔ ڈاکٹر تو مخصوص ہدایت کے ساتھ ہر بار ایک جیسی دوائی اور گولیاں دیتے ہیں لیکن اگر اب جانا ہی ہے تو تم چلی جاؤ اس کے ساتھ۔''

''ادینہ لے جائے گی کل اسے۔'' کلثوم بیگم نے مسرت سے بات سمیٹی، ادینہ خاموش رہی۔

''اس وقت کہاں ہے مہ روش۔ باتوں باتوں میں چائے ٹھنڈی ہو گئی۔ اسے کہیں مجھے چائے بنا دے۔'' ٹھنڈی چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتا وہ اس کے متعلق پوچھنے لگا۔

''کمرے میں بچیوں کے ساتھ ہے۔ چائے میں بنا دیتی ہوں۔'' ادینہ بتایا، ساتھ ہی کپ اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

مقصد مراد منصور کے سوالوں سے فرار بھی تھا۔ آج پہلی مرتبہ معید اور پھوپھو سے متعلق مراد کے سوالات اسے بند گلی میں لے آئے تھے جہاں سے فی الحال وہ نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

سکول سے واپس آکر وہ کمرے میں تھی۔

مشارب کے حق میں فیصلہ دل کو بے سکون کر گیا تھا مگر وہ اب کیا کرتی۔ دل، دماغ کے تابع نہ تھا اور دماغ، دل کی ویرانیوں میں مزید بیٹھنے سے انکاری تھا۔ چھ سال وہ دل کی سوگواریت میں آزردہ، زندگی کو محض گزار رہی تھی۔ دماغ کو سمجھوتے پر آمادہ کیے دل کے اصولوں پر عمل پیرا تھی مگر اس بار دماغ نے جست لگائی تھی۔ خود مزید سمجھوتے سے انکاری ہو کر دل کے اندر برپا طوفان سے لاتعلق ہو گیا تھا۔

دل، دماغ کے اس جبر پر پر ملال تھا۔

جس کے متعلق پروا کیے بنا سوچیں اس کے فیصلے کی پابند ہو گئی تھیں۔ اب الفاظ با ادب کھڑے تھے۔

جانتی تھی، حتمی فیصلے سے قبل سید جمال شاہ اس کی رائے لیں گے۔ مشارب کے رشتے پر کل اس نے اماں اور بابا جان دونوں کے چہرے سکون اور انبساط سمیٹتی مسکراہٹ دیکھی تھی۔ اسے ان کی خوشی بھی ماند نہیں کرنی تھی۔ ایک مثبت قدم، ماں باپ کی محبت کا حق ادا کرنے کو تیار تھا۔

شام ڈھلنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

اماں اور بابا جان لاؤنج میں تھے۔ وہ انہی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ دل کی اضطرابی اس لمحے بڑھ گئی تھی لیکن اس نے چہرے کے تاثرات کو ارتعاش کے شکار ہونے سے بچا کر خود کو نارمل رکھا تھا۔ ان دونوں نے اسے دیکھ کر مسکراتے چہروں سے گویا استقبال کیا۔

''تھوڑی دیر پہلے آتی تو احسان سے بھی تمہاری بات ہو جاتی۔'' زہرہ شاہ نے سلسلہ کام میں اسے بھی شامل کیا۔

''احسان کی کال تھی۔ آپ مجھے بتا دیتیں میں ویسے بھی فارغ تھی۔''

''ہم سمجھے تم کہیں سو نہ رہی ہو۔'' سید جمال شاہ نے نہ بتانے کی وجہ بتائی۔

''اچھا کیا کہہ رہا تھا احسان؟''

''صلاح مشورہ ہم کرنا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے وہ ہماری مرضی جاننا چاہتا تھا۔ اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کرنے سے پہلے ہم سے اجازت لے رہا تھا۔'' وہ بولے۔

''کون سا اہم فیصلہ، کیسی اجازت؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وہ وہاں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ لڑکی پاکستانی ہے۔ کراچی سے تعلق رکھتی ہے۔ دونوں گھر والوں کی رضامندی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ سب جاننے کے بعد ہمیں بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ ہمارے لیے یہی نقطہ اہم ہے کہ اس نے ہمیں نہ صرف آگاہ کیا بلکہ ہماری مرضی بھی جاننی چاہی۔ ورنہ پردیس میں رہتے ہوئے کون کسی کی رائے پر حتمی فیصلہ کرتا ہے۔'' وہ تفصیل سے بولے تھے۔ لہجے میں سرشاری تھی۔

''اتنی نیک اور تابعدار اولاد پر جتنا اللہ پاک کا شکر ادا کریں کم ہے۔'' زہرہ شاہ بھی خوش تھیں۔ شکر گزار تھیں۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے میں ابھی جا کر احسان سے بات کرتی ہوں۔'' اس کے لب بھی مسکرائے تھے۔

مگر بظاہر......

اندر دھڑکتا دل شدت غم و بے بسی سے مچلا تھا۔ ماں باپ کا احسان کی محبت میں خوش ہونا، رضامندی ظاہر کرنا دل کے لیے سوالیہ نشان بنا تھا۔ لاشعوری طور پر اندر یاسیت کے اندھیروں میں امید و خوش فہمی کا دیا روشن ہوا تھا۔

احسان کی طرح اگر وہ بھی اپنی محبت کا اظہار کرتی، اس کی رضامندی سے محبت کے لیے واپس پلٹتی تو کیا وہ اس کا ساتھ دیتے؟ یونہی اس کے سکون کے لیے اس کی خوشی میں خوش ہوتے؟

وہ ذرا بھی برا نہ مانتے؟

اس کی خواہش کا احترام کرتے؟

چار سال جس عزت و مان کی حفاظت اس نے ڈٹ کر کی......اس کے بدلے میں وہ اس کے دل کو تباہی و بربادی سے بچا کر، الم وحزن سے نکالنے کے لئے محبت کا حصول ممکن بناتے؟

یقیناً بناتے......!

تمام سوالوں کے جواب میں دل نے صدا لگائی۔

دماغ چپ سادھے ہوئے تھا۔

لیکن اگلے ہی پل دل کو بھی خاموش ہونا پڑا۔سوال جواب کا اندرونی قصہ تھا۔

''مستبشرہ بیٹا۔تم بعد میں احسان سے بات کر لینا۔ابھی ہم نے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''سید جمال شاہ نے سنجیدگی سے اسے پکارا۔

''جی بابا جان۔''وہ متوجہ ہوئی۔

سماعتوں نے دل کا ساتھ دیا۔وہ دل کے خلاف کچھ سننے کی متحمل نہ تھیں مگر اتنے میں دماغ دل اور اس کے درمیان دیوار بن کر حائل ہو گیا۔

سید جمال شاہ نے اس کی زندگی، خوشیوں، اپنی فکر و فرض سے متعلق اول تو اچھی خاصی لمبی تمہید باندھی۔اس سے اپنی محبت کا بیان کیا۔اس کے بہتر و محفوظ مستقبل کو لے کر رشتے سے متعلق بات شروع کی۔اپنی، زہرہ شاہ اور احسان کی رضامندی کو بھی ڈھکے چھپے لفظوں میں بیان کیا اور آخر میں مشارب کے متعلق اس کی رائے جاننی چاہی۔

وہ تمام وقت سنجیدگی سے انہیں سنتی رہی۔

کچھ دیر قبل ہونے والے سوال جواب اسی سنجیدگی سے خائف گویا یادداشت سے محو ہو چکے تھے۔پہلے وہ بابا جان کی عزت و مان کو سلامت رکھے ان کا فخر بنی تھی اب وہ اسی اعتبار کو بلند معیار تک لے گئے تھے۔مکمل اطمینان کے ساتھ اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

وہ اس بار بھی کیسے انہیں مایوس کر سکتی تھی۔

مشارب کو بھی حامی بھر چکی تھی۔

خود کو اندر باہر سے سنبھالا۔

''جیسے آپ کو مناسب لگے بابا جان۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' سارا اختیار انہیں دیا۔

ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔ بیٹی سے اسی جواب کی توقع تھی۔ مستبشرہ نے اس سے پہلے بھی کبھی انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ اب بھی ان کی خواہش کا احترام کیا۔ زہرہ شاہ نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ دیا۔ سید جمال شاہ نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔ دل سے اسے دعا دی۔

''ہمیشہ خوش رہو۔''

وہ مسکرائی تھی۔

''کھانے کے بعد میں قاسم شاہ کو کال کر کے خوشخبری سنا دوں گا۔ ویسے بھی وہ جلد منگنی اور پھر شادی کا کہہ رہے تھے۔'' وہ مزید بیگم سے کہہ رہے تھے۔ مستبشرہ غیر محسوس طریقے سے وہاں سے اٹھ کر دوبارہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ آخری جواب کے بعد کسک بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

عافیہ گیلانی کے گھر سے واپسی پر راستے میں ساجدہ گیلانی نے عمر کے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کی بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد کے سلسلے وہ پہلے ہو آئی تھیں مگر عمر ہمیشہ انہیں علی کی طرح عزیز رہا تھا۔ علی کی غیر موجودگی میں وہ اب تک باقاعدگی سے ان کے گھر ان سے ملنے آتا اور یہ بات ان کے لئے بہت معنی رکھتی تھی۔ حسن گیلانی نے ان کی خواہش پر گاڑی عمر کے گھر کی طرف موڑ دی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اس کے گھر میں موجود تھے۔ عمر کی بیوی زوہا نے ہمیشہ کی طرح ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا۔ عمر بھی گھر میں ہی تھا۔ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

''آج ہم اپنی پوتی سے ملنے آئے ہیں۔'' عمر، حسن گیلانی سے بغلگیر ہو رہا تھا جب ساجدہ گیانی محبت سے بولیں۔

''میں ابھی اسے لے کر آتی ہوں۔'' زوہا نے کہتے ہوئے کمرے کا رخ کیا۔

''آپ کی پوتی نے تو ہمارے دن رات مکمل اپنے نام کر لئے ہیں۔ دن تو دن، رات کو بھی جگاتی ہے۔'' عمر نے ان کے بیٹھتے ہی اپنی مصروف زندگی میں خوبصورت اضافے کو فریاد کا پیراہن اوڑھایا۔

''یہ جگ رتے بہت انمول ہوتے ہیں۔ بہت خوش نصیب ہو تم۔ اولاد سے ہی زندگی خوبصورت ہوتی ہے۔'' وہ مسکرائیں، ساتھ ہی کہا۔

''بالکل یہ بات تو ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اب کوئی نام فائنل کیا؟'' حسن گیلانی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ پچھلی دفعہ جب وہ آئے تھے اس وقت تک انہوں نے کوئی نام نہیں منتخب کیا تھا۔

ان کی بات پر ایک لمحے کے لیے عمر کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس سے پہلے کہ وہ انہیں منتخب شدہ نام بتا تا زوہا بیٹی کو لیے وہاں آ گئی تھی جس کی طرف وہ دونوں متوجہ ہوئے تھے۔

''ماشاءاللہ...... بہت پیاری ہے۔ اللہ پاک نظر بد سے بچائے۔'' ساجدہ گیانی نے اسے گود میں لیتے ہوئے اس کے گال پر پیار کیا تھا۔

''اللہ پاک اس کے نصیب اچھے کرے۔'' حسن گیلانی بھی دعائیہ بولے۔

زوہا اور عمران دونوں کی محبت پر سرشار ہوئے تھے۔

''نام کیا رکھا ہے میری گڑیا کا؟'' اس بار ساجدہ گیلانی نے زوہا کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''مستبشرہ۔''

اس نے آہستہ سے بتایا تھا البتہ عمر نے نظریں چرائیں۔

ان دونوں نے بے یقینی سے عمر کو ہی دیکھا تھا۔ اپنی سماعتوں پر شک بھی گزرا مگر عمر کا نگاہ چرانا، انہیں تعجب زدہ کر گیا تھا۔ ان کے چہرے پر رقم مسکراہٹ بھی اگلے لمحے سے پہلے اپنا وجود کھو چکی تھی۔ وہ بولیں تو آواز میں دبے دبے غصے کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

''کیوں عمر؟''

''علی نے رکھنے کو کہا تھا۔''

''سب جانتے ہوئے تم نے کیوں اس کی سنی؟''

''میں نے اسے منع کیا تھا لیکن وہ ناراض......''

''زندگی تو برباد کر چکا ہے۔ ہونے دیتے ناراض اسے۔ یوں نام رکھ دینے سے اسے تسکین نہیں ملے گی۔'' ساجدہ گیلانی نے عمر کی بات کاٹی تھی۔ ''مستبشرہ'' نام ان کے لئے کسی اذیت سے کم نہ تھا۔

حسن گیلانی بھی مکمل سنجیدہ ہوئے۔

اکلوتے بیٹے کا دکھ وروگ انہیں آج پھر آزمائش میں ڈال گیا تھا۔ بیٹے کے سکون کے لیے کی گئی ہر دعا آج بھی مستجاب ہونے کے لیے فرش وعرش کے بیچ معلق دکھائی دینے لگی۔ نہ دعا قبول ہو رہی تھی نہ بیٹا ماضی سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عمر کو علی کی کال کے بعد دوستی کی خاصر مجبوراً ''مستبشرہ'' نام بیٹی کے لیے رکھنا اپنی شدید غلطی محسوس ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری آنٹی...... میں نام بدل دوں گا۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''ہم اب چلتے ہیں عمر۔'' ساجدہ گیلانی نے مستبشرہ کو زوہا کی بانہوں میں دیا۔ ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئیں، حسن گیلانی بھی چپ چاپ رہ گئے۔ وہ دونوں میاں بیوی اپنی جگہ شرمندہ تھے۔

''تھوڑی دیر تو بیٹھیں...... چائے......'' عمر نے ہمت کر کے انہیں روکنا چاہا۔

''بیٹے کا درد اتنی اذیت دے چکا ہے اب کسی اور چیز کی طلب نہیں۔'' انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے روکھا سا جواب دیا۔ غصہ عمر پر نہیں علی پر آ رہا تھا۔ یہاں مزید رکنا بھی محال لگا۔ اجازت لے کر جانے لگے۔

وہ مزید کچھ نہ بولا۔ ان کے جانے کے بعد اداس سا صوفے پر بیٹھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا۔ آنٹی انکل کو پتہ چلا تو ناراض ہوں گے۔'' ان کے جانے کے بعد زوہا نے کہا تو عمر نے تاسف سے سر ہلایا۔

''لیکن اب کیا کروں؟''

''نام بدلنا ضروری ہے ورنہ انہیں ہمیشہ سن کر تکلیف ہوگی۔'' وہ بولی کہ واحد عل بھی یہی تھا۔

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ دل البتہ ان کے ناراض ہو کر جانے پر یاسیت میں گرا تھا۔

حسن گیلانی نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی جبکہ گاڑی میں بیٹھنے سے گھر پہنچنے تک ایک ایک لمحہ ساجدہ گیلانی کے لیے عذاب سے کم نہ تھا۔ مستبشرہ نام نے ان کے زخمی دل پر گویا نمک چھڑک کر ان کی روح تک کو گھائل کر دیا تھا۔

''میں اس لڑکی کو کبھی معاف نہیں کروں گی، جتنی تکلیف و اذیت ہم برداشت کر رہے ہیں میری بد دعا ہے مستبشرہ اس سے زیادہ تڑپے، بے سکون رہے، میری آہ لگے گی اسے...... میرے اکلوتے بیٹے کو جیتے جی مار دیا ہے۔''

شدت غم سے ان کی آنکھیں نم اور آواز بھاری ہوئی تھی۔ حسن گیلانی تب سے اب تک چپ تھے۔ بیٹے کے لیے بیوی کے جذبات و کیفیت میں پنپتا دکھ یہاں بھی نہیں تھا۔ آج کئی دنوں بعد وہ رو رہی تھیں۔ رونے سے طبیعت ناساز ہوئی۔ حسن گیلانی نے زبردستی انہیں آرام کی غرض سے لیٹنے پر مجبور کیا۔ گھنٹہ دو سو کر اٹھیں، بکھری، متنفر سوچوں میں ٹھہراؤ تھا۔ ملازمہ ان دونوں کے لئے چائے لائی۔ چائے پینے کے دوران وہ بیٹے سے متعلق اپنی ادھوری خواہش کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ اب شاید اس خواہش کو عملی روپ دینے کا وقت آ گیا تھا۔

''علی تو شاید ہم سے بہت نہیں کرے گا لیکن اب ہمیں ہی بات آگے بڑھانی ہوگی۔'' ذہن میں گردش بات کو زبان پر لاتے انہوں نے حسن گیلانی کی طرف دیکھا۔ وہ متوجہ ہوئے۔

''کس سلسلے میں؟''

''علی اور افریشم کے رشتے کے متعلق۔''

''اوہ ہاں......'' یاد آنے پر انہوں نے سر ہلایا۔

''اتنے سال دونوں نے ساتھ گزارے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو اب اچھی طرح جانتے ہیں، سمجھتے ہیں...... مستبشرہ کے متعلق بھی افریشم سے کچھ چھپا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اب ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں دونوں۔''

''ایسا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔'' انہیں کوئی آئیڈیا نہ تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ دل سے بولیں اور بات جاری رکھی۔ ''میں شروع سے افریشم کو علی کی دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اب بھی دونوں کو زندگی بھر ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہر غم و دکھ سے دور...... خوش و آباد۔''

''علی کی رضامندی کے بغیر یہ سب ناممکن ہے۔ اس سے بات کر کے اس کی رائے جاننی ضروری ہے۔'' وہ تحمل سے بولے۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ علی شروع سے افریشم کی خوبیوں، اس کی ذات کی اچھائیوں کا معترف ہے لیکن وہ اس حقیقت سے بھی آنکھیں نہیں چرا سکتے تھے کہ اب بھی علی کی پہلی محبت ''مستبشرہ جمال'' اس کے اندر، اس کی روح تک سرائیت کیے اس کے ہوش و حواس پر قابض تھی جبھی وہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود خود کو اس کی یادوں کے کربناک حصار سے نکال کر مضبوط نہیں کر سکا تھا۔

آج بھی اس کے لہجے میں بے بسی موجود تھی۔ خزاں کا موسم آج تک اس کے اندر ڈیرہ جمائے تمام رنگوں کو پھیکا کیے تھا۔

''میں اب ہر صورت اپنی خواہش کی تکمیل چاہتی ہوں حسن۔ اب مزید میں اپنے بیٹے سے جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ میری ممتا کا ضبط آخری حدوں کو چھونے لگا ہے۔ میں علی کو اجاڑ، ویران نہیں دیکھ سکتی۔'' ان کے ٹوٹے لہجے میں بہتری کی آس تھی۔ بیٹے کے غم میں برابر ان کا دل اب بے بسی کی حدوں کو چھونے لگا تھا۔ حسن گیلانی نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما۔

''سب کچھ ٹھیک ہوگا ان شاء اللہ۔'' انہیں دلاسہ دیا۔

''میں علی کے بجائے افریشم سے بات کروں۔ مجھے امید ہے افریشم، علی کو قائل کر سکتی ہے۔'' وہ پر وثوق ہوئیں۔

''یہ مناسب رہے گا۔'' انہوں نے بیوی کی تائید کی۔

لیکن دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ افریشم جہاں علی کو بدلنے اور مستبشرہ کو اس کی زندگی سے نکالنے میں بری طرح ناکام ہوئی تھی وہیں اپنے دل کو باز نہ رکھ پائی تھی۔ کانٹوں سے بھری، ناامیدی سے لبریز ایسی ڈگر پر بھٹک رہی ہے جہاں محبت میں ممکنہ تشنگی کے احساس نے اس کی روح تک کو گھائل کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

سید جمال شاہ کی کال اور رشتے کے لیے رضامندی نے سب گھر والوں کو خوش کر دیا تھا۔ مشارب سرشار تھا۔ محبت امر ہونے جا رہی تھی۔ گھر کی فضاء میں خوشگواریت رچ بس گئی تھی۔ کل صبح کے بعد وہ فلک کی طرف بھی نہیں گیا تھا۔ فلک بھی ماں کے سمجھانے پر اندر رہی تھی۔ اس تک ابھی خبر نہیں پہنچی تھی۔ فہمیدہ بیگم نے کھلے دل سے سب کو مبارک باد دی مگر درحقیقت اندر ہی اندر ان کا دل خائف تھا۔ کل فلک سمجھانے پر وقتی طور پر چپ تو ضرور ہوئی تھی مگر باہر سب کو اس کی طبیعت خرابی کا بتاتے ہوئے وہ خود مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔

انہیں فلک شاہ کی لاابالی سوچ نے مضطرب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بیٹی کو کسی کی بھی نظروں میں نہیں لانا چاہتی تھیں لیکن بات چھپانے والی تھی نہ چھپنے والی......رات تو جب وہ اس کے گھر میں گئیں تب وہ اندرونی ٹوٹ پھوٹ سے نڈھال سو چکی تھی مگر صبح ناشتے کے بعد مشارب نے دوست کی طرف جاتے ہوئے اسے یاد کیا تھا۔

''فلک کا غصہ تو ابھی تک کم نہیں ہوا لیکن امی آپ اسے یہ خبر سنا دیں ابھی ورنہ مزید بپھر جائے گی۔''

''تم خود بتاؤ......خوش ہو جائے گی۔'' انہوں نے کہا۔

''امی! وہ مجھ سے بات چیت بند کیے ہوئے ہے اور ابھی مجھے دوست کی طرف نکلنا ہے۔ آپ پلیز میری مشکل آسان کر دیں۔'' وہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ ماں کو ہی آمادہ کیا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

مشارب شاہ کے جانے کے بعد وہ پہلی فرصت میں فلک کی طرف گئی تھیں۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ تھوڑی دیر قبل ہی فہمیدہ بیگم اسے ناشتہ دے کر گئی تھیں۔ وہ اندر داخل ہوئیں۔ پہلی نظر اس پر پڑی تو وہ ٹھٹک گئیں پھر اگلے ہی لمحے فکرمندی سے اس کی طرف بڑھیں۔ وہ البتہ انہیں سامنے پا کر ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آنکھیں کل مسلسل رونے کے بعد آج خشک تھیں۔

''کیا ہوا فلک......ایسی حالت کیوں بنا رکھی ہے؟''

''کچھ نہیں ہوا۔''

''ابھی تک مشارب سے ناراض ہو؟''

''نہیں۔''

ماں کے سمجھانے کے بعد وہ صبر آزما مرحلے سے گزر رہی تھی۔

''نہیں تو اٹھو، پھر آؤ باہر۔ سب کے ساتھ خوشی مناؤ، منگنی کی تیاری کرو، میں اور فہمیدہ تو بوڑھے ہو گئے، رونق تو تم نے ہی لگانی ہے۔'' آصفہ بیگم نے اس کی ناراضی کے پیش نظر ہلکے پھلکے انداز میں اسے خبر سنائی۔

فلک نے منگنی کے نام پر اس بار بھوئیں سکیڑ کر بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ان کے الفاظ تیر کی مانند دل کے آر پار ہوتے محسوس ہوئے۔

''یوں خفا ہو کر کتنی بری شکل بنائی ہوئی ہے۔ اس گھر کی اکلوتی بیٹی ہو، ہنسو مسکراؤ، خوشی خوشی تیاری کرو۔ آؤ میرے ساتھ۔'' وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

''ابھی نہیں۔'' وہ بمشکل بے یقینی سے نکل کر ہوش میں آئی۔ فوراً نفی میں سر ہلایا۔ پھر ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی بولی۔

''میں تھوڑی دیر میں باہر آتی ہوں۔''

آصفہ شاہ اس کی کیفیت و حالت کو خفگی ہی گردان رہی تھیں۔ اس کے کہنے پر مسکرائیں، کہتے ہوئے جانے کے لئے اٹھیں۔

''جلدی آنا۔''

اس نے بغیر انہیں دیکھے سر ہلایا مگر ان کے جاتے ہی جیسے اس کا دل پہلے سے زیادہ بے بسی پر پھٹا تھا۔ خشک آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ منگنی کی خبر تمام سمجھ بوجھ پر پانی پھیر گئی۔ وہ ضبط ہار گئی۔ اسے ماں کی باتوں کی بازگشت مدھم ہوتی محسوس ہوئی۔ اندر بڑھتا طوفان اس کی سماعتوں کو ناکارہ کرنے لگا۔ غبار بڑھنے لگا، اسے تشنگی نامنظور تھی، ادھوری محبت کی کسک و عمر بھر کا روگ قطعاً قبول نہیں تھا۔ اسے اپنی محبت کو زبان دینی تھی۔ چپ کے قفل توڑنے لگے۔

عشق کو جنون تک لے جانا تھا۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اپنی محبت کو نظروں کے سامنے کسی اور کے لئے محبت کی مالا جپتے دیکھنا عذاب لمحوں میں اسے عمر بھر دھکیلے رکھ سکتا تھا۔ اسے لمحہ لمحہ عذاب جھیل کر روگ نہیں پالنا تھا۔ سب کی خوشی کے لئے وہ اپنی محبت نہیں تیاگ سکتی تھی۔ پیچھے ہٹنا اب ناممکن تھا۔

ایسی بے شمار لمحاتی سوچیں اس کے حواس پر حاوی ہونے لگیں۔ محبت کے لئے خود غرض بننے میں اسے ذرا دقعت نہ ہوئی۔ موبائل اٹھا کر مستبشرہ کا نمبر ڈائل کیا اور موبائل کان سے لگایا۔

''محبت و جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔''

بیل جا رہی تھی۔ دوسری جانب کال اٹھانے سے قبل یہ سوچ اسے ثابت قدم کرنے لگی۔ اندر چھڑی محبت کی جنگ اسے ہر ہر پل میں جیت کر خود کو کرب کے بھنور سے نکالنا تھا۔ وہ الفاظ کو ترتیب دینے لگی۔

دوسری طرف موبائل اسکرین پر فلک شاہ کا نام جگمگاتے دیکھ کر مستبشرہ جمال کے لبوں پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔ مشارب شاہ کی خوشی پر فلک کی کال اسے متوقع تھی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

''کہاں گم ہو محترمہ...... میں کب سے تمہاری کال کا انتظار کر رہی تھی؟'' اس نے دل کی ایک نہ سنتے ہوئے محض فلک کے لیے خوشگوار لہجہ اپنایا۔ جو اسے سخت ناگوار گزرا۔ تڑپ کر رہ گئی۔

''تم نے اور مشارب نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ؟'' آبدیدہ لہجے میں شکایت کا آمیزہ شامل تھا۔

''کیا اچھا نہیں کیا؟'' وہ اس کی فطرت سے واقف اس کی بات کو سنجیدگی سے لیے بنا بولی۔

''تم سب جانتی ہو......مشارب بھی لاعلم نہیں ہے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''بات کیا ہے فلک؟'' وہ اس بار قدرے پریشان ہوئی۔

''مشارب صرف میرا ہے، تم اس سے شادی کیسے کرسکتی ہو؟'' وہ ہذیانی انداز میں پھٹی۔

محبت تمام جذبات سمیت اس کے لیے آزمائش بنی ہوئی تھی۔ مستبشرہ کی سماعتیں بے یقینی ہوئیں۔ نام کے علاوہ کچھ کہہ نہ پائی۔

''فلک......''

''تم جانتی ہو میں اس سے محبت کرتی ہوں۔'' اپنے الفاظ پر وہ زور دے کر شدت سے بولی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں۔

مستبشرہ نے اسے سننے پر اکتفا کیا۔

''مشارب بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' وہ اپنے ہی وثوق میں تھی۔ مستبشرہ کچھ نہ بولی۔ خاموش رہی۔

''مشارب صرف میرا ہے مستبشرہ......میری زندگی ہے وہ......تم اس کی زندگی میں شامل ہو کر مجھے مار دو گی۔ تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا۔ وہ صرف میرا ہے۔ میں اسے کسی کا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ تم سن رہی ہوناں مجھے؟'' دیوانہ وار کہتی وہ اس کی خاموشی پر پوچھنے لگی۔

''ہاں......تم بولو فلک! میں سن رہی ہوں۔'' مستبشرہ نے تحمل سے کام لیا۔

''تم انکار کر دو رشتے کے لئے۔'' وہ دوٹوک بولی۔

''تم پہلے ریلیکس ہو کر مجھ سے بات کرو۔''

''میں بہت ڈر گئی ہوں مستبشرہ۔ میں بہت محبت کرتی ہوں مشارب سے۔ اسے کھونا نہیں چاہتی۔'' وہ رونے لگی۔

''رونا مسئلے کا حل نہیں ہے فلک......پلیز روؤ مت۔''

اس کی آواز میں نمی کو محسوس کرتی وہ اسے ڈھارس دینے لگی۔ فلک کی غیر متوقع کیفیت اسے الگ شش و پنج میں مبتلا کر گئی تھی۔ اتنی وقعت سے تو اس نے اپنے دل کے خلاف جا کر اس رشتے کے لئے حامی بھری تھی اور فلک کی محبت، جذباتی انداز اور رونا اس کی سوچوں میں ہلچل مچانے لگا لیکن اس عجیب ہوتی صورتحال کو فی الحال اسے ہینڈل کرنا تھا۔

''میں مشارب سے بہت محبت کرتی ہوں......اور تب سے کرتی ہوں جب سے دل نے جذبات کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔ اس نے میری سوچوں کا رخ بدلا تھا۔ اسی کی باتوں میں مجھے محبت ملی تھی۔ اسی کے لئے میں اتنے سالوں سے خاموش رہی۔ میں نے اس کے لئے خود کو بدلہ، ہر وہ کام کیا جو وہ چاہتا تھا، جو اسے پسند تھا۔ میری خوشی، میری زندگی ہے مشارب۔'' وہ بتا رہی تھی۔

''یہ سب تو ٹھیک ہے فلک......لیکن......!''

"لیکن ویکن کچھ نہیں مستبشرہ...... میں مشارب کے بغیر مر جاؤں گی۔" بھرائی آواز میں التجا بھی تھی، بے تابی عروج کو پہنچنے لگی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا...... خود کو سنبھالو چندا...... میں کچھ کرتی ہوں۔"

اس نے بات سمیٹنی چاہی۔ فلک کا خبطی انداز اور اب مرنے کی بات اسے سراسیمہ کر گیا تھا۔ مشارب اس سے محبت سے انکاری، دوست کی حیثیت سے اس کے قریب تھا تو فلک کی باتوں، لہجے و آواز میں بھی مذاق کی رمق نہ تھی۔

وہ متفکر سی الجھی۔

ان دونوں کو اس نے ہمیشہ دوستی کی حدود سے بہت آگے نکلتے دیکھا تھا۔ ان کی باتوں میں محبت کو محسوس کیا تھا جس کا ذکر وہ مشارب سے بھی کر چکی تھی۔ جسے مشارب نے اس کی غلط فہمی قرار دیتے ہوئے رد کیا تھا مگر اس وقت فلک کے جذبات و احساسات سے محبت کی صداقت جھلک رہی تھی۔

وہ جھلک جو ابتدا سے نکل کر انتہا کو چھو رہی تھی۔ جس کی انتہا میں سفاکیت کا عنصر بھی نمایاں تھا اور تشنگی کا دردناک خوب بھی تمام ہتھیاروں سے لیس اسے ہراساں کر رہا تھا۔

وہ بے یقین بھی ہوئی۔ مشارب اس کے جذبات و خواہش سے اب تک لاعلم کیوں تھا؟

کیوں اپنے لئے اس کی محبت کو محسوس نہیں کر پایا تھا؟

گنجلک سوچوں نے اسے فوراً کسی بھی فیصلے تک رسائی نہ دی لیکن فلک کو مطمئن کرنا ضروری تھا۔ وہ اسے عزیز تھی۔ ہاں یا ناں میں کوئی دونوں جواب تو اسے نہ دے سکی مگر اس کے آنسوؤں کے سامنے بند لگا گئی۔

"تم فکر مت کرو...... میں کچھ کرتی ہوں بلکہ تمہارے لئے کچھ اچھا ہی کرتی ہوں۔ بس تم ٹینشن مت لینا اور روؤ بھی مت۔"

فلک کو گویا مستبشرہ جمال کی باتوں نے یقین دلایا، اس کے اندر گھپ اندھیرے میں امید کی کرن روشن ہوئی، آنسوؤں کو پوروں سے صاف کیا، سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"ابھی میں فون رکھتی ہوں فلک، تم سے بعد میں بات کروں گی۔"

مستبشرہ جمال نے کہتے ہوئے کال ڈسکنیکٹ کی مگر موبائل واپس رکھتے ہی سوچوں کے دو نئے سرے سے کھلتے چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

اگلے دن ادینہ، ماہی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی۔ لیڈی ڈاکٹر نے اس کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد قدرے برہم انداز میں ناراضی کا اظہار کیا تھا کیونکہ پریگنینسی کے سات ماہ گزرنے کے باوجود وہ کمزوری کا شکار تھی۔ وجہ خوراک میں اس نے لاپرواہی بتائی جس کی بابت بچہ بھی کمزور تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے اپنا اور بچے کا خیال رکھنے کی سخت تاکید کی۔ اس کے لئے غذائیت سے بھرپور خوراک اور فروٹس

تجویز کیئے۔ میڈیسن وغیرہ لکھ کر دی۔

لیڈی ڈاکٹر سے اجازت لے کر باہر نکلتے ہوئے ادینہ بھی اس پر غصہ ہوئی مگر وہ خاموشی سے اسے سنتی رہی۔ جانتی تھی کہ اس کی کیفیت و بدحالی کو نہ ڈاکٹر جانچ سکتی تھی اور نہ ہی ادینہ کو احساس ہوسکتا تھا۔ اسے وضاحت بھی نہیں دینی تھی کہ اس کمزوری کی اصل وجہ کم خوراکی ہے نہ اس کی لاپرواہی۔

اس سب کی وجہ مراد منصور کی نفرت کا ایسا دہکتا آلاؤ تھا جس کی آگ میں وہ طویل مدت سے جل رہی تھی۔ سسکتے ہوئے ہر سانس کے ساتھ اذیت برداشت کر رہی تھی۔ زندگی کے دن محض گزار رہی تھی۔

''اب میں تمہیں گھر کا کوئی کام کرتے ہوئے نہ دیکھوں۔ نہ نایاب اور اریبہ کے پیچھے دوڑتے دیکھوں......صرف اپنا اور آنے والے بچے کی صحت کا خیال رکھو۔'' راستے میں ادینہ نے غصہ سائیڈ پر رکھتے ہوئے محبت سے اسے تاکید کی۔ مہ روش نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس کا پیار بھرا غصہ، اب اس کی صحت کا خیال، آنے والے بچے کے لئے فکرمندی کا احساس......جانے کیوں مہ روش کو بے چین کر گیا۔ ذہن بدترین طریقے سے نادانستگی میں بپھرا۔ سوچوں کا مراد منصور کا سارا غصہ منفی پہلو کو سوچنے میں لگا۔ ایک لمحے میں دل متنفر ہوا۔ ادینہ سے شادی کے لئے وقار سعید کا انکار اور ادینہ کے لئے وقار سعید سے بدلہ لینے کے لئے مراد منصور کا رچایا کھیل......کسی اور کے کیے کی پاداش میں بے گناہ ہوتے ہوئے وہ سزا کاٹ رہی تھی۔ جس کا اثر اس کی دونوں بیٹیوں کی زندگی پر بھی ہوا تھا، ہو رہا تھا اور شاید آگے بھی ہوتا رہے گا۔

اور جس کو وجہ بنا کر اس کی زندگی میں زہر گھولا گیا تھا وہ اس کے لئے اپنی محبت اور فکر کا اظہار کر رہی تھی۔

اسے اپنی ذات کے ساتھ قسمت کا یہ سنگین مذاق بدترین لگا تھا۔ اسے اب کسی محبت اور ہمدردی نہیں چاہیئے تھی۔

''گھر کے کام نہ سہی پر نایاب اور اریبہ میری اولین ذمے داری ہیں۔'' روکھائی سے اسے جواب دیا۔ لہجہ قدرے سخت بھی ہوا۔ ادینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

''بیشک......لیکن اس حالت میں تمہیں ان کی نہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ لگتا ہے تم نے ڈاکٹر کی ہدایات کو صحیح طریقے سے نہیں سنا۔'' مگر تحمل سے کام لیا۔

''میں نے اچھے طریقے سے سنا تھا۔''

ماہی کے صبر کا پیمانہ گویا آج، اس لمحے لبریز ہو چکا تھا۔

ادینہ نے البتہ خود کو نارمل رکھا۔ جانتی تھی ایسی حالت میں لڑکیاں اکثر چڑچڑاہٹ کا شکار ہو جاتی ہیں لیکن وہ دلبرداشتہ تھی۔

بیٹیوں سے مراد کی لاتعلقی اور بے فکری اسے مراد سے متنفر کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھے ہوئے تھی۔ اس لمحے ذہن میں اس کی ذات، اس کی باتیں گردش کرنے لگی تھیں، مزید بولی۔

''اگر میں ان کا خیال نہیں رکھوں گی تو کون رکھے گا۔''

''امی ہیں، میں ہوں اور مراد ہے۔ تم بے فکر ہو کر صرف اپنا خیال رکھو۔ اور ہم انہی تم سے دور تھوڑی کریں گے۔ وہ تمہارے سامنے ہوں گی۔''

''تم نہیں سمجھ سکتی ادینہ۔ میں بے فکر نہیں ہو سکتی''...... ماہی مکمل مایوس تھی، قدرے کھردرے انداز میں اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتی تم؟'' ادینہ کو اس کی بے اعتباری اب بری لگی۔

''بس نہیں ہو سکتی۔'' روکھائی سے کہتی وہ باہر دیکھنے لگی البتہ ادینہ ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سکول سے واپسی پر، شام ہونے تک وہ الجھے دھاگوں میں پھنسی، ذہنی آزمائش میں بے بس ہوئی تھی۔

فلک......

مشارب......

اور

علی آیان حسن گیلانی......؟

ذہنی و قلبی آزمائش نے اسے کشمکش کا شکار کیا۔ اپنے تئیں ماضی کی یادوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی سعی میں وہ بری طرح ناکام ہوئی۔ اتنی آسانی سے راہِ فرار شاید اس کے لئے ممکن نہ تھا۔

فلک کا جنونی انداز، مشارب شاہ کے لئے محبت اپنی جگہ مگر فلک کے لہجے میں چھلکتا تشنگی و نارسائی کا خوف، محبت میں خالی ہاتھ رہ جانے کا احساس۔ اسے فلک کے لئے، اپنے لئے موت کے ڈر سے بدتر محسوس ہوا تھا۔

فلک کی کیفیت نے اسے نئے سرے سے سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ سوچ کے انبار میں غرق ہوئی۔

مشارب سے شادی کا فیصلہ بہت سوچ کر کیا گیا تھا۔ وہ مشارب کو انکار کر کے اسے اس کرب کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے وہ گزری۔ خود پر حاوی علی کی محبت کا بھوت وہ یونہی اتار پھینک سکتی تھی۔ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ ہجر کی جو سزا اس نے علی کو سنا کر اسے بدحال کیا تھا، خود بھی اس ہجر کی آگ میں جل رہی تھی، کوئی اور اس کی وجہ سے ایک بار پھر عمر بھر کا روگ دامن میں سمیٹ کر اذیت کے بھنور میں سانسوں کا بوجھ برداشت کرے۔

مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ گیا۔

فلک کی کیفیت، جنونی خبطی انداز، لاحاصل رہ جانے والی محبت کا ڈر، بے بسی وخوف، مشارب کے بغیر جینے مرنے کی باتیں...... سب علی سے مشابہت رکھتا تھا۔ ایسی ہی دیوانگی علی نے ظاہر کی تھی۔

اس وقت وہ علی کے لئے کچھ نہیں کرسکتی تھی مگر آج فلک کی ذات، فلک کی محبت، فلک کی خوشیاں، فلک کی زندگی اس کے ذہن و دل کے سامنے سوالیہ نشان بن کر رہ گئی۔ علی کی ذات کو فی الفور اس نے نظرانداز کیا۔

فلک شاہ......اور......مشارب شاہ......؟

اس کا فیصلہ کسی ایک کے حق میں ہی ہوسکتا تھا۔ دوسرے فریق کو اس کا فیصلہ شاید تکلیف دہ، صبر آزما مرحلے سے گزارتا...... یا شاید اسے تباہ کردیتا، برباد کردیتا لیکن فیصلہ ضروری تھا۔

محبت یونہی تو نہیں بدنام......

محبت خواب بھی ہے، سراب بھی، عذاب بھی...... محبت برباد کرتی ہے...... محبت سکون تباہ کرتی ہے...... محبت جینا دشوار کرتی ہے...... محبت سانسوں پر گرفت تنگ کرتی ہے...... محبت آزمائش بن کر تڑپاتی ہے، رلاتی بھی ہے......!

اس کی الجھن میں اضافہ ہوا۔

دماغ نے یکدم خودغرض بننے کا فیصلہ کیا۔ مشارب سے رشتہ قائم رکھنے کی ضد پر اترا۔ علی اور فلک کو اپنی سوچوں سے کوسوں دور کرنا چاہا۔ اس کٹھن چکر میں نہیں پھنسنا تھا۔ فلک کو صاف انکار کی غرض سے موبائل اٹھایا لیکن نمبر ڈائل کرنے سے پہلے سرعت سے اس نے ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت میں آنے سے روکا۔

''یہ میں کیا کررہی ہوں؟''

''خود کو ڈپٹا۔ فوراً موبائل واپس رکھا کہ گویا کچھ دیر مزید پکڑے رہنے سے وہ فلک کے حق میں گنہگار ہی نہ ہوجائے۔

''فلک کو ہمیشہ میں نے اپنی چھوٹی بہن کہا۔ میں کیسے اپنی بہن کی خوشیاں، اس کی محبت جانتے بوجھتے چھین سکتی ہوں۔ اسے دکھ کی ایسی تکلیف دہ دلدل میں کیسے دھکیل سکتی ہوں جہاں سے نکلنا ناممکن ہے، جہاں جینے کی خواہش دم توڑ دیتی ہے سانسیں بوجھل کردیتی ہیں۔''

اپنی جگہ وہ شرمندہ کی اتھاہ گہرائیوں میں اتری۔

''اور میں خود......اتنی آسانی سے راہِ فرار اختیار نہیں کرسکتی۔ علی کی محبت سے آنکھیں نہیں چراسکتی۔ اپنی شکست کے ساتھ ہی مجھے باقی زندگی گزارنی ہے۔ میرا ماضی، حال اور مستقبل صرف علی سے منسوب ہے، رہے گا۔ میں مشارب سے شادی نہیں کرسکتی۔''

وہ مکمل ہوش وحواس میں حتمی فیصلے تک پہنچی۔

فلک کو زندگی کی نوید سنانے سے پہلے اس نے کال کر کے کل مشارب کو اپنے سکول میں ضروری کام کا کہہ کر آنے کو کہا۔ پھر فلک کو میسج کیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے شکریہ کا میسج کیا۔ مستبشرہ نے میسج پڑھنے کے بعد موبائل واپس رکھا اور گلے میں پہننے لاکٹ کو مخملی انگلیوں میں لیتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا۔ اور اسی لمحے علی سے محبت نئے سرے سے دل میں شدت اختیار کرتی رگ رگ میں سرایت کرنے لگی۔

☆......☆......☆

ہر گزرتا لمحہ اس کے لئے پریشان کن اور اداس تھا۔

زندگی گویا ٹھہر گئی تھی۔

دانستہ لا حاصل منزل کی طرف اختیار کی گئی مسافت اسے تھکانے لگی تھی۔ طویل مسافت طے کرنے کے باوجود چاروں اطراف مایوسی اور افسوس تھا۔ اپنی نادانی پر پچھتاوا تھا۔ خود پر بے پناہ غصہ تھا۔

مضطرب کیفیت، رنج و ملال کے سوا کچھ نہ تھا۔ سوچیں ایک مخصوص حصار میں مقید تھیں۔ اٹھتے قدم بند گلی میں آ کر رک گئے تھے۔ بند گلی میں گھپ اندھیرا تھا۔ گھمبیر خاموشی اور بے شمار وحشتیں تھیں۔ آگے بڑھنا، درد کی پوشاک کو اتار پھینکنا ممکن نہ تھا۔ واپسی کی راہیں بھی تاریکی میں ڈوب کر تمام وسعتوں کو سمیٹ کر تماش بین بنیں اسے مجبور کر گئی تھیں۔ اس قدر مجبور کہ وہ علی آیان حسن گیلانی سے گلہ کرنے کی سکت سے بھی عاری ہو گئی۔ دل میں محض درد باقی تھا جسے زبان دینا اس کے سامنے بے وقوفی ہوتی۔ وہ اس حقیقت سے آشنا تھی کہ علی بظاہر خود کو جتنا مضبوط ظاہر کرتے ہوئے نارمل زندگی جینے کی کوشش میں مگن رہتا۔ اس سے کئی گنا بڑھ کر آج بھی اپنی روح کے سنگ اپنی محبت کو زندہ رکھے، نارسائی کے دکھ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ ایسے حالات میں وہ کسی طرح علی سے اپنے جذبات، اپنی محبت کا اظہار کر سکتی تھی۔

ناامید و مجبوری میں علی سے بات چیت کم کر لی۔ ملاقات و رابطے محدود کر دیئے۔ اس کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ آفس جاتی تو محض کام کے سلسلے میں اس کے سامنے جاتی، لنچ اکیلے کرتی، وہ معمول کی باتیں کرنا چاہتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر سامنے سے ہٹ جاتی۔ علی کو وہ ان سب باتوں و عمل سے حیران کر رہی تھی لیکن وہ اسی کی طرح اب جینا چاہتی تھی۔

شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ موبائل بپ پر اس نے اٹھ کر موبائل دیکھا۔ موبائل سکرین پر ساجدہ گیلانی کا نام چمک رہا تھا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی۔ رسمی سلام دعا کے بعد ساجدہ گیلانی نے بلا تمہید باندھے اسے اصل مدعا، اپنی خواہش اور علی کو وہاں بھیجنے کا مقصد بتایا۔

اول تو وہ کئی لمحوں تک خاموش رہی، حیران الگ ہوئی مگر بالآخر اس کے لب مسکرائے تھے۔

گویا امید کا چھوٹا سا دیا، ناامیدی کے گہرے اندھیرے میں روشن ہوا تھا۔

''آپ کی خواہش اپنی جگہ آنٹی مگر مجھے نہیں لگتا کہ علی مانے گا۔'' البتہ وہ صاف بولی۔

''کیوں نہیں مانے گا......؟''

''اس لیے کہ وہ اپنے دعوے کو سچ ثابت نہیں کر سکا بلکہ اس نے ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں ہے۔'' وہ اپنی بھڑاس ان کے سامنے نکالنے لگی۔

یہ نادر موقع تھا، اپنی محبت کو من موجی کے ساتھ امر کرنے کا...... آنٹی کی خواہش اور اسی خواہش کا دباؤ...... وہ راضی ہو سکتا تھا۔ افریشم، ساجدہ گیلانی کی خواہش کے سہارے اپنی محبت حاصل کر سکتی تھی۔

''تو کیا آج تک......؟'' وہ افسردہ سی بات مکمل نہ کر سکیں۔

''جی آنٹی...... چھ سال گزرنے کے باوجود...... وہ نہیں بدلا۔ محبت کا بھوت اب بھی اس کے اعصاب پر سوار ہے۔ اگر وہ مستبشرہ کو بھولنے کی ذرا سی بھی کوشش کرتا تو آج آپ سے دور نہ رہ رہا ہوتا۔ وہ زندگی کو نہیں زندگی اسے گزار رہی ہے...... مجھے تکلیف ہوتی ہے اسے اس حال میں دیکھ کر لیکن افسوس کہ میں آپ کی خاطر بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔''

وہ جذباتی ہوئی۔ چاہتے ہوئے بھی اپنی محبت کی یکطرفہ کہانی بیان نہ کر سکی۔

''کیوں بیٹا؟'' وہ افسردہ تھیں

''اس لئے کہ وہ نہ میری سنے گا نہ آپ کی خواہش پوری کرے گا۔''

''فی الحال مجھے اس کے بارے میں بات نہیں کرنی۔''

''جی......'' افریشم حیران ہوئی۔

''تم اپنے بارے میں بتاؤ...... تمہیں اس رشتے پر اعتراض تو نہیں ہے۔''

''آنٹی! میں ابھی اسی وقت کیسے کچھ کہہ سکتی ہوں۔''

''میں جانتی ہوں افریشم...... اتنا بڑا فیصلہ کوئی اچانک نہیں کر سکتا نہ میں تمہیں زبردستی قائل کرنا چاہتی ہوں۔ میرا کوئی حق نہیں بنتا کہ اپنے بیٹے کی خاطر تم پر اپنی خواہش کو مسلط کروں کیونکہ تم سب جانتی ہو۔'' وہ سنجیدہ تھیں۔ ایک پل کو رکیں پھر بات مزید آگے بڑھائی۔

''عورت، محبت میں شراکت پسند نہیں کرتی۔ کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ جس مرد کو اپنی زندگی کا اختیار دینے پر آمادہ ہے وہ کسی اور سے محبت کرے، تشنہ محبت کو اوڑھنا بچھونا بنائے، یادوں کو چلتی سانسوں کا ضامن بن کر عورت کو گنجلک دھاگوں میں الجھا دے۔''

حقیقت کا آئینہ ان کی نظروں کے سامنے بالکل شفاف تھا۔

''میں کسی لڑکی کے ساتھ جان بوجھ کر زیادتی نہیں کر سکتی لیکن کیا کروں...... ماں ہوں، بیٹے کی خاطر خود غرض بن گئی تھی۔''

ساجدہ گیلانی کا جذباتی لہجہ نمی لیے تھا۔ افریشم سنجیدہ، پرسوچ مگر خاموش رہی۔

''بے شک تمہیں اپنی زندگی کا ہر فیصلہ کرن کا حق ہے افریشم ......تم چاہو تو سوچ کر جواب دے دینا یا پھر ابھی انکار کر دو......میں تم سے ناراض نہیں ہوں گی۔''علی کی فکرمندی اپنی جگہ،انہوں نے اسے فیصلے کا مکمل اختیار دیا۔

اور افریشم گیلانی......گویا خود کو منزل کے بالکل قریب کھڑا محسوس کر رہی تھی۔یہ خواہش تو اس کی بھی تھی۔محبت کو لا حاصل نہیں، زیست کا حاصل بنانا اس کی جاگتی آنکھوں کا خواب بھی تھا۔وہ کیونکر انکار کرتی۔

جانتی تھی اب ساجدہ گیلانی علی کو کسی بھی طرح منا سکتی ہیں۔

''ایسی بات نہیں ہے آنٹی۔''

''تو پھر میں کیا سمجھوں؟''وہ سوالیہ ہوئیں۔

''آپ پہلے علی سے بات......''

انہوں نے افریشم کو ٹوکا۔

''فی الحال مجھے تمہاری مرضی جاننی ہے بیٹا۔''

''مجھے آپ کی ممتا کا احساس ہے۔میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں۔''بالآخر دل کی بات کو اس نے اقرار کی صورت آواز دی۔

''جیتی رہو بیٹا......مجھے تم سے یہی امید تھی۔''وہ طمانیت سے مسکرائی تھیں۔آواز میں خوشی کی لہر تھی،مزید بولیں۔

''میں یہ خوشخبری حسن کو سناتی ہوں۔تم اپنا خیال رکھنا۔''

''جی آنٹی۔''کہتے ہوئے وہ فون رکھنے لگی۔

''اور ہاں افریشم۔''دوسری طرف وہ فوراً بولیں۔

''جی آنٹی......''

''علی کا بھی خیال رکھنا۔''اسے محبت بھری ہدایت کی۔

''جی آنٹی۔''اثبات میں کہتی وہ مسکرا دی۔ساتھ ہی لائن ڈسکنکٹ کی۔آج مدت بعد اپنے چہار سو اسے تازگی بھری پھوار برستی محسوس ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

''کچھ نہ کچھ تو ایسا ہے جو مجھے نہیں پتہ،جو شاید مجھ سے چھپایا جا رہا ہے،مراد کا تو مجھے نہیں معلوم لیکن چار ماہ ہو گئے مجھے یہاں آئے ہوئے لیکن نہ آپ پوچھنے پر کچھ بتاتی ہیں اور نہ مہ روش کو دیکھ کر دل مطمئن ہوتا ہے۔''

گھر آ کر ادینہ نے راستے میں ہوئی ماہی سے تمام باتیں کلثوم بیگم کو بتائیں جس پر انہوں نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہ کیا۔تو کب

سے دل میں پلتے شک کو زبان پر لانے سے وہ روک نہ سکی۔ تمام باتیں ماں سے کرنے کا مقصد بھی اسی شک کو ختم کرنا تھا لیکن ماں کی خاموشی اس کے سامنے کئی سوال کھڑے کر گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سے چھپایا گیا ہو۔"

"پلیز امی، کم از کم اب تو مجھے بتا دیں۔" وہ خفا ہوئی۔

"اس حالت میں بعض اوقات لڑکیاں چڑ چڑاہٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ پریشان ہوا جائے۔" وہ اسے ٹالنا چاہتی تھیں۔

"آپ کے لئے نہ سہی پر یہ میرے لئے پریشانی کی بات ہے۔ میں نے آج تک مراد کو نایاب اور ادینہ کے ساتھ پیار سے بات کرتے نہیں دیکھا، نہ ماہی کے ساتھ کبھی بیٹھا ہوا دیکھا، نہ باتیں کرتے دیکھا۔ ہر وقت بناء کسی سنگینی کے اس سے الجھتا ہے۔ خواہ مخواہ لڑتا ہے، بیٹیوں کو ڈانٹتا ہے۔ یہ سب میرے لئے عجیب ہے۔"

البتہ ادینہ کسی طور ٹلنے کے موڈ میں نہ تھی۔

"کچھ تو دونوں کے بیچ ایسا ہے جو مضبوط بندھن کے باوجود انہیں اس موڑ پر لے آیا ہے۔" وہ مزید بولی۔

"یہ تمہارا وہم ہے۔"

مہ روش نے انہیں کسی کو کچھ نہ بتانے کی قسم دے رکھی تھی اور اسی قسم نے انہیں چھ سالوں سے خاموش تماشائی بننے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ بچوں کی طرح ادینہ کو ٹالتے ہوئے وہ اندر ہی اندر نادم بھی ہوئیں کہ ادینہ بھی بچی نہ تھی جو چپ چاپ یقین کر لیتی۔ وہ سب کے رویے پرکھ کر بحث کر رہی تھی۔

"آپ اسے وہم کہہ لیں، لیکن ماہی، مراد کے ساتھ خوش نہیں ہے اور یہ میرا شک یا وہم نہیں یقین ہے۔ میں نے چار ماہ میں جو دیکھا، محسوس کیا وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔" وہ صاف دوٹوک بولی۔

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے ادینہ......؟"

"میں کبھی آپ سے نہ پوچھتی اگر مجھے یقین ہوتا تو......"

کلثوم بیگم کچھ نہ بولیں۔

"اس گھر میں اپنی حیثیت کا اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔" جس پر اس نے مکمل ناراضی کا اظہار کیا۔

کلثوم بیگم نے اسے دیکھا۔ یکدم آنکھوں کے سامنے مہ روش کا چہرہ نظر آیا۔ جو اسی کی "حیثیت" کی وجہ سے مراد منصور کی مکروہ نیت کی زد میں آئے ایک ایک لمحہ عذاب جھیل رہی تھی۔

دل یا سیت میں ڈوبا، افسوس بڑھنے لگا۔ کتنی تکلیف ہوتی تھی انہیں جب مراد، ماہی کے ساتھ بدترین سلوک کرتا، اس پر ہاتھ اٹھاتا، طعنے دیتا، اسے تڑپاتا، اپنا غصہ کم کرنے کے لئے اسے کئی کئی مہینوں تک میکے جانے سے روکتا اور وہ اپنی لاڈلی بھتیجی کے لئے سوائے رونے کے کچھ نہ کرسکتیں۔ مہ روش کی آنکھوں میں تیرتی نمی، اپنی بیٹیوں کو باپ کے پرشفقت سائے سے دور، باپ کی محبت کے لئے ترستے دیکھ کر وہ جس کرب واذیت سے گزرتی اس کا احساس انہیں بخوبی تھا۔ ان کا دل بھی دکھتا، مراد کو ہر بار سمجھانے کی کوشش بھی کرتیں، نماز کے بعد خاص دعا کرتیں مگر نہ مراد کی انا سمجھنے کی کوشش کرتی، نہ اس کا پتھر دل موم ہوتا اور نہ دعائیں قبولیت کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب ہوتیں۔ لیکن اللہ کے حضور دعاؤں کا تسلسل وہ باقاعدگی سے کرتیں کہ جلدی نہ سہی مگر دل سے نکلی دعائیں مستجاب ضرور ہوتی ہیں۔ انہیں اس مبارک لمحے کا شدت سے انتظار تھا۔ انتظار کے سوا وہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتی تھیں۔ مہ روش کی خوشیاں، اس کی مسکراہٹ، خوشگواریت سے بھری، آسائشوں سے پرآسودہ زندگی ان کے لئے خواب بن کر رہ گئی تھی۔

ادینہ مزید کچھ کہے یا سنے بغیر ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اسی وقت اپنے کمرے سے ادینہ کو سلانے کے بعد نکلتی مہ روش کی نظر اس پر پڑی تو اس کے پیچھے چلی آئی۔ ادینہ کو لان میں کرسی پر بیٹھتے دیکھ کر وہ اس کے گئی۔

"آئی ایم سوری ادینہ۔"

آواز پر ادینہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ شرمندہ سی کھڑی تھی۔ گھر آ کر اسے اپنی تلخی کا احساس ہوا تھا۔

"ماہی تم......"

"آئی ایم سوری ادینہ۔" اپنے الفاظ دہراتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی۔

ادینہ اٹھ کر اس کے برابر کھڑی ہوئی۔

"کس لئے؟" کچھ دیر پہلے آنے والے غصے کی بابت وہ جان کر انجان بنی۔

"آج واپسی پر جو ہوا......" وہ بات مکمل نہ کرسکی کہ ادینہ نے اسے ٹوکا۔

"مجھے اس بارے میں بات نہیں کرنی ماہی۔" سننے سے صاف انکار کیا۔ غصے و خفگی کا اثر ابھی تک باقی تھا۔

"میں جانتی ہوں تمہیں۔ میرا رویہ اور باتیں بری لگی ہیں۔"

"تم اتنی ڈسٹرب اور ناامید کیوں ہو؟" ادینہ نے سوال کیا۔

"مجھے بحث نہیں کرنی چاہئے تھی۔" وہ اپنا ہی بولی۔

"مجھے میرے سوال کا جواب دو ماہی۔"

"تم ناراض ہو مجھ سے؟"

''نہیں...... پر مجھے اس سب کی وجہ بتاؤ۔''

ادینہ نے اپنے تئیں دباؤ ڈالنا چاہا۔وہ سنبھلی۔

''وجہ کچھ بھی نہیں ہے۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔''

''ایسے ہی تو کبھی کچھ نہیں ہوتا۔کوئی نہ کوئی بات یا وجہ ضرور ہوتی ہے۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے ادینہ۔'' جبھی نادانستہ اس کے منہ سے پھسلا۔ یکدم وہ کمزور پڑی۔ادینہ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔کیا ماہ روش اسے سب سچ بتانے والی تھی۔مکمل توجہ سے ماہی کو سننا چاہا۔

''کس سے......؟''

''میں نہیں چاہتی کہ اس مرتبہ بھی میرے ہاں بیٹی پیدا ہو۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔اندر پنپتا خوف پہلی بار زبان پر لایا۔

''کیا......؟''

''ہاں ادینہ......اس لئے الٹرا ساؤنڈ کے بعد میں نے ڈاکٹر سے نہیں پوچھا۔مجھے لڑکیوں کی قسمت،ان کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔کتنی محبت،پیار اور توجہ سے ماں باپ بیٹی کو پالتے ہیں،سینے سے لگا کر دل کے قریب رکھتے ہیں لیکن کوئی نہیں جانتا کہ آگے ان کی بیٹی کی قسمت میں سکھ ہو گا یا بے شمار دکھ،جتنی محبت سے وہ اپنی بیٹیوں کو پالتے ہیں،کیا کوئی اور بھی انہیں اتنی ہی محبت اور مان سمان دے سکتا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

ادینہ متعجب سی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہی کے لہجے میں اضطراب تھا،آواز پر ملال تھی۔مراد منصور کو بددعا دینے کے بعد ایک ایک لمحہ وہ عذاب میں گزار رہی تھی۔ ہر پل اپنی بددعا رد ہونے کی دعا کرتی اور اس وقت بھی اسے اپنی زندگی سے زیادہ اس آنے والی زندگی کی فکر تھی جس کے لئے محض غصے اور انتقام میں اس کے منہ سے بہت کچھ غلط نکلا تھا۔اپنے الفاظ کی سنگینی اسے لرزا رہی تھی۔

''بیٹا یا بیٹی تو اللہ پاک کی دین ہے ماہی۔''

''بے شک مگر مجھے بیٹیوں کے سوالیہ نصیب سے ڈر لگتا ہے۔''

وہ آنکھوں میں نمکین پانی کو آنے سے روک نہ پائی،لہجہ آزردگی میں ڈوبا تھا۔

''پلیز ماہی......کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں اتنی ان سیکیور ہو گئی ہو تم؟ کیا اس سلسلے میں تمہیں مراد کی طرف سے کوئی پریشر ہے؟''

ادینہ کے لئے اس کا ڈر و خوف کئی خدشات پیدا کر گیا۔اس نے ساتھ کئی سوال کیے۔

''نہیں......'' ماہی نے مراد کے ذکر پر فوراً خود کو سنبھالا۔

احساس شرمندگی نے اسے جذباتی کیا،وہ دل کی بات زبان پر تو لے آئی مگر ادینہ کے سوال،کھوجتی آنکھیں اسے محتاط کر گئے،

اسے ادینہ کے سامنے کچھ بھی نہیں کہنا چاہئے تھا۔اس طرح ادینہ بات کی تہہ تک پہنچ سکتی تھی اور ایسا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ اتنے سال گزرنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔

''اگر ایسا ہے تو میں مراد سے بات کروں گی۔یہ تمہارے اختیار میں ہے نہ وہ اپنی مرضی سے بیٹا پیدا کر سکتا ہے۔یہ اللہ کے کام ہیں اور جہاں تک بات بیٹی کے مستقبل کی ہے تو اللہ پاک ہر ایک نصیب اس کے پیدا ہونے سے پہلے لکھ دیتا ہے۔قسمت صرف بیٹیوں کی نہیں، بیٹوں کی بری بھی نکل سکتی ہے۔مستقبل کی کسی کو کوئی خبر نہیں ہوتی۔ہاں ماں باپ اپنی بیٹی کے لئے دعا کر سکتے ہیں۔دل سے نکلی دعا عرش تک جا کر قسمت اور تقدیر کو بدل سکتی ہے۔'' ادینہ نے تحمل سے اسے سمجھایا۔

''ہاں بالکل۔''

ماہی نے بات رفع دفع کرنے کے لئے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ صرف میرا ڈر اور وہم ہے۔پلیز تم مراد سے کچھ مت کہنا......انہوں نے کبھی میرے سامنے بیٹے کی خواہش نہیں کی۔'' ساتھ ہی سہولت سے اسے روکا۔

''ٹھیک ہے اور پلیز تم بھی آئندہ ایسا ویسا مت سوچنا۔ایسا سوچو گی تو ٹینس رہو گی اور تمہارے ٹینس رہنے سے بچے کی صحت پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔جہاں تک ممکن ہو اپنا زیادہ سے زیادہ خیال رکھو......بچیوں کی بالکل فکر مت کرنا، ہم سب ہیں ناں۔''

ادینہ نے پیار سے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔دل میں شکر گزار تھی کہ بات ٹل گئی۔دوسری طرف ادینہ بھی کچھ مطمئن ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ کیا بکواس ہے مستبشرہ؟''

تمام مدعا سننے کے بعد مشارب کی کیفیت سمجھ سے بالاتر تھی۔حیران بھی تھا اور شدید غصہ بھی آیا تھا مگر اس نے فی الوقت خود پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے کام لیا۔

''میں سنجیدہ ہوں مشارب۔''

''میرے نزدیک یہ میری محبت کا مذاق ہے جو مجھے قطعاً پسند نہیں آیا۔'' وہ گھمبیر سنجیدگی سمیت روکھائی سے بولا۔اس کا ذہن کسی طور یہ ماننے کو تیار نہ تھا۔

''یہ مذاق نہیں ہے مشارب۔پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''تم نے فلک کی بات پر یقین کیسے کر لیا۔سیریسلی آئی ایم شاکڈ۔وہ ایک ناسمجھ، لاابالی لڑکی ہے۔ساری عمر میں نے دوستی کے

نام پر اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کیا۔ میرے لئے وہ اب بھی ایک معصوم، شراتی سی بچی ہے جس کی ہر خوشی مجھے عزیز ہے لیکن وہ بہت بڑی خوش فہمی کا شکار ہے یا شاید اسے غلط فہمی ہے۔ میرے دل میں اس کا ایک الگ مقام ہے لیکن محبت جیسی کوئی محسوسیت نہیں ہے۔"

"تمہارے دل میں نہ سہی پر وہ تم سے محبت کرتی ہے۔"

"تمہیں اس کی بات نہیں سننی چاہئے تھی اور اگر سن لی تھی تو کم از کم اس پر دھیان نہ دیتی......تم جانتی تو ہو اسے؟" مشارب کو اس پر بھی افسوس ہوا، حیرت کا اظہار کیا۔

"وہ رو رہی تھی مشارب۔ اور اس کی باتیں، جنونیت سن کر تم بھی حیران رہ جاتے۔ پھر نہ اسے لاابالی کہتے نہ اس کی محبت کو مذاق گردانتے۔ محبت ہرگز بھی مذاق نہیں ہوتی۔ بہت طاقت ہے محبت، یہ تو پتھر دل کو بھی موم بنا دیتی ہے اور فلک تو معصوم ہے، بہت حساس ہے، نازک ہے محبت کیونکر اس پر اپنا اثر نہ ڈالتی۔"

مستبشرہ جمال خود محبت کی راہ گزر پر چل رہی تھی۔ محبت میں ناکامی، نارسائی اور تشنگی کے دکھ کا بخوبی اسے احساس تھا۔

"مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔"

"فلک کی خاطر تمہیں یقین کرنا ہوگا۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پلیز مشارب۔"

"نہیں مستبشرہ۔ میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"تمہیں بات کرنی اور سننی پڑے گی مشارب۔ یہ اسکی زندگی و موت کا سوال ہے۔" وہ اب کہ دوٹوک ہوئی، بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"میرا دل نہیں مانتا اور یہ سب محض بکواس ہے۔ کوئی اتنی چھوٹی سی بات کو زندگی و موت کا مسئلہ نہیں بناتا اور مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ فلک حقیقتاً مذاق کر رہی ہے کیونکہ اس نے سب کے سامنے کھلی ناراضی کا اظہار کیا کہ میں نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ کرنے سے پہلے اس سے شیئر کیوں نہیں کیا۔ اسی خفگی کو لیے وہ تب سے خود کو کمرے میں بند کئے ہوئے ہے۔ کسی سے بات بھی نہیں کر رہی۔"

مشارب نے صاف انکار کرتے ہوئے وضاحت دی۔

"اور یہیں سے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" مستبشرہ کے ہاتھ گویا سرا لگا۔

"مطلب؟" اس نے بھنویں سکیڑیں۔

"فلک نے خود کو کمرے میں بند کیا ہوا ہے، کسی سے بات نہیں کر رہی کہ اگر تم یا کوئی اور اسے تمہارے فیصلے کے متعلق بتا دیتا تو وہ

یقیناً یہاں تک نوبت نہ آنے دیتی، تمہیں سب کچھ بتا دیتی۔" وہ بولی۔

"اور میں تب بھی اپنا فیصلہ نہ بدلتا......" وہ بھی جواباً قطعیت بھرے لہجے میں صاف بولا۔ سچ ہونے کا شعبہ اسے تاؤ دلا گیا تھا۔

"اس کے لئے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہے مشارب۔" اس نے فلک کے لئے سفارش کرنی چاہی۔

"میں نے اسے فورس نہیں کیا تھا۔" وہ لاتعلق بنا۔

"محبت اندھا کر دیتی ہے انسان کو۔ تم سے دوری کے خیال وخوف میں وہ کوئی انتہائی سخت یا غلط قدم نہ اٹھا لے۔ وہ جذباتی ہے۔ کچھ بھی کرنے میں دریغ نہیں کرے گی۔"

"کچھ نہیں کر سکتی وہ۔" مشارب غصے میں تھا۔ تنگ آ کر بولا۔

"میں تمہاری کیفیت کو بھی سمجھتی ہوں مشارب...... محبت کی قربانی دینا بہت بہت مشکل عمل ہے لیکن کسی اور کی محبت کو امر کرنا اس سے بھی مشکل ہے۔ ایک کوشش کسی دوسرے کی زندگی کو امر کرنے کے لئے کرو تمہیں محبت کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اپنی تشنگی کا احساس تک باقی نہیں رہے گا۔ اس کا مکمل پن خوبصورت لگنے لگے گا...... اپنا آپ مکمل لگنے لگے گا۔" وہ عجیب ٹرانس کی سی کیفیت میں بولی۔

انداز میں خالی پن بھی تھا......

اور آواز میں حسرت بھی تھی......

احساس زیاں کا درد بھی تھا اور نہ ختم ہوئی پشیمانی۔

علی آیان حسن گیلانی کی تشنگی کا احساس، ان کا ادھورہ پن...... وہی تو ذمے دار تھی اور آ ک تک کفارے کے طور پر کرب سے دو چار تھی۔ اس محبت کا روگ دل سے لگائے بیٹھی تھی جس کی خوبصورتی، درد کی دھول تلے کہیں کھو سی گئی تھی، جس کے لیے رونے سے آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، زندگی بے رنگ ہو گئی تھی۔

لیکن اب وہ بے بس ولاچار، کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

نہ اس کے لئے،

نہ اپنے لیے،

اور ایسی زندگی جینا کتنا دشوار ہے یہ اس سے بہتر کون جان سکتا ہے۔

"تمہاری ان دلکش باتوں میں آ کر میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا...... سوری۔" البتہ مشارب شاہ اپنے حتمی فیصلے پر قائم تھا۔

"پلیز مشارب......"

"نہیں مستبشرہ...... اور میں چاہوں گا کہ تم بھی ان فضول باتوں پر دھیان مت دو۔"

''سوری مشارب...... میں فلک کو نظرانداز نہیں کرسکتی۔'' وہ واضح بولی۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' مشارب کو جھٹکا لگا۔ ڈرتے دل کے ساتھ اسے دیکھا۔

''فلک مجھے بہنوں کی طرح عزیز ہے۔ اس کی خوشیاں برباد کرکے میں اپنا گھر آباد نہیں کرسکتی۔'' یہ مستبشرہ کا بھی آخری اور قطعی فیصلہ تھا جس میں اب ردوبدل کی گنجائش باقی نہ تھی۔

''تو تم میری خوشی، میری زندگی کا بھی تو سوچو۔'' مشارب کو افسوس نے گھیرا۔ اسے مستبشرہ سے کم از کم یہ امید نہ تھی۔

''مجھے یقین ہے مشارب، ایک مرتبہ فلک تمہاری زندگی میں شامل ہوگی تو پھر، تو پھر تم سے بہترین اور خوبصورت زندگی کسی اور کی نہیں ہوگی۔'' وہ پروثوق تھی۔

''ابھی میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا...... مجھے فلک سے بات کرنی ہے، اس نے میرے ساتھ ٹھیک نہیں کیا۔''

مستبشرہ کے حتمی فیصلے کے بعد وہ شدید غصے میں جانے کے لئے اٹھا۔

''وہ بہت محبت کرتی ہے تم سے مشارب۔''

مستبشرہ نے ایک بار پھر فلک کے لئے سفارش کرنی چاہی لیکن مشارب سنی ان سنی کرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ابھی یہ ممکن نہیں ہے مما۔''

تمام باتیں، ماں کا فیصلہ اور خواہش سننے کے بعد وہ مختصراً مگر دوٹوک بولا۔

''کیوں ممکن نہیں ہے؟'' متوقع جواب سننے کے بعد وہ آواز میں سختی نہ لاسکیں۔

''ابھی میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔'' اس نے ٹکا سا جواب دیا۔

''تو پھر کب ہوگے؟''

''مجھے کچھ وقت چاہیے۔'' اس نے نرمی سے رعایت طلب کی۔

''چھ سال گزر چکے ہیں علی، اور کتنا بے وقوف بناؤ گے ہمیں اور خود کو خوار کرتے رہو گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' کچھ شرمندہ سا وہ کھسیا کر بولا۔ حقیقتاً اس کی ٹال مٹول خاصی زیادہ ہوگئی تھی اور شاید ساجدہ گیلانی کی برداشت سے باہر تھی۔

''اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو ابھی کے ابھی مجھے ہاں میں جواب دو۔ مجھے انکار نہیں سننا۔'' وہ برجستہ بولیں، لہجہ حکمیہ تھا۔ علی آیان حسن گیلانی نے توقف کے لئے خاموشی اختیار کی۔ لب بھینچے، پرسوچ انداز اپنایا، پھر آہستگی سے بولا۔

''میں افریشم سے شادی نہیں کر سکتا مما۔''

''کیوں......کیا کمی یا خرابی ہے اس میں۔''انہیں دوٹوک جواب پر غصہ آیا۔

''کوئی نقص نہیں ہے اس میں۔''وہ مدھم آواز میں بولا۔

''پھر کیا وجہ ہے؟''

''میں نے کبھی اسے اس نظریئے سے نہیں دیکھا۔''

''رشتہ جڑے گا تو تمہارا نظریہ بدل جائے گا۔''

''وہ صرف میری دوست ہے اور میں اسے دوست ہی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ میرے لیے اس کے ساتھ کوئی اور رشتہ بنانا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔''

''ناممکن کو مثبت سوچ کے ساتھ ممکن بنایا جا سکتا ہے علی......اور تم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہو۔ دوستی پیار میں خود بخود بدل جائے گی۔ تم ایک قدم آگے بڑھو تو سہی۔'' ساجدہ نے غصے کے باوجود تحمل سے کام لیا۔ اس دوران بھولے سے بھی مستبشرہ جمال کی ذات کا حوالہ نہ دیا نہ اسے لے کر برا بھلا کہا۔

''مجھے نہیں لگتا افریشم بھی اس رشتے کے لئے راضی ہو گی۔''

جبکہ علی نے خود پر سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے بات بدلی تو ساجدہ گیلانی دھیرے سے مسکرائیں، ساتھ ہی بولیں۔

''تم بے فکر رہو، میں اس سے بات کر چکی ہوں۔''

''اچھا......کب؟''وہ حیران ہوا۔ بے ساختہ پوچھا۔

''ایک دو دن پہلے۔''

''تو......؟''

''تو کیا؟''

''اس نے کیا کہا؟''

''اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''انہوں نے بتایا۔

''کیوں؟''وہ بے یقین ہوا۔

''کیا مطلب کیوں۔ اسے اعتراض نہیں ہے تم سے شادی پر۔''

''سب جانتے ہوئے بھی۔''بالآخر اس کی زبان سے پھسلا۔

''ہاں ......سب جانتے ہوئے بھی۔'' انہوں نے الفاظ پر زور دے کر کہا۔

علی کا خیال غلط ثابت ہوا۔ زبان گنگ ہوئی۔ افریشم پر بھی حیرانگی الگ ہوئی، جو اس کی کیفیت، دن رات کے احوال سے واقف رضامند تھی۔

''وقت اور حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے علی ......ایک فیصلہ میری خوشی کی خاطر کر کے دیکھ لو۔ تم اپنے سارے غم بھلا دو گے، زندگی بہت خوبصورت ہے۔ مجھے یقین ہے افریشم تمہارے ہر زخم کو محبت سے بھر دے گی...... دنیا کسی ایک شخص کے جانے سے ختم نہیں ہو تی نہ رکتی ہے، ہمارے اردگرد باقی رشتوں سے ہزاروں خوشیاں جڑی ہوتی ہیں جن کو صرف ایک ہاتھ آگے بڑھانے سے حاصل کیا جا سکتا ہے...... ایک جگہ، ایک مخصوص کیفیت میں رہ کر زندہ رہنے کو جینا نہیں کہتے بیٹا۔ ہمارے لئے، اپنے لیے ایک بار دل سے سوچ کر تو دیکھو...... ہمارے وجود کا حصہ ہو تم، ہمیں تمہاری خوشی اور خوشگوار زندگی عزیز ہے۔ تمہیں مزید دکھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔'' ساجدہ گیلانی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولیں۔

علی کے لیے اتنا بڑا فیصلہ ماں کی جذباتی باتوں میں آ کر کرنا مشکل تھا، فی الحال وہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ چھ سال گزرنے کے باوجود اس نے مستبشرہ جمال کو اپنی روح کی چادر میں سب سے چھپا کر دل میں قیمتی موتی کی طرح سنبھالا ہوا تھا۔

''ہم اس سلسلے میں پھر بات کریں گے۔''

گفتگو طوالت پکڑ رہی تھی اس نے دل کی طرح بات بھی نفاست سے سمیٹنی چاہی، اللہ حافظ کہتے ہوئے کال ڈسکنیکٹ کی۔

''اور یہ افریشم کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کی رضامندی سمجھ سے باہر ہے۔'' دوسرے ہی لمحے ذہن افریشم گیلانی کی طرف گیا۔

''میں اس سے بات کروں گا۔ یقیناً مما نے اسے فورس کیا ہو گا۔''

زیر لب بڑبڑاتے وہ افریشم سے بات کرنے کا ارادہ کر کے کمرے سے باہر نکلا تھا۔

☆......☆......☆

کچھ دن مزید گزرے۔

مہ روش نے ڈاکٹر اور ادینہ کی باتوں پر عمل کیا۔ ادینہ قدرے مطمئن ہوئی، پابندی سے مہ روش کو دودھ کے ساتھ ٹیبلٹس دیتی، جوس وغیرہ بنا کر دیتی، اس کے کھانے کا خیال رکھتی کیونکہ خود وہ لاپرواہی برتتی۔ اوپر سے مراد کے چھوٹے چھوٹے کام اس کی مصروفیت بڑھائے رکھتے۔ نایاب اور اریبہ کو وہ یا کلثوم بیگم زیادہ تر اپنے پاس رکھتیں، مہ روش بیٹیوں کی طرف سے بے غم تھی۔ جب ہی کچھ صحت بھی بن پائی۔

مزید ایک دو دن سکون سے گزرے۔

رات کا پہر تھا۔

ادینہ، معید سے فون پر بات کرنے کے بعد گم صم سی بیٹھی تھی۔ یہاں ماں کے گھر رہنے آنے کے بعد گھر کے ماحول نے اسے جہاں الجھایا تھا وہیں اکثر فون پر معید سے بھی کسی نہ کسی بات پر تلخ کلامی ہو جاتی۔ جسے وہ ہمیشہ اپنی ذات تک رکھتی۔ ماں یا بھائی کو بتا کر انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن آج معید سے بات کے بعد ایک خوف اس کے اندر پنپنے لگا تھا۔

اس دن مراد کے معید سے متعلق سوالات کی بازگشت بھی ساعتوں سے ٹکرانے لگی۔ اس کی نو سالہ شادی شدہ زندگی میں پہلی بار مراد نے معید کی ذات کو لے کر پوچھ گچھ کی تھی ورنہ اس سے پہلے منصور عالم کی روایت کو برقرار رکھے کوثر بیگم اور ان کے گھر کے کسی فرد میں نہ اسے دلچسپی تھی نہ وہ اپنے گھر میں ان کا ذکر کرنا پسند تھا۔

معید کو ادینہ کی وجہ سے قبول کیا ہوا تھا۔ معید نے ادینہ کو خوش رکھا ہوا تھا اور یہی وجہ اسے ادینہ کی خاطر کوثر بیگم کے سامنے چپ رہنے پر مجبور کرتی۔

لیکن آج ادینہ خوفزدہ تھی۔

آئندہ اگر پھر مراد اس کے سامنے سوالات کی پٹاری کھول کر بیٹھ گیا تو وہ کیسے اسے مطمئن کر پائے گی؟ کیسے معید سے متعلق اپنے جھوٹ کو برقرار رکھ پائے گی؟ کیا وجہ بتائے گی کہ وہ کیوں پچھلے چار ماہ سے ان سب کو ورغلا رہی ہے' اور چھ ماہ مکمل ہوتے ہی معید کا سامنے کیسے کرے گی؟ ایسی بہت سی گنجلک سوچیں اسے الجھا رہی تھیں۔

وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

وہ بڑی دقتوں کے بعد ذہن کو، دل کو سنبھالے کمرے میں جانے کے لئے اٹھی جبھی پیاس کا احساس جاگا تو کچن کا رخ کیا۔ اپنے لئے گلاس میں پانی انڈیلا۔ اتنے میں اچانک اسے مراد منصور کی اونچی آواز کمرے سے آتی سنائی دی۔ وہ حیران ہوئی۔ بھنویں سکیڑ کر ہاتھ میں پکڑا گلاس شیلف پر رکھتی کچن کے دروازے تک آئی۔ آواز کی طرف دھیان دین چاہا مگر کچھ پلے نہ پڑا۔ دھیرے دھیرے آواز کی شدت میں کمی آئی اور کچھ دیر بعد رات کے اندھیرے میں مکمل سکوت چھا گیا۔ وہ پانی پی کر واپس کمرے میں آ گئی لیکن ایک بار پھر اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔ اس وقت مراد کا چلانا اسے ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا۔ ذہن میں کئی سوال اٹھے تھے۔

کیا بات ہوئی ہوگی......؟

کیا مراد ہی ماہی کے ڈر کی وجہ ہے......؟

کیا مراد نے ہی ماہی کے ذہن میں بیٹے کی بات ڈالی ہے؟

کیا بیٹے کی خواہش میں ہی وہ نایاب اور اریبہ کو اپنے پر شفقت سائے سے دور رکھے، ماہی سے بگڑتا رہتا ہے'

کیا مراد ہی کی وجہ سے گھر کے ماحول میں خوشگواریت کم، تناؤ زیادہ ہے؟

سوال و سوچ کی جگلبندی میں اس نے تمام رات بے سکونی میں گزاری مگر کوئی سرا ہاتھ نہ لگا۔ صبح معمول سے تھوڑی دیر پہلے اٹھی۔ فریش ہو کر، منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی۔ سب ناشتے کے لئے جمع تھے۔ نایاب سکول کے لئے چلی گئی تھی۔ مراد حسب معمول خاموشی سے ناشتہ کر رہا تھا۔ وہ بھی ماں کو سلام کرتی اپنی سیٹ پر براجمان ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں ماہی وہاں آئی۔ اریبہ بھی اس کے پیچھے اس کا دوپٹہ تھامے ہوئی تھی۔

''میں نے ضروری سامان اور کپڑے بیگ میں رکھ دیئے ہیں۔'' ماہی نے خود بیٹھتے ہوئے اریبہ کو گود میں لے کر مراد کو مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے محض اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم جا رہے ہو کہیں؟'' ادینہ نے اس سے استفسار کیا۔

''ہاں...... آفس کی طرف سے کچھ دنوں کے لئے اسلام آباد جا رہا ہوں'' ...... اس نے بتایا۔

''ہوں۔'' ادینہ سے سر ہلایا اور خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی۔

کچھ ہی دیر بعد مراد منصور ناشتے سے فارغ ہوتے ہی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا امی! میں پھر چلتا ہوں اب، تم میرا بیگ وغیرہ لے آؤ۔'' ماں سے کہتے ہوئے اس نے مہ روش کو تاکید کی۔

ماہی اریبہ کے ساتھ مصروف تھی، مراد کی آواز پر اٹھنے لگی تو ادینہ نے اسے روکا۔

''تم بیٹھو ماہی، اریبہ کو ناشتہ کرواؤ۔ بیگ بھاری ہوگا میں لے آتی ہوں''۔

اس کے کہنے پر مہ روش نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ سر ہلایا اور پھر سے بیٹی کی طرف متوجہ ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ادینہ اس کا بیگ وہ دیگر چیزیں لے آئی تھی۔

''اللہ حافظ امی!''

مراد نے بیگ ہاتھ میں لیتے ہوئے ماں سے اجازت چاہی اور اگلے ہی پل اپنی ڈگر میں وہاں سے چلا گیا جس پر ادینہ ایک بار پھر حیرت زدہ سی رہ گئی۔ سنجیدگی و مصروفیت اپنی جگہ...... اسے دیر ہو رہی تھی یا نہیں...... نہ بیوی سے الوداعی کلمات کہے، نہ ننھی معصوم سی بیٹی کو پیار دیا، الٹا بناء ان پر نظر ڈالے چلا گیا تھا۔ مزید حیران اسے ماہی نے کیا تھا جو بے فکری منجمد تاثرات کے ساتھ بیٹی کو چپ چاپ ناشتہ کروا رہی تھی۔

کلثوم بیگم بھی کسی کام میں لگ گئی تھیں۔

''لگتا ہے بہت بیزار ہو تم دونوں ایک دوسرے سے۔'' وہ حیرت سمیٹ کر بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ مراد جلدی میں تھے۔'' جواباً مہ روش اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ کلثوم بیگم نے اس صورتحال پر بے بسی سے لب بھینچے۔

جہاں مہ روش کا صبر، اس کی ہمت و سکت، برداشت کی حد انہیں ہر بار، بار بار شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتارتی، وہاں بیٹے

کی ہٹ دھرمی، لاپرواہی، ماہی سے ناروا سلوک، سختیوں سے ان کا دم گھٹنے لگتا۔

''لیکن تم تو جلدی میں نہیں تھی ناں؟'' ادیبہ برجستہ بولی۔

''ہوں......'' ماہی نے سوالیہ اسے دیکھا۔ ادینہ کی بات اس کی سماعتوں سے ٹکرائی ضرور مگر دھیان نہ دے سکی تھی۔

''مراد کچھ دنوں کے لئے ہی سہی مگر دوسرے شہر جا رہا تھا۔ نہ وہ کچھ بولا، نہ اجازت چاہی، نہ تم کو کچھ کہنا ضروری سمجھا......نہ دھیان دیا، بہت عجیب بات ہے یہ۔'' ادینہ صاف الفاظ کا استعمال کیا۔

ماہی کے سپاٹ تاثرات میں کوئی ردوبدل نہ ہوا۔

''میرے لئے یہ عجیب نہیں، معمول کی بات ہے۔''

''کوئی خاص وجہ؟'' وہ البتہ دنگ رہ گئی۔

''ہر بات کی وجہ نہیں ہوتی۔'' عام سے لہجے میں بولی۔

''بغیر وجہ بھی کوئی بات نہیں ہوتی ماہی۔''

''وجہ ہو بھی تو ضروری نہیں کہ اسے بتایا جائے، ڈھنڈورا پیٹا جائے......اور سچ کہوں تو میں ان باتوں پر توجہ نہیں دیتی۔ توجہ دینے سے خواہ مخواہ ٹینشن ہوتی ہے اور اس حالت میں ٹینشن نہیں لینی چاہئے......کیوں صحیح کہہ رہی ہوں ناں میں؟''

سنجیدہ گفتگو کو طوالت دینے کے بجائے اس نے قدرے ہلکے پھلکے انداز میں دانستہ ادینہ سے سوالیہ رائے طلب کی تو وہ اثبات میں سر ہلائے بنا نہ رہ سکی۔ وہ مبہم سا مسکراتے ہوئے مزید بولی۔

''تم بھی ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر دھیان نہ دیا کرو۔ زندگی سہل گزرے گی۔''

''ہاں......'' وہ بولی۔ ساتھ ہی دل میں بات مکمل کی۔

''یہاں کر کچھ زیادہ ہی شکی ہو گئی ہوں۔''

جب ہی کچھ یاد آیا تو بغور ماہی کا چہرہ دیکھا، اس کا جائزہ لیا۔

''مراد کا یوں چپ چاپ جانا، ماہی سے نہ ملنا......کیا یہ سب رات والے اس جھگڑے کی وجہ سے تھا جو ان دونوں کے بیچ ہوا تھا لیکن جھگڑے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے......اور ماہی کو دیکھ کر تو ایسا بالکل نہیں لگ رہا جس سے یہ محسوس ہو سکے کہ اس نے مراد کی تلخ کلامی کا خود پر اثر لیا ہے۔ ماہی کے چہرے پر اداسی ہے نہ کوئی شکن......نہ اندرونی غصے کا دباؤ۔

وہ اندر ہی اندر خود سے مخاطب ماہ روش کے چہرے پر مکمل ٹھہراؤ دیکھ رہی تھی لیکن پھر بھی وہ خود کو باز نہ رکھ پائی۔ اپنے اطمینان اور شک کو رفع دفع کرنے کے لئے استفسار کیا۔

''رات کیسی گزری ماہی؟''

سوال پر ماہی نے تحمل سے اس کی طرف دیکھا، مسکرائی۔

''بہت پرسکون۔''

اور مختصر جواب دیا۔اب کہ ادینہ نے خاموش رہنے پر ہی اکتفا کیا۔

دوسری طرف مہ روش کا دل بہت شانت، بہت مطمئن تھا کہ رات واقعی اس نے مراد منصور کے شور شرابے کے بعد پرسکون گزاری تھی کیونکہ اس نے مراد کے جلے پر نمک چھڑکنے کی مکمل تیاری کے ساتھ اس کے مخالف جانے کا ایک مرتبہ پھر فیصلہ کیا تھا اور اب کی بار ایشو نایاب کی عنقریب ہونے والی سالگرہ تھی......مراد جس کے خلاف تھا ہمیشہ کی طرح......اور ہمیشہ کی طرح وقار سعید اپنی بھانجی کی سالگرہ اپنے گھر منانا چاہتا تھا۔

مراد کی بیٹیوں سے اپنے کہے کے مطابق لاتعلقی کا بدلہ مہ روش انہیں وقار کے بے حد قریب کر کے لیتی آ رہی تھی۔ مہ روش کی خوشی کی خاطر اور کچھ اپنی طمانت کے لئے وقار نے اب تک کی بھانجیوں کی سالگرہ اپنے گھر میں منائی تھیں۔سعید احمد اور نفیسہ بیگم، مہ روش اور پھر اس کے بعد پریشے کی معارج میں شادی کے بعد گھر کے کونے کونے میں پھیلی خاموشی اور مخصوص ٹھہری ہوئی فضا کو یونہی رونق میں بدلتے دیکھ کر خوش ہوتے۔ دونوں نواسیاں انہیں بے حد عزیز تھیں۔ انہی کی وجہ سے گھر کے سناٹے متزلزل ہوتے اور انہی کی ہنسی سے فضائیں خوشگوار محسوس کرتے۔

وقار سعید کا یہ فیصلہ ہر سال ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ کی وجہ بنتا۔ جو وقار کے لئے بھی بہت معنی رکھتا تھا کیونکہ اس کے علاوہ کبھی اپنی وجہ سے وہ انہیں خوش نہیں دیکھ سکا تھا۔

مہ روش بھی وقار سعید کو اس حوالے سے عزت دیتی۔ اپنی بیٹیوں کے لئے اس کا بے لوث پیار اندر جمع گلے وشکایات کو کبھی سر اٹھانے ہی نہ دیتے۔ رات کو ماہی کی اسی سلسلے میں خوشی کو مراد منصور اپنے انداز میں زیر بحث لایا تھا اور جس نے بالآخر مراد کو بھڑکانے پر مجبور کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اس کے ساتھ کچھ اچھا نہ کرنے کی دھمکی کے ساتھ اختتام کیا لیکن ماہی سوچ چکی تھی کہ مراد منصور کو واپسی پر کس انداز میں ویلکم کرنا ہے؟

☆......☆......☆

''فلک......یہ میں کیا سن رہا ہوں؟''

مستبشرہ کی طرف سے واپسی پر وہ شدید طیش میں تھا اور اب اس سے اسی حالت میں باز پرست کر رہا تھا البتہ وہ کل مستبشرہ کی کال کے بعد سے کمرے کا دروازہ کھول چکی تھی۔ دل مطمئن تھا۔ چھپ کر رونے کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ وہ استفسار کر رہا تھا۔

فلک شاہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے لب وا کئے۔

''مشارب! میں نے بہت مجبور ہو کر یہ سب کیا ہے۔ اگر میں چپ رہتی تو شاید مر جاتی۔''

''فلک پلیز۔ بند کرو یہ گھٹیا بکواس۔'' وہ دھاڑا تھا۔

لمحہ بھر کو فلک خوفزدہ ہوئی۔ مشارب کا یہ رویہ پہلی بار سامنے آیا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں مشارب۔ میں مجبور تھی۔'' بے چارگی سے بولی۔

''کیا مجبوری تھی تمہاری؟'' اس کا غصہ بڑھنے لگا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں مشارب۔ تمہیں کسی اور ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔'' اس نے وجہ بتائی۔ مشارب کا دماغ گھوما۔

''میں بھی مستبشرہ کے علاوہ کسی کو نہیں اپنانا چاہتا۔ محبت کرتا ہوں اس سے، یہ جانتے ہوئے بھی تم نے ایسا کیوں کیا۔'' وہ پوچھنے لگا۔

''میں بے اختیار ہو گئی تھی، تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔''

ایک جنون تھا اس کی آواز میں بھی۔

کچھ ڈر و خوف کی لہر بھی واضح تھی۔

محبت ہی محبت تھی...... دیوانی یا شاید خبطی محبت...... جس کے ہاتھوں وہ مجبور تھی۔

''پلیز فلک۔ چھوڑو یہ سب فضول کی باتیں۔'' اس کے غصے پر حیرانگی غالب آئی۔ لہجے میں نرمی لے آیا۔

''یہ فضول کی باتیں نہیں ہیں مشارب۔ میں واقعی تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔'' فلک نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے یقین دلانا چاہا۔ مشارب نے دھیرے سے اس کے ہاتھوں کو پیچھے کیا۔

اور فہمیدہ بیگم...... جو مشارب کو اس کے کمرے میں جاتے دیکھ کر اسی طرف آئی تھیں، فلک کی باتیں سن کر اپنے بڑھتے قدموں کو دروزے کے باہر ہی رک گئیں، انہیں جس بات کا ڈر تھا وہ ہو گئی تھی۔

ندامت کے بدترین احساس سے آنکھیں میچ گئیں۔

''لیکن میرے دل میں تمہارے لئے ایسا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں دوست سمجھا ہے۔ میں صرف مستبشرہ سے......'' وہ بولا مگر بات مکمل نہ کر سکا۔ فلک کو کچھ سمجھنا نہیں تھا بر جستگی سے اسے ٹوک کر قدرے بدتمیز لہجے میں بے دھڑک بولی۔

''جھوٹ مت بولو مشارب۔''

''یہ جھوٹ نہیں ہے...... کیوں نہیں سمجھ رہی تم۔'' مشارب کو پھر سے غصے نے لپیٹ میں لیا، دبے انداز میں چلایا۔

''تم نے کبھی مستبشرہ کا نام نہیں لیا، ہمیشہ معنی خیز بات کی۔ تم نے خود مجھے اپنی طرف مائل کیا تھا اب تم مجھے بیچ راہ میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔''

فلک شاہ نے سارا الزام اس کے سر ڈالا۔

"اوہ کم آن فلک! کتنا غلط سوچ رہی ہو تم۔ اگر مجھے ذرا سا بھی تمہاری سوچ کا علم ہوتا تو میں تم سے بات بھی نہ کرتا۔ مستبشرہ کے علاوہ میں نے کبھی کسی کے بارے میں نہیں سوچا۔ کیسے سمجھاؤں تمہیں...... عجیب مصیبت میں ڈال دیا ہے تم نے۔"

وہ یقینی و بے یقینی کے گھن چکر میں پھنسا شدید مضطرب و متعجب تھا جبکہ فلک کو صرف و صرف اپنی پرواہ تھی۔ اسے صرف اپنا آپ ہی نظر آ رہا تھا۔ اپنی محبت، اپنی ذات، اپنی زندگی کا سوچے جا رہی تھی۔

"پلیز تم اپنا فیصلہ بدل دو مشارب۔" مسکین سی شکل بناتی التجائیہ ہوئی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ کچھ خیال کرو۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔" مشارب نے پرواہ کئے بغیر اسے لتاڑا۔

لیکن اسے فکر ہی کہاں تھی......؟

فکر ہوتی تو یہ سب نہ ہو رہا ہوتا...... فہمیدہ بیگم کا خون کھول رہا تھا۔ یہ فلک کی بے وقوفی تھی نہ ہی نادانی...... بہت سوچا سمجھا فیصلہ، ایسا فیصلہ جس کے لئے اس نے ماں کی بات و حکم کا بھی پاس نہ رکھا۔

"کوئی کچھ کہے کہتا رہے، مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ مجھے صرف تم سے مطلب ہے۔ میں نے تمہارے لئے خود کو بدلا ہے۔ تمہیں پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی تھیں اس لئے میں نے پڑھا بھی، کام بھی سیکھے، تمہارے اور سب کے کپڑے تک استری کئے، سب تمہاری وجہ سے، تمہارے لئے۔ پھر میں کیسے تمہیں کسی اور کا ہونے دوں...... بتاؤ مجھے؟"

مضبوط لہجے میں وہ دعوے سے بولی۔ استفسار بھی کیا۔

مشارب کچھ بول ہی نہ سکا۔ یہ فلک کا الگ ہی روپ تھا جو اس کو شدید غصے کی حالت میں بھی حیران کرتا، سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"پلیز......"

جب ہی مزید کچھ زیادہ کہے معذرت کرتا دروازے کی اور بڑھا۔ سرعت سے باہر نکلا تو سامنے کھڑی فہمیدہ بیگم سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے بچا۔ وہ شرمندہ سا لب بھینچے ایک سائیڈ پر ہوا۔ فہمیدہ بیگم بھی اس سے نظر ملائے بغیر کمرے میں گئیں۔ مشارب نادانستہ وہیں کھڑا رہا۔ اس نے چچی جان کے چہرے پر رقم تاثرات کو گویا لمحے بھر میں جانچ لیا تھا۔

"امی! آپ......"

ان کے اندر داخلے ہوتے ہی اسے فلک کی آواز سنائی دی لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آواز سے کئی گنا اونچی اسے ایک اور آواز سنائی دی تھی۔

تھپڑ کی آواز......

فہمیدہ بیگم نے زوردار تھپڑ سے اپنی بے یقینی، اپنے غصے کا اظہار کیا تھا۔ مشارب نے آنکھیں میچی تھیں۔ ساتھ ہی شرمندگی کے احساس نے گھیرا تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے یہ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا۔

دوسری طرف تھپڑ کی افتاد نے فلک شاہ کے چودہ طبق روشن کئے۔

"تم نے آج مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کر دیا ہے فلک...... میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا لیکن تم باز نہ آئی۔ اسی بات کا ڈر تھا مجھے، اسی لئے تمہیں روکا تھا، کیا کہیں گے سب گھر والے، مشارب کیا سوچ رہا ہوگا تمہارے بارے میں، میرے بارے میں...... کہ کیسی پرورش اور تربیت کی ہے میں نے تمہاری، لیکن تمہیں کیا پرواہ...... ندامت تو مجھے اٹھانی پڑے گی تمہارے باپ، تایا، تائی اور پھوپھو کے سامنے...... کہ میں نے تمہیں روکا کیوں نہیں، تمہیں سمجھایا کیوں نہیں۔ کیوں امید باندھی کہ رشتہ طے ہونے کے بعد شاید تمہیں عقل آ جائے اور تم اپنے سر سے محبت کا بھوت اتار پھینکو گی۔"

وہ بے بسی و رنج کے ملگجے انداز میں کہہ رہی تھی۔ فلک نے نظریں زمین پر گاڑ لی تھیں۔

مشارب اپنی جگہ بے بس و جامد کھڑا تھا۔ کمرے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی کہ اب بات سنگین ہو چکی تھی البتہ فلک نے ماں کے غصے کے ڈر سے ایک کا سمجھ داری کا کیا، زبان کو لگا دی ورنہ کیا معلوم مزید کتنے تھپڑ اور کھاتی، نظر تک اٹھا کر انہیں نہ دیکھا۔

"میرے حکم اور میری بات کے خلاف جا کر تم نے مجھے میری اہمیت کا احساس دلا دیا ہے۔ میری کوئی وقعت نہیں ہے تمہاری نظروں میں...... بہت تکلیف دی ہے تم نے آج......"

"ایسی بات نہیں ہے امی۔ میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں ایک بار پھر سے کہوں گی فلک! مشارب کے بعد یہ باتیں گھر کے کسی اور فرد تک نہیں پہنچنی چاہئیں، ورنہ یاد رکھنا میں تمہاری شکل دیکھوں گی نہ مرتے دم تک تم سے بات کروں گی۔" انہوں نے شرط کے ساتھ اپنا فیصلہ اس کے سامنے رکھا۔

جواباً وہ کچھ بولی نہ ہی کسی بھی انداز سے مثبت یا منفی ردعمل ظاہر کیا۔ مشارب شاہ پرسوچ انداز میں اپنا تا وہاں سے جا چکا تھا۔

فہمیدہ بیگم بھی بیٹی کے جھکے سر پر نظر ڈالے باہر نکل گئیں لیکن بیٹی کی خاموشی انہیں سراسیمگی میں دھکیل گئی تھیں۔ سوچوں میں اضطراب باقی رہ گیا تھا۔ انہیں فلک سے اب کچھ بعید نہ تھا۔

البتہ فلک ان کے جانے کے بعد مجرموں کی طرح ہنوز سر جھکائے اس حالت میں کھڑی رہی۔

☆......☆......☆

ساجدہ گیلانی نے اسے نئی زندگی کی نوید سنائی تھی۔

وہ محو تھی۔

دل ہی دل میں جیت کا جشن منا رہی تھیں۔ اس کی خاموش محبت، صبر آزما مرحلے سے گزر کر پروان چڑھی تھی، ضبط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنے کے بعد زندگی کے خوبصورت احساس کو اپنے اردگرد، اپنے اندر محسوس کرتی، جذب کر رہی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی بے غم تھی کہ علی کے دل میں وہ نہیں، آج بھی مبشرہ جمال کا پہرہ ہے لیکن اسے تو صرف علی کا ساتھ مقصود تھا۔ اسے صرف اپنی محبت کے

ساتھ، خوبصورت رنگوں میں رنگی رنگین و دلکش، چاہتوں سے بھر پور زندگی گزارنی تھی جس کی تکمیل ساجدہ گیلانی کی خواہش نے کرنی تھی۔

باقی رہی مستبشرہ جمال کی ذات......!

اسے وثوق تھا ایک بار اگر وہ مکمل اعتماد، مان سمان کے ساتھ علی آیان حسن گیلانی کے ہمراہ قدم سے قدم ملا کر، اس کا ہاتھ تھامے نئے سفر پر پڑاؤ ڈال گئی تو پھر صرف وصرف علی کے دل میں اسی کا راج ہوگا۔ اس کی حکومت ہوگی۔ یہی سوچ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بن کر پھیلے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بری طرح الجھا تھا۔

کوئی حتمی فیصلہ وہ کرنا نہیں چاہتا تھا اور اب شاید کسی حتمی فیصلے کے بناء چارہ بھی نہیں تھا، نہ اب ٹال مٹول سے کام چل سکتا تھا۔

نجانے اس ضد کا کیا نتیجہ نکلے گا

سمجھتا دل بھی نہیں، وہ بھی نہیں، میں بھی نہیں

دل کی کہانی چلے جا رہی تھی اور وہ خاموشی سے چلائے جا رہا تھا لیکن اس کی خاموشی ساجدہ گیلانی اسی خاموشی سے اس کے دل کے نہاں خانے میں دفن کر کے بڑی دھوم سے ایک نیا جہاں اس کے لئے آباد کرنا چاہتی تھیں مگر وہ نا کام ٹھہرا تھا۔ خود کو، اپنے دل کو سمجھانا دشوار تھا۔ وہ آج بھی اس کیفیت میں مقید تھا جس میں مستبشرہ جمال اسے چھوڑ کر گئی تھی۔ آج بھی اسے اپنا غم تازہ لگتا، سسکتی محبت سانس لیتی زندہ محسوس ہوتی۔ جو اسے مجبور کرتی افریشم گیلانی کے سامنے لے آئی تھی۔

وہ اسے سامنے پا کر مسکرائی تھی۔

''آؤ علی...... میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔''

''کیوں، کوئی خاص وجہ؟''

''نہیں، بس یونہی۔'' وہ بتا نہ سکی۔

علی پھیکی ہنسی مسکرایا، پھر توقف کے بعد بولا۔

''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی افریشم۔'' ساتھ ہی سوالیہ اسے دیکھا۔

''ہاں ضرور کرو۔''

''ان فیکٹ، مجھے تمہاری مدد چاہئے۔'' اس نے اصل مدعے کی طرف آنا چاہا۔

''کیسی مدد؟'' افریشم سمجھ نہ سکی۔

''مجھے مما کا فون آیا تھا۔'' اسے بتایا۔

''ہاں پھر......؟''

''انہوں نے تمہیں بھی فون کیا تھا؟''

''ہاں کیا تھا......مگر تم یہ سب کس لئے پوچھ رہے ہو؟''

''میں ان کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا افریشم۔'' علی نے بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے لمحے بھر میں اسے دھماکوں کی زد میں دھکیلا تھا۔

وہ ساکت سی بس بھنویں سکیڑے اسے دیکھے گئی۔ جسے صرف اپنی فکر تھی، جسے صرف اپنی محبت ہی نظر آتی تھی، جس کے لئے آج بھی سب کچھ اس کی ادھوری محبت ہی تھی۔

''مما نے مجھے تمہاری رضامندی کا بتایا لیکن میں جانتا ہوں، یقیناً تم نے ان کے فورس کرنے پر ہی حامی بھری ہوگی اور میں واقعی تم سے شرمندہ ہوں کہ انہوں نے میرے لئے خود غرض بنتے ہوئے تمہیں مجبور کیا۔'' وہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کی گہرائی دیکھے بغیر۔

اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر بس اپنا فیصلہ، اپنی سوچ بتا رہا تھا۔

''مما کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔ میرے دل میں کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے، میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، مما کی مجھ سے محبت، خود غرض ہے۔ میں ایک ایسا رشتہ نہیں نبھا سکتا جہاں دوسرے شخص کے لئے میرا دل مخلص ہی نہ ہو، نہ اس کے لئے میرے جذبات میں گرم جوشی ہو گی نہ میں رشتے سے انصاف کر سکوں گا۔ یقیناً اس صورت حال میں تم بھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہو گی۔''

وہ اپنے ہی قیاس میں سب واضح کر رہا تھا۔

یہ جانے بغیر کہ محبت کو خود غرضی سے وہ خود بھی نبھا رہا تھا۔

افریشم کے دل کو ٹھیس پہنچی، اس یک خوشی ماند پڑ گئی۔

''تو تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اسے مجبوراً پوچھنا پڑا۔

''میں چاہتا ہوں تم مما کو انکار کر دو۔'' صاف لفظوں میں بتایا۔

''یہ کام تو تم خود بھی کر سکتے ہو۔''

''تمہارا انکار زیادہ معنی رکھے گا بہ نسبت میرے۔''

''آنٹی اگر نہ مانیں تو......''

وہ خود ایسا نہیں چاہتی تھی۔ کیسے اسے صاف کہتی، دل میں چور تھا۔ وہ علی کی سنگت کے خوبصورت احساس کو محض خواب می نہیں حقیقت میں محسوس کرنا چاہتی تھی۔

"وہ ضرور مانیں گی۔ مجھ پر وہ دباؤ ڈال سکتی ہیں لیکن جب تمہاری مرضی ہی نہیں ہوگی تو وہ زبردستی نہیں کریں گی۔" وہ سوچ کر آیا تھا۔

افریشم اس لمحے کرب سے گزری۔

"علی! تم کب تک ٹال مٹول سے کام لیتے رہو گے؟"

"سچ کہوں تو میں خود بھی نہیں جانتا۔ مستبشرہ اگر صرف میری محبت ہوتی تو شاید میں اسے بھول کر سنبھل چکا ہوتا لیکن وہ صرف میری محبت نہیں، میرا حصہ ہے۔ میں اس کے نام کے بغیر نامکمل ہوں۔ وہ میرے دل میں بسی ہے۔ میری روح اس کی غلام بنی ہوئی ہے۔ اس کی یادیں میرے لئے آکسیجن کا کام کرتی ہیں۔ میں اگر اسے سوچنا نہ بھی چاہوں تو صرف اسے ہی سوچتا رہوں۔ وہ میرے لئے سب کچھ ہے۔ میری زندگی، میرے جینے کی وجہ۔"

ایک دیوانگی تھی جو اسے مستبشرہ جمال کی ذات میں محو کئے ہوئے تھی۔

یہ محبت نہیں...... عشق تھا...... جنونیت تھی۔

افریشم کیا کہتی، چپ چاپ اسے دیکھتی گئی۔

"میرے لئے تم مما سے بات کرو گی ناں افریشم؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

افریشم نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ علی مسکرایا۔

"تھینک یو سو مچ افریشم۔" تشکر سے کہتا واپس چلا گیا۔

افریشم گیلانی قریب پڑے صوفے پر ڈھے سی گئی۔ لمحے بھر کے لئے سہی لیکن قسمت نے اس کے ساتھ حسین مذاق کیا تھا اور وہ کتنی خوش تھی، خوش فہمی کا شکار ہو گئی تھی کہ علی اپنی ماں کی خواہش پوری کر لے گا مگر وہ تو اسی کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا تھا اور وہ اس قدر بے بس ہو کر رہ گئی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر اپنے کندھے سے بندوق ہٹا سکی اور نہ احتجاج کر سکی۔

"محبت بہت خراب شے ہے۔"

فقط اس کے جانے کے بعد افریشم کے لب بڑبڑائے تھے۔

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

مراد منصور کو اسلام آباد گئے تیسرا دن تھا۔

کل نایاب کی چھٹی سالگرہ تھی۔ اسی سلسلے میں وقار سعید نے مہ روش کو کال کی تھی۔

''ماہی! میں نے ساری تیاری کر لی ہے۔ پریشے بھی آ گئی ہے۔ باقی سب کو بھی انوائیٹ کر لیا ہے۔ تم سب کل صبح تیار رہنا، میں لینے آؤں گا۔''

''جی وقار بھائی، ٹھیک ہے۔''

''ماہی...... ادینہ سے کہنا وہ بھی آئے۔'' جبھی کال رکھنے سے قبل وقار نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کہہ دوں گی۔'' مہ روش نے سنجیدگی سے کہا اور فون رکھ دیا۔

وقار کا ہر بار ادینہ کے بارے میں پوچھنا اسے ہرٹ کرتا، لیکن وہ ظاہر نہیں کرتی تھی۔ مراد کی ضد میں وہ خود بھی اس سے ہر ضروری وغیر ضروری بات پر رابطہ رکھتی مگر حقیقتاً اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

کلثوم پھوپھو اور ادینہ کو اس نے وقار کی کال کے متعلق بتایا، کلثوم بیگم نے خاموشی سے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے ادینہ سے بھی جانے کو کہا، وقار کا نام نہ لیا البتہ اسے اصرار نہ کیا کہ وہ اس کی شادی کے بعد سعید احمد کے گھر صرف پریشے کی شادی پر گئی تھی۔ ورنہ معید اور کوثر بیگم کی طرف سے اس پر پابندی عائد تھی۔ وقار کی وجہ سے وہ بھی دو قدم ہمیشہ پیچھے ہی رہتی مگر خلاف توقع ادینہ نے حامی بھری تھی۔

''کوثر خفا ہو گی۔'' کلثوم بیگم نے اسے باور کروایا۔

''میں ساری زندگی ان لوگوں کے حکم کے تابع نہیں گزار سکتی۔'' ادینہ نے بدلحاظی سے جواب دیا۔ الفاظ دوٹوک تھے، آواز تیز تھی۔ جس نے ان دونوں کو حیران کیا تھا۔

''معید یہاں ہے نہیں، پھوپھو کا کسی کے گھر آنا جانا نہیں، کون بتائے گا انہیں امی...... میں اپنی بھتیجی کی خوشیوں میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔'' ادینہ نے اگلے ہی لمحے ان کے تاثرات بھانپتے ہوئے تفصیلی کہا۔

مہ روش نے حیرانگی کو رفع کیا۔

''اچھی بات ہے ضرور شامل ہو مگر شوہر اور ساس کے خلاف جا کر نہیں۔ کوئی ایسا فعل مت کرو جو ان کی دل آزاری کا باعث بنے۔ پہلے سے رنجشیں بڑھی ہوئی ہیں۔ مراد کا غصہ بھی ناک پر رہتا ہے، کوثر کے دل میں بھی وسعت ہے نہ ہمارے لئے کوئی گنجائش۔ کہیں سے بھی اسے علم ہوا تو مسئلہ پیدا کرے گی تمہارے لئے۔'' کلثوم بیگم نے البتہ تحمل سے اسے سمجھانا چاہا۔

''مجھے پرواہ نہیں امی۔ دس سال سے ڈر ڈر کر گزارے کہ کہیں میری کوئی بات انہیں بری نہ لگے۔ معید کی وجہ سے ہمیشہ ان کی

عزت کی، انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہی۔ اب میرے دل میں بھی سکت نہیں ہے، اپنی زندگی بے سکون کر کے میں کسی کی خوشی کا نہیں سوچ سکتی......اور جہاں دلوں میں گنجائش نہ ہو وہاں محبت ورشتے بے وقعت ہوتے ہیں۔'' ادینہ نے اس بار پھر ماں کو دھچکا دیا تھا۔

آج وہ ان کے سمجھانے پر محض اثبات میں سرنہیں ہلا رہی تھی اپنے اندر جمع غبار کو باہر نکال رہی تھی۔

مہ روش نے ناسمجھی میں اسے دیکھا۔

وہ گلہ کررہی تھی، شکوہ کناں تھی یا اپنی زندگی سے ناخوش؟

مجبوری میں معید سے جڑے رشتے نے اسے تھکا دیا تھا یا باپ، بھائی اور پھوپھو کی چپقلش اس کے لئے تکلیف دہ آزمائش تھی؟

آج پہلی بار وہ یوں کیوں برتاؤ کررہی تھی؟

کلثوم بیگم بھی خائف ہوئیں۔ ادینہ کچھ پریشان لگی تو آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''الجھی گرہیں کھولنے کے لئے صبر آزما مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ جذبات وجلد بازی ہاتھ میں آئے سرے کو اوجھل کر دیتی ہے۔ ہمت سے کام لو، حوصلہ مت ہارو۔ جہاں اتنے سال صبر کیا وہاں اب بھی امید کا دامن مت چھوڑو۔ اللہ کرے گا ان شاءاللہ کوثر کا دل تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔ تمہاری تو اس سے کوئی ضد نہیں ہے۔ اسے اب بھی شکایت کا موقع نہ دو۔''

''میری ان سے ضد نہ سہی مگر......'' وہ مایوس تھی۔ کچھ کہتے کہتے رکی، پھر بات بدلی۔

''امی......میں کل ماموں کے گھر جاؤں گی۔'' اپنا فیصلہ سنایا۔ مہ روش اس بحث میں خاموش رہی تھی۔ کلثوم بیگم اس بار کچھ کہہ نہ سکیں۔ ادینہ جا چکی تھی۔ ماہی بھی اٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔ اس نے ادینہ اور پھوپھو کی گفتگو کو کمرے کے باہر تک ہی سوچا تھا۔ مراد کی انا کو ٹھیس پہنچانے کے لئے وہ تیار ہونا چاہتی تھی۔ رات اس نے بہت پرسکون ہو کر گزاری۔

اگلی صبح وقار سعید انہیں لینے آیا۔ وہ سب ٹائم پر تیار تھے۔ کلثوم بیگم نے رات کے بعد ادینہ کو دوبارہ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سفر بہت خاموشی سے گزر رہا تھا لیکن اس دوران کئی بار وقار سعید نے ادینہ کو غیر محسوس طریقے سے دیکھا تھا جو سفر کے آغاز سے اختتام تک گاڑی سے باہر دوڑتے مناظر دیکھ رہی تھی۔ سعید احمد کے گھر وہ لوگ پہنچے تو باقی سب افراد پہلے سے وہاں موجود تھے۔ سلام دعا کے بعد کچھ دیر سب گفتگو میں محو رہے۔ ادینہ کی آمد ماحول کو خوشگوار بنا گئی تھی۔ سعید احمد نے اسے گلے لگا کر گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔

بچہ پارٹی اپنے کھیل کھیلنے میں مصروف تھی۔ تمام کزنز اپنی باتوں میں اردگرد سے بے خبر تھیں جبکہ پریشے ہمیشہ کی طرح ماہی سے سخت نالاں، اس سے باز پرست کرتی، اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کررہی تھی جس پر عمل کی وہ اسے یقین دہانی کرواتی، اس کی مصروفیت کے بارے میں بات کر کے اس کی توجہ خود سے ہٹانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اپنی نسبت، پریشے کو معارج کے ساتھ محبت بھری خوشگوار زندگی گزارتے دیکھ کر اسے بہت سکون ملتا۔ اپنی ہر پریشانی ودکھ کو پس پشت ڈال کر وہ اس کے لئے دعا گو بھی ہوتی۔

اپنی زندگی کا معمولی کا عکس بھی وہ کسی اور کی زندگی و خوشیوں پر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

کلثوم پھوپھو کے کہنے پر کیک کاٹ کر تقریب کا آغاز ہوا۔ سب نے بہت سی نیک خواہشات کے ساتھ نایاب کو گفٹس دیئے۔ وہ اپنی شرمیلی طبع کے باوجود مسکرا مسکرا کر تحائف لیتی رہی۔ اس کی مسکراہٹ نے مہ روش کا دل سرشار کر دیا تھا۔ فرط انبساط سی آنکھوں کے کونے نم ہوئے تھے۔ بیٹی کی مسکراہٹ اس کے لیے بہت انمول تھی۔ بہت خاص تھی۔ جو شاذ و نادر ہی دیکھنا نصیب ہوتی تھی۔ دل ایک دم سپاس گزار ہوا تھا۔ نظروں کے سامنے وقار سعید، نایاب کو اٹھائے ہوئے تھا۔ دل ایک دم ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہوا۔ وقار کے لئے تمام منفی و بدگمان جذبات فنا ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ جو خوشی و مسکراہٹ کبھی مراد منصور اپنی بیٹیوں کے چہرے پر نہ لا سکا تھا وہ وقار سعید ہر سال لانے کی کوشش کرتا۔ وقار کے لیے دل میں موجود کثافت مٹانے کے لیے یہ وجہ اس کے لئے کافی تھی۔

نایاب خوشی سے کھلکھلاتی وقار سعید کے گال پر محبت کی معصوم سی مہر ثبت کر رہی تھی جب پریشے نے اس دلنشین منظر کو کیمرے کی آنکھیں محفوظ کر لیا تھا۔ باقی کی محفل بھی رونق افروز رہی۔ وقت خوشیوں کو سمیٹتا تیزی سے گزرا۔ پھر سب ہی واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مہ روش نے آنے سے پہلے پریشے کو خاص ہدایت کی تھی کہ وہ جلد از جلد تصویریں ڈویلپ کروا کے وقار کے ہاتھوں اس کی طرف بھجوائے کیونکہ پہلے سے مصمم ارادہ تھا۔ وہ الم مراد منصور کو اس کے آتے ہی دکھانی تھی۔ اسے مراد منصور کے ہر فیصلے و حکم کے خلاف جا کر اب بھی بہت کچھ واضح کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔'' مشارب ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔ وہ لب بھینچے اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو مستبشرہ۔'' وہ مایوس سا آہستگی سے بولا۔

''نہیں۔'' اس نے فوراً نفی کی۔

مشارب شاہ نے خالی آنکھوں کے ساتھ محض خاموشی سے اسے دیکھا۔

''میں محبت کو زیادتی کی زد سے بچانا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔ لہجے میں کرب و تشنگی کا ملاپ تھا۔ ایک کسک اسے دبوچے ہوئے تھی۔ توقف بھر کو رک کر وہ مزید بولی۔

''حقیقتاً بات یہاں فلک یا تمہاری نہیں ہے مشارب۔'' آواز دھیمی تھی۔ اپنے کمرے کی فضا اسے گھٹن زدہ محسوس ہو رہی تھی۔

''ایک تشنگی ہے......خالی پن سا میرے اندر رہ گیا ہے جو مجھے میرے لیے سوچنے نہیں دیتا کہ میں ہی اپنے دل کی گنہگار رہوں۔ ایک مرتبہ پھر میں خود غرض بن کر، کسی کا دل اجاڑ کر، کسی کو برباد کر کے میں خود کو مکمل نہیں کر سکتی۔ اس بار ندامت کے بوجھ نے جرأت باقی رہنے دی ہے نہ محبت کی طاقت مجھے کچھ غلط کرنے دے رہی ہے۔ میں صرف اپنے لئے نہیں سوچ سکتی......محبت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی۔''

وہ لمحے بھر کو رکی۔

مشارب ہونق بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی؟ کیا کہنے جا رہی تھی؟ اسے رتی برابر بھی آئیڈیا نہیں تھا۔

''ادھوری، لاحاصل، نامکمل محبت بہت تکلیف دیتی ہے مشارب! تم فلک کو اپنی محبت کے یقین، اپنے ساتھ کے احساس سے مضبوط کر سکتے ہو۔ اس کی محبت کو نیا موڑ دے کر اپنی اور اس کی زندگی خوشگوار بنا سکتے ہو۔''

''یہ اتنا آسان تو نہیں ہے مستبشرہ۔'' وہ اتنا ہی بول سکا۔

''لیکن ایسا ہو سکتا ہے اگر تم فلک کے بارے میں سوچو۔ ایک بار اپنی ذات، اپنے فیصلے سے ہٹ کر اس کے جذبات کو محسوس کرنے کی کوشش تو کرو۔''

''میں نے ہمیشہ تمہیں چاہا ہے مستبشرہ۔'' وہ اٹل ہوا۔

''مشارب! ہم دونوں اکٹھے خوش نہیں رہ سکتے۔ تم سے شادی کا فیصلہ میں نے جبراً ایک سوچ کے تحت کیا تھا لیکن وہ سوچ کسی کی محبت کو قدموں تلے روند کر خوشیوں کا جہاں آباد نہیں کر سکتی۔''

کہتے ہوئے وہ چند ثانیوں کے لئے رکی پھر بات جاری رکھی۔

''میں اپنے کئے کا مداوا فلک کی محبت قربان کر کے ادا نہیں کر سکتی۔ شرمندگی و ندامت کا بوجھ کسی بھی طرح سے کم نہیں کر سکتی۔'' وہ گویا تڑپ اٹھی تھی۔

''کیسی ندامت......؟''

''کسی کی محبت کو میں نے بہت بے دردی سے بے مول کرتے ہوئے ٹھکرایا تھا۔ اس کی بے لوث محبت ہمیشہ میرے تعاقب میں رہی......اس کی یادوں سے چھٹکارا نہیں مل سکتا مجھے۔'' وہ جذباتی ہوئی۔

دکھ و کرب کی لہر چہرے پر بھی واضح ہوئی تھی۔ مشارب نے بھنویں سکیڑ کر حیرت سے اسے دیکھا، استفسار کیا۔

''کس کی محبت۔ کس کی بات کر رہی ہو تم؟''

مستبشرہ جمال نے گہری سوچ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ یہ راز وہ اپنے اندر ہی دبائے رکھنا چاہتی تھی۔ شکست کا اعتراف تو کئی سال پہلے کر چکی تھی مگر آج اپنے لئے......فلک کے لئے......اسے اپنی زندگی کی حقیقت سامنے لانا لازم لگی تھی۔ سچ ہی مشارب شاہ کے بڑھتے قدموں کو روک کر اسے فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ وہ خود کو مضبوط کرتی خاموش رہی۔ لمبی گہری سانس خارج کی۔ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف گئی۔ دراز کھولی۔ لب بھینچے، خود کو حوصلہ دیا۔ دراز میں سے علی کا دیا آخری خط اٹھایا اور واپس مشارب شاہ کے سامنے آئی۔ خط اس کی جانب بڑھایا۔ مشارب نے سوالیہ حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے تہہ شدہ کاغذ لیا۔ جب تک مستبشرہ

جمال نے گلے میں سے لاکٹ اتار کر اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔اس نے ایک نظر لاکٹ پر ڈالتے ہوئے خط کی طرف دھیان دینا چاہا۔

''یہ میرا آخری جواب...... میرے حتمی فیصلے کی ٹھوس وجہ ہے۔اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش یقیناً باقی نہیں رہے گی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

بولنا ضروری تھا۔

مشارب نے ایک خاموش مگر سرسری نظر اس پر ڈالتے ہوئے خط پڑھنا شروع کیا۔مستبشرہ بغور اسی کو دیکھ رہی تھی۔مشارب کے چہرے کے رنگ عجیب بے قراری میں بدلے تھے۔حیرانگی، بے یقینی کے تاثرات وہ صاف دیکھ رہی تھی۔وہ خط پڑھ چکا تھا۔اس کے اندر تاسف بھری ہلچل مچی تھی۔آنکھیں سپاٹ سی رہ گئی تھیں۔وہ عجیب سے انداز میں لاکٹ پر نظریں گاڑے ہوئے کھڑا تھا۔

''یہ علی کی محبت اور میری شکست کی کہانی ہے۔'' وہ بولی تھی۔

لیکن مشارب شاہ کی محویت نہ ٹوٹی۔

''علی کی محبت کی شدت نے مجھے سالوں پہلے اعتراف شکست وندامت پر مجبور کیا تھا۔میں نے بابا جان سے کیا وعدہ تو خلوص دل سے نبھایا لیکن میرا دل معتبر نہ رہ سکا۔آج بھی میرا ماضی، میرا حال، مستقبل اس سے منسوب ہے۔تو ایسے میں، میں کیسے ساری زندگی تمہارے سنگ بے ایمانی کے ساتھ گزار لوں۔میں تمہیں کوئی خوشی دے سکوں گی نہ خود سکون سے رہ سکوں گی۔''

وہ سنجیدہ تھی۔وضاحت سے بولی۔

مشارب البتہ خاموش تھا۔

''میں کبھی اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی لیکن میں اب نہیں چاہتی کہ جس کرب ودرد سے علی اور میں گزرے ہیں یا گزر رہے ہیں اس کا عکس بھی فلک پر پڑے۔اس کی زندگی متاثر ہو۔بہت درد دیتی ہے تشنہ محبت مشارب۔مجھے تمہاری محبت کا بھی احساس ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ فلک کی محبت تمہیں میری طرح اندر سے بکھرنے نہیں دے گی۔تم اس کی محبت کو سمیٹ لو۔وہ تمہاری محبت بن جائے گی۔'' وہ بہت وثوق کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

اگلے کئی پال خاموشی کی نذر ہوئے۔

مشارب کے لئے محبت سے دستبردار ہونا آسان نہ تھا مگر اس کی محبت بند گلی کے تاریک کونے میں سسکنے لائق بھی نہ تھی۔عمر بھر سمجھوتے کے بجائے عقل نے مثبت راہ چننے پر اکسایا تھا۔اپنی محبت کا روگ تاعمر اسے دوکشتیوں کے مسافر بنائے راحتوں کے ساحل سے ہمیشہ کوسوں دور رکھ سکتی تھی جبکہ محبت کی انصل کی خاطر، اپنی محبت کی قربانی محبت کی روح کو معتبر کر دیتی۔

وہ خود غرض کیسے بن جاتا؟

مستبشرہ کے دل تک اس کی رسائی ممکن بھی نہ رہی تھی جبکہ فلک کی محبت اس کی منتظر تھی۔ اس نے دفعتاً منتشر سوچوں کو سمیٹ کر مستبشرہ کے وثوق کو مان بخش دیا۔ ہاتھ میں پکڑا لاکٹ اور خط اسے واپس کرتے ہوئے بولا تھا۔

''اب سب کچھ کیسے چینج ہو گا۔ تمہاری ہاں کے بعد بات آگے بڑھ چکی ہے۔ سب بڑے رضامند تھے۔ انہیں کیا وجہ بتائیں گے۔ اور چچی جان نے تو فلک کو وارن کیا ہوا ہے۔ وہ فلک پر ناراض ہیں۔''

''اماں اور بابا جان کو فلک بیٹی کی طرح عزیز ہے۔ میں انہیں بتا دوں گی۔ کسی کی خوشی قربان کر کے زبردستی رشتے نہیں نبھائے جا سکتے۔ میں قاسم ماموں اور آصفہ آنٹی سے بھی بات کر لوں گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے تم ان سب سے بات کرو۔ میں چچی جان سے بات کروں گا۔ فلک کے لئے ان کی ناراضی دور کرنا ضروری ہے ورنہ مشکل ہو گی۔''

دونوں نے بات فائنل کی۔

مشارب شاہ مان تو گیا تھا لیکن اس کے باوجود اتنی جلدی دل کو قائل کرنا بھی مشکل تھا۔ سو سنجیدگی سے اجازت لیتے ہوئے کمرے سے نکل گیا جبکہ مستبشرہ جمال کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔ لاکٹ اور خط کو دل سے لگائے وہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

افریشم سے بات کرنے کے بعد وہ مطمئن تھا۔ ایک سکوت سا دل پر طاری تھا لیکن ایسے میں ایک مرتبہ پھر ساجدہ گیلانی نے اس کے اندر کہرام برپا کرتے ہوئے جواب طلب کیا تھا۔ جس نے اسے حیران کیا، کوئی واضح جواب انہیں نہ دے سکا۔ بات گھما پھرا کر ان سے اجازت لی اور سیدھا افریشم کی طرف آیا۔ وہ بے غم تھا کہ افریشم نے ساجدہ گیلانی سے بات کر لی ہو گی مگر ایسا نہیں تھا۔

''تم نے ابھی تک مما سے بات نہیں کی؟'' اس نے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' وہ نفی میں بولی۔

اس دل علی کے سامنے حامی بھرنے کے بعد وہ بہت بے بس ہوئی اور اسی بے بسی نے بالآخر اسے خود غرض بننے پر مجبور کیا۔ اسی لمحے فیصلہ بھی کر لیا کہ اسے اپنی محبت سے دستبردار نہیں ہونا۔ ساری عمر ماتم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ تشنہ محبت کا روگ پال کر ایک ایک لمحہ زندگی عذاب نہیں کر سکتی تھی۔ نہ اسے قربانی کے بعد رونے کا کوئی کریز تھا۔ دانستہ خود کو برباد کرنے کا خبط بھی اس پر سوار نہ تھا...... سوچ چکی تھی کہ اپنی خاموش محبت کو زبان دے گی پھر اس کے بعد جو ہونا گا دیکھا جائے گا۔

حسب توقع علی آیان اس کے سامنے تھا۔ اس نے خود کو مضبوط کیا۔

''مما نے دوبارہ مجھ سے جواب مانگا ہے۔تم پلیز انہیں ابھی کال کر لو۔ ورنہ شام تک وہ پھر کال کر لیں گی......اور مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ میں مستبشرہ کے لئے ان سے کچھ تلخ سن سکوں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

افریشم نے ایک لمحے کے لئے اس خود شخص کو بغور دیکھا جسے صرف اپنی محبت سے غرض تھی۔ ناکام محبت سے غرض تھی۔اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''نہیں علی۔ میں آنٹی سے کچھ نہیں کہوں گی۔'' دوٹوک اسے مخاطب کیا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ اب تمہیں مستبشرہ جمال کو اپنی زندگی سے نکالنا ہوگا۔اس سے جڑے نامکمل قصے کے فریبی خول سے باہر نکل کر زندگی کی سچائی کا سامنا کرنا ہوگا'' ......وہ تنگ آچکی تھی۔ چلا کر بولی۔

علی آیان کے لئے یہ سب نیا اور عجیب تھا۔بھنویں اچکا کر حیرت کا مظاہر کیا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''سچ کہہ رہی ہوں......کڑوا سچ......اور اس سچ کو تمہیں ماننا ہوگا جس نے تمہاری زندگی کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ یہ محبت نہیں محض پاگل پن ہے، بے وقوفی ہے۔اب تمہیں خود سے جڑے باقی رشتوں کے لئے سوچنا ہوگا۔ مستبشرہ جمال سے نام نہاد محبت کے خبطی بھوت سے جان چھڑانی ہوگی۔'' آج وہ پھٹ پڑی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں کہہ رہی ہو یہ سب؟'' علی بھی بھڑکا۔

''محبت کرتی ہوں تم سے...... مجھے پاگل کر دیا ہے تمہاری محبت نے۔'' بالآخر ضبط تمام شد ہوا۔ وہ انکشاف کر گئی۔علی نے سرعت سے سر جھٹکا جیسے اپنی سماعتوں پر شک گزرا ہو۔

''تمہیں اپنے ماضی کو بھولنا ہوگا۔'' وہ مزید کہہ رہی تھی۔ لہجہ جنونی، انداز ڈھٹائی لیے مضبوط تھا۔اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اپنی ذات سے نکل کر خود سے جڑے ان رشتوں کے لئے سوچنا ہوگا جو تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں،جن کے لئے تم اہمیت رکھتے ہو۔'' وہ بھری پڑی تھی۔اندر جمع غبار آج باہر نکلنا از حد ضروری تھا۔

''کسی ایک شخص کے آنے یا جانے سے زندگی تھم نہیں جاتی، چلتی رہتی ہے۔انسان چاہے جتنا بھی ایک لمحے کی قید میں رہنا چاہے لیکن وقت گزرتا ہے اور گزرتا وقت حالت اور حالات دونوں بدل دیتا ہے۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

علی چپ رہا۔

''تم ایک بار زبردستی کے خول سے باہر نکل کر دیکھو تو سہی، زندگی اب بھی خوبصورت ہے۔تمہاری اور میری خوشیوں کی منتظر

ہے۔'' وہ بول رہی تھی۔ لہجے میں آس بھی تھی اور یقین بھی۔ اعتراف کی مشکل گھڑی گزرنے کے بعد اسے بولنا تھا اور وہ تیار تھی۔

''افریشم......'' جبکہ علی شاکڈ رہ گیا تھا۔ یہ سب اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

''تم سے زیادہ تو مجھ پر بیتی ہے علی......تم میرے سامنے، میرے پاس ہو کر بھی میرے نہیں رہے۔ اس سے بڑھ کر اور بے بسی کی انتہا کیا ہو سکتی ہے؟ اپنی فیلنگز کبھی تم سے شیئر نہیں کر سکی، خاموش رہی، انتظار کر رہی کہ کب تم سنبھلو گے اور میرے جذبات محسوس کرو گے...... تم نے کبھی سنبھلنے کی کوشش ہی نہیں کی علی۔'' اندرونی ٹوٹ پھوٹ اس کے لہجے سے عیاں ہونے لگی۔

وہ شکوہ کناں ہوئی۔

''تم نے کبھی میری آنکھوں میں محبت کے جگنو نہیں دیکھے، میرے اندر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں۔ مجھ میں، میں تو ہوں ہی نہیں۔ بس تم ہی تم ہو۔ تمہارے تعاقب میں طویل مسافت طے کی ہے۔ اب تھکنے لگی ہوں۔ میری محبت کو آزمائش میں مت ڈالنا علی۔'' اس کی مشتعل آواز پر نرمی التجا بن کر غالب آئی۔

علی آیان حسن گیلانی نے اس میں خود کو دیکھا تھا۔ اسے یہ سب نہیں سننا تھا۔

''تم نے جانتے بوجھتے غلط منزل کی طرف قدم اٹھائے ہیں۔'' آہستگی سے بولا۔

''نہیں علی......تم بھٹکے ہوئے ہو۔ تم نے فرار کے لئے غلط راہ کا انتخاب کیا ہے۔ خواب آنکھ کھلتے ہی تسلسل کھو دیتا ہے لیکن حقیقت، خواب کا مزاج نہیں رکھتی۔ زندگی کی راہ دشوار ضرور ہے مگر بھٹکے ہوئے مسافروں کو رکنے نہیں دیتی۔ جہد مسلسل پر اکساتی ہے۔ ایک سعی، معمولی سعی راہیں ہموار کر دیتی ہے۔ گہرے سے گہرے گھاؤ پر بھی وقت مرہم رکھتا ہے لیکن ایک ٹھوکر پر گرنے اور جھکنے والوں کے لئے وقت نہ رکتا ہے، نہ انتظار کرتا ہے اور نہ پروا کرتا ہے۔ لمحوں کی قید پاؤں کو اذیت ناک بیڑیوں میں جکڑ لیتی ہے......اور تم وقت سے بہت پہلے اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہو۔ آزادی کے لئے تم نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔'' اس کا لہجہ بے لچک تھا۔ اسے سچائی سے ملوانے کا پختہ ارادہ تھا۔

علی کو حلق میں گرہ پڑتی محسوس ہوئی۔ کڑواہٹ اندر تک اترنے لگی۔

''اب وقت آ گیا ہے علی کہ تم درست سمت کا تعین کرو۔ ہوش و حواس میں واپس آؤ۔ جس ڈگر پر تم چل رہے ہو وہ کسی کے لئے بھی سکون بخش نہیں ہے۔ تمہارے لئے بھی نہیں۔'' الفاظ پر زور تھے۔

''میں اپنی زندگی سے خوش ہوں، مطمئن ہوں۔'' اسے ناگوار گزرا۔ اسی پر وز لہجے میں جتایا۔

افریشم کا غصہ بھی بڑھا۔

اب یہ سب ڈرامہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''ہاں اس لئے کہ تم بزدل ہو، ڈرپوک ہو، خودغرض، خودسر اور بے حس ہو۔'' وہ یک دم تلخ ہوئی۔

علی آیان اسے دیکھتا رہ گیا۔

''تمہیں صرف اپنا آپ دکھائی دیتا ہے۔ اپنا دکھ، دکھ لگتا ہے۔ باقی کسی کے احساسات تمہارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ میری محبت کو تم نے کبھی محسوس نہیں کیا لیکن ایک ماں کے جذبات تک تم محسوس نہیں کر سکے۔ ماں کی ممتا کو بے حسی سے آزماتے چلے آ رہے ہو۔ خود غرض بن کر نظرانداز کرتے آ رہے ہو۔ چھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا۔ تم نے کبھی آنٹی کا نہیں سوچا، انکل کا خیال تمہیں نہیں آیا۔ کتنا تڑپتے ہوں گے وہ تمہارے بغیر، تمہارے لئے، تمہارے بغیر وہ کس قدر ویران زندگی گزار رہے ہوں گے۔ کبھی سوچا ہے؟ لیکن تم کیوں سوچو۔ دکھ تو صرف تمہیں ہے۔ باقی کسی کا دکھ تو دکھ ہے ہی نہیں۔ میں حیران ہوں اتنا عرصہ تم نے ماں باپ کی محبت کے بنا کیسے گزار لیا۔ محض ایک ناکام محبت کے روگ میں وہ دونوں تمہیں کیسے بھول گئے جن کی واحد خوشی تم ہو۔ جنھوں نے تمہیں پالا پوسا، پیار دیا، تمہاری ہر آسائش کا خیال رکھا۔ ہر خواہش کو پورا کیا۔ تم سے متعلق کتنے خواب دیکھے ہوں گے انہوں نے۔ جو تم سے دور ہ کر اب بھی تمہارے غم میں برابر کے شریک روتے ہوں گے۔ دعا کرتے ہوں گے۔ کتنی بار وہ تمہیں واپسی کا کہتے اور تم...... تم ان کی خوشی کے لئے سوچ ہی نہ سکے۔ کیونکہ ایک بزدل اور خودغرض انسان اپنے سوا کسی کی ذات کے لئے سوچ ہی نہیں سکتا۔ میرے بارے میں بھی نہیں سوچو گے۔'' افریشم کھل کر بولی تھی۔ الفاظ تلخ تھے۔ طنز کے نشتروں سے بھرپور...... مگر آج یہ لازم تھا۔

اسے آئینہ دکھانے کے لئے

اپنا غبار نکالنے کے لئے

علی کچھ نہ بول سکا۔ نہ احتجاج کر سکا۔ دل البتہ مضبوط شکنجے میں جکڑتا محسوس ہوا۔

''کاش تم ایک بار مستبشرہ جمال کے عشق سے نکل کر، اپنا آپ بھلا کر انکل اور آنٹی کے لئے سوچو۔ چھ سال جس کرب سے وہ تمہاری وجہ سے گزرے ہیں اس کا اندازہ کر سکو۔ کاش محض ایک بیٹا بن کر تم ان کی خوشی کے لئے سوچ سکو۔ ان کے لئے خود کو سچائی سے ملواؤ۔ یقین جانو علی جس وقت تم نے ان کے بارے میں سوچا۔ اپنی فرار پر بہت پچھتاؤ گے۔''

افریشم نے اس کی چپ پر مزید قفل ڈالے۔ سوچ کے در وا کئے اور اسے سنگین فضا میں احتساب کے لئے چھوڑے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

علی آیان حسن گیلانی اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہا۔

دل میں بے چینی بڑھنے لگی تھی۔ دماغ میں طوفان برپا ہو چکا تھا۔ منتشر سوچیں سوالوں کے انبار دیکھ کر ہراساں ہونے لگیں۔ وہ تڑپ اٹھا۔ وقت جواب طلب، گویا ٹھہر گیا تھا۔

دونفوس......اس کی آنکھوں کے پردوں پر منعکس ہوئے تو حلق میں کڑوا دھواں ٹھہرنے لگا۔ یہ لمحہ پراثر ہونے لگا۔ خیال میں شدت در آئی۔ ماں باپ کی محبت، عرش کی وسعتوں میں بانہیں پھیلائے، اسے اپنی پناہ میں لینے کو بے تاب دکھائی دی۔ ان دونوں کی آنکھوں میں نمی، خوشیوں کی متلاشی تھی۔ خوشیوں پر اس نے دانستہ غم کی دبیز چادر ڈالے انہیں محروم رکھا ہوا تھا۔ خود کو ان کی آغوش و شفقت بھرے سائے سے محروم رکھا ہوا تھا۔ ان کے چہروں کو بے رنگ کیے مسکراہٹ سے محروم کئے ہوئے تھا۔ خود مسکرانا بھول گیا تھا۔

اسے وحشتیں گھیرنے لگیں۔

یکطرفہ محبت......ناکام محبت کا سوگ......گھاٹے کا سودا رہی۔

ہجر اسے دیمک کی طرح چاٹتا رہا اور وہ ادھورے پن کے ساتھ مکمل ہونے کی کوشش میں مگن رہنے کے لئے حقیقی رشتوں سے بھاگنے لگا مگر فرار اسے منہ کے بل پٹخ گئی۔ وہ قدموں کو روک گیا، سوالوں کے جواب مل گے۔

مستبشرہ جمال سے محبت دھند میں اوجھل ہوگئی۔

الجھی پہیلی سلجھنے لگی۔ گنجلک دھاگوں میں گمشدہ سرا ہاتھ آ گیا۔ سکے کا دوسرا رخ اسے شرمندہ کرنے لگا۔ وہ نظریں جھکا کر اپنی کوتاہی پر ملال کرنے لگا۔

☆......☆......☆

وہ سرشاری سے لاپرواہی برت گئی تھی۔

پہلی بار......وہ بھول گئی تھی۔ نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے وہ بھول گئی تھی۔ اب اس کی آنکھ کھلی تو دماغ جاگا۔

جسم میں سرسری سی دوڑی۔

عجلت میں اپنے دائیں بائیں ہاتھ پھیرا مگر گرفت میں مطلوبہ چیزیں نہ آسکیں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ مشارب کے جانے کے بعد، خط اور لاکٹ، سینے سے لگائے وہ لیٹی تھی۔ محبت کے سحر انگیز حصار میں بے نیاز، بے فکر لیٹی تھی۔ دل میں علی کے مقام کو معتبر کر کے، محبت سے اپنی عقیدت پیش کر کے لیٹی تھی۔ جب پرسکون نیند اس پر مہربان ہوئی تھی۔

اب جب بیدار ہوئی تو خالی ہاتھ بری طرح اسے جھنجوڑ گئے۔

وہ بیڈ سے نیچے اتری۔ سلوٹ زدہ چادر پر کھوجتی نگاہ دوڑائی، تکیے اٹھا کر شک دور کرنا چاہا، کمبل بھی پرے کیا مگر بیکار...... جھک کر زمین کا جائزہ بھی لیا۔ شفاف فرش نے اسے سخت مایوس کیا۔ عجلت میں دراز کی تلاشی لی۔ نہ خط وہاں تھا نہ لاکٹ۔ دماغ ماؤف ہونے لگا۔ اپنی تسلی کے لئے سب جگہوں پر ایک بار پھر نظریں دوڑائیں۔ کوفت بڑھنے لگی۔ کمرے کا ماحول و فضا پراسرار خاموشی کے لپیٹ میں آیا۔ اسے وحشتوں نے گھیرے میں لیا۔ آنکھوں میں سراسیمگی تیرنے لگی۔

قدم خود بخود دروازے کی جانب اٹھے۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آئی۔ رخ لاؤنج کی طرف تھا۔ دل خدشات سے پر، خوفزدہ ہوا۔ اپناراز، وہ کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مشارب کو بتانے کے بعد، کسی اور کو نہیں، اماں اور بابا جان کو تو بالکل بھی نہیں بتانا چاہتی تھی مگر اس کا چاہنا یا نہ چاہنا اب قسمت کے لکھے کا تابع تھا اور قسمت نے اس کی مرضی وخواہش کو رد کر کے اپنی من مانی کر دی تھی۔

لاؤنج میں پہنچتے ہی اس کے قدم تھم گئے۔

متعجب نگاہیں ساکت ہو گئی تھیں۔

لاکٹ زہرہ شاہ کی انگلیوں میں جھول رہا تھا۔ سید جمال شاہ کی آنکھیں خط پر درج ایک ایک لفظ کی گہرائی کو پرکھ رہی تھیں۔ مستبشرہ کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ آنکھیں شرمندگی سے جھکتی چلی گئیں۔ گویا جھوٹ پکڑا گیا ہو۔ اس کے گلے میں پہلی بار لاکٹ دیکھ کر اماں نے بھی فلک کی طرح پوچھا تھا اور تب اس نے فلک کی طرح انہیں بھی جھوٹ سے مطمئن کیا تھا۔ لاکٹ کو عدن کی طرف سے سب دوستوں کے لئے تحفہ بتایا تھا۔ تب انہوں نے چھو کر ستائش کی تھی اور اب آبدیدہ نظروں سے لاکٹ کو دیکھتے شاید بیٹی کا دکھ محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ سید جمال شاہ خط میں تحریک محبت کی تڑپ، دعا، بددعا و کرب کو ذہنی انتشار کا شکار ہوئے سمجھنے اور محسوس کرنے کی سعی میں گویا محو اپنی حیرتوں کے سامنے لہراتے سوالیہ نشان کے لئے جواب کے متلاشی تھے۔

جواب کی طالب نظریں، آہٹ پر اوپر اٹھی تھیں۔

فرار کی تمام راہیں مفقود ہوئیں۔ مستبشرہ جمال آگے بڑھی۔ دوزانو سید جمال شاہ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ ندامت نے آنکھیں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''بابا جان...... میں شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔'' وہ لرزتی آواز میں معافی کی خواستگار تھی۔

وہ چپ تھے جبکہ زہرہ شاہ نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ گھنٹہ ڈیڑھ پہلے جب وہ اس کیکمرے میں، مشارب شاہ کے جانے کے بعد احسان کی کال اور جلد پاکستان واپسی کا بتانے گئیں تب وہ بے خبر سو رہی تھی۔ انہوں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا مگر واپس پلٹتے وقت نظر خط اور لاکٹ پر پڑی تو تجسس نے ہاتھ آگے بڑھائے اور خط اٹھانے پر اکسایا۔ کاغذ پر لگی ٹیپ نے اس کے غیر معمولی ہونے کا پتہ دے دیا تھا۔ انہوں نے لاکٹ بھی اٹھایا اور اس کے آرام میں خلل کی سوچ کے ساتھ آہستگی سے باہر چلی آئیں۔ جہاں سید جمال شاہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے شوہر کو بتائے بغیر کاغذ کھول کر پڑھا اور پڑھتے ہی چہرے کے اتار چڑھاؤ شوہر کو ان کی طرف متوجہ کر گئے تھے۔ خط پڑھنے کے بعد اپنی کیفیت ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ شوہر کے کہنے پر خط انہیں دینے کے بعد نم آنکھوں سے لاکٹ کو دیکھے جا رہی تھیں۔ بیٹی کے لئے اس لاکٹ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھیں جس نے کبھی اسے اتارا ہی نہ تھا۔

سید جمال شاہ بھی خط پڑھنے کے بعد عجیب کیفیت سے گزرے تھے۔ تذبذب کا شکار ہوئے تھے۔ چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر عقل

نے سوچنے سمجھنے کا ذمے دار دل کو بنایا...... اور دل...... قیامت کی زد میں آ گیا تھا۔ بصارتوں نے کئی بار، ایک ایک حرف کو بغور دیکھ، پڑھ کر دل کو مزید آزمائشوں میں دھکیل دیا تھا۔

''بابا جان...... میں اس سے پیار نہیں کرتی تھی، وہ کرتا تھا، بہت کرتا تھا، میں اسے روکنا چاہتی تھی...... مجھے آپ سے کیا وعدہ نبھانا تھا۔ آپ کی عزت مجھے عزیز تھی۔ میں آپ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وعدہ خلافی کر کے، آپ کا بھرم نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ آپ کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے لیے آپ کے دل میں بدگمانی نہیں چاہتی تھی۔ آپ کا وعدہ، آپ کی عزت کا پاس مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا...... مگر علی...... وہ پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا۔ اسے خود سے متنفر کرنے کے لئے میں نے جھوٹا ناٹک کیا۔ اس کے بڑھتے قدموں کو روکنے کے لئے اسے تکلیف دی، اس کی تضحیک کی۔ تب میں اس سے محبت نہیں کرتی تھی...... میں نے پوری ایمانداری سے اپنا وعدہ نبھایا تھا۔ تب میں نے کبھی محبت کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی تھی۔ میں آپ کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔''

مستبشرہ جمال رو رہی تھی۔

وضاحت دینے لگی۔ وضاحت میں یقین دلانے کی سعی تھی۔

آواز نم اور لہجہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ وہ دونوں چپ تھے۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔

''ملتان آنے کے بعد میں اسے بھول گئی تھی۔ میں نے کبھی تصور میں بھی اس کا خیال خود پر حاوی نہ ہونے دیا تھا لیکن یہ خط اور یہ لاکٹ مجھے بے بس کر گئے۔ علی کی محبت تضحیک کا بدلہ لینے میرے تعاقب میں تھی۔ میں نے بھرپور نفی کی، اپنا دامن، اپنا دل بچانا چاہا، فرار کی ہر راہ تلاش کی لیکن میں تھک گئی...... مجبور ہو گئی۔ محبت کا جھوٹا ناٹک حقیقت کا روپ دھارے مجھے بدترین شکست دے گیا۔ میں اپنی جنگ ہار گئی۔ آپ سے کیا وعدہ تو نبھایا مگر سوچیں دفاع میں ناکام ہو گئیں۔ اس کے دسترس سے دور ہونے کے بعد مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ لیکن میں واپس اس کے پاس نہیں جانا چاہتی تھی۔ شرمندہ تھی، افسردہ تھی، محبت کو دل میں ہی مقید کر لیا۔ مجھے اپنا دکھ تو منظور تھا لیکن میں اپنے لئے آپ کی محبت اور اعتبار ٹوٹتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آپ میرے لئے سب کچھ ہیں۔ میں کبھی بھی آپ کی نظروں میں گر کر آپ کا سر جھکا نہیں دیکھ سکتی۔'' مستبشرہ جمال بہت دقت سے بولی۔

انکشاف محبت اور اعتراف شکست اسے آزردہ کرنے لگا لیکن ان کے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھے کہ حقیقتاً راز کھلنے کے بعد بھی وہ باپ کی نظروں میں بے اعتبار، بے وقعت ہونے کی اذیت برداشت کرنے کی متحمل نہ تھی۔

زہرہ شاہ کا دل بیٹی کے رونے سے بے چین و بے قرار پگھلنے لگا۔ فضا بھی پرسوز مگر سہم گئی۔ کئی پل خاموشی سے بیت گئے تھے لیکن وہ خاموشی کو تلخ نہیں بنانا چاہتی تھی۔

''بابا جان! میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں نے وعدہ تو پورا کیا مگر...... میں علی سے محبت کے باوجود اس کا نام کبھی زبان پر نہیں

لانا چاہتی تھی۔ مجھے آپ کی عزت اپنے سکون سے بہت پیاری ہے۔'' وہ مزید بولی تھی۔

آنکھیں ہنوز نمکین پانی سے بھری ہوئی تھیں۔

زہرہ شاہ نے بنا بولے اس کے سر پر ہاتھ رکھا جبکہ سید جمال شاہ نے اس بار اس کے دونوں ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے۔ زبان کو بھی حرکت دی۔ اپنی چپ توڑی۔

''شرمندہ تو میں ہوں مستبشرہ۔'' لہجہ سنجیدہ تھا۔

غصے و خفگی سے عاری۔

مستبشرہ جمال نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''یوں مت کہیں بابا جان۔''

''کہنے دو بیٹا...... ورنہ تمہارے یہ آنسو ہمیشہ میرے دل پر گرتے رہیں گے۔ میں نے تمہیں تمہاری خواہش پورا کرنے کی اجازت تو دی مگر ساتھ ہی خوابوں پر پہرہ بھی لگا دیا۔ بیٹی کا باپ تھا، عزت کے سامنے خوف سوالیہ نشان بن گیا تھا لیکن جس باپ کی تم جیسی فرمانبردار بیٹی ہو وہ ڈر کر نہیں جی سکتا۔ تم نے پہلے مجھے مایوس کیا تھا نہ اب یہ خط پڑھنے کے بعد میری نظریں شرم سے جھک سکتی ہیں بلکہ تمہاری قدر و منزلت میرے دل میں بڑھ گئی ہے۔ اس وقت جو تم نے اس لڑکے کے ساتھ کیا، میری وجہ سے کیا مگر پچھلے چھ سات سالوں سے جو خود اپنے ساتھ کر رہی ہو، وہ غلط ہے۔ اور میں نادم ہوں کہ میری وجہ سے تم نے محبت کو اپنے لئے سزا بنا کر دل میں چھپائے رکھا...... کیا میں اتنا انا پرست ثابت ہو سکتا ہوں بیٹی کے، تمہاری زندگی کو بے سکون دیکھ کر بھی اپنا شملہ اونچا رکھنے کی سوچوں؟ میری محبت نے کبھی تمہیں اتنا اعتماد نہیں دیا کہ تم اپنی محبت، اپنی خواہش، اپنے سکون کے لئے مجھے اعتماد میں لے سکو؟'' دھیمے لب و لہجہ میں کہتے وہ اس سے پوچھنے لگے۔

''ایسی بات نہیں ہے بابا جان۔''

''تو پھر کیوں نہیں بتایا ہم دونوں کو؟''

سوال پر وہ خاموش ہوگئی۔

''مجھے ہمیشہ تم پر فخر رہے گا مستبشرہ...... اور میرا سر تو تب جھکتا جب تم غلط مقصد سے کوئی قدم اٹھاتی...... یہ خط اس لڑکے کی طرف سے میرے سینے پر سجا تمغہ ہے۔ تم شرمندہ مت ہو، مجھ سے معافی مت مانگو، کسی کو پسند کرنا، محبت کرنا جرم نہیں ہے۔ ہم نے احسان کی خواہش اور محبت کی بھی عزت کی، تم بھی ہماری اولاد ہو۔ احسان کے برابر ہو۔ ہمیں جان سے عزیز ہو اور اب تمہاری حقیقی خوشی ہماری خوشی ہوگی۔ جو عزت اور مان تم نے سلامت رکھنے کے لئے اپنے دل کو اولیت دی، اسی عزت و مان سے میں مداوا کروں گا۔ تمہارے ہر دکھ، ہر

آنسو کو تمہاری زندگی سے بے دخل کروں گا...... کاش یہ سچ بہت عرصہ پہلے سامنے آیا ہوتا۔'' وہ اس کے آنسو صاف کر رہے تھے۔

اسے مان سمان دے کر، اس کی بے قراریوں کو سمیٹ رہے تھے۔

مستبشرہ جمال یک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی، بلا خوف و خطر...... سید جمال شاہ نے اسی عزت و اعتماد کے ساتھ اس کا حوصلہ بحال کیا تھا جس عزت و اعتماد کی خاطر اس نے لبوں پر قفل ڈالے، ہر فیصلے دل کے منافی کیا تھا، آج وہ سرخرو ہو گئی تھی۔ ایک باپ نے بیٹی کو معتبر کر دیا تھا۔ بیٹی نے باپ کا وعدہ ایفاء کیا تھا اور اب انعام میں باپ نے بیٹی کی محبت کو تمام شرمندگی و ملامت سے نکال کر عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''تمہیں مشارب شاہ سے شادی کی ضرورت نہیں۔ میں قاسم شاہ سے معذرت کر لوں گا۔'' سید جمال شاہ نے اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے اس کی مشکل بھی آسان کر دی۔

''اب کیسے...... وہ ناراض ہوں گے۔'' جبکہ زہرہ شاہ تمام عرصے میں پہلی بار بولیں۔

''مجھے صرف اپنی بیٹی کی زندگی کو کرب سے نکالنا ہے زہرہ۔ مشارب اچھا لڑکا ہے اسے کوئی اچھی لڑکی مل جائے گی لیکن مستشرہ، مشارب سے شادی کے بعد ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کرتی رہے گی، ان گزرے چھ، سات سالوں کی طرح ہمیں مطمئن کرنا چاہئے گی، جواب میں نہیں چاہتا۔ مجھے اپنی بیٹی کو صحیح معنوں میں خوش و آباد دیکھنا ہے۔'' وہ حتمی فیصلہ کر چکے تھے۔ صاف و دوٹوک الفاظ میں سنجیدگی سے بولے۔

''اماں...... فلک مشارب سے محبت کرتی ہے۔''

سید جمال شاہ کے دیئے اعتماد نے شرمندگی زائل کر دی تھی اب جھجک مانع تھی۔ اس نے زہرہ شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی مشارب سے شادی سے فیصلے سے کر، فلک کی محبت اور مشارب کو خط و لاکٹ دکھا کر فیصلہ بدلنے تک کی تمام باتیں بتائیں۔ وہ مزید کچھ کہہ ہی نہ سکیں۔

''میں آج ہی قاسم شاہ سے بات کروں گا۔ ان شاءاللہ آگے سب ٹھیک ہو گا۔'' سید جمال شاہ پر وثوق بولے۔

مستبشرہ جمال کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆......☆......☆

مراد منصور نے واپس آنا تھا۔

مگر نہ آیا......!

کلثوم بیگم کے کہنے پر ادینہ نے اسے کال کی، نہ آنے کی وجہ پوچھی۔

''میں ایک دو ہفتے بعد آؤں گا۔ یہاں کچھ پرسنل کام پیش آ گیا۔''

اس نے مختصر بتا کر کال بند کرنی چاہی لیکن ادینہ نے برجستہ اسے روکا۔

"اگلے ہفتے ماہی کی ڈلیوری ڈیو ہے۔تمہارا یہاں ہونا بھی ضروری ہے۔" اسے یاد دہانی کرواتے ہوئے گویا باور کروانا چاہا۔

"بتایا نا تمہیں، مجھے یہاں ضروری کام ہے۔میں نہیں آ سکتا۔" وہ بحث کبھی بھی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، کھردرے لہجے میں بولا۔

"مراد......"

ادینہ نے احتجاجاً اس کا نام لے کر مائل کرنا چاہا۔

"میں نہیں آ سکتا ادینہ۔" وہ بے لچک بولا۔

ادینہ نے مزید اصرار ضروری نہ سمجھا۔

"تم اور امی ہو اس کے ساتھ...... ماموں ہیں، اس کا بھائی ہے۔میرا ہونا نہ ہونا لازم نہیں ہے اور ہسپتال کے خرچے کے لئے میں کل پیسے بھیج دوں گا۔" البتہ وہ بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

لب و لہجہ نارمل تھا لیکن ادینہ کو اس کی باتوں میں بوریت کا عنصر نمایاں نظر آیا تھا مگر اس نے لاپرواہی سے سر جھٹک دیا۔اس کی باتوں، خیال اور سوچ کی سب نفی کرتے، وہم گردانتے، اسے بے فکری کا مشورہ دیتے۔ایسے میں اپنی سوچوں میں وہ خود ہی نظر انداز کرنے کا تہیہ کرتی۔

"ٹھیک ہے۔" طوالت کے بجائے مختصرات جواب دیا اور کال بند کر دی۔

کال بند ہوتے ہی کلثوم بیگم کے پاس گئی۔مہ روش بھی وہیں ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔اس نے مراد منصور سے ہوئی تمام گفتگو نہیں بتائی۔مہ روش نے ادینہ کی طرف نہیں دیکھا۔اریبہ کی باتیں سننے میں محویت ظاہر کی۔

"یہ لڑکا مجال ہے جو کبھی کسی اور کی بات کو اہمیت دے۔اپنے سوا اسے کوئی نظر ہی نہیں آتا۔" البتہ کلثوم بیگم نے تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"میں نے کہا بھی کہ اس کا یہاں ہونا ضروری ہے۔" ادینہ کے دل میں نجانے کیا آیا کہ اپنی بات دہرائی، نظریں ماں پر تھیں۔

"ہاں...... مگر اسے احساس ہو تب ناں۔" وہ آس بھرے لہجے میں بولیں۔

"آپ دونوں اسے احساس بھی تو نہیں دلاتیں۔" ادینہ نے برجستہ کہا، ساتھ ہی مہ روش کو بھی دیکھا جو بمشکل پھیکی ہنسی مسکرائی تھی اور وہ ہنسی کرب کو ضبط کرنے کیلئے ایک سعی تھی۔

مراد کا نہ آنا، لاتعلقی کی طرف بڑھتا ایک اور قدم تھا۔جس نے نادانستہ اس کے دل پر اپنا نقش چھوڑتے ہوئے اسے اذیت کے حوالے کیا تھا۔بظاہر وہ مضبوط تھی مگر مراد منصور اندر ہی اندر اسے دیمک کی طرح کھوکھلا کرتا جا رہا تھا۔

"بے حس انسان نہ محسوس کرتا ہے نہ اسے احساس دلایا جا سکتا ہے۔" اندر جمع غبار، بڑبڑاہٹ بن کر اس کے لبوں پر ٹھہر گیا۔

دل میں مراد کی آمد کا انتظار تھوڑا بڑھ گیا۔ اپنے متعلق اسے کوئی خوش فہمی نہ تھی لیکن پچھلے ہفتے وقار نے نایاب کی سالگرہ کا البم تیار کر کے اسے دیا تھا جو اس نے مراد منصور کے لئے سنبھال کر رکھا تھا۔ اسے مراد کا ایک اور حیوانی روپ دیکھنے کے لئے اس کی آمد کا بے صبری سے انتظار تھا۔

جواب مزید دو ہفتوں کے لئے ٹل گیا تھا۔ اندرونی ردعمل کے برعکس وہ تحمل سے اریبہ کے ساتھ محو ہونے میں کوشاں تھی۔

''ہزار بار کوشش کی......مگر وہ پتھر دل ہے۔'' کلثوم بیگم سخت مایوس تھیں۔ بے بسی سے زبان تلخ ہوئی۔

''کیوں......مطلب شروع سے تو وہ سنجیدہ تھا مگر پتھر دل نہیں تھا۔ آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ادینہ نے سوال وشک سے خود کو باز نہ رکھ پایا۔

''اس کی سنجیدگی نے اسے پتھر دل بنایا ہوا ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' وہ الجھی۔

مہ روش کو ادینہ کی باتوں سے کوفت ہونے لگی۔ حقیقتاً وہ اس کے سوالوں سے تنگ آ گئی تھی۔ اپنی زندگی میں، مراد منصور کی ذات سے برپا تباہی کو وہ ضبط سے برداشت کرتی، مشکل ترین پڑاؤ سے نکل کر اب جب ہر غم سے سمجھوتہ کر رہی تھی ایسے میں ادینہ کی آمد، کھوجتی نگاہیں، تفتیشی سوالات، ہر فرد کی حرکت پر شک اور بات میں سے بات نکال کر بحث کرنا اب ناگوار گزرنے لگا تھا۔ اس وقت بھی اس کا کلثوم بیگم کو باتوں میں الجھانا کسی آزمائش سے کم نہ تھا۔ اندر الگ انتشار برپا تھا۔

اگر اسے شک ہے تو اب کیوں......'

شک کرتی تو سات سال پہلے مراد کی انتقامی سوچ پر کرتی، اس کے چہرے پر سجی جھوٹی مسکراہٹ اور معتبر نقاب پر کرتی۔ اس کی ذہنی کیفیت پر کرتی، اس کے ماتھے پر رقم شادابی پر کرتی۔ اس کے ہاتھوں پر کرتی، جنہوں نے اپنا غصہ اتارنے، انتقام پورا کرنے کے بعد اس کے سر پر شفقت بھرا سایہ تو بنایا مگر جو نایاب اور اریبہ کے ڈولتے قدموں کو دیکھ کر بھی کبھی ان کے ننھے ہاتھوں کو تھام کر ان کے چلنے میں معاون و مددگار ثابت نہیں ہوئے تھے۔

شک کرتی تو مراد منصور کی بیٹیوں سے لاپرواہی کرتی۔ بیٹیوں کے لئے اس کے محبت سے عاری دل پر کرتی۔

اور اس شک کو مراد منظور کے سامنے زبان دیتی۔

مراد منصور سے سوالات کرتی۔

اپنی تسلی کے لئے اس سے زبردستی جواب مانگتی اور جواب ملنے کے بعد ان کے سامنے آئی۔

''پھوپھو۔ میں کمرے میں جا رہی ہوں۔ نایاب کو ہوم ورک بھی کروانا ہے۔'' اندر پھیلتی تلخی کے چہرے پر نمایاں ہونے سے

پہلے وہ اٹھ گئی۔ اریبہ نے اس کے اٹھتے ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اریبہ۔ بیٹا پھوپھو کے پاس آ جاؤ۔" ادینہ نے ماہی کے آرام کی غرض سے اریبہ کو اپنے پاس بلانا چاہا۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا لیکن ماہی نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بہلا کر ادینہ کے پاس بھیجا۔ مقصد ادینہ کو کلثوم بیگم سے بات جاری رکھنے سے روکنا تھا۔ وہ کامیاب بھی ہوئی۔ اریبہ اس کی گود میں بیٹھ چکی تھی جبکہ کلثوم بیگم اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی تھیں۔ وہ بھی کمرے کی طرف چلی گئی۔

رات کھانے کے بعد تھوڑی دیر گفتگو جاری رہی۔ پھر مہ روش بیٹیوں کو سلانے چلی گئی اور کلثوم بیگم بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ادینہ کو نیند نہیں آئی ہوئی تھی سو وہیں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی جب ہی ذہن میں ایک خیال کوندا تو موبائل اٹھایا۔ مراد منصور کے آنے تک اسے یہاں آئے چھ ماہ پورے ہونے والے تھے۔ اسے معید سے بات کرنی تھی۔ اس کا فیصلہ جاننا تھا، جاننے کے بعد اپنا فیصلہ بھی کرنا تھا۔ کال کرنے سے پہلے اس نے امی اور مہ روش کے سونے کی تصدیق کی۔ تسلی ہونے کے بعد اطمینان سے لاؤنج میں آئی اور معید کا نمبر ملایا۔

دوسری تیسری بیل پر معید نے کال ریسیو کر لی تھی۔ سلام کے بعد وہ جلد اصل مدعے کی طرف آئی تھی۔

"معید۔ مجھے تمہارا فیصلہ جاننا ہے۔"

"ہر بار...... بار بار بات دہرانے سے فیصلہ بدل نہیں سکتا۔ کیوں نہیں سمجھتی۔" جس پر وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میں کیا کروں معید۔ میں بھی مجبور ہوں۔" وہ عاجز آئی، بے بسی سے بولی۔

"واپس آ جاؤ ادینہ۔ تم خواہ مخواہ ضد کر رہی ہو۔"

"تو کیا تم میرے لئے نہیں آ سکتے؟" وہ الٹا سوالیہ ہوئی۔ دل خوش فہم اور لہجہ اب بھی یقین سموئے ہوئے تھا۔

"نہیں۔" وہ بنا پروا کئے روکھائی سے بولا۔

"معید ......" اس کا یقین سرعت سے ٹوٹا۔ تکلیف دہ آواز سے اسے پکارا۔

"دیکھو ادینہ۔ زندگی مذاق نہیں ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے دل کے ساتھ دماغ سے بھی سوچنا پڑتا ہے۔ محبت، سمجھوتہ کے بغیر ہمیشہ پروان نہیں چڑھ سکتی اور امی کو تم جانتی ہو۔ ان کے ساتھ ماموں اور مراد نے ہمیشہ جو رویہ رکھا، اس کے باوجود میری وجہ سے انہوں نے تمہیں قبول کیا۔ میں ساری عمر دھکے نہیں کھا سکتا۔ میری ماں نے پہلے میرا ساتھ دیا اب اگر میں ان کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں تو اس میں غلط کیا ہے۔ میں تمہیں کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں خوشی دی ہے۔ اب تمہیں میری خوشی کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ تم اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر آئی ہو۔ میں تمہیں لینے آ جاؤں تو بھی میرے فیصلے سے تم اختلاف کرو گی۔ بہت بہتر ہوگا کہ اگر تم اپنی ضد چھوڑ کر، میرے فیصلے کو کھلے دل سے تسلیم کر کے آؤ۔ ہم دونوں کے لیے یہ ضروری ہے۔" وہ رسان سے بولا تھا۔

سنتے سنتے ادینہ کی آنکھوں کے گوشے نم ہوئے تھے۔

''ادینہ......''معید نے اس کی خاموشی پر اسے پکارا۔

''میں سن رہی ہوں۔''وہ سنبھل کر بولی، توقف بھر کو رکی۔

''تم ایک بار مجھے لینے تو آؤ معید۔ مجھے تمہارے مان، محبت اور ساتھ کی ضرورت ہے ورنہ میں بکھر جاؤں گی۔''لہجہ درد سے بھرا تھا۔

''میں نہیں آ سکتا ادینہ۔تم جانتی ہو۔''وہ آج بھی انکاری ہوا۔

''میں بھی پھر خود کیسے آؤں معید۔''ادینہ دوبدو اسی کے انداز میں سوالیہ ہوئی۔

اناتھی یا ضد......دونوں اکڑ گئے۔

ہر بار کی طرح، بات سنگین ہونے لگی۔

''مجھے عزت چاہئے معید۔ میں ہاں آ بھی جاؤں۔تمہارا فیصلہ بھی مان لوں، گونگی بہری بھی بن جاؤں، دل کو مار کر سمجھوتہ بھی کر لوں مگر کیا مجھے وہاں عزت ملے گی، تمہاری بیوی، اس گھر کی بہو ہوں، محبت تیاگ دوں مگر بے عزتی کی زندگی نہیں گزار سکتی۔ یقین دلاؤ کہ سب عزت کریں گے میری، تو میں کل ہی آ جاتی ہوں، سب بھلا کر آؤں گی۔ بس ایک بار کہ کہ مجھے معتبر مقام دو گے۔ میرے خلاف، میرے گھر، میرے بھائی، میرے ابو کے خلاف سب کو بولنے سے منع کرو گے۔ میرے ساتھ نہ سہی مگر میرے لئے کھڑے ہو گے۔''یاسیت میں ڈوبا دل اسے جذباتی کر گیا تھا۔معید کچھ نہ بولا۔

ادینہ کا لہجہ سوالیہ مگر تلخی سے بھر گیا تھا۔

''بولو نا معید ......چپ کیوں ہو؟''

''میں کوشش کروں گا۔''جواباً وہ اتنا ہی بول پایا۔

''ناکام کوشش۔''وہ طنزیہ ہوئی۔

''ہم پھر بات کریں گے ادینہ۔''اس نے جان چھڑانی چاہی۔

سوال جواب اس کی الجھن و پریشانی بڑھا گئے تھے۔

''ہاں......ہم پھر بات کریں گے۔تکلیف بڑھانے کے لئے۔''وہ اندر ٹوٹ کر بکھرتی، چبھتی کرچیاں سمیٹنے لگی۔

معید نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

ادینہ نے غصے و طیش سے موبائل صوفے پر پھینکا، آج پھر وہ عذاب لمحوں میں گری تھی۔ آنسو پلکوں کے بند توڑ کر تسلسل سے گالوں پر بہنے لگے۔اس نے خود رونے دیا۔تاریکی و تنہائی اسے میسر تھی۔

زندگی اسے اس موڑ پر لے آئی تھی جہاں وہ اپنے آپ میں تنہا تھی۔ بالکل اکیلی، اور اب تو جیسے گمان کو بھی یقین ہونے لگا تھا۔ بے

بسی اس کا تماشہ بنانے پر تلی تھی۔ معید سے بات، بحث کے سوا کچھ نہ تھی۔ وا سے ساتھ ہونے کی یقین دہانی تو کرواتا......مگر کوسوں دور کھڑے ہو کر...... وہ کیسے اتنی دور سے اس کا ہاتھ ایک بار پھر تھام سکتی تھی۔ یہاں آتے وقت وہ خوش فہم تھی کہ شاید معید اس کے لئے اپنا فیصلہ بدل لے لیکن چھ ماہ کا عرصہ پلک جھپکنے میں گزر گیا تھا۔

دکھ برداشت سے زیادہ ہونے لگا تھا۔ اپنا آپ اسے بہت بے وقعت لگنے لگا۔

دس سال...... پورے دس سال......!

اس نے دکھ ہی تو سمیٹے تھے۔ وقار سعید کے انکار، معید سے شادی اور پھر کوثر بیگم کی عدالت...... جو برخاست ہونے سے قاصر...... آج اسے اس نہج پر لیا آئی تھی جہاں وہ ماں اور بھائی سے نہ اپنا درد بانٹ سکتی تھی نہ خود اسی عدالت سے عمر بھر کے لئے عمر قید کی سزا کاٹ سکتی تھی۔

معید کے فیصلے کے بعد بھی...... وہ خود فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

جھوٹ کے سہارے ماں کے گھر مزید رہنا بھی دشوار تھا۔ سچ زبان پر لانا بھی ناممکن تھا۔ لے بھی آتی اگر یہاں آنے کے بعد، مراد، ماہی اور کلثوم بیگم کا رویہ اسے مشکوک نہ کرتا۔ ان تینوں کے الجھن آمیز تاثرات اور باتوں کو مخفی رکھنے کی سعی اسے بھی اپنی کہانی بیان کرنے سے روک دیتے۔ وہ محض بہتری کی امید کے ساتھ ایک ایک دن کاٹے جا رہی تھی...... خاموشی کے ساتھ......!

مگر آج،

ایک بار پھر،

معید نے اسے مایوس کر دیا تھا۔

وہ رو رہی تھی...... بے تحاشا رو رہی تھی...... پچھلے دس سالوں سے کالی تاریک رات اور تنہائی اس کے غم گسار ساتھی تھی جو اس کے دکھوں کو زائل کرتے آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کرتے، وہ بھی کھل کر روتی اتنا کہ سحر ہونے تک آنکھیں خشک ہو جاتیں۔

اور وہ دن کے اجالے میں چہرے پر تازگی و خوشگواریت سمیٹنے کے لئے خود کو نئے سرے سے تیار کرتی۔

☆......☆......☆

مستبشرہ جمال کا حتمی فیصلہ جہاں اسے الجھن سے نکال چکا تھا وہیں اب دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

کوئی راہ واضح دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

گھر آنے کے بعد وہ چپ چاپ کمرے میں چلا گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے فلک کی بھیگی آنکھیں اور فریادی بے بس چہرہ تھا جبکہ سماعتوں سے فہمیدہ بیگم کی اسے دی جانے والی دھمکی ٹکرا رہی تھی۔ سوچیں، آصفہ بیگم اور مستبشرہ جمال کے الفاظ کی الجھی گرہیں کھولنے میں محو

تھیں۔ وہ متعجب زدہ، خود سے استفسار کرنے لگا...... کہ کیوں فلک کے اتنے قریب ہونے کے باوجود وہ اس کے جذبات تک رسائی حاصل نہ کر سکا...... کیوں آصفہ شاہ اور مستبشرہ جمال کی طرح فلک کی محبت کو محسوس نہیں کر سکا۔

اسے پہلے فلک پر غصہ تھا۔

مگر وہ اب بھی بدگمان نہیں ہوا تھا۔

فلک اسے ہمیشہ عزیز رہی...... شاید اسی لئے وہ با آسانی اپنی محبت سے دستبردار ہو گیا لیکن سب معمول پر آنے سے پہلے وہ فلک کے پاس، اس کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اپنے دل کو وہ گھر آنے تک سنبھال چکا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

شام کے قریب وہ کمرے سے باہر آیا۔ ارادہ فہمیدہ بیگم سے بات کرنے کا تھا۔

باقی گھر والوں سے پہلے چچی جان کو اعتماد میں لینا ضروری تھا۔ وہ انہیں ڈھونڈتا ہوا کچن تک آیا۔ وہ کپ میں چائے انڈیل رہی تھیں۔ اس نے زبان خشک ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے ذہن میں الفاظ ترتیب دیئے اور ہمت کر کے انہیں قدرے فاصلے سے پکارا۔

''چچی جان!''

آواز پر وہ پلٹیں اور سوالیہ اسے دیکھا۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

فہمیدہ بیگم نے خوفزدہ دل کے ساتھ مشارب شاہ کو دیکھا۔ انہیں لگا شاید وہ فلک کی شکایت کرے گا اس لئے فوراً معذرت کی۔

''مشارب بیٹا...... میں تم سے شرمندہ ہوں۔''

''چچی جان پلیز......'' وہ اپنی جگہ نادم ہوا۔

''فلک جذباتی ہے، بے وقوف ہے بلکہ پاگل ہے...... لیکن تم فکر مت کرنا میں نے اسے سمجھایا ہے۔ پھر بات کروں گی اس سے۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بولی تھیں۔

''چچی جان! میں کچھ اور کہنا......'' وہ نفی میں سر ہلاتا بتانے لگا مگر فہمیدہ بیگم سرعت سے اسے ٹوک گئیں۔

''میں بھی بہت پریشان ہوں مشارب...... بیٹی کو کسی بھی وجہ سے گھر والوں کے سامنے نادم یا بے عزت نہیں دیکھنا چاہتی۔ فلک کو خود تو احساس نہیں...... لیکن لڑکیوں کی ایک معمولی سی لغزش انہیں بے وقعت کر دیتی ہے۔ میں نہیں چاہتی آج تک اس گھر میں اسے جو محبت ملی، وہ فلک کی بے وقوفی سے نفرت میں بدلے۔ میں عارف کو اس کی وجہ سے بھائی صاحب اور بھابھی کی نظروں میں شرمندہ نہیں دیکھ سکتی۔ میں نہیں چاہتی کہ فلک کی ناراضی کی اصل وجہ عارف یا گھر کے کسی اور فرد کو معلوم ہو...... میں نے سوچ لیا ہے۔ تمہاری مستبشرہ سے

شادی سے پہلے میں اپنے بھانجے سے اس کی شادی کر دوں گی تاکہ اس کی وجہ سے تم دونوں کی خوشی اور زندگی برباد نہ ہو۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے اسے بتانے لگیں۔

مشارب شاہ چپ چاپ انہیں دیکھنے لگا۔ان کی آنکھیں بدنامی کے خوف سے ماند پڑی تھیں۔

''مشارب بیٹا......ایک ماں کی عاجزانہ درخواست ہے۔فلک کے بارے میں کسی سے کچھ مت کہنا۔میں اسے پھر سمجھاؤں گی۔ وہ تم سے معافی بھی مانگ لے گی۔'' وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہا۔

''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔میں عارف کو چائے دینے جا رہی ہوں۔'' وہ بات کسی اور کانوں تک پہنچنے سے پہلے سمیٹ کر جانے لگیں۔

مشارب نے سائیڈ پر ہو کر انہیں راستہ دیا، وہ آہستگی سے کچن سے باہر نکل گئیں جبکہ وہ ان کے ڈر کو محسوس کرتا مزید الجھا تھا لیکن یہ الجھن اسے ہی سلجھانی تھی۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ چچی جان مستبشرہ جمال کے انکار کے متعلق جاننے کے بعد فلک پر سختی کریں۔

جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔

جو آگے ہونا باقی ہے...... پرامن طریقے سے ہونا لازم ہے۔

وہیں کھڑے کھڑے ذہن میں آصفہ شاہ کا خیال آیا۔کچھ ڈھارس ملی۔وہ فلک کو بہو بھی بنانا چاہتی تھیں۔امید تھی کہ وہ سنجیدگی سے اس کی تمام باتیں سن کر اس کا ساتھ دیں گی۔کوئی بھی لمحہ مزید ضائع کئے بنا وہ ماں کی طرف گیا۔آصفہ شاہ اپنے کمرے میں تھیں۔ مشارب کو دیکھ کر مسکرائیں،اسے پاس بیٹھنے کو کہا۔

''امی! مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''کہو بیٹا!'' وہ تحمل سے سننے کو تیار تھیں۔

مشارب نے ایک لمبا سانس خارج کر کے شروع سے لے کر آخر تک تمام باتیں اور فہمیدہ بیگم کا فلک کو لے کر دھمکی اور ڈر و خوف ان کے سامنے بیان کیا۔سننے کے بعد وہ متعجب زدہ سی رہ گئی تھیں۔

''اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے معلوم ہی نہیں۔'' زیادہ حیران وہ اپنے بے خبر رہنے پر تھیں۔''میں فلک کے پاس گئی بھی تھی لیکن پتہ نہیں کیوں اس کی خفگی کو سرسری لیا۔'' وہ افسردہ بھی ہوئیں۔

''امی! آپ چچی جان سے بات کریں آج ہی...... بلکہ ابھی۔'' وہ سنجیدہ و پرسوچ تھا۔چچی جان پہلے بھی فلک پر ہاتھ اٹھا چکی تھیں اب مستبشرہ کی طرف سے انکار کے بعد وہ چچی جان اور فلک کے درمیان تلخی و بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔

''ہوں۔ تم ایسا کرو، فہمیدہ کو یہیں بلا کر لے آؤ۔ باہر تمہارے ابو اور عارف بھائی ہوں گے۔ یہاں بات کرنا مناسب رہے گا۔'' وہ بولیں۔

''امی! آپ نے انہیں سمجھانا ہے وہ فلک کو مزید کچھ نہ کہیں۔'' فلک کے لئے موجود دل میں نرم گوشہ فکر مند تھا۔

''کیوں کچھ کہے گی وہ...... فلک اس گھر کی بیٹی ہے۔ اسے اداس کر کے گھر کو ویران نہیں کر سکتے۔''

''امی! ایک بات پوچھوں؟'' جانے سے پہلے وہ رکا۔

''پوچھو۔'' انہوں نے اجازت دی۔

''آپ کو فلک پر غصہ تو نہیں ہے۔ آپ اسے بہو تو بنانا چاہتی تھیں لیکن یوں......''

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ میں نے فلک میں ہمیشہ بیٹی کا عکس دیکھا ہے۔ اگر میری سگی بیٹی ہوتی تو یقیناً فلک کی طرح ہی ہوتی۔ اور پتہ ہے مشارب۔ ابھی سب جاننے کے بعد میرا دل مطمئن ہے۔ میرا دل تم دونوں کے لئے دعا گو ہے۔ اور میری خواہش ہے ابھی جو فیصلہ تم نے کیا ہے اسے عمر بھر دل سے نبھاؤ۔ تمہارے دل میں مستبشرہ کو لے کر کوئی یا دبسیرہ نہ کرہ بلکہ فلک کے لئے خالص محبت ہو۔ تم فلک کو اس کی تمام نادانیوں سمیت قبول کرنا مشارب...... تم فلک کی محبت کے لئے اپنی محبت قربان کرنے جا رہے ہو۔ مستبشرہ کی محبت کی خاطر اپنی محبت سے دستبردار ہو رہے ہو۔ مجھے یقین ہے ایک خوبصورت، خوشگوار اور خوشیوں بھری زندگی تمہیں ثمر کے طور پر ملے گی۔ میرے بیٹے کا دل بہت بڑا ہے۔ ان شاءاللہ یہ فیصلہ تمہارے لئے کبھی پچھتاوا نہیں بنے گا۔'' وہ آسودگی سے مسکراتے ہوئے یقین سے بولیں۔

''ان شاءاللہ۔'' وہ بھی مسکرایا۔ چمکتی آنکھوں میں اب دکھ تھا نہ افسوس۔

''میں چچی جان کو بلا کر لاتا ہوں''...... مزید کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ اور توقف بعد فہمیدہ بیگم کے ساتھ دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔

فہمیدہ بیگم ک چہرے پر ہنوز سنجیدگی رقم تھی۔

''آپ نے بلایا آپا؟''

''آؤ فہمیدہ بیٹھو۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ آگے تو بڑھیں مگر سر جھکا لیا، اپنا آپ فلک کی وجہ سے مجرم لگنے لگا، کچھ مشارب نے بھی انہیں ندامت میں دھکیل دیا تھا جس نے ان کے کہنے کے باوجود بات کو راز نہیں رکھا تھا۔ مشارب چپ چاپ ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ آصفہ شاہ نے تمہیدی انداز میں بات شروع کی۔ فلک کو بہو بنانے کی، اپنی خواہش سمیت قاسم شاہ کی بھی خواہش کا بتایا۔ فلک کی محبت کو بھی مثبت انداز میں سامنے لایا البتہ مستبشرہ کا ذکر نہ کیا۔

"آپا...... میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی لیکن فلک نے مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کر دیا ہے۔ مجھے اس کی محبت کی نہیں، اس کی عزت کی فکر ہے۔ مجھے وہ لمحہ ڈرا رہا ہے جب وہ تمام صورتحال کھلنے کے بعد اپنے باپ کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ کیسے آنکھیں ملا سکے گی باپ سے...... تایا سے...... میرا تو سوچ کر ہی دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میں نے اسے سمجھایا، اس پر اعتبار کیا، لیکن وہ نہ سمجھی۔ آج میں آپ کے سامنے شرمندہ ہوں۔ کل اس کی وجہ سے سارے خاندان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ زہرہ آپا کو کتنی تکلیف ہوگی جب انہیں پتہ چلے گا...... میں نہیں چاہتی تھی کہ فلک یوں جذبات میں سب کے سامنے آئے...... اولاد بے اعتبار ہو جائے تو بے وقعت ہو جاتی ہے۔ فلک نے مجھے مایوس کیا ہے۔ آپ کو بھی مشکل میں ڈالا ہے لیکن آپ مشارب اور مستبشرہ کی منگنی کی تیاری کریں۔ میں اب اسے اپنے طریقے سے ہی روکوں گی۔"

فہمیدہ بیگم نادم تھیں۔

"فہمیدہ...... مشارب، فلک سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" البتہ آصفہ شاہ نے بات کو طوالت دینے کے بجائے آہستگی سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ تھاما۔

"جی......" اب کہ وہ حیران ہوئیں۔ انہیں لگا تھا کہ آصفہ شاہ اپنی اور شوہر کی فلک سے متعلق خواہش بتانے کے بعد، شاید انہیں منگنی طے ہونے کے بعد فلک کو سمجھانے کا کہیں گی اس لئے اپنی ندامت و فکر سمیت انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"مشارب نے تو خود مستبشرہ کا نام......" اب بات مکمل نہ کر سکیں۔

"وہ سب جلد بازی میں ہوا تھا۔ مشارب، فلک سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"نہیں آپا...... میں نے خود مشارب کو فلک سے کہتے سنا تھا۔ مشارب، مستبشرہ کو پسند کرتا ہے، اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ یہ سب فلک کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔ میں جانتی ہوں فلک نے آپ کو مجبور کیا ہوگا۔" وہ بیٹی سے سخت بدگمان ہوئیں۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے فہمیدہ۔" انہوں نے نفی کی۔

"میں ابھی فلک سے پوچھتی ہوں۔" شرمندگی پر یک دم غصہ غالب آ گیا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھنے لگیں مگر آصفہ بیگم نے انہیں روکا۔

"فلک ابھی تک مشارب کے فیصلے سے بے خبر ہے۔ آرام سے بیٹھو فہمیدہ۔ میری بات سنو۔ فلک کی عزت اور خوشی ہمیں بھی عزیز ہے۔ اس کا دل اجاڑ کر مشارب اپنی زندگی آباد نہیں کرنا چاہتا، یہ سراسر مشارب کا فیصلہ ہے۔" بہت واضح الفاظ میں وہ بولیں۔

دانستہ، مستبشرہ کی ذات کو بیچ میں لانے سے گریز کیا۔ اس کی علی سے محبت کو بھی سامنے لانے سے گریز کیا۔ انہیں فلک اور مستبشرہ میں سے کسی کا بھی بھرم نہیں توڑنا تھا۔ دونوں کی عزت اہم تھی۔ باہم عزیز تھی۔

"بہت مان سے ابھی اسی وقت تم سے فلک کا رشتہ مانگ رہی ہوں۔ انکار مت کرنا فہمیدہ۔" وہ بہت مان سے اب جواب مانگ رہی تھیں۔

وہ تذبذب کا شکار ہوئیں۔

''آپ زہرہ آپا کو کیا کہیں گی۔ وہ لوگ منگنی کی تیاری کر رہے ہوں گے۔'' سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''کچھ بھی کہہ لوں گی۔ کوئی برا نہیں مانے گا اور میں تمہیں بھی یقین دلاتی ہوں۔ فلک کو عارف بھائی یا کسی اور کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا پڑے گا۔ اس نے ایسا کچھ غلط نہیں کیا کہ وہ تمہاری یا کسی کی نظروں میں بے وقعت ہو۔ فلک کی محبت اور باقی کوئی بھی بات ہم تینوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ تمہیں اب شرمندہ ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ مشارب تمہارا بھی بیٹا ہے۔ بس اب فلک کو مجھے دے دو۔''

انہوں نے فہمیدہ بیگم کی ہر فکر کو رفع کرتے ہوئے یقین دلایا۔ جواب طلب کیا۔ وہ بناء کچھ بولے دھیرے سے مسکرائیں۔ آصفہ بیگم کو گویا جواب مل گیا تھا۔ آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔

مشارب بھی مطمئن سا مسکرایا تھا۔

''اب میری بیٹی کو کچھ مت کہنا......''

آصفہ بیگم نے پیچھے ہٹتے ہوئے استحقاق بھرے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو انہوں نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔ واپس پلٹتے وقت نظر مشارب کے مسکراتے چہرے پر پڑی تو تمام شکوک وشبہات بھی رفع ہونے لگے۔ دل طمانت سے بھر گیا۔

ان کے جانے کے بعد مشارب آگے بڑھ کر ماں کے گلے لگا۔

''شکریہ امی......آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔''

''خوش رہو۔''

''ویسے آپ کی بہو ہے بڑی خطرناک۔ میری تو عقل دنگ رہ گئی۔ کیسے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔'' وہ مذاقاً بولا۔

وہ مسکرائیں۔

''غصہ تو دیکھیں اس کا۔ کتنے دنوں سے کمرہ نشین ہے۔ ویسے بھی سچ میں نہیں پتہ تھا وہ اتنی محبت کرتی ہے مجھ سے۔'' ہلکے پھلکے انداز میں وہ مزید بولا تھا۔

''خوش قسمت ہو جو وہ تم سے اتنی محبت کرتی ہے۔ محبت سمیت اس کی قدر کرنا۔ خوش رہو گے۔'' وہ بولیں۔

''چلیں باہر۔''

اثبات میں سر ہلاتا وہ ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کچھ خود پر حیران بھی تھا کہ فلک کی محبت کا احساس، مستبشرہ کے عکس پر حاوی ہوئے، غصے وملال کا نام ونشان تک مٹا گیا تھا۔

فلک ابھی تک اپنے کمرے میں تھی۔ باقی سب افراد لاؤنج میں جمع تھے۔ فہمیدہ بیگم کچن میں کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ آصفہ بیگم بھی انہیں کی طرف چلی گئیں۔ فلک سے بات کرنے کا ارادہ، سید جمال شاہ کے گھر سے رشتے کے انکار کے بعد تھا۔ مشارب ابو اور چچا جان کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔ عثمان اور تیمور بھی تھوڑی دیر تک آ گئے تھے۔ سب ہی ملکی و دیگر معاملات پر گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو میں خلل توقف بعد فون کی مخصوص آواز نے ڈالا تھا۔ قاسم شاہ نے موبائل چیک کیا۔ سید جمال شاہ کی کال تھی۔ انہوں نے فوراً ریسیو کی۔ سلام کیا، حال احوال پوچھا۔ ابو کے منہ سے سید جمال شاہ کا نام سن کر مشارب چوکنا ہوا۔

''تو کیا مستبشرہ نے اتنی جلدی گھر والوں کو قائل کر لیا ہے؟'' سوچ نے تجسس بھی بڑھایا۔ ان کی باتوں پر توجہ دی۔

قاسم شاہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

''اچانک فیصلہ بدلنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی بھائی صاحب۔'' سنجیدگی سے ہی گویا ہوئے۔ عارف شاہ بھی نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھ رہے تھے۔

''میں معذرت خواہ ہوں قاسم شاہ لیکن مجھے لگتا ہے کہ ہم نے فیصلہ جلد بازی میں کیا تھا۔ مستبشرہ کو صرف بتایا تھا اس کی رائے نہیں لی تھی نہ اس سے اس کے مستقبل کے متعلق، اس کی خواہش جاننی چاہی تھی۔ اب اس کی خواہش کے متعلق علم ہوا تو یہی مناسب لگا۔ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اسلام آباد میں اپنا کوئی سکول وغیرہ بنانا چاہتی ہے۔ میں اپنی بیٹی کی خواہش، اس کی خوشی کے لئے پورا کرنا چاہتا ہوں۔ بیٹیاں ساری عمر باپ کے لئے اپنے دل کے منافی فیصلے کرتی ہیں اگر ایک بار باپ بیٹی کے لئے اس کی خواہش پوری کرے، بیٹی کو سمجھنے اور ساتھ دینے کی یقین دہانی کروائے تو باپ اور بیٹی کا رشتہ معتبر ہو جاتا ہے۔ مجھے میری بیٹی نے ہمیشہ عزت اور محبت دی، میرا مان سمان بڑھایا اب میں اس کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ گھر کی بات ہے اس لئے بلا جھجک آپ کو کال کی۔ مجھے یقین ہے آپ برا نہیں مانیں گے۔''

تمام حقیقت سے واقفیت نے فیصلہ آسان بنا دیا تھا۔ جھوٹ کا سہارا لے کر انہوں نے بیٹی کا بھرم بھی قائم رکھا اور فلک کی ذات پر بھی پردہ لازمی سمجھا۔ صرف اپنا فیصلہ اور خواہش، انکار کے ساتھ انہیں پیش کی۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکے۔ سید جمال شاہ نے ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے کال بند کر دی تھی۔

قاسم شاہ نے کال بند ہوتے ہی سب کی سوالیہ نگاہوں کو محسوس کرتے ہوئے انکار وجہ سمیت سب کے گوش گزارہ۔

آصفہ بیگم اور فہمیدہ بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں۔ انکار کی خبر سب کے لئے حیران کن تھی سوائے آصفہ بیگم اور مشارب کے......

مشارب البتہ اتنی جلدی مستبشرہ کے گھر والوں کے قائل ہونے پر حیرت میں مبتلا ہوا۔

گھر کا ماحول ٹھہراؤ کا شکار ہوا تھا۔

☆......☆......☆

ادھورا عشق تھا لیکن

مکمل کھا گیا مجھ کو

آئینہ شفاف تھا۔

احساس زیاں اسے جھنجوڑنے کے بعد ہوش وحواس میں واپس لے آیا تھا۔ وہ نظریں نہ چرا سکا۔ نہ اب مزید فرار مطلوب تھی۔ ماں باپ کے دکھ کا ازالہ کرنے حتمی سوچ کو زبان تک لے آیا۔ وہ سرمد گیلانی کے سامنے پختہ انداز میں سب کہہ گیا۔ سننے کے بعد انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا بلکہ خوشی کا اظہار کیا۔ اپنی بیماری کے بعد وہ بھی اب سنجیدگی سے کوئی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

''مجھے خوشی ہے علی کہ تم نے یہ فیصلہ کیا۔ اور سچ کہوں تو مجھے بھی پردیس نے تھکا دیا ہے۔ یہاں زندگی ہر لحاظ سے بہترین ہے۔ اپنا کاروبار بھی ہے لیکن اب طبیعت میں سکون نہیں۔ اپنے ملک، اپنے بہن بھائیوں کے پاس واپس جانا چاہتا ہوں۔ اب تک ارادہ ہی بنا رہا تھا لیکن تمہارے فیصلے نے میرے ارادے کو بھی تقویت دی۔ تم بے فکر ہو کر پاکستان جاؤ۔ میں یہاں تمام معاملات کو نپٹا کر ان شاء اللہ فیملی سمیت جلدی وہاں آؤں گا...... وہاں زندگی کا اپنا ہی مزہ ہے۔'' اپنا ارادہ بھی بتایا۔ اسے جلدی جانے کی اجازت بھی دی۔

وہ طمانیت بھری مسکراہٹ کے ساتھ ان کے گلے ملا۔

سرمد گیلانی نے اس کی پیٹ تھپتھپائی۔ افریشم جو کچھ دیر قبل وہاں آئی تھی غیر محسوس طریقے سے ایک جگہ کھڑی تمام باتیں سننے کے بعد لب بھینچے سب دیکھ رہی تھی۔ دل سوگواریت میں ڈوبا تھا۔ علی آیان حسن گیلانی کا فیصلہ اس کے لئے اطمینان بخش تھا مگر وہی فیصلہ اس کے دل کے لئے سراسیمگی کا ساماں پیدا کر گیا تھا۔ یکطرفہ محبت کا دکھ، مزید رنجش کا متحمل نہ رہا تھا۔ علی کی طرح وہ اپنی زندگی کے قیمتی سال الم و حزن کی نذر کر کے برباد نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جبراً علی کی زندگی میں شامل ہو کر بھی چہرے پر محبتوں کا رنگین نقاب سجا کر جھوٹی مسکراہٹ سے بھی خود کو مطمئن یا دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

علی ایک سرسری نظر اس پر ڈالے خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف گیا۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے توقف کے بعد اس کے پیچھے آئی۔ وہ صوفے پر بیٹھا موبائل میں منہمک تھا۔ وہ کھلے دروازے پر معمولی سی دستک دیتی اندر داخل ہوئی۔ علی نے آواز پر اس کی طرف دیکھا۔

''تو تم اب واپس جا رہے ہو؟'' وہ سوالیہ بولی۔ لہجہ خود بخود استہزائیہ ہوا۔

''ہاں۔'' اس نے سر کو جنبش دی۔

''مجھ سے بھاگنے کے لئے؟'' تلخی بھری مسکراہٹ کے ساتھ طنزیہ ہوئی۔

''نہیں۔'' اب کہ اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

''آنٹی خوش ہوں گی تمہیں دیکھ کر۔''

افریشم نے ''ہاں''، ''ناں'' پر فوراً بات بدلی۔علی کے مختصر جواب اسے اپنے دل پر کاری ضرب جیسے لگے تھے جو سوائے اذیت بڑھانے کے کچھ نہ تھے۔علی کی عدم دلچسپی اسے کمزور کرسکتی تھی۔سو موضوع ہی بدل دیا۔

''پتہ نہیں کیسے سامنا کروں گا ان کا۔دل مسلسل نادل ہے۔'' وہ بجھے لہجے میں بولا۔

افریشم نے چپ رہنے پر ہی اکتفا کیا۔

''تم نے ٹھیک کہا کہ میں بہت خودغرض اور بے حس ہوں۔آج تک میں صرف اپنی تڑپ کو محسوس کرتا رہا۔اسی تڑپ میں خود کو اذیت دیتا رہا۔ایک خول میں قید رہ کر بزدلی سے بے بسی کی چادر اوڑھے رہا۔ہر پل ٹوٹتا رہا مگر اپنی ذات کو مکر پرا کساتا رہا۔ادھوری محبت کو سنگلاخ چٹانوں سے ٹکراتا رہا،زخم کریدتا رہا،خوشی وسکون کو اسی زخم کے لئے نمک گردانتے خود سے دانستہ کوسوں دور کیے رکھا اور آگ میں جلتا رہا......آنکھوں کے سامنے مستبشرہ جمال کا عکس تھا......کسی اور دیکھنے کی فرصت نہ ملی۔کسی اور کے دکھ کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی کبھی خود کو فرصت ہی نہ دی۔ماں باپ کی بے قراری سے نظر چرا کر یہاں سے بھاگ آیا،ان کی پرواہ ہی نہیں کی اور نہ یہاں تمہیں سمجھ سکا،نہ تمہاری آنکھوں میں محبت دیکھ سکا۔تمہارے جذبات محسوس بھی کر لیتا تو شاید خودغرض و بے حس ہی بنا رہتا۔مستبشرہ کی ذات کے حصار سے نکلنا میرے لئے ناممکن تھا۔میں خود اسے خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اب کیا کرو......اب میرے دل،میری سوچوں اور میری زندگی میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔اسے اپنی ذات کے لئے کل سمجھتا تھا مگر اب وہ میری ذات کا معمولی جز و بھی نہیں رہے گی۔''

لب ولہجہ پختہ تھا۔

پہلے سے بالکل مختلف،محبت کی نفی کرتا۔

یادوں کی گٹھڑی اتارنے کی جہد،اسے یادداشت سے مستبشرہ جمال کا نام ونشان مٹانے تک لے آئی تھی۔اب پلٹ کر پیچھے دیکھنا ناممکنات میں سے تھا،اب بند گلی سے نکل کر اس نے آگے بڑھنا تھا۔دل پر چھایا سکوت توڑنا تھا۔

''مستبشرہ کا دل سفاک تھا،محبت اس کے لئے تب بھی مذاق تھی شاید اب بھی ہو۔میں نے کبھی اسے بددعا نہیں دی،نہ میں اس کے لئے غلط سوچتا تھا۔اب بھی نہیں سوچوں گا۔میں یقیناً اس کے دل ودماغ،گمان میں بھی کبھی نہیں آیا ہوں گا۔وہ اپنی زندگی میں مگن ہو گی۔شاید اب تو شادی شدہ بھی ہو......مجھے بس اب،آج کے بعد اس کا نام بھی نہیں لینا،اسے یاد نہیں کرنا......اور افریشم! کبھی اتفاقاً وہ میرے سامنے آ بھی گئی تو میں اسے نہیں دیکھوں گا۔اسے جاننے تک سے انکار کردوں گا۔پاکستان جانے سے پہلے میں اپنی بربادی کی داستان،دل میں دفن کر کے جاؤں گا......میرے دل میں اب اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔'' وہ اٹل آواز میں بول رہا تھا۔آج ہر لفظ اس کے لئے محبت وجذبات سے عاری تھا۔

افریشم اس میں بدلاؤ محسوس کرتی ہنوز چپ تھی۔علی آیان حسن گیلانی کو بولنے کا بھرپور موقع دے رہی تھی۔

''ابھی اگر پلٹ کر پیچھے دیکھو تو خود پر غصے آئے گا۔ ندامت، ملامت، پچھتاوا جتنا کروں کم ہے۔ اپنی زندگی میں نے خود عذاب بنائی، مما اور ڈیڈ کو اذیت دی، ان کی زندگی کے ساتھ سال بھی اپنی خود غرضی کی وجہ سے کرب کی نذر کیئے اور ان سے لاتعلق رہا۔ لیکن اب میں ان کے ہر دکھ، ہر آنسو کا ازالہ کرنا چاہت ہوں۔ ان کے پاس، ان کے ساتھ رہ کر ان کے لئے جینا چاہتا ہوں۔'' وہ بول رہا تھا۔

اداسی بھی تھی، شرمندگی بھی تھی۔

اخیر میں پرعزم ہوا۔

افریشم نے چمکتی آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ علی کی پرامید باتیں ولہجہ خوش آئند تھا۔ بالآخر وہ سمجھ گیا۔

''میں تمہارے فیصلے سے بہت خوش ہوں علی۔'' اسے سراہا۔

''اور میں تمہارا شکر گزار ہوں، یہ سب تمہاری وجہ ممکن ہوا ہے۔'' علی نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

وہ جواباً مسکرائی۔

''میری کوشش ہوگی اب میری وجہ سے کسی کو دکھ نہ ملے۔'' اس نے دھیمی آواز میں بات جاری رکھی۔ ذہن میں افریشم کی ''محبت'' جواب طلب تھی۔ ابھی اسے واضح جواب نہیں دے سکتا ہے لیکن اتنا طے تھا کہ غلط فیصلہ اب اسے نہیں کرنا۔

''ایسا ہی ہوگا۔''

''میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔'' اندرونی خفت مٹانے کے لئے وہ مزید بولا۔

اس بار بھی وہ محض مسکرائی تھی۔

اندر دھڑکتا دل البتہ خوش گمان ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سید جمال شاہ نے آج اسے معتبر کر دیا تھا۔ اس کی محبت کو عزت دے کر اسے سرشار و سرخرو کر دیا تھا۔ فضائیں معطر ہو گئی تھیں۔ وحشتیں تمام شدہ ہر منظر سے اوجھل ہونے لگی تھیں۔

''اسلام آباد میں سکول......؟''

زہرہ شاہ، شوہر کو کال ختم ہونے کے بعد متعجب و سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ مستبشرہ جمال بھی چپ رہ کر جواب طلب نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھے۔

''ہم اسلام آباد جائیں گے۔''

''کیوں؟''

''اپنی بیٹی کے لئے۔'' وہ سب سوچ چکے تھے۔

''کیا ممکن ہے جیسا آپ سوچ رہے ہیں ویسا ہی ہو۔'' زہرہ شاہ کشمکش کا شکار ہوئیں۔

''مطلب؟''

''مستبشرہ کے صاف انکار کے بعد ضروری نہیں وہ اب بھی مستبشرہ سے...... کتنے سال گزر گئے۔ وقت، حالات ورشتے انسان کو مجبور کردیتے ہیں۔ وہ ہماری بیٹی کی محبت سے لاعلم ہے۔ اس کے ذہن میں مستبشرہ کا منفی روپ ہوگا۔ مستبشرہ نے اس کی محبت کو رد کیا تھا۔ مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ اب وہ شادی شدہ بھی ہوسکتا ہے، بال بچے دار بھی ہوسکتا ہے۔ ہمارا وہاں جانا، اس کے اور ہمارے لئے بھی تکلیف دہ ہوسکتا ہے۔'' زہرہ شاہ نے جذبات کو ایک طرف کرتے ہوئے اپنے شکوک وشبہات ان کے سامنے رکھے۔

ان کی باتوں نے ایک پل کے لئے مستبشرہ جمال کے چہرے پر بکھرے انبساط کے رنگوں کو پھیکا کیا، اس متعلق تو وہ سوچ ہی نہ پائی تھی۔

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں زہرہ...... میں اپنی بیٹی کے لئے ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر ایسا کچھ ہوا تو مجھے یقین ہے جہاں مستبشرہ نے اتنے سال بنا کچھ کہے تحمل سے گزارے ہیں وہاں میں اب اسے بکھرنے نہیں دوں گا۔ ایک کوشش میں ضرور کروں گا۔ اپنی بیٹی کے لئے میں اتنا تو ضرور کرسکتا ہوں۔ اور اگر میں ناکام بھی ہوگیا تو کم ازکم دکھ نہیں ہوگا۔'' وہ پروثوق مگر سنجیدہ تھے۔

مستبشرہ خاموش رہی۔ دل ان کے لفظوں سے مسرور، قسمت کے لکھے پر سر تسلیم خم کرنے کو بے تاب ہوا تھا۔

''احسان آجائے گا۔ فلک اور مشارب کا معاملہ بھی حل ہوجائے گا۔ پھر ہم اسلام آباد چلے جائیں گے۔ میرا ایک دوست بھی وہاں رہتا ہے۔ مشارب بھی وہیں ہوگا۔ گھر اور سکول وغیرہ کے معاملات باآسانی حل ہوجائیں گے اور مستبشرہ ماشاءاللہ اس قابل ہے کہ وہاں بھی اپنے سکول کی خواہش کو محنت وکامیابی سے پورا کرلے گی۔ ہمیں بس اب اپنی بیٹی کا ساتھ دینا ہے زہرہ۔''

وہ تمام باتیں ترتیب دے چکے تھے۔

''ان شاءاللہ۔'' زہرہ شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بیٹی کی خوشی اور سکون انہیں بھی عزیز تھا۔

''تھینک یو اماں، بابا جان۔'' مستبشرہ نے بھی چپ توڑی۔ ان دونوں کو گلے ملتے ہوئے کہا۔

''ہمیشہ خوش رہو...... جیتی رہو۔''

سید جمال شاہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دل سے کہا۔ زہرہ شاہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

یہ لمحات معتبر تھے۔

ماں باپ کی محبتیں دامن میں سمیٹتی وہ خود پر رشک کر رہی تھی۔ ڈر وخوف کے کالے بادل چھٹ گئے تھے۔ اب منزل بھی واضح

تھی۔ اسے محبت کے لئے پرامیدی سے بس قدم آگے بڑھانے تھے۔

☆......☆......☆

ایک ہفتہ گزر گیا۔

مراد منصور کی غیر موجودگی نے کسی کے معمول پر اچھا برا اثر نہیں ڈالا تھا۔ ادینہ نے مہ روش کی طبیعت کے پیش نظر اپنے اندر برپا طوفان کو شانت کیئے خود کو نایاب اور اریبہ کے ساتھ ہر وقت مصروف رکھا۔ کلثوم بیگم بھی مہ روش کو آرام کی تلقین ک ساتھ پوتیوں کے چھوٹے موٹے کاموں میں لگی رہتیں۔ انہوں نے نفیسہ بیگم سے رابطے کے ذریعے وقار سعید کو ذہنی طور پر تیار رہنے کو کہہ دیا تھا۔ کسی بھی وقت مہ روش کو ہسپتال لے جانا پڑ سکتا تھا۔

وقار سعید آفس کے وقت بھی موبائل پر نظر رکھے رکھتا اور آفس کے بعد بھی گھر میں زیادہ وقت گزارتا۔ کام کے سلسلے میں مراد منظور کا اسلام آباد ہونا کسی کے لئے سوال نہ اٹھا سکا تھا۔

مہ روش بھی خاموش رہتی۔ لیکن اس کے اندر جدوجہد جاری تھی۔ وہ پرسکون رہنا چاہتی تھی، مراد منصور کی ذات کو اپنی سوچوں پر حاوی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مراد کی غیر موجودگی میں ایک ہفتہ اس کا قلب وذہن قدرے مطمئن تھا لیکن آج نایاب اور اریبہ کے سونے کے بعد عشاء کی نماز ادا کرتے وقت بار بار اس کا دھیان بھٹک رہا تھا۔ وہ بار بار اٹک رہی تھی۔ بھول رہی تھی، وجہ ساعتوں سے ٹکراتی بازگشت تھی۔

اپنے ہی ادا کیے الفاظ، بھیانک روپ دھارے اسے اندر تک ہلا کر رکھ گئے تھے۔ اپنے بددعائیہ الفاظ کی بازگشت اس کی روح کو ہراساں کرنے لگی تھی۔ دل کانپنے لگا تھا۔ اس نے بمشکل نماز ادا کی اور فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، لب لرزنے لگے تھے۔

"یا اللہ پاک...... میں کیا کروں، میرا دل پھٹ رہا ہے۔ خوودہشت مجھے مار ڈالے گی، میری بددعا کو رد کر دے میرے مالک...... مجھے بیٹی نہیں چاہئے۔ باپ کے ہوتے ہوئے بیٹیوں کے سر سے شفقت بھرے سائبان کی محرومی میری بیٹیوں کو بے وقعت کر رہی ہے، مراد کی لاتعلقی اس بار قطع تعلقی کا روپ دھار لے گی۔ میں اپنے لئے کچھ نہیں مانگتی۔ مراد کو بیٹا چاہئے۔ ایک بیٹا، اسے بیٹیوں کے پاس لے آئے گا۔ اس نے کہا تھا اگر بیٹا ہوا تو وہ بیٹیوں کے پاس آجائے گا۔ یا اللہ پاک، میں اپنے الفاظ پر معافی مانگتی ہوں۔ اپنے نصیب پر صبر کرتی ہوں۔ میری بددعا کو رد کردے میرے مالک...... میری بددعا کو رد کر دے۔"

وہ رونے لگی تھی، التجا کر رہی تھی۔ دعا کر رہی تھی۔

لفظ لفظ کرب میں ڈوبا تھا۔

گزارے سات سالوں نے آج اسے مکمل بے بس کر دیا تھا۔ سات سالوں کے دکھ، درد، فریاد آنسو میں گھل رہے تھے۔ اسے اپنی برباد زندگی کا غم بھول رہا تھا مگر بیٹیوں کی بے قدری اس کی روح کو گھائل کرنے لگی تھی۔ اب اسے نہ لفظی جنگ چاہئے تھی نہ سرد

جنگ ......اپنے لئے مراد منصور کے دل میں نرم گوشہ چاہیئے تھا نہ کوئی خوش فہمی پالنا چاہتی تھی مگر اپنی بیٹیوں کے لئے وہ جھکنا چاہتی تھی۔ اپنی انا، ضد اور غصے کو بیٹیوں کی خوشی، ان کی مسکراہٹ اور ان کے توجہ طلب بچپن کے لئے مات دینا چاہتی تھی۔ انہیں باپ کی محبت سے محروم نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان کے معصوم چہروں پر باپ کو دیکھ کر ابھرتے خوف و جھجک کی جگہ محبت و اعتماد کے ساتھ شوخی و شرارت دیکھنا چاہتی تھی۔

جو اس کے لئے حسرت بن گئی تھی۔

اپنی بد دعا کے رد ہونے کی دعا کرتی وہ خود کو بھول گئی تھی۔ یاد تھی تو بس بیٹیوں کی خوشی کی دعا، ان کے بہتر مستقبل کی فکر......وقت سرک رہا تھا۔ کانپتا دل خوفزدہ تھا، وہ مسلسل دعا کرنا چاہتی تھی۔ کر رہی تھی لیکن کافی دیر بعد اسے اٹھنا پڑا۔

رات گزر چکی تھی۔

وہ جائے نماز ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر لیٹی۔ گردن گھما کر نایاب اور اریبہ کو دیکھا۔ ان کی نصیب کی بہتری کی دعائیں خود بخود ہونٹوں کو حرکت میں لے آئیں۔ توقف کے بعد سونے کی کوشش کرنے لگی۔ دھیرے دھیرے دل و دماغ شانت ہونے لگے۔ ڈر و خوف مندمل ہونے لگا۔ بے چینی مدھم ہوئی۔ کئی باتیں یادداشت سے محو ہونے لگیں اور بالآخر نینداس پر مہربان ہوئی۔

ایک دو گھنٹے گزرے۔

اس کا جسم بے چین ہوا۔ ایک دو بار کروٹ بدلی اور آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں کھلتے ہی ہوش و حواس بحال ہوئے۔ ساتھ ہی درد کا احساس جاگا۔ اس کا ایک ہاتھ خود بخود کمر کی طرف گیا۔ بے چینی بڑھنے لگی تھی۔ زدرد کی شدت میں بھی رفتہ رفتہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اس نے ہمت کی اور بیڈ سے نیچے اتری، پاؤں میں چپل اڑائے اور دروازے کی طرف بڑھی۔ باہر نکل کر پھوپھو کے کمرے کی طرف رخ کیا۔

باہر چھائے اندھیرا و گھمبیر خاموشی اس وقت اسے وحشت ناک لگی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لیبر پین شروع ہو چکے ہیں مگر درد فی الحال قابل برداشت تھا۔ کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز پر ادینہ کی آنکھ کھلی تو فوراً لائٹ آن کی۔ دروازے کی جانب بڑھی۔ کلثوم بیگم بھی اٹھ گئی تھیں۔ ادینہ نے دروازہ کھولا۔ نظر مہ روش پر پڑی، پل بھر میں اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تمام صورتحال سمجھا گئے۔ فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اس کو اندر لائی، صوفے پر بٹھایا۔

''امی......ماہی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا۔ آپ اس کے پاس بیٹھیں میں ممانی جان کو کال کر کے وقار کو بھیجنے کا کہتی ہوں۔''

وہ کہتی ہوئی موبائل کی طرف بڑھی اور توقف کے بعد نمبر ڈائل کرنے لگی۔

کلثوم بیگم، فکر مند سی مہ روش کے پاس بیٹھیں۔ اسے تسلی دی۔

''سب ٹھیک ہوگا ان شاء اللہ۔''

''امی۔ میری بات ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر تک وقار آتا ہے۔'' ادینہ کال بند ہوتے ہی واپس ان کے پاس آئی۔

کلثوم بیگم نے سر ہلایا۔

مہ روش درد ضبط کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ کچھ نہ بولی۔

''میں ضروری سامان بیگ میں رکھ لوں۔'' ادینہ نے کہا۔ ساتھ ہی باہر نکل کر مہ روش کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وقار سعید وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ نفیسہ بیگم بھی آئی تھیں۔ ادینہ، مہ روش کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھی۔ کلثوم بیگم پوتیوں کی وجہ سے گھر میں رک گئی تھیں۔ مہ روش کا بھائی کے ساتھ ماں کو دیکھ کر حوصلہ بڑھا تھا۔ گھر سے ہسپتال تک وقت خاموشی و فکرمندی سے گزرا۔ نفیسہ بیگم کے لب مسلسل ورد کر رہے تھے۔ اللہ پاک سے سلامتی و آسانی کے لئے استدائیہ تھے۔ ادینہ نے گھر سے نکلنے سے پہلے فون پر ہسپتال میں بھی رابطہ کر لیا تھا۔ ہسپتال پہنچتے ہی اسے فوراً لیبر روم منتقل کیا گیا۔

رات گزر رہی تھی۔ سحر قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ تینوں فکرمندی سے کاریڈر میں بیٹھے تھے۔ دعا کر رہے تھے، صبر آزما انتظار بالآخر تمام ہوا۔ لیڈی ڈاکٹر مسکراتے چہرے کے ساتھ لیبر روم سے باہر آئی۔ ڈاکٹر کو دیکھتے ہی وہ تینوں اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

''مبارک ہو...... بیٹی پیدا ہوئی ہے۔''

ڈاکٹر نے مبارکباد کے ساتھ بتایا تھا۔ ان سب کے چہروں پر بھی طمانیت بھری آسودہ مسکراہٹ بکھری۔

''میری بیٹی ٹھیک ہے؟'' نفیسہ بیگم نے پوچھا۔

''جی الحمد للہ! ماں اور بیٹی دونوں ٹھیک ہیں۔ ہم تھوڑی دیر بعد انہیں روم میں شفٹ کر دیں گے۔'' لیڈی ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں بتاتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔

''یا اللہ پاک۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' نفیسہ بیگم اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گزار تھیں۔ دل میں شکرانے کے نوافل ادا کرنے کا تہیہ کیا تھا۔

''میں امی کو کال کر کے بتا دوں۔ وہ فکرمند ہوں گی۔'' ادینہ بولی اور گھر کا نمبر ڈائل کرتی ایک طرف چلی گئی۔

کلثوم بیگم نے کال ریسیو کی۔ ادینہ نے مبارک باد کے ساتھ انہیں بتایا۔ مہ روش اور ننھی پری کی صحت کے متعلق بتایا۔ انہوں نے بھی شکر ادا کیا۔ توقف بعد ادینہ نے کال بند کی۔ ایک خیال مراد کا بھی آیا مگر اگلے ہی پل سوچ کو رد کیا۔

''وہ یقیناً اس وقت سو رہا ہوگا۔'' زیر لب بڑبڑاتی گھر واپسی پر اسے کال کرنے کا فیصلہ کیا اور واپس نفیسہ بیگم کے پاس آئی۔

رات کا آخری پہر بھی گزرنے لگا۔

مہ روش کو روم میں شفٹ کیا گیا۔ وہ تینوں اس سے ملنے کمرے میں آئے۔ وقار نے مسکراتے چہرے کے ساتھ اسے مبارک باد دی۔ ادینہ نے ہاتھ تھام کر اپنی خوشی کا اظہار کیا جبکہ نفیسہ بیگم نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے تشکر کا اظہار کیا تھا۔ مبارک باد دی تھی جبکہ وہ کسی ردعمل کا اظہار نہ کر سکی۔

''کتنی پیاری ہے ماشاءاللہ۔''

ادینہ نے بھتیجی کو اٹھایا۔محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ستائش کی۔نفیسہ بیگم کی طرف ننھی پری کا چہرہ کیا۔انہوں نے اسے پیار کیا۔

''ماشاءاللہ......اللہ پاک نصیب اچھے کرے۔آمین۔''دعا کی۔

''آمین۔''وقار سعید نے کہتے ہوئے بھانجی کو دیکھا۔ہاتھ بڑھا کر اس کا نام ملائم گال چھوا۔ان تینوں کے چہروں پر خوشی و مسکراہٹ تھی۔

لیکن مہ روش کا چہرہ ساکن تھا۔درد و تکلیف کا اثر زائل ہو گیا۔مشکل وقت گزر گیا مگر بیٹی کی پیدائش کی خبر اسے رنجور کر گئی۔اس نے بیٹی کو نہیں دیکھا تھا۔اسے ان تینوں کی آوازیں بھی گہری کھائی سے آتی سنائی دے رہی تھیں۔باہر اندھیرا چھٹ رہا تھا،سحر ہو رہی تھی ہر طرف روشنی پھیل رہی تھی مگر اسے اپنا دل تاریکی میں ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔اس کی بددعا مقبول ہو گئی تھی۔دعا رد ہو گئی تھی۔تینوں بیٹیوں سمیت اپنا آپ دھند میں اوجھل ہوتا دکھائی دینے لگا۔آنکھیں پتھر ہو گئیں۔

آخری امید دم توڑ گئی۔

ایک اور زندگی سانس لے رہی تھی...... بے مول،بے وقعت ہونے کے لئے...... یہ احساس اس وقت اس کے لئے موت سے بدتر تھا۔اپنی سانسوں کی روانی اسے وحشتوں سے ملوانے لگی۔بے بس و مجبور سوچیں بکھر گئی تھیں۔مراد منظور کا عکس پتھرائی آنکھوں پر منعکس ہونے لگا۔وہ اندر ہی اندر الجھتی ہار گئی۔

لب سل گئے۔

برہم و متنفر نگاہیں ادینہ سے ہوتے ہوئے وقار سعید پر ٹھہر گئی تھیں۔اندر باہر گھٹن بڑھنے لگی تھی۔آج وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی تھی۔دل پر سوگواریت غالب آ چکی تھی۔

☆......☆......☆

فلک شاہ کی محبت جھوم اٹھی تھی۔

مستبشرہ اور مشارب کا رشتہ ختم ہونے کی خبر اس کی سماعتوں میں رس گھولتی،محبت کو دام بخش گئی۔آنسوؤں پر چمک غالب آ گئی۔لبوں پر مسکراہٹ سج گئی۔دل دردناک بھنور سے نکل کر گنگنانے لگا۔وہ سرشاری ہوا میں رقصاں اپنے پنکھ پھیلائے محو تھی۔

مستبشرہ جمال سے فون پر رابطہ و شکریہ ادا کر چکی تھی۔

فہمیدہ بیگم نے فی الحال اسے کمرے میں رہنے کی تاکید کی۔

وہ چپ چاپ ان کے کہے پر عمل پیرا خیالوں میں مشارب شاہ کے سنگ،اس کا ہاتھ تھامے،محبت کی راہ گزر کر قدم آگے

بڑھانے میں محو تھی۔

مشارب شاہ بھی وقتی طور پر خاموش رہا۔

البتہ قاسم شاہ سمیت باقی سب بڑے سنجیدہ تھے۔ گھر کی پہلی خوشی سوالیہ نشان بن کر انہیں سوچوں کے حوالے کر گئی تھی۔ عارف شاہ نے افسردگی کا اظہار کیا، دوبارہ سید جمال شاہ سے بات کرنے کا مشورہ بھی دیا مگر سید جمال شاہ سے بات کرنے کے بعد دوبارہ قاسم شاہ کو بات کرنا مناسب نہیں لگا۔ کچھ مشارب کی چپ بھی انہیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے پر آمادہ کر گئی۔ انکار کی خبر یادداشت سے محو ہونے لگی تھی۔ اب لاشعوری طور پر آنکھوں کے پردوں پر فلک کی تصویر آویزاں ہو گئی تھی۔ کسی سے بناء کچھ کہے ایک دن انہوں نے تحمل سے سوچنے میں صرف کیا۔

فلک انہیں بہت عزیز تھی۔

آصف شاہ بھی اسی سلسلے میں ان سے بات کرنے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھیں۔ جانتی تھیں کہ مستبشرہ کے لئے مشارب کی پسندیدگی سے پہلے وہ بھی فلک کو ہی بہو بنانا چاہتے تھے۔ اب اسی خواہش کو سامنے لانے کا صحیح وقت تھا۔ یوں فلک کا بھرم بھی قائم رہتا اور بناء کدورت تمام رشتے مضبوط ہو جاتے۔ خود وہ شوہر سے بات کرنے سے پہلے فلک کے سامنے بھی نہیں جانا چاہتی تھیں۔

گھر کا ماحول وقتی ٹھہراؤ کا شکار تھا۔

شام کی چائے کے بعد قاسم شاہ اپنی سوچوں میں ہی الجھے تھے جب مشارب کسی کام کے سلسلے میں ان سے اجازت لیتا باہر گیا تھا۔ آصفہ بیگم ان کے قریب بیٹھے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

''مشارب نے کسی اداسی یا خفگی کا اظہار نہیں کیا۔'' بیٹے کے جانے کے بعد وہ بیوی سے مخاطب ہوئے تھے۔

''آج کل بچے زیادہ سمجھدار ہیں۔ ایک دوسرے کی خواہش اور فیصلے کا احترام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔ مشارب نے مستبشرہ کی خواہش کی عزت کی ہے۔ ہر ایک کو اپنی مرضی اور حق کے لئے فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ میری مشارب سے بات ہوئی ہے۔ وہ بالکل بھی خفا نہیں ہے۔'' آصفہ بیگم نے سلیقے سے بات سمیٹی۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ بولے پھر توقف بھر کے لئے رکے۔

اب اپنی سوچ کو زبان دینا چاہتے تھے۔

''میں سوچ رہا تھا کہ اس گھر کی خوشی ماند نہ پڑے۔ مشارب نے تو کچھ نہیں کیا لیکن اب جب شادی کی بات چل ہی رہی تھی تو ہمیں اسے آگے بڑھانا چاہئے۔ انتظار کے بجائے جلد ہی مشارب کی شادی کر دیں۔ ہم دونوں پہلے بھی فلک کو بہو بنانا چاہتے تھے اب فلک ہی مشارب کے لئے بہتر رہے گی۔ دونوں کے بچے ہیں۔ میں چاہ رہا ہوں کہ مشارب سے بات کر کے عارف شاہ سے رشتے کی بات کر دوں۔''

انہوں نے دل کی بات کو زبان دی۔آصفہ بیگم بھی یہیں چاہتی تھیں۔شوہر کی بات پر مسکرائیں اوران کے فیصلے کو سراہا،ساتھ ہی بولیں۔

''میں نے اس سلسلے میں مشارب سے بات کی تھی۔اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

قاسم شاہ کی مشکل ہی آسان کردی۔سنتے ہی انہوں نے طمانیت بھری گہری سانس خارج کی تھی۔راہ ہموار تھی۔کچھ دیر مزید اسی سلسلے میں بیوی سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔تمام فکر رفع ہو گئی تھی۔رات کو مشارب واپس آیا تو انہوں نے اپنی تسلی کے لئے اس سے بات کی۔مشارب نے بغیر کسی اختلاف و بحث کے اپنی رضامندی ظاہر کی۔وہ مطمئن ہو گئے۔

رات پرسکون گزری۔

بیٹے کے واپس جانے سے قبل ہی وہ فلک کے ساتھ اس کا رشتہ پکا کرنا چاہتے تھے۔سو اگلے ہی دن بھائی اور بھابی کے سامنے تمہید باندھی،ساتھ ہی اپنی اور بیوی کی خواہش کو بھی ان کے سامنے رکھا اور فلک کے لئے مشارب کا رشتہ پیش کیا۔فہمیدہ بیگم سب جانتی تھیں۔وہ خاموش رہیں جبکہ عارف شاہ نے آج سے پہلے کبھی بڑے بھائی کی کسی بات سے نہ اختلاف واعتراض کیا تھا نہ کبھی کسی معمولی بات پر کوئی جرح کی تھی۔اب جب وہ ان سے بیٹی کے لئے بات کر رہے تھے،اپنی اور گھر کی خوشی اور رشتوں کی پائیداری کے لئے سوالیہ بنے تھے وہ کیونکر سوچنے میں وقت صرف کرتے۔انکار کی تو گنجائش ہی پیدا نہ ہوئی۔

''بھائی صاحب!فلک آپ کی اپنی بیٹی ہے۔جیسا آپ چاہیں ہمیں کیوں کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔''وہ خوش دلی سے بولے۔

پراعتماد انداز میں اپنی رضامندی ظاہر کی۔قاسم شاہ نے انہیں گرمجوشی سے گلے لگایا۔آصفہ بیگم اور فہمیدہ بیگم بھی مسکراتے چہروں کے ساتھ گلے ملی تھیں۔فہمیدہ بیگم اتنی آسانی سے تمام مراحل حل ہوتا دیکھ کر جہاں اندر ہی اندر حیران تھیں وہیں بیٹی کا بھرم قائم رہ جانے پر شکر گزار،اپنا دل اس کی طرف سے صاف کر گئی تھیں۔

سب کے دلوں میں موجود گنجائش کسی کے لئے بھی کدورت،نفرت وعداوت کو پروان چڑھنے سے پہلے صفحہ ہستی سے مٹا گئی تھی۔

''بیشک اللہ پاک کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔''آصفہ شاہ نے شکر کے ساتھ اعتراف کیا۔

''اب چونکہ گھر کی بات ہے۔ہم آج ہی دعائے خیر وغیرہ کرتے ہیں اوران شاءاللہ دو ماہ بعد کی شادی کی تاریخ رکھتے ہیں۔گھر کی پہلی دوہری خوشی ہے۔فرض سے بھی جلدی سبکدوش ہو جائیں گے۔''قاسم شاہ نے وہیں کھڑے کھڑے سب طے کرنا چاہا۔

''دعائے خیر تو ٹھیک ہے لیکن شادی کی تیاری دو ماہ میں کیسے......؟''عارف شاہ کو اعتراض تو نہ تھا البتہ دو ماہ انہیں کم لگے تھے۔

''تیاری کس لئے......ہمیں صرف فلک اور مشارب کی خوشی مقصود ہے۔الحمدللہ ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں۔کچھ بھی نہیں چاہئے۔آپ کو دونوں کو رتی برابر بھی فکر و پریشانی کی ضرورت نہیں۔آج سے ہی فلک ہماری بیٹی ہے۔''انہوں نے واضح محبت بھرے لہجے میں کہا۔ساتھ ہی منع کیا۔اپنے گھر کی،اپنی اولاد کی بات کی تھی۔

وہ مسکرائے۔

''میں زہرہ اور جمال بھائی صاحب کو کال کر کے شام کو آنے کا کہہ دیتا ہوں۔'' وہ مزید بولے۔

اب اور نہ پہلے ان کا دل بدگمان ہوا تھا نہ رشتے کے لئے انکار کو انہوں نے انا کا مسئلہ بنایا۔ وہ نرم طبع، کشادہ دل کے مالک تھے اور اب تو مشارب اور فلک کی بات بھی پکی کر چکے تھے۔ دل کسی بھی قسم کی کثافت و عداوت سے پاک تھا۔ عارف شاہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا جبکہ فہمیدہ بیگم، آصفہ بیگم کے کہنے پر ان کے ساتھ فلک کے کمرے میں آئی تھیں۔ فلک ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بغور خود کو دیکھتی دھیمی آواز میں گنگنا رہی تھی۔ چہرے پر کل سے مسلسل شادابی تھی۔ مسحور کن مسکراہٹ ہونٹوں پر رقصاں تھی۔

''فلک۔'' فہمیدہ بیگم نے اسے آواز دے کر ہوش میں لانا چاہا۔

آصفہ بیگم اسے خوش دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

''جی امی۔'' آواز پر وہ یک دم سنجیدہ ہوئی۔ نظر تائی جان پر پڑی۔

''تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ بولیں۔

وہ سوالیہ ہوئی۔

''بیٹا! ہم نے تمہارا اور مشارب کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ شام کو دعائے خیر ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔'' اس بار سب جاننے کے باوجود آصفہ بیگم نے اسے بتایا، ساتھ پوچھا۔ لب و لہجہ پر مسرت تھا۔ فہمیدہ بیگم کے سامنے اس کی محبت اور احتجاج کا ذکر ضروری نہ سمجھا کہ کہیں انہیں شرمندگی نہ ہو۔

فلک نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

سماعتوں پر جیسے شک گزرا ہو۔ مستبشرہ اور مشارب کے رشتے کی بات ختم ہونے کے بعد جہاں فرط انبساط سے جھوم رہی تھی وہیں اتنی جلدی یہ سب ہو جانا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا البتہ خواب، حقیقت کا روپ دھارنے کے لئے بے تاب ہوئے تھے۔

خاموش نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ نارمل تاثرات لئے کھڑی تھیں۔ اپنے لئے ان کی آنکھیں غصے سے عاری لگیں۔ چہرے پر سختی کی کوئی رمق بھی نہ ملی۔ مگر ان کے سامنے بولنے کی سکت اس میں پیدا نہ ہوئی۔

''مشارب خوش ہے، راضی ہے۔'' اس کی چپ و حیرانگی پر آصفہ بیگم بولیں۔ پھر بات جاری رکھی۔ ''مجھے تمہاری مرضی جاننی ہے۔'' پوچھتے ہوئے انہوں نے فلک کی آنکھوں کو بغور دیکھا جہاں اب حیرانی پر مشارب کی رضامندی کی خبر سننے کے بعد چمک ابھری تھی۔ چمکتی آنکھوں میں چاہتوں کا اعتراف تھا۔

محبت یکطرفہ ہونے کے باوجود اس نے محبت کے لئے آواز اٹھائی تھی، احتجاج کیا تھا۔ دلی قرار کے لئے بھرپور سعی رنگ لے آئی تھی۔

''فہمیدہ بیگم بھی راضی ہے۔''

اس کے ہنوز چپ رہنے پر آصفہ بیگم نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کی مشکل آسان کرنی چاہی۔ وہ زیرلب مسکرائی۔

''سب راضی ہیں۔'' فہمیدہ بیگم بھی بولیں۔

''جلدی بتادو بیٹا...... دو ماہ بعد شادی ہے۔تم اگر یونہی چپ رہی تو کپڑے، جوتے، جیولری خریدنے کا ٹائم نہیں ملے گا۔'' آصفہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اسے مذاقاً خبردار کرنا چاہا۔

''میں راضی ہوں۔'' بالآخر وہ جی جان سے بولی۔الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ماں کی موجودگی میں قدرے شرم بھی آئے۔ چہرہ تمتمانے لگا۔

''خوش رہو، آباد ہو۔'' انہوں نے اسے پیار بھرے حصار میں لیا۔دل سے کہا۔ وہ سرخرو ہونے کے بعد مسرور تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اسے وہیں کمرے میں چھوڑنے چلی گئی تھیں۔ان کے جانے کے بعد فلک کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ دل کی سرخ دیواروں پر آویزاں مشارب شاہ کی تصویریں اس کی سوچوں پر دستک دیئے، اسے خیالوں میں محو کر گئی تھیں۔ مشارب کتنے دنوں سے اس کے سامنے نہیں آیا تھا مگر وہ اب مطمئن تھی۔ مشارب کی زندگی میں باقاعدہ شامل ہونے سے پہلے وہ صرف محبت کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ کر بھی رہی تھی۔

عثمان اور تیمور سمیت مشارب کو بھی شام کی تقریب کے متعلق بتایا گیا۔ دعائے خیر کے لئے خاندان کے باقی افراد کو بھی مدعو کیا گیا۔ گھر کی فضا خوشگواریت خوشی سمیٹ کر کھل گئی تھی۔ سب مطمئن تھے۔ عارف شاہ ٹائم نکال کر فلک کے پاس آئے تھے۔ فہمیدہ بیگم نے انہیں اس کی رضامندی کے متعلق مطلع تو کر دیا تھا مگر وہ اسے مشارب کے نام منسوب کرنے سے پہلے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر، اسے بہترین مستقبل کی دعا دینا چاہتے تھے۔ان کے پیار بھرے دعائیہ الفاظ فلک شاہ کے لئے قیمتی متاع تھے۔ متبسم لبوں کے ساتھ خاموشی کی چادر اوڑھے وہ ان کے سینے پر سر رکھے اپنی قسمت پر نازاں تھی۔ اس کا احتجاج راز بن چکا تھا۔

اور وہ اس راز کو بھول گئی تھی۔

محبت نے اسے مشارب سے پہلے ہوئی بدمزگی بھولا دی تھی۔

شام تک کا وقت چھوٹی موٹی تیاریوں میں گزرا۔ خاندان کے باقی بزرگ افراد کے علاوہ سید جمال شاہ، زہرہ شاہ اور مستبشرہ جمال بھی آگئے تھے۔ وہ تینوں اس رشتے سے بھی بہت زیادہ خوش تھے۔ کھلے دل سے مبارکباد اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ تھوڑی دیر بڑوں کے درمیان بیٹھنے کے بعد مستبشرہ، فلک کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ فلک اسے سامنے دیکھ کر ایک پل ضائع کیے بنا کھلکھلاتے ہوئے آگے بڑھی اور پرجوش انداز میں اس کے گلے ملی۔

''تھینک یو سو مچ مستبشرہ...... یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' دل سے بولی۔

''یہ سب محبت کی وجہ سے ہوا ہے۔'' مستبشرہ نے کہا۔

فلک کی اس دن یاسیت زدہ کیفیت کے بعد آج اسے یوں محبت وسرشاری کے خمار میں ڈوبا دیکھ کر وہ محبت کے سحر وطاقت کو جھٹلا نہ سکی۔

''تم نے میری محبت کو سمجھا میں یہ کبھی نہیں بھولوں گی۔''

''اچھا بتاؤ......مشارب سے بات ہوئی؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''میں نے کتنے دنوں سے اسے دیکھا ہی نہیں۔ نہ وہ میرے پاس آیا۔'' بتاتے ہوئے اس کی مسکراہٹ گم ہوئی۔

''اچھا۔'' وہ حیران ہوئی۔

''کہیں وہ ناراض تو نہیں مجھ سے۔'' اسے اب فکر نے گھیرا۔

''ناراض کیوں ہوگا۔ اتنی محبت کرتی ہو تم۔ اسے تو رشک کرنا چاہیئے۔'' مستبشرہ نے انداز ہلکا پھلکا رکھا۔

''لیکن وہ تم سے......'' فلک نے بات ادھوری رکھی۔

''یہ بات اب معنی نہیں رکھتی۔ مجھ سے محبت نہیں محض انسیت تھی۔ اس کے لئے تو سب کچھ تم ہو۔'' مستبشرہ نے اسے بے غم کرنا چاہا۔

''پھر وہ میرے پاس کیوں نہیں آیا؟'' اس نے خفا ہونا چاہا۔

''فلک......'' مستبشرہ نے جس پر مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

وہ کھسیانی ہوئی۔

''دل بڑا کرو۔ تم سے محبت تھی اسی لئے اس نے فیصلہ بدلا۔ اب تم صرف اس کی دوست نہیں ہو جو وہ سب کے سامنے تم سے ملنے آجائے اور شادی تک تم بھی ذرا احتیاط ہی برتنا۔'' سنجیدگی سے کہتی وہ آخر میں شرارت سے بولی۔

''اچھا......'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے منہ بسورا۔ مشارب شاہ کے بغیر تو اسے قرار منظور ہی نہ تھا۔

''منہ تو مت بگاڑو۔ چلو میں ایسا کروں گی دعائے خیر کے بعد مشارب کو لے کر یہاں آؤں گی۔ اب خوش۔'' وہ بولی۔

فلک کی آنکھیں روشن ہوئیں۔

''بہت خوش۔''

''چلو پھر تم یہاں ہمارا انتظار کرو۔ میں بعد میں آؤں گی۔'' مستبشرہ نے کہا۔ ساتھ ہی باہر چلی آئی۔ فلک کے چہرے پر محبت کی

شادابی اس کے خیال کو بھٹکانے لگی تھی۔فرار اختیار کرتی وہ باقی سب کے بیچ آ کے بیٹھ گئی۔وہاں اب مشارب سمیت سبھی موجود تھے۔

قاسم شاہ نے بسم اللہ کرتے ہوئے سب کو باقاعدہ دعائے خیر کے لئے کہا۔سب نے ان دونوں کے لئے محبت،خوشیوں،امن و بہتر مستقبل کے لئے ہاتھ اٹھائے۔بابرکت کلام و درود شریف کے پر اثر ہالے میں دونوں کو عرش کے مالک کے سامنے پیش کیا۔دعاؤں کے مستجاب ہونے کی دعا کی۔سب سے صلاح و مشورے کے بعد دو ماہ بعد شادی کی تاریخ بھی مقرر کی۔سب نے مبارک باد دی۔ مشارب شاہ کے سنجیدہ چہرے پر طمانیت کے گہرے تاثرات رقم تھے۔

فہمیدہ بیگم اور آصفہ بیگم کا کھانے کے لئے اہتمام کرنے کچن میں جانے کے بعد مستبشرہ نے موقع ملتے ہی مشارب کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور خود فلک کے کمرے کی طرف بڑھی۔مشارب نے نا سمجھی کے عالم میں اس کی پیروی کی لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے قدموں کو روکا۔

''رک کیوں گئے؟''

''میں اندر کیا کروں گا۔''

''فلک سے بات۔''

''باتوں کے لئے تو ساری عمر اب میں اسے درکار ہوں گا۔'' وہ ہنسا۔

''آج بھی کرلو......وہ سمجھ رہی ہے کہ تم اس سے ناراض ہو۔''

''ناراض کیا...... مجھے تو ڈر لگتا ہے اب اس سے۔''

''ڈر کیوں؟''

''دیکھا نہیں۔کیسے واویلا مچا کر سب کچھ چند دنوں میں اپنے حق میں کروالیا۔اتنی شدید محبت ہے اب ڈر ہی لگے گا بندے کو...... میری محبت تو بیچاری سمجھوتے کی نذر ہوگئی۔'' وہ غیر سنجیدہ تھا۔

''سب کا محبت کرنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔'' البتہ وہ سنجیدہ ہوئی۔''زندگی بعض دفعہ سمجھوتے کی وجہ سے خوبصورت ہو جاتی ہے۔''

''بالکل۔'' اس نے تائید کی۔

''اور میں فلک سے اب بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔اس سے شادی کا فیصلہ میں نے سوچ سمجھ کر اور دل سے کیا ہے۔میں بس خود کو تھوڑا ٹائم دے رہا تھا۔فلک پہلے بھی میرے لئے خاص تھی اور اب تو مگر زندگی میں باقاعدہ تمام حقوق کے ساتھ شامل ہونے جا رہی ہے......چلو اگر اسے لگتا ہے کہ میں ناراض ہوں تو ناراضی بھی دور کر دیتے ہیں۔'' وہ صاف واضح الفاظ میں بولا کہ حقیقتاً ایسا ہی تھا۔لب و لہجے میں نرمی و گنجائش تھی۔

فلک کے ساتھ اپنی نئی زندگی شروع کرنے سے قبل وہ دل و دماغ کو قائل کرنے میں کامیاب کسی بھی قسم کے رنج و ملال یا غصے کا شکار نہیں رہا تھا۔

مستبشرہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

مشارب کی انڈر اسٹینڈنگ نیچر نے اسے مرعوب کیا تھا۔

دونوں مزید ایک دوسرے سے کچھ کہے بناء کمرے میں داخل ہوئے۔ فلک بیڈ پر بیٹھی غیر مرئی نقطے کی طرف نگاہیں مرکوز کئے ہوئے تھی۔ آہٹ پر ہوش میں آئی اور دونوں کی طرف دیکھا۔ پہلی بار مشارب پر نظر پڑتے ہی شرم نے گھیرا۔ فوراً نظروں کا زاویہ بدلا۔

مستبشرہ کھل کر مسکرائی۔

''اللہ......فلک کو تو شرم آ گئی ہے۔'' اونچی آواز میں کہا۔

فلک کے رخسار لال ہوئے۔

''اب کیوں آ رہی ہے۔'' مشارب نے مسکراتے لبوں کو سمیٹ کر دانستہ بدمزہ لہجے میں کہتے ہوئے مستبشرہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

فلک نے فوراً سر اٹھا کر اسے گھورا۔

مستبشرہ محظوظ ہوئی۔

''میں اسی لئے اسے سکون کی دشمن کہتا تھا۔ میرا سکون برباد کر کے اب خوش ہو رہی ہے اور اوپر سے شرما بھی رہی ہے......میری خوشی کا تو اس نیذرا بھی خیال نہیں کیا۔ صرف اپنی محبت میں خود غرض بنی۔ اور اب زبردستی میری زندگی میں شامل ہو جائے گی۔'' وہ اسے ستانے کے لئے قدرے ترش لہجے میں بولا۔

فلک اس کے الفاظ سے بری طرح زچ ہوئی۔ نتیجتاً آنکھوں میں اڈتے آنسوؤں نے منظر دھندلا گیا۔ جسے محسوس کرتی جہاں مستبشرہ اس کی طرف بڑھی وہیں مشارب نے قہقہہ لگایا۔ جو فلک کو مزید ناگوار گزرا۔

''روؤ مت فلک۔ مشارب مذاق کر رہا ہے۔'' مستبشرہ نے اس کی آنکھیں صاف کیں مگر اس کا دل گھائل ہوا تھا۔ تسلی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ مزید آنسو پلکوں کا بند توڑتے گالوں کو تر کر گئے۔

''اسے کہو......مجھے اس سے بات نہیں کرنی۔'' آبدیدہ لہجے میں آواز کپکپائی۔

''اسے نہیں......اب......انہیں کہو!'' وہ باز نہ آیا۔ بارعب آواز میں تنبیہہ کرنی چاہی۔

''مشارب......'' مستبشرہ نے خفیف نظروں سے اسے دیکھا۔ روکنا چاہا کہ فلک اس کی باتوں پر ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔

''او کے۔'' وہ مسکرایا۔

''فلک! اب روؤ مت...... میں باہر جا رہی ہوں۔ تم دونوں کچھ دیر باتیں کرو۔''

مستبشرہ نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کچھ نہ بولی۔

''اور مشارب پلیز...... تنگ مت کرنا اسے ورنہ چپ کروانا مشکل لگے گا۔'' اس نے مشارب کو مخاطب کیا۔ جواباً مثبت جواب سر ہلا کر اس نے دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے باہر چلی گئی۔

''روتے ہوئے بری لگتی ہو...... چپ کرو اب۔'' مشارب نے کہتے ہوئے اس سے قدرے فاصلے پر جگہ سنبھالی۔

اس نے چپ چاپ آنسو صاف کئے اور لب بھینچے۔

''مجھ سے رشتہ استوار ہونے پر مبارک ہو۔'' وہ اب بغور اسے دیکھتا بولا۔

آج اسے دوست کی نظروں سے نہیں بلکہ دل کی نظروں سے اپنے حصار میں لیا تھا۔ دل کو اس کی صورت بھلی لگی تھی۔

''لیکن تم خوش نہیں ہو۔'' وہ نروٹھے لہجے میں بولی۔

''تم نہیں...... آپ کہو مجھے۔'' اپنی خوشی کی بات کو اس نے مذاقاً بدلا۔

''ہمیشہ میں نے تمہیں، تم ہی کہا ہے۔'' اس نے برا مانا، یاد دلایا۔

''پہلے تم صرف میری دوست تھی۔''

''اب نہیں ہوں؟''

''اب بھی ہو...... مگر دو ماہ بعد بیوی بن جاؤ گی۔'' وہ ہنسا۔ ''سب کے سامنے تم کہو گی تو چچی جان ماریں گی۔''

''تو ابھی سے ڈرنا چاہتے ہو؟'' اسے برا لگا۔ تنک کر پوچھا۔ شرم کو غصہ دکھا کر دبا رہا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی کی۔

''تم نے کبھی میری محبت محسوس نہیں کی۔'' اس نے بات بدلی اور بات جاری رکھی۔ ''حالانکہ تم نے ہی میرے دل میں محبت کا احساس جگایا تھا۔''

وہ جذباتی ہوئی۔

مشارب نے بغور اسے دیکھا۔

دماغ نے فوراً اسے ستانے کا ارادہ ترک کیا۔

''اب دل سے محسوس کر چکا ہوں۔'' اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔

فلک نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

وہ سنجیدہ تھا۔

''میں مستبشرہ سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر جب تم نے مجھ سے محبت کا اعتراف کیا، احتجاج کیا، مستبشرہ کو انکار کے لئے آمادہ کیا تب مجھے تم پر غصہ بھی آیا۔ میں تم پر چیخا چلایا بھی...... لیکن محبت کو تم نے اپنی زندگی کا جواب بتایا...... چچی جان سے تھپڑ کھایا...... میری وجہ سے، محبت کے لئے...... تب مجھے احساس ہوا میں تمہیں بے بس اور روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ تمہارے لئے میں نے اپنی محبت کو پس پشت ڈالا۔ یہ میرے دل میں تمہاری محبت کی وجہ سے ہی ممکن ہوا۔ اب میں تم سے ناراض نہیں ہوں بلکہ پورے استحقاق سے تمہیں دل میں بسا لیا ہے۔ تمہاری محبت کو اپنے سکون کے لئے سمیٹ لیا ہے۔'' مشارب شاہ نے اعتراف کیا۔ اپنی چاہتوں کو بڑے مان سے اس کے دامن میں ڈالا۔

''سچ میں...... میں ہوں تمہارے دل میں۔'' وہ یک دم خوش ہوئی، لب مسکرائے۔

''اس دل میں تم ہی تم ہو اب۔'' مشارب نے جذب سے کہا۔

فلک کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''ہمیشہ اس دل میں تم ہی رہو گی۔'' وہ وثوق سے بولا۔

فیصلہ کر لینے کے بعد وہ دو کشتوں کا مسافر ہرگز نہیں بننا چاہتا تھا۔ اپنی محبت کو یادوں کی گٹھڑی میں باندھے کندھوں پر بوجھ ڈالنے کے بجائے گہرے سمندر میں پھینک کر اب اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اب اسے بھی مان سمان دینا ضروری تھا اور خود بھی منزل کی طرف بڑھنے سے قبل اقرار ضروری تھا۔ اس کے سامنے اقرار کرے مشارب کے الفاظ گنگنائے تھے۔

فلک گویا خود کو ہوا میں رقصاں محسوس کرنے لگی۔ اس کی ضد نے کسی کثافت کو جنم نہیں دیا تھا۔

''وہ میرے دل میں بھی صرف تم بسے ہو مشارب!'' وہ بھی ایک بار پھر اعتراف کرنے لگی۔

''جانتا ہوں۔'' اس بار مشارب کو اس کا اعتراف بھایا تھا۔

''میں تمہارے بغیر زندگی جینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' وہ مزید کہہ رہی تھی۔

''میں کبھی تمہیں خود سے دور نہیں کروں گا۔'' مشارب نے اس کے جذبات کی عزت وقدر کرتے ہوئے وثوق سے کہا۔

اسے مشارب شاہ کے الفاظ سے ڈھارس واعتماد ملا۔

''مجھ سے ناراض مت ہونا۔'' استحقاق بھرے لہجے میں بولی۔

''کبھی بھی نہیں ہوں گا۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اور بھی جو اندر آ کر طنز کر رہے تھے، آئندہ مت کرنا۔'' وہ یاد آنے پر حکمیہ بولی۔

''نہیں وہ تو کروں گا اگر تم نے مجھے تنگ کیا تو۔'' مشارب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''نہیں کروں گی تنگ۔'' وہ برجستہ بولی۔

''وا......اتنی جلدی حامی بھرلی۔'' اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔ پھر مزید بولا۔

''وہ طنز نہیں صرف مذاق تھا۔''

فلک نے بھنویں سکیڑیں۔

''اور مذاق ایک طرف......ایک بات ابھی ہی واضح کر دوں۔ تم میرے لئے بہت خاص ہو۔ دوست تھی تب بھی عزیز تھی۔ اب میری زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہو تو تمہاری محبت، تمہاری خوشی، تمہاری مسکراہٹ اور تمہاری ہر خواہش میری اولین ترجیح ہے۔ میں تمہاری محبت کو اپنی محبت سے امر کروں گا اور یہ میرا وعدہ ہے تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں، میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔'' وہ چاہت سے بھرپور، سچے دل سے بولا۔ اپنی کیفیت وسوچ واضح کی۔ آنکھیں اس کی خوبصورت آنکھوں کو محویت سے دیکھ رہی تھیں۔

فلک پر شرم غالب آئی، فوراً نظریں جھکا گئی۔ ہونٹوں پر دلنشین مسکراہٹ برقرار تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آج کے لئے اتنی باتیں کافی ہیں۔ ابھی میں باہر جا رہا ہوں۔ باہر سب جمع ہیں۔'' ساتھ ہی بولا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ دل ہر لحاظ سے سرشار ہو گیا تھا۔ مشارب کے کہے الفاظ دائمی خوشیوں کی نوید سنا گئے تھے جبکہ وہ اسے پہلے کی طرح خوش اور مسکراتا دیکھ کر طمانت سے دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ہسپتال سے گھر آئے اسے چار دن ہو گئے تھے۔

مگر اس بار اندرونی صدمہ ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت کر گیا تھا۔ دل رنجور اور دماغ ملامت کر رہا تھا۔ اپنی بددعاؤں کی بازگشت سے روح گھائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے گویا مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایک بار، ایک بار بھی بیٹی کے معصوم چہرے کو غور سے نہیں دیکھ پائی تھی۔ شرمندگی وندامت حد سے سوا تھی۔ اپنے ساتھ ہوئی ستم ظریفی اور مراد کے دیئے ہر زخم کو بددعائیہ کلمات سے بھرنے کے لئے اس نے اپنے ہی وجود کے حصول کے لئے، اپنی بیٹیوں کے لئے، زندگی کو آزمائش بنا دیا تھا۔ جس سے ایک دن بھی اس کے درد کا ازالہ نہیں ہوا تھا بلکہ اندرونی امتحان کڑے ہو گئے تھے۔

اپنے دکھوں، آہوں، آنسوؤں اور غم کی پرچھائی وہ اپنی بیٹیوں کے لئے نہیں چاہتی تھی لیکن وہ بے بس ہو گئی تھی۔ وہی بے بسی اس کی بیٹیوں کو بند گلی میں لے آئی تھی جہاں امید کا کوئی روشن دیا تھا نہ نکلنے کے لئے کوئی راستہ۔

مراد نے ہمیشہ کی طرح اس سے بات نہیں کی تھی۔ کسی سے بھی نہیں کی تھی۔ ادینہ نے فون پر اسے بیٹی کی پیدائش کے متعلق آگاہ

کرتے ہوئے مبارک باد دی تھی۔ جواباً اس نے نہ ماہی کی خیریت دریافت کی تھی نہ نومولود کے لئے پیار بھرے جذبات والفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اس کا ذکر ضروری سمجھا تھا۔ نہ اس دن کے بعد اگلے چار دنوں میں گھر میں کوئی رابطہ کیا تھا۔ کلثوم بیگم بھی چپ تھیں۔ مراد نے خود کو بے فکر، لاپروا اور لاتعلق کرنے کے لئے دل کو مزید کٹھور کر دیا تھا۔ ماہی کی چپ بھی انہیں غمزدہ کر گئی تھی اور مراد کے رویے نے تو گویا ان کی سانسوں کو بوجھل کر دیا تھا۔ گھر کا ماحول، بہو اور پوتیوں کی بے رنگ زندگی انہیں گہری کھائی میں دھکیل گئی تھی جہاں سے نکلنے کی ہر جدوجہد و کوشش بے کار تھی۔

بیٹے کے سینے میں موجود پتھر کو توڑنا ان کے لئے ناممکنات میں سے تھا اور ماہی کے سینے میں آباد غموں کا جہاں ان کے ناتواں کندھوں پر وہ بوجھ ثابت ہو رہا تھا جسے وہ دانستہ اتار کر پھینک سکتی تھیں اور نہ اسے کسی کے ساتھ بانٹنے کا متحمل تھیں۔

ادینہ الگ گنجل سوچوں میں الجھی تھی۔ گھر کا ماحول، اداسی، چہروں پر ویرانی، گہری خاموشی اس کو سوالوں کی دلدل میں دھکیل گئے تھے۔ وہ بھی تاسف میں گھری، مایوس ہو گئی تھی۔ جانتی تھی کہ پوچھنے پر بھی اسے کسی سوال کا جواب نہیں ملنے والا...... لیکن اس بار وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ماہی کو دیکھتی تو دل پسیجنے لگتا۔ اس کی ظاہری حالت، آنکھوں میں ضبط کے باوجود ابھرتی نمی، جسے وہ حتی المقدور چھپانے کی کوشش میں سرگرداں رہتی...... ادینہ کو جھنجوڑ گئے تھے۔ چپ چاپ سب دیکھنا اور برداشت کرنا اس کی سکت سے باہر تھا مگر مجبوراً خاموش تھی۔

وقار نے مہ روش سے اجازت لے کر بھانجی کا نام شانزے اپنی پسند سے رکھا تھا۔ گھر میں مبارک باد کے لئے مہمانوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

ریحانہ خالہ، شاہدہ پھپھو، پریشے، معارج، سعید صاحب، شزا، عائزہ سبھی کل آ گئے تھے۔ اریش، عندلیب اور بچوں سمیت کسی دوست کے شادی کے لئے اس کے گاؤں گیا ہوا تھا۔ البتہ وقار سعید روزانہ وہاں چکر لگایا کرتا۔ ان کی ہر ضرورت بروقت پوری کرتا۔ پھوپھو مراد کی غیر موجودگی میں اس کے آنے اور مہ روش سمیت نایاب اور اریبہ کے لئے فکرمند دیکھ کر بظاہر شکر گزار تھیں مگر اندر دل ہر وقت پر ملال رہتا۔ مہ روش کی زندگی میں زہر بیشک ان کے بیٹے نے گھولا تھا مگر وجہ تو وقار سعید ہی تھا۔ ادینہ کا بھی کئی بار اس سے سامنا ہوتا مگر دونوں ایک دوسرے سے کلام نہیں کرتے۔ سلام کے بعد ادینہ منظر سے ہٹ جاتی تھی۔

ایک دو دن مزید اس معمول کے مطابق گزرے۔

ادینہ کو آئے چھ ماہ گزر چکے تھے۔

اس سے کسی نے اس بارے میں ذکر نہیں کیا تھا مگر وہ خود سراسیمہ تھی۔ اس دن کے بعد معید سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب ناچار معید سے رابطہ ضروری تھا۔ شام کے قریب جب کلثوم بیگم مہ روش کے کمرے میں شانزے کو اٹھائے اریبہ اور نایاب کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں وہ غیر محسوس طریقے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ذہن میں معید کا خیال ہی بھٹک رہا تھا۔ براہ راست اسے کال

کرنے کے بجائے پہلے میسج کے ذریعے سلام دعا کے بعد اسے شانزے کی پیدائش کے متعلق بتایا اور جب اس کا محض مبارک باد پر محیط جواب موصول ہوا تو توقف کے بعد اسے کال ملائی۔ کال ریسیو کرتے ہی معید نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا تھا۔

''تم نے اپنی ضد کو بہت طول دی ہے ادینہ...... سمجھوتہ کرلیتیں تو بار بار رابطے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کل میں نے امی کی بات مان لی لیکن میرے گھر کے دروازے اب بھی تمہارے لئے کھلے ہیں۔ آنا چاہو تو آ جاؤ...... ورنہ کس کس کو جواب دے کر مطمئن کروگی۔ تمہارے گھر والوں کو پتہ چلا تو بات شروع سے کھلے گی اور اگر بات شروع سے کھلی تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔''

وہ صاف، واضح و دوٹوک الفاظ میں بولا تھا۔

لہجے میں لچک تھی نہ انداز میں نرمی......

ادینہ کی آنکھیں نادانستہ نم ہونے لگیں۔

''یہ دھمکی ہے معید۔'' جب کہ الفاظ گہرے صدمے کی زد میں آئے تھے۔ دل پر ایک اور کاری ضرب لگی تھی۔

''تم جو بھی سمجھو۔'' وہ بے پروا ہوا۔

وہ بدترین اذیت سے گزری۔

''اب ضروری ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو ادینہ...... تمہاری منزل میرا گھر ہی ہے۔ جتنے راستے بدلوگی اتنی تکلیف برداشت کروگی۔ ضبط ٹوٹ گیا تو بھرم بھی ٹوٹ جائے گا۔'' معید نے ایک بار پھر سپاٹ انداز میں بال اس کی طرف اچھالا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

''مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ میں فون رکھتا ہوں۔'' وہ مزید بحث بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کہتے ہوئے اس کا جواب سنے بغیر کال بند کردی۔

ادینہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے معید نے اس کے کانوں میں پگھلتا سیسہ انڈیل کر اسے بھڑکتی آگ میں دھکیل دیا ہو۔ اس کا تن من جلنے لگا تھا۔ کرب بڑھنے لگا تھا۔ معید کے ساتھ گزرے دس سال...... اب عذاب لگنے لگے تھے۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کے لئے اس کے ہوش سلامت نہ رہے تھے۔

لائٹ آف کر کے تاریکی میں خود سے منہ چھپانے لگی۔ آنسو تکیہ بھگونے میں محو ہو چکے تھے۔ پھر کب اس کی آنکھ لگی اس کو معلوم نہ ہو سکا۔ کلثوم بیگم مہ روش اور پوتیوں سے فراغت کے بعد تقریباً تین گھنٹے بعد کمرے میں آئی تھیں تب وہ بے خبر سو رہی تھی۔ چہرے پر بازو رکھا تھا۔ انہوں نے اس کے آرام کے خیال سے لائٹ جلدی آف کی اور خود بھی سونے کے لئے لیٹ گئیں۔

اگلی صبح کا آغاز بھی معمول کے مطابق ہوا تھا۔

ناشتے کے بعد کلثوم بیگم، مہ روش کے پاس گئی تھیں۔ آج صبح سے اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ بخار بھی تھا اور شانزے کے ساتھ رات جاگنے کی وجہ سے سر میں بھی درد ہو رہا تھا۔ نایاب سکول چلی گئی تھی۔ اریبہ کمرے میں شانزے کے ساتھ بیٹھی اسے چھو کر خوش ہوتی تو کبھی مہ روش کی طرف لپکتی۔ کلثوم بیگم نے بڑی مشکل سے اسے بہلا کر گود میں بٹھا لیا تھا۔ مہ روش ٹیبلٹس لے کر تھوڑی دیر سونے کی کوشش کر رہی تھی اور جب اس کی آنکھ لگی تو کلثوم بیگم اریبہ کو لیے باہر آ گئیں۔ ادینہ کچن سمیٹنے کے بعد لاؤنج میں بکھرے کھلونے سمیٹ رہی تھی۔ اریبہ پر نظر پڑی تو کھلونے اس کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی کہ معاً دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کی توجہ بٹی۔

''میں دیکھتی ہوں امی۔'' ماں کو اٹھتا دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دروازے کی جانب بڑھی۔ توقف کے بعد دروازہ کھولا تو نظر مراد منصور پر پڑی۔ جو ہمیشہ کی طرح تمام تر سنجیدگی کے ساتھ ہاتھ میں بیگ اٹھائے کھڑا تھا۔

''السلام علیکم۔'' ادینہ نے فوراً سلام کیا۔ غیر متوقع طور پر اسے سامنے دیکھ کر چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟'' پوچھتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ مختصراً بولی۔ ساتھ ہی اس کی پیروی میں لاؤنج کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ اب کلثوم بیگم سے سلام کے بعد حال احوال پوچھ رہا تھا جبکہ ادینہ کی نظر اریبہ پر پڑی تھی جو باپ کو چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ اسے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھرتی نظر آئی تھی مگر وہ چمک صرف اس تک محدود تھی۔ مراد منصور ایک سرسری نظر اس پر ڈالے صوفے پر براجمان ہو چکا تھا۔ ادینہ کو اریبہ کے لئے برا محسوس ہوا۔ فوراً اس کی طرف بڑھی۔

''اچانک ہی آ گئے۔ بتایا کیوں نہیں؟'' کلثوم بیگم اس سے استفسار کر رہی تھیں۔

''بس یونہی ارادہ بن گیا تو آ گیا۔ دو دن بعد تو ویسے بھی آنا ہی تھا۔'' وہ بولا اور بات کے اختتام پر بھنویں سکیڑ کر ادینہ کو دیکھا جو اریبہ کو اٹھائے اب اس کی گود میں بٹھا رہی تھی۔ اریبہ کا جسم اگرچہ ساکن تھا۔

''کیا کر رہی ہو ادینہ...... تھکا ہوا ہوں میں۔'' اسے کبھی ایسی کوئی دلچسپی نہ رہی تھی نہ عادت تھی۔ اریبہ کو ہاتھ لگائے بغیر بے زاریت سے بولا۔

''کمال ہے...... بیٹیوں کو دیکھ کر تو باپ کی تھکن اتر جاتی ہے۔'' اس نے اپنی حیرت کو طنزیہ زبان دی۔

عام دنوں میں وہ کبھی ایسا نہ کرتی مگر آج اریبہ کو دیکھ کر یہ سب کرنا پڑا تھا۔ اریبہ کی چمکتی آنکھیں اور خاموش لب اسے بولنے پر بھی اکسا گئے تھے۔ اریبہ کو زبردستی اس کے حوالے کرتی پیچھے ہوئی۔ مراد نے بادلِ ناخواستہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا۔ اریبہ کے

چہرے پر جامد تاثرات متزلزل ہوئے۔اس نے اترنے کی کوشش ہی نہ کی۔اندر دھڑکتا معصوم دل انجانے احساس سے سرشار ہوا جیسے اس لمحے کے تعاقب میں ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد منزل کی طرف راہ ہموار ہوئی ہو۔

مراد نے ادینہ کی بات کا جواب نہ دیا۔

''ناشتہ لاؤں؟''اس کی چپ پر ادینہ نے بھی بات بدلی۔پہلی بار اریبہ کو اس کی گود میں دیکھ کر دل مطمئن ہوا تھا۔

''نہیں......ناشتہ راستے میں کر لیا تھا۔ایک گلاس پانی لا دو۔''وہ بولا۔

''اچھا میں ابھی لاتی ہوں۔''وہ کچن کی طرف چلی گئی۔تھوڑی دیر بعد پانی سے بھرا گلاس لیے واپس لاؤنج میں آئی۔گلاس اسے تھمایا،اس نے پانی پیا اور خالی گلاس اسے واپس دیا۔ادینہ گلاس ٹیبل پر رکھ کر دوسرے صوفے پر بیٹھی۔اریبہ ہنوز چپ چاپ مراد کی گود میں بیٹھی تھی۔کئی پل یونہی گزرے۔وہ کلثوم بیگم سے باتیں کرنے لگا۔

''مراد......شانزے بہت پیاری ہے۔اس کی آنکھیں بالکل تمہاری طرح ہیں۔''ادینہ کو لگا شاید وہ ماہی اور شانزے کے متعلق ان سے پوچھے گا مگر جب اس نے نہ پوچھا تو ادینہ نے اسے مخاطب کیا۔

اس کی دلچسپی کے لئے ستائشی الفاظ کا استعمال کیا۔اس کی اور شانزے کی آنکھوں کی مشابہت کو زیر بحث لایا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ مراد منظور کا کٹھور دل بیٹی کی پیدائش کی خبر کے بعد مزید سفاک ہو گیا تھا۔وہ فیصلے پر سختی سے کاربند تھا۔اس بار بھی اسے مہ روش اور نومولود سے دلی جذبات سمیت،لاتعلق ہونے میں کسی دقعت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔گھر واپس آنے سے پہلے وہ اپنے دل کو مزید کدورت سے بھرتا،متنفر ہو کر آیا تھا۔

لیکن اب ادینہ نے اسے کوفت میں مبتلا کیا۔پہلے اریبہ کو اس کی گود میں بٹھا کر اور اب شانزے کا ذکر کر کے۔

وہ جانتا تھا کہ سات سال گزرنے کے باوجود ادینہ،اس کے اور مہ روش کے تعلق کی سچائی سے لاعلم ہے۔بیٹیوں سے اس کی لاتعلقی کی اصل وجہ سے بے خبر ہے۔وہ اسے بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔اپنی بہن کو کسی بھی قسم کی ذہنی اذیت یا قلبی کشمکش کا شکار بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''اچھا......دیکھوں گا اسے بعد میں۔''سو آہستگی سے بولا۔

''مہ روش نظر نہیں آ رہی؟''پھر فوراً ماں کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔رات کو شانزے کے ساتھ بھی جاگتی رہی ہے۔ابھی سو رہی ہے۔''کلثوم بیگم نے اسے بتایا۔

اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ساتھ ہی اریبہ کو گود سے اتارا اور اٹھتے ہی ماں کے حوالے کیا۔

''میں کپڑے چینج کر کے آتا ہوں۔''اور کہتا ہوا بیگ اٹھا کر کمرے کی طرف چلا گیا۔

دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہا تو پہلی نظر بیڈ کی طرف گئی۔مہ روش کروٹ بدلے سو رہی تھی۔دروازہ کھلنے کی آہٹ پر

اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی البتہ اس کے پہلو میں لیٹا وجود کسمسایا تھا۔ وہ ایک پل کو رکا۔ ذہن میں ادینہ کے الفاظ گونجے۔ ایک دل چاہا کہ آگے بڑھ کر اسے دیکھے لیکن نہیں، وہ رکا، اس کی محویت ٹوٹی۔ شانزے نیند سے جاگ چکی تھی اور اٹھتے ہی وہ روئی تھی اور اس کے روتے ہی مہ روش کے وجود میں حرکت ہوئی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کروٹ بدل کر بیٹی کو چپ کرواتی۔ مراد منصور نے بھرپور زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانی چاہی تھی۔ بلند آواز، مہ روش کے کان کے پردوں پر ہتھوڑے کی مانند ٹکرائی تھی۔ اس نے سر گھما کر آواز کی سمت دیکھا تھا جہاں مراد منصور کی موجودگی اسے متعجب کر گئی تھی۔ اسے غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

''منحوس عورت......خوش تو بہت ہو گی میری زندگی میں نحوست پھیلا کر۔ اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ چپ کرواؤ اسے۔'' وہ زہر آلود نظر اس پر گاڑھے کھردری آواز میں بولا۔

مہ روش جواباً کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے بیٹی کو اٹھا کر بانہوں کے گھیرے میں محفوظ کیا۔ بانہوں کے جھولے میں ہلایا وہ جلد ہی خاموش ہو گئی۔

''میں خوش ہوں، بہت سکون ملا ہے مجھے کہ ایک بار پھر تمہاری بددعا قبول ہوئی ہے۔ ایک بار پھر تم نے مجھے بے غم کر دیا ہے۔ تمہاری بددعا مجھے کبھی بے سکون نہیں کر سکتی۔ خود ہی تڑپتی رہنا......جواب دینا اپنی بیٹیوں کو، جب پوچھیں گی کہ باپ پیار کیوں نہیں کرتا تو بتانا انہیں میں نے اسے مجبور کیا ہے۔ اس کے دل میں نفرت ڈالی ہے۔'' طنز و تضحیک سے اس کو تکلیف پہنچانے کی پوری سعی کرتا وہ خود کو ہر فکر سے بری الزمہ ظاہر کر رہا تھا۔

ماہی نے اس کٹھور شخص کو نہایت ناگواری سے گھورا تھا جس کا رخ اب دوسری جانب تھا مگر اپنی زبان سے وہ اس کی اذیت بڑھا گیا تھا۔

''دل ہے ہی کہاں آپ کے پاس۔'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی تنفر سے بولی۔ دل غبار سے بھرا پڑا تھا۔

سامنے کھڑا شخص اس کی زندگی برباد و عذاب کرنے کے بعد بھی معتبر بننا چاہ رہا تھا۔ بیٹیوں کے ساتھ اپنی ناانصافی کو بڑی آسانی سے نظر انداز کر کے اسے مجرم قرار دے رہا تھا۔ ماہی سے ضبط نہ ہوا۔ طبیعت خرابی نے دماغ پر بھی مضر اثرات مرتب ئے۔

مراد نے پلٹ کر برہمی سے اسے دیکھا۔

''جواب تو ضرور دوں گی......ابھی آپ کی اصل اور سوچ سے بھی بے خبر ہیں۔ جب پوچھیں گی تو سب بتاؤں گی۔ ایک ایک بات بتاؤں گی۔ جتنا بے غم، بے فکر رہا ہے رہ لیں۔ لاتعلقی کے لئے نئے نئے راستے نکالیں لیکن جس دن آخر کی اصلیت سامنے آئی، تینوں نفرت کریں گی آپ سے۔ پھر وہ اپنا ہر تعلق آپ سے توڑیں گی۔ تب آپ کا سکون متزلزل ہوگا۔ ہو سکتا ہے آپ پچھتائیں بھی۔ لیکن میں انہیں مجبور کروں گی کہ وہ کبھی آپ کے لئے اپنا دل موم نہ کریں۔ ایک پتھر دل باپ کے لئے کبھی اپنے اندر لچک و نرمی نہ لائیں۔ کبھی آپ کو معاف نہ کریں۔'' وہ مزید بولی تھی۔

لب ولہجہ اور آواز بھری ہوئی تھی۔

مراد منصور نے اسے اندر تک کھوکھلا کر دیا تھا۔بیٹیوں سے نفرت ولاتعلقی کا ہر باب نفرت کو شدت سے بڑھا گیا تھا۔چپ رہ کر وہ مراد منصور کے سامنے اپنی بے بسی اور بدعائیہ کلمات پر شرمندگی کا اظہار کر کے کمزور نہیں ہونا چاہتی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں، مراد منصور، تم سے یا تمہاری بیٹیوں سے کبھی معافی مانگوں گا، بھول ہے یہ تمہاری...... یہ ڈائیلاگ بازی اپنے تک رکھو۔آئندہ میرے سامنے یہ اصلیت، نفرت اور کوئی بھی بکواس کی تو جان سے ماردوں گا تمہیں بھی اور تمہاری بیٹیوں کو بھی...... اور تمہارے اس گھٹیا بھائی کو بھی۔زہر لگتے ہو سب کے سب مجھے۔'' وہ دھاڑتا ہوا اس کے سر پر پہنچا تھا۔

''محبت کے قابل تو آپ بھی نہیں ہیں۔'' وہ برجستہ تلخی سے بولی۔

''گھٹیا عورت۔'' مراد منصور کا ضبط تمام شد ہوا۔ہمیشہ کی طرح ہاتھ کے استعمال سے غصہ بھی اتارا۔

نتیجتاً شانزے ایک بار پھر رونے لگی۔

''آپ جیسا شخص اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتا۔اسے اپنی بہادری سمجھتے ہیں لیکن یہ سب بزدلوں کے حربے ہیں۔چار دیواری کے اندر عورت پر اپنا زور چلا کر لوگوں کے سامنے معتبر بننا...... اپنے اصل روپ کو چھپانا...... بالکل بھی بہادری نہیں ہے۔اپنے غصے اور نفرت کو بیٹیوں کے لئے زہر بنا کر آپ جیسا شخص ہی تسکین سے رہ سکتا ہے۔کر لیں...... اپنے سکون کے لئے جتنی ناانصافیاں کرنی ہیں کر لیں۔اللہ پاک نے آپ کو چھوٹ دے رکھی ہے لیکن میں نے اپنی بیٹیوں کا مقدمہ بھی اللہ کی عدالت میں پیش کیا ہے۔میری بیٹیوں کے مجرم ہیں آپ...... ان کی خوشیوں کے قاتل ہیں۔تمام بددعاؤں کی وجہ ہیں۔میرا اللہ سزا دے گا آپ کو۔اپنے ہر عمل کے لئے آپ کو جواب دینا ہوگا...... تب پچھتاوے ہی آپ کا مقدر بنے گا۔تب میرا اور میری بیٹیوں کا آپ سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رہے گا۔'' اس میں نجانے اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔مراد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ڈٹ کے بولی تھی۔

گود میں شانزے مسلسل روئے جا رہی تھی۔

''پچھتاؤ گی تو تم اب صحیح معنوں میں...... اب یہ ساری عدالت و وکالت کی باتیں دھری کی دھری رہ جائیں گیں۔اس بار تمہیں میں بتاؤں گا کہ مجھ جیسا شخص تعلق کیسے توڑتا ہے۔عروش ملی تھی مجھے اسلام آباد میں۔دو ہفتے میں اسی کے ساتھ تھا۔اب ساری عمر اسی کے ساتھ رہوں گا۔شادی کروں گا اس سے...... تب تمہیں تمہاری وقعت کا اندازہ ہوگا جس طرح عروش کو ہوا ہے۔محبت سمیت میرے قدموں میں گری ہے۔تم بھی بے بس و مجبور ہو۔تین تین بیٹیوں کے ساتھ دیکھتا ہوں کیسے تم خود تعلق توڑو گی...... تمام نفرت کے باوجود آج تک بناء کچھ کہے تمہارا اور تمہاری بیٹیوں کا خرچہ اٹھایا ہے۔اب جب ہاتھ تنگ کروں گا تو قدموں میں بیٹیوں سمیت گرو گی۔'' وہ حقارت سے ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا۔

مہ روش نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

عروش سے متعلق انکشاف اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا مگر آج پیسوں کا ذکر، احسان جتلا کر کرتا مراد منصور الگ ہی گھمنڈ و غرور میں جکڑا تھا۔ جسے فرض، احسان لگا تھا۔ جو حقارت اسے اپنا احسان جتانے کے بعد کھولتی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

مہ روش کو اس کے آخری الفاظ سفا کیت سے دل کے آر پار ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ دل سے تو مراد منصور کو سالوں پہلے نکال چکی تھی آج وہ اس کی نظروں سے بھی گر گیا تھا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' خود کو سنبھالتی وہ ٹھوس لہجے میں اعتماد سے بولی تھی۔

مراد کی شعلہ بار نگاہیں اسے ہراساں کرنے میں ناکام ہوگئی تھیں۔

''آپ کو شادی کرنی ہے شوق سے کریں۔ شاید یونہی آپ کے اندر چھپے ڈھکے شخص کو تسکین مل سکے۔ مجھے میرے بھائی سے نفرت پر تو ہر حربہ آزمانے کے بعد بھی مجبور نہ کر سکے۔ نہ میں آپ کی ادھوری محبت کے لئے اشتہار بن سکی۔ اس کمرے کی چار دیواری کے باہر میری چپ نے آپ کو بدترین مات دی ہے۔ اب بیٹیوں کو وجہ بنا کر خود کو مطمئن کریں۔ اپنی ہار کو جھوٹی انا کی خاطر نظرانداز کر کے چور راستے تلاش کریں۔ مجھے آپ کی شادی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا نہ میں اپنی بیٹیوں کو آپ کا محتاج بناؤں گی۔'' وہ خود کو مضبوط کر گئی۔ یوں تھا تو یوں ہی سہی۔

لب و لہجہ اٹل تھا، ڈر و خوف سے عاری۔

وہ اب مزید تضحیک برداشت کر سکتی تھی نہ کمزور پڑنا چاہتی تھی۔ اپنا نہ سہی مگر اسے اپنی بیٹیوں کا دفاع کرنا تھا۔ ہر حال میں کرنا تھا۔

''دیکھا جائے گا۔'' وہ کروفر سے بولا۔ غصہ ہمیشہ کی طرح آسمان کو چھونے لگا۔ شانزے گلا پھاڑ کر رونے لگی تھی۔ اسے مجبوراً قطع کلامی کرنی پڑی۔ ایک قہر آلود نظر ان دونوں پر ڈالے کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا جبکہ مہ روش اس کے بعد بیٹی کو بظاہر چپ کروا رہی تھی مگر اندر ہی اندر وہ تمام سکت ہار گئی تھی۔ آنکھیں اشکبار ہو چکی تھیں۔

سر درد، شدت اختیار کر گیا تھا جبکہ ذہن منتشر سوچوں کے ساتھ صحرا میں بھٹک گیا تھا۔

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

سات سال بعد......

وہ ان کے سامنے تھا۔ان کے پاس تھا۔

پہلے کی طرح ہنستے مسکراتے، شاداب چہرے کے ساتھ، ہر دکھ وادھوری محبت کو مات دے کر...... تشنگی کے بھنور سے خود کو مکمل طور پر نکالے واپس لوٹ آیا تھا۔حسن گیلانی سے بغلگیر ہونے کے بعد جب وہ ساجدہ گیلانی کے گلے ملا تو انہوں نے اسے سختی سے خود سے بھینچ لیا۔اپنی متاعِ جان کو اپنے سینے سے لگائے وجذباتی کیفیت سے گزری تھیں۔دل میں زمانے بھر کی طمانیت سما گئی تھی۔آنکھوں میں چمک تھی، آنسو تھے۔آنسو مگر خوشی کے تھے۔ان کی بانہوں کا حصار علی آیان حسن گیلانی کی سات سالہ تھکن کو قرار بخش گیا تھا۔اس کی آنکھیں بھی شرمندگی، ندامت وخوشی کے ملگجے تاثرات سے نم ہو گئی تھیں۔

ساجدہ گیلانی اپنی تمام تر ممتا سمیٹ کر اس کے چہرے کو چومتی رہیں۔قسمت نے ان تینوں پر مہربان گھڑی عطا کی تھی۔

اس کی آمد بہار کا سا تاثر لئے، ہواؤں، فضاؤں کو خوشگواریت سونپے معطر کر گئی تھی۔

سات سال بعد گھر کے در ودیوار یاسیت کی دبیز چادر کو اتار کر، خوشیوں کے رنگین رنگوں سے مزین پوشاک اوڑھنے میں مگن تھے۔ایک ایک پل دلنشین تھا، دلکش تھا۔ماں باپ کی محبت علی آیان حسن گیلانی کو زندگی کی اصل روح سے ملوا گئی تھی۔اسے زندہ رہنے اور زندگی کو جینے کا ڈھنگ سکھا گئی تھی۔

”مجھے معاف کر دیں مما، ڈیڈ...... میں اپنے پاگل پن پر شرمندہ ہوں۔میں سات سال آپ کی زندگیوں میں واپس تو نہیں لا سکتا لیکن اب میری ہر سانس آپ کی محبت کی مقروض رہے گی۔میں آپ کے لئے، آپ کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔سات سال اپنی جس کوتاہی کو محبت کا نام دیتا رہا اب وہ میری زندگی میں کوئی معنی نہیں رکھتی۔میں اس کا ازالہ کرنے واپس آیا ہوں...... میری زندگی پر اب میرا نہیں آپ دونوں کا حق اور اختیار ہے۔“

محبتوں وچاہتوں کا بھرپور اظہار کرنے کے بعد وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے ان دونوں کے سامنے بیٹھا دھیمی آواز میں معافی کا خواستگار ان کی محبت کو عقیدت سے مان بخش رہا تھا۔

حسن گیلانی نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا جبکہ ساجدہ گیلانی نے ایک بار پھر اسے گلے لگایا تھا۔علی آیان کی واپسی ہی ہر گلے شکوے کو مٹا گئی تھی۔بیٹا آنکھوں کے سامنے تھا۔دل میں ٹھنڈک سما گئی تھی۔انہیں اور کچھ نہیں چاہئے تھا۔

وقت چند پل کو ٹھہر کر ان قیمتی لمحات کو سمیٹنے لگا تھا۔اصل، سچی وکھری، بے لوث محبت آج معتبر ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کے تیور بگڑ گئے تھے۔

شکن آلو ماتھا لئے وہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ مہ روش سعید کے الفاظ، ڈروخوف سے عاری لہجہ، اٹل انداز اس کی انا کے خلاف تھا۔ نفرت وغصہ آسمان سے محو کلام تھا۔

اسلام آباد میں کام ختم ہونے کے بعد اتفاقاً عروش کا اس سے ملنا اور پھر مسلسل دو ہفتے ملاقاتیں، عروش کا اپنی ناکام شادی شدہ زندگی کے بعد شوہر سے طلاق لینا، اور سب سے بڑھ کر مراد منصور کے لئے دل میں نرم گوشے کا انکشاف، اعتراف محبت، اپنے کہے الفاظ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اقرار شکست اور مراد منصور کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش......!

مراد منصور نے سوچنے میں بالکل بھی وقت برباد نہ کیا تھا۔

عروش اس کی اولین مگر تشنہ محبت تھی۔ جو آج بھی اس کے دل میں قیام کئے، کسک کا روپ دھارے تھی اور اب وہی محبت خود اس کے سامنے امر ہونے کے لئے گڑگڑائی تھی۔ اسنے اپنی خلش بھی مٹانی تھی، ذہنی وقلبی سکون بھی چاہیے تھا۔ اس نے عروش سے کوئی سوال نہ کیا، کوئی گلہ نہ کیا، کوئی کٹھورن نہیں دکھایا......تشنہ محبت کا زبانی روگ نہیں الاپا۔ اس کی شادی شدہ اور طلاق یافتہ ہونے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس کی ناکام شادی شدہ زندگی کی کوئی وجہ دریافت نہ کی۔ اشکبار آنکھوں سے اقرار محبت کرتی وہ اسے شفاف وپاکیزہ لگ رہی تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ اسی لمحے حتمی فیصلہ کرتا اس کو آخری بار رونے کے لئے اپنا کندھا پیش کیا۔ وہ کھل کر روئی۔ رونے کے دوران خود مراد کو اپنی زندگی کے نشیب وفراز سے آگاہ کیا۔ اپنی ناکام شادی اور طلاق کی وجہ مراد منصور کو محبت ہی بتائی۔ وہ اس کی ہر بات کو صداقت سے دیکھتا ایمان لے آیا۔ اسے خوشیوں و پرسکون زندگی کا یقین دلایا۔ وعدے کرتا رہا۔ گزرے دو ہفتوں میں اس کے غمگین چہرے پر مسکراہٹ لے آیا۔

اس دوران وہ ماہی کو نظر انداز کر گیا تھا۔

عروش کے سامنے اپنی شادی اور بچیوں کو مخفی رکھے ہر فکر وغم سے بے غم رہنا چاہتا تھا۔ ادینہ کے کہنے پر بھی ڈیلیوری کے وقت آنے سے انکار کر دیا اور جب بیٹی کی پیدائش کی خبر ملی......تو حقیقتاً بے فکر ولا پرواہ ہو گیا لیکن گھر واپسی ضروری تھی۔ عروش سے جلد واپسی پر شادی کا یقین دلاتا وہ گھر واپس آیا مگر یہاں آتے ہی مہ روش سعید سے تلخ کلامی اس کا پارہ ہائی کر گئی تھی۔

اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ غصے میں اس پر ہاتھ اٹھانا اس کے لئے معمول تھا لیکن اس کے بعد مہ روش کی باتیں اس کے لئے آزمائش سے کم نہ ہوتیں۔ وہ اس سے اور وقار سعید سے مزید شدید نفرت کرتا۔ اسی نفرت کی بھینٹ بیٹیوں کو چڑھاتا۔

کلثوم بیگم اس کے بگڑے خطرناک تیور دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ اس کی وجہ سے باخبر تھیں۔ دل ہی دل میں اس کے پرسکون ہونے کی دعا کرنے لگیں۔ مہ روش کے سامنے جانے کی ہمت ان میں نہیں تھی۔ ادینہ کو بھی باہر ہی کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھا۔ انہیں مہ روش کا بھرم قائم رکھنا تھا۔ نایاب سکول سے واپس آئی تو اسے ادینہ کے حوالے ہی کیا۔

مراد بھی دوبارہ کمرے میں نہیں گیا تھا۔

شام تک فضا پر خاموشی ہی طاری رہی۔

ادینہ نے سب کے لئے چائے بنائی، مراد اور امی کو لاؤنج میں ہی چائے دی۔ اپنا کپ بھی وہیں رکھا البتہ مہ روش کے لئے چائے اندر لے جانے لگی تو نایاب اور اریبہ بھی اس کے ساتھ گئیں۔ مہ روش شام تک خود کو سنبھال چکی تھی۔ ادینہ نے اس کو چائے دی۔ ساتھ ہی بھتیجیوں کو باہر چلنے کا کہا۔

اریبہ تو فوراً دروازے کی طرف لپکی البتہ نایاب جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دراز کھولے کھڑی تھی ادینہ کی آواز پر دراز میں موجود البم جو وہ کچھ دیر پہلے ہی اٹھا چکی تھی انجانے میں اسے لئے ہی ادینہ کی طرف گئی۔ مہ روش شانزے کی طرف متوجہ تھی، نایاب کے ہاتھ میں موجود البم کو دیکھ ہی نہ سکی۔ نہ ادینہ نے دیکھنے کے بعد اسے البم واپس رکھنے کو کہا۔ ان دونوں کو ساتھ لیے دروازہ بند کر کے لاؤنج میں چلی آئی۔ اپنا کپ اٹھایا اور صوفے پر نایاب کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اریبہ اپنے کھولنے کے ساتھ مگن ہو چکی تھی۔

مراد نے چائے ختم کر کے کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک سرسری نظر پہلے اریبہ اور پھر تصویریں دیکھتی نایاب پر ڈالی۔ نایاب پر نظر ڈال کر واپس پلٹنے لگا تو ایک لمحے کو ٹھٹک کر رکا۔ آنکھوں کو شک گزرا، دماغ نے بھی یادداشت پر زور دیا کہ معاً سب یاد آیا۔ اندر یکدم الاؤ بھڑکا۔ آگے بڑھ کر تقریباً نایاب کے ہاتھ سے البم کھینچی، وہ اچانک افتاد پر بری طرح کر ادینہ کے قریب ہوئی۔

''کیا ہے یہ؟'' شک دور کرنے کے لئے ماں کو دیکھنے لگا۔ آنکھیں پل میں انگارہ ہو چکی تھیں۔

''نایاب کی سالگرہ کی تصویریں ہیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''کب کی؟'' اس کا غصہ بے قابو ہونے لگا۔

''ابھی جو پچھلے ماہ ہوئی تھی۔'' وہ بولیں۔ بیٹے کی اندرونی کیفیت سے اس وقت بے خبر تھیں جبکہ ادینہ کو اس کا لب و لہجہ حیران کر گیا تھا۔

''بے غیرت عورت...... منع کیا تھا میں نے اسے، لیکن باز نہیں آئی۔ بس بہت ہوا۔ آج میں نہیں چھوڑوں گا اسے...... زندگی عذاب کی ہوئی ہے میری۔'' وہ شدید طیش کے عالم میں چلایا تھا۔ صبح سے بگڑے تیور، عقل کو مات دیئے، غصے کو آسمان کی وسعتوں میں پھیلا گئے تھے، برہم لہجے میں کہتا جارحانہ انداز میں البم سمیت کمرے کی طرف گیا۔

کلثوم بیگم نے بے بسی سے اسے دیکھا جبکہ ادینہ اس کے الفاظ پر دنگ رہ گئی تھی۔ مراد کا غصہ اور مہ روش کے لئے تلخ الفاظ اسے لمحے میں جھنجوڑ گئے تھے۔

''جلدی جاؤ مراد کے پیچھے...... پاگل ہو گیا ہے۔ پھر مارنے لگ جائے گا اسے۔'' کلثوم بیگم نے خود اٹھتے ہوئے ادینہ کو عجلت میں کہا

تھا۔ادینہ ناسمجھی کے عالم میں تھی۔ان کے کہنے پر سرعت سے اٹھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے کمرے کی طرف گئی تھی۔دروازہ کھلا تھا۔

''کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم۔کیوں اپنی دشمن بن ہوئی ہو۔بہت شوق ہے مجھ سے الجھنے کا...... مار کھانے کا......آج میں تمہارے سارے شوق پورے کروں گا...... پھر دیکھوں گا کیسے میرے خلاف جاؤ گی۔''

کمرے میں داخل ہوتے ہی مراد منصور کے الفاظ اس کی سماعتوں سے ٹکراتے اسے اندر تک لرزا گئے تھے۔سامنے کا منظر کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ لگ رہا تھا۔مراد کے الفاظ کی تلخی سے زیادہ اس کا روپ وحشیانہ تھا۔وہ مہ روش پر جھپٹا ہوا تھا جبکہ مہ روش اچانک افتاد پر سنبھل بھی نہ سکی تھی۔

''مراد......کیا کر رہے ہو تم، پیچھے ہٹو......''ادینہ نے فوراً اسے اپنی پوری طاقت صرف کرتے ہوئے پیچھے کھینچا تھا۔

جب تک کلثوم بیگم بھی وہاں آ گئی تھیں۔

''اب میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔''وہ زور سے چلایا۔

ادینہ ماہی کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''خبردار جو اس معصوم کو دوبارہ ہاتھ لگایا۔''کلثوم بیگم نے اسے اسی کے الفاظ میں خبردار کیا تھا۔

''معصوم نہیں،گھٹیا ہے۔''اس کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

''خود کیا ہو......وحشی جنگلی......حالت دیکھو اس کی۔رحم کرو اس پر،تمہاری کوتاہی کی وجہ سے اس گھر کی خوشیاں دبک کر بیٹھی ہوئی ہیں۔کوئی پتھر دل انسان بھی اتنا کٹھور نہیں ہوتا۔بیوی اور بیٹیوں کی زندگی ویران کر کے سکون نہیں ملا تمہیں......اور کتنا نفرت کی آگ میں جلو گے۔خدا کا واسطہ ہے مراد! کچھ خوف کرو۔''کلثوم بیگم کی ہمت بھی آج جواب دے گئی تھی۔دونوں ہاتھ بیٹے کے سامنے جوڑے وہ بولی تھیں۔دکھ،درد،تاسف و شرمندگی انہیں کمزور کر گئی تھی۔

مراد نے کروفر میں نفی میں سر ہلایا تھا۔

ادینہ کے لئے یہ سب سمجھنا تکلیف دہ تھا۔جو کشمکش چھ ماہ کے اندر اس کے اندر پل بڑھ رہی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح سنگین و سفاک روپ دھار کر اس کے سامنے آئیگی۔اس کے عقب میں بیٹھی مہ روش بھی ضبط ہارنے لگی تھی،بے بسی و بے چارگی نے اس پر گھیرا تنگ کر لیا تھا۔تکلیف کی شدت آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا لے آئی تھی۔اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔جسے سنتے ہی ادینہ نے پلٹ کر اسے ترحم بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''ماہی......''اسے پکارا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے ہمدردی کی۔یہ اسی لائق ہے۔یہی اس کی سزا ہے۔اس گھٹیا وقار کے ساتھ مل کر میرے خلاف

جائے گی تو یہی حال کروں گا اس کا...... ساری عمر یونہی رو کر گزارے گی۔ تڑپے گی تب مجھے قرار ملے گا۔'' مراد نے ادینہ کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچا، تنفر بھرے، قہر آلود لہجے میں اپنے غبار کو کم کرنا چاہا۔ ماہی کا سسکتا وجود اس کی پر تپش نگاہوں کے حصار میں تھا۔

ادینہ نے دکھ و بے یقینی سے مراد منصور کو دیکھا۔

''مراد......'' پرملال آواز میں اس کا نام لیا۔

شور کی آواز سے شانزے رونے لگی تھی۔ کلثوم بیگم نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔

''اور تم......''

جبکہ مراد منصور نے یکدم ادینہ کو بھی لپیٹ میں لیا۔

''جھوٹ کیوں بول رہی ہو ہم سے۔'' تفتیشی نظروں سے اسے گھورا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اس کے جھوٹ سے باخبر وہ چپ تھا۔ خود اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا مگر آج غصے میں اسے رعایت نہ دے سکا۔

''کیسا جھوٹ؟''

''معید پاکستان سے باہر کہیں نہیں گیا۔ میں سب جانتا ہوں۔ میں نے خود اسے دیکھا ہے۔ اس کے بارے میں پوچھا ہے۔ تم جھوٹ بول کر چھ ماہ سے ہم کو بے وقوف بنا رہی ہو...... کیا وجہ ہے؟ کیوں جھوٹ بول رہی ہو؟'' وہ بتاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

ادینہ کے چہرے کے تاثرات جامد ہو گئے۔ اپنا وجود زلزلوں کی زد میں پھنسا محسوس ہوا۔ سماعتوں سے ٹکراتے اس کے سوال کسی بم دھماکے سے کم نہ تھے۔ اسے ہوش و حواس سنبھالنے مشکل لگے۔ حیرانی پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اس کا جھوٹ سامنے آ سکتا ہے۔ معید کے متعلق وہ مراد کی عدالت میں پیش ہو سکتی ہے۔

''کوئی وجہ نہیں ہے۔'' توقف کے بعد وہ بولی تھی مگر نہ لب و لہجہ پختہ تھا نہ آواز صاف تھی۔

''پھر کیوں بول رہی ہو جھوٹ۔'' مراد جواباً چیخا۔

کلثوم بیگم، معید سے متعلق جھوٹ، مراد کا شکی غصیلا لہجہ اور ادینہ کی آواز میں کپکپاہٹ پر متعجب زدہ سی رہ گئی تھیں جبکہ مہروش، اسے تو اپنا ہوش بھی نہ رہا تھا۔

''میں کل چلی جاؤں گی۔'' ادینہ نے فوراً جان چھڑانی چاہی۔

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' جس پر وہ مزید مشتعل ہوا تھا۔ ''مجھے بتاؤ۔ کیوں جھوٹ بول رہی ہو؟''

''کہا نا...... کل چلی جاؤں گی۔''

''پہلے مجھے وجہ بتاؤ؟''

''تمہیں میرے یہاں چپ چاپ رہنے پر کوئی مسئلہ ہے؟'' فرار ممکن نہ تھی اس نے دانستہ بات بدلنے کے لئے الگ مطلب اخذ کیا۔

''مجھے تمہارے جھوٹ سے مسئلہ ہے۔'' مراد کی آواز مدھم نہیں ہوئی، ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتا وہ اس کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔

''بتاؤ مجھے، کیا پریشانی ہے تمہیں؟ تمہارے ایک ایک دکھ کا بدلہ میں اس سے لوں گا۔ مجھے بس ابھی کے ابھی وجہ بتاؤ...... میں معید اور اس کی ماں کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

مزید کہتے ہوئے اس نے خونخوار نظروں سے مہ روش کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' مراد کے روپ سے خائف وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔ خود کو مضبوط کرتی نفی میں بولی۔ ''میں کل چلی جاؤں گی۔ میری معید سیبات ہوگئی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کل تمہارے ساتھ جاؤں گا اور اگر مجھے وہاں کوئی بھی گڑبڑ نظر آئی تو میں جو اس کے ساتھ کروں گا نا وہ سب تمام عمر یاد رکھیں گے۔''

ادینہ کا واضح جواب نہ ملنے پر وہ قطعیت وسفاکیت سے بولا۔ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ وہاں نہیں رکا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ادینہ، مہ روش کے قریب گئی تھی۔ وہ سر گھٹنوں میں چھپائے مسلسل رو رہی تھی۔ ادینہ نے امی کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں یاسیت و شرمندی تیر رہی تھی۔ مہ روش کا بھرم آج ادینہ کے سامنے ٹوٹ گیا تھا۔ جو وہ نہیں چاہتی تھیں۔

''ماہی! پلیز سنبھالو خود کو۔'' ماں نے ماہی کو ساتھ لگایا۔

''مجھے فی الحال اکیلا چھوڑ دو ادینہ۔'' وہ سر اٹھائے بغیر روندھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''روؤ مت ماہی۔'' مہ روش کی حالت دیکھ کر ادینہ کی آنکھیں بھی نم ہوئی تھیں۔ وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہ رہی تھی۔

''ادینہ۔ جاؤ یہاں سے۔ مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' جواباً وہ کھردرے لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہے ماہی۔''

وہ اس کی کیفیت سمجھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کلثوم بیگم بھی شانزے کو لئے بیڈ سے اتر گئی تھیں۔ اس نے سر ہنوز گھٹنوں میں چھپایا ہوا تھا۔ وہ ایک غمگین نظر مہ روش پر ڈالے ماں کی پیروی میں دروازے کی جانب بڑھی۔ باہر نکل کر دروازہ آہستگی سے بند کیا۔

کلثوم بیگم شانزے کو چپ کرواتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ادینہ کی نظر کمرے سے کچھ ہی فاصلے پر ڈری سہمی کھڑی نایاب اور اریبہ پر پڑی تو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں سختی سے دبوچ لیا ہو۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔ پھر انہیں لیے کمرے میں چلی گئی۔ شانزے چپ ہو چکی تھی۔ کلثوم بیگم نے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔

''امی......کیا تھا یہ سب؟ کیوں کیا مراد نے اتنا بدترین سلوک؟ کتنا زہر تھا مراد کیا اندر؟ ماہی سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے؟ اس نے تو محبت کی شادی کی تھی؟'' ادینہ، نایاب اور اریبہ کو بٹھانے کے بعد ماں کے سامنے کھڑی تھی۔

اس کے سوالوں نے کلثوم بیگم کے دل کو مزید دکھی کر دیا تھا۔

''مراد کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے اور پتھر محبت کا احساس نہیں رکھتے۔ اگر رکھتے تو موم ہوتے۔ اس نے محبت کو کبھی اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی۔ اس نے بدلے کی شادی کی تھی۔'' آبدیدہ لہجے میں بالآخر انہوں نے انکشاف کیا تھا۔

''کیسا بدلہ؟'' ادینہ دنگ رہ گئی تھی۔

اندر دھڑکتا دل، منہ کو آنے لگا تھا۔

''وقار سے بدلے کے لئے......وقار نے تم سے شادی کے لئے انکار کیا تھا اور اسی انکار کی سزا پچھلے سات سالوں سے مہ روش اور یہ دونوں بھگتتی آرہی ہیں۔ اب یہ معصوم بھی باپ کی نفرت کے سائے میں ڈری سہمی بڑی ہوگی۔ نفرت نے مراد کو اندر سے اتنا جلایا ہوا ہے کہ اس گھر میں کوئی سکھ، کوئی خوشی اسے برداشت نہیں ہوتی۔ بیچاری مہ روش چپ چاپ اس کا دیا ہر دکھ سہتی آئی ہے۔ کبھی کسی کے سامنے اس نے منہ سے آہ تک نہیں نکالی لیکن میں اسے دیکھتی ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اس کی خوشگوار ہنستی مسکراتی زندگی کو برباد کر دیا ہے مراد نے۔ اپنی بیٹیوں تک کو وہ وقار سے نفرت و غصے کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ کبھی کسی بیٹی سے پیار کے دو بول نہیں بولے۔ کسی ایک کو بھی گلے نہیں لگایا۔ کسی ایک کے سر پر بھی شفقت بھرا ہاتھ نہیں رکھا۔ بس ڈرا دھمکا کر، شور شرابہ کر کے، ان کی آنکھوں اور چہرے کو ویران کرتا آیا ہے۔ میں جب جب ان بچیوں اور مہ روش کو دیکھتی ہوں پشیمانی و شرمندگی کا احساس اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وقار نے تو صرف ایک انکار کر کے تمہاری زندگی کے لئے سوالیہ نشان کھڑا کرنا چاہا تھا مگر معید نے تمہیں رسوائی سے نکال کر عزت سے اپنا لیا۔ ہر خوشی دی لیکن مراد نے اسی ایک انکار کو مہ روش کے لئے عذاب بنا دیا۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ اس پر تنگ کیا لیکن خاندان کو جوڑے رکھنے کے لئے اس نے اپنے ہونٹ سی لئے۔ اپنے خواب مراد کی نفرت کی آگ میں جلا دیئے۔ خوشیوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ ادینہ! تم اس کی ظاہری حالت پر تشویش ظاہر کرتی تھی ناں۔ وہ بیچاری تو اندر سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ مراد نے اسے بے اعتبار کیا، محبت کے نام پر دھوکہ دیا، انتقام کا پھندہ اس کے گلے میں ڈالے ہر دن اسے اذیت دی، ایذا پہنچایا۔ لیکن وہ ضبط کرتی آئی۔ قسمت کا لکھا سمجھ کر صبر کر گئی......مگر مراد نہیں بدلا۔ کبھی نہیں بدلے گا۔'' کلثوم بیگم تمام حقیقت سامنے رکھنے کے بعد رو رہی تھیں۔

دکھ والم بھری ایک مکمل داستان ادینہ کی سماعتوں سے ٹکراتی، اسے اندر تک ہلا کر رکھ گئی تھی۔ دل و دماغ پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

اس کے ہر شکی سوال کو آج جواب مل گیا تھا۔

تمام الجھی گرہیں کھل گئی تھیں۔

تمام گنجلک دھاگے، گمشدہ سرا تلاش کرنے کے بعد اسے تھما گئے تھے۔ سرا ہاتھ میں آنے کے بعد اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ دماغ مگر اگلے پل متحرک ہوا تھا۔

وقار سعید کا انکار......

مراد منصور کا انتقام......

مہ روش کی برباد زندگی......

اس کا اور معید کا رشتہ......

وہ رشتہ......جس کی پیچیدگی اسے دس سالوں سے گھائل کرتی آ رہی تھی۔ وہ رشتہ جسے اس نے ماں اور بھائی کے سامنے خوشی، سکون اور طمانت کے رنگوں سے سجا کر، انہی رنگوں تلے، تاریکی و تنہائی میں دھوں کو بلکتے دیکھا ہے۔ حقیقی خوشی کے لئے ترستی اپنی آنکھوں کو انہی رنگوں سے مزین کیا تھا۔ وہی رشتہ، اسے بھنور میں پھنسائے، عورت کی بے بسی کی ایک اور داستان رقم کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ رشتہ جو اسے حتمی فیصلے کے قریب لا رہا تھا، وہ رشتہ جو کبھی اس کے لئے عزت کا باعث نہ بنا، وہ رشتہ جس کے لئے اس نے چپ چاپ ذلت برداشت کی۔

وہ رشتہ جو اب دوسری کشتی میں سوار ہو گیا تھا۔

آنسوؤں نے آنکھوں کا منظر دھندلا کر دیا۔ دھندلے منظر میں ایک طرف اپنا آپ نظر آیا تو دوسری طرف مہ روش کا وجود۔

مہ روش کے لئے مراد منصور کی دھمکی کی بازگشت بھی سنائی دینے لگی۔ جو ہو چکا تھا وہ بدترین تھا مگر آگے جو ہو گا اسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ مراد سے بات کرنا بے کار تھا سو معید کی بات ماننے میں، مہ روش کی سختی یقینی طور پر کم ہو سکتی تھی۔ امی نے البتہ مراد کی طرح اسے معید کے متعلق سوال نہ کیا تھا۔ وہ چپ چاپ کلثوم بیگم کے سامنے سے ہٹ کر ڈریسنگ ٹیبل کے قریب گئی۔ اپنا موبائل اٹھایا اور معید کو میسج بھیجا۔

''میں کل واپس آؤں گی معید۔''

میسج بھیجنے کے بعد موبائل واپس رکھ کر وہ اریبہ اور نایاب کے پاس آ گئی تھی۔ دل میں ان کے لئے ترس، ہمدردی و درد بڑھ گیا تھا۔ افسوس بھی بے تحاشا بڑھ گیا تھا۔ ان دونوں کو سینے سے لگاتے وقت آنسو پلکوں کے بند توڑے گالوں کو بھگونے لگے تھے۔

کانٹوں بھری رات بھی ابھی باقی تھی جس کا تصور اسے ہراساں کر گیا تھا۔

☆......☆......☆

علی آیان حسن گیلانی کی واپسی کی خوشی میں عافیہ گیلانی، ان کے شوہر اور بچوں کے علاوہ عمر اور اس کی فیملی کو بھی انوائیٹ کیا گیا تھا۔ گھر میں خوب رونق اور ہلچل تھی۔ سبھی چہرے مسکرا رہے تھے۔ علی کی واپسی، سب کے لئے طمانیت بخش تھی۔ پرانی باتوں کو زیر بحث لائے بغیر ہر ایک اس کے مستقبل کے لئے دعا گو بھی تھا۔ عمر بہت گرمجوشی کے ساتھ اس سے ملا تھا اور زوہا جو اس کے متعلق عمر سے اتنا کچھ سن

اوراسے سمجھ چکی تھی کہ علی سے ملتے وقت اسے بالکل بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

''واؤ......ماشاءاللہ......بہت پیاری بیٹی ہے تمہاری۔''علی نے زوہا سے ملنے کے بعد اس کی بیٹی کو بانہوں میں اٹھالیا۔

عمراورزوہا مسکرائے۔

''کیانام ہے پری کا؟''وہ اس کے گال چومتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''عروہ۔''عمرنے بتاتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''بہت پیارانام ہے۔''وہ ستائشی بولا۔

زوہا مسکرائی جبکہ عمرنے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔اس کے تاثرات محسوس کرنے چاہے جوکہ نام سننے کے بعد بالکل بھی متاثر نہیں ہوئے تھے۔

''عروہ اب چینج کر کے رکھا ہے؟''اسے خوشی ہوئی علی کو بتایا۔

''کیوں؟''

''تم نے جونام بتایا تھا پہلے وہ رکھا کہ تم ناراض نہ ہولیکن......''اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''لیکن کیا؟''سوالیہ اسے دیکھا۔

''آنٹی کو پتہ چلاتو بہت ناراض ہوئیں۔ان کے لئے نام بدل دیا۔''اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

علی نے تحمل سے سنا۔اسے اس متعلق کوئی علم نہیں تھا۔حیرانگی ہوئی لیکن اب دل کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''اچھا فیصلہ کیا ہے......راستے اورمنزل جدا ہوں تو زندگی کو یادوں کے حوالے کر کے دل کو بہلانا بے وقوفی ہے۔میں اپنی منزل کو نظرانداز کر کے بہت بھٹکا ہوں۔لیکن اب راہ بھی ہموار ہے اورمنزل کا پتہ بھی ہے۔یادوں کے عذاب سے خود کو نجات دلا چکا ہوں۔اب واپس مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتا۔''وہ سنجیدگی سے بولا۔

عمر مسکرایا۔اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''میں خوش ہوں علی کہ تم دیر سے سہی لیکن زندگی کی اصل سچائی سے واقف،ایک مثبت فیصلے کے ساتھ واپس آئے ہو۔''

جواباً علی نے محض ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اورپھر مزید کچھ کہے عروہ کو پیار کرنے لگا۔

باقی کا تمام وقت بہت خوشگوار گزرا تھا۔عمراورزوہا،عروہ کی وجہ سے جلدی ڈنر کے بعد واپس چلے گئے تھے جبکہ عافیہ پھوپھو کی فیملی کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ مزید ایک دو گھنٹے جاری رہا۔انہوں نے جانے سے قبل علی اور بھائی بھابی کو گھر آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ایک یادگار شام گزارنے کے بعد وہ سب بھی اجازت لے کر چلے گئے تھے۔ان کے جانے کے بعد وہ تینوں لاؤنج

میں بیٹھے تھے جب حسن گیلانی نے اسے مخاطب کیا۔

''علی...... پھر آفس کب تک جوائن کرو گے؟''

''جب آپ کہیں۔''

''کل ہی پھر میرے ساتھ چلے جانا۔'' انہوں نے کہا۔

''جی ڈیڈ۔'' اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ واپس آئے ایک ہفتہ بھی گزر چکا تھا۔ تھکاوٹ بھی اتر چکی تھی۔

''کچھ ماہ پہلے کام کا لوڈ بڑھ گیا تھا۔ میرے لیے سب سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ میرے دوست کا ایک جاننے والا نہایت قابل اور محنتی بزنس مین ہے۔ وہ اور ان کی مسز اپنا بزنس کرتے ہیں۔ میں نے دوست کی صلاح پر ان کے ساتھ پارٹنر شپ کی۔ دونوں بہت اچھے ہیں۔ بزنس کو سمجھتے ہیں۔ کامیاب بھی ہیں۔ مجھے ان کے خلوص نے بہت متاثر کیا۔ بہت محنت اور خلوص سے انہوں نے میرا ساتھ بھی دیا۔ کل دس بجے میری ان سے میٹنگ ہے۔ تم بھی ان دونوں سے مل لینا۔'' حسن گیلانی نے تفصیلاً اسے بتایا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ان کے لئے حسن گیلانی کے ستائشی الفاظ سے متاثر بھی ہوا۔

''جی ڈیڈ۔''

حسن گیلانی نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ بات وہیں ختم کی جبکہ ساجدہ گیلانی ان کے خاموش رہنے پر بولیں۔

''سرمد بھائی اور باقی سب بھی شاید اگلے ماہ تک آ جائیں۔ میں چاہ رہی تھی کہ جب وہ آئیں تو ہم باقاعدہ ان سے ملیں اور افریشم کے لئے بات کریں۔''

نظر بیٹے پر مرکوز تھی۔

''جیسے تم مناسب سمجھو۔'' وہ بناء اعتراض بولے۔

''تم کیا چاہتے ہو علی؟'' ساجدہ گیلانی نے اس کی رائے جاننی چاہئی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مما۔ آپ کی خواہش اور خوشی مجھے عزیز ہے۔ آپ جب، جیسے دل چاہے خوشی سے کریں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ وہ سرشار ہوئیں۔

''ہمیشہ خوش رہو۔ جیتے رہو۔'' دعائیں بولیں۔

علی مسکرایا۔ پھر توقف کے بعد ان دونوں سے اجازت لیتا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ذہن میں افریشم کا خیال کوندا تھا۔ موبائل نکال کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆......☆......☆

ایک اور رات، بھیانک رات اسے وحشتوں میں دھکیلے گزر گئی تھی۔

ادینہ کی موجودگی میں بے وقعت، بے عزت ہونے کا احساس پہلی بار اس کی سانسوں پر بھاری گزرا تھا۔ اسے نہیں آیا تھا۔ شرمندگی تھی جو اعصاب پر قابض ہو چکی تھی۔ سات سال وہ چپ رہی۔ ہر دکھ، درد برداشت کیا، سختی کاٹی، مراد کے دیئے ہر زخم پر لب سیئے، اف تک نہ کی کہ کوئی جان نہ پائے۔ طنز و تحقیر بھری باتوں سے اپنی روح کو چھلنی ہوتا دیکھتی رہی، چار دیواری کے اندر مراد منصور کو ہر ممکنہ حد تک اپنی ثابت قدمی سے جواب دیتی رہی۔ خود کو مضبوط ظاہر کرتی رہی۔ ہر کرب کو اندر ہی اندر دفن کرنے میں سرگرداں رہی۔

وہ کسی کو اپنی زندگی کے متعلق کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔

جو کل ہوا...... ویسے تو بالکل بھی نہیں۔

اسے اپنی بیٹیوں کے لئے سب کا پیار چاہیے تھا۔

ہمدردی یا ترس بھری نگاہیں نہیں۔ وہ انہیں مراد منصور کے بعد کسی اور کی نگاہوں میں غیر اہم ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بیٹیوں کی عزت نفس کبھی بھی مجروح ہو۔

مگر اتنے سالوں کا صبر بے ثمر ٹھہرا۔

مراد منصور سے نفرت بڑھ گئی تھی۔

وہ ادینہ سے نظر نہ ملا سکی۔

جسم پر لگے گھاؤ سے زیادہ ادینہ سے آنکھیں ملانا اس کے لئے تکلیف دہ تھا۔ ادینہ بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ کلثوم پھوپھو صبح اس کے پاس آئیں۔ چپ چاپ اسے ناشتہ دیا اور اس کے ساتھ سوئی ہوئی شانزے پر ایک سرسری نظر ڈالے واپس چلی گئیں۔ اس نے ان کے جانے کے بعد صرف چائے کے دو گھونٹ بھرے تھے۔ رات بھر اذیت برداشت کرنے سے سر درد سے پھٹے جا رہا تھا۔

اریبہ اور نایاب باہر ادینہ کے پاس ہی تھیں۔

مراد بھی رات بھر کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ چائے کا کپ واپس ٹیبل پر رکھ کر وہ لیٹ کر آنکھیں موند گئی۔ کچھ دیر گزری تو اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی مگر اس نے دانستہ آنکھیں وا نہ کیں لیکن دروازہ جس شدت سے بند کیا گیا وہ مراد منصور کی آمد کی علامت تھا۔ اس نے آنکھوں پر بازو رکھ کر مکمل لاتعلقی کا اظہار کیا۔

مراد نے ایک خاموش مگر قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔ ادینہ کو بھی تیار ہونے کا کہہ کر آیا تھا۔ ادینہ کے جھوٹ کے بعد وہ ٹال مٹول سے کام بالکل نہیں لینا چاہ رہا تھا۔ توقف کے بعد کپڑے تبدیل کر کے آیا تو مہ روش ہنوز اسی حالت میں لیٹی تھی۔ بال کنگھی کرنے اور باہر نکلنے تک وہ ناگواری و نفرت سے اسے دیکھتا رہا۔ اس بار بھی مہ روش نے دروازہ کھلنے اور بند ہونے پر آنکھیں

نہیں کھولی تھیں۔ وہ کمرے سے باہر آیا تو ادینہ ماں سے گلے مل رہی تھی۔ مراد پر نظر پڑتے ہی ماں سے الگ ہوئی۔ مراد چپ چاپ باہر نکل گیا۔ وہ اریبہ اور نایاب کو پیار کرتی اس کی پیروی میں باہر کی طرف بڑھی۔

کلثوم بیگم کا دل کل سے اس کے لئے فکر مند تھا۔ زیرِ لب سبق پڑھ کر اس پر پھونکا اور اپنی دعاؤں کے حصار میں اسے رخصت کیا۔ وہ باہر آئی تو مراد گاڑی میں اس کا بیگ رکھ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ مراد بھی بیگ رکھنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

دونوں کے مابین گہری خاموشی تھی۔

مراد پر سوچ انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ ادینہ کے اندر طوفان برپا تھا۔ فیصلہ کرنے کے بعد وہ واپس تو جا رہی تھی مگر آگے اسے دیکھ کر وہاں کیا ردِعمل ہوگا، معید کا سامنا، پھوپھو کی تنفر بھری نظر، زہر آلود لہجہ، طنزیہ و تلخ باتیں...... وہ تو برداشت کر لے گی مگر مراد کے سامنے......؟ مراد ایک معمولی بات برداشت نہیں کر سکتا، وہ کیسے اس کے جھوٹ کی لاتعداد وجہات کو چپ چاپ برداشت کر سکتا ہے؟ اس گھر میں، اپنی بہن کی تذلیل برداشت کرے گا...... اس انکشاف کا کیسے سامنا کرے گا جس کی وجہ سے وہ خود گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئی تھی، جس کا وسیع دل سے سامنا خود اس کے لئے سوالیہ نشان تھا۔

نہیں......!

اس کی زندگی میں شامل کسی فرد کا دل کشادہ نہیں ہے۔

کسی کے دل میں کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

سب کو اپنی اپنی عزتِ نفس پیاری ہے...... کوئی کسی کے نہیں جھک سکتا، سب کے سب رشتوں کے الجھن میں الجھے مجبور ہیں۔ وہ خود بے بس و مجبور ہے۔

کل کے واقعہ کے بعد بے بسی و مجبوری بھی بڑھ گئی تھی۔

خاموشی میں ہی سفر تمام ہوا۔ مراد نے گاڑی گھر کے قریب روکی۔ وہ نیچے اتری۔ مراد اس کا بیگ نکالنے لگا۔

''مراد......'' اس نے کسی سوچ کے تحت اسے پکارا۔

''بولو......؟''

''میں اب چلی جاؤں گی۔ تم واپس چلے جاؤ۔'' وہ بولی۔

اس کی بات پر مراد نے پہلے تو بغور اسے دیکھا پھر اسی لمحے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ یہ لو بیگ۔'' کہتے ہوئے بیگ اسے تھمایا۔

وہ اس کے اچانک مان جانے پر حیران ہوئی، ساتھ ہی دل میں ہی دل میں شکر ادا کیا۔ بیگ اٹھائے خاموش نظروں سے اسے دیکھا وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے لگا۔ ادینہ کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ قدم آگے بڑھائے اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ دوبارہ گاڑی سے نیچے اترا اور دبے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔

شکوک وشبہات کا شکار تو وہ بہت پہلے سے تھا مگر اس وقت ادینہ کے منہ سے واپس جانے کی بات اسے چوکنا کر گئی تھی۔ طوفان تو اس کے اندر بھی برپا تھا جسے وہ بھرپور شدت سے باہر نکالنا چاہتا تھا۔ غیر محسوس طریقے سے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا اور اس سے پہلے کہ دروازے کے اندر گھر کے افراد کو دیکھتا، سماعتوں سے ٹکراتی آواز، الس کے قدموں کو ساکت کر گئی تھی۔

''ارے دیکھو تو ذرا کون آیا ہے...... کیوں بی بی...... گئی تو بڑے دعوے کے ساتھ تھی کہ واپس نہیں آؤں گی۔''

یہ کوثر بیگم کے الفاظ تھے۔ تضحیک وتمسخر سے بھرپور۔

مراد بے تحاشا چونکا۔ یکدم کئی سوال ذہن میں ابھرے، تجسس بھی پروان چڑھا، لیکن چپ رہ کر آج وہ تمام وجوہات جاننا چاہتا تھا۔ اپنی جگہ پر قدم مضبوطی سے جمائے کھڑا رہا۔

''کیوں آئی ہو واپس؟'' کوثر بیگم کڑے تیوروں سے پوچھ رہی تھی۔ مزید بولیں۔

''جتنی نحوست پھیلانی تھی یہاں پھیلا چکی ہو۔ سالوں بعد میرے بیٹے کی زندگی میں خوشیاں آئی ہیں جنہیں اب میں برباد نہیں کرنے دوں گی۔''

''میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتی پھوپھو۔'' ادینہ نے بات بڑھنے وبگڑنے سے پہلے ختم کرنا چاہی۔

''آخری بار بحث تو تمہیں کرنی پڑے گی۔'' جبکہ وہ عجیب دھن میں بولیں۔

''میں معید کو بتا کر آئی ہوں۔'' جسے وہ نظرانداز کرتی واضح بولی۔

''اس گھر میں اب تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے بی بی......'' وہ بھی پرواہ کئے بغیر صاف بولیں۔ معید نے رات کو ہی انہیں ادینہ کی آمد کے متعلق آگاہ کر دیا تھا اور رات کو انہوں نے معید کو اپنا حتمی فیصلہ بھی دے دیا تھا۔ اب وہ مطمئن تھیں۔

''اور اب نہ معید کے دل میں، نہ اس کے کمرے میں ہے۔'' کوثر بیگم کی بڑی بہو شمائلہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا، لقمہ دیا۔

ادینہ نے لب بھینچے، وہ انہیں کوئی جواب دینا چاہتی تھی۔

''معید بہت خوش ہے اپنی دوسری بیوی کے ساتھ۔ تم جیسی بنجر عورت تو کبھی اسے خوش کر سکی نہ کبھی خوشی دے سکی۔'' کوثر بیگم کی منجھلی بہو وابکہ نے بھی اپنی باری پر کڑا وار کرنا چاہا۔

ساس کے فیصلے پر معید نے سر تسلیم ختم کر دیا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ تماشا دیکھنے اور بھرپور حصہ لینے کے لئے رات سے ہی تیار بیٹھے تھے۔

"مجھے معید سے بات کرنی ہے۔"

رابعہ کی بات پر جہاں ادینہ نے تحمل سے کام لیتے ہوئے لبوں کو جنبش دی تھی وہیں مراد منصور کو حیرتوں کے شدید دھچکے لگے تھے۔ معید کی دوسری بیوی کے ذکر نے اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی اور رہی سہی کسر ادینہ کی اس خبر پر حیرانگی و سراسیمگی کے بجائے معمولی جواب نے پوری کر دی تھی۔ وہ عجیب کشمکش کا شکار ہوا۔

"تو کیا ادینہ کو معید کی دوسری شادی کا علم ہے۔" یہ سوالیہ سوچ، ادینہ کے ردعمل سے مثبت جواب ملنے کے بعد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تھی۔

"بات تو معید نے بھی تم سے کرنی ہے۔" بھتیجی کی بے بسی کوثر بیگم کو محضوظ کر گئی تھی۔ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولیں۔ ساتھ ہی بڑی بہو کو اشارہ کیا۔ وہ اشارہ ملتے ہی معید کو بلانے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ ان میں سے کسی کی بھی نظر مراد منصور پر ابھی تک نہیں پڑی تھی۔

"پھوپھو۔ میں تمام باتیں دل سے نکال کر واپس آئی ہوں۔" کل رات کے بعد ادینہ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اس کو کوثر بیگم کی ہر کڑوی کسیلی بات برداشت کر کے تحمل سے کام لینا تھا۔ ان کے لہجے کی سختی نے اسے صلح جو انداز اپنانے پر مجبور کیا۔

"لیکن آج تک میں ایک بھی بات نہیں بھولی۔ نہ تمہارے باپ کی، نہ تمہارے بھائی کی۔ دماغ آسمان سے لگائے ہمیشہ اکڑتے آئے ہیں۔ بہت تذلیل برداشت کی ہے میں نے۔ باپ تو اسی اکڑ میں مر گیا لیکن تمہارے بھائی کا سر تمہاری ذلت سے جھکے گا۔ اب اگر وہ آ کر میرے پاؤں بھی پکڑ لے تو بھی میں تمہیں بسنے نہیں دوں گی۔ میرے بیٹے نے ایک بار تمہیں زمانے میں بے عزت ہونے سے بچانے کے لئے اپنایا تھا مگر آج میری بے عزتی کا بدلہ لے گا تب سکون ملے گا مجھے۔ ساری عمر اس دن کا انتظار کیا ہے۔ آج زمین کے اوپر تمہارا بھائی تڑپے گا اور زمین کے اندر تمہارے باپ کی روح گھائل ہوگی۔ آج سکون ملے گا مجھے۔"

کدورت و عداوت کا جو بیج سالوں پہلے منصور عالم نے اپنی ضد و انا میں بویا تھا آج وہی بیج تناور درخت کا روپ دھارے، کوثر بیگم کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا، اسی درخت کی آبیاری میں مراد منصور نے بھی زہریلے پانی کا استعمال کیا تھا۔ اب وہ زہر سفاکیت کی آمیزش سے مزید زہریلا ہو چکا تھا۔

کوثر بیگم کے الفاظ میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔ لب و لہجے میں انتقام کی بدترین جھلک تھی۔ دس سال بعد وہ بیٹے کے دل و دماغ کو اپنے فیصلے کے تابع کرنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ زبان کو بے لگام چھوڑا۔ اسی وقت معید اپنی بیوی ثمن اور شائلہ بھابھی کے ساتھ وہاں آیا

تھا۔ ادینہ نے کرب برداشت کرتے ہوئے بہت بے بسی سے معید کو دیکھا تھا لیکن معید، اس کی نظروں میں آج اجنبیت غالب تھی۔
وہ فون پر اسے تمام حقیقت، تمام وجوہات کے ساتھ بتا چکا تھا۔ سب جاننے کے بعد واپسی کا فیصلہ اس کے لئے کٹھن ضرور تھا مگر اس وقت اسے اپنا آپ بے معنی لگا تھا جبکہ دوسری طرف دروازے کے قریب کھڑے مراد منصور کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس سے زیادہ بہن کے لئے کچھ سننے کا مادہ اس میں تھا نہ مزید جاننے کی جستجو...... کوثر بیگم کے الفاظ اسے مشتعل کر گئے تھے۔ ادینہ کی توہین اس کے لئے ناقابل برداشت بھی۔ وہ بپھر کر ادینہ کے برابر آ کھڑا ہوا۔

''مراد۔ تم۔''

ادینہ اچانک اسے ساتھ کھڑا دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ باقی سب بھی غیر متوقع طور پر اسے دیکھ کر حیران ہوئے، سب کے تاثرات تلخ ہوئے۔

''کیا بکواس کر رہی ہیں آپ؟'' وہ شعلہ بار نگاہوں سے کوثر بیگم کو دیکھتے ہوئے غرایا۔

''بکواس نہیں میاں...... حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جو آج تمہاری آواز بھی مدھم کرے گی اور سر بھی ذلت و شرمندگی سے جھکائے گی۔'' جواباً انہوں نے آواز مزید اونچی کی۔ ادینہ نے مراد کا بازو پکڑا۔ معید کو بے چارگی سے دیکھا۔

''اس سے پہلے میں یہاں سب کچھ برباد کر دوں گا۔'' وہ چلایا۔

''تم کچھ نہیں کر سکتے۔'' معید، ادینہ کی نظروں کو نظر انداز کرتا، مراد کے قریب آیا۔ اسے گھورا۔ ''یہ میرا گھر ہے۔ اپنی آواز کو قابو میں رکھو ورنہ دھکے دے کر دونوں کو گھر سے باہر نکالوں گا۔'' تنبیہہ کی۔ فیصلہ کر لینے کے بعد اب وہ لہجہ کھردرا ہو گیا تھا۔

''تمہاری اتنی اوقات نہیں کہ مجھے ہاتھ بھی لگا سکو۔ یہ دھمکی اور رعب اسے دینا جس پر اثر بھی کرے۔ جواباً مراد نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

مراد کا دیا دھکا، معید کو بھی بھڑکا گیا تھا۔ سرعت سے خود کو سنبھالتا دوبارہ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ کوثر بیگم سمیت گھر کے باقی سب افراد اب معید کے آخری فیصلے کے منتظر تھے جبکہ ادینہ بگڑتی سنگین صورتحال سے خوف کھائے، اندر تک سہم گئی تھی۔ منتشر سوچیں لرز گئی تھیں۔ انہونی کے ہونے کا یقین آنکھوں کو پل بھر میں اجاڑ، ویران کر گیا تھا۔

''میں ادینہ کو طلاق دیتا ہوں۔'' بالآخر وہ ماں کی خواہش کو زبان پر لے آیا۔ معید کے بے رحم، سفاک الفاظ ادینہ کی سماعتوں سے ٹکرائے، ویران آنکھیں ساکت ہو گئیں۔

مراد منصور کا غصہ تھم گیا، لب سل گئے۔

''میں ادینہ کو طلاق دیتا ہوں۔'' ماں کی خواہش اس کے لئے فائدہ مند، اطمینان بخش تھی، ٹھوس لب و لہجے میں ایک ایک لفظ ادا کیا۔

کوثر بیگم کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

ادینہ کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ الفاظ کی شدت کسی بم دھماکے سے کم نہ تھی۔ نفرت، محبت کا نام ونشان مٹائے، محبت کے زوال کی ایک اور داستان رقم کرنے کے آخری مرحلے پر کھڑی سرخرو ہونے جا رہی تھی۔

''میں ادینہ کو طلاق دیتا ہوں۔''

بالآخر قصہ تمام ہوا۔

معید نے دس سالہ رشتے و محبت پر ناکامی کی تلخ مہر ثبت کر دی۔ انا وضد، نفرت کو امر کر گئے، محبت ہار گئی۔ ادینہ ہار گئی۔ تلخ سفاک چہرے، بے حس دلوں سمیت تماشا تمام ہوتے ہی منظر سے غائب ہو گئے۔ مراد منصور نے ادینہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی، کرب نکالنے کے لئے پہل نہیں کر پایا۔ چہرہ بے رونق تھا مگر کسی بھی شکن کو غم کی نمائندگی کی اجازت نہ دے سکا۔ اندر برپا تباہی کے اثر باہر ظاہر نہیں ہوئے تھے۔

مراد نے اس کا بازو تھام کر اسے قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔ وہ مردہ قدم اٹھاتی واپسی کی راہ پر گامزن ہو گئی۔

☆......☆......☆

منظر بدل گیا تھا۔

اندر موسم بدل گیا تھا۔ ہوائیں مسرور، ماحول دلکش ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں سالوں قیام پذیر رہنے کے بعد خزاں رخصت ہو چکی تھی۔ بہار کی آمد اس کے انگ انگ کو نکھار گئی تھی۔ اسے سرسبز و شاداب کر گئی تھی۔ مسکراہٹ سے پھیکا پن رفع ہو چکا تھا۔ چہرہ گلاب کی مانند تروتازہ و حسین لگنے لگا تھا۔

ہجر میں مسافت کا کرب، وصل کے خیال سے دھند میں اوجھل ہو گیا تھا۔ اب بس دن منتظر تھا۔

محبت تکمیل کے لئے بے چین تھی۔

رنج و ملال کی شدت کم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک بار علی آیان حسن گیلانی کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اعتراف شکست کر کے، اس کے بے لوث جذبات سے اپنی محبت کو اس کا غلام کرنا چاہتی تھی۔

اس کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ سید جمال شاہ اور زہرہ شاہ کو سکون بخش گئی تھی۔ وہ دونوں اپنی بیٹی کے لئے، اس کی دائمی خوشیوں کے لئے پر امید تھے، دعا گو تھے۔ سید جمال شاہ نے رات مشارب شاہ کو فون کر کے صبح ضروری کام کا کہہ کر بلا لیا تھا۔ اس نے آج اسلام آباد واپس جانا تھا۔ ناشتے کے بعد گھر سے اجازت لیتا وہ اسلام آباد جانے سے قبل ان کی طرف آیا تھا۔ وہ تینوں اس وقت ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔

مشارب سب کو سلام کرتا وہیں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''کیسے ہو مشارب بیٹا؟''

''ٹھیک ہوں پھوپھو۔'' زہرہ پھوپھو کے پوچھنے پر وہ مسکرا کر بولا۔

''تمہارے لئے چائے۔'' مستبشرہ نے اس کے لئے کپ میں چائے انڈیلنے کے بعد کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''چائے تو میں پی کر آیا ہوں لیکن دوسری مرتبہ پینے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ شکریہ۔'' کپ لیتے ہوئے وہ بولا۔

مستبشرہ جمال اس کی بات پر مسکرائی۔

''آپ نے کوئی ضروری بات کرنی تھی؟'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے سنجیدگی سے سید جمال شاہ کی طرف متوجہ ہوا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا، آہستگی سے بولے۔

''مشارب بیٹا۔ تمہاری تھوڑی مدد چاہئے تھی۔''

''پھوپھا جان۔ آپ حکم کریں۔''

''ہم اسلام آباد شفٹ ہونا چاہ رہے ہیں۔''

''جی۔''

''اگلے ہفتے احسان آئے گا۔ ایک دو مہینوں کے لئے...... جب تک تمہاری شادی بھی ان شاء اللہ ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں اس کے فوراً بعد ہم بھی یہاں سے چلے جائیں۔ احسان کے ساتھ میں تمہاری طرف وہاں چکر لگاتا رہوں گا۔ گھر وغیرہ کا بندوبست ہو جائے تو پھر سکول کے لئے بھی کوئی جگہ دیکھ لیں گے۔ تم وہاں اپنے کسی دوست سے بھی صلاح مشورہ کر لینا۔ شاید گھر کا بندوبست جلدی ہو جائے۔ گھر ملنے کے بعد میں فوراً وہاں جانا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے تمام بات اس کے سامنے رکھی۔

وہ تمام وجوہات سے واقف تھا۔ سو سنجیدگی سے سننے کے بعد بولا۔

''پھوپھا جان۔ آپ بالکل فکر مت کریں۔ میں آج ہی سے گھر وغیرہ کے لئے دیکھتا ہوں۔ سکول کے لئے ساتھ مل کر جگہ دیکھ لیں گے۔ شاید کوئی بلڈنگ وغیرہ مل جائے ورنہ کوئی زمین دیکھ لیں گے۔ بلڈنگ مل جائے تو زیادہ مناسب رہے گا ورنہ سکول کی کنسٹرکشن میں کافی عرصہ لگ سکتا ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد میں مستبشرہ کسی سکول میں ٹیچنگ کر لے۔ اس سے ٹائم بھی ضائع نہیں ہوگا۔ میرے حلقہ احباب میں کافی لوگ ایجوکیشن سے ریلیٹڈ ہیں۔ میں آپ لوگوں کے وہاں شفٹ ہونے سے پہلے ہی کسی سے بات کر لوں گا۔''

تفصیلاً کہتے ہوئے اس نے صلاح دی۔

''ہاں یہ بھی مناسب رہے گا۔'' انہوں نے تائید کی۔

''میرا اپارٹمنٹ چھوٹا ہے ورنہ گھر کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔'' وہ مزید بولا۔

''نہیں بیٹا......تمہاری محبت اپنی جگہ، میں بہت شکر گزار ہوں۔تم بہت اچھے ہو۔خوش رہو بیٹا۔'' وہ بے فکر ہو گئے تھے۔دل سے کہا۔

مشارب شاہ نے اس بار مسکرانے پر اکتفا کیا۔

زہرہ شاہ تمام گفتگو کے دوران خاموش رہی تھیں۔

مستبشرہ البتہ ان دونوں کے خاموش ہونے کے بعد اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اپنا بیگ لے آؤں سکول کے لئے نکلنا ہے۔'' ساتھ ہی بولی۔

''میں بھی اب اجازت چاہوں گا۔مستبشرہ تم آجاؤ۔میں تمہیں سکول تک ڈراپ کر دوں گا۔'' مشارب شاہ نے بھی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے اجازت طلب انداز میں کہتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہے میں آتی ہوں۔'' وہ متبسم لہجے میں کہتی کمرے کی طرف چلی گئی۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا۔'' زہرہ شاہ نے محبت بھری نظروں سے بھتیجے کو دیکھتے ہوئے پیار سے کہا۔

''جی پھوپھو۔'' وہ مسکرایا۔

اور مستبشرہ کو آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے زہرہ شاہ کے سامنے جھک کر اپنی پیشانی رکھی۔انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے دعائیہ کلمات ادا کئے۔وہ سید جمال شاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔اللہ پاک اپنی امان میں رکھے۔آمین۔'' انہوں نے کہا۔وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل آئے۔

مستبشرہ نے فرنٹ سیٹ سنبھالی۔مشارب شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔توقف بعد گاڑی مین روڈ پر رواں تھی۔مستبشرہ چپ چاپ گاڑی سے باہر دوڑتے مناظر دیکھنے لگی۔

''میں تمہارے فیصلے سے خوش ہوں۔'' مستبشرہ کی خاموشی پر وہ بولا۔آواز پر مستبشرہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''یہ بابا جان کا فیصلہ ہے۔'' ساتھ ہی اسے مطلع کیا۔

مشارب خاصا حیران ہوا۔چونک کر اسے دیکھا۔اس کی پر اعتماد چمکتی آنکھیں اگلے ہی لمحے اسے وثوق دلانے میں سرخرو ہو گئی تھیں۔

''تم خوش ہو؟''

مستبشرہ جمال اس کے اس سوال پر مسکرائی۔

''میری محبت خوش ہے۔'' پھر کھنکتے لہجے میں جواب دیا۔اس کا جواب مشارب شاہ کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گئی۔

''اور میری محبت، میرے لئے اہم ہے۔'' وہ مزید بولی۔ پھر مزید اضافہ کیا۔''محبت کی خوشی میں، میں خوش ہوں۔''

مشارب نے بغور اسے دیکھا۔اس کی سرشاری دیدنی تھی۔طمانت سے مزین تاثرات زندگی کی نوید سنا رہے تھے۔

''مستبشرہ......'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''ہوں۔'' وہ سوالیہ اسے دیکھنے لگی۔

''اگر تم مجھے علی کے متعلق کچھ بتاؤ۔اس کا ایڈریس، اس کا حلیہ یا کچھ بھی جو اس تک پہنچنے میں معاون ہو۔ میں اسے تمہارے اسلام آباد آنے سے پہلے ڈھونڈ لوں گا۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

مستبشرہ جمال کی محبت......اسے بہت خاص، بہت الگ لگی تھی۔ وہ اس کی محبت کو مزید ہجر کی آگ میں جلنے سے بچانے کے لئے بولا جبکہ مستبشرہ جمال نے یک دم نفی میں سر ہلایا۔

وہ حیران ہوا۔

''نہیں مشارب۔''

''کیوں؟''

''میں زبردستی علی کی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی۔''

''مطلب؟'' وہ کچھ نہ سمجھا۔

''میں علی کے سامنے جا کر اسے مجبور نہیں کرنا چاہتی۔ سات سال پہلے مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔ میں نے اس کی محبت کی تذلیل کی تھی۔اسے دھتکارا تھا۔اس کے جذبات کو پاؤں تلے روند کر اپنا راستہ الگ کیا تھا۔محبت کا احساس مجھے بعد میں ہوا۔تمام ملال اپنی جگہ، محبت اپنی جگہ......سات سال کا عرصہ بہت طویل اور کٹھن ہوتا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتی میرے دیئے زخموں نے اسے اذیت دی ہے یا اس کے لئے سوچ کے نئے در وا کئے ہوں۔ میرے لئے اس کی محبت بھی ادھورا سوال ہے......ادھورے سوال کا ادھورا جواب میری مات ہے۔ میری قسمت میں علی کی محبت میں مبتلا ہونا لکھا ہے وہی قسمت اب مجھے دو کشتیوں میں سوار کئے وہاں لے تو جا رہی ہے۔ میں وہاں جا بھی رہی ہوں لیکن میں علی کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالوں گی۔ اگر مجھے اس کی محبت میں پہلی سی حدت نہ ملی تو اپنی محبت کو دل میں مدفن کر کے لوٹ آؤں گی......میں اپنی وجہ سے ایک بار پھر اسے کرب میں نہیں دھکیلنا چاہتی۔''

وہ ناک کی سیدھ میں دیکھتی اندر الجھتی سوچوں کو زبان دے گئی تھی۔ وہ سوچیں جو سید جمال شاہ کے فیصلے کے بعد اسے خوش دیکھ کر، اسے مضطرب کئے اندر ہی اندر گنجل ہوئے جا رہی تھیں۔

''تمہیں لگتا ہے کہ علی اب تم سے محبت نہیں کرتا ہوگا؟'' اسے سننے کے بعد مشارب شاہ یہی پوچھ سکا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''جو محبت اسے تمہارے دل کا مسکن بنا گئی ہے، وہ فنا نہیں ہوسکتی۔ سب جاننے کے بعد میرا دل تو یہ کہہ رہا ہے۔'' جبکہ وہ ثوق سے بولا۔

مستبشرہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔ جو اگلے ہی پل کسی خیال کے تحت مدھم ہوگئی۔

''کیا ہوا؟'' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔فوراً پوچھا۔

''تشنہ محبت بہت کرب دیتی ہے مشارب...... میں نے اسے خوج ہجر سونپا تھا وہ میری محبت کا یقین نہیں کرے گا۔ مجھے محبت سمیت دھتکار نہ دے۔ ادھوری محبت کا درد تو دل برداشت کرتا آرہا ہے۔ ہار مجھے ماردے گی۔ میرے حوصلے پست کردے گی۔'' دھڑکتے دل سے خون میں سرایت کرتی محبت انجانے خوف سے سہم گئی تھی۔

حرف حرف...... غمگین تھا۔

آواز میں ڈر تھا۔

مشارب شاہ نے کئی پل خاموشی کی نذر کیے۔ اس دوران سفر بھی تمام ہوا۔اس نے گاڑی سکول کے سامنے روکی۔ مستبشرہ بھی چپ تھی، دل عجیب کیفیت کا شکار اسے اداس کرنے لگا۔

''سب ٹھیک ہوگا مستبشرہ۔''اس نے جلدی اپنی چپ توڑی۔ اسے تسلی دینی چاہی۔

مشارب کے الفاظ پر وہ سنبھلتے ہوئے مسکرائی۔

''اتنے سالوں بعد واپسی کا فیصلہ یقیناً تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔ اللہ پاک کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔تمہاری نیت پہلے بھی صاف تھی۔ اب محبت بھی خالص ہے۔ زندگی میں آزمائشیں وقتاً فوقتاً راستہ نکال کر رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں مگر کوئی آزمائش اٹل نہیں ہوتی۔ اللہ پاک کی مہربان ذات ایک کن سے آزمائش ٹال دیتی ہے۔ تکالیف کہ سہل کردیتی ہے۔ وسوسے، شکوک وشبہات زندگی کو تاریکی میں لے جا کر اوجھل کردیتے ہیں جبکہ امید تاریکی کو فنا کردیتی ہے۔ اپنی محبت کو امید دلاؤ۔ مایوس مت ہونا۔ سب کچھ بہتر ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

مستبشرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ مشاب شاہ کی باتوں نے بوجھل دل کو یکدم ہلکا پھلکا کردیا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

''شکریہ مشارب۔''

وہ بھی مسکرایا۔

''اچھا اس سکول کا کیا کروگی؟'' ساتھ ہی گاڑی کی فضا کو سنگینی وسنجیدگی سے نکالنے کے لئے موضوع گفتگو بدلا۔

''ماریہ سے بات کرلی ہے۔ میری بہت اچھی دوست ہے۔ تجربہ کار ہے۔ مجھے اس پر مکمل اعتماد ہے۔ اسلام آباد جانے کے بعد یہاں آتی جاتی رہوں گی۔ یہ سکول میری جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خواب کی خوبصورت تکمیل ہے۔ اس سے دل کا نہیں روح کا رشتہ ہے جو ہمیشہ برقرار رہے گا۔ فی الحال تو یہی سوچا ہے۔'' وہ سکول کی عمارت کو دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

''او کے مشارب......اب اجازت۔''

''ہاں ضرور......'' وہ مسکرایا۔

''اللہ حافظ۔'' وہ اترتے ہوئے بولی۔

''اللہ حافظ۔'' اس نے بھی گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ پھر مستبشرہ کے نظروں سے اوجھل ہونے تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ گیٹ عبور کرکے اندر داخل ہوئی تو اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

ایک قیامت تھی جو اس پر ٹوٹ چکی تھی۔

دل ودماغ قیامت کی لرزاں خیزیوں کے بعد اشتعال کا شکار ہو گئے تھے۔ مراد منصور کو خود پر بیتی قیامت مشتعل کر گئی تھی۔ وہ بپھر گیا تھا۔ مزید متنفر ہو گیا تھا۔ واپسی کا سفر کٹھن تھا۔ ادینہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر برپا طوفان کو جھیل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ہنوز خشک تھیں۔ وہی خشکی مراد منصور پر خبط سوار کیے جا رہی تھی۔

راستے بھر کوئی ایک لفظ تک ادا نہیں کر سکا۔ معید کے منہ سے طلاق کے لئے ادا کئے گئے بھیانک جملوں کی بازگشت متواتر ان دونوں کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ایک قصہ معید نے اختتام پذیر کر دیا تھا۔

دوسرا قصہ ختم کرنے کی وہ بھی ٹھان چکا تھا۔

بے رحم سوچیں گھر پہنچنے تک عروج پکڑ چکی تھیں۔ گاڑی روک کر وہ برق رفتاری سے نیچے اترا تھا۔ اس کے خطرناک ارادے ادینہ پر منجمد جمود بھی فوراً توڑ گئے۔ وہ اس کے اترتے ہی سرعت سے نیچے اتری۔ آگے بڑھی جب ہی نظریں وقار سعید کی گاڑی پر ٹھہریں۔ اس کو بدترین دھچکا لگا۔ مراد منصور کی آمد سے بے خبر وہ اندر موجود تھا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ دوسرے ہی پل خود کو سنبھالا۔ مراد منصور غصے میں اندر گیا تھا۔ اندر کچھ بھی ہو سکتا ہے...... بدترین...... ناقابل تلافی......آنکھوں کے سامنے مہ روش کا عکس نمودار ہوا۔ تقریباً بھاگتی ہوئی اندر گئی۔ نظر مراد منصور کی پشت پر پڑی جو ارد گرد سے بے خبر کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کا دماغ گھومنے لگا۔

جبکہ لاؤنج میں موجود کلثوم بیگم کے علاوہ وقار سعید اور اریش اور عندلیب جو پہلے مراد کو بگڑتے تیوروں کے ساتھ آتے اور کمرے کی جانب جاتا دیکھ کر متعجب زدہ رہ گئے تھے اب ادینہ کو سوالیہ وسراسیمہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کے نکلنے کے بعد پہلے اریش

اور عندلیب، شادی سے واپسی کے بعد پہلی فرصت میں مبارک باد کے لئے آئے تھے اور ان سے کچھ ہی دیر بعد وقار سعید، مراد کی آمد سے بے خبر وہاں آیا تھا۔کلثوم بیگم نے انہیں ادینہ کی کچھ ہی دیر پہلے واپسی کے متعلق آگاہ کیا تھا۔ مہ روش بھی لاؤنج میں ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی لیکن تھوڑی دیر پہلے ہی شانزے کو سلانے کے لئے کمرے میں لے کر گئی تھی۔

''ادینہ۔تم واپس کیوں آ گئی......تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اور یہ مراد کو کیا ہوا۔اتنے غصے میں کیوں ہے۔ وہاں لڑائی تو نہیں ہو گئی مراد کی؟'' کلثوم بیگم پریشان سی اس کی طرف بڑھیں، فکر مندی سے استفسار کرنے لگیں۔

''سب کچھ ختم ہو گیا ہے امی۔''

ادینہ بولی تو لہجہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔

''اللہ رحم......کیا ختم ہو گیا؟'' انہوں نے گھبرا کر دل پر ہاتھ رکھا۔

وقار، اریش اور عندلیب ناسمجھی کے عالم میں خاموش کھڑے تھے۔

''میں بتاتا ہوں۔'' اسی وقت مراد کمرے سے باہر آیا۔ آواز گھمبیر اور لہجہ ترش تھا۔ دائیں ہاتھ کی مضبوط گرفت سے مہ روش کا بازو تھامے وہ اس کو کھینچ کر کمرے سے باہر نکال رہا تھا۔

آواز کے تعاقب میں بصارت سے ٹکراتا منظر وہاں موجود ہر ایک فرد کو سکتے میں ڈال گیا تھا جبکہ مہ روش اچانک افتاد پر سنبھلنے میں ناکام، مضبوط گرفت سے بازو میں اٹھتے درد کی شدت کو نظر انداز کرتی مراد منصور کو حیرت و نفرت کے ملگجے تاثرات سمیت دیکھنے لگی۔

''معید نے ادینہ کو طلاق دے دی ہے۔''

بہن کی بربادی کا کرب، غصے کے خوف سے دبک کر بیٹھ گیا تھا۔ ماں کو بتاتے ہوئے اس کی نظر باری باری سب پر پڑی تھی مگر مہ روش کے بعد وقار سعید پر قہر آلود نظر ٹھہر گئی تھی۔

اس کا ضبط تمام ہوا چکا تھا۔

نفرت و انتقام کا لاوا اس کے تن بدن جلا گیا تھا۔

''معید نے میرے سامنے ادینہ کو طلاق دی......اور یہ سب اس ذلیل انسان کی وجہ سے ادینہ کے ساتھ ہوا۔ میں اس گھٹیا انسان کی زندگی برباد کر دوں گا۔ اس کی بہن کو تباہ کر دوں گا۔ اس کے سامنے اس کی بہن کو طلاق دوں گا۔ اپنی بہن کے ہر دکھ کا بدلہ لوں گا۔'' وہ اندر کا زہر بالآخر باہر نکال لایا۔

غصے و نفرت سے پھنکارتے ہوئے وہ ایک ایک لفظ چلا کر ادا کر مہ روش کے بازو کو جھنجھوڑنے لگا۔

ادینہ کی طلاق کی خبر جہاں کلثوم بیگم سمیت سب کو ہلا کر رکھ گئی تھی وہیں مراد منصور کی باتیں تناؤ بڑھا گئیں۔ مراد کی سفاکیت، مہ

روش کے ساتھ سنگین ردعمل، طلاق کی دھمکی اور ادینہ کی بربادی کے ساتھ اپنا نام کا منسوب ہونا، وقار سعید کے پیروں تلے سے گویا زمین سرکا گئی تھی جبکہ اسی لمحے مہ روش پر نظر پڑتے ہی وہ بھی ضبط کھو بیٹھا تھا۔ مراد منصور کا وحشی روپ اسے بدحواس کر گیا تھا۔ وہ مزید ایک لمحہ ضائع کیئے آگے بڑھا اور مہ روش کے بازو کو اس کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے اسے زوردار دھکا دیا۔ دھکے کی شدت مراد منصور کے قدموں کو لڑکھڑانے پر مجبور کر گئی تھی۔

''گھٹیا انسان۔'' وہ بمشکل خود کو سنبھالتا اس کی جانب مڑا۔

''خبردار جو ماہی کو ہاتھ لگایا جان سے مار دوں گا۔'' وقار اسی شدت سے چلایا۔

''ہاتھ لگا کر تو دیکھو۔ دونوں بہن بھائیوں کو اوقات یاد دلا دوں گا۔'' وہ بھی غرایا۔

''یا اللہ مدد...... خدا کا واسطہ ہے تم دونوں کو۔ کیوں مارنے مرنے کی بات کر رہے ہو۔'' کلثوم بیگم کا دل کانپنے لگا۔ دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگیں۔ ادینہ الگ ہی کیفیت سے دوچار سب کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ اپنے تہی داماں رہ جانے کا غم یادداشت سے محو ہونے لگا تھا۔

جبکہ اریش اور عندلیب اچانک سنگین ہوتی صورتحال میں بے بس تماشائی سے زیادہ کچھ نہ تھے۔

''نفرت کرتا ہوں میں تم سے، تمہاری بہن سے...... گھٹیا انسان، ذلیل، تمہارے ایک انکار نے آج میری بہن کی زندگی اجاڑ دی ہے۔ سات سال میں نے تمہاری بہن کی زندگی عذاب کی، مگر مجھے سکون نہیں ملا۔ تم سے نفرت کم نہیں ہوئی۔ مگر آج میں ہر حسات چکتا کروں گا۔ ادینہ کی بربادی کا بدلہ، تمہاری بہن کو مکمل طور پر برباد کر کے لوں گا۔ آج تک اس نے تمہیں بلکہ کسی کو بھی اپنی بربادی کا نہیں بتایا، میرا دیا ہر زخم چپ چاپ برداشت کرتی رہی مگر آج کے بعد چیخ چیخ کر تمہیں اپنی تباہی کا ذمے دار ٹھہرائے گی۔ سات سالوں کے دکھ کو زبان دے گی۔ تمہیں بددعا دے گی۔ سارے فساد کی جڑ تم ہو...... اب ساری عمر پچھتاتے رہنا۔ افسوس کرنا۔'' ماں کے جڑے ہاتھوں کی پرواہ کیئے بغیر وہ اپنا غبار باہر نکال رہا تھا۔

اس کا ایک ایک لفظ وقار سعید کے دماغ پر کوڑے برسا رہا تھا۔ مہ روش کی زندگی کا تکلیف دہ رخ بھیانک سچ بن کر سامنے آیا تھا۔

حقیقت کا ادراک کربناک تھا۔

کلثوم بیگم کا دل بھی کانپنے لگا۔

بات ادینہ کی طلاق کے غم سے آگے بڑھ کر پرانے زخم کریدنے میں محو ہو چکی تھی۔ زخموں سے خون رسنے لگا۔ مراد منصور کی باتیں ماہی کے درد و ضبط کی کہانی بیان کر گئیں۔ اریش اور عندلیت ششدر رہ گئے۔ ادینہ اپنا دکھ بھول کر، مراد کے غصے سے خائف، سنگین و انتہائی فیصلے سے خوف کھا گئی۔ وہ آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہ رہی تھی مگر اسے لگا جیسے اس کی ٹانگوں میں سکت باقی ہی نہیں رہی۔ وہ ایک قدم آگے نہ بڑھ سکی۔

جبکہ وقار سعید......

تڑپ اٹھا۔

یاسیت بھری بے یقینی، مہ روش کو دیکھتے ہوئے اذیت کی دبیز تہہ تلے چھپ گئی۔ اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہوتے ہوئے کروفر سے مراد منصور کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں نفرت ابل رہی تھی۔ دونوں کا دل آندھیوں کی زد میں آ گیا تھا۔

''میری بہن آج اس مقام پر تمہاری وجہ سے پہنچی ہے۔ تمہاری وجہ سے ہی آج میں تمہاری بہن کو تمہارے کیئے کی سزا دوں گا۔'' وہ ہذیانی انداز میں مزید چلایا تھا۔

ماہی سر جھکا گئی۔ یوں سب کے سامنے، وقار کے سامنے اسے اپنا وجود پستیوں میں گرتا محسوس ہونے لگا۔ اس کے ناکردہ گناہوں کو آج حتمی سزا سنانے کی گھڑی، اصل قصوروار کے سامنے آ کر ٹھہر گئی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے قاصر وہ مکمل خاموش تھی۔

مگر آج......!

اصل قصوروار نے اپنی خاموشی توڑنی تھی۔

یہ لازم تھا۔

مراد منصور نے وقار سعید پر اس کی بہن کی زندگی کی حقیقت آشکار کر کے اس پر اندر باہر طوفان کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔

اسے آج طوفان کا رخ موڑنا تھا۔

اب مزید چپ رہنا اس کے لئے گناہ تھا۔

اس کی قربانی رائیگاں چلی گئی تھی۔

اس کی قربانی......اس کی بہن کی خوشیاں کھاتی چلی آ رہی تھی۔ یہ انکشاف اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ آج اپنی بہن کے لئے اسے بولنا تھا۔ ہر راز سے پردہ اٹھانا تھا۔

''تمہاری بہن کی زندگی میری وجہ سے نہیں اس کی اپنی وجہ سے برباد ہوئی ہے۔'' ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتا وہ مراد منصور سے زیادہ اونچی و درشت آواز میں چلایا تھا۔

ادینہ نے بہت بے بسی سے سر جھکا دیا۔

وقار سعید کی آواز باقی سب کی آنکھیں وا کر گئی تھی۔

''اور تم ادینہ...... میری بہن کی اذیتوں کا تماشا دیکھتی آ رہی ہو۔ اتنے سال میں خاموش رہا۔ ماں باپ سے دور رہا، ذلت برداشت کرتا رہا۔ چپ چاپ خاندان بھر کی نفرت جھیلتا رہا، اپنا وعدہ نبھاتا رہا۔ تمہارے راز پر پردہ ڈالے رکھا۔ ایک دن......ایک دن بھی

کسی سے تمہارا ذکر نہیں کیا...... مگر آج...... تم بولو گی۔ سب کو اصلیت بتاؤ گی۔ تمہارے لئے میں نے اپنی زندگی برباد کی مگر ماہی کی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گا۔ ماہی کی خوشیوں کو نفرت کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا...... ماہی کے لئے آج تمہیں سچ سامنے لانا ہے...... سب بتاؤ اپنے بھائی کو...... بتاؤ اسے کہ تمہاری بربادی کا ذمے دار کون ہے؟''

ادینہ کو مخاطب کرتا وہ شدت سے چلایا تھا۔ اس کی باتیں اور سوال ادینہ کو کٹہرے میں لے آئے تھے۔ سب ادینہ کو دیکھ رہے تھے۔ مراد منصور، وقار کو گھور رہا تھا۔ ادینہ کا راز...... راز پر پردہ...... اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''تمہیں بولنا ہوگا ادینہ۔'' جبکہ وہ ماہی کو اپنے قریب کرتا ادینہ کو وارن کر رہا تھا۔

ادینہ مجبور ہوگئی...... حالات اسے لفظ ترتیب دینے پر مجبور کرنے لگے۔ اس نے باری باری سب کو دیکھا۔ وہاں موجود وقار کے علاوہ باقی سب اسے اب سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

آج اسے ہر سوال کا جواب دینا تھا۔

اب فرار ممکن نہ تھی۔ نہ وقار سعید کو اس کی چپ گوارہ تھی۔

''بتاؤ سب کو۔ تم چپ نہیں رہ سکتی ادینہ۔'' وقار نے پھر اسے حکمیہ لہجے میں پکارا۔ آج تصویر کا دوسرا رخ سامنے آنا ضروری تھا۔ وقت بھی ماضی کا راز جاننے کے لئے گویا ٹھہر گیا تھا۔

''کون سا راز......؟'' مراد اپنی جگہ سے چند قدم آگے آیا۔ ادینہ سے پوچھا۔ ادینہ نے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں ندامت جگہ بنا چکی تھی۔ مراد منصور سے نظریں چراتے ہوئے بالآخر اس نے زبان کو حرکت دی۔

''وقار کو شادی سے انکار کے لئے میں نے مجبور کیا تھا۔''

دس سالہ پرانے راز سے پردہ اٹھا دیا گیا۔ ادینہ نے اپنے جرم کا انکشاف کیا۔ اس کے الفاظ تیر کی مانند مراد منصور کے دل کے آر پار ہوئے تھے۔ باقی سب بھی حیرت زدہ رہ گئے تھے۔

اس کا اعتراف، مہ روش کو تاسف وملال میں دھکیل گیا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے ادینہ نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔

☆......☆......☆

علی آیان حسن گیلانی آفس جانے کے لئے تیار تھا۔

نئی صبح کا آغاز اس نے بھرپور جوش وجذبے سے کیا۔ چہرے پر طمانیت وشادابی کے ساتھ سنجیدگی ٹھہر گئی تھی۔ حسن گیلانی بھی ناشتہ کے بعد آفس جانے کے لئے تیار تھے۔ ساجدہ گیلانی کا چہرہ بیٹے کو زندگی کی طرف واپس آنے کے بعد معمول کے مطابق خود کو ڈھالنا،

ہر لحاظ سے خود کو نارمل ظاہ کرنا، اسے مطمئن دیکھ کر تمتمانے لگا تھا۔ زندگی اپنے ڈگر پر لوٹ آئی تھی۔

زندگی اب ان کے لئے مسکرانے لگی تھی۔

وہ زندگی کے ساتھ مسکرانے لگی تھیں۔

ان کی مسکراہٹ، سات سالہ آزردگی کو مات دے گئی تھی۔

گھر کے در و دیوار، ہوائیں اور ماحول مخصوص یاسیت و چبھن سے آزاد ہو گئے تھے۔

''ڈیڈ......اب ہمیں نکلنا چاہئے۔'' کافی کا آخری سپ لیتے ہوئے وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

حسن گیلانی نے اس کی تقلید کی۔

''او کے مما......شام کو ملتے ہیں پھر۔'' وہ ماں کے گلے لگا۔

''اپنا خیال رکھنا۔'' انہوں نے اس کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرایا۔

''آپ بھی۔'' محبت بھرے دو الفاظ ان کے گوش گزارے۔

حسن گیلانی اس کے منتظر کھڑے تھے۔ وہ اجازت لے کر ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ آفس تک کا سفر اس نے گاڑی سے باہر دوڑتے منظر کو عکس بند کرتے ہوئے گزارا۔ ذہن کسی بھی قسم کی سوچوں سے خالی تھا۔ کل رات افریشم سے بات کرنے کے بعد اس کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ اسے منزل واضح نظر آ گئی تھی۔ کسی بھی قسم کی الجھن کو اپنے اندر جگہ دے کر وہ بالکل بھی بھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔

واپسی کی کٹھن آزمائشوں کے بعد بالکل بھی نہیں۔

ادھوری محبت کی اب اس کی زندگی میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ اتنا تو وہ طے کر چکا تھا کہ اب دل میں ''مستبشرہ جمال'' کو بسا کر خود اذیت میں دن رات نہیں کاٹنے۔

آفس تک کا سفر خاموشی سے کٹا۔

حسن گیلانی نے اسے تمام اسٹاف سے ملوایا۔ یونیورسٹی کے دوران وہ کبھی کبھار آفس آتا تھا لیکن اب سات سالوں بعد آج کا دن اس کے لئے نیا تجربہ تھا۔ آج کا دن خاص تھا۔ کچھ چہرے جانے پہچانے تھے۔ کچھ ذہن سے اوجھل ہونے کے بعد یادداشت پر دستک دے رہے تھے اور کچھ نئے چہرے تھے۔ جوان لوگ تھے۔ وہ خوش دلی کے ساتھ سب سے ملے، اسٹاف کی طرف سے بھی گرمجوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ حسن گیلانی نے اسے اس کا کیبن دکھایا پھر اسے لیے اپنے آفس میں آ گئے۔ کچھ دیر بعد ان کے نئے پارٹنرز، میٹنگ کے سلسلے میں ان ہی کے آفس میں آنے والے تھے۔ جب تک وہ اسے کچھ ضروری فائلز دکھا کر ساتھ ساتھ تفصیلات بتا رہے تھے۔ وہ دلچسپی سے حسن گیلانی کو سن رہا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد پیون نے انہیں آ کر اطلاع دی کہ میٹنگ کے لئے مسٹر بخاری اور ان کی مسز آ گئی ہیں۔ حسن گیلانی نے انہیں فوراً اندر لانے کو کہا اور ہاتھ میں موجود فائل بند کر کے ٹیبل پر واپس رکھی۔ علی آیان بھی جب تک اپنی جگہ سنبھال چکا تھا۔ توقف کے بعد آفس کا دروازہ پھر سے کھلا۔ حسن گیلانی چہرے پر سنجیدہ سی مسکراہٹ لئے اپنی جگہ سے اٹھے۔ آفس میں داخل ہونے والے مسٹر اینڈ مسز بخاری کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔ علی بھی اپنی جگہ سے اٹھا۔ پہلی نظر مسٹر بخاری پر پڑی جو حسن گیلانی کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ اس نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس دوران اس کی سماعتوں سے ایک نسوانی آواز ٹکرائی۔

''السلام علیکم سر۔''

''وعلیکم السلام۔'' حسن گیلانی نے اس آواز کا جواب دیا تھا۔

علی آیان سے ملنے کے بعد مسٹر بخاری نے اپنی نشست سنبھالی، ان کے سامنے سے ہٹتے ہی علی کی نظر ان کی بیوی پر پڑی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر مرکوز ہوئیں۔ وقت یکدم گویا ٹھہر سا گیا۔ پہلی ملاقات دونوں کی آنکھوں میں حیرت سمیٹ لائی۔ دونوں کی آنکھوں میں شناسائی کے رنگ ایک ساتھ اترے۔ اتنے سالوں بعد بھی دونوں کو ایک دوسرے کے چہرے مانوس لگے۔ علی کے چہرے کی مسکراہٹ پل بھر میں سمٹ گئی کہ اندر دل کو بدترین دھچکا لگا تھا۔

ذہن بری طرح منتشر ہوا تھا۔

جس محبت کو دل سے کھرچ کر وہ گہری کھائی میں پھینک کر نئی راہوں کا مسافر بنا تھا وہاں پہلے ہی پڑاؤ پر اسی محبت سے منسوب ایک چہرہ، ایک یاد معطر فاطمہ کی شکل میں اس کے سامنے تھی۔ اور معطر فاطمہ، اس کی آنکھوں میں مستبشرہ جمال کا عکس لاشعوری طور پر واضح کر گئی تھی۔ معطر فاطمہ نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو اپنی آنکھوں میں اڈتی حیرت کے باوجود محسوس کر لیا تھا۔ اس کے ذہن میں بھی ایک لمحے میں کئی مناظر حاوی ہوئے تھے۔ کئی پرانی یادیں غالب آئی تھیں مگر علی آیان کی نسبت وہ جلدی منتشر سوں کو سمیٹ کر ہوش میں واپس آئی۔

''آپ سے مل کر اچھا لگا۔'' آہستگی سے کہتے ہوئے شوہر کے برابر کرسی سنبھالی۔ علی آیان نے خاموشی سے بیٹھنے پر اکتفا کیا۔

''علی بیٹا۔ یہ ہیں مسٹر شایان بخاری اور ان کی مسز معطر فاطمہ۔ اور یہ میرا اکلوتا بیٹا علی آیان حسن گیلانی۔ پہلے میں نے آپ کو بتایا تھا علی اٹلی میں تھا لیکن اب پاکستان آ گیا ہے۔ آج سے یہ ہمارے ساتھ ہوگا۔'' حسن گیلانی نے ان کا تعارف کروایا۔

اس کے بعد بھی کافی باتیں ہوتی رہیں لیکن وہ غائب دماغی سے سب سنتا رہا۔ ایک آدھ بار ڈیڈ کے کہنے پر بولنے میں دلچسپی لینی چاہی مگر وہ دلچسپی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ پیون چائے لایا، اسے چائے دی۔ چائے ٹھنڈی بھی ہو گئی مگر وہ اندرونی کشمکش میں ہی الجھا

رہا۔ معطر فاطمہ کی نگاہیں بھی بار بار بھٹک کر اس کے چہرے پر رکیں لیکن وہ بھی خاموش رہی۔ تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد شایان بخاری نے اجازت لی۔ معطر نے بھی اس کی پیروی کی مگر آفس سے نکلتے وقت بھی اس نے ایک نظر علی پر ڈالی تھی جو خالی نظروں سے انہیں الوداع کر نے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ معطر نے الوداعی کلمات ادا کرنے کے بعد گاڑی تک کا وقت چپ رہ کر گزارا۔ شایان بخاری بھی گاڑی اسٹارٹ کرنے تک خاموش تھا لیکن گاڑی مین روڈ پر ڈالنے کے بعد اس نے اپنی خاموشی توڑی۔

''معطر......''

''جی......''

''تمہیں علی سے مل کر کچھ عجیب نہیں لگا؟'' سوال کیا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ بہت خاموش ہے۔ ہماری پہلی ملاقات تھی اس سے لیکن مجھے لگا اسے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے، زبردستی وہاں موجود تھا۔'' تمام وقت علی کو دیکھ کر شایان نے جو قیاس لگایا تھا وہ معطر کے گوش گزارا جسے سننے کے بعد اس نے بات مخفی رکھنے کے بجائے شایان کو بتانا مناسب سمجھا۔

''میں اس کی خاموشی کی وجہ جانتی ہوں۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''وجہ؟'' وہ حیران ہوا۔

''اس کی خاموشی کی وجہ میں ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''تم......تم کیسے؟'' وہ حد درجہ چونکا۔

''آپ کو یاد ہے میں نے ایک مرتبہ آپ کو اپنی دوست مستبشرہ کے متعلق بتایا تھا؟'' معطر نے سوالیہ اسے دیکھتے ہوئے تصدیق چاہی جس پر اس نے قدرے سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ شادی کے کچھ ماہ بعد ایک دن وہ چپ چاپ اداس بیٹھی تھی۔ شایان نے اس سے وجہ پوچھی تو جواباً اس نے تینوں دوستوں کا ذکر کیا تھا۔ عدن سے ایک دو بار بات کرنے کے علاوہ پھر کبھی ان تینوں سے اس کا رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اداسی دور کرنے کے لئے وہ شایان سے تینوں کی باتیں کرتی رہی تھی۔ اس دن کے بعد بھی کبھی ان کی یاد آتی تو شایان سے ذکر کرتی رہتی۔

''علی......مستبشرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔''

معطر نے کہتے ہوئے باقی کی تمام باتیں بھی اسے بتائیں۔ شایان نے بغور اسے سنا۔ یہ انکشاف اسے دلچسپ لگا۔

''مستبشرہ نے پھر اس دن کے بعد کسی سے بھی رابطہ نہیں کیا۔ آج اتنے سالوں بعد علی اچانک مجھے دیکھ کر کچھ نہیں کہہ سکا۔ میں

خود عجیب کشمکش کا شکار ہوں۔علی کو دیکھ کر میرا دل بے چین ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ آج بھی مستبشرہ کو نہیں بھولا۔وہ بہت محبت کرتا تھا مستبشرہ سے۔'' معطر کے لہجے میں افسردگی کی آمیزش شامل تھی۔شایان نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''مستبشرہ نے کسی سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟''

''مجھے نہیں معلوم......اور ہمارے پاس اس کا نیا نمبر نہیں تھا۔اس نے کہا تھا کہ وہ خود رابطہ کرے گی۔'' وہ بتاتے ہوئے رکی پھر توقف کے بعد مزید بولی۔

''کبھی کبھی یہ بات دل کو بہت اداس کرتی ہے۔ہم چاروں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ہماری دوستی بہت خاص تھی۔ ہمارے دلوں کو محبت سے جوڑے ہوئے تھی لیکن قسمت نے اتنی جلدی راستے جدا کیے کہ پھر کبھی ایک موڑ پر وہ چاروں راستے ایک نہیں ہو سکے۔جانے یہ راستے کہاں جا کر رکیں گے،ایک ہوں گے یا نہیں۔ان تینوں سے ملنا تو اب جاگتی آنکھوں کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں۔ جس کی تکمیل شاید ناممکن ہے۔ جسے ہر بار دیکھنے کے بعد حسرتیں رخ کسک بن کر محض تکلیف دیتی ہیں۔آج بھی یونی کے چار سال ذہن سے اوجھل نہیں ہوئے۔''

بولتے بولتے وہ انہی دنوں میں بھٹک چکی تھی۔سہیلیوں کی باتیں بھی محو ہو گئی تھیں۔سماعتوں سے مانوس آوازیں ٹکرانے لگی تھیں۔

''بہت خوبصورت دن تھے وہ......بہت یادگار......بہت خاص۔'' شایان کو دیکھتے ہوئے وہ شیریں لہجے میں بولی۔

وہ معطر کے دوستوں سے متعلق جذبات واحساسات سے واقف تھا۔معطر ہمیشہ دوستوں کو پر کیف لہجے میں یاد کرتی۔آنکھیں اداسی کے باوجود چمک جاتی تھیں۔متبسم ہونٹ، چہرے کی شادابی کو بڑھا دیتے تھے۔

''تو ان سے رابطے کی کوئی راہ نہیں ہے؟'' معطر سے پوچھتے ہوئے وہ سامنے دیکھنے لگا۔

''نہیں......کاش ہوتی......چاروں الگ الگ شہر میں ہیں۔سالوں سے ٹیلی فونک رابطہ بھی نہیں ہے۔میرے پاس عدن اور ماہی کے نمبرز تو تھے لیکن شادی کے بعد مصروفیت اور پھر بزنس......اب یاد نہیں کہ کہاں رکھے ہیں۔امی کی طرف گئی تو ڈھونڈوں گی۔''

وہ بتاتے ہوئے شیشے سے پار دیکھنے لگی۔یادوں بھری خوصورت، دلنشین فلم آنکھوں کے پردوں پر چلنے لگی تھی۔اسے منہمک دیکھ کر اس مرتبہ شایان بخاری نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔معطر فاطمہ کی پرسکون محویت اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرنے میں مگن ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

''لفظ محبت'' سے میں نے خود اپنی داستان الم کا آغاز کیا تھا۔''

کہانی کو شروع سے شروع کرنے کے لئے اس نے طویل سانس خارج کی۔ابتدائی تصور آنکھوں کو نم کرنے لگا۔

''ابو اور پھوپھو کا تعلق کسی سے پنہاں نہیں تھا۔ پھوپھو کی محبت، ابو کی مخالفت اور پھر ساری عمر دونوں کے بیچ ضد وانا کی آہنی

دیوار......بہن بھائی کا رشتہ اپنوں نے کبھی یاد نہیں رکھا۔ دونوں کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہیں، کسی کو جھکنا منظور نہیں تھا۔ دونوں کے دلوں میں گنجائش نہیں تھی۔ نرمی و لچک پیدا ہونے کا سوال تھا نہ جواز...... پھوپھو کے فیصلے نے ابو کی انا ٹھیس پہنچائی اور ابو کی ضد و پتھر دل نے پھوپھو کو بے بس بنا دیا۔ ہمارا گھر، پھوپھو کا گھر، گھر کے مکین اسی ضد و بے حسی کے پابند کیے گئے۔ دونوں طرف سے نفرت کی آبیاری میں دن رات صرف کیئے گئے۔ رنجشیں بڑھتی رہیں۔ جذبات واحساسات پر برف پڑتی رہی۔ خون کے رشتے پائیدار نہ رہ سکے۔ اپنے اپنے خول میں قید ابو اور پھوپھو محبت کی حدت پر سرد و کٹھور تہیں ڈالتے رہے۔ وقت ان کی بے حسی پر بے بسی سے گزرتا رہا۔ خاندان کا کوئی فرد دونوں کو قریب لانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ نہ دونوں نے کبھی کسی کو مہلت دی۔ ماں باپ کے بعد دنیا کا خوبصورت رشتہ بہن بھائی کا ہوتا ہے جو عداوت نے انہیں محسوس ہی نہ ہونے دیا۔ اپنے رشتے کی خوبصورتی سے دانستہ بے خبر دونوں بدگمانی کے سنگ آگے بڑھتے رہے۔ ان کی نفرت کے ہم بھی پابند تھے۔"

پرسوز آواز میں تمہید باندھتی وہ ایک پل کو رکی تھی۔ باقی سب سنجیدہ تاثرات سمیت اسے سننے میں محو تھے۔ اس کے رکنے پر کوئی کچھ نہ بولا۔ اس نے سب کو باری باری دیکھتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"میں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی تھی۔ ڈرتے ڈرتے ابو سے بات کی۔ ان کی اجازت چاہئے تھی انہوں نے سوچتے ہوئے اجازت تو دے دی مگر اگلے دو تین دن بعد مجھے علم ہوا کہ میرے لئے وقار کا رشتہ آیا ہے جس کے لئے انہوں نے حامی بھی بھر لی تھی اور جیسے مجھے بتاتے وقت انہوں نے یہ وجہ بتائی تھی کہ پھوپھو کی محبت، من مانی اور ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کے بعد وہ نہیں چاہتے کہ میں بھی ان کا سر جھکاؤں، ان کی عزت پر حرف آنے دوں یا ان کی شرمندگی کی وجہ بنوں، میں کچھ نہیں بولی تھی۔ مجھے ان کا فیصلہ منظور تھا۔ مجھے ان کی اجازت نے سرشار کر دیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ کبھی انہیں مایوس نہیں کروں گی۔ میں پر عزم تھی۔ میرے ارادے مضبوط تھے لیکن نہیں۔ زندگی کی راہ سہل نہیں ہوتی۔ قسمت کے فیصلے سوچ کے تابع نہیں ہوتے۔ دماغ کے بنائے گئے منصوبے ہر بار کامیاب نہیں ہوتے۔ مضبوط ارادے بھی خاردار راہوں سے خوف کھاتے ڈگمگا جاتے ہیں، تب عقل دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ محبت بے اختیار ہوتی ہے۔ محبت دل کو بے اختیار کر دیتی ہے۔ محبت کی بے اختیاری سے دل چور راستے نکال کر فرار نہیں ہوسکتا، سوچ نہیں سکتا، سمجھ نہیں سکتا، دل، دماغ کو بھی مات دے دیتا ہے۔ دماغ کی پیش کی گئی دلیلوں، تاویلوں، جواز کو رد کر دیتا ہے، ہوش وحواس بھلا دیتا ہے، سماعتوں کو ناکارہ، آنکھوں کو بصارت سے محروم کر دیتا ہے۔ میرا دل بھی بے اختیار ہو گیا۔ میں نے احتجاج نہ کیا، گونگی بن گئی۔ بہری بن گئی، ابو کے الفاظ کی بازگشت سماعتوں سے ٹکرانے نہ دی، نابینا بن گئی۔ ابو کا چہرہ نظر نہیں آیا۔ پھوپھو کے لئے ان کی نفرت نہ دیکھ سکی نہ محسوس کر سکی......معید میری کلاس میں تھا۔ ابتدا میں، میں نے اسے نظر انداز کیا تھا۔ گھر میں لیکن نہیں بتا سکی کہ ابو یونیورسٹی سے نکال دیتے۔ سوچ لیا تھا کہ معید سے فاصلہ رکھوں گی مگر سوچ دھری کی دھری رہ گئی۔ مجھے پتہ نہیں چلا کب کیسے معید تمام فاصلے مٹا گیا۔ مجھے اس کی باتیں اچھی لگنے لگیں۔ اسے ابو اور پھوپھو کے درمیان

حائل دوری بے معنی لگتی۔ دونوں کی انا وضد بے کار لگتی۔ وہ دونوں کو قریب لانے کی باتیں کرتا، خواہش ظاہر کرتا، محبت بھرے تعلقات استوار کرنے، جدوجہد وکوشش کا ذکر کرتا۔ مجھ سے مشورہ لیتا، صلاح کرتا، خود کوئی نہ کوئی حل تجویز کرتا۔ اس کی باتیں مجھے بھی امید دلاتیں، میرا دل بھی چاہتا کہ سب کچھ نارمل ہو۔ ابو اور پھو پھو نزدیک آئیں لیکن ہماری خواہشیں کسی طور عملی روپ دھارتی نظر نہیں آئی۔ ایک سال یونہی گزر گیا۔ میں اور معید بہت قریب آ گئے تھے۔ اتنے کہ جیسے ایک دوسرے کے بغیر کبھی رہے ہی نہ ہوں۔ میرے نزدیک یہ دوستی کا خوبصورتی کا احساس تھا مگر معید نے اسے محبت کا نام دیا، اعتراف محبت کیا۔ میں اسے فوراً کوئی جواب نہ دے سکی لیکن کچھ عرصے بعد مجھے اسے دل کے مجبور کرنے پر مثبت جواب دینا پڑا۔ اس وقت مجھے محض اپنا دل اور معید کی محبت نظر آئی۔ باقی سب اوجھل ہو گیا۔ محبت کا احساس خوشگوار تھا مگر منزل تک کی راہیں بہت کٹھن تھیں۔ میرا نام وقار کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا جبکہ معید میرے دل کا مکین تھا۔ ابو اور پھو پھو کے بیچ حائل دیوار، ہم دونوں کی محبت کے لئے ناقابل تسخیر رکاوٹ تھی۔ ہم اس رکاوٹ کو ایک اور دیوار میں نہیں ڈھالنا چاہتے تھے۔ یونیورسٹی کا آخری سمسٹر چل رہا تھا۔ انہی دنوں ابو کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی۔ جو پھر کسی طور نہ سنبھل سکی۔ ابو پھو پھو کے لئے دل میں نفرت لئے اس دنیا سے چلے گئے۔ میرا دل ان کے بعد بہت افسردہ تھا۔ کچھ ماہ گزر گئے۔ معید نے مجھے بہت سمجھایا، سنبھالا۔ مجھے لگا شاید ابو کی وفات کے بعد پھو پھو کا دل پگھل جائے مگر نہیں، نہ ان کا دل پگھلا اور نہ حالات معمول پر آئے۔ ابو کی جگہ مراد نے لے لی۔ مراد نے ابو کی نفرت کو اور زیادہ شدت سے برقرار رکھا۔ مراد کی انا زیادہ قد آور نکلی۔ عداوت، کدورت، رنجشوں اور بدگمانیوں کا نیا باب شروع ہوا۔ ایسا باب...... جہاں محبت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جہاں رشتوں میں پائیداری کا احساس ناپید تھا۔ جہاں اکڑ وانا سب سے اونچے مینار پر براجمان تھی۔ میں ڈر گئی تھی۔ میری محبت میرے لئے سب کچھ تھی، مجعید نے ایک ایک پل اپنے ساتھ کی مکمل یقین دہانی کروائی تھی لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ جس طرح پھو پھو کی محبت نے ابو کو بدگمان کیا، انہیں ساری عمر نفرت کرنے پر مجبور کیا اسی طرح مراد بھی مجھ سے نفرت کرے۔ مجھے مراد کی نفرت نہیں چاہئے تھی۔ میں مراد کی نظروں میں اپنے لئے غصہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے اور مراد کے درمیان مجھے دیوار نہیں چاہئے تھی۔ دوریاں نہیں چاہئے تھیں۔ میں معید کے بغیر بھی نہیں رہنا چاہتی تھی۔ ہم دونوں پریشان تھے۔ پھر یونی کے فوراً بعد میری اور وقار کی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی۔ سب تیاریوں میں مگن تھے مگر میں...... محبت سے دستبردار ہو کر سمجھوتے کی زندگی گزارنے کی سوچ ہر وقت مجھے سراسیمہ رکھتی۔ معید الگ پریشان تھے۔ ہم دونوں جانتے تھے کہ ہمارا رشتہ باہمی رضامندی سے کبھی استوار نہیں ہو سکتا۔ مراد اور پھو پھو کے دل میں نفرت جڑیں مضبوط کر چکی تھی۔ جنہیں جڑ سے اکھاڑنا ناممکن تھا اسی لئے...... معید نے مجھے مشورہ دیا۔ ہم بھاگ کر شادی نہیں کرنا چاہتے تھے نہ ساری عمر باقی رشتوں سے خیانت کرنا چاہتے تھے۔ میں اور معید پھر مجبوراً وقار کے پاس گئے۔ تمام وجوہات اور اپنی محبت اس کے سامنے رکھی۔ اپنی محبت کی بقاء کے لئے بھیک مانگی۔ اپنی خوشیوں کے لئے استدعا کی۔ وقار ہماری خاطر، ہماری محبت کی خاطر مجبوراً مان گیا۔"

اس نے سلسلہ کلام ایک بار منقطع کیا۔

ایک ایک لفظ، ماضی کے واقعات کا عکس، اداسی میں لپیٹ کر پیش کر رہا تھا۔ وہاں موجود باقی آنکھوں میں حیرت تھی۔

اس نے پھر ہونٹوں کو جنبش دی۔

''وہ ہماری خودغرضی کی انتہا تھی جب ہم نے وقار سے اپنا نام مخفی رکھنے کے لئے درخواست کی تھی اور وقار مان گیا تھا۔ وقار نے وعدہ کیا کہ وہ میرا نام کبھی اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔ ہم بے غم ہو گئے۔ دل مطمئن تھے۔ معید نے بھی مکمل یقین دلایا کہ یہ راز ہمیشہ راز رہے گا۔ جس پر وہ قائم بھی رہا۔ وقار کے انکار کے بعد معید سے شادی سب کے سامنے ہوئی مگر وہ شادی، آزمائشوں کی سیڑھی پر پہلا قدم تھا۔ ہم دونوں خوش تھے۔ زندگی خوبصورت لگنے لگی تھی مگر ہماری خوشیوں کی مدت بہت مختصر تھی۔ پھوپھو نے مجھے قبول نہیں کیا۔ معید سے ناراض ہو گئیں۔ مجھے اپنے گھر میں دیکھ کر ان کے زخم تازہ ہو گئے تھے۔ نئے سرے سے رسنے لگے تھے۔ ابو کا کہا ایک ایک لفظ، نفرت اور مرتے دم تک قطع تعلقی انہیں اذیت دیتی رہی اور وہی اذیت انہوں نے میرا مقدر بنا دی۔ میری صبح کا آغاز طنزیہ، توہین آمیز جملوں سے ہوتا۔ دن بھر زہریلی باتیں میرے کانوں میں انڈیلی جاتیں۔ شام ہوتی، باہر اندھیرا پھیلتا اور تاریکی میرے دل پر بھی قابض ہو جاتی۔ شروع میں معید میرے ساتھ تھا۔ اس کی محبت، بہتری کی امید، خوبصورت، پرامن مستقبل کے خواب میرے ساتھ تھے۔ معید کا ساتھ مجھے تذلیل کے احساس سے نکالتا مگر محبت آسائشوں کے بستر پر پروان چڑھتی ہے۔ آزمائشیں محبت کو کھوکھلا کر دیتی ہیں...... میں معید کے کہنے پر پھوپھو کی اور باقی گھر والوں کی ہر بات ضرضبط کرتی لیکن اصل مسائل کا آغاز ایک دو سال میں باقاعدگی سے ہوا۔ معید مالی لحاظ سے مستحکم نہیں ہو پا رہا تھا۔ بہت کوششوں کے باوجود کوئی بھی کام کرتا، ناکام ہو جاتا۔ جس کے لئے پھوپھو نے میری ذات کو وجہ بنایا۔ مجھے منحوس کہا۔ معید کی زندگی میں نحوست کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ معید ان کی باتیں نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا مگر مسلسل ناکامیاں اس کے حوصلے پست کر گئی تھیں۔ معید اپنے بھائیوں کو دیکھتا تو مایوسی میں گھر جاتا۔ مجھ سے کچھ نہ کہتا بلکہ مجھے اپنے ساتھ کا یقین دلاتا رہتا۔ ایک سال اور گزرا۔ ہم تین سال گزرنے کے باوجود اولاد کی نعمت و رحمت سے محروم تھے۔ ہر گزرتا دن زندگی کی آزمائشوں میں مزید اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ ہم دونوں اولاد کے لئے دعا کرتے میں دعائیں مستجاب نہیں رہی تھیں۔ نیتجتاً ایک بار پھر میری ذات کو نشانہ بنایا گیا۔ معید کے سامنے، اس کی غیر موجودگی میں مجھے بانجھ اور بنجر کے علاوہ کئی القابات سے نوازا جاتا۔ میں صبر کے گھونٹ پیتی رہتی۔ میرا دل دکھوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ وہ دکھ جن کا اظہار میں کسی کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دکھ جو مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہے تھے اور معید کے لئے معمول ہوتے جا رہے تھے۔ معید بدلہ نہیں تھا مگر تین سال گزرنے کے بعد پہلے جیسا بھی نہیں رہا تھا۔ میں اسے الگ گھر کا کہتی مگر اس کے پاس اتنی سیونگز نہیں تھیں سو مجبوراً وہیں اسی گھر میں پھوپھو کے ساتھ رہنا تھا۔ انہی دنوں مراد نے مہ روش سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ میں انکار کے بعد وقار کی پوزیشن اور دونوں گھروں میں رنجشوں سے واقف تھی۔ مراد کی خواہش نے دل کو بہت خوشی دی اور وہی خوشی میرے لئے الگ

مصائب لائی۔ پھوپھو نے سو باتیں بنائیں۔ مراد کو برا بھلا کہا کہ اس نے اور ابو نے کبھی ان کے لئے دل نرم نہ کیا اور اب بے شرمی اور بے غیرتی کے ساتھ وقار کی بہن سے شادی کرنے جا رہا ہے۔ معید حقیقت سے باخبر چپ رہا اور میں اس دن روتی رہی۔ اس دن مجھے اپنے فیصلے کی سنگینی کا احساس ہوا...... پھر شادی میں وقار کے ساتھ ماموں اور باقی سب کا برتاؤ دیکھ کر میری روح کانپ اٹھی تھی۔ اس دن مجھے اپنی بے سکونی کی اصل وجہ معلوم ہوئی تھی۔ وقار کی زندگی اجیرن کر کے سکون کے ساتھ کیسے رہ سکتی تھی۔ میری خود غرضی میرا منہ چڑانے لگی تھی مگر وہ افسوس کافی نہیں تھا۔ احساس شرمندگی اور احساس زیاں بڑھنے لگا۔ کئی سال گزر گئے۔ اولاد کا خواب سراب لگنے لگا۔ طعنے بڑھنے لگے۔ معید محبت کے پرسحر اثر سے نکل کر زندگی کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ میں اکیلی ہوگئی۔ میری محبت اکیلی ہوگئی۔ پھوپھو نے رفتہ رفتہ معید کو مجھ سے متنفر کرنا شروع کر دیا۔ وہ مجھ سے کچھ نہ کہتا، لڑتا نہیں تھا مگر باتیں بھی نہیں کرتا تھا۔ اس کا بدلتا روپ اور انداز پھوپھو کو شے دے گئے تھے۔ محبت سے لے کر معید سے شادی تک کا فیصلہ میرے دل نے کیا تھا اس لئے میں نے آٹھ سال اپنے ساتھ ہوئی تمام ناانصافیوں کو دل کے حوالے ہی کئے رکھا۔ ایک ایک دن میں اذیت میں رہی۔ میرے اندر خوشیوں کی خواہش دم توڑنے لگی تھی۔ ایسے میں معید جب اپنے حالات کا رونا روتا، اولاد کے لئے حسرت ظاہر کرتا تو میں مزید کرب سے دوچار ہوتی۔ ہم دونوں کے بیچ محبت بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ میں محبت کے بغیر بھی اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ تھی۔ مگر مجھے عزت تو چاہئے تھی۔ میری آواز تو معید کے کانوں سے ٹکراتی مگر دل و دماغ تک رسائی نہ حاصل کر سکتی۔ شاید وہ بھی بے بس ہو گیا تھا۔ آخری دو سالوں میں پیچیدگیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ معید نے اپنا نام تو دیا مگر عزت اور مقام نہ دے سکا۔ پھوپھو، معید کے سامنے میری تذلیل کرتی، ابو اور مراد کے لئے توہین آمیز الفاظ استعمال کرتی۔ میں چپ چاپ سنتی اور رات کی تاریکی میں روتی رہتی۔ ایک چھت تلے معید اجنبی ہو گیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں یاد کہ آخری دو سالوں میں، میں کب مسکرائی تھی...... اتنے سال گزرنے کے باوجود پھوپھو کو کبھی مجھ پر رحم آیا نہ ان کے دل سے کثافتیں مٹ سکیں۔ ابو سے، مراد سے بدلہ لینے کے لئے انہوں نے آخری حربہ آزمانا چاہا۔ معید کی خستہ حالی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ معید کو لالچ دی کہ اگر وہ مجھے چھوڑ کر دوسری شادی کر لے تو نہ صرف گھر اس کے نام کریں گی بلکہ لاکھوں روپے بھی دیں گی۔ معید نے ان کی آفر کو ٹھکرانے کے بجائے سوچنے کا ٹائم مانگا۔ مجھے کہا کہ وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن دوسری شادی سے ہم دونوں کا تعلق بہتر ہو سکتا ہے اور پہلی بار پھر میں نے احتجاج کیا، معید کو روکنا چاہا، اسے اپنی محبت کا واسطہ دیا اور بہت مجبور ہو کر گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا کہ شاید میری غیر موجودگی معید کو میری محبت کا احساس دلا سکے۔ میں نے آپ لوگوں سے جھوٹ بولا کہ معید ملک سے باہر گیا ہے لیکن امی...... یہاں آنے کے بعد میرا دل چاہتا کہ میں آپ کی گود میں سر رکھ کر روؤں۔ اتنا روؤں کہ دس سالوں کے دکھ و کرب آنسوؤں کے ساتھ بہہ جائیں۔ مگر میں ایک دن بھی اپنی بربادی کی داستان اپنی زبان پر نہیں لا سکی۔ دس سالہ مسافت نے مجھے تھکا دیا تھا۔ میں اندر سے چور چور ہو چکی تھی۔ میرے اندر خوف سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ دکھ زبان پر لاتی تو میرے راز سے پردہ اٹھ جاتا۔ پردہ اٹھ جانے کا خوف ہر وقت سراسیمہ کئے رکھتا۔ کئی بار خوف کو نظر انداز کر کے بولنے کی کوشش کی

مگر پھر مجھے خاموش رہنا پڑا...... آپ سب کے رویے، گھر میں خاموشی اور تناؤ، مراد اور ماہی کا پراسرار تعلق، سفاک رویے، اریبہ اور نایاب کی آنکھوں میں ڈر مجھے خائف کرنے لگا۔ مجھے یہاں بہت گڑبڑ لگی۔ اپنا دکھ و مسئلہ میں نے اپنے اندر ہی چھپا لیا۔ معید سے کبھی کبھی رابطہ کرتی۔ وہ سرسری سا واپس آنے کو کہتا۔ تب مجھے غلطی کا احساس ہوتا کہ مجھے گھر چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ اور یہ احساس اس دن مجھے مکمل شکست سے دوچار کر گیا تھا جب معید نے دوسری شادی کی خبر سناتے ہوئے پھوپھو کی آفر قبول کر لی تھی...... اس دن میں ہار گئی تھی۔ جس محبت کے حصول کی خاطر اتنی بڑی چال رچی تھی، وقار سے قربانی مانگی تھی، دس سال جس کی پاداش میں غم اٹھائے، دکھ جھیلے، سمجھوتہ کیا وہ محبت نہ عزت دے سکی، نہ سکون دے سکی اور نہ برقرار رہ سکی۔ واپسی کی تمام راہیں گھپ اندھیرے میں گم ہو گئی تھیں۔ میں واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ بچی کھچی عزت کو نہیں گنوانا چاہتی تھی مگر میرا فیصلہ، میری خودغرضی، میرے خالی ہاتھ رہ جانے کے بعد بہت کمزور ہو گیا۔ وقار کے انکار کی وجہ سے مراد کا ماہی سے بدلہ لینا، اور ماہی کی بربادی کا انکشاف مجھے دلدل میں دھکیل گیا۔ ماہی کی اصل گناہ گار میں تھی۔ بدنام وقار ہوا، سزا ماہی کو ملی...... یہ اصلیت مجھے جھنجوڑ گئی تھی۔ میں اپنا رونا بھول گئی۔ میں نے چپ چاپ واپس جانے کا فیصلہ کیا مگر میں یہ بھول گئی تھی کہ میری وجہ سے اتنی زندگیاں برباد ہوئی ہیں۔ اتنے دلوں سے آہیں نکلی ہیں۔ مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ آج اپنے انجام سے مجھے زیادہ دکھ نہیں ہوا۔ میری خودغرضی، بے حسی اور دھوکے کی سزا طلاق ہی تھی لیکن پچھتاوے سارے عمر اب میرے ساتھ رہیں گے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ بھی نہیں رہا کہ میں آپ سے معافی مانگ سکوں۔ میں معافی کے قابل ہی نہیں ہوں۔ میں صرف نفرت کے لائق ہوں۔ یہی میری سزا ابھی ہے۔"

سوچوں کا قافلہ ماضی کی غلطی، اذیت و ملال کی داستان کو پشیمانی کی پوشاک اوڑھے حال میں واپس آیا۔ آنسوؤں کا ریلہ اس کی آنکھوں سے رواں تھا۔ اصلیت سیاق و سباق کے ساتھ سامنے ہر منظر واضح کر گئی تھی۔ اس کے چپ ہوتے ہی فضا میں خاموشی پھیل گئی تھی۔

اس کی کہانی انجام پذیر ہو گئی تھی۔

اس کی سزا جزا کا قصہ بھی تمام ہو چکا تھا۔ سب کی نگاہیں اس پر جمی تھیں۔ سب کی زبان گنگ تھی۔ ماحول میں تلخی بڑھ گئی تھی۔ وہ آج سب کے سامنے رو رہی تھی، اپنے کئے پر رو رہی تھی۔ اپنے کیے کے بھیانک ردعمل پر شرمندہ تھی۔

"چٹاخ......"

اچانک فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔ مراد منصور ضبط کی آخری حدوں سے گزرتا آگے بڑھا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ پوری شدت سے ادینہ کے چہرے کو لال کر گیا تھا۔ آواز سے سبھی کی حیرت کا جمود ٹوٹا۔ وقار ماہی کو گلے لگائے کھڑا تھا۔ اریش نے ادینہ کے سامنے آتے ہوئے مراد کا راستہ روکا۔

"پلیز مراد!"

عندلیب ادینہ کی طرف بڑھی جبکہ کلثوم بیگم اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی تھیں۔ آج جو ان کی سماعتوں نے سنا تھا وہ ان کے پیروں تلے سے زمین سرکا گیا تھا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اریش کے سامنے آتے ہی مراد نے بمشکل خود کو روکا۔ ایک نظ ماں کو دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر سے باہر نکل گیا۔

باقی سب فوراً کچھ بھی کہنے سے قاصر تھے۔ فضا ایک بار پھر اداس خاموشی کی زد میں آ گئی تھی جبکہ ماہی کو اپنی بند ہوتی آنکھوں کے سامنے گھمبیر اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آ سکا تھا۔

☆......☆......☆

آزمائش مضبوط ارادے کی بنیاد پر کڑے امتحان میں ڈالنے اس کے سامنے ایک ہی جست میں آن کھڑی ہوئی تھی۔

اس کا سر چکرانے لگا۔

دل نادانستگی میں مچل اٹھا تھا۔ بے قرار ہو گیا تھا۔

معطر فاطمہ کا غیر متوقع طور پر سامنے آنا، بکھری یادوں کو سمیٹنے کا بہانہ بن گیا۔ تمام وقت گنجلک سوچوں کا شکار رہا۔ وہ دشمن جاں کی دوست تھی۔ دل و دماغ اسے اکساتے رہے۔ مستبشرہ جمال کے متعلق سوال کرنے پر آمادہ کرنے میں مگن رہے۔ اس کا دل جاننا چاہتا تھا۔ معطر فاطمہ کے ذریعے مستبشرہ کے دل کی کیفیت جاننا چاہتا تھا۔

آنکھوں میں امید کی لہر انگڑائی لے کر جاگی۔ زبردستی سلائے گئے احساسات و جذبات بیدار ہو گئے۔ آخری سانس لیتی تشنہ محبت کو گویا زندگی کی نوید مل گئی۔ لیکن وہ ایک لفظ بھی زبان پر نہ لا سکا تھا۔ چاہنے کے باوجود وہ مستبشرہ جمال کا ذکر نہیں کر سکا تھا۔ معطر فاطمہ سے نہیں پوچھ سکا کہ مستبشرہ جمال اس کی محبت کو ٹھکرانے کے بعد اب کس حال میں ہے؟ اس کا پتھر دل موم ہوا کہ نہیں؟ علی کے ساتھ محبت کا ناٹک رچانے کے بعد اسے پانے کیے کی سنگینی کا احساس ہوا یا نہیں؟ کبھی اس نے علی کی محبت کی سچائی کا اعتراف کیا یا نہیں؟ اس کی زندگی میں ہلچل مچی یا وہ مکمل پرسکون ہے؟ محبت نے اس کے دل پر دستک دے کر در کھلوائے یا اس کے دل کے کواڑ اب بھی بند ہیں؟ گزرے سات سالوں نے اس کی زندگی کو ماضی کا پابند رکھا یا وہ حال میں مطمئن، مستقبل کا ہی سوچتی رہی؟

وہ ایک سوال بھی نہ پوچھ سکا۔

دل تڑپتا رہا...... اس نے دل کو تڑپنے دیا۔

الجھے دماغ کو شانت کرنے کی سعی تک نہ کی۔

کافی وقت گزر گیا۔

وہ اپنے کیبن میں چلا آیا۔ طبیعت بوجھل ہونے لگی تھی۔ صبح جس جوش و جذبے سے آفس آیا تھا وہ اب ماند پڑ چکا تھا البتہ وہ اس

سب کے باوجود ہوش وحواس بحال رکھنا چاہتا تھا۔ضبط کے کڑے مرحلے سے گزرتے ہوئے اسے حلق میں چبھن محسوس ہونے لگی تو گلاس میں پانی انڈیل کر حلق تر کیا۔پانی کی ٹھنڈک نے دماغ کی حدت بھی کم کی۔اندر برپا طوفان تھمنے لگا جبھی سماعتوں سے واضح آواز ٹکرانے لگی۔اس نے مکمل توجہ سے آواز سننی چاہی۔

''بپھرے ہوئے سمندر میں محبت کی کشتی کو ڈوب جانے دو۔ادھوری اذیت ناک محبت کے لئے جدوجہد تمہیں ساحل سے دور لے جائے گی۔تم تہی داماں رہ جاؤ گے۔پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی غلطی مت کرنا۔اپنے حقیقی رشتوں کے چہروں کو غور سے دیکھو۔ان کی خوشی کی وجہ تم ہو۔تمہارا کرب انہیں بھی مات دے سکتا ہے۔واپسی کی راہیں خار دار جھاڑیوں سے بھری ہیں۔تم بھی زخمی ہو گے اور مما ڈیڈ کی روح بھی تڑپے گی۔خود پر یادوں کو حاوی مت ہونے دو علی......یادیں سراب کی طرف لے جائیں گی۔سانسوں کو عذاب لمحوں میں دھکیل دیں گی۔تمہاری محبت یکطرفہ تھی۔تمہارے جذبات مستبشرہ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے......سوچوں کو بھٹکنے سے روک لو۔دل کو ڈپٹ کر آئینہ دکھاؤ۔تم مستبشرہ کے دل میں کبھی کوئی نہیں رکھتے تھے۔اس کی زندگی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں تھی۔اب بھی نہیں ہوگی۔اس نے کبھی تم سے محبت نہیں کی تھی۔تمہاری محبت اس کے نزدیک محض ایک مذاق اور وقت گزاری کا بہانہ تھی۔اب اگر تم نے اس کی طرف بڑھنا چاہا تو اس کی سفاکیت تمہیں مکمل طور پر تباہ کر دے گی۔تم کبھی نہیں سنبھل سکو گے۔مزید کرب نہیں برداشت کر سکو گے۔واپسی مت جانا۔مستبشرہ کے خیال کو رد کر دو......وہ تم سے محبت نہیں کرتی۔وہ تمہاری محبت کو روند ڈالے گی۔اسے سوچنا چھوڑ دو۔''

آواز اندر سے ابھری تھی۔

آواز میں شدت تھی۔لہجہ تحکم بھرا تھا۔وہ آواز کو سماعتوں سے ٹکرانے سے روک نہ سکا۔الفاظ کی حقیقت کو جھٹلا نہ سکا۔حقیقت دل کو ناگوار گزری مگر دماغ سنبھل گیا۔منتشر سوچیں آواز کے تابع آئیں۔علی پر بس تابعداری لازم ہوئی۔اس نے حقیقت کا کڑوا گھونٹ فوراً حلق سے نیچے اتارا۔دل کو جذبات سمیت نظر انداز کیا۔

''نہیں......اب نہیں......بالکل بھی نہیں۔''

وہ سر نفی میں ہلانے لگا۔

''میں اس کا نام کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا'' دوٹوک انداز میں وہ بڑبڑایا۔ایک ہاتھ سختی سے بالوں میں پھیرا۔

''وہ میری محبت کے لائق نہیں ہے۔'' خود کو قائل کرنا چاہا۔

''میری محبت اس کے تعاقب میں بے مول نہیں ہوگی۔وہ محبت کے قابل ہی نہیں ہے۔اس نے میری محبت کی نفی کی، میری محبت کی تذلیل کی۔مگر اب نہیں۔میں محبت کو اب مجبور نہیں ہونے دوں گا۔میں اس کا نام تک نہیں لوں گا۔اب اس کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔میں اسے دل میں مزید نہیں بسا سکتا۔''

لب ولہجہ اٹل ہو گیا۔آواز میں ضد نمایاں تھی۔وہ سنبھل گیا تھا۔

''میں کبھی معطر سے مستبشرہ کے بارے میں نہیں پوچھوں گا۔میں دل کو اب موقع ہی نہیں دوں گا۔''

بڑبڑاہٹ میں قطعیت کی آمیزش، نرم گوشوں تلخی سے پتھر کر گئی تھی۔اسی وقت ایک اور خیال ذہن میں کوندا۔فوراً سے پہلے موبائل جیب سے نکالا اور اگلے ہی لمحے انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔

''افریشم......کیا تم میرے لیے آسکتی ہو؟''

میسج ٹائپ کرتے ہی اس نے سینڈ کا بٹن دبایا۔افریشم سے کیا گیا سوال اور اس کا متوقع مثبت جواب ہی اسے کشمکش سے نکال سکتا تھا۔وہ اب اس موڑ پر الجھنا نہیں چاہتا تھا۔اسے اپنے فیصلے پر قائم رہنا تھا۔افریشم کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کرنے، نئے راستوں کا چناؤ کرنا تھا جہاں صرف آسودہ فضائیں، راحتوں بھری، پرسکون ٹھنڈی چھاؤ مہیا کرنے اشجار بہاروں کے سنگ ان کے منتظر ہوں گے۔مگر اس سے پہلے دل سے محبت کو کھرو چ کر نکال باہر کرنا ضروری تھا۔

مستبشرہ جمال کا نام ہمیشہ کے لئے مٹانا ضروری تھا۔

موبائل جیب میں واپس رکھتا وہ پورے عزم کے ساتھ اسی کام میں منہمک ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

وقار سعید کو اپنی بانہوں میں ماہی کا وجود بے جان ہوتا محسوس ہوا۔شک دور کرنے کے لئے اس نے ماہی کے گال تھپتھپائے مگر باوجود کوشش کے وہ بند ہوتی آنکھوں کو کھولنے میں ناکام ہوئی تھی۔اس کا دل لرز گیا۔

''ماہی......کیا ہو رہا ہے تمہیں؟'' وہ عجلت میں سراسیمگی سے چلایا۔

اس کی آواز پر باقی سب کی توجہ بھی ماہی پر گئی۔وہ بے حس وحرکت وقار کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔کلثوم بیگم کا دل دہل گیا۔سینے پر ہاتھ رکھے مہ روش کی طرف بڑھیں۔عندلیب نے بھی قدم آگے بڑھائے۔

''ماہی......آنکھیں کھولو۔'' وقار نے ایک بار پھر اس کے گال تھپتھپائے مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

''یا اللہ پاک......رحم......میری بچی کو کچھ نہ ہو۔'' کلثوم بیگم خوفزدہ ہوئیں۔دعائیہ بولیں، آواز آبدیدہ تھی۔آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔ادینہ بھی ندامت سمیت آگے بڑھی جبکہ وقار نے فوراً اسے دونوں بازوؤں پر اٹھایا۔

''ماہی......'' کانپتی آواز میں پھر اس کا نام پکارا۔''میں اسے ہوسپٹل لے کر جا رہا ہوں۔''

قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔

''میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' اریش بھی آگے بڑھا۔ساتھ ہی عندلیب کو دیکھا۔''عندلیب......تم یہیں رہو بچیوں کے پاس۔''

عندلیب نے گھبراہٹ کے باوجود اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دونوں تیزی سے خارجی دروازہ عبور کرتے باہر نکل گئے۔ عندلیب پلٹ کر کلثوم بیگم کے پاس گئی۔ جبھی کمرے سے شانزے کی رونے کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو رخ کمرے کی جانب کر دیا۔ کلثوم بیگم بے بسی سے بیٹھتے ہوئے نظر بیٹی پر ڈالی تھی جس کی سرخ انگارہ آنکھوں میں ملال واضح تھا۔ اس کے لب قفل زدہ تھے۔ انہوں نے اس لمحے عجیب متنفر نظروں سے ادینہ کو گھورتے ہوئے آنکھیں بند کر دیں۔ دل ماہی کے لئے غمزدہ تھا، فکر مند تھا، دعا گو تھا۔

''اللہ پاک...... مہ روش کو کچھ نہ ہو۔ اپنی مہربان ذات، اپنی صفات کے صدقے میری بچی پر رحم فرما مالک...... ماہی کو کچھ نہ ہو۔ اس معصوم کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ بہت دکھ اٹھائے ہیں اس نے...... میرے اللہ اس پر رحم کرنا۔ اپنا خاص کرم کرنا۔'' وہ ہاتھ اٹھائے نم لہجے میں دعا کر رہی تھیں۔

ان کے الفاظ ادینہ کو پاتال کی گہرائیوں میں اتارنے لگے۔ وہ اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی رہی۔ ماں کو تسلی دینے کے لئے، ماہی کے لئے اپنی فکر و پریشانی کو زبان دینے کے لئے اس کے پاس محض گونگے الفاظ تھے جن کی آواز صرف اس کے اندر تک محدود تھی۔

گھر کی فضا الگ آزمائش کا شکار ہو گئی۔

وقت بے بسی سے آگے بڑھنے لگا۔

وقار اور اریش ہسپتال کے کاریڈور میں بے تابی سے چکر کاٹ رہے تھے۔ تمام حقیقت و کڑوی چائی ایک طرف، ماہی کی فکر انہیں صبر آزما مرحلے کا شکار کئے، بے صبر تھی۔ ماہی کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے باہر آئے۔ وہ دونوں ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔

''ڈاکٹر صاحب! کیسی ہے میری بہن؟'' وقار نے پریشانی سے پوچھا۔

''فی الحال دواؤں کے زیر اثر ہیں۔ ہم نے انجکشن وغیرہ لگائے ہیں۔ زیادہ خطرے والی بات نہیں ہے وہ جلدی ہوش میں آ جائیں گی۔'' ڈاکٹر نے اپنے پیشہ ورانہ انداز میں بتایا۔

''لیکن اچانک بے ہوش ہونا......'' وقار نے قدرے مطمئن ہونے کے باوجود سوال ادھورا چھوڑا۔

''وجہ آپ جانتے ہوں گے کیونکہ پیشنٹ کے بے ہوش ہونے کی وجہ ڈپریشن اور گہرا صدمہ ہے۔ پیشنٹ کا بی پی بھی لو ہے''...... ڈاکٹر نے بتایا۔ کچھ پل رک کے پھر ان سے استفسار کیا۔

''آپ کے گھر میں کوئی مسئلہ چل رہا ہے؟''

''مسئلہ چل رہا تھا لیکن اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بولا کیونکہ بہتری کی ایک واحد راہ وہ نکال چکا تھا۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔ بہرحال زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔ شام تک ہوش میں آنے کے بعد پیشنٹ کی حالت بہتر ہوئی تو

ڈسچارج کر دیں گے۔'' ڈاکٹر بہتر کی امید لیئے وثوق سے بولے اور آگے بڑھ گئے۔

ان دونوں کے چہروں پر پھیکی مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

''مراد کو کال کر کے ماہی کی طبیعت کے متعلق بتاؤں؟'' ڈاکٹر کے جانے کے بعد اریش مستفسر ہوا۔

وقار سعید نے فوراً کروفر کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں......اب ماہی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہو گا۔ جتنا کھیل اس نے کھیل کر بدلہ لینا تھا۔ ماہی کو اذیت دینی تھی وہ دے چکا ہے۔ اب مزید نہیں۔ میں اپنی بہن کو اس جنگلی انسان کے حوالے نہیں کروں گا۔ اس کا ماہی پر کوئی حق نہیں ہے۔'' حقارت سے بولا۔

مراد کی اصلیت و بھیانک روپ کی سچائی اس کا خون کھولا گئی تھی۔ نفرت کا لاوا اس کے اندر مڈنے لگا تھا۔

اریش حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر خاموش ہو گیا۔

''اریش!'' جبکہ وقار نے اس کی خاموشی پر اسے پکارا۔

''جی......؟''

''تم ایسا کرو۔ ہمارے گھر جاؤ اور امی ابو کو تمام باتیں بتاؤ۔ اب ضروری ہے کہ وہ بھی تمام حقیقت سے آشنا ہوں۔ اتنے سال میں نے ان کی نفرت برداشت کی۔ ان کی بدگمانیوں پر چپ رہ کر عذاب جھیلا مگر اب سب کچھ، سب کو معلوم ہونا ضروری ہے۔ مراد کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہونا ضروری ہے۔ اتنے سال وہ ابو کی نظروں میں معتبر بنا رہا۔ میں ادینہ کی عزت کے لئے بے عزت ہوتا رہا مگر سب بے سود......ابو میری بات نہیں سنیں گے۔ شاید یقین بھی نہ کریں۔ تم انہیں سب بتاؤ اور یہاں لے آؤ۔'' وہ سنجیدہ و ملتجیانہ آواز میں بولا۔

اریش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ماہی کے دکھوں کا ازالہ تو شاید ناممکن ہے لیکن باقی کی زندگی وہ اذیت میں نہیں گزارے گی۔'' وہ مزید بولا۔

اریش نے اس ک شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینی چاہی پھر توقف بعد اس سے اجازت لے کر سعید احمد کے گھر جانے کے لئے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد وقار سعید نے یاسیت میں ڈوبی گہری سانس خارج کی۔ ماہی کے دکھوں کی سات سالہ طویل داستان کا احساس اس کی روح کو گھائل کرنے لگا تھا۔

ادینہ کی محبت اور خوشیوں کے لئے اس نے ادینہ کے لئے اپنی محبت و جذبات کو دس سال پہلے دل میں ہی دفن کر دیا تھا۔ اپنی محبت قربان کر کے دس سال وہ ماں باپ کے علاوہ ادینہ سے جڑے ہر رشتے اور باقی خاندان کی لعنت و ملامت بھری نظروں کی تپش سے اندر ہی اندر جلتا رہا مگر جلن کے اس تکلیف دہ احساس سے زیادہ آج اس قربانی کی وجہ سے بہن کی بے قدری اور بربادی کی کربناک کہانی دل پر گہرے گھاؤ لگا گئی تھی۔ دکھ، افسوس، غصے، نفرت کا لاوا اس کا تن بدن جلانے لگا تھا۔

وہ اندر باہر سے جل رہا تھا۔

ہر گزرتا لمحہ جلن بڑھانے میں مگن تھا۔

ایک گھنٹہ مزید گزر گیا تھا۔ اریش ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ماہی کو بھی فی الحال روم میں شفٹ نہیں کیا گیا تھا۔ وہ کاریڈور میں مسلسل چھوٹے چھوٹے چکر کاٹ رہا تھا کہ معاً اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے موبائل جیب سے نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا۔ نظروں سے کلثوم بیگم کے گھر کا نمبر ٹکرایا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کال ریسیو کی اور موبائل کان سے لگایا۔

''بیٹا...... ماہی کیسے ہے اب؟'' کلثوم بیگم نے فکرمندی سے پوچھا۔

''فی الحال بے ہوش ہی ہے۔'' جواباً اس کا لہجہ خود بخود دکھ درا ہو گیا۔ ''گہرے صدمے میں ہے۔''

کلثوم بیگم چاہنے کے باوجود مزید کچھ نہ پوچھ پائیں مگر دوسری طرف وقار سعید آج چپ نہیں رہنا چاہتا تھا۔ انہیں خاموش پا کر چبھتا ہوا سوال کیا۔

''پھوپھو! ماہی بہت عزیز تھی نا آپ کو؟''

جواباً دو آنسو ان کی آنکھوں سے پھسلے۔

ادینہ ان کے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ عندلیب بھی شانزے کو سلانے کے بعد اریبہ کو گود میں لیے قریب ہی بیٹھی تھی۔ کلثوم بیگم نے ندامت سے نظریں جھکا لی تھیں۔

''ایسی ہوتی ہے محبت......؟ اتنے سال وہ خاموش رہی، دکھ جھیلتی رہی، ضبط کرتی رہی اور آپ سب دیکھتی رہیں؟'' وہ طنزیہ پوچھنے لگا۔ آواز تلخی سے بھر گئی تھی۔

وہ چپ رہ کر اسے سننے لگیں۔

''روتی بھی ہو گی ماہی...... گھر میں کبھی نہیں رونے دیا تھا ہم نے اسے۔ ہمیشہ سے مسکراتی رہتی...... اس کی آنکھیں بھی باتیں کرتی تھیں...... مسکراتی تھیں...... بہت خوبصورت زندگی تھی ماہی کی...... آپ کیسے اتنے سال خاموش رہیں پھوپھو! ایک بار بھی کسی سے آپ نے مراد کی ناانصافیوں کا ذکر نہیں کیا۔ ماہی کو رونے دیا، اس کی زندگی کو عذاب ہونے دیا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی نے کتنی بے بسی سے دم توڑا ہو گا...... اور آپ بے حسی سے دیکھتی رہیں...... آپ بھی مراد کی طرح مجھ سے بدلے کے لئے ماہی کو تڑپتے دیکھ کر خوش ہوتی رہی ہوں گی۔ ماہی کی زندگی کو دکھوں سے بھر کر، بے رنگ کر کے کتنا سکون ملا ہے آپ سب کو...... آپ بھی ماہی کی گنہگار رہیں۔ آپ نے کبھی اس پر رحم نہیں کیا، بے حسی سے سب دیکھتی رہیں...... آپ بھی قصوروار ہیں۔''

وقار سعید کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ ضبط کے باوجود آنکھ کے گوشے نم ہونے لگے۔ اس کا ایک ایک لفظ کرب میں ڈوبا تھا۔ اس

کے چبھتے سوال پگھلے سیسے کی طرح کلثوم بیگم کے کانوں میں بہنے لگے۔

لیکن وہ ایک لفظ بھی جواباً ادا نہیں کر سکی تھیں۔

''ماہی شادی کے بعد بدل گئی، اس کا ظاہر بدل گیا۔ وہ خود سے لاپرواہ ہو گئی۔ میں نے ایک بار پوچھا تھا اس سے...... بہت معمولی وجہ بتائی تھی اس نے کہ شادی کے بعد مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ نایاب اور اریبہ اپنا خیال رکھنے کے لئے وقت نہیں دیتیں اس لئے سجنا سنورنا چھوڑ دیا، ہنسنا مسکرانا کم کر دیا مگر کاش میں اس کے اندر جھانک سکتا۔ اس کے اندر ٹھہری خزاں آلود موسم کو محسوس کر سکتا۔ اس کی ویران آنکھوں میں پنہاں درد کو پڑھ سکتا۔ اس کے زرد چہرے او غمزدہ دل کا راز جان پاتا...... کاش میں اس کی اذیت کا احساس کر پاتا۔'' وہ رنجور تھا۔

اس کا دل غبار سے بھر گیا تھا۔ پھٹنے لگا تھا۔ گہرے ملال کی زد میں آ گیا تھا۔

''بہت بدنصیب ہوں میں...... میری ذات میری بہن کی بدنصیبی کی وجہ بنی۔ میری وجہ سے مراد قطرہ قطرہ اذیت اس کے اندر انڈیلتا رہا مگر ایک دن بھی ماہی اپنا دکھ زبان پر نہ لائی۔ بہت نفرت کی ہو گی ماہی نے مجھ سے...... اب بھی بدگمان ہو گی...... میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔'' وقار شرمندگی و اذیت کی بھٹی میں جل رہا تھا۔

ماہی کے متعلق ایک ایک سوچ اسے ننگے پاؤں سمیت جلتے کوئلوں پر کھڑا کر گئی تھی۔

کلثوم بیگم کو اس کی اذیت کا احساس نڈھال کرنے لگا۔ بولنے، حوصلہ دینے کی سکت ان میں نہیں بچی تھی۔ اشکبار آنکھوں میں ندامت بھی جھلک رہی تھی۔ اذینہ بے بسی سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

''مگر اب مزید نہیں...... ماہی اب اس گھر میں قدم نہیں رکھے گی پھوپھو۔ آپ اور آپ کی اولاد کی بے حسی اور خود غرضی کی بھینٹ نہیں چڑھے گی۔ میں اب اسے کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ میں ماہی کو مزید کرب برداشت نہیں کرنے دوں گا۔ ماہی اب آپ کے گھر نہیں آئے گی۔ آپ اس کا سامان پیک کر دیں۔ اب وہ واپس نہیں آئے گی۔'' خود کو مضبوط کرتا وہ قطعیت سے بولا۔

یہ فیصلہ وہ بہت سوچ سمجھ کر کر چکا تھا۔

جس میں ردوبدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''وقار......''

اس بار انہوں نے اپنی چپ توڑی۔ بے چارگی سے اس کا نام لیا مگر وہ کچھ بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔

''نہیں پھوپھو۔ اب نہیں...... پہلے آپ نہیں بولیں تو اب بھی آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں۔ ماہی واپس نہیں آئے گی۔ میں اس کو واپس نہیں جانے دوں گا۔'' وہ کھردرے لہجے میں بولا۔ ساتھ ہی کال بھی ڈسکنیکٹ کر دی۔

اسے کچھ نہیں سننا تھا۔ نہ وضاحت، نہ دلیل نہ بہتری کی امید کے لئے پر وثوق باتیں۔ موبائل واپس رکھتے ہوئے وہ پھر سے

کاریڈور میں چھوٹے چھوٹے چکر کاٹنے لگا۔ ایک ایک منٹ صدیوں پر محیط معلوم ہو رہا تھا۔ دل یاسیت و تاسف میں ڈوبنے لگا۔ کچھ وقت مزید گزرا۔

چلتے چلتے یک دم اس کے قدم رک گئے۔ نظر اریش اور پھر اس کے پیچھے آتے سعید احمد اور نفیسہ بیگم پر ٹھہر گئی تھی۔ ان دونوں کے چہروں پر فکر مندی کے علاوہ ہزاروں تاثرات کی آمد و رفت جاری تھی جبکہ ان کی آنکھیں، چند سیکنڈ بعد وقار سعید کو دیکھ کر نم ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں بہت بے تابی سے آگے بڑھے تھے۔ وقار گھبرایا، حیران ہوا۔ حقیقت سے آگاہی کے بعد وہ ماں باپ کے ردعمل کے متعلق پریشانی کی وجہ سے سوچ بھی نہیں سکا تھا اور نہ اب اسے موقع ملا تھا۔ اریش ان دونوں کو ماہی کی کنڈیشن کے متعلق بتا چکا تھا۔ اس وقت سعید احمد نے بناء کچھ کہے وقار سعید کو گلے لگایا تھا۔

ان کی بانہوں کی گرمائش وقار کی زبان گنگ کر گئی۔ اس کا دل بھر آیا تھا۔ اس لمحے کے لئے وہ دس سال اندر ہی اندر ارمان کرتا رہا۔ ترستا رہا مگر اب جب یہ لمحہ حقیقت کا روپ دھار چکا تھا تب وہ اپنی کیفیت کا اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔ عام حالات میں ایسا ہوتا تو وہ خوش ہوتا، شاید جشن بھی مناتا مگر آنکھ کے پردے پر مہ روش کا عکس تھا۔ اس سمیت کوئی بھی کچھ نہ بول پا رہا تھا۔

مگر یہ لمحات معتبر تھے۔

وقت ان معتبر لمحوں کو سمیٹنے کے لئے رک گیا تھا۔

☆......☆......☆

''خالہ جان۔''

عندلیب نے اریبہ کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے کلثوم بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔ کال بند ہو چکی تھی۔ وہ رو رہی تھیں۔

''اب سب کچھ ختم ہو جائے گا۔'' وہ دھیمی افسردہ آواز میں بے بسی سے بولیں۔

''کیا کہہ رہے تھے وقار بھائی...... ماہی ٹھیک تو ہے ناں۔'' وہ فکر مند ہوئی۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وقار اب اسے یہاں نہیں لائے گا۔ اسے یہاں واپس نہیں آنے دے گا۔ کہہ رہا تھا کہ ماہی کا سامان پیک کر دیں۔'' ساتھ روتے ہوئے بتانے لگیں۔

عندلیب نے ہونٹ بھینچے۔

جبکہ ادینہ نے تاسف زدہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''وہ بدنصیب ناحق دکھ جھیلتی رہی، چپ چاپ ستم برداشت کرتی رہی۔ وقار کے بے قصور ہونے کا سچ بھی اسے بھاری پڑا۔ اس

کے اعصاب کیسے اتنا بڑا صدمہ برداشت کر سکتے تھے؟'' وہ رنجور سی کتے ہوئے ادینہ کو دیکھنے لگیں۔

ادینہ کی آنکھوں میں شرمندگی وملال واضح تھا۔

بیٹی کو دیکھ کر دل مزید کٹنے لگا۔

آج ہی وہ اپنے کیے کی سزا بھگتا کر آئی تھی۔ مزید بھگتنا باقی تھا۔ طلاق کا دھبہ اس کی پیشانی پر لگ گیا تھا۔ اس کا راز منکشف ہو چکا تھا۔ وہ راز جو اس کے طلاق کے غم پر مٹی ڈالے، اس کی ذات کو نشانے پر لے آیا تھا، جو چیخ چیخ کر اسے قصور وار ٹھہرا گیا تھا جو اعتراف کے بعد شرمندگی و پشیمانی کے بھنور میں پھنس گئی تھی۔ جس کے لئے اب ذلت ورسوائی کے در وار ہونے جا رہے تھے۔ جس کے لئے اب لوگوں کی زبانیں حرکت میں آنے والی تھیں۔ جس کے لئے لعنت و ملامت باقی تھی، جسے اب مہ روش کی بربادی و دکھوں کو بیان کرتے سوالوں کا جواب بھی دینا تھا۔ جسے اب ہر ایک کو جواب بھی دینا ہے۔

''امی! مجھے معاف کر دیں۔ محبت نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ قلبی سکون اور خوشیوں کے لئے میں نے آپ سے بے ایمانی کی۔ میری خودغرضی کی وجہ سے وقار کو اپنی عزت کی قربانی دینی پڑی، ہر رشتے سے دور ہونا پڑا۔ میں بہت بری ہوں۔ میں نے صرف اپنا سوچا تھا۔ میری وجہ سے ماہی کی زندگی میں زہر گھلا۔ میں بہت بری ہوں...... بہت بری ہوں۔'' ماں کی آنکھوں نے ادینہ کو اندر تک لرزا دیا تھا۔ کلثوم بیگم کے قدموں میں دوزانو بیٹھ کر شکست خوردہ آواز میں رونے لگی، معافی مانگنے لگی۔

وہ ادینہ کی ماں تھیں۔

ان کا دل متنفر ضرور ہوا تھا مگر پتھر نہیں۔ بیٹی کے الفاظ آنسوؤں میں شدت و روانی لے آئی۔ منظر دھندلا ہو گیا۔ ادینہ نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے، آبدہ لہجے میں ایک بار پھر معافی کی خواستگار ہوئی۔

''مجھے معاف کر دیں امی۔''

انہوں نے ضبط وتحمل سے آنکھیں صاف کیں، اس کے جڑے ہاتھ نیچے کیے مگر چاہنے کے باوجود زبان سے کچھ بھی نہیں کہہ پائی تھیں۔ جس پر وہ نادم سے سر جھکا گئی۔

''ادینہ آپی، اوپر بیٹھیں۔''

عندلیب نے اسے سہارا دے کر اٹھایا، ساتھ ہی کہا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر ماں کے برابر ہی بیٹھ گئی تھی۔

ماحول میں تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ فضا میں سنجیدگی وتلخی کی آمیزش شامل ہو گئی تھی۔ وقت کی رفتار سستی پکڑنے لگی۔ ایک ایک منٹ، ہزاروں گھنٹوں کے برابر تھا۔

عندلیب نے گھنٹے بعد اریش کو کال کی۔ ماہی کی طبیعت کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی۔

دواؤں کے زیر اثر ہے۔ اریش نے اسے سعید احمد کی وہاں موجودگی کا بتایا اور تھوڑی دیر بعد کال بند کر دی۔ عندلیب اپنا موبائل کان سے ہٹائے واپس مڑی تو کلثوم بیگم کی سوالیہ نظروں کو اپنا منتظر پایا۔

''اب کیسی طبیعت ہے مہ روش کی؟''

''ابھی تک ماہی کو ہوش نہیں آیا لیکن ڈاکٹر پر امید ہیں۔ ایک دو گھنٹے تک وہ ہوش میں آجائے گی۔'' اس نے بتایا۔

''اور کیا کہہ رہا تھا اریش؟''

''وہ خالہ جان......'' عندلیب بتاتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی۔

''کیا بات ہے بیٹا؟''

''وقار بھائی نے ہسپتال میں سعید ماموں اور ممانی جان کو بلا لیا ہے۔ انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔'' اس نے آہستگی سے بتایا۔

انہوں نے بے بسی سے طویل سانس خارج کی۔ اب بات تمام سچائی اور سیاق وسباق کے ساتھ سامنے آنی ہی تھی لیکن حقیقت سے ادراک کے بعد بھائی سے سامنے کی سوچ انہیں غمگین کر گئی۔ عندلیب لب بھینچے چپ کھڑی رہی۔

''اب وہ مہ روش کو یہاں نہیں آنے دیں گے۔'' ایک اور سوچ انہیں دکھی کر گئی۔ وہ مزید بولیں۔

''میں اب اسے روک بھی نہیں سکتی...... روکنے کے لئے کوئی وجہ، کوئی دلیل نہیں ہے میرے پاس۔ اس گھر میں دکھ ہی تو ملے ہیں اسے۔''

یاسیت بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔

عندلیب ان کے گلے لگ گئی۔ اس وقت وہ صرف حوصلہ و تسلی ہی دے سکتی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا خالہ جان۔''

''اللہ کرے کہ سب ٹھیک ہو۔''

''ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔ آپ زیادہ پریشان مت ہوں۔''

''بیٹا! میرا تو دل خفگی سے پھٹے جا رہا ہے۔ میں کیسے سعید بھائی کا سامنا کروں گی۔ نفیسہ سے کیسے نظریں ملاؤں گی۔ اور مراد...... وہ تو صبح سے گیا واپس آیا ہی نہیں۔ وہ تو غصے میں پاگل ہو جاتا ہے۔''

''غصہ اترا تو مراد بھائی واپس آجائیں گے۔'' وہ اس کے سوا نہیں اور کوئی یقین نہیں دلا سکی۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا کہ مہ روش کا سامان پیک کروں لیکن میں اسے نہیں روک سکتی۔ اگر اس نے واپس جانا چاہا تو میں اسے ایک بار بھی رکنے کا نہیں کہہ سکوں گی۔''

یہ غم الگ انہیں کھائے جا رہا تھا۔

''خالہ جان! ابھی آپ سامان پیک مت کریں۔ یہ سب بعد میں دیکھا جائے گا۔آپ فی الحال خود کو سنبھالیں۔ ماہی کے لئے دعا کریں۔ادینہ آپی بھی مسلسل رو رہی ہیں۔ جو بھی ہوا فی الحال اسے بھلا کر خود کو سنبھالنا ضروری ہے۔آپ یہاں صوفے پر بیٹھیں۔ میں آپ کے لئے پانی لاتی ہوں۔ اریبہ اور نایاب کو بھی کچھ بنا کر دیتی ہوں۔ وہ دونوں بھی گھبرائی ہوئی ہیں۔انہیں آپ کی محبت اور توجہ چاہیئے...... پلیز ان کے لئے خود کو سنبھالیں۔''

عندلیب نے عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھایا۔انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔عندلیب ان کے لئے پانی لانے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ انہوں نے کچھ ہی فاصلے پر کھڑی نایاب کو ہاتھ کے اشارے سے قریب بلا کر خود سے بھینچ لیا تھا۔

☆......☆......☆

شدتِ غم سے اس کا سر چکرا رہا تھا۔آج جو بدترین دھچکا اس کے دل و دماغ کو پہنچا تھا وہ ناقابلِ برداشت تھا۔

اس کی انا نیست و نابود ہوگئی تھی۔

اکڑی گردن جھک گئی تھی۔

غرور خاک میں مل گیا تھا۔

اندر قیامت برپا تھی۔قیامت کی لرزہ خیزیاں اعصاب شکل کرنے لگی تھیں۔ادینہ کا سچ اس کے چہرے پر زناٹے دار طمانچے کی طرح تھا جس کی حدت اس کا تن بدن جلا رہی تھی۔ غصہ اس کی سوچوں کو مشتعل کئے جا رہا تھا۔سچ تمام تر کڑواہٹ اس کے حلق میں گھول رہا تھا جس کی اذیت کا ابال آنکھوں کو سرخ کر رہا تھا۔وہ اپنی ہی جنگ میں بدترین شکست کھا گیا تھا۔

شکست اسے برداشت نہیں تھی۔

وہ ہار نہیں سکتا تھا۔

اسے چاروں شانے چت ہارنا منظور نہیں تھا۔

آنکھوں کے سامنے بار بار ابھرتا ماہ روش کا عکس اس کی بصارتوں کے لئے کڑا امتحان تھا۔وہ اسے سوچنا نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہ رہا تھا۔صبح سے دوپہر ہوگئی تھی۔ پاگلوں کی طرح سڑکوں کی دھول اڑانے کے بعد وہ تھکنے لگا تھا۔اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔قدم واپسی کی راہ پر ڈالتے وہ گنجلک سوچوں سے آخری لڑائی لڑ رہا تھا۔اسے شکست خوردہ جواری کی طرح اب آخری بازی میں مات نہیں چاہیے تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ اب اگر ماہی اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی۔ طنزیہ، تحقیر و تضحیک بھری باتیں کیں تو وہ برداشت نہیں کر پائے گا۔اس کے چبھتے سوالوں کا جواب نہیں دے پائے گا۔ ضبط کھو دے گا۔اسے جان سے مار دے گا یا خود اپنے ساتھ

کچھ سنگین کر جائے گا۔ سات سالوں بعد وہ مہ روش سعید کے سامنے اپنی مات تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اس کے سامنے جھک نہیں سکتا تھا۔

یہ اس کی انا کو گوارہ نہیں تھا۔ اسے اپنی زخمی انا کا بھرم قائم رکھنا تھا۔ گھر پہنچنے تک وہ ایک حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔

فرار کا فیصلہ......!

وہ گھر پہنچا، رخ کمرے کی طرف تھا۔ نگاہیں زمین پر تھیں۔ وہ کسی کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر کلثوم بیگم اسے دیکھ چکی تھیں لیکن دیکھنے کے باوجود وہ اس کے پیچھے نہیں گئی تھیں۔ وہ اسے مہ روش کے متعلق بتانا چاہتی تھیں مگر اس کی غصیلی طبع نے انہیں روکے رکھا لیکن جب کچھ ہی دیر بعد وہ چھوٹے سے بیگ سمیت باہر آیا تو وہ خائف ہوئیں۔

''مراد......کہاں جا رہے ہو؟''

''یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' وہ پلٹا، چلا کر بولا۔

''کیوں......؟''

''کیوں......وجہ پوچھ رہی ہیں؟'' وہ ان کے سوال پر ضبط نہیں کر پایا، اونچی آواز میں دھاڑا۔

آواز اس قدر اونچی تھی کہ کچن میں موجود عندلیب اور ساتھ اریبہ کو اٹھائے ادینہ کے کانوں سے واضح ٹکرائی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ادینہ کے دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہو گئی تھی۔

''میں آج اپنی ہی نظروں میں گر گیا ہوں امی......ادینہ نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔ آپ کیا چاہتی ہیں ادینہ کی وجہ سے لوگوں کے پیروں میں گر کر معافی مانگوں یا اس کے دھوکے اور محبت نامے پر شرم سے ڈوب مروں......مجھے روکیے گا مت ورنہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔ خود کو یا ادینہ کو مار دوں گا۔ میرا دل پھٹ رہا ہے......مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رک سکتا۔''

وہ ہذیانی انداز میں چلایا۔

''جلد بازی اور غصے میں کوئی فیصلہ مت کرو بیٹا......تحمل سے کام لو۔''

''نہیں لے سکتا میں تحمل سے کام......دماغ کھول رہا ہے میرا۔''

مراد......''

اس کا غصہ انہیں بے بس کرنے لگا۔

وہ اسے ماہی کے متعلق بتانا چاہ رہی تھیں مگر اس کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

''میں اب یہاں واپس نہیں آؤں گا......ادینہ کے ہوتے ہوئے تو کبھی بھی واپس نہیں آؤں گا۔اسے بہن کہتے ہوئے شرم آئے گی اب مجھے، بہت تکلیف دی ہے اس نے مجھے...... میں کبھی معاف نہیں کروں گا اسے۔اس کے ہوتے ہوئے کبھی نہیں آؤں گا۔ میں یہاں ایک منٹ بھی مزید نہیں رک سکتا۔میں جا رہا ہوں۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ مزید وہاں رکا نہیں تھا۔کلثوم بیگم نے پہلے اس کی پشت اور پھر روتی آنکھوں سے ہلتے ہوئے دروازے کو بے چارگی سے دیکھا۔ بے جان جسم اگلے ہی لمحے صوفے پر گر گیا تھا۔دل خون کے آنسو رونے لگا۔ ماہی کا بے بس، مجبور عکس آنکھوں کے سامنے منعکس ہونے لگا۔مراد کا فیصلہ......ماہی کے ساتھ ناانصافی تھی۔

عندلیب نے خاموش نظروں سے ادینہ کو دیکھا۔

ادینہ بے آواز رو رہی تھی۔آنکھیں بند تھیں مگر آنسوؤں نے بند آنکھوں اور پلکوں کی باڑ کی پرواہ کئے بغیر راہ ہموار کر لی تھی۔ ہر دکھ و غم پر احساس شرمندگی حاوی ہو رہا تھا۔معید کے کٹھور و کھردرے لفظوں کی بازگشت مدھم ہو گئی تھی جبکہ مراد کے الفاظ تیز دھار تلوار کی طرح اس کے دل میں پیوست ہونے لگے تھے۔

کرب نئے سرے سے بڑھنے لگا تھا۔

تکلیف دہ آزمائشیں سر اٹھانے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

مہ روش کو ہوش آ گیا تھا۔

اسے کمرے میں شفٹ کیا گیا تھا۔ہوش میں آنے کے بعد ذہن متحرک ہو چکا تھا۔صبح ہوئی تمام باتیں یادداشت کو ازبر تھیں۔وہ ایک بار پھر ان کے زیر اثر آتی مگر جو منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ اسے عجب کیفیت کا شکار کر گیا تھا۔ابونم آنکھوں سے وقار کو سن رہے تھے۔امی چپ چاپ وقار کے ساتھ بیٹھی تھیں۔سرسری سی نظر اریش پر بھی پڑی جو اسے ہوش میں آتا دیکھ کر طمانیت سے مسکرایا تھا۔

''مہ روش کو ہوش آ گیا ہے۔''اس نے سب کو بتایا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔''نفیسہ بیگم نے شکر کے کلمات ادا کئے۔اس کا ماتھا چوما۔

سب ایک ساتھ اس کے قریب آئے۔

''ماہی......''وقار نے فکر مندی و طمانیت کے ملگجے تاثرات سمیت اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔نفیسہ بیگم نے پیچھے ہٹ کر شوہر کو جگہ دی۔

''شکر الحمدللہ۔''سعید احمد نے جھک کر اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔سب کے چہروں پر خوشی کی لہر نمایاں تھی لیکن تشکر کے

کلمات کے علاوہ فی الوقت انہوں نے مہ روش کی طبیعت کے پیش نظر باقی کوئی بات زبان پر نہیں لائی تھی۔

مہ روش باری باری ان سب کو دیکھ کر آنکھیں موندنے لگی۔امی ابو کی موجودگی، اسے ان کی تمام صورتحال اور اگلی پچھلی باتوں سے آگاہی کا احساس دلا گئی جس کے بعد وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں نہیں دیکھنا چاہ رہی تھی۔اپنا آپ اسے بہت بے بس و کم تر لگا تھا۔البتہ وقار کے ہاتھوں میں سے اپنا ہاتھ پیچھے نہیں کیا تھا۔

''میں ڈاکٹر کو بتا کر آتا ہوں۔'' اریش نے کمرے کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کو بتانے کے لئے چلا گیا۔

''ماہی! اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' وقار نے اس کے ہاتھ پر محبت بھرا دباؤ ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے آنکھیں وا کیں۔

''ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی۔'' سعید احمد اس کے قریب ہی تھے۔

''کرم ہے اللہ پاک کی مہربان ذات کا کہ تم جلدی ہوش میں آ گئی۔اب پریشان مت ہونا ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' اسے دلاسہ دیتے ہوئے ایک بار پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اس نے اثبات کے طور پر مسکرانے کی پوری کوشش کی۔

''کچھ چاہیے بیٹا۔'' نفیسہ بیگم اس کے قریب آئیں۔

''نہیں امی......''

تھوڑی ہی دیر میں اریش ڈاکٹر کے ساتھ واپس آیا۔ڈاکٹر نے ماہی سے طبیعت کے متعلق ایک دو سوال کئے، آرام و ذہنی سکون کی تائید کی۔باقی سب کو بھی اسے پریشانی دور رکھنے کو کہا۔ماہی کا بی پی وغیرہ چیک کیا جواب پہلے سے بہت بہتر تھا البتہ کم ہی تھا۔پھر اپنے مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں غذائیت سے بھرپور خوراک تجویز کی اور میڈیسن لکھ کر وقار کو پرچی تھمائی۔

''شکریہ ڈاکٹر صاحب۔''

''ایک دو گھنٹے بعد انہیں ڈسچارج بھی کر دیا جائے گا۔'' ڈاکٹر نے نکلتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد کمرے میں کئی پل خاموشی رہی۔مہ روش کے ہوش میں آنے سے قبل ہی سعید احمد نے اس کی صحت و پریشانی کے خیال سے سب کو سوال جواب کرنے سے منع کیا تھا۔خود ان کا ارادہ مہ روش کو اپنے گھر لے جانے کے بعد سبین کے گھر جانے اور باز پرست کرنے کا تھا۔اریش کے منہ سے سچائی اور ماہی کی سختی بھری زندگی کا سننے کے بعد جہاں دکھ بھری حیرت نے انہیں جکڑا تھا وہیں بیٹے کے لئے پتھر دل موم ہونے میں کچھ سیکنڈز سے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

اپنی بدگمانی و رویئے پر وہ وقار کے سامنے شرمندہ بھی ہوئے مگر وقار اپنے بارے میں اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔اسے

صرف مہ روش کی فکر تھی۔ اپنا غم تو سعید احمد اور نفیسہ بیگم کے گلے لگتے ہی کم ہو گیا تھا۔ اب وہ بس مہ روش کو ہر غم سے نجات دلانا چاہتا تھا اور امی ابو کو قائل کر چکا تھا کہ اب وہ ماہی کو اپنے گھر لے کر جائے گا۔ انہیں وقار کی بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

اعتراض ہوتا بھی تو کیوں......؟

جان سے پیاری بیٹی، ان کو خون سات سال تک اپنی ظاہری حالت کے لئے ان کے سوالوں کو کتنے آرام سے مصروفیت کی بابت بتائی، گھریلو امور کو دلیل کے طور پر پیش کرتی، بچیوں کی شرارت، ان کے چھوٹے چھوٹے کاموں کو ماں باپ کے ہر سوال، ہر فکر و پریشانی کے سامنے، اپنی ذات سے لاپرواہی کی اصل وجہ بتائی اور اس وثوق کے ساتھ ایک ایک لفظ کہتی کہ وہ یقین کئے بناء نہ رہ پاتے۔ مگر اب حقیقت سامنے تھی۔ ان کی بیٹی خاندان کو جوڑے رکھنے کے لئے، اپنے دکھوں کو چھپانے کے لئے، آنسوؤں کو خشک کرنے کے لئے بڑی مہارت سے جھوٹ بولتی آئی تھی۔ وہ جھوٹ، جس کا راز فاش ہونے کے بعد ان کے آنسو اب خشک ہونے کو تیار نہیں تھے۔ وہ آنسو جو بیٹی کے درد کو محسوس کرنے کے بعد رواں تھے۔ وہ آنسو جو بیٹے کی قربانی اور اسی قربانی کے رائیگاں ہونے پر رواں تھے لیکن آنسوان کی بے بس سوچ کا لحاظ کرنے پر آمادہ اندر ہی اندر گر رہے تھے۔ وہ بیٹے کے سامنے رو چکے تھے۔ بیٹی کے سامنے رونا نہیں چاہتے تھے۔ بیٹی کے سامنے رو کر اس کا حوصلہ پست نہیں کرنا چاہتے تھے نہ اسے کسی کمزوری کا احساس دلانا چاہتے تھے۔

بلکہ انہیں اب سفاک آنکھوں کے ساتھ بیٹی کے لئے بولنا ہے۔ اس کے ہر غم، ہر دکھ کا حساب مانگنا ہے۔ اپنی بیٹی کی ہر تکلیف کو اس کی زندگی سے نکال کر اسے سمیٹنا ہے۔ اسے اپنے ساتھ رکھنا ہے۔ مراد منصور سے اس کی ایک ایک اذیت کی جواب طلبی کرنی ہے۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد کمرے میں خاموشی توقف بھر کے لئے چھائی جسے اریش کے موبائل کی بپ نے توڑا۔ اس نے موبائل چیک کرنے کے بعد ان سب کی طرف دیکھا۔

”امی کی کال ہے۔ میں اور عندلیب صبح کے آئے واپس نہیں گئے۔ بچے بھی امی کے پاس چھوڑ کر آئے تھے۔ میں بات کر کے آتا ہوں۔“ پھر انہیں بتاتے ہوئے کال ریسیو کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد مہ روش نے نفیسہ بیگم کی طرف دیکھا۔

”امی۔ ٹائم کیا ہوا ہے؟“ آہستگی سے پوچھا۔

”عصر کا وقت ہے بیٹا۔“

”نایاب، اریبہ اور......“ وہ فکر مند ہوئی۔

”وہ تینوں ٹھیک ہیں۔ ان کی فکر مت کرو۔ عندلیب ان کے پاس ہے۔ اریش نے کچھ دیر پہلے ہی اس سے بات کی ہے۔ تم بس پرسکون رہو۔ زیادہ کچھ مت سوچو۔“ انہوں نے اس کے بال سہلاتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

مہ روش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اب سب ٹھیک ہو گا ماہی۔'' وقار بھی پر وثوق لہجے میں بولا۔

وقار کے الفاظ سے یک دم اس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ لبوں پر بھی دھیمی مسکراہٹ پھیلی۔ اندر دھڑکتا دل طمانت سے لبریز ہو گیا۔ جو بھی تھا، جو بھی اس کے ساتھ ہوا، جو سانے جھیلا......اس کے بعد آج جو وقار کا اصل روپ سامنے آیا، اس کے بے قصور ہونے پر مہر ثبت ہوئی وہ اسے اپنے آپ میں معتبر کر گیا تھا۔ ایک بوجھ اس کے دل و دماغ سے اتر گیا تھا۔ جو اس وقت پریشانی میں بھی سرشار کرنے کے لئے کافی تھا۔ چمکتی آنکھوں سے وہ کافی دیر تک وقار سعید کو دیکھتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد اریش بھی واپس آیا۔ کسی نے اس سے نہ کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ کہا۔ البتہ کمرے میں آنے سے قبل وہ کلثوم بیگم کو مہ روش کے ہوش میں آنے کے متعلق کال کر کے بتا چکا تھا۔ باقی کے ایک دو گھنٹے ہلکی پھلکی باتوں میں گزرے۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر آکر ماہی کا چیک اپ کیا۔ ضروری ہدایات کو دوبارہ دہرایا۔ وقار ان کے ساتھ باہر گیا۔ تمام بل وغیرہ ادا کیے۔ ماہی ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ وقار نے گاڑی تک اسے سہارا دے کر لایا۔ اسے بیٹھنے میں مدد دی۔ باقی سب بھی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ گاڑی سست روی سے سڑک پر رواں تھی۔ ماہی مطمئن تھی کہ کسی نے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے مراد منصور سے متعلق کوئی سوال نہ کیا۔ امی کے کندھے پر سر ٹیکے وہ پرسکون ہی رہنا چاہتی تھی مگر کچھ منٹ بعد ہی اطمینان کے سمندر میں شک کے پتھر نے ارتعاش پیدا کیا۔ اسے بصارت کا دھوکہ لگا، شک کو دور کرنے کے لئے گاڑی سے باہر دوڑتے مناظر کو بغور دیکھا۔ اگلے لمحے شک یقین میں بدلا۔ وقار سعید نے گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑ دی تھی۔

''وقار بھائی......آپ کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے؟''

''اپنے گھر۔'' اس نے تحمل سے جواب دیا۔

''لیکن مجھے اپنے گھر جانا ہے۔'' اس نے نفی کرتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔

''تم اب وہاں نہیں رہو گی ماہی۔'' وہ برجستہ دو ٹوک بولا۔

''میری بیٹیاں......'' وہ حیران سی بات مکمل نہ کر سکی۔

''پریشان مت ہو ماہی۔ تم گھر جاؤ، آرام کرو میں تینوں کو لے کر آجاؤں گا۔''

''نہیں وقار بھائی۔''

''کیوں ماہی۔'' اس بار سعید احمد نے مڑ کر اسے سوالیہ دیکھا۔

''ابو میں اپنے گھر جاؤں گی۔'' وہ پرسوچ انداز میں قطعیت سے بولی۔

''اب بھی......'' نفیسہ بیگم نے بھی تاسف سے اسے دیکھا جو اپنی صحت کا خیال کیے بغیر واپس جانا چاہ رہی تھی۔

''جی امی۔'' وہ اٹل تھی۔

''میں تمہیں اب کبھی وہاں نہیں جانے دوں گا۔'' جبکہ وقار بھی بضد ہوا۔ ''تمہاری بیٹیاں بھی وہاں نہیں رہیں گی۔''

''میں نے کہا نا بھائی میں اپنے گھر ہی جاؤں گی۔ آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں گاڑی سے نہیں اتروں گی۔'' وہ صاف واضح لفظوں میں بولی۔

''ضدمت کرو بیٹا۔ ہم نے تمہارے لئے یہ فیصلہ کیا ہے۔'' سعید احمد نے اس کی حالت کے پیش نظر دھیمے لہجے میں کہا۔

''بیٹی ہو تم ہماری۔ پہلے لاعلم تھے مگر اب جانتے بوجھتے تمہیں اس جنگلی انسان کے حوالے نہیں کر سکتے۔'' نفیسہ بیگم کا ضبط بیٹی کی ضد سے ٹوٹا۔ آواز دھیمی مگر لہجے میں مراد منصور کے لئے تلخی تھی۔

اریش نے تمام گفتگو کے دوران خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

''امی۔ مراد میری بیٹیوں کے باپ ہیں۔ میں اپنی بیٹیوں کو اپنے دکھوں کے مداوے کیے باپ کے سائے سے محروم نہیں کر سکتی۔ میں نہیں چاہتی کہ مراد اپنی بیٹیوں سے غافل ہوں۔ جس طرح آپ کو میری فکر ہے بالکل اسی طرح مجھے اپنی اولاد کی، ان کی زندگی کی فکر ہے۔ میں نہیں چاہتی آج سے پہلے جو ہوا وہ آئندہ میری اولاد کو محرومیوں میں دھکیلے۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ اس وقت وہ ان سب کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہ رہی تھی اور خود کو بالکل نظر انداز کیے، یہ بات تو وہ ہوش میں آنے کے بعد ہی سوچ چکی تھی کہ اب اسے اپنا نہیں، صرف اپنی بیٹیوں کا سوچنا ہے اور ویسے بھی تمام قصے میں مراد کی بیٹیوں سے لاتعلقی سب سے مخفی تھی۔

''میں تمہاری بیٹیوں کو محرومی کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔ مجھ پر اتنا تو یقین کرنا ہوگا تمہیں۔'' وقار بھی اپنے فیصلے سے ہٹنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''آپ پر یقین ہے بھائی مگر مراد...... مراد کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ باپ جیسا بھی ہو، اولاد کی زندگی کا اہم ستون ہوتا ہے اور اس وقت میں خود غرض بن کر اپنی بیٹیوں کو باپ کی محبت اور شفقت سے محروم نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنی بیٹیوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنی۔ میں اپنی بیٹیوں کے لئے وہاں جاؤں گی۔ وہیں رہوں گی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' اس نے بات ختم کرنی چاہی۔

ان سب نے بے بسی و بے چارگی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ ماہی کی طبیعت کی وجہ سے فی الحال کوئی بات کھینچنا نہیں چاہتے تھے مگر اب ماہی کی ضد انہیں مجبور کر گئی۔ وقار نے گاڑی ایک سائیڈ پر روکی، پلٹ کر ماہی کو دیکھا۔

''تمہیں اپنی صحت کا بھی خیال نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے کہا بھی ہے کہ تمہیں پرسکون جگہ و ماحول میں رکھا جائے۔ سا گھر میں تم کیسے پرسکون رہو گی؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔

''میری بیٹیاں ہی میرا سکون ہیں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ہم تمہیں وہاں لے چلتے ہیں اور ویسے بھی مجھے اس سارے معاملے پر کلثوم اور مراد

سے بات کرنی تھی سو وہ بھی ابھی کر لیتے ہیں......چلو وقار۔‘‘سعید احمد نے سنجیدگی سے بات سمیٹی اور وقار کو مخاطب کیا۔

وقار نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی راستہ تبدیل کیا۔

’’نہیں ابو......آپ پھوپھو سے نہ کچھ پوچھیں گے نہ انہیں کچھ کہیں گے۔‘‘ جبکہ مہ روش نے سعید احمد کو منع کیا۔

’’کیوں کچھ نہ کہوں......اتنے سال تم وہاں اس گھر میں کلثوم کے سامنے دکھ جھیلتی رہی اور اس نے کبھی تمہارا درد محسوس کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چپ چاپ تماشائی بنی رہی۔ ذرا رحم نہیں آیا اسے۔ پہلے اس کی بیٹی نے وقار کو استعمال کر کے ہمیں سب کی نظروں میں شرمندہ کیا اور پھر اس کے بیٹے نے، دھوکہ دہی سے رشتوں کو جوڑنے کا کھیل رچایا اور رشتوں سے کھلواڑ کرتا رہا۔ تمہیں سختیاں دیتا رہا، اذیت دیتا رہا۔ مراد کو تو میں کبھی معاف نہیں کروں گا اور کلثوم......‘‘ وہ سخت متنفر تھے۔

البتہ ماہی نے انہیں ٹوکا۔

’’پھوپھو کا اس سب میں کوئی عمل دخل نہی۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ مراد کے سامنے وہ ہمیشہ میرے لئے بولیں، میرے لئے کھڑی ہوئیں۔ مراد نے مجھ سے شادی انتقام کے لئے کی لیکن پھوپھو بے خبر تھیں۔ پھوپھو نے مراد کے ہر فعل کو ہمیشہ برا کہا۔ پھوپھو نے ہمیشہ میرا دکھ بانٹا، مجھے سمیٹا، سینے سے لگایا۔ میرے آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کیے میرے ساتھ رہیں۔‘‘ کلثوم بیگم کے حق میں بولی۔ آنکھوں کے سامنے ان کا حقیقت سامنے کے بعد بے بس چہرہ بھی منعکس ہوا۔ بے بس چہرے پر غم سے بوجھل آنکھیں، جن میں سچائی وحشتیں بکھیر گئی تھیں۔ اس نے ہوش و حواس کھونے سے پہلے بغور دیکھی تھیں۔ گزرے سات سالوں میں زندگی کی پیچیدگیاں اسے پھوپھو کے بہت نزدیک کر گئی تھیں۔ وہی اس کی واحد غمگسار اور راز داں تھیں۔

اور اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ مراد منصور کی وجہ سے انہیں کچھ بھی غلط سننا یا سہنا پڑے۔

’’پھر وہ چپ کیوں رہی اتنا عرصہ۔‘‘ وہ سخت ناراض ہوئے۔

’’کیونکہ میں نے انہیں منع کیا تھا۔ اپنی قسم دی تھی کہ کسی کو کچھ نہیں بتائیں گی۔ اس وقت اپنی بربادی کی اصل وجہ مراد کے بعد مجھے وقار بھائی ہی لگتے تھے اور میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ یا کوئی اور وقار بھائی سے مزید بدظن ہوتے۔‘‘ وہ صاف گوئی سے بولی۔

’’کاش تم نہ انہیں منع کرتی نہ خود چپ رہتی، تو حقیقت اسی وقت سامنے آ جاتی کیونکہ اب سچائی سامنے آنے کے بعد بھی تم واپس جانا چاہ رہی ہو جو میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ میں تمہیں کرب میں نہیں دیکھ سکتا ماہی۔‘‘ وقار کی آواز میں درد تھا، حسرت تھی۔

سعید احمد، مہ روش کی باتوں کے بعد خاموش ہو گئے تھے۔

’’اب سب ٹھیک ہو گا وقار بھائی۔‘‘ جواباً وہ اتنا ہی بولی۔

پھر گھر تک کا راستہ خاموشی سے کٹا۔ گھر میں داخل ہوتے وقت مہ روش نے دل کو ڈھارس دینے کے لئے ایک طویل سانس خارج کی تھی۔ مراد منصور اور ادینہ کے سامنے جانے سے قبل وہ دل و دماغ کو ہر لحاظ سے تیار رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ باقی سب، اس

کی وجہ سے خاموشی کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ انہیں مہ روش کی صحت وسکون کا خیال بھی تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت بھی ذہن میں تھی۔ مہ روش خود انہیں بات بڑھانے سے روک چکی تھی۔ وہ مجبوراً مہ روش کی بات ماننے پر خود کو آمادہ کر چکے تھے۔ ان سب کو ایک ساتھ گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر کلثوم بیگم اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھیں۔ نظریں مہ روش کے چہرے پر ہی ٹھہریں۔ اشکبار آنکھوں سے اسے گلے لگایا۔

''کیسی ہو بیٹا۔'' آبدیدہ لہجے میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں اب پھوپھو۔''

وہ کافی دیر اسے گلے سے لگائے کھڑی رہیں، وقار کی کال کے بعد تو دل یاسیت وملال میں ڈوبا رہا۔ انہیں مہ روش کے واپس نہ آنے کا رنج اندر ہی اندر گھائل کرتا رہا مگر اب وہ آگئی تھی۔ وقار اسے لے آیا تھا۔ دل کو قرار بھی آیا مگر پھر بھائی اور بھابی کی موجودگی کا خیال انہیں اگلے ہی لمحے شرمندہ کر گیا۔ مہ روش کو عندلیت کے حوالے سے آہستگی سے کہا اور پھر بنا کچھ بولے بھائی اور بھائی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے، شرمندگی سے سر جھکائے، بے آواز رونے لگیں۔ یہ منظر ان دونوں کو تمام غصہ، دکھ درد بھلائے موم کر گیا۔ وہ کچھ نہ بول پائے۔ سعید احمد نے بہن سے ناراضگی کو بڑھنے نہ دیا۔ آگے بڑھ کر ان کے جڑے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا۔ اس دوران البتہ ان کی آنکھیں بھی یاسیت سے نم ہوگئی تھیں۔ نفیسہ بیگم نے بھی دل بڑا کیا۔ آگے بڑھ کر نند کے گلے لگیں۔ یہ منظر باقی سب کے لئے خوشگوار تاثر پیدا کرنے لگا۔ مہ روش نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نایاب اور اریبہ کو گود میں لیتے وقت تشکر کے کلمات ادا کئے۔ امی، ابو نے اس کی بات مان کر اس کی لاج رکھ لی تھی اور یہی منظر کچھ ہی فاصلے پر شرمسار وپشیمان کھڑی ادینہ کو بھی حوصلہ دے گیا۔ اسے یہی وقت مناسب لگا۔ ابھی کی چپ، اسے پھر کبھی بولنے لائق نہ چھوڑتی۔

''مجھے بھی معاف کر دیں ماموں، ممانی جان...... یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ میں شرمندہ ہوں لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔ مجھے میرے کیے کی سزا تو مل گئی ہے لیکن آپ سب کی نفرت نہیں چاہیے مجھے...... پلیز مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ سب سے بہت شرمندہ ہوں۔ اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔ کبھی سکون نہیں ملے گا مجھے......'' لب ولہجہ اور آواز بھیگی ہوئی تھی۔ ندامت ایک ایک لفظ سے ٹپک رہی تھی۔

انہوں نے خاموش نظروں سے ادینہ کو دیکھا۔

سزا تو اسے طلاق کی صورت میں واقعی مل چکی تھی۔ وقار اور ماہی کی زندگی اگر برباد ہوئی تھی تو آباد وہ بھی نہیں رہی۔ رسوائی و ملامت اسے گل لگائے کھڑی تھی۔ وہ خود اعتراف کر چکی تھی۔ اب بے بس بھی تھی اور اپنے کیے پر پچھتا بھی رہی تھی۔ عمر بھر کا روگ الگ اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں پتھر دل نہ بن سکے۔ دل درد کے باوجود اس کا غمگسار بنا۔ سعید احمد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ نفیسہ بیگم نے بھی چپ چاپ اسے اپنے ساتھ لگایا۔ وقار سنجیدگی سے کھڑا رہا۔ اریش زیرِ لب طمانت سے مسکرائے۔ یہ منظر اس کا سکون بحال کر گئے تھے۔ اتنا کچھ سنگین وسفاک ہو جانے کے باوجود بڑوں نے دلوں میں موجود گنجائش سے سب کچھ جھیل لیا۔ یہ ان کی اعلیٰ ظرفی کا بھی ثبوت تھا۔

''مراد کہاں ہے۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' سعید احمد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اپنی بیٹی کے اصل قصوروار کے متعلق پوچھا۔ وہ اسے معاف نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے اپنی بیٹی کے ہر ایک دکھ، آنسوئں کے ایک ایک قطرے کا حساب لینا چاہتے تھے۔

مگر ان کا سوال کلثوم بیگم کے زخم پر نمک چھڑک گیا۔ ایک بار پھر انہیں شرمندگی نے گھیرا۔ مجبوراً دھیمی آواز میں بولیں۔

''وہ یہاں نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئے۔

''وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔''

انہوں نے بتایا۔ اس بار سعید احمد نے بے یقینی سے بہن کو دیکھا۔ باقی سب بھی متعجب زدہ رہ گئے تھے البتہ یہ خبر مہ روش کو بری طرح الجھانے میں محو ہوگئی تھی۔ دل طوفان کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد سماعتوں سے کیا کیا آوازیں ٹکراتی رہیں وہ غور ہی نہ کر سکی تھی۔

❁ ❁

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

احسان شاہ کی واپسی نے در و دیوار کو خوش رنگ کر دیا۔ ماں باپ اور بہن سے ملتے ہی پردیس کی تھکن گویا اتر گئی تھی۔ وہ تینوں بہت سرشار تھے۔ چہرے و دل پر سکون ہو گئے تھے۔ گھر کا مخصوص ماحول و خاموشی دم توڑ گئی۔ احسان کی آمد نے ہلچل مچائی۔ اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی اگلے دل فلک شاہ اور باقی سب بھی اس سے ملنے آئے۔ باتوں، قہقہوں و مسکراہٹ نے محفل کو خوب رونق بخشی۔ مستبشرہ بھی سکول نہیں گئی۔ سب مہمانوں کے لئے چائے کے ساتھ دیگر لوازمات کا اہتمام کرنے کچن میں آئی تو فلک بھی اس کے پیچھے آ گئی اور فلک سے کچھ ہی دیر بعد احسان بھی وہیں چلا آیا۔

''مس فلک شاہ...... بھائی کے بغیر ہی دعائے خیر کروالی۔'' آتے ہی فلک کو شرارتاً مخاطب کیا۔

وہ شوخی سے مسکرائی۔

''شادی بھائی کے سامنے کروں گی۔''

اس کی بات پر آنچ دھیمی کرتی مستبشرہ بھی مسکرائی۔

''بھئی میں تو تمہیں پاگل، جھلی سمجھتا تھا۔'' وہ ہنسا۔

''کیا مطلب۔'' وہ غیر سنجیدہ رہی۔

''محبت کے لئے کوئی پاگل بھی اتنی جدوجہد نہیں کرتا۔''

آنے کے بعد وہ اماں سے مستبشرہ اور مشارب کا رشتہ طے نہ ہونے کی وجہ پوچھ رہا تھا جب مستبشرہ نے اسے مختصراً فلک کی محبت سے آگاہ کیا تھا۔

''محبت کے لئے پاگل ہی جدوجہد کرتے ہیں۔ سمجھ بوجھ کر محض دعا کرنا یا انتظار کرنا بے وقوفی ہے۔'' وہ نہ شرمائی، ادا سے بولی۔

''بڑی سمجھدار ہو گئی ہو۔'' وہ متاثر ہونے کی ایکٹنگ کرتا اسے کندھا تھپتھپا کر داد دینے لگا۔

''بس اب اللہ پاک غرور سے بچائے۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔

''آمین۔''

''لیکن مجھے میری محبت مستبشرہ کی وجہ سے ملی۔'' البتہ اس نے اعتراف کیا۔

''تم ہماری بہن ہو۔ تمہاری خوشی ہمیں بہت عزیز ہے۔'' مستبشرہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جواباً کہا۔

وہ مسکرائی۔

''یہ الگ بات ہے اب بیچارہ مشارب تمہاری ''محبت'' کے نام پر تمام عمر روتا رہے گا۔'' احسان نے شریر انداز میں اسے چھیڑنا چاہا۔

''بیچارہ؟......روتا کیوں رہے گا؟'' وہ متعجب سوالیہ ہوئی۔

''ہمیشہ کی طرح تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھی رہو گی اور وہ تمہاری محبت کے لئے تمہیں مناتا رہے گا۔''

''جی نہیں۔اب میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا نہیں ہوتی۔'' ادا سے جواب دیا۔

''بس طوفان کھڑا کرتی ہو۔'' احسان نے تصحیح کی۔

مستبشرہ محظوظ ہوئی۔

''محبت میں طوفان کھڑا کرنا جائز ہے۔''

''ہاہاہا......تو تم طوفانی محبت کرتی ہو۔''

''ہاں شدید طوفانی۔اور اب مشارب بھی۔'' وہ ترنگ سے بولی۔

''چلو اللہ اس شدید طوفانی محبت کو خوشیوں بھری موسلا دھار بارش کی صورت تا عمر تم دونوں پر برساتا رہے۔'' مستبشرہ نے تمام لوازمات ٹرے میں رکھنے اور چائے کپوں میں انڈیلنے کے بعد دعائیہ انداز میں ان دونوں کی گفتگو کو بریک لگایا۔

''آمین۔'' احسان نے با آواز بلند کہا۔

فلک کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اب چلیں باہر۔'' مستبشرہ نے دونوں کی تائید چاہی۔

''چلیں۔'' ان دونوں نے اسے راستہ دیا۔

''اوہ فلک......تم نے ابھی تک گفٹس کا نہیں پوچھا۔بہت سارے گفٹس لایا ہوں تمہارے لئے اور نویرہ نے بھی تمہارے لئے گفٹ بھیجا ہے۔'' کچن سے نکلتے ہوئے احسان نے اسے بتایا۔

''واؤ......تھینکس......اور گفٹس کا خود سے پوچھ کر ندیدہ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے مجھے۔تمہارا کام تھا مجھے پہلے بتاتے بلکہ میرے آتے ہی فوراً دیتے اور یہ ذرا نویرہ کی شکل تو دکھاؤ۔دیکھوں تو سہی کیسی ہے؟'' فلک نے کہتے ہوئے بھرپور اشتیاق ظاہر کیا۔

''بہت پیاری اور خوبصورت ہے نویرہ۔'' احسان نے جیب سے موبائل نکال کر تصویر نکالنے سے قبل نویرہ کی دل سے ستائش کی۔

''میں دیکھنے سے پہلے یقین نہیں کروں گی۔'' فلک نے شرارتاً کہا۔

''دیکھنے کے بعد کر لو گی۔'' وہ پر وثوق ہوا۔ساتھ ہی نویرہ کی ایک خوبصورت مسکراتی تصویر اس کی نگاہوں کو پیش کی۔

''اب بتاؤ......کیسی لگی؟''

''بہت خوبصورت۔'' وہ بے حد متاثر ہوئی۔''یہاں باقی سب کو کیسی لگی۔پھوپھو نے کیا کہا؟''

''تمہاری طرح سب کو بہت خوبصورت لگی۔'' اس نے بتایا۔ دونوں ایک ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے جہاں مستبشرہ باقی سب کو چائے سرو کر چکی تھی۔ احسان کا موبائل فلک کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اشارے میں ہی احسان سے اجازت لے کر فلک نے امی اور چچی جان کے علاوہ باقی سب کو نویرہ کی تصویر دکھائی۔ سب نے بھرپور ستائش کے ساتھ دونوں کے لئے دعائیہ کلمات اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

چائے سے فراغت کے بعد احسان نے فلک اور باقی سب کو گفٹس دیئے۔ باتوں و خوشگوار لمحات سے بھرپور محفل کافی دیر تک جاری رہی۔ ڈھلتی شام کے پہر نے محفل برخاست کی۔ وہ لوگ اجازت لے کر چلے گئے۔

اگلی صبح بھی خوشگوار تھی۔

ناشتے کے بعد جب مستبشرہ جمال سکول کے لئے تیار ہو کر آئی تب احسان شاہ نے بھی اس کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوا اور اس وقت احسان اس کے ساتھ اس آفس میں بیٹھا اس کی محنت، قابلیت اور نیک مقاصد پر اپنی خوشی و طمانت کے ساتھ فخر کا اظہار کر رہا تھا۔

''تم نے سب کچھ بہت اعلیٰ طریقے سے مینج کیا ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تمہیں کبھی بھی میری ضرورت ہوئی میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔''

''تھینک یو۔'' وہ سرشار ہوئی۔ چہرے پر مسکراہٹ مسلسل احاطہ کیے ہوئے تھی۔

''لیکن......'' جبکہ احسان پرسوچ انداز اپناتا سنجیدہ ہوا۔

''کیا......؟'' وہ سوالیہ اسے دیکھنے لگی۔

''میں تب بہت خوش ہوتا اگر تم اس خواب کی تکمیل سے پہلے اپنے لئے، اپنے دل کے لئے بروقت صحیح فیصلہ کرتی۔''

وہ آنے کے بعد اماں اور بابا جان کے اسلام آباد جانے پر جہاں حیران ہوا تھا وہیں اصل وجہ سے ادراک نے اسے خاصا افسردہ بھی کیا تھا۔ اپنے لئے مستبشرہ کی سال سالہ طویل خاموشی نے اسے انجانی سی چبھن کا شکار کر دیا تھا۔

''سب معاملات انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے احسان۔'' جواباً وہ دھیمی آواز میں آہستگی سے بولی۔

''انسان اتنا بے بس بھی نہیں ہوتا مستبشرہ، جتنا وہ خود کو سمجھ کر......ایک معمولی سعی کرنے سے بھی گھبراتا ہے۔''

''اس وقت میں اپنے لئے اتنا نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ اب بھی نہ سوچتی مگر حالات ایک دم پلٹا کھا گئے۔'' وہ رسان سے بولی۔

''محبت کو حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاتا۔ تم نے اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ایک بار تو واپس جا کر اپنے لئے خوشیاں اور سکون ڈھونڈنے کی کوشش کرتی۔ شاید تمہیں تب محبت منتظر ملتی۔'' اس کے لہجے میں تاسف بھری لہر تھی۔

''علی کو دھتکارنے کے بعد میں کیسے فوراً واپس چلی جاتی؟''

دکھ تو اسے بھی تھا مگر علی سے آخری ملاقات ذہن میں ہمیشہ تازہ رہی۔ اپنی شکست و اعتراف محبت کے بعد نادم تھی۔ ندامت سے چھٹکارہ اس کے لئے ناممکن تھا۔ اب اسلام آباد جانے کا فیصلہ سید جمال شاہ کا تھا اور وہ بابا جان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی تھی نہ اپنے اندر پنپتے اس خوف کو نظر انداز کرنا چاہتی تھی جو دل و محبت کی سرشاری کے بالکل عقب میں کھڑا تھا۔

''اچھا ایک کام کرتے ہیں...... دو ماہ انتظار کے بجائے تم اور میں آج کل میں ہی اسلام آباد چلے جاتے ہیں۔ انتظار بے کار ہے۔ کیا خیال ہے؟'' احسان نے سنجیدگی سے اپنی سوچ اس کے سامنے رکھی۔

''نہیں احسان۔ فلک کی شادی کے بعد ہی جائیں گے۔ یہاں سکول کے بہت سے کام پینڈنگ میں ہیں۔ وہ سب ختم کرنے ضروری ہیں۔ ماریہ کو بہت سے دیگر معاملات سمجھانے ہیں۔ ایک بار ہی اماں اور بابا کے ساتھ جاؤں گی۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

احسان شاہ نے بغور اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھی۔ چہرے پر سکون اور تحمل تھا۔ کوئی جلد بازی یا بیقراری نہیں تھی۔ اس کے ظاہری حلیہ کا بدلاؤ تو آنے کے بعد ہی وہ زیر بحث لایا تھا مگر اب اندرونی بدلاؤ کے ساتھ اس کی طبیعت میں شامل سنجیدگی و ٹھہراؤ کی رمق بھی واضح تھی۔ وہ اسی سلسلے میں مزید گفتگو جاری نہ رکھ سکا۔

''اچھا احسان......شام کو کیا کرو گے؟'' مستبشرہ نے اس کی خاموشی پر موضوع بدل کر استفسار کیا۔

''کچھ پلان نہیں کیا...... کیوں؟''

''کل فلک جانے سے پہلے کہہ کر گئی ہے کہ میرے ساتھ شاپنگ کے لئے جانا چاہتی ہے۔ میں نے بھی کپڑے وغیرہ لینے ہیں۔ فلک کے لئے گفٹ بھی لینا ہے۔ اگر تم فری ہو تو دونوں ساتھ چلے جائیں گے۔'' اس نے تمام مدعا اس کے سامنے رکھا۔

''ہاں میں فری ہی ہوں گا۔ دونوں چلے جائیں گے۔'' اس نے رضامندی ظاہر کی۔ مستبشرہ مسکرائی۔

''او کے مستبشرہ۔ تم پھر اپنا کام وغیرہ دیکھو۔ بعد میں ملتے ہیں پھر۔'' جبکہ احسان اپنی جگہ سے اٹھا اور اجازت چاہی۔

''او کے اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔''

مستبشرہ جمال نے اس کے جانے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ احسان کی باتیں اسے اپنے کئے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر گئی تھیں۔ اسلام آباد جانے کے لئے اس کا دل بے تاب تھا، خوش تھا۔ اس کی تشنہ محبت ایک ایک لمحہ بے صبری سے گزار رہی تھی۔ دل و محبت کو انبساط کی بارش میں بھیگتے دیکھ کر ہواؤں، فضاؤں میں بھی جلترنگ سے بجنے لگے تھے مگر اس کا دماغ......دل کو محبت سمیت نظر انداز کئے الگ پریشانی میں مبتلا عجیب وسوسے بننے میں مگن تھا۔ دماغ کو خدشہ تھا، وہم تھا کہ واپسی کا فیصلہ محض اذیت و کرب میں اضافے کا باعث بنے گا۔ دماغ اس کو باور کروانے میں جتا تھا کہ علی اسے اپنی زندگی میں اب محبت سمیت کوئی جگہ نہیں دے گا اور انہی

وسوسوں و خدشات کا منبع اسے ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا کہ ایسا کچھ بھی ہونے پر اس نے احتجاج نہیں کرنا۔

چپ چاپ محبت کو دل میں دفن کر کے بس راستے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کر دینے ہیں۔

اس وقت بھی وہ خود کو قائل کر رہی تھی، تیار کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

بے یقینی و یاسیت میں ڈوبا ہر دل ضبط و حوصلہ سے کام لے رہا تھا۔

دو ہفتے گزر چکے تھے۔

مہ روش اور مراد منصور کے رشتے کی تلخی بھری دردناک حقیقت جس کان سے بھی ٹکرائی، اپنا گہرا اثر اس شخص کے اندر باہر چھوڑ گئی۔ ہر آنکھ میں نمی اتری۔ ہر چہرے پر تاسف بکھرا۔ ہر زبان اول تو گنگ ہوئی پھر مراد منصور کی منفی سوچ، منفی عمل، منفی رویے اور اب منفی ردعمل پر برہم تھی۔ دبے دبے لفظوں میں ہر ایک نے ملامت کی۔ اس کی فرار کو بزدلی قرار دیا۔ ناانصافی گردانا گیا۔ ماہی کے لئے سب کے دل میں ہمدردی تھی۔

اور ادینہ......

ادینہ کی محبت، وقار کو انکار پر مجبور کرنا، تمام عمر اس کو راز رکھنے کی درخواست، معید سے شادی، دس سال اسی محبت اور وقار کے ساتھ خود غرض رویے کے بعد، ذہنی و قلبی بے سکونی، مسلسل آزمائش، دکھ، درد، طعنے، طنز، تذلیل اور آخر میں طلاق کا بدنما دھبہ......مجموعی طور پر اسے بے بس، مجبور اور قابل رحم حالت پر لے آئے۔

اس کے فیصلے اور اندرونی چال کی مزاحمت ضرور ہوئی۔

مگر یہاں مہ روش نے خود کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے اس کے حق میں آواز اٹھائی تھی۔

"ادینہ کا قصور نہیں......اگر منصور انکل، اپنی بہن سے نرمی برتتے، انا و ضد کی بجائے بہن کی محبت و فیصلے کو قبول کرتے، نفرت، کدورت، عداوت و رنجشوں کی دیوار کو کھڑا نہ ہونے دیتے اور اگر ان کے بعد مراد اپنی پھوپھو کے سامنے تن کر کھڑا ہونے کی بجائے، تمام فاصلے سمیٹ لیتے، منصور انکل کے بعد اپنے گھر کے دروازے پھوپھو کے لئے کھول دیتے، انا کے بت کو پاش پاش کر کے محبت سے نفرت کو مٹا دیتے تو شاید ادینہ کو یہ سب کبھی نہ کرنا پڑتا......ادینہ نے کسی غلط مقصد سے کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا۔ اسے باپ اور بھائی نے کبھی اعتبار نہیں دیا تھا اور اب اسے اپنے کئے کی سزا بھی باپ، بھائی اور پھوپھو کی ضد، انا و نفرت کی وجہ سے ملی......یہ بھی تو ظلم ہے۔"

حقیقت بھی یہی تھی۔ منصور عالم اگر ساری عمر سیر رہے تو مراد سوا سیر......

اور یہ سب نے نفیسہ بیگم، ریحانہ خالہ، شاہدہ پھپھو اور کلثوم پھوپھو کے سامنے اس وقت کی تھیں جب مراد کے بعد بات ادینہ کی

طلاق پر ہونے لگی، اور طلاق سے پہلے ان تمام رویوں کی، جو ادینہ کے فیصلے کی وجہ تھے، خود کو اور وقار سعید کی ذات کو بالکل الگ کئے اس نے ادینہ کے حق میں اپنا مؤقف پیش کیا تھا جسے وہاں موجود سب نے اس کی اعلیٰ ظرفی گردانتے ہوئے، ادینہ کے لئے دل کو نرم کیا تھا۔

مہ روش کی باتوں کو ادینہ نے بھی سنا تھا اور سننے کے بعد وہ اپنی ہی نگاہوں میں شرمندہ ہو کر رہ گئی تھی۔

ماہی نے اپنا دل کشادہ کر لیا تھا۔

واپس آنے کے بعد اسی رات کلثوم بیگم نے اس کے سامنے روتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر مراد اور ادینہ کی طرف سے معافی مانگتے ہوئے شرمندگی ظاہر کی مگر اس نے ایک لفظ غلط زبان پر نہ لایا، ادینہ کے کئے پر کوئی شکوہ نہ کیا۔ انہوں نے مراد کے گھر چھوڑنے پر بھی معافی مانگی، وہ محض ان کے گلے لگی۔ لبوں پر چپ برقرار رکھی۔ اس کے اندر کا موسم یک دم مکمل خزاں آلود ہو گیا تھا۔ الم و حزن کے گہرے بادل اندر ہی اندر برسنے سے انکاری گھٹن بڑھانے میں مگن ہو گئے تھے۔ پھوپھو کو وہ مزید دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ کچھ بھی بولنا، درد آنکھوں سے بھی عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے آنکھوں کو پتھر کر لیا۔

اسے اپنا اصل مجرم، اصل قصوروار صرف مراد منظور ہی نظر آ رہا تھا جو اب سفاک حقیقت کے بدترین نتائج سے دامن بچائے فرار تھا۔ جسے فرار اپنی تمام کوتاہیوں کا حل لگی تھی۔ جو اسے سات سال سینہ چوڑا کئے درد دیتا رہا اور خود ایک ہی جھٹکے میں مات کھائے، تمام رشتوں سے کنارہ کشی کر کے بھاگ گیا۔

یہ تھی اس کی بہادری......

یہ تھا انصاف......

بس اتنی سکت تھی اس کے غصے میں......

یہ کیسا انتقام تھا اس کا جو توڑ بھی مکمل طریقے سے نہ چڑھ سکا اور جس کے ادھورے پن میں بھی تشنگی برقرار رہی......

”مراد منصور......تم محبت کے قابل تو رہے نہیں اور بیچ راہ میں نفرت ادھوری چھوڑ کر، نفرت کے لائق بھی نہیں۔ بس تم ایک کمزور اور بزدل انسان ثابت ہوئے جو آئینے میں اپنا عکس نظر آنے کی سوچ سے گھبرا کر آئینہ توڑ دینے میں ہی بہادری سمجھتا ہے۔“ اس رات سونے سے قبل وہ مراد منصور سے ایک بار پھر مگر مکمل طور پر بدگمان ہوئی تھی۔ اس رات آخری بار وہ بے آواز روتی رہی تھی۔

اس سے اگلی صبح اس کی آنکھیں خشک تھیں، خالی تھیں۔

اس نے حقیقت کو تمام تر پہلوؤں کی سچائی سے گلے لگایا تھا۔ خود ادینہ کے پاس گئی تھی۔ ادینہ کے ہونٹوں پر بھی شرمندگی چپ کے قفل ڈالے ہوئے تھی البتہ اس کی روتی آنکھیں معافی کی خواستگار تھیں۔ ماہی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا، وہ دیر تک روتی رہی، آنسوں کا ہر قطرہ ندامت میں ڈوبا، پرانے دکھ اور نیا روگ کم کرنے میں مگن رہا۔ ماہی کی مسلسل چپ البتہ دل پر کوہ گراں ثابت ہوئی۔ اس

کی سوچیں بوجھل ہوتی رہیں۔ مزید ستم کہ وقت کی رفتار بھی سست روی کا شکار ہوگئی۔

اسی شام پریشے اور معارج بھی وہاں آئے۔ امی ابو تو اس کی صحت کے خیال سے اپنا دل مضبوط کئے بیٹھے رہے مگر پریشہ پر ملال تھی۔ دل غمزدہ تھا۔ وہ ضبط نہ کرسکی۔ ماہی کے گلے لگ کر آنسو خشک ہونے تک روتی رہی۔ ادینہ سے سرسری ملی۔ بھانجیوں کو دل سے لگائے رکھا۔ ماہی کے سامنے مراد منصور کے لئے جتنا اپنا دل ہلکا کرسکتی تھی کیا۔ ماہی نے اسے ایک بار بھی نہ روکا، بس خاموشی سے بہن کو سنتی رہی۔ اپنے لئے پریشے کی محبت وفکر بہت خاص لگی۔ پریشے نے جانے سے قبل ماہی کو امی کے گھر جانے کا مشورہ دیا مگر اس نے جواز کے ساتھ سہولت سے انکار کیا۔

پریشے کی باتوں، غصے اور مراد کے لئے کڑوے تلخ رویئے، لب و لہجے و انداز پر ماہی کے تحمل و ہمت نے پھوپھو کے دل کو مزید آزردہ کیا۔ انہوں نے کئی بار مراد سے رابطہ کرنا چاہا مگر ہر بار وہ ناکام ہوئیں۔ مراد نے اپنا موبائل بند کیا ہوا تھا۔ مراد جیسے شخص سے انہیں اس فعل کی امید نہیں تھی۔ گھر کے درودیوار سے اداسی چمکٹ گئی تھی۔ فضا میں رنج وکرب وخاموشی کی آمیزش شامل ہوگئی تھی۔

ایک ایک دن طوالت لیے گزرنے لگا۔

وقار سعید روزانہ وہاں چکر لگاتا۔ اس کی آمد بھی ماحول میں زیادہ ارتعاش پیدا نہ کرسکی۔ وہ کچھ وقت مہ روش کے ساتھ باتیں کرتا، پھوپھو اس کے منع کرنے کے باوجود چائے بناتیں، اس دوران کبھی ایک آدھ بار ادینہ پر نظر پڑ جاتی اور کئی بار وہ منظر سے بالکل غائب ہوتی۔ چائے کے بعد وہ نایاب اور اریبہ کو پندرہ بیس منٹ کے لئے گھر سے باہر لے کر جاتا، انہیں کچھ نہ کچھ لے کر دیتا۔ مقصد صرف ایک ہوتا کہ مہ روش کی پریشانی کم کرسکے۔ وہ خود کو کسی بھی صورت اکیلا نہ سمجھے۔ اپنی کوشش میں وہ کامیاب بھی ہوتا۔ وقار کا آنا، باتیں کرنا، بچیوں کو ٹائم دینا، مہ روش کے اندر پھیلتے غبار کو بہت حد تک کم کرتا۔ وہ کتنی بار شکر ادا کرتی کہ کبھی اس نے وقار کے سامنے وقار کے لئے سخت وسنگین الفاظ کا استعمال نہیں کیا۔ اپنی نفرت کا برملا اظہار نہ کیا اور اب تو دل میں وقار سعید کی قدرومنزلت بڑھ گئی تھی۔ وہ آتا تو ہر غم بھلا کر اس کے سامنے چہرے پر مسکراہٹ لے آتی۔

مہ روش کی مسکراہٹ، اس کے دل کو ڈھارس دیتی۔

مگر چار پانچ دنوں بعد دو آنکھوں نے اسے بری طرح الجھا دیا۔ وہ شانزے کی ویکسی نیشن کے بعد ماہی کو گھر چھوڑ کر واپس جارہا تھا جب اچانک غیر متوقع طور پر اس کا سامنا ادینہ سے ہوا۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ نہ بولے مگر ادینہ کی سرخ آنکھیں...... خالی آنکھیں...... ویران آنکھیں...... پر ملال آنکھیں...... ایک الگ داستان بیان کررہی تھیں۔ وہ معذرت کرتا گھر واپس آیا مگر دل بیقرار ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں، درد کی ایک داستان، الم میں ڈوب کر اگلے کئی دن تک اسے سناتی رہیں۔

کچھ پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔

پرانے زخم بھی ہرے ہوئے۔

سوچ کے کئی در وا ہوئے۔

مسلسل کئی دن تک نیند برباد کرنے کے بعد دھندلی نظروں کو ایک منزل دکھائی دی۔ منزل تک کی راہ بصارت سے اوجھل تھی مگر قلب وروح کے سکون کے لئے اسے ان دو آنکھوں کی سرخی کو ماند کرنا تھا لیکن اس سے پہلے اسے ان سرخ ویران آنکھوں کے مجرم کو سزا دینی تھی جس نے بڑے دعوے کے ساتھ اس سے قربانی کی استدعا کی تھی اور وہ انہی دو آنکھوں میں ابھرتی چمک کو دیکھ کر اپنے قدم پیچھے لے گیا تھا۔

اب اندر ہلچل ایک بار پھر مچی تھی۔

اگلے دن ابلتی سوچوں کو ٹھنڈک پہنچانے وہ معید کے سامنے تھا۔ اسے اس کی گھٹیا حرکت پر کھری سنانے کے بعد، اسے سنے بغیر گریبان سے پکڑے اوقات یاد دلائی۔ وہ بھی برہم ہونے لگا تو وقار سعید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔ اندر دل میں درد تھا، غصہ تھا۔ معید اس کے وار پر جوابی کارروائی میں ناکام ہوا البتہ زبان سے جتنا گند اگل سکتا تھا اگلتا رہا۔

''اتنی ہمدردی ہے تو شادی کر لو اس سے۔''

اور یہ وہ جملہ تھا جس کی بازگشت گھر آنے کے بعد بھی اس کے کانوں میں گونجتی رہی تھی۔ ساری رات وہ سو نہ سکا، سوچتا رہا، ہر پہلو کو دھیان میں رکھے۔ اندر دھڑکتا دل بھی اس کی سوچوں کو کسی ایک فیصلہ پر دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ مہ روش کی آئندہ زندگی سے بھی دکھوں کے مکمل خاتمے کے لئے شاید اس کا حتمی فیصلہ ضروری تھا۔ منتشر سوچیں سلجھنے لگیں۔ قدم الماری کے قریب جا کر رکے۔ اس نے الماری کے پٹ کھولے۔ متلاشی نظریں الماری میں دوڑائیں۔ ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے۔ توقف بعد ہی مطلوبہ چیز اس کے ہاتھ میں تھی جسے لئے وہ بیڈ پر آ کر بیٹھا۔ مخمل کے کپڑے میں بنا ایک ڈبہ، یادوں کی پٹاری کھولنے لگا۔

دل کے سوئے ارمان جاگنے لگے۔ جذبات مچلنے لگے۔ سونے کے دو خوبصورت کنگن اس کی ہتھیلی پر تھے۔ وہی کنگن جو دس سال پہلے، شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد اس نے اپنی اولین محبت ادینہ کے لئے بنوائے تھے۔ وہ محبت جو اس کی زندگی میں بغیر کسی تگ ودو کے شامل ہونے جا رہی تھی، وہ محبت جو صرف اس کے دل میں مقید تھی۔ وہ محبت جس کا اعتراف شادی کے بعد وہ تمام استحقاق سے کرنا چاہتا تھا۔

وہ محبت......جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکی۔

جسے ادینہ کی خوشیوں، خواہش اور محبت کے لئے اس نے اپنے اندر ہی دفن کر کے بھلا دیا تھا۔

اور وہ محبت جو اب پھر سے زندہ جاوداں ہونے کو بے تاب ہو گئی تھی۔ کنگن ہاتھ میں لئے وہ اپنی محبت کے سحر میں گرفتار ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

''تھینک یو سو مچ افریشم۔''

علی آیان حسن گیلانی گویا آزمائش کا شکار ہونے سے قبل ہی خود کو سنبھالنے میں سرخرو ہوا۔ افریشم گیلانی چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔

''میں بہت خوش ہوں۔'' اسے کہتے ہوئے گویا وہ خود کو بھی یقین دلانے لگا۔

افریشم نے خاموش جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے تمہارا انتظار کیا...... تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔'' وہ مزید بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اگلے لمحے ابھرتے سوال پر اثبات میں سر ہلانے لگا۔

وہ بے یقین تھی۔

''یہ سچ ہے افریشم۔''

''مجھے تم پر یقین ہے علی۔'' فی الوقت اس نے علی کی بات پر وثوق ظاہر کیا۔ علی کا تمتماتا چہرہ، طمانت بخش تھا۔

علی اس سے مزید بات کرنے کا خواں تھا مگر اسی وقت ساجدہ گیلانی نے افریشم کو بلایا اور آرام کی تائید کرتے ہوئے اسے کمرے میں بھیجا۔ آج صبح ہی سرمد گیلانی، علی گیلانی اپنے تینوں بچوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے پاکستان واپس آ گئے تھے۔ سرمد گیلانی کے اٹلی شفٹ ہونے سے پہلے دونوں بھائی ایک ہی گھر میں رہائش پذیر تھے۔ اب بھی دونوں کو ساتھ رہنا تھا۔ ساجدہ گیلانی نے ان کے آنے سے قبل اوپر والا پورشن ان کے لئے سیٹ کروا لیا تھا۔

سرمد گیلانی نے اٹلی کا تمام بزنس وائنڈ اپ کر دیا تھا۔ خود ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ دونوں بیٹے فی الحال پڑھ رہے تھے۔ حسن گیلانی نے علی کی رضامندی کے بعد فون پر ہی ان سے افریشم کے لئے علی کے رشتے کی بات کر دی تھی جس پر انہوں نے دلی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ حسن گیلانی نے افریشم کا شوق دیکھتے ہوئے اپنا آفس جوائن کرنے کی آفر بھی کر دی تھی جسے اس نے بخوشی قبول کرتے ہوئے انہیں اپنی محنت، لگن مکمل ساتھ کی یقین دہانی کروائی تھی۔ ان سب کی آمد سے گھر میں بھرپور رونق لگ گئی تھی۔ احد اور عباد بھی خوش تھے۔ لنچ کے بعد سبھی آرام کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے اور اب افریشم کے جانے ے بعد علی آیان بھی اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

دل و دماغ کی جنگ میں اس نے دماغ کو پہلے ہی سرخرو کر دیا تھا۔

اب دل دماغ کے تابع تھا۔

اس کا دماغ، افریشم کو، افریشم کی محبت کی یقین دہانی کروانے کی دلچسپی لے چکا تھا۔ دل بھی ناچار، سمجھوتے پر آمادہ ہو چکا تھا۔

شام کا پہر اپنے اندر تمام خوبصورتی اور سکون لئے ہوئے تھا۔ فضا میں دلنشین ٹھہراؤ رچ بس گیا۔ ہر چہرے پر دلکش مسکراہٹ۔

محبتوں کی امین تھی۔ اطلاع ملتے ہی عافیہ گیلانی، ان کے شوہر کامران گیلانی اور دونوں بچے حریم اور فرجاد بھی آ گئے تھے۔ ان کے آنے سے محفل مزید پر رونق ہو گئی تھی۔ شام کی چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ پرانی باتیں، یادیں سب تازہ ہوئیں۔ بات سے بات نکل کر مسکراہٹوں کی وجہ بنتی رہی۔

ایک ایک پل شاندار رہا۔

ڈنر بھی سبھی نے ساتھ کیا۔

گفتگو ڈنر کے بعد بھی کافی دیر تک جاری رہی۔ تقریباً دس بجے کے قریب کامران گیلانی اور عافیہ گیلانی نے اجازت لی۔ افریشم نے حریم اور فرجاد کو رکنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد باقی چاروں بڑے بھی نوجوان پارٹی کو ''اللہ حافظ'' کہتے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد محفل اپنے جوبن پر پہنچ چکی تھی۔ ہنسی مذاق عروج پکڑ چکا تھا۔

''کافی کون کون پیئے گا؟''

آدھے گھنٹے بعد افریشم نے اٹھتے ہوئے سب سے ایک ساتھ استفسار کیا۔ جواباً سبھی نے اپنے ہاتھ کھڑے کیئے۔

''اوکے۔ میں سب کے لئے بنا کر لاتی ہوں۔''

''میں تمہاری مدد کروں؟'' وہ جانے لگی تو علی نے پوچھا۔

''ہاں ضرور......'' وہ مسکرائی۔

علی آیان اٹھ کر اس کے برابر کھڑا ہوا۔ باقی سب اپنی باتوں میں مگن ہو چکے تھے۔ افریشم کچن کی طرف بڑھی۔

''میں نے سوچا تمہیں کچن میں چیزیں آرام سے نہیں ملیں گی۔ اس لئے تمہارے ساتھ آیا ہوں۔'' علی کچن میں اس کے پیچھے داخل ہوتے ہوئے خود ہی وجہ بتانے لگا۔

افریشم کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''تھینک یو۔'' جواباً محض شکریہ ادا کیا۔ جب ہی کچھ یاد آیا۔

''ایک بات پوچھوں علی؟'' پلٹ کر اس سے اجازت طلب کی۔

''اجازت ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''تم نے مجھے میسج کس وجہ سے کیا تھا؟'' وہ سنجیدگی سے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی جہاں سوال پر حیرت ابھری تھی۔ وہ مزید بولی۔

''اس وقت میں نے تم سے نہیں پوچھا لیکن میں وجہ جاننا چاہتی ہوں علی۔'' اب وہ لہجہ نارمل تھا۔

''وجہ......''اس نے پرسوچ انداز اپنایا۔

''عام ہو یا خاص......میں جاننا چاہتی ہوں۔''......اس نے اشتیاق ظاہر کیا۔

اب کہ علی نے بھی اس کی آنکھوں میں جھانکا۔افریشم اپنی محبت کا اعتراف بہت پہلے کر چکی تھی۔اب اسے اپنی محبت سے آخری ناطہ توڑنا تھا جس کے لئے افریشم کی محبت کو دوام بخشنا از حد لازم تھا۔

''یہاں واپس آنے کے بعد مجھے احساس ہوا اور اس وقت میں دل سے اعتراف کرتا ہوں افریشم......تم میرے لئے بہت اہم ہو۔بہت خاص ہو۔میں اپنی باقی زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔اس میسج کی یہ ایک واحد خاص وجہ ہے۔''

اصل وجہ وہ فراموش کر گیا۔

نئے رشتے کے استوار ہونے سے قبل خوبصورت آغاز ضروری تھا۔عذاب خوابوں اور سراب محبت سے قطع تعلق ہونا اب اس پر واجب تھا۔اس نے افریشم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بہت وثوق سے کہا۔

افریشم گیلانی نفی کی سوچ ذہن میں نہ لا سکی۔

''اس دل پر آج سے تمہارا اختیار ہوگا......مکمل استحقاق کے ساتھ......اس دل میں اب صرف تمہارا قیام ہوگا۔ہماری محبت ہو گی۔باقی یادیں دھواں بن کر اپنا وجود کھو چکی ہیں۔میں اب اپنی سوچوں،محبت اور تمام تر جذبات کو تمہارا پابند رکھنا چاہتا ہوں۔صرف تمہارا بن کر زندہ رہنا اور زندگی جینا چاہتا ہوں۔''

اس نے لب و لہجے،آواز و انداز کو بہت خاص پیراہن میں افریشم کے گوش گزارہ۔آج یہ اقرار اس کے لئے اپنے لئے بھی لازم و ملزوم تھا۔تشنگی کے روگ سے نکل کر حقیقت کا سامنا بھی از حد ضروری تھا اور اب وہ قطعاً پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

افریشم کے ساتھ نئی منزل کی طرف،قدم سے قدم ملا کر مسافت طے کرنا،اسی مسافت کے لئے آنکھوں میں خواب سینچنا تھا اور انہی خوابوں کو سچ کرنا تھا۔

یہ لمحہ معتبر تھا۔

اقرار و وثوق کی معتبر گھڑیاں،محبت کو معطر کرنے لگیں۔

افریشم کی آنکھوں میں رقصاں خوشی و انبساط نے سنجیدگی کو رفع کرتے ہوئے مسکراہٹ کو گہرا کر دیا تھا۔چاہت و مان سے مزین، علی آیان حسن گیلانی کا یہ روپ خوشگوار احساس سے آئندہ زندگی کو پر بہار و خوبصورت بنانے کا یقین اسے سونپ گیا تھا۔

''تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ ساتھ پاؤ گے۔''سو جواباً یقین لوٹایا۔

اب کہ علی آیان نے پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

وہ پلٹ کر کیبنٹ کھول کر مطلوبہ چیزیں ڈھونڈنے لگی۔

''ہم یہاں کافی بنانے آئے تھے۔'' پھر علی پر سرسری نظر ڈال کر بولی۔اس کی آواز پر اس نے سر جھٹکا۔

''ہاں......سب انتظار کر رہے ہوں گے۔'' کہتے ہوئے آگے بڑھا اور اس کی مدد کرنے لگا۔کچھ ہی دیر میں وہ دونوں کافی لیے سب کے بیچ واپس آئے۔

باقی کا وقت وہ دونوں ایک دوسرے سے فاصلے پر رہے۔اب زبانی گفتگو ضروری نہیں رہی تھی، محفل برخاست ہونے تک اندر کا موسم خوشگواریت اپنے اندر سموتا رہا۔وہ رات افریشم کی زندگی کی سب سے حسین رات تھی۔

علی آیان حسن گیلانی بھی اس رات سونے سے قبل خود کو گزشتہ کیفیات وغم سے مکمل نجات دلا کر سویا تھا۔نتیجتاً اگلی صبح چہرے پر تازگی تھی، سکون رقم تھا۔

''میں آج ہی آفس جانا چاہتی ہوں۔''

ناشتے کے بعد افریشم نے سب کی موجودگی میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''نہیں بیٹا۔آج سے نہیں۔'' جسے سنتے ہی ساجدہ گیلانی نے نرم وشائستہ لہجے میں انکار کیا۔

''اتنے سالوں بعد اس گھر میں خوشیاں اور رونق واپس آئی ہے۔کم از کم ایک ہفتے تک میں تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔آفس کے لئے تو ساری عمر پڑی ہے اور ابھی تو تمہاری تھکن بھی نہیں اتری۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولیں۔

وہ معمولی سا بھی احتجاج نہ کر سکی۔

''جیتی رہو۔'' اس کی چپ پر وہ نہال ہوئیں۔

''اوکے پھر ہم اب چلیں۔دیر ہو رہی ہے۔'' جبکہ حسن گیلانی نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

علی آیان ان کی آواز پر اپنی جگہ سے اٹھا اور جانے سے قبل ایک بہت خاص، مسکراتی افریشم پر ڈالی۔وہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔ خاموش لبوں سے اسے سمائل پاس کی۔وہ سرشار سے حسن گیلانی کی پیروی میں باہر نکل آیا۔

''ڈیڈ......آج شایان بخاری اور ان کی مسز کی طرف میٹنگ کے لئے جانا ہے نا۔'' گاڑی مین روڈ پر آتے ہی وہ یاد آنے پر پوچھنے لگا۔

''ہاں......جانا تو ہے۔''

''میٹنگ کے لئے میں ہی چلا جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' وہ بیٹے کی دلچسپی پر خوش ہوئے۔

علی جواباً مسکرایا۔ آج دل مطمئن تھا۔ وہ بس آخری بار دماغ کو بھی مطمئن کرنا چاہتا تھا جس کے لئے معطر فاطمہ سے سامنا ضروری تھا۔ وہ اپنے سوچوں اور خیالات کو آئندہ متزلزل ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔ اپنے ارادے و عزم مستحکم کرنا چاہتا تھا۔

آج خود پر مکمل اعتماد تھا جو کارگر ثابت ہوا۔

آج معطر فاطمہ کے سامنے اس کا ذہن بھٹک نہ سکا۔ دھڑکنیں معمول سے تیز نہ ہو سکیں۔ چہرے کے تاثرات ردو بدل کا شکار نہ ہوئے۔ سوالوں کی قطار سوچوں کو منتشر کرنے کی سعی ہی نہ کر سکی۔ تمام وقت وہ مکمل طمانت سے بیٹھا رہا اور اس کی یہی طمانت معطر فاطمہ کو بھی ذہنی کشمکش اور قلبی بے سکونی سے باہر لے آئی۔ پہلی ملاقات میں علی کی بھید بھری خاموشی و حیرت اسے الجھا گئی تھی۔ وہ اب تک انجانے میں مستبشرہ جمال کے متعلق سوچے چلی آ رہی تھی۔ اسے لگا علی اس سے ضرور مستبشرہ کے متعلق سوال کرے گا۔ اس کے بارے میں جاننا چاہے گا۔ خود اس کے دل میں مستبشرہ جمال سے ملنے کی خواہش بھی جنم لے چکی تھی۔

لیکن اس نے فوراً بکھری سوچوں کو ایک جگہ منجمد کیا۔

علی کوئی سوال زبان پر نہ لایا۔ لاتا بھی تو جواب اس کے پاس نہ ہوتا۔ خاموشی کی دبیز چادر ماضی کی یادوں پر ڈالے وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ وہ خاص پروفیشنل انداز میں ان دونوں سے ڈسکشن کر رہا تھا۔

مشکل پڑاؤ گزر چکا تھا۔

☆......☆......☆

''کال ہی نہیں ملتی مراد کو۔''

کلثوم بیگم سخت مایوس تھیں۔ تاسف سے بولیں۔

مراد کو گئے دو ماہ ہو چکے تھے۔ اس دوران انہوں نے کئی بار اسے کال کرنے کی کوشش کی مگر اس کا نمبر بند تھا۔ ایک بار بھی رابطہ نہ ہوا۔ ادینہ کو بھی الگ دکھ نے گھیرا ہوا تھا جبکہ مہ روش نے اس بات کو لے کر پریشان ہونا ضروری ہی نہیں سمجھا۔ مراد سے محبت و جذبات کا رشتہ تو کب کا دم توڑ چکا تھا۔ اب سمجھوتہ اور محض کاغذی رشتہ بچا تھا۔ جسے فی الحال وہ بالکل بھی سر پر سوار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت پھوپھو کو بھی بے فکری کی صلاح دی۔

''پھوپھو۔ مت کیا کریں کال۔ کیوں خود کو پریشان کرتی ہیں۔''

''ابھی تک اس کا غصہ نہیں اترا۔'' البتہ وہ نادم ہوئیں۔

''انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔'' وہ بات ختم کرنا چاہتی تھی۔ ذہن میں ایک خیال بھی ابھرا کہ شاید اب تک مراد اپنی زندگی میں مگن ہو گیا ہوگا۔ عروش سے شادی کر چکا ہوگا۔

''اسے چھوڑ دوں......اور تمہیں ناحق سزا کاٹتے دیکھوں۔'' جبکہ وہ شرمندہ ہوئیں اور رنجیدہ بھی۔ مہ روش کا صبر اور مسلسل چپ انہیں ہر وقت بے سکون رکھتی۔

''اپنی غلطی مانے یا نہ مانے لیکن یوں غیر ذمے داری کا لبادہ اوڑھ کر اولاد کے فرض سے غافل نہیں ہو سکتا۔ دل کٹتا ہے میرا جب تمہیں اور بچیوں کو دیکھتی ہوں۔ شرمندگی سے سر جھک جاتا ہے۔ اگر مراد نے اپنی کوتاہیوں اور ناانصافیوں کا ازالہ نہ کیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ ادینہ اور مراد کو تمہارے حق میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' ان کا لہجہ آبدیدہ تھا۔

''مجھے ادینہ سے کوئی شکایت نہیں ہے پھوپھو۔'' اتنا سب ہو جانے کے بعد اس نے ادینہ کے لئے دل میں میل نہ لایا۔

''لیکن مجھے ہے۔''

''ادینہ نے دس سال اذیت جھیلی ہے پھوپھو۔ اس کے کئے کی اتنی سزا کافی ہے اس کے لئے۔ آپ تو اس کی ماں ہیں۔ ماؤں کے دل تو بہت کشادہ ہوتے ہیں۔ اسے آپ کی ضرورت ہے۔ میں اور میری بچیاں مراد کی لاتعلقی کی عادی ہیں۔ ہماری خاطر آپ ادینہ کو تنہا نہ کریں۔ اسے آپ کے حوصلے اور ہمدردی کی ضرورت ہے۔'' مہ روش سنجیدہ ہوئی۔ صاف لفظوں میں بولی۔

''ماؤں کے دل کشادہ تو ہوتے ہیں مگر بے حس نہیں ہوتے۔ میں ادینہ کا دکھ محسوس کرتی ہوں مگر ان آنسوؤں اور درد کو کیسے نظر انداز کروں جو میری آنکھوں کے سامنے تم نے سہا۔ ہر تکلیف کو آنسوؤں میں گھول کر پیا۔ کیسے تمہاری بیٹیوں کے سونے بچپن کو فراموش کروں جو باپ کی شفقت، خوشیوں اور محبت کے رنگوں کے بغیر پھیکا سا، ڈرا ہوا گزر رہا ہے۔'' وہ گہرے کرب کا شکار، آزردہ ہوئیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا پھوپھو۔''

''اللہ کرے سب ٹھیک ہو۔ میں تو صبح شام دعائیں کرتی ہوں۔ تم بھی کیا کرو۔ مراد کا دل پگھل جائے۔ غصہ ختم ہو جائے۔ اب بھی وقت ہے۔ بچیوں کے دل معصوم ہوتے ہیں۔ توجہ ملتے ہی کھل اٹھتے ہیں۔ مراد دیر کرے گا تو ادینہ کی طرح خالی ہاتھ ہاتھ رہ جائے گا۔ پچھتاوے بڑے ظالم اور بے رحم ہوتے ہیں۔ انسان کے ساتھ چمٹ جائیں تو جسم سے روح نکال کر دم لیتے ہیں۔'' انہیں ایک اور ڈر خائف کرنے لگا۔ ان کی کیفیت نے مہ روش کو غمزدہ کیا۔ دل بوجھل ہونے لگا۔

وہ مزید گفتگو جاری نہ رکھ سکی۔

ادینہ نے الگ پشیمانی کا اظہار کیا۔

''مراد سے پہلے میں تمہاری اور ان تینوں کی مجرم ہوں۔ اور اب مراد کے جانے کی وجہ بھی میں ہی ہوں۔ احساس جرم مجھے ہر لمحے پاتال میں دھکیلتا ہے۔ تم سے معافی مانگتے ہوئے بھی ضمیر ملامت کرتا ہے۔'' اس کا چہرہ پژمردہ تھا۔

وہ چپ چاپ اسے سنتی رہی۔

اب دل میں ذرا سی بھی سکت نہیں تھی کہ خود پر گزرے ستم کا روگ خود پر حاوی کرتی۔ دن جیسے کٹ رہے تھے وہ بچیوں کو سنے سے لگائے کاٹنے لگی۔ کسی وقت دل میں کسک بھی اٹھتی۔ مگر نظر انداز کر دیتی۔

پہلے سے بے رنگ زندگی مزید پھیکی ہو چکی تھی۔ گھر کے ماحول پر چھایا یاسیت بھرا سکوت ذلت کی تاریکی کے بعد دن کے اجالوں میں بھی ہولناک محسوس ہوتا۔

کچھ دن بعد وقار سعیدا سے لینے آیا۔

''بیٹا! کچھ دن رہ آؤ۔ بچیاں بھی خوش ہو جائیں گی۔''

ماہی نے انکار کرنا چاہا تو کلثوم بیگم نے وقار کا اصرار دیکھتے ہوئے اسے جانے کو کہا۔ وہ جانے پر آمادہ ہو گئی۔ نایاب اور اریبہ گزرے کچھ عرصے میں وقار کے بے حد قریب آ گئی تھیں۔ اس وقت بھی مہ روش اپنا اور بیٹیوں کا سامان پیک کرنے کمرے میں گی تو وہ دونوں اس کی گود میں بیٹھ گئیں۔ وہ ان دونوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ کلثوم بیگم پوتیوں کے کھلے مسکراتے چہرے دیکھتی، خوش ہوتیں وہیں کچھ فاصلے پر براجمان ہوئیں۔

''چائے......''

وقار نے آواز پر نظر اٹھائی۔ سامنے ادینہ اس کیلئے چائے لیے کھڑی تھی۔ اس نے اریبہ اور نایاب کو گود سے اتارے ہوئے ادینہ کے ہاتھ سے چائے لی۔ چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ در آئی تھی۔ جبکہ وہ چائے دینے کے بعد مزید کچھ نہ بولی اور وقار کے شکریہ کہتے ہی منظر سے ہٹ گئی۔

اس نے البتہ ادینہ کو مزید دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

''پھوپھو۔ مراد نے کوئی رابطہ کیا؟'' توقف بعد چائے کا سپ لیتے ہوئے سامنے دیکھا، معمولی لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں بیٹا۔'' انہوں نے شرمندگی و مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

جواباً وہ مزید کچھ نہ بولا۔ چائے ختم کر کے کپ ٹیبل پر رکھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مہ روش شانزے کو اٹھائے کمرے سے باہر آئی۔ دوسرے ہاتھ میں بیگ تھا۔ وقار نے نظر پڑتے ہی اٹھ کر اس سے بیگ لیا اور پھوپھو سے اجازت طلب کی۔ پھوپھو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور مہ روش کو گلے لگایا۔ وقار جب تک باہر نکل گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی ادینہ بھی اس سے ملنے آئی۔ شانزے کے گال پر محبت بھرا بوسہ دیا۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا۔'' وہ ادینہ سے مل کر الگ ہوئی تو کلثوم بیگم نے کہا۔

''آپ دونوں بھی اپنا خیال رکھیے گا۔'' اس نے لب پھیلائے۔

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔''

الوداعی کلمات ادا کرتی وہ باہر آئی۔ وقار سعید گاڑی اسٹارٹ کیئے اسی کا منتظر تھا۔ بیٹوں کو بٹھانے کے بعد وہ خود بھی بیٹھ گئی۔ گھر تک کا سفر اس نے اریبہ اور نایاب کے ساتھ باتوں میں طے کیا۔ مہ روش گاڑی سے باہر دوڑتے مناظر دیکھتی رہی۔ ذہن غائب دماغی کا شکار تھا مگر گھر پہنچتے ہی محبتوں سے بھرپور استقبال نے اس کے دل و دماغ کو خوشگوار احساس بخشا۔ وہ نفیسہ بیگم کے گلے ملی۔ انہوں نے شانزے کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔

''کیسی ہو بیٹا؟'' سعید احمد نے بھی اس کو ساتھ لگایا۔

''میں ٹھیک ہوں ابو۔ آپ کیسے ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اریبہ کو اٹھانے لگے۔

''آؤ ماہی......اندر بیٹھو۔'' امی نے اسے اندر چلنے کو کہا۔ وہ ان کے ساتھ لاؤنج میں چلی آئی۔ باقی سب بھی وہیں آ گئے تھے۔

''میں پریشے کو بھی کال کر کے بتا دیتا ہوں۔ تمہارا پوچھتی رہتی ہے۔ وہ بھی آ جائے گی، ایک ساتھ اچھا ٹائم گزر جائے گا۔'' جبھی وقار بولا۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ ویسے بھی اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔'' ماہی نے تائید کی۔

''میں کال کر کے آتا ہوں۔'' وقار اٹھ کر چلا گیا۔

سعید احمد نے طمانت بھری نظروں سے اسے جاتا دیکھا جبکہ ماہی کی نظران پر تھی۔ اسے یہ منظر اندر ہی اندر سرشار کرنے کے لئے کافی تھا۔

''کاش وقت کو پیچھے لے جانا ممکن ہوتا''......انہوں نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے مدھم لہجے میں حسرت سے کہا۔ نفیسہ بیگم اور مہ روش نے خاموشی نے انہیں دیکھا۔

''دس سال کا طویل عرصہ......بدگمانی، غلط فہمی اور نفرت کی بھینٹ چڑھائے ہم اپنے کھینچے گئے دائرے سے باہر نکل ہی نہ سکے۔ وقار وعدہ نبھاتا رہا اور ہم اس سے غافل ہونے میں دن رات صرف کرتے رہے۔ کبھی اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی۔ نہ کبھی اسے اعتماد میں لے کر رشتوں کی الجھی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی۔ کتنا اکیلا محسوس کیا ہو گا اس نے خود کو ہمیشہ......ساری غلطی ہماری ہے۔ ہمیں ایک بار وقار کی چپ کو توڑنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔'' وہ آزردہ تھے۔

''دس سال ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اتنے فاصلے بڑھائے کہ اسے اب بھی گلے لگاتے ہوئے جھجک مانع آتی ہے۔'' ان کی آواز و لہجہ افسردہ ہوا۔

یہی درد نفیسہ بیگم کے دل کو بھی شکنجے میں لیے ہوئے تھا۔ ان کی آنکھوں میں شوہر کی باتوں پر نمی تیرنے لگی۔

''بہت تکلیف دہ آزمائش ہے۔ ہماری اولاد کی زندگی مسلسل دکھوں اور امتحانوں میں گھری ہے اور ہم اب بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ نہ وقار کی زندگی کا خلا پر کر سکتے ہیں نہ تمہارے درد چن سکتے ہیں۔ محض دلاسے کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتے۔ وقت نے بڑی ظالم اور بے رحم کروٹ بدلی ہے۔ وقت و حالات سچ تو سامنے لے آئے مگر ہم سب کو بے بس و مجبور کر گئے ہیں۔'' ان ک دل کا بوجھ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا ابو۔''

مہ روش اٹھ کر ان کے قریب آئی۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اس جملے کے سوا اس وقت اس کے پاس بھی کہنے کو کچھ نہ تھا۔ حقیقت کھلنے کے بعد نئی آزمائش ان سب کے لئے واقعی تکلیف دہ تھی۔ سعید احمد نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے گلے لگایا۔ کئی لمحے یونہی خاموشی سے بیت گئے۔ خاموشی وقار کی آمد سے ٹوٹی۔ مہ روش، ابو سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''میری بات ہو گئی ہے پریشے سے۔ شام تک اجائے گی۔ میں نے معارج کو بھی کہہ دیا ہے کہ ڈنر ہمارے ساتھ کرے...... آپ دیکھ لیں پھر جو بندوبست کرنا ہے اور اگر کچھ چاہیے تو مجھے بتا دیں میں مارکیٹ سے لے آتا ہوں۔'' وہ تفصیلاً بتاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''چلو اچھا کیا...... اور سب کچھ موجود ہے۔ تم یہاں بہن کے پاس بیٹھوں میں شام کے لئے تیاری کر لوں۔'' نفیسہ بیگم بولیں۔

شانزے ان کی گود میں سو چکی تھی۔ مہ روش نے اسے اپنی گود میں لیا۔ نایاب جب تک وقار کے اشارہ کرنے پر اس کے پاس چلی گئی تھی۔

''امی میں شانزے کو کمرے میں لیٹا کر آتی ہوں آپ کے پاس۔'' مہ روش نے اٹھتے ہوئے امی کو مخاطب کیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی کچن میں چلی گئیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ شانزے کو کمرے میں لٹا کر ان کے پاس چلی آئی۔

''میرے لائق کوئی کام۔'' آتے ہی پوچھا۔

''کوئی کام نہیں۔ بس میرے پاس رہو، باتیں کرو۔'' وہ مسکرائیں، ساتھ ہی چاول کا ڈبہ نکالا۔

''آپ کے پاس ہوں۔ باتیں بھی کریں گے لیکن لائیں، چاول میں بناتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھی۔ انہوں نے روکنا چاہا مگر وہ نہ مانی۔ مجبوراً انہوں نے اپنے ہاتھ پیچھے کئے البتہ کچھ سوچتے ہوئے توقف کے بعد سنجیدگی سے بولیں۔

''ماہی...... مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی امی کریں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''بات بہت خاص ہے۔ پریشے آجائے تو تم دونوں کو بتاؤں گی کیونکہ تمہاری رائے اور فیصلہ بہت ضروری ہے۔'' بتاتے ہوئے وہ کشمکش کا شکار ہوئیں۔

''کون سی بات؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وقار کی شادی کی۔'' مختصراً بتایا۔

''آپ نے وقار بھائی سے بات کی۔'' وہ متعجب ہوئی البتہ ساتھ ہی پوچھا۔

''بات تو ہمیں ہی کرنی چاہئے تھی بلکہ کئی سال پہلے کرنی چاہئے تھی مگر کچھ دن پہلے وقار نے خود اپنی شادی کی بات کی اور تمہیں یہاں لانے کی وجہ بھی یہی ہے۔ وہ تمہاری رضامندی چاہتا ہے۔'' آہستگی سے بولیں۔

کام کرتے کرتے مہ روش کے ہاتھ رک گئے۔

''میری رضامندی...... میں سمجھی نہیں۔ مجھے کیوں کوئی اعتراض ہوگا؟'' ناسمجھی کے عالم میں سوالیہ ہوئی۔

''وقار، ادینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

جبھی انہوں نے انکشاف کیا۔ آواز سماعتوں سے ٹکراتے ہی مہ روش نے بے یقینی سے نفیسہ بیگم کو دیکھا جیسے اپنی سماعتوں پر شک گزرا ہو۔

☆......☆......☆

''گھر بہت اچھا ہے پھوپھا جی...... اگر ممکن ہے تو آپ احسان کے ساتھ آکر ایک بار دیکھ لیں۔ میں ان سے بات کر چکا ہوں۔ ایڈوانس بھی میرے پاس ہے بس آپ ایک بار تسلی کرلیں۔'' مشارب شاہ نے باقی تفصیلات بتانے کے بعد انہیں اسلام آباد آنے اور گھر دیکھنے کی صلاح دی۔

اسلام آباد جانے کے فوراً بعد اس نے گھر اور سکول کے لئے زمین وغیرہ دیکھنی شروع کر دی تھی۔ سکول کے لئے تو فی الحال اسے نہ کوئی مناسب جگہ ملی تھی اور نہ نزدیک کوئی رینٹ پر بلڈنگ۔ البتہ اسی کے اپارٹمنٹ سے کچھ ہی فاصلے پر دوست نے اسے ایک گھر دکھایا۔ جدید طرز کا بنا وہ گھر چار کمروں پر مشتمل تھا۔ علاقے سے وہ تقریباً واقف تھا۔ گھر کے مالکان مالی حالات سے مجبور ہو کر گھر بیچنا چاہ رہے تھے۔ مشارب شاہ کو گھر ہر لحاظ سے پسند آیا۔ سو فوراً سید جمال شاہ کو مطلع کیا۔

''مشارب بیٹا۔ تم نے دیکھ لیا، تمہیں پسند ہے تو ہماری طرف سے ڈن سمجھو۔'' انہیں اس پر مکمل اعتماد تھا۔ کچھ دل میں مستبشرہ کی وجہ سے جلدی اسلام آباد جانے کی خواہش بھی تھی۔ سو تاخیر نہیں چاہتے تھے۔

''جی ٹھیک...... لیکن آپ ایک بار دیکھ لیں۔ میں آج ڈیل فائنل کر دوں گا۔''

''میں احسان سے بات کرتا ہوں۔ کل پرسوں تک آجائیں گے۔'' وہ بولے۔

''جی...... اور ایک اور بات ہے۔'' وہ یاد آنے پر بولا۔

''کہو بیٹا۔''

''سکول کے لئے فی الحال کوئی بندوبست نہیں ہو رہا لیکن گھر سے کچھ ہی دور ایک سکول ہے، بہت پرانا ہے، اچھی ریپوٹیشن ہے۔ میں نے دوستوں سے بھی پوچھا ہے۔ سب بہت تعریف کر رہے تھے کہ پرنسپل اور اسٹاف بہت قابل ہیں۔ میں خود بھی وہاں گیا اور جانے کے بعد مجھے یہی مناسب لگا کہ سکول کے لئے جگہ دیکھنے اور ملنے کے بعد کنسٹرکشن کا کام، نام و مقام بنانے میں کئی سال لگ سکتے ہیں جب تک ہم سب باقی انتظامات و معمولات دیکھیں۔ مستبشر اس سکول میں جاب کر لے۔ آپ مستبشرہ سے بات کریں میں خود بھی آ کر اس سے ڈسکس کر لوں گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

سید جمال شاہ نے اس کی بات سے مکمل اتفاق کیا۔

''بالکل......یہی مناسب رہے گا۔''

اور ایک بار پھر مشارب شاہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کال بند کر دی۔ مشارب نے ان کی ابتدائی مشکل حل کر کے راہ ہموار کر دی تھی۔ وہ مطمئن سے سب کے پاس گئے۔ مشارب سے ہوئی تمام گفتگو اور اس کی رائے سب کے گوش گزاری۔ جس پر سب نے ہی مکمل اتفاق کا اظہار کیا۔ احسان نے اسلام آباد کے لئے کل جانے کی بات فائنل کی۔ مستبشرہ اس دوران زیادہ تر خاموش ہی رہی البتہ دماغ کی منتشر، الجھی سوچوں کو کچھ پل کے لئے دل نے مکمل طور پر نظرانداز کر کے خوشی منانے کا ارادہ کیا تھا۔ نتیجتاً مسرت و انبساط کے بے شمار رنگ آنکھوں کو دلکش بنانے میں محو ہو گئے تھے۔

رات کھانے کے بعد احسان نے نویرہ کو کال کی۔ نویرہ کے والدین بھی موجود تھے۔ احسان کا ارادہ ان سے گھر والوں کی بات کروانا تھا سو اماں، بابا جان اور مستبشرہ کو بٹھا کر نویرہ کو ویڈیو آن کرنے کا کہا۔ خود بھی ویڈیو آن کی۔ دونوں فریقین نے خوشگواریت و مسکراہٹ کو سمیٹ کر کافی باتیں کیں۔ ان سب کو نویرہ تصویر دیکھنے پر بھی پسند آئی تھی مگر اب انہوں نے دلی خوشی و مکمل رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ نویرہ کے گھر والے بھی خوش تھے۔ مطمئن ہو گئے تھے۔ نویرہ کے والد نے اگلے سال پاکستان آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو سید جمال شاہ نے فوراً ان سے اگلے سال ہی احسان اور نویرہ کی شادی کی بات کر دی اور اس دوران ان سے رابطے کی مکمل یقین دہانی کروائی۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کال منقطع ہونے کے بعد احسان شاہ سید جمال شاہ کے گلے ملا۔

''بہت شکریہ بابا جان۔'' چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

''خوش رہو بیٹا۔'' انہوں نے دعا دی۔ وہ ماں کے قریب گیا۔

''اللہ پاک تم دونوں کو ایک ساتھ خوش رکھے، آباد رکھے۔'' انہوں نے بھی اس کا ماتھا چومتے ہوئے دل سے دعا دی۔

احسان شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی۔

''اور اب ہماری دعا اور کوشش ہو گی کہ مستبشرہ بھی ہمیشہ خوش رہے۔'' سید جمال شاہ نے چہرے پر مدھم مسکراہٹ سجائے، خاموش بیٹھی مستبشرہ کو دیکھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آمین......ان شاءاللہ۔'' زہرہ شاہ نے بھی فوراً دل سے کہا۔

اس کی آنکھوں میں اس محبت و دعا پر چمک ابھری۔ دل سرشار ہوا البتہ چپ رہنے پر ہی اکتفا کیا۔ باقی کی تمام گفتگو اور اس کے بعد رات خوشگوار تھی۔ اس کا دل پرسکون تھا۔

اگلی صبح وہ ناشتے کے بعد سکول کے لئے نکلی تو سید جمال شاہ اور احسان شاہ بھی اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ جاتے وقت وہ زہرہ شاہ کو قاسم شاہ کی طرف اتار گئے تھے کہ مستبشرہ بھی سکول سے واپسی پر وہیں جانے کا ارادہ ظاہر کر چکی تھی کیونکہ یہ فلک شاہ کی خواہش تھی۔ مشارب اور فلک کی شادی پہلے دو ماہ بعد کرنا طے پا چکی تھی البتہ آج باقاعدہ تاریخ مقرر ہونا تھی۔ دن کم تھے۔ شادی کی تیاریاں عروج پکڑ چکی تھیں۔ تقریباً روزانہ ہی مارکیٹ کے چکر لگتے۔ زہرہ شاہ اور سید جمال شاہ نے کچھ دن قبل ہی خطیر رقم ان کے منع کرنے کے باوجود دی۔ البتہ مشارب شاہ ان کو لاڈلا بھتیجا اور فلک اکلوتی لاڈلی بھتیجی تھی۔ جسے ہمیشہ انہوں نے مستبشرہ جتنا پیار دیا، بیٹی کہا۔ سو وہ اسے اس کی پسند سے شاپنگ کروانا چاہتی تھیں۔ جس پر فہمیدہ بیگم نے انکار کرنا چاہا البتہ فلک کی خوشی دیدنی تھی۔ سو مستبشرہ کی سکول سے واپسی کے بعد وہ فلک کو لے کر مارکیٹ جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

☆......☆......☆

مہ روش کو اپنی حیرت و بے یقینی سمیٹنی پڑی۔ حیرت سے وا آنکھوں میں ٹھہراؤ لے آئی۔ وقار روتی ہوئی اریبہ کو اٹھائے کچن میں داخل ہوا تھا۔

''یہ کھیلتے کھیلتے صوفے سے گر گئی ہے۔ میں نے چپ کروانے کی کوشش کی مگر ایک ہی گردان لگائی ہوئی ہے کہ مما کے پاس جانا ہے۔'' آتے ہی بتانے لگا۔

مہ روش نے اریبہ کو اپنی بانہوں میں لیا۔ اسے چپ کروایا، پیار کیا۔ توقف بعد ہی وہ چپ ہو گئی تھی۔ وقار واپس چلا گیا۔

''مہ روش۔ تم اسے لے کر باہر بیٹھو۔ یہاں گرمی ہے۔ تمہیں تنگ کرے گی۔ کھانا میں بنا لوں گی۔'' نفیسہ بیگم نے بھی شادی کی بات فی الحال وہیں ختم کر دی۔

ماہی کا ذہن بھی بری طرح منتشر ہو گیا تھا سو بناء کچھ کہے اثبات میں سر ہلاتی ہوئی باہر لاؤنج میں چلی آئی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے البتہ دانستہ وقار سعید کو بغور دیکھنے لگی۔ وقار کی ادینہ سے شادی کی خواہش اسے الجھا گئی تھی۔ اس کا دل و دماغ وقار سعید کی خواہش کی شدید نفی کرنے لگا۔ اسے وقار سعید پر غصہ آنے لگا لیکن فی الحال وہ غصہ ضبط کرنے لگی۔ اتنی مشکلوں سے گھر میں وقار کی حیثیت و اہمیت

بحال ہوئی تھی۔وہ ہر پہلو پر غور کرنا چاہتی تھی۔

کرنے لگی تھی

زبان بالکل خاموش تھی۔

وقت گزرنے لگا۔

نفیسہ بیگم کچن میں شام کے کھانے کی تیاری کے بعد اسی کے پاس چلی آئی تھیں۔وہ بیٹیوں کے ساتھ مصروف تھی۔شانزے بھی اٹھ گئی تھی۔اریبہ اور نایاب کو وقار نے کارٹون لگا کر دیئے۔وہ دونوں وہاں محو ہو گئیں۔شام کے سائے دھیرے دھیرے پھیلنے لگے۔دن کے اجالے مدھم ہو رہے تھے۔تاریکی رفتہ رفتہ اپنا جال پھیلا رہی تھی۔امی نے دوبارہ اس سے بات نہیں کی نہ وہ اس متعلق کوئی بات کر کے بحث میں الجھنا چاہتی تھی لیکن جانے انجانے میں اس کے اندر کا موسم حبس زدہ ہو رہا تھا جس کا شکارہ نجانے کتنی دیر رہتی کہ ایسے میں پریشے اور معارج کی آمد نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔وہ پریشے کی فکرمندی کے خیال سے چہرے پر مسکراہٹ لے آئی۔خوشگوار تاثرات کے ساتھ ان دونوں سے ملی۔حال احوال پوچھا۔پریشے کتنی دیر ہی اسے گلے سے لگائے کھڑی رہی۔اس کا دل ماہی کو لے کر غمزدہ رہنے لگا تھا۔

”چلو اب بیٹھو۔“ ماہی نے اس کی محبت وخلوص پر دل میں اترتی آسودگی کو چہرے پر سجایا۔اسے الگ کیا۔صوفے پر اس کے ساتھ بیٹھی۔

”خالہ کی جان! کیسی ہے۔“ اس نے شانزے کو فوراً گود میں لیا۔خوب پیار کیا۔

”نایاب اور اریبہ کہاں ہیں؟“ پھر باقی دو کا پوچھا۔

”کمرے میں کارٹون دیکھ رہی ہیں۔“ مہ روش نے بتایا۔

معارج، سعید احمد اور وقار کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔

”امی! کھانا لگاؤں۔“ کچھ دیر بعد ماہی نے ٹائم دیکھتے ہوئے نفیسہ بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار کیا۔

”ہاں ٹائم تو ہو گیا ہے۔“ وہ کہتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ماہی ان کے ساتھ کچن میں چلی آئی۔پریشے شانزے کو اٹھائے ہوئے تھی۔ماہی نے امی کے ساتھ مل کر ٹیبل سیٹ کی۔پھر سب کو بلایا۔وقار نایاب اور اریبہ کو بھی کمرے سے لے آیا۔پریشے نے دونوں کو پہلے خوب پیار کیا پھر اریبہ کو اپنی گود میں لے لیا۔نایاب ہمیشہ کی طرح ماہی کی گود میں جگہ سنبھال چکی تھی۔

پرلطف ولذیز کھانے کے بعد ایک بار پھر سب لاؤنج میں محفل جما کر بیٹھ گئے تھے۔چھوٹی موٹی باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔نو بجے کے قریب معارج نے اجازت لی۔اس کے جانے کے بعد مہ روش بھی بیٹیوں کو سلانے کے بعد کمرے میں چلی گئی تھی۔بیٹیوں کو سلاتے وقت ایک بار پھر اس کا ذہن متحرک ہو چکا تھا۔جس سے سر بھی بھاری ہونے لگا۔سو باہر جانے کا ارادہ ترک کئے کمرے میں ہی لیٹی رہی۔

سوچوں میں ہی غرق کب نیند نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹا، وہ بے خبر تھی۔

باقی سب کے سونے کے لئے کمروں میں جانے کے بعد جب پریشے کمرے میں آئی تھی تب تک وہ ارد گرد سے بالکل بے خبر سو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر محویت سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر غیر محسوس طریقے سے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو آہستگی سے ہٹاتے ہوئے اس کے ماتھے پر اپنی محبت کا نشان ثبت کیا اور دبے پاؤں کمرے سے نکل کر سونے چلی گئی۔

اگلی صبح کا آغاز خوشگوار تھا۔

گھر میں چہل پہل نے ماحول کو پر رونق کر دیا تھا۔ پریشے کے ساتھ نایاب اور اریبہ خوب موج مستی کر رہی تھیں۔ پریشے کی مکمل توجہ اور بھرپور پیار نے ان دونوں ک معصوم دلوں کو پر بہار کر دیا تھا۔ وہ کھلکھلا رہی تھیں، مسکرا رہی تھیں۔ ناشتے کے بعد وقار قریبی مارکیٹ سے ان کے لئے کھلونے اور ان کی پسندیدہ کھانے پینے کی چیزیں لے آیا تھا۔ سعید احمد اور نفیسہ بیگم سے بھی وہ خوب محبت بٹور رہی تھیں۔

بیٹیوں کی خوشی اور مسکراہٹ، مہ روش کے لئے طمانت بخش تھی۔ وہ دل سے سب کی مشکور تھی لیکن کل والی بات ہنوز اس کی سوچوں میں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ زیادہ تر وقت پرسوچ انداز میں ہی بیٹھی رہی۔

''کیا بات ہے آپی۔ کوئی پریشانی ہے؟''

جسے پریشے صبح سے محسوس کر رہی تھی البتہ لنچ کے بعد جب وہ امی کی کسی بات پر غائب دماغی سے سر ہلانے لگی تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''پھر خاموش کیوں ہیں؟''

اس بار سوال پر اس نے نفیسہ بیگم کی طرف دیکھا۔

''امی! آپ نے پریشے کو بات بتائی ہے؟'' آہستگی سے پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں بتائی۔'' وہ بولیں۔

''کون سی بات؟'' پریشے حیران ہوئی، سوالیہ ان دونوں کو دیکھا۔

مہ روش نے جواباً تمام بات اس کے گوش گزاری۔

''کیا...... بھائی ادینہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' جسے سنتے ہی وہ مزید حیران ہوئی۔ بے یقینی سے ماہی کے آخری الفاظ دہرائے۔

''امی! آپ نے اور ابو نے بھائی کو منع کیا؟'' جبکہ ماہی نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں......؟'' ماہی کی تیوری پر ناگواری سے بل پے۔

''کیونکہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ دھیمی مگر دوٹوک آواز میں بولیں۔

''سچ سامنے آنے کے باوجود بھی؟'' پریشے کو بدترین دھچکا لگا۔

''ہماری رضامندی کی وجہ صرف وقار کی خواہش کا احترام اور وقار کی خوشی ہے۔'' وہ تحمل سے بولیں۔ کچھ پل کو رکیں، ایک نظر ماہی کو دیکھا اور پھر اپنی بات مزید آگے بڑھائی۔

''ہم کیسے وقار کو انکار کرتے......جس سال جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے میری، تمہارے ابو اور خاندان والوں کی نفرت کو جھیلا۔ خود کو سولی پر لٹکائے رکھا، کبھی اپنے لئے نہیں سوچا، خودغرض نہیں بنا، رنجشیں و کدورت بڑھنے کے باوجود دل میں وسعت لاتا رہا......حقیقت سامنے آنے کے باوجود اس نے اپنی ذات اور ہمارے رویوں کو نظر انداز کیا۔ ماہی! ہم سے زیادہ وقار تمہارے لئے ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ کئی بار میں نے اس کی آنکھوں کو نم دیکھا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں لیکن محض دعا کے علاوہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔ تمہارے ابو اپنی جگہ بے بس اور مجبور ہیں۔ مراد یہاں ہوتا تو ہم اس سے بات کر لیتے مگر وقار، مراد کا انتظار نہیں کرنا چاہتا۔ وقار تمہیں اس حالت اور مستقل دکھ میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ سنجیدہ ہے، فکرمند ہے۔ ادینہ سے شادی کا فیصلہ وقار نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ ہمیں تمہاری اور وقار کی زندگی میں خوشیاں اور سکون چاہئے۔ ہمیں تم دونوں کے لئے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں......بس وقار بات آگے بڑھانے سے قبل تمہارا فیصلہ جاننا چاہتا ہے۔'' وہ تفصیلات بولیں۔

''اگر میرا فیصلہ وقار بھائی کے لئے اہم ہے تو میں اس رشتے پر اعتراض کرتی ہوں۔ میری طرف سے انکار ہے۔'' جسے سننے کے بعد وہ صاف بولی۔

''کیوں ماہی؟''

''کیونکہ امی مجھے اب مزید بدلے اور انتقام کا کھیل نہیں کھیلنا۔'' اس نے ایک ایک لفظ زور دے کر ادا کیا۔

''بدلے اور انتقام کا کھیل؟'' وہ حیرت زدہ ہوئیں۔

''جی امی......میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد اب ادینہ کی زندگی عذاب ہو۔ وہ پہلے ہی اذیت میں ہے۔'' اس کے لہجے میں سختی آئی۔

''وقار بدلے کے لئے شادی نہیں کر رہا۔'' انہوں نے وضاحت دینی چاہی۔ وہ اس لئے ادینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ مراد کا رویہ تم سے ٹھیک ہو۔''

پریشے نے خاموش رہتے ہوئے دونوں کو سننے اور سمجھنے پر ہی اکتفا کیا۔

''امی یہ مذاق نہیں ہے۔ زندگی مذاق نہیں ہے۔ زندگی جوا بھی نہیں ہے۔ اس سب کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا گارنٹی ہے کہ مراد کا

رویہ ٹھیک ہوگا اور کیا گارنٹی ہے کہ وقار بھائی کا رویہ ادینہ سے ٹھیک ہوگا۔'' وہ تلخ ہوئی۔ دل ودماغ کئی شکوک وشبہات کا شکار ہو چکے تھے۔

''بیٹا! ہمیں اچھے کی امید رکھنی چاہیئے۔''

''یہ تو جانتے بوجھتے خود کو، سب کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ مجھے کسی پر اعتبار نہیں۔ میرا دل نہیں مان رہا۔'' وہ رسان سے بولی۔

''تو میں وقار کو کیا جواب دوں؟'' انہیں بحث جاری رکھنا مناسب نہ ہوگا۔ بات ختم کرنے کے سے انداز میں مہ روش سے پوچھا۔

''میں خود وقار بھائی سے بات کرلوں گی۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

ماہی بھی خاموش ہوگئی۔

توقف بعد پریشے نے سنجیدگی وسنگینی رفع کرنے کے لئے موضوع گفتگو بدل دیا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی محبت کو خوبصورت موڑ پر لے آئی تھی۔

افریشم گیلانی اس نئے موڑ پر آنے کے بعد اب کم ازکم پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ علی آیان اس کے ساتھ زیادہ تر وقت گزارتا۔ آفس کے بعد دونوں کسی نہ کسی جگہ چلے جاتے، زیادہ وقت خاموشی کی نذر ہوتا مگر وہ خاموشی بھی طمانت سمیٹے ہوتی۔ ذہن ودل کو قرار بخشتی۔ انہیں بار بار نہ اقرار کی ضرورت محسوس ہوتی، نہ کوئی وعدہ یا قول وقرار لازم محسوس ہوتا نہ مستقبل کے حوالے سے پلاننگ ان کی گفتگو کا حصہ ہوتی۔ دونوں روزمرہ کی معمولی باتوں کو ایک دوسرے کی سنگت سے ہی غیر معمولی بناتے۔

علی اسے ایک دو بار عمر کے گھر لے کر گیا۔ وہاں زوہا سے ملوایا۔ وہ دونوں بھی افریشم سے مل کر علی آیان کے لئے دل سے خوش تھے کہ سات سال بعد ہی سہی مگر وہ اپنی ذات پر چھایا جمود توڑ کر آگے بڑھتے ہوئے خود کو قائل کر چکا ہے۔ زندگی اپنے اصول پر سختی سے کاربند تھی۔ زندگی کب کسی کی خواہش، تشنگی وکرب کے سامنے بے بس ہوتی ہے۔ اپنی دھن میں بے فکر گزرتی ہے چاہے اسے گزارنے والا اسے جیسے یا محض سانسوں کی روانی کا غلام رہے۔

زندگی کا یہ اصول کڑا ہونے کے باوجود اپنے اندر بھرپور طاقت اور خوبصورتی رکھتا ہے۔ اس اصول سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا نہ اس سے فرار ممکن ہے۔ ایک ڈیڑھ ہفتے بعد سب کی رضامندی کے بعد افریشم نے باقاعدہ آفس جوائن کرلیا تھا۔ وہ پرجوش تھی۔

''کسی بھی قسم کی مدد چاہیئے ہوئی تو میں حاضر ہوں گا۔''

علی نے کھلے دل سے پیشکش کی۔

''تھینک یو۔'' وہ مسکرائی۔

''تم اپنا ہر مسئلہ مجھ سے ڈسکس کر سکتی ہو۔'' وہ مزید بولا۔

''تم ساتھ ہو...... مجھے کوئی مسئلہ ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ پر یقین تھی۔ اس کے انداز نے علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیری۔

دن نئے معمول کے مطابق گزرنے لگے۔

بزنس میٹنگز کے دوران افریشم کی ملاقات معطر فاطمہ سے ہوئی۔ افریشم عادتاً وطبعاً خوش اخلاق تھی۔ اسے معطر فاطمہ کی پرکشش شخصیت نے متاثر کیا۔ معطر کی طبیعت وفطرت میں ٹھہراؤ اور متبسم چہرہ پہلی ہی ملاقات میں اسے بھایا مگر اس نے اعتراف تیسری ملاقات پر کیا۔

''مجھے آپ بہت اچھی لگی ہیں۔'' ستائشی انداز میں کہا۔

''کیونکہ آپ خود بہت اچھی ہیں۔''

''نہیں واقعی ...... یہ میں نے دل سے کہا۔ اس لئے بالکل نہیں کہ جواباً آپ میری تعریف کریں۔'' وہ ہنسی۔

''میں نے مروتاً نہیں کہا۔'' معطر کے الفاظ میں بھی سچائی پوشیدہ تھی۔

''تھینک یو۔ اگر یہاں میری کوئی دوست ہوتی تو یقیناً آپ جیسی ہوتی۔'' افریشم نے بات بدلی۔

''کیا مطلب؟ یہاں آپ کی کوئی دوست نہیں ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔ یہ تو وہ پہلی ملاقات میں جان چکی تھی کہ افریشم، علی کی کزن ہے اور اٹلی سے آئی ہے لیکن تب افریشم سے بات نہیں ہو سکی تھی۔

''ایک کزن ہے حریم ...... اس سے دوستی بھی ہے۔ گھر میں حماد اور آنٹی ہیں۔ دو بھائی ہیں اور علی ہے ...... جو باتیں ہوتی ہیں انہی سے ہوتی ہیں۔ سارا وقت فیملی کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔ فی الحال ان کے علاوہ میری زندگی میں کوئی نہیں ...... مطلب کوئی دوست نہیں۔'' جواباً وہ تفصیلی سے بولی۔

''اگر آپ چاہیں تو میری دوستی قبول کر لیں۔'' معطر نے بنا ایک پل ضائع کئے فوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

''مجھے خوشی ہو گی۔ تھینک یو۔'' افریشم نے بھی ایک سیکنڈ کا وقفہ لئے بغیر فوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

''آپ جب بھی چاہیں مجھ سے بات کر سکتی ہیں، مل سکتی ہیں۔'' دوستی کے قیام نے فضا کو سرعت سے معطر کر دیا۔

''ضرور میں ملوں گی بھی اور خوب باتیں بھی کروں گی۔'' افریشم کا لہجہ گنگنانے لگا۔

معطر کی شائستہ آواز اور فرینک انداز افریشم کو گرویدہ بنانے کے لئے کافی تھا۔

معطر کے دل کے تار بھی ''دوست'' اور ''دوستی'' کے احساس سے خوبصورت لے پر چھڑ رے تھے۔ افریشم کا مسکراتا چہرہ اور چمکتی آنکھیں، ایک بار پھر اسے اپنی تینوں دوستوں کی یاد دلا گئی تھی جن کے ساتھ گزرے خوبصورت یادگار دن، یادوں کو مہکانے کے لئے موقع

ملتے ہی مگن ہو جاتے۔

افریشم نے اس کا نمبر اپنے موبائل میں محفوظ کیا۔ اپنا نمبر اسے دیا اور یوں ملاقات اختتام پذیر ہوئی۔ معطر فاطمہ کے جانے کے بعد افریشم علی کے پاس آئی۔ علی اسے معطر کے ساتھ دیکھ چکا تھا لیکن اس نے دانستہ ان کی ملاقات کو نظر انداز کر دیا کہ یہی مناسب تھا۔ افریشم نے خود ہی سرسری سا اسے بتایا۔

کچھ دن مزید گزرے۔

افریشم کا جب دل چاہتا معطر فاطمہ سے موبائل پر رابطہ کرتی۔ وہ بھی اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے افریشم سے بات کرتی۔ چند دنوں میں دوستی کا خوبصورت رشتہ مضبوط ہو چکا تھا۔

دوسری طرف گھر کے بڑوں نے مشاورت کے بعد انگیجمنٹ کا فیصلہ کیا۔ علی اور افریشم سے بھی رائے لی گئی۔ دونوں کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ سو جمعہ کے دن شام کے وقت مقرر کیا گیا۔ اگلے دن مہمانوں کی لسٹ بنائی گئی۔ تمام رشتے داروں، قریبی دوستوں کے علاوہ شایان بخاری اور معطر فاطمہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ دعوت نامہ ملنے کے بعد معطر کچھ پل کے لئے بالکل ساکت ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا معطر؟" شایان نے اس کے جامد تاثرات پر فکر مندی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" آواز پر وہ سنبھلی۔

شایان کو تو نہ بتایا لیکن خیال بھٹک کر مستبشرہ جمال کی ذات پر اٹک گیا۔ دل میں کسک سی پیدا ہوئی، حلق خشک ہو گیا۔ آنکھوں میں چبھن بڑھنے لگی۔ مستبشرہ یونی کے بعد کبھی اس سے رابطے میں نہ رہی۔ جس کا دکھ اس لمحے اسے پوری شدت سے ہوا۔ مستبشرہ کی زندگی اور ذات کے آگے کئی سوال کھڑے نظر آئے جن کا جواب ندارد تھا۔ توقف بعد اس نے سر جھٹکا۔

"مستبشرہ نے جو کیا، شاید ٹھیک تھا۔ علی مطمئن ہے۔ اپنی نئی زندگی شروع کرنے جا رہا ہے۔ اللہ کرے کے مستبشرہ بھی اپنی زندگی میں خوش ہو۔" اور دل سے مستبشرہ کے لئے سکون کی دعا کی۔

☆......☆......☆

"وقار بھائی۔"

مہ روش دو دن مکمل سوچ و بچار کرنے کے بعد وقار کے کمرے میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ سعید احمد، نفیسہ بیگم اور پریشے فی الوقت اپنے قدم پیچھے کرتے ہوئے حتمی فیصلے کے منتظر تھے۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ جو بھی فیصلہ ہو وہ دونوں بہن بھائی آپسی صلاح مشورے کے بعد ہی کریں البتہ وقار کے استفسار پر نفیسہ بیگم نے اسے مہ روش کی مخالفت کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔

"آؤ ماہی بیٹھو۔"

وقار نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی دیوار سے کچھ فاصلے پر رکھی کرسی پر براجمان ہوئی۔ ذہن الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔ وقار نے چپ رہ کر اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ آج وہ ماہی کو سننا اور اپنے دل کی باتیں کرنا چاہتا تھا جس کے لئے تحمل از حد ضروری تھا۔

''بھائی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے؟'' اس نے تمہید باندھتے ہوئے اجازت طلب کی۔

''کرو ماہی۔''

''آپ ادینہ سے ہی شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟'' وہ براہ راست اصل مدعے کی طرف آتے ہوئے دوٹوک پوچھنے لگی۔

''تمہارے لئے، اپنے لیے۔'' سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میرے لئے اس سے شادی مت کریں۔'' ماہی نے اسی سنجیدگی سے برجستہ کہا۔

''میں تمہیں ہر دکھ سے آزاد...... خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وقار نے کلیئر کرنا چاہا۔

''ادینہ کو برباد کر کے......'' وہ ایک دم تلخ ہوئی۔

''ماہی۔'' اس کے لہجے پر وہ اس بار ششدر رہ گیا

اس بات و انداز کی اسے قطعاً کوئی توقع نہ تھی۔

''پتہ نہیں مرد اپنی انا کی تسکین کے لئے، عورت کے درد اور تباہی و بربادی کے بدلے عورت ہی کی زندگی عذاب کیوں کرتے ہیں؟'' اس کے اندر غبار جمع تھا۔

''ماہی......'' وہ حیران ہوا۔

''دکھ بھی عورت جھیلے، رشتے کی پائیداری کے لیے بھی عورت ضبط کرے اور پھر انتقام کی آگ میں بھی عورت جلے۔'' اس کا لہجہ مضبوط ہونے کے باوجود زخم ہرے کر گیا۔

جبکہ اس کی سوچ تو وقار سعید کو شدید حیرت زدہ کر گئی تھی۔

''میں مانتی ہوں کہ شروعات ادینہ کی خودغرضی کی وجہ سے ہوئی۔ آپ نے اس کا بھرم قائم رکھا، چپ رہے، سب کی نفرت اور نظر اندازی برداشت کی، ادینہ کی محبت، خواہش اور خوشی کے لئے اپنا سکون قربان کیا۔ سب کی نفرت مول لی۔ ہر غلط بات اور غصہ برداشت کیا لیکن مراد...... انہیں ادینہ مظلوم لگی۔ بہن کے لئے ان کا دل دکھا، اس کی متوقع بربادی اور بدنامی نے ان کا رخ میری طرف کیا، اپنی بہن کے لئے آپ کی بہن کو اذیت دے کر مراد نے اپنے اندر لگی بدلے و انتقام کی آگ بجھانی چاہی، سات سال انہوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ میں یہاں اپنی بات بالکل نہیں کروں گی لیکن......''

بولتے بولتے وہ توقف بھر کو رکی۔

وقار مکمل توجہ سے اسے سن رہا تھا۔

''حقیقت سامنے آئی، آپ بے قصور نکلے، میرا ضبط اور مراد کا دیا ہر دکھ میرے لئے گہرے صدمے سے کم نہیں تھا لیکن اس سب کے باوجود میں خود غرض نہیں بن سکی۔ ادینہ کی زندگی درد والم سے بھری پڑی ہے۔ ایک محبت اور اسی محبت کے لئے کیا گیا فیصلہ اس کی زندگی میں زہر گھولتا رہا۔ محبت میں کیا گیا وہی فیصلہ اسے بے بس و مجبور کرتا رہا۔ وہ کسی سے کبھی کچھ نہ کہہ سکی۔ ہر غم چپ چاپ برداشت کرتی رہی۔ بولتی تو شاید میری زندگی عذاب نہ ہوتی لیکن اچھا ہوا وہ اتنا عرصہ ضبط کرتی رہی کیونکہ ہمارے یہاں عورت کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ سب اسے لعنت ملامت کرتے۔ مراد اس سے بہت پہلے ہر تعلق توڑ لیتے۔ اسے سمجھنے کی کوشش نہ کرتے مگر اب میں آپ کو دوسرا مراد نہیں بننے دوں گی وقار بھائی۔'' ایک بار پھر وہ رکی۔

وقار نے ہنوز چپ رہنے پر اکتفا کیا۔

مہ روش نے توقف بھر اسے دیکھا کہ شاید وہ کچھ کہے لیکن اس کی خاموشی پر اپنی بات دوبارہ آگے بڑھائی۔

''عورت کا دکھ نظر تو سب کو آتا ہے مگر عورت کے علاوہ اس دکھ کو کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ مرد تو بالکل بھی احساس نہیں کر سکتا۔'' اس کی آواز میں کڑواہٹ تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے ماہی۔'' اس بار وقار نے بولنا چاہا۔

''ایسا ہی ہے۔ ایک محبت کی سزا ناکام شادی، مراد کی نفرت اور اب آپ کا مراد کی روش اختیار کرنے کا فیصلہ...... ادینہ نے غلط تو کیا تھا مگر اتنا نہیں کہ اب تمام عمر اس کی پاداش میں سزا کاٹے۔ وہ بہت تکلیف ہے میں وقار بھائی...... وہ رونا نہیں چاہتی مگر میں نے اسے چھپ کر روتے دیکھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں پچھتاوا دیکھا ہے۔ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہے۔ مراد کے ہر فعل کے لئے خود کو قصوروار سمجھتی ہے۔ معافی بھی مانگ چکی ہے، سامنے نہ سہی مگر خاندان میں ہر کوئی اسے متنفر نظروں سے دیکھتا ہے، اسے مجرم سمجھتا ہے لیکن اس نے یہ سب کیوں کیا، اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں۔ اگر وہ تب آپ سے شادی کر لیتی تو نہ وہ کبھی خوش رہتی نہ کبھی آپ پرسکون رہتے...... اور اب آپ اس سے شادی کر کے اسے اور خود کو پھر آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہیں؟ میرے ساتھ جو ہوا، میں نہیں چاہتی کہ اب وہ ادینہ کے ساتھ ہو۔ میں آپ کو مراد نہیں بننے دوں گی۔''

تفصیل سے کہتی وہ آخر میں قطعیت سے بولی۔

وقار اس کی تمام باتوں کو غور سے سننے کے بعد واضح طور پر سمجھ چکا تھا۔

''میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں ماہی۔'' ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

مہ روش نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''ہر مرد کی سوچ ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر مرد عورت کے جذبات سے بے خبر بھی نہیں ہوتا، ہر مرد خود غرض نہیں ہوتا...... مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔'' وہ توقف بھر کو رکا۔

اس کی آخری بات نے مہ روش کو خفت کا شکار کیا۔

''بات اعتبار کی نہیں ہے۔'' آہستگی سے بولی۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا ماہی...... ادینہ نے جو کیا تھا وہ غلط تھا یا نہیں، نتیجتاً اس نے جو درد سہا، جو تکلیف اور رسوائی برداشت کی، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میں پرانی باتیں بھول چکا ہوں۔ انہیں مستقبل میں دہرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اب مجھے تمہاری، ادینہ اور اپنی زندگی میں سکون چاہیئے، خوشیاں چاہئیں۔ میرا فیصلہ کسی بدلے یا انتقام کے لئے قطعاً نہیں ہے۔ ہم تینوں اب اس مقام پر ساری عمر ٹھہر کر روگ نہیں منا سکتے۔ اپنے اردگرد بے بس ہو کر درد کی لکیریں کھینچ کر خود کو مقید نہیں کر سکتے۔ ماہی، آگے بڑھنے اور اپنے حصے کی خوشیوں کو سمیٹنے، قسمت کے لکھے کو بدلنے کے لئے محض دعائیں یا انتظار کافی نہیں ہوتا۔ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، مثبت سوچ کو ذہن میں جگہ دے کر اس پر عمل کرنا پڑتا ہے۔''

مہ روش کی ذہنی کیفیت سے باخبر وہ اس کا اعتماد بھی بحال کرنا چاہتا تھا اور اپنی سوچ اور کیفیت کو بھی مثبت انداز میں اس کے سامنے رکھنا چاہ رہا تھا۔ ماہی اس کے لب و لہجے پر غور کرتی خاموش رہی۔

مہ روش کی خاموشی پر وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد واپس اس کے سامنے آیا۔ ہاتھ میں مخمل کا ڈبہ تھا جسے ماہی نے بھوئیں سکیڑ کر حیرت سے دیکھا۔

''کوئی بھی وضاحت یا دلیل مزید دینے کے بجائے میں تمہیں اپنے فیصلے کی ایک اہم وجہ بتانا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے اس کے بعد میری نیت پر تم شک نہیں کرو گی۔'' پر وثوق انداز میں کہتے ہوئے وقار نے ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔

جسے مہ روش نے خاموشی سے لیتے ہوئے آہستگی سے کھولا اور اگلے ہی پل کنگن پر نظر پڑتے ہی سوالیہ بے یقینی سے وقار سعید کو دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے ماہی۔ ایک بار تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے شادی کیوں نہیں کی؟ آج میں تمہیں اصل وجہ بتاتا ہوں۔ شادی نہ کرنے کی وجہ کوئی مردہ لڑکی نہیں بلکہ میری وہ خاموش محبت تھی جو میں نے ادینہ سے کی تھی...... یہ کنگن میں نے اسی محبت کے لئے بنوائے تھے پھر ادینہ کی محبت اور خوشی کے لئے میں نے اسی محبت کو ان کنگن کے ساتھ ڈبے میں بند کر کے خاموشی سے الماری میں رکھ دیا...... لیکن ادینہ کے لئے میری محبت تشنگی کے باوجود کبھی کم نہیں ہوئی، کبھی بدگمان نہیں ہوئی۔ میں ہمیشہ اس کے لئے فکرمند رہا، کسی اور سے تو ذکر کر نہیں سکتا تھا اس لئے ہمیشہ تم سے اس کے بارے میں پوچھتا...... میری محبت کبھی خودغرض نہیں رہی۔ میں نے ہمیشہ خود کو نظرانداز کر کے

ادینہ کی خوشیوں اور عزت کے لئے اس کا بھرم قائم رکھا۔ میں اب بھی اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں...... میں اس بار اپنی محبت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا لیکن اس سب سے پہلے مجھے تمہاری زندگی میں سکون چاہیے۔ تمہارا ساتھ اور تمہارا اعتماد چاہیے...... میری نیت میں کھوٹ نہیں ہے ماہی۔" وقار نے تحمل سے بات مکمل کرتے ہوئے سارا مدعا اس کے سامنے رکھا۔

ماہی اس انکشاف پر دنگ رہ گئی تھی۔

وقار سعید کی خاموش محبت اور قربانی......!

دس سالہ طویل خاموشی......!

محبت تیاگ دینے کے بعد وہ خالی ہاتھ رہا، ماں باپ کی نفرت برداشت کرتا رہا، اب بہن کا دکھ بھی اس کے دل کو گھائل کر گیا تھا۔ ایسے میں مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھنا دشوار تھا مگر وہ ناامید نہیں تھا۔

"آپ نے امی ابو کو اپنی محبت کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" وہ سنبھلی۔

"کیونکہ وہ صرف میری خواہش، خوشی اور تمہارے لئے مان گئے تھے۔ تمہیں بتانا اس لئے ضروری تھا کہ تمہارے ذہن میں شکوک وشبہات نہ ہوں۔ میرے دل میں ادینہ کے لئے ہمدردی نہیں محبت ہے۔" وقار نے بات سمیٹی۔

اس کی آخری بات نے مہ روش کی سوچ کو کثافت سے پاک کیا۔ کنگن واپس اسے دیتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پھوپھو سے بات کروں گی۔" چہرہ شکن سے پاک تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟" اس نے پوچھا۔

"اب بالکل بھی نہیں ہے۔" وہ مکمل یقین کر چکی تھی، انکار کی گنجائش نہ بچی۔

"میں بس سب ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔" وہ مسکرائی۔

دل کم از کم وقار اور ادینہ کے لئے خوش ہو گیا تھا۔

"تم پھوپھو سے بات کرنا...... میں مراد سے بھی بات کرلوں گا۔"

مہ روش نے اب کہ محض اثبات میں سر ہلایا۔ وقار سعید کے چہرے پر سکون اترا۔ وہ آہستگی سے باہر نکل آئی۔ نفیسہ بیگم، سعید احمد اور پریشے باتیں کر رہے تھے اسے آتا دیکھ کر سوالیہ اسے دیکھنے لگے۔ اس نے بیٹھتے ہوئے انہیں وقار کے فیصلے پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ وہ سب خوش ہوئے۔

"ماہی تمہارے لئے ہم سب کچھ بھول کر دل سے ادینہ کو قبول کریں گے۔ ماضی کو کریدنے سے محض درد ملتا ہے۔" نفیسہ بیگم بولیں۔

"غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ادینہ بھی ہماری اولاد جیسی ہے۔دکھ تو اس نے بھی جھیلے ہیں،اس کے لئے بھی دل کو پتھر نہیں کر سکتے۔"

"ہمیں تم سب کی زندگیوں میں محبت اور سکون چاہیے۔وقار کا فیصلہ ان شاءاللہ تمہارے اور ادینہ کے حق میں بہتر ہوگا۔" سعید احمد بھی پر امید تھے۔بیٹی کے لئے ہی سہی مگر انہوں نے ادینہ کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیا تھا۔

مہ روش نے جواباً مسکرانے پر اکتفا کیا۔

پریشے بھی خاموش مگر مطمئن تھی۔

"میں کلثوم کو یقین دلاؤں گا کہ ادینہ یہاں خوش رہے گی۔" سعید احمد نے بہن کے ممکنہ خوف کے خیال سے پہلے ہی سوچا۔ رشتوں کی بقاء اور محبت برقرار رکھنے کے لیے یہ رشتہ طے پانا ضروری تھا۔

"ادینہ آپی مان جائیں گی؟" جب ہی پریشے نے چپ توڑ کر سب کی طرف باری باری دیکھا۔

"اسے ماننا ہوگا۔" جواباً ماہی نے پرسوچ انداز اپناتے ہوئے کہا کیونکہ اب یہ اس کے بھائی کی محبت کا سوال تھا اور وہ جانتی تھی کہ اگر ادینہ نے انکار بھی کیا تو اسے کیسے قائل کرنا ہے۔

☆......☆......☆

سید جمال شاہ نے جتنی جلدی ممکن تھا تمام کاغذی کارروائی مکمل کی۔احسان اور مشارب ان کے ساتھ تھے۔اسلام آباد والا گھر انہوں نے مستبشرہ جمال کے نام پر ہی خریدا۔بیٹی کے لئے وہ دعا گو تھے۔اسے ہر لحاظ سے خوش دیکھنا چاہتے تھے۔مستبشرہ کے تمام ڈاکومینٹس مشارب شاہ کو دے دیئے تھے جنہیں وہ سکون میں بات کرنے کے بعد دے آیا تھا۔سکول میں ایک ویکینسی خالی تھی۔مستبشرہ کی قابلیت وتمام کاغذات دیکھنے کے بعد اگلے ہی دن سکول والوں نے مستبشرہ کو کال کی۔اسے جلدی جوائن کرنے کی درخواست کی۔جسے مستبشرہ نے قبول کیا۔باقی معاملات روبرو طے ہونا قرار پائے۔کال بند ہونے کے بعد وہ کافی دیر گم صم بیٹھی رہی۔

اپنا ذاتی سکول چھوڑنے کا دکھ بھی تھا۔

البتہ ماریہ نے اس دوران اسے ہر فکر سے بے فکر کرنے کی مکمل یقین دہانی کروائی۔مستبشرہ نے ارم سے بھی رابطہ کیا،ارم کے کہنے پر فہیم بائی سے بات کی۔فہیم نے تھوڑی بہت ٹال مٹول کرنی چاہی مگر بیوی کی دوبارہ سکول جوائن کرنے کی خواہش اور مستبشرہ کی مجبوری سے آگاہ کرنے کے بعد وہ مستبشرہ کے معمولی اصرار پر مان گیا۔

"میں بہت سپاس گزار ہوں۔تم دونوں نے میرے لئے ہر ذمے داری قبول کی۔میں یہ احسان کبھی فراموش نہیں کروں گی۔" وہ دل سے بولی۔

ماریہ کے تجربے،محبت اور ارم کے خلوص پر وہ شکر گزار تھی۔ماریہ کو پہلے ہی سب معاملات و ذمے داریوں سے آگاہ کر چکی تھی۔

ارم کے ذمے بھی خاص کام لگائے جسے اس نے مکمل یقین دہانی کروانے کے بعد جوائن کرتے ہی پہلے دن سنبھالے۔

''میں چکر لگاتی رہوں گی۔'' ان کے مسکراتے چہرے دیکھ کر وہ مزید بولی۔

''ہم اور یہ سکول تمہارا انتظار کیا کریں گے۔'' ماریہ خوش دلی سے بلی۔

مستبشرہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اور ان شاءاللہ تم ہماری، ٹیچرز اور بچوں کی کارکردگی سے مایوس نہیں ہو گی۔'' ارم پر وثوق تھی۔

''اتنا تو مجھے پختہ یقین ہے۔'' اس کا دل گواہ تھا۔

وہ ان دونوں کی وجہ سے مکمل ٹینشن فری تھی۔

فلک کی شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے۔ مستبشرہ اگر کسی کام میں مصروف ذرا سی بھی غافل ہوتی فلک فوراً کال کرتی۔ گلے بھی گویا قطار میں ساتھ کرتی۔

''میری زندگی، میری خوشی، میری شادی، شادی کی تیاریاں تمہارے لئے بالکل اہمیت نہیں رکھتیں۔'' خفگی سے بھرپور لہجے میں کہتی۔

''ایسی بات نہیں ہے فلک۔'' جواباً ہر بار وہ یہی جملہ دہراتی۔

''اچھا تو پھر آ جاؤ جلدی سے۔'' وہ برجستہ حکم صادر کرتی۔

''کام ختم کر کے آتی ہوں۔''

''ایک تو تمہارا کام...... خواہ مخواہ کا دردسر ہے۔ اچھی بھلی آؤ، تیاری کرو لیکن نہیں، ایک سکول سے تمہارا دل نہیں بھرا اب دوسرے شہر، دوسرے سکول...... یہاں تمہیں پرواہ نہیں، وہاں تو میرا نام تک بھول جاؤ گی۔'' فلک فلمی انداز میں آہ بھر کر اسے بلیک میل کرتی۔

''ایسا تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ بہر حال میں جلدی آتی ہوں۔'' مستبشرہ نفی کرتے ہوئے اپنے آنے کا عندیہ دیتی۔

وہ خوش ہو جاتی۔

کچھ عرصے تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

وقت تیزی سے گزرا۔

فلک کی شادی کی تمام ضروری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ کپڑے درزی کے پاس تھے جو کچھ ہی دنوں میں تیار ہو کر آ جانے تھے۔ شادی میں محض ایک ہفتہ بچا تھا۔ ماریہ اور ارم کی وجہ سے وہ سکول کی طرف سے مطمئن ہو گئی تھی سو اب فلک کے کہنے سے قبل ہی احسان کے ساتھ تو کبھی اماں کے ساتھ فلک کی طرف جاتی۔ فلک کا تمتماتا چہرہ اور چمکتی آنکھیں اس کی قلبی خوشی کی عکاس تھیں۔ محبت نے اس کے انگ الگ کو مہکا دیا تھا۔ لب سرشاری میں گنگناتے، دل مسحور کن لے پر دھڑتا، ایک ایک لمحہ اس کے لئے محبت سے بھرپور، خوبصورت اور یادگار

تھا۔محبت زندگی کو دوام بخشنے جا رہی تھی۔

شادی سے پانچ دن پہلے مشارب شاہ بھی آ گیا تھا۔

گھر کی پہلی خوشی تھی۔گھر میں جشن کا سماں تھا۔قریبی رشتے دار بھی شادی میں شرکت کرنے آ گئے تھے۔رونق عروج پر تھی۔ہلہ گلہ جاری ہو چکا تھا۔عثمان اور تیمور کا اپنے کزنز کے ساتھ مل کر فلک کو چھیڑنے اور ستانے کا سلسلہ بھی زوروں پر تھا۔احسان بھی ان کا بھرپور ساتھ دیتا۔جسے مستبشرہ خوب انجوائے کرتی لیکن جب فلک عاجز آ کر رونی شکل بناتی تو مجبوراً مستبشرہ کو سب کو رکنا پڑتا البتہ مشارب شاہ گھر کے ماحول،قریبی رشتے داروں کی موجودگی کے احساس اور ممکنہ چھیڑ خانی سے بچنے کے لئے فلک کے سامنے نہیں آ رہا تھا۔فلک نے ایک دو بار اس کی آواز سن کر اس سے ملنے اور دیکھنے کی کوشش کی مگر مستبشرہ نے اس کو روک دیا۔

''صبر کر و لڑکی۔چند دنوں کی بات ہے۔'' آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجی تھی۔

وہ کھسیانی سی ہو کر مسکرائی۔

''اس کے بغیر دل کو سکون نہیں ملتا۔'' پھر دانت نکالے۔یہ اعتراف تو اس کے لئے حاصل زیست تھا۔

''بڑی بے شرم ہو۔'' مستبشرہ نے اسے گھورا۔

وہ کھلکھلائی۔

دل و روح مکمل محبت کے حصار میں تھے۔

مستبشرہ کا دل اس کی خوشیوں و سلامتی کے لئے فوراً دعا گو ہوتا۔اس کی محبت کے لئے بھی دائمی قرار کی دعا لبوں پر رقص کرتی۔

''مستبشرہ۔'' اگلے دن وہ سکول کے لئے تیار ہونے جا رہی تھی کہ زہرہ شاہ نے پکارا۔

''جی اماں۔'' وہ پلٹی۔

''بیٹا! سکول مت جاؤ آج۔''

''لیکن اماں......''

''کوئی بہانہ نہیں چلے گا...... پرسوں فلک کی مہندی ہے۔آصفہ بھابھی اور فہمیدہ اکیلے سب مہمانوں کو دیکھ رہی ہیں۔شادی والا گھر ہے۔سو کام ہوتے ہیں۔برا لگتا ہے بیٹا،اگر ان دنوں میں بھی رشتوں کو ٹائم نہ دیں۔آج کل کے مصروف دور میں رشتوں کی محبت،توجہ اور احساس کی ضرورت ہے بس۔اور ویسے بھی ہم ولیمے کے بعد اسلام آباد چلے جائیں گے۔تم بس اب سکول نہیں جاؤ گی۔کوئی کام ہوا تو فون پر رابطہ کر لینا۔'' زہرہ شاہ نے صاف دو ٹوک لفظوں میں کہا۔صلاح دی۔

شادی کے فوراً بعد اسلام آباد جانے،بہن بھائیوں سے دوری کا خیال انہیں الگ افسردہ کیے ہوئے تھا۔خود تو دن کو وہاں جاتیں

مگر رات کو شوہر اور بیٹے کی وجہ سے واپس آنا پڑتا۔ مستبشرہ چاہنے کے باوجود انکار نہ کرسکی۔

''جو حکم اماں۔'' ان کے قریب آ کر گلے لگی۔ وہ مسکرائیں۔

''فلک خوش ہوگی۔''

''ہاں اور اب تو باقاعدہ شکر ادا کرے گی کہ میں شادی تک سکول نہیں جا رہی۔'' وہ اس کی خوشی کا اندازہ کرتی مسکرائی۔

''اچھا اماں...... میں اپنے کپڑے اور باقی چیزیں رکھ لوں۔ جب تک آپ احسان سے کہیں کہ وہ بھی تیار ہو جائے۔'' وہ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے میں احسان سے کہتی ہوں۔'' جبکہ وہ احسان کے کمرے کی طرف گئیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ تینوں جانے کے لئے تیار تھے۔ احسان کو کسی سے ملنے بھی جانا تھا سو اس نے انہیں گھر کے باہر ہی ڈراپ کیا۔ وہ دونوں اندر گئیں۔ اندر گہما گہمی عروج پر تھی۔ انہیں دیکھ کر خوش دلی سے ان کا استقبال کیا گیا۔ مستبشرہ سب سے ملنے کے بعد فلک کے کمرے میں آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر فلک کا چہرہ مزید کھل اٹھا تھا۔ اپنی خوشی کا بھرپور لفظی اظہار بھی کیا۔ کافی دیر اس سے باتیں کرتی رہی۔

مستبشرہ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

باقی کا دن چھوٹے موٹے کاموں کے علاوہ کسی نہ کسی کے آنے سے مصروف ترین گزرا۔ شام کو فلک اسے اپنے ساتھ زبردستی پارلر لے کر گئی۔ اس کے منع کرنے کے باوجود اپنے ساتھ اسے بھی بٹھایا۔ پارلر سے احسان انہیں واپس لے کر آیا۔ فلک کی امی کی سخت تاکید کے بعد اپنے کمرے میں ہی مقید تھی جبکہ باقی کزنز کبھی اس کے پاس تو کبھی مشارب کو گھیر کر خوب ہلہ گلہ کرتے رہے۔

اگلے دو دن بھی بہت جلدی گزرا۔

بے شمار خوشیاں سمیٹے شادی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مہندی کی تقریب گھر میں ہی رکھی گئی۔

فلک نے مشارب کے نام کی مہندی لگائی۔ آنکھوں میں ازلی مسکراہٹ اور چہرے پر شرم وحیا کی لالی تھی۔ مشارب بالشت بھر کے فاصلے پر اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دونوں سب کی پرخلوص، خالص دعاؤں کے حصار میں تھے۔ آج فضا بھی ان دونوں کی ملن کی پہلی رت پر جشن منا رہی تھی جبکہ انبساط کے یہ لمحات ایک خوبصورت یادگار کے طور پر ان کے ذہن ودل پر رقم ہو رہے تھے۔ تمام تر رونق سمیٹ کر تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

''فلک...... بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔''

وہ مستبشرہ کے سامنے اپنے کمرے میں جا رہی تھی جب مشارب ان کے قریب آیا تھا۔ اس کے آتے ہی مستبشرہ مسکرائی۔ مشارب نے اتنے دنوں بعد فلک کو اپنے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا۔ اب تو دل میں بھی صرف وہی تھی۔ اس وقت سب کی موجودگی میں اس سے

کچھ نہ کہہ سکا البتہ وقتاً فوقتاً اسے کن اکھیوں سے دیکھتا رہا۔فلک بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔سو ستائش ضروری سمجھی البتہ وہ محض آنکھیں جھکائے مسکرائی۔

مشارب بھی بھرپور نظر اس پر ڈالے آگے بڑھ گیا۔مستبشرہ دونوں کے انداز پر طمانت سے مسکرائی۔

اگلی صبح خوبصورت تھی۔

خوشگوار تھی۔

سبھی اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔آج کی تقریب کے لئے ہال میں بکنگ پہلے سے کروالی گئی تھی۔فلک،مستبشرہ کے ساتھ تیار ہونے پارلر چلی گئی تھی۔باقی سب اپنی اپنی تیاری مکمل ہونے کے بعد ہال پہنچ چکے تھے۔گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد فلک کی آمد کا شور فضا میں گونجا۔ہر نگاہ اس کے تعاقب میں اٹھی۔ہر نگاہ میں ستائش ابھری۔دلہن کے روپ میں وہ بہت حسین وجاذب نظر لگ رہی تھی۔اسے اسٹیج پر مشارب کے ساتھ بٹھایا گیا۔

رخصتی سے قبل مولوی صاحب اسٹیج پر آیا۔گواہان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ماحول سنجیدہ ہوا۔نکاح کا فریضہ خوش اسلوبی سے ادا کیا گیا۔دونوں نکاح جیسے مقدس ومضبوط رشتے میں بندھ چکے تھے۔مبارک باد کا شور سب ہی چہروں پر بکھری مسکراہٹ کو گہرا کر گیا تھا۔

رخصتی کا وقت بھی آن پہنچا۔زندگی نئے سرے سے ان کے استقبال کے لئے محوانتظار تھی۔

البتہ خوشی توقف بھر کے لئے تھم گئی۔شادی کے بعد ایک ہی گھر میں رخصت ہونے کے باوجود اس لمحے نے سب کی آنکھوں کو نم کیا۔عارف شاہ نے اس کے سر پردست شفقت رکھا۔بہتر مستقبل کی دعا دی۔فہمیدہ بیگم کا دل بھی اداس تھا۔بیٹی کو گلے لگایا،پیار کیا۔عثمان اور تیمور بھی اداس لمحے کے حصار میں مقید ہوئے۔بہن انہیں عزیز تھی البتہ دل بھی مطمئن تھا کہ وہ ہمیشہ نظروں کے سامنے رہے گی۔زہرہ پھوپھو،آصفہ بیگم کے علاوہ باقی سب بھی دعا گو تھے۔مستبشرہ،فلک کے برابر کھڑی رہی۔

فلک کی آنکھوں کے گوشے بھی نم تھے۔

مشارب شاہ نے اپنے ساتھ ومحبت کی مکمل یقین دہانی کے لئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔اب اس کی تمام وفائیں،خلوص،بےلوث پیار فلک کے لئے تھا۔اسی کے ہمراہ نئی راہ گزر پر قدم رکھنے تھے۔نئی زندگی کی خوبصورت ابتدا کرنی تھی۔

وقت افسردہ لمحوں کی قید سے نکل کر آگے سرکا۔

فلک کو دعاؤں کے ہمراہ،قرآن پاک کے سائے تلے رخصت کیا گیا جہاں بہاریں دل وجان سے ان دونوں کی منتظر تھیں۔

☆......☆......☆

ایک ہفتے بعد اس نے واپسی کی تیاری کی۔

پریشے کل شام چلی گئی تھی۔ وقار سعید کسی کام کی وجہ سے گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہ نایاب کی سکول سے واپسی کی منتظر تھی۔ ارادہ اس کے آنے کے بعد شام کو واپس جانے کا تھا۔ میکے میں سب کی محبت و توجہ پا کر بیٹیوں کے چہروں پر رقصاں مسکراہٹ گویا اس کی تھکاوٹ ختم کر گئی تھی۔ ذہنی تھکان سے چھٹکارا ملتے ہی اس نے تمام الجھی سوچوں کو بھی سلجھا دیا ہے۔ اب صرف اسی سلجھاؤ سے سب ٹھیک کرنا باقی تھا۔ وقار کے فیصلے سے متعلق پھوپھو کو آمادہ کرنا دشوار نہیں تھا البتہ پہلے ادینہ اور پھر مراد کی حتمی رائے جہاں معنی رکھتی تھی وہیں مراد کا ردعمل جو شاید شدید منفی بھی ہو سکتا ہے، اسے کہیں نہ کہیں خائف کر گیا تھا۔

لیکن اب وہ حقیقتاً مراد کی پرواہ کیے بغیر صرف وقار، ادینہ اور اپنی تینوں بیٹیوں کے متعلق سوچنا چاہتی تھی۔

نایاب سکول سے واپس آئی تو اس نے اسے کھانا کھلایا۔ پھر بیٹوں کو امی کے حوالے کر کے خود سامان پیک کرنے گئی۔ تمام وقت میں دماغ متحرک تھا۔ بیگ لاؤنج میں لا کر رکھا اور ابو کے برابر بیٹھی۔

''ماہی۔'' جبھی نفیسہ بیگم نے اسے آواز دی۔

''جی امی۔'' وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم کلثوم آپا سے بات کرو گی یا میں کچھ دن تک آ جاؤں۔''

امی۔ پہلے میں خود ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ مجھے سمجھتی ہیں۔ میں انہیں قائل کر سکتی ہوں۔ اگر آپ بات کریں گی تو شاید وہ ٹھیک سے کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔ ہو سکتا ہے ادینہ صاف انکار کر دے یا مراد مخالفت کریں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''لیکن بیٹا ہم غلط مقصد سے تو یہ رشتہ نہیں کر رہے۔'' سعید احمد نرمی سے بولے۔

''ابو۔ یہ بات صرف ہم جانتے ہیں پھوپھو، ادینہ یا مراد کے علاوہ بھی کوئی اور یہ سنے گا تو یقیناً وہمات میں گھرے گا۔ میں کم از کم ادینہ اور پھوپھو کو اعتماد میں لینا چاہتی ہوں۔ یہ زور زبردستی یا عام حالات میں کیا گیا کوئی معمولی فیصلہ نہیں ہے۔ یہ رشتہ ہو گا تو ضرور، اتنا میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں لیکن اس سے پہلے ہر ایک ذہن سے شک و وسوسے سے نکلنا لازم ہے۔ آپ تھوڑا انتظار کریں۔ مجھے تھوڑا وقت دیں جب تک ادینہ کی عدت بھی مکمل ہو جائے گی۔'' اس نے اپنی بات واضح انداز میں سامنے رکھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔ جیسے تم مناسب سمجھو۔'' سعید احمد کو اس کی بات معقول لگی۔

''یہ رشتہ ہو جائے تو ان شاء اللہ تمہاری زندگی بھی سہل ہو جائے گی۔'' نفیسہ بیگم کو قوی امید تھی۔

''ان شاء اللہ۔'' سعید احمد زیر لب بولے۔

وہ البتہ اثبات میں سر ہلاتی خاموش رہی۔

''اور اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو۔'' ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے کہا۔

اس نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''جی ابو، رکھوں گی خیال۔'' اور بولی۔

توقف بعد موضوع گفتگو بدل دیا۔ ایک دو گھنٹے مزید گزر رے۔

طویل دین اختتام پذیر ہونے کے آخری مراحل میں تھا۔ چرند پرند دن بھر کی اڑان وتھکان کے بعد اپنے اپنے آشیانوں کی طرح رواں دواں تھے۔ اجالے ماند پڑنے لگے تھے۔ تاریکی اپنے پر پھیلانے میں محو تھی۔

وہ جانے کے لئے تیار تھی۔

تھوڑی دیر قبل وقار نے کال کی، وہ راستے میں تھا۔ وہ امی ابو کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وقار تقریباً بیس منٹ بعد آ گیا تھا۔ جب آیا تو ایک ہاتھ میں فروٹس اور دوسرے ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑے ہوئے تھے۔

''یہ تمہارے لئے۔''

فروٹس والا ہاتھ اس نے ماہی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وقار بھائی۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ بولی۔ ان دنوں اور اس سے پہلے بھی وقار نے اس کا بہت خیال رکھا، کھانے پینے سے لے کر ذہنی سکون تک، اپنی مصروفیت ترک کر کے کافی دیر تک اس سے باتیں کرتا، دن میں کئی بار پوچھتا کہ کچھ چاہیئے......اور سب سے بڑی بات جو توجہ اور محبت اس نے بھانجیوں کو دی تھی وہ ماہی کے نزدیک انمول تھی۔

''بات ضرورت کی نہیں ہے، کچھ نہیں ہوتا رکھو اور یہ کھلونے میری تین شہزادیوں کے لئے۔'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔ نایاب اور اریبہ کے پاس بیٹھا بیگز ان کے پاس رکھے جبکہ وہ دونوں کھلونوں کا نام سنتے ہی مسکرائی تھیں۔

''وقار بھائی۔ کھلونوں کی بالکل ضرورت نہیں تھی۔ گھر میں بھی ڈھیر لگا ہوا ہے اور کل امی نے بھی شانزے کے لئے اتنی چیزیں لائی تھیں۔'' اس بار وہ قدرے شرمندہ ہوئی۔

''محبت اور خوشیوں کے اظہار کے لئے ضرورت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔'' وقار اسے دیکھ کر بولا۔ اس کا بت نہیں چل رہا تھا کہ جلد از جلد ماہی کے ہر دکھ کو جڑ سے اکھاڑ پھینک کر اس کی زندگی میں محض خوشیوں وسکون کی فراوانی لکھ دے۔

وہ محض اثبات میں سر ہلانے لگی۔

تشکر کے الفاظ، بے آواز ہو گئے تھے۔

البتہ دل میں طمانت کے ساتھ، بھائی کے لئے محبت مزید بڑھ گئی تھی۔

''اب چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ چند ثانیوں بعد بولی۔

''ہاں چلتے ہیں اور بیٹا! ابھی کھلونے واپس رکھتے ہیں۔ گھر جانے کے بعد ان سے کھیلنا۔'' وہ سر ہلاتا ان دونوں سے بھی مخاطب ہوا۔ وہ دونوں بناء ضبط کئے اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔ وقار نے کھلونے بیگز میں واپس رکھے۔ وہ امی ابو سے ملنے لگی۔

وقار سامان گاڑی میں رکھنے باہر چلا گیا تھا۔

سعید احمد اور نفیسہ بیگم نے نواسیوں کے بعد اسے گلے لگایا۔ وہ ملنے کے بعد اجازت لے کر باہر آ گئی۔ گھر تک کا سفر ہلکی پھلکی گفتگو میں گزرا۔ وہ شانزے کو اٹھائے اندر گئی جبکہ وقار گاڑی سے سامان نکالنے کے بعد سامان سمیت توقف بعد اندر آیا۔ جہاں ماہی پھوپھو اور ادینہ سے ملنے کے بعد صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''السلام علیکم پھوپھو۔''

''وعلیکم السلام۔ کیسے ہو وقار بیٹا۔'' سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''الحمدللہ! ٹھیک ہوں۔'' کہتے ہوئے اس نے ایک نظر ادینہ کو دیکھا جو نایاب کو گود میں بٹھائے اس کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔

''اچھا آؤ بیٹھو۔'' پھوپھو نے اسے بیٹھنے کو کہا اور ساتھ ہی ادینہ کو بھی مخاطب کیا۔''ادینہ! وقار اور ماہی کے لئے چائے بناؤ۔''

ادینہ سنتے ہی اثبات میں سر ہلاتی اٹھی۔

''نہیں پھوپھو۔ آج نہیں...... پھر کسی دن۔'' لیکن اس نے سرعت سے منع کیا کہ فی الحال چائے پینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ ان تینوں میں سے کوئی اصرار کرتا وہ مزید بولا۔

''اب میں چلتا ہوں...... اللہ حافظ۔'' اور واپسی کے لئے قدم اٹھائے۔

''اللہ حافظ۔'' وہ کہتے ہوئے ماہی کے برابر بیٹھیں۔

''ماہی...... میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔''

''نہیں ادینہ...... آنے سے پہلے چائے پی کر آئی ہوں۔ ابھی دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے سہولت سے منع کیا۔

''چلو ٹھیک ہے، میں پھر ڈنر کے لئے کچھ بناتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔ اریبہ اور نایاب، کلثوم بیگم کو اپنے نئے کھلونے دکھانے میں مصروف تھیں۔ شانزے ماہی کی گود میں سوئی ہوئی تھی وہ پھوپھو سے کہتی اسے کمرے میں لے گئی۔ اسے آہستگی سے بیڈ پر لٹایا اور پھر باہر آئی۔ سامان کمرے میں لے کر گئی۔ تمام چیزیں سنبھالیں۔

اس بار واپسی نے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔ مراد منصور کی ذات سوچوں سے محو تھی۔ اب وہ سنبھل بھی چکی تھی۔ دل و دماغ مکمل اختیار میں تھے۔ وہ اپنی ذات کے لئے، مراد منصور کو سوچ کر، اس سے جڑی تلخ یادوں کو اپنے زخموں کے لئے نمک نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اپنے لئے، اپنی ذات کے لئے، اپنے ذہنی و قلبی سکون کے لئے وہ اسے بالکل نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ اس کا معمولی سا تصور بھی نہیں کرنا چاہتی

تھی۔اپنے لئے اب اسے مراد منصور سے کوئی غرض نہیں رہی تھی۔

برسوں پہلے اس کی نفرت نے دل سے محبت کو کھرو چ دیا تھا البتہ کاغذی تعلق قائم تھا۔

جسے وہ نبھانے کا مکمل ارادہ رکھتی تھی۔

محض اپنی بیٹیوں کے لئے......

سچ کڑوا ہوتا ہے مگر تلخ حقیقت اس کچے دھاگے کی طرح ہوتی ہے جو نہ معمولی کھچاؤ کی متحمل رہتی ہے نہ ڈھیل دینے کے باوجود اس کی پائیداری یقینی رہتی ہے۔کچے دھاگے سے رشتے مضبوط نہیں ہوتے۔ان دونوں کا رشتہ بھی حقیقت سامنے آنے کے بعد اس کے لئے کم از کم ایسا کچا دھاگہ تھا جسے وہ بیٹیوں کی وجہ سے کھینچ کر توڑنا نہیں چاہتی تھی اور نہ اپنے لیے اس دھاگے کو ڈھیل دے کر کوئی خوش فہمی پالنا چاہتی تھی۔

دل محبت سے خالی ہو چکا تھا۔

نہ آس باقی تھی نہ اسے کوئی امید کا دیا جلانا تھا۔

اپنی ذات کے لئے وہ مراد منصور کے رویے کی طرح ہی بے حس بن گئی تھی۔

اور یہ بے حسی اس کے لئے طمانت بخش تھی۔

البتہ بے حسی سے عاری حقیقی طمانت کی چمک اس نے کلثوم بیگم کی آنکھوں میں دیکھی۔اول تو چونکی مگر پھر دلچسپی سے انہیں دیکھا۔کلثوم بیگم کی آنکھیں بھی ہمیشہ اس کے دکھ میں برابر شریک رہی تھیں۔بالکل ویران رہی تھیں مگر آج انہی آنکھوں میں سکون تیر رہا تھا۔ایک عجیب کشش تھی جوان کے خاموش لبوں کی پرواہ کئے بغیر ایک الگ کہانی سنا رہی تھی۔

کھانے سے پہلے اور پھر کھانے کے بعد......

اسے لگا کلثوم بیگم اس سے کچھ خاص بات کرنا چاہ رہی ہوں۔اپنے قرار کی وجہ بتانا چاہ رہی ہوں مگر الفاظ جھجک کا شکار تھے البتہ چاہنے کے باوجود خود ان سے نہ پوچھ سکی لیکن انہیں پرسکون دیکھ کر اسے انجانی سی خوشی ہوئی تھی۔کلثوم بیگم اپنی جگہ الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف عمل تھیں۔وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بنا مہ روش کو سب بتانا چاہتی تھیں مگر پھر کل تک انتظار مناسب لگا۔لہٰذا چپ رہیں۔

اگلے دن صبح ہی صبح موقع ہاتھ لگا۔وہ مہ روش کے کمرے میں چلی آئیں۔پہلے ادھر ادھر کی باتیں کیں پھر قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اصل مدعے کی طرف آئیں۔

”مراد کی کال آئی تھی۔“

مہ روش اول تو چونکی بھنوئیں سکیڑ کر انہیں سوالیہ دیکھا۔

”وہ اسلام آباد میں ہے۔“انہوں نے بتایا۔

مراد منصور کے ذکر سے زیادہ اگلے ہی پل مہ روش ''اسلام آباد'' کا نام سن کر حیران ہوئی مگر یہ حیرانگی واجبی ثابت ہوئی کہ یک دم متحرک ذہن نے ایک کڑی اس کے سامنے لائی۔ نادانستہ ہی سہی مگر وہ کڑی دلچسپی کا عنصر پیدا کر گئی۔ مراد کے الفاظ ذہن میں گردش کرنے لگے۔

کچھ عرصہ پہلے ہی وہ عروش سے اسلام آباد میں ملا تھا۔

اب اس کا وہاں ہونا تو لازم تھا...... اپنی ادھوری محبت کی بقاء کے لئے...... دل کی تسکین کے لئے عروش کے قریب ہونا، اسے حاصل کرنا ضروری تھا۔

اگلے ہی پل اس نے دلچسپی کو پہلو میں بٹھایا اور خاموش نظروں سے پھوپھو کو دیکھنے لگی۔

''کہہ رہا تھا کہ اب وہیں کام کرے گا۔'' وہ مزید بتانے لگیں۔ توقف بھر کو رکیں پھر بات جاری رکھی۔

''اس نے نایاب، اریبہ اور شانزے کا بھی پوچھا۔ تینوں کی باتیں کرتا رہا۔ میں نے تمہارا ابھی بتایا کہ تم اس دن بیمار ہو گئی تھی۔ پورا دن ہوسپٹل میں رہی۔ کافی دیر تک باتیں کی تھیں اس نے۔'' اپنی طمانت کی اصل وجہ کو انہوں نے بہت شائستگی سے زبان دی۔

مہ روش اس بار حقیقتاً چوکی۔ یہ سب بالکل غیر یقینی تھا لیکن یوں اچانک اپنی حیرت کو زبان نہ دے سکی کہ خود کو سنبھال کو فوراً کوئی سوال کرتی۔

کلثوم بیگم اس کے چہرے کے تاثرات کے اتار چڑھاؤ پر مبہم سا مسکرائیں۔

پیسے بھی بھیجے ہیں اس نے۔ کہہ رہا تھا کہ بچیوں کے لئے بھی کچھ نہ کچھ لیں۔'' پھر اس کی چپ پر مزید بولیں۔

اس بار مہ روش کی حیرت بڑھنے کی بجائے تھمی کہ یک دم خون میں تلخی زہر بن کر سرائیت کرتی پورے بدن میں پھیل گئی۔ گویا پیسوں کے ذکر نے سوکھے خشک زخم کو کھرچ کر درد تازہ کر دیا ہو۔ اس کا حلق کڑوا ہوا۔ خرچ سے متعلق مراد منصور کے الفاظ پگھلے سیسے کی طرح کان میں یادداشت نے انڈیلے۔ اندر ہی اندر بے بسی سلگنے لگی۔ دل چاہا کہ چیخ چیخ کر پھوپھو سے کہے کہ اسے مراد منصور کے دیئے پیسے نہیں چاہئیں مگر ایسا ممکن ہی نہ تھا۔ اپنے صبر کو چپ کا لبادہ اوڑھا دیا۔

یہ گھر، ماں، بہن، بیوی اور تین بیٹیاں......

مراد منصور کی ذمے داری تھیں۔

ذمے داری فرض تھی۔

چاہے یا نہ چاہے فرض اسے نبھانا تھا۔

نبھا رہا تھا۔

بات محض مہ روش کی ذات تک محدود نہ تھی۔ وہ انا پرست کیسے بنتی۔ ان حالات میں اپنی ضد کیسے پائیدار کرتی۔ فرار کے بعد مراد

منصور نے قدم روکے، پیچھے مڑ کر دیکھا، جس کسی بھی خیال کے تحت ہی سہی مگر اپنے کہے الفاظ کی نفی کی، احساس کیا اور یہ احساس......اسے اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے لئے خاموش کروا گیا۔

وہ ہوش سنبھالتی پھوپھو کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مراد نے ادینہ سے بات کی؟'' آہستگی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں میں مایوسی تیرنے لگی کہ مراد نے تو بہن کا نام تک نہ لیا تھا۔ بس آخری میں جب انہوں نے واپسی کا کہا تو سیدھے صاف الفاظ و کٹھور لہجے میں جواب دیا۔

''ادینہ کے ہوتے ہوئے کبھی واپس نہیں آؤں گا۔''

اور فوراً دوبارہ کال کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ مہ روش کو یہ بھی نہیں بتا سکیں کہ مہ روش کی بے ہوشی کا سننے کے باوجود اس نے مہ روش کی نہ خیریت دریافت کی نہ ادینہ کی طرح اس کا ذکر زبان پر لایا۔

''اللہ پاک کی ذات بہت مہربان ہے ماہی۔ میں اندر ہی اندر بہت ڈر گئی تھی۔ مراد کے مزاج، غصے اور نفرت نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا۔ اتنے سال تم نے خاموشی سے گزارے، صبر کیا۔ مراد کے ہر برے سلوک کو جھیلا، کبھی کسی شکایت کو زبان پر نہ لایا، تمہارا ہر دکھ، میرے دل کو بھی کمزور کرتا رہا۔ میں مراد اور ادینہ کی ماں ہوں لیکن ان دونوں نے مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کیا۔ مجھے ادینہ کے دکھ سے زیادہ تمہارے مستقبل کا غم تھا۔ اپنی پوتیوں کی بے رنگ زندگی پر ملال تھا۔ میں نے اپنے اللہ سے بہت دعائیں کیں کہ اب......اب مراد کا دل بدل جائے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو۔ مجھے کامل یقین تھا کہ سچے دل سے مانگی گئی دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں، میری چند دعائیں مستجاب ہو گئیں۔ ان شاءاللہ باقی بھی ہوں گی۔ ٹائم لگے گا مگر پوری ضرور ہوں گی۔ مجھے اللہ پاک کی مہربان ذات پر یقین ہے۔''

مہ روش کا ہاتھ تھامے وہ تحمل، وثوق و سرشاری سے بولیں۔ یہ اللہ پاک کی ذات پر یقین ہی تھا جو آج قلبی پریشانیاں طمانت کی بارش سے مٹنے لگی تھیں۔ اس نے ہلکے سے لب پھیلائے۔

''اب میری ایک ہی خواہش ہے اللہ پاک مراد کے دل کو موم کر دے۔ اس کے دل میں تمہارے لئے محبت بھر دے۔ پرانی رنجشوں، عداوت و نفرت کو اپنے لیے، اپنی بیٹیوں کے لئے بھول کر تم دونوں ایک نئی، خوبصورت اور محبت بھری زندگی کا آغاز کرو۔ میں ایک بس تم دونوں کو ایک ساتھ خوش اور پرسکون دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ صدق دل سے بول رہی تھیں۔

مہ روش نے ان کے لئے تو چہرے پر جواباً مسکراہٹ لائی مگر اندر ہی اندر دل میں جیسے کڑواں دھواں بھر گیا تھا۔

خوبصورت، محبت بھری زندگی......؟

وہ بھی مراد منصور کے ساتھ......؟

دماغ کو بھی دھچکا لگا۔ دل نے تو فوراً تلخی وسفا کی سمیٹ کر نفی کی۔ اپنے لیے مراد کی محبت چاہیے تھی نہ اب دل میں محبت کے لئے گنجائش باقی تھی۔ بیٹیوں کے لئے وہ نفرت کو تو جڑ سے اکھاڑ پھینک سکتی تھی مگر محبت......محبت سے اسے شدید نفرت تھی اور یہ نفرت مراد منصور نے ہی اسے محبت سے کروائی تھی۔

''میرے لئے اب محبت کوئی معنی نہیں رکھتی......نہ مجھے مراد کی محبت کی ضرورت ہے۔'' اندر ہی اندر خود سے گویا ہوئی۔ خود کو یقین دلایا اور سر جھٹک کر کلثوم بیگم کی باتیں سننے لگی۔

☆......☆......☆

وہ شام خوبصورت تھی۔

ایک پر وقار تقریب میں علی آیان حسن گیلانی نے افریشم گیلانی کو انگوٹھی پہنائی۔ سب کی موجودگی میں، دعاؤں کے حصار میں، با قاعدہ دونوں ایک رشتے میں بندھے۔ علی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ افریشم خوش تھی۔ محبت آسودگی کے خول میں محفوظ ہونے میں محو تھی۔ ہر فرد ان دونوں کے خوبصورت، خوشگوار مستقبل کے لئے پر امید اور دعا گو تھا۔ معطر فاطمہ اور شایان بخاری بھی اس تقریب کا حصہ بن کر ان کی خوشیوں و مسرتوں میں شامل تھے۔

لیکن ایک دو بار افریشم نا چاہتے ہوئے بھی چونکی۔

ایک دو بار اس نے علی کو غائب دماغی کی کیفیت میں پایا اور اس کیفیت کے دوران اس کی نگاہوں کو معطر فاطمہ پر مرکوز پایا۔ اس نے حیرت کے باوجود غور کرنا چاہا۔ علی کی آنکھوں میں عجیب تاثرات ملے۔ عجیب الجھن نظر آئی جو پاکستان آنے کے بعد اس نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔

اور جسے محسوس کرنے کے بعد اس نے معطر فاطمہ کو بھی غور سے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ تھی۔ وہ عافیہ پھوپھو سے باتیں کر رہی تھی مگر اس کی بھی آنکھیں......خاموشی کی زبان میں ایک الگ کہانی کا ذکر کر رہی تھیں۔ وہ کہانی، جو افریشم کو عجیب کشمکش میں ڈالے، اس کے اندر دلچسپی و تجسس کو ہوا دے گئی تھی۔ معطر فاطمہ نے کئی بار علی آیان کی آنکھوں میں تپش محسوس کرتے ہوئے اپنی نگاہوں کا رخ بدلا تھا۔ اپنی توجہ کسی دوسری طرف مبذول کروانے کی کوشش کی تھی۔ خود کو باتوں میں مصروف کرتے ہوئے ان کہی کہانی کے الجھے تانے بانوں سے فرار اختیار کرنے کی سعی کی تھی۔ علی آیان کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی۔

کیوں کی تھی......؟

وہ الجھن کا شکار ہوئی۔

عام دن، عام ملاقات ہوتی تو وہ شاید ان دونوں سے اپنی اپنی جگہ پوچھ لیتی مگر اس وقت، چپ لازم تھی۔ وقت غیر مناسب تھا۔

اصل وجہ جاننا، جاننے کی خواہش و تجسس کو اندر ہی اندر دبا دیا البتہ تقریب کے اختتام، ڈنر سے فراغت اور مہمانوں کی واپسی کے بعد، باقی کی تمام رات وہ ان دونوں کے متعلق ہی سوچتی رہی۔ علی کا معطر کو دیکھنا اور معطر کا سنجیدگی سے نظر انداز کرنے کا منظر اس کی آنکھوں کے پردوں سے اوجھل نہیں ہو سکا تھا۔ ذہن متحرک اور سوچیں منتشر ہو چکی تھیں۔ وہ بات جو پاکستان آنے کے بعد بھول چکی تھی۔

پھر سے حواس پر قابض ہونے لگی۔

جس کا ادراک، طمانت کے سمندر میں شدت سے پھینکے گئے پتھر سے پیدا ہونے والے ارتعاش سے بڑھ کر تھا۔ الجھے دھاگوں میں گمشدہ سرا گویا اسے الجھانے لگا۔

علی......معطر......؟

معطر......علی......؟

دونوں کے بیچ کچھ ہے، لازمی ہے۔ دونوں کی چپ اس بات کی گواہ ہے۔ کیا علی اسے کچھ بتانا یا جتانا چاہ رہا تھا؟ کیا معطر اپنی لاپرواہی کو فرار کے لئے استعمال کرنا چاہ رہی تھی۔ نظر انداز کو ڈھال بنا رہی تھی؟

اگلے کچھ دن اس نے چپ رہ کر دونوں کا جائزہ لینا چاہا مگر یہاں بری طرح ناکام ہوئی۔ وہ دونوں بالکل نارمل تھے۔ دونوں کے چہرے کے تاثرات کھچاؤ و تناؤ سے عاری تھے۔ اس دن والی کیفیت سے بالکل انجان......ان کی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ وہ متعجب زدہ سی رہ گئی۔ اب ان سے بات کرنے، کہنے اور پوچھنے کے لئے نہ الفاظ تھے نہ کوئی جواز......سو سر جھٹک کر گنجلک سکوں سے دامن چھڑانا چاہا مگر اسی دوران دماغ متحرک ہوا۔ شایان بخاری نے اسے اور علی کو ڈنر پر انوائٹ کیا۔ افریشم نے خوش دلی سے حامی بھری مگر شایان بخاری کے جانے کے بعد علی نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔

''کوئی خاص وجہ......؟''

''نہیں۔''

''پھر انکار کیوں؟''

''انکار کے لئے وجہ ضروری ہے؟''

''بالکل ضروری ہے۔''

''میں سمجھا نہیں؟''

''علی......انہوں نے اتنی عزت و محبت سے انوائٹ کیا ہے۔ شایان ہمارے بزنس پارٹنر ہیں۔ معطر میری دوست ہیں۔ اب منع کریں گے تو انہیں برا لگے گا۔ ہم جائیں گے علی۔''

''پلیز افریشم۔''

اس نے بے چارگی سے افریشم کو دیکھا۔ اگر آسانی سے ممکن ہوتا تو بتا بھی دیتا کہ معطر فاطمہ سے سامنا اس کے دل کو بے بس کرتا ہے۔ لاکھوں کوششوں کے باوجود اس کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ جانے بغیر کہ معطر اپنی دوست سے رابطے میں ہے یا نہیں۔ لیکن انگیجمنٹ والے دن اسے اپنی بے بسی کا ادراک ہوا تھا۔ وہی بے بسی اسے معطر کو دیکھنے پر مجبور کرتی رہی۔ وہی بے بسی معطر کو پیغام پہنچا کر پیغام لینے کی خواہش مند تھی کہ معطر اسے بتائے کہ اس کے بعد، اس کی محبت کا مذاق بنانے والی اب کہاں ہے؟

مگر معطر کی نظر اندازی اسے گھائل کر گئی تھی۔ معطر کی چپ اسی دشمن جان کی بے حسی کی داستان بیان کرنے لیے کافی تھی۔ وہ معطر فاطمہ کے سامنے اب بار بار نہیں جانا چاہتا تھا۔ افریشم سے رشتہ جڑنے کے بعد بالکل بھی نہیں۔ اگر ممکن ہوتا تو وہ ان سے پارٹنرشپ بھی ختم کر دیتا مگر فی الحال یہ فیصلہ کسی بھی قسم کے نقصان کی وجہ بن سکتا تھا سو اس خواہش کو نظر انداز کر کے ملاقات سے فرار ہی واحد حل نظر آئی تھی۔

''میں تو جاؤں گی علی۔'' افریشم نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے اس کے لہجے کو سرے سے نظر انداز کیا۔

''میرے بغیر چلی جاؤ۔''

''نہیں......اب تو زندگی تم سنگ بتانی ہے۔ تمہارے بغیر میں کچھ نہیں ہوں۔ تمہارا ساتھ میری حیات ہے۔ تمہیں میرے لئے میرے ساتھ ہونا ہے۔ ہر قدم پر، ہر فیصلے میں......'' وہ عجیب اٹل لہجے میں بولی۔

وہ چپ ہو گیا۔

افریشم گیلانی بھی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اب اس گفتگو کے بعد دماغ میں جو کھچڑی پک رہی تھی۔ وہ سوچوں کو نیا رخ دے گئی تھی۔ اس نے سوچوں کو مکمل آزادی۔ راہ ہموار کی۔ ہر رکاوٹ کو پس پشت ڈالا۔ اگلے چوبیس گھنٹے تک وہ کچھ نہ کچھ تو سمجھ گئی تھی۔ مگر یہ سمجھ اسے کسی اور کی زبان سے مکمل طور پر سمجھتی تھی۔ جس کے لئے انتظار معنی رکھتا تھا۔ اسے انتظار کرنے میں کسی وقعت کا سامنا نہیں تھا۔ دو دن بعد مقررہ وقت پر وہ علی آیان حسن گیلانی کے ساتھ معطر فاطمہ کے گھر میں بیٹھی تھی۔ ان دونوں کے لئے شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ انواع واقسام کے کھانے ٹیبل پر موجود تھے۔ سب سے بڑھ کر جو عزت، توجہ اور محبت ان دونوں کی مہمان نوازی میں شامل تھی وہ بہت خاص تھی۔ ڈنر کے دوران اور بعد میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ علی تمام وقت شایان کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کرتا رہا۔ افریشم کا تمام وقت معطر اور اس کی بیٹی ماہم کے ساتھ گزرا۔ اسے ماہم بھی بہت اچھی لگی۔ ماہم بالکل معطر کا پرتو تھی۔ تقریباً گھنٹے بعد علی نے اجازت لی۔ وہ بھی معطر سے اجازت لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے گھر آنے کی دعوت دی، اصرار کیا۔ پھر اس سے ملنے کے بعد علی کے ساتھ باہر آئی۔ طبیعت پر خوشگواریت غالب تھی البتہ علی سنجیدگی و مکمل توجہ سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''چپ کیوں ہو علی؟''

پانچ منٹ تک گاڑی کے ماحول میں مسلسل خاموشی طاری رہی تو افریشم نے گردن گھما کر اسے دیکھا، پوچھا۔آواز پر اس نے بھی گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''ایسے ہی۔'' پھر کہتے ہوئے سامنے دیکھنے لگا۔

''اچھا، ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو۔''

''لیکن پہلے وعدہ کرو......سچ بتاؤ گے؟''

''میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟'' اس نے الٹا سوالیہ اسے دیکھا۔

''تمہیں معطر کیسی لگتی ہیں؟'' جواباً افریشم نے سوال کیا اور یہ سوال اس نے غیر ارادی طور پر کیا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے قبل اس کا ذہن کچھ دن پہلے والی سوچوں سے بالکل خالی، پرسکون تھا۔ علی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ غیر متوقع سوال پر قدرے گڑبڑایا۔ لیکن اگلے ہی پل حیرت کو پہلو میں بٹھایا کہ وہ افریشم کو کسی قسم کے شک میں بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

''معطر اچھی ہیں۔''

''پھر تم ان سے بات کیوں نہیں کرتے؟''

''کیونکہ میرے پاس بزنس کے علاوہ ان سے بات کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے؟''

''یہ تم آج کیسے سوال پر سوال...... بلکہ بچگانہ سوال کر رہی ہو؟''

''تم صرف جواب دو علی......سوال مت کرو۔'' افریشم کی ٹون بدلی، لہجہ دوٹوک ہوا۔

اپنے انداز پر اندر ہی اندر حیران بھی ہوئی لیکن ساری توجہ علی پر مبذول کی۔ علی نے گاڑی کی رفتار کم کی۔ افریشم کا کریدتا انداز دماغ میں ہلچل مچا گیا تھا۔

''میں تمہاری طرح کسی لڑکی سے کپڑوں، جوتوں، فیشن، کھانے اور بچوں کی باتیں نہیں کر سکتا۔''

''کسی سے باتوں کے لئے صرف یہی موضوع ہوتے بھی نہیں ہیں۔'' افریشم کو اس کا انداز برا لگا۔

''تم کیا پوچھنا اور جاننا چاہ رہی ہو۔'' اس نے تمام ہتھیار ڈال دیئے۔

''تم معطر کو کب سے جانتے ہو؟''

اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔علی نے بریک لگائی، گاڑی ایک سائیڈ پر روکی۔افریشم اس کے اندر جھانک چکی تھی۔افریشم اسے جانتی تھی۔اب ٹال مٹول بیکار تھی۔ماضی کی تلخ یادوں کی یہ کڑی، مستقبل میں کھلنے پر پیچیدگی کا باعث بھی بن سکتی تھی۔افریشم اس کی گزشتہ تمام سچائی سے واقف، اس کے ساتھ کھڑی، اس کے سنگ زندگی کی نئی شروعات کرنے جا رہی تھی۔ایسے میں ایک اور سچ...... معمولی سچ...... سامنے لانا شاید بری بات نہ تھی۔

افریشم جواب سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھی۔

''معطر اور میں ایک ہی یونی میں تھے...... میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاؤں گا اور نہ تم مزید سوالات کا سلسلہ جاری رکھو گی۔'' وہ رسان سے بولا۔ساتھ ہی بات وہیں ختم کرتے ہوئے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کی۔

افریشم گیلانی نے محض خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اس کا شک سچ ثابت ہو گیا تھا۔

کڑی سے کڑی مل گئی تھی۔

علی، معطر اور...... مستبشرہ جمال......!

دونوں کی خاموشی کی وجہ مستبشرہ جمال تھی۔

نظراندازی کی وجہ مستبشرہ جمال کی ذات تھی۔

''مستبشرہ......''

کھڑکی سے باہر دوڑتے مناظر کو دیکھتے ہوئے وہ زیرلب اس کا نام دہرانے لگی۔

☆......☆......☆

ادینہ کی عدت مکمل ہو گئی تھی۔

صدمے کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔دکھ، درد، تکلیف، اذیت، احساس شرمندگی سمیت چپ بھی قدرے کم ہو گئی تھی۔پہلے ندامت اس کو سب کے سامنے لبوں پر قفل ڈالنے پر مجبور کرتی، مہ روش کو دیکھتی تو اپنے آپ پر شدید غصہ آتا۔بھتیجیوں کا باپ کی شفقت سے محروم، معصوم، مگر بے رنگ بچپن دل کو خون کے آنسو رلاتا۔ماں کی بے بسی اور کمزور دل کے ساتھ مضبوط چپ اس کے ضمیر کو جھنجوڑتی۔ان دونوں نے اس سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔تلخ الفاظ کا استعمال نہیں کیا تھا۔کوئی بددعا نہیں دی تھی۔لعنت وملامت نہیں کی تھی۔اس کے کیے گئے خودغرض فیصلے سے لے کر ماتھے پر طلاق کا دھبہ لگنے کے باوجود کسی نے اس پر کیچڑ نہیں اچھالا۔ماں کی چپ اگرچہ سخت کرارا تھپڑ تھی مگر وہ حقیقتاً اپنے لیے ان کا غصہ دیکھنا چاہتی تھی۔اس کا دل چاہتا تھا کہ امی اسے ماریں، برا بھلا کہیں۔ماہی کی مجرم قرار دیں۔اس کی بربادی پر

خوشی کا اظہار کریں۔مراد کی مجرم قرار دیں۔اس کی بربادی پر خوشی کا اظہار کریں۔مراد کی بے حسی، بدسلوکی، اولاد سے ناروا برتاؤ اور اب پچھلے ساڑھے تین ماہ سے دوسرے شہر میں اس کی موجودگی، واپس نہ آنے کا فیصلہ......سب کے لئے اسے موردالزام ٹھہرایا جائے۔

اس سب کی واحد وجہ تو وہ ہی تھی۔

ماہر پر جب جب نظر پڑتی......اپنی ذات سے متنفر ہوتی۔

خواہش انتہا کو پہنچی کہ ماہی اپنے اندر چھپے طویان کو زبان دے۔اپنی نفرت کا اظہار کرے۔اپنی اذیتوں کا حساب مانگے۔اپنے آنسوؤں کا حساب مانگے۔وہ جواب نہ بھی دے پائے مگر ماہی جواب مانگے۔

ادینہ کو شرمندہ کرے۔

اسے خودغرضانہ فیصلے پر صلواتیں سنائے۔

اس سے نفرت کرے۔

اس سے بدظن ہو۔

مگر نہیں......کلثوم بیگم ماں تھیں۔بیٹی نے جو کیا، اس سے سو گناہ زیادہ تر جھیلا۔انہوں نے چپ کی چادر اوڑھ کر تمام دور پنپاں کرنا چاہا۔مہ روش نے بھی اس سے ایک لفظ غلط نہ کیا۔اور اب تو کہنا ہی نہیں چاہتی تھی بلکہ اب تو اس کی زندگی سے غم مٹانے کی خواہش تھی۔اسے وقار سعید کے ساتھ خوشگوار و بےفکر زندگی گزارتا دیکھنا چاہتی تھی۔کافی دنوں سے موقع کی تلاش میں بھی تھی۔برابر موقع تو نہ ملا لیکن ایک دو بار جب مراد کی کال آئی، مراد نے صرف انہی سے بات کی۔بیٹیوں کا پوچھتا مگر کسی سے بات کرنے کا نہ کہتا۔ادینہ اور مہ روش کا نام تو گویا اس نے خود پر حرام کیا ہوا تھا۔کلثوم اس کی کال کے بعد کافی دیر افسردہ رہتیں، اور ان کی اسی اداس کیفیت میں مہ روش ان کا ذہن تیار کرنے کی سعی کرتی۔

"میرے لئے نہ سہی مگر مراد کی بیٹیوں کے لئے واپس آنا چاہئے۔"

"میرا تو دل چاہتا ہے وہ ایک دن ضائع نہ کرے۔واپس آجائے۔" آزردہ سے کہتی وہ رکیں۔

"آپ ان سے کہیں ناں۔"

"کتنی بار کہا ہے......لیکن وہ اپنی بات پر اڑا ہوا ہے کہ ادینہ کے ہوتے ہوئے کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

"مطلب کبھی میری بیٹیوں کو باپ کا پیار نہیں ملے گا۔یونہی بڑی ہوں گی۔باپ کی شفقت اور سائے کے بغیر......دل میں محرومیوں کا انبار لگائے۔" نا چاہتے ہوئے بھی لب و لہجے میں تلخی نمایاں ہو جاتی۔خود پر یاسیت حاوی کرتی۔

کلثوم بیگم شرمندگی سے نظر جھکا لیتیں۔

مہ روش نے دانستہ مزید تین چار بار ایسے کیا۔ گفتگو کو اس موڑ پر ادھورا چھوڑ دیتی جہاں پھوپھو لاجواب ہو جاتیں۔ جہاں نہ وہ مہ روش کو تسلی دے کر جھوٹی امید پال سکتی تھی نہ خوش فہمی کے حوالے کر سکتی تھیں۔ جہاں تلخ و سفاک حقیقت غیر محسوس طریقے سے ہی سہی مگر سوچ کے نئے در کھول دیتی۔ مہ روش ان کی الجھتی، بدلتی کیفیت پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھے۔

کچھ دن گزر گئے۔

''پھوپھو...... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

اریبہ شام کے وقت تنگ کر رہی تھی جب ادینہ اسے اور نایاب کو قریبی پارک میں لے گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ کلثوم بیگم کے کمرے میں آئی۔ وہ شانزے کو اس کی گود سے لے کر پیار کر رہی تھیں جب وہ الفاظ کے تانے بانے سلجھاتی آج اصل مدعے کی طرف آنے سے قبل تمہید باندھ کر انہیں دیکھنے لگی۔

''ضروری بات؟''

''جی پھوپھو...... آپ چاہتی ہیں نا کہ مراد گھر واپس آئے۔ میری اور میری بچیوں کی زندگی میں خوشیاں ہوں'' وہ پوچھنے لگی۔

انہوں نے سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن ایسا تب ہی ممکن ہو گا جب ادینہ یہاں نہیں ہو گی۔'' وہ بھی سنجیدہ تھی۔

کلثوم بیگم اس بار قدرے حیران ہوئیں، کچھ نہ بولیں۔

''آپ ادینہ کی شادی کر دیں۔'' ان کی چپ نے مہ روش کو تقویت دی۔ وہ ایک پل ضائع کئے بغیر آہستگی سے بولی۔

''ادینہ کی شادی۔'' مگر اس کا دھیما لہجہ کلثوم کو جز بز کر گیا۔

''جی...... یہی واحد حل ہے۔'' وہ ٹھوس آواز میں بولی۔

''مگر......''

''اگر مگر نہیں پھوپھو...... یہ ضروری ہے۔ اب یہ بہت ضروری ہے۔ پھوپھو میرا صبر ختم ہو گیا ہے۔ میری زندگی آپ کے سامنے ہے۔ تمام حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ حقیقت کھلنے کے باوجود مراد کا مجھ سے لاتعلق رہنا بھی آپ کے سامنے ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹیاں ساری زندگی ناکردہ گناہ کی سزا کاٹیں۔ ماضی میں جو ہوا، اور اب جو ہو رہا ہے اگر آگے بھی چلتا رہا تو میری بیٹیوں کے حصے میں کیا آئے گا...... صرف محرومیاں...... دکھ...... نفرت...... نہیں پھوپھو یہ میری بیٹیوں کے ساتھ ظلم ہو گا۔'' وہ صاف لفظوں میں بولی۔ جذباتی ہوئی۔

وہ کچھ نہ بولیں۔

''ادینہ کی شادی ضروری ہے تاکہ مراد اپنے کیے کی تلافی کے لئے واپس آ سکے۔ پھوپھو اگر میری بیٹیوں کو ان کا حق مل گیا تو میں

اپنا ہر دکھ بھول جاؤں گی۔ مراد کو کہے بغیر معاف کر دوں گی۔''

مہ روش کی باتوں نے انہیں اس سوال پر روکا۔ مہ روش کی کسی بات کی انہوں نے نفی نہیں کی مگر یہ بھی مسلم حقیقت تھی کہ ادینہ کی طلاق کے بعد تمام سچائی سامنے آتے ہی خاندان بھر میں جو چرچہ ہوا، چہ میگوئیاں جس انداز میں ان تک پہنچیں، اس کے بعد انہیں ایسی کوئی امید نہیں رہی تھی۔

''وقار بھائی۔'' ماہی نے ان کے سوال کا مختصر جواب پر اعتماد انداز میں دیا۔

''وقار۔'' ان کی حیرانگی لازم تھی۔

''وقار بھائی، ادینہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

وہ ششدر رہ گئیں۔ ماہی ان کی کیفیت سمجھ اور خدشات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔

''وقار بھائی، مراد جیسے نہیں ہیں۔'' ان کی چپ پر وہ مزید بولی۔ ان کا خدشہ دور کرنا چاہا جبکہ ان کا ذہن خالی ہو چکا تھا۔ بالکل سمجھ نہیں آیا کہ فوراً کیا کہیں۔

''وقار بھائی کی گارنٹی میں آپ کو دیتی ہوں...... ان کا دل صاف ہے۔ ادینہ سے شادی کا فیصلہ کسی قسم کے بدلے کے لیے نہیں بلکہ بہتری کے لئے کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے وقار بھائی کو اپنے اور آپ کے ساتھ کا یقین دلایا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی حل ہے بھی نہیں پھوپھو۔ ماضی سب تو ویسے بھی آپ کے سامنے ہے۔ ہاں یا ناں کرتے وقت میری بیٹیوں کے بارے میں ضرور سوچئے گا۔''

وہ آہستگی سے کہتی بال ان کے کورٹ میں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ جانتی تھی کہ کلثوم بیگم کے لئے، ان کی رضامندی کے لئے اتنی باتیں کافی ہیں۔ وہ اسی حالت میں بیٹھی گنجلک سوچوں میں الجھ چکی تھیں۔ مہ روش نے آگے بڑھ کر شانزے کو اٹھایا تو ایک نظر ان پر ڈالے کمرے سے نکل گئی۔

کلثوم بیگم دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر بھی سوچوں سے نہ نکل سکیں۔

بیٹے کی ضد، انا اور غصے سے واقف تھیں۔ مہ روش اور بیٹیوں کے ساتھ اس کے ناروا سلوک بھی بدترین، بھیانک یاد کے طور پر دل پر نقش تھا۔

مہ روش کا بے ثمر صبر بھی سامنے تھا۔ منتشر سوچوں کو منجمد کرنا ان کے لئے مشکل ہو چکا تھا۔

اگلے دن کچن میں ماہی پھر ان کے سامنے تھی۔

''پھوپھو! آپ کو وقار بھائی پر یقین کرنا ہوگا۔''

کلثوم بیگم کی چپ و سنجیدگی قابل غور تھی۔ وہ انہیں سوچوں سے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ لہجے میں التجا بھی تھی اور اصرار بھی۔

''پھوپھو۔ایک مثبت فیصلہ ہم سب کی پریشانیاں ختم کر دے گا۔سب کی زندگی سہل ہو جائے گی۔ادینہ بہت دکھ جھیل چکی ہے۔ ایک مثبت فیصلہ اس کے لئے بھی خوشیوں کی راہ ہموار کر دے گا۔''ان کا ذہن تیار کرنے لگی۔

''میں اکیلے یہ فیصلہ نہیں کر سکتی بیٹا۔ادینہ کی رضامندی بھی درکار ہوگی اور سب سے اہم اور حتمی فیصلہ تو مراد کا ہی ہوگا۔''انہوں نے اپنی سوچ واضح کی۔

''بالکل......لیکن فی الحال مجھے آپ کا فیصلہ جاننا ہے۔''

''میرا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔کوئی ایسا لمحہ نہیں جب اپنی اولاد کی وجہ سے اپنی نظروں میں شرمندہ نہ ہوئی ہوں۔تمہیں اور بچیوں کو دیکھتی ہوں تو ندامت پر ملال ہوتا ہے۔عمر کے اس حصے میں اب اگر کوئی خواہش ہے تو وہ تمہاری خوشی دیکھنا ہے۔تمہیں سکون سے مسکراتا دیکھنا ہے۔اپنی پوتیوں کے لئے مراد کو ہر حق ادا کرتا دیکھنا چاہتی ہوں۔مراد کی ہر غلطی اور تمہارے ہر دکھ کا مداوا کرتا دیکھنا چاہتی ہوں۔اس ایک خواہش کی تکمیل اگر اس فیصلے سے ممکن ہے تو میں انکار نہیں کروں گی۔مجھے تم پر اپنی اولاد سے زیادہ یقین ہے۔وقار بھی مجھے عزیز ہے۔وقار پر یقین ہے۔''آزردہ لہجے میں ندامت کو ڈھانپ کر انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔حقیقتاً بھتیجی کو وہ ہر آزمائش اور دکھ سے نجات دلانا چاہتی تھیں۔

مہ روش نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔

فیصلہ حسب منشا مل چکا تھا۔

''پھوپھو۔آپ کا یہ یقین ہم کبھی نہیں توڑیں گے۔''وثوق سے بولی۔

''میں مراد سے بات کروں گی۔''وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

''ادینہ بھی مان جائے گی۔''

''ان شاءاللہ۔''

پہلا مرحلہ آسانی سے طے ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

ولیمے کے بعد اگلے دن ان کی تیاری مکمل تھی۔

سید جمال شاہ اور احسان شاہ نے تمام ضروری سامان، کچھ ضروری فرنیچر وغیرہ پہلے ہی اسلام آباد پہنچا دیا تھا۔ولیمے کے دن جس جس کو ان کے جانے کا علم تھا، ان سے مل چکے تھے۔زہرہ شاہ بھی رات گئے بھائیوں سے ملنے کے بعد واپس آئی تھیں البتہ مستبشرہ جمال ناشتے کے بعد پہلے احسان کے ساتھ آخری بار سکول گئی۔وہاں ماریہ، ارم اور باقی اسٹاف سے ملی۔کچھ باتیں بچوں سے کیں۔اپنی پہلی

خواہش، اپنے سکول کو، اپنی محبت کے لئے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ دل اداس و پر ملال بھی تھا۔ ماریہ اور ارم کے علاوہ اسٹاف نے بھی اسے اپنی قابلیت ومحنت کو بروئے کار لانے کی ایک بار پھر یقین دہانی کروائی۔ وہ ان کی طرف سے مطمئن تھی۔ ان سب کے خلوص کے لئے شکر گزار تھی لیکن پھر بھی سکول سے نکلنے وقت آنکھوں کے گوشے نم ہوئے تھے جنہیں صاف کرتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

احسان شاہ نے گاڑی کا رخ ماموں جان کے گھر کی طرف کیا تھا۔

فلک شاہ نے کل گھر واپسی کے وقت اسے محبت بھری تاکید کی تھی کہ وہ اس سے مل کر جائے اور فلک شاہ کی ہر بات، ہر محبت بھرا حکم اس کے لئے خاص تھا اور اب جب وہ اس کے سامنے کھڑی تھی تو فلک نے سختی سے اسے بھینچا ہوا تھا۔ مستبشرہ نے مسکراتے ہوئے اسے پیچھے کیا۔

''میں تمہیں بہت یاد کروں گی۔''

''میں بھی تمہیں یاد کروں گی۔''

''کال کرنا مجھے۔''

''جب تم کہو گی، اسی وقت کروں گی۔'' مستبشرہ مسکرائی۔

اسے بغور دیکھا۔ مشارب بھی اس کے قریب کھڑا تھا۔ دونوں کے چہروں پر طمانت تھی۔ فلک کی آنکھوں میں البتہ چمک واضح تھی۔ ماتھے پر شادابی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ نے مستقل احاطہ کیا ہوا تھا۔ اس کے دل کو راحت وانبساط نے گھیرے میں لیا۔ فلک شاہ کو محبت نے مکمل کر دیا تھا۔ مشارب شاہ کے ساتھ نے اس کی محبت کو معتبر کر دیا تھا۔ اسے ان دونوں کی محبت سے محبت ہوئی۔ ان کی محبت کے لئے دل سے دعا کرتی ایک بار پھر ان دونوں اور باقی گھر والوں سے ملنے کے بعد اجازت لی۔ گھر تک کے سفر کے دوران احسان کوئی بات کرتا تو جواب دیتی اور گاڑی کے باہر دوڑتے ایک ایک منظر کو بغور دیکھتے آنکھوں میں نقش کرتی جا رہی تھی۔ اپنا شہر اسے بہت پیارا تھا۔ اس شہر میں اس کا یادگار بچپن گزرا۔ ہر خواہش پوری ہوئی۔ اسے ہمیشہ ایسا محسوس ہوتا جیسے یہ شہر اس کے اندر سانس لیتا رہا ہو۔ یہ شہر اس کی اصل تھا۔ اصل کبھی عام نہیں ہوتی لیکن اب جس شہر میں جا رہی تھی۔ وہاں اس شہر کو چھوڑ کر جانا ضروری تھا۔

وہاں اس کی محبت تھی۔

اماں اور بابا جان ان دونوں کی ہی راہ دیکھ رہے تھے۔ چند پرانے ملازمین بھی موجود تھے جنہیں بابا جان نے نکالنے کے بجائے حویلی کی صفائی ستھرائی و دیکھ بھال کی ذمے داری سونپی تھی۔ قابل اعتبار لوگ تھے۔ قاسم شاہ نے بھی ہر ہفتے حویلی کی طرف چکر لگانے اور دیکھ بھال کی ذمے داری لے کر انہیں بے فکر کر دیا تھا۔ وہ دونوں وہاں پہنچے۔ ملازمین سے ملے اور پھر اللہ کا نام لے کر سفر کا آغاز کیا۔

البتہ سفر کے آغاز نے مستبشرہ جمال کی دھڑکنوں کو بے تاب کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

کلثوم بیگم کشمکش کا شکار تھیں۔

مراد منصور اور ادینہ سے بات کرنے کے لئے انہیں مناسب موقع اور الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ مہ روش البتہ ان کی رضا مندی کے بعد فی الحال چپ تھی۔ وقار کو اس نے پھوپھو کی رضا مندی کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔ امی کو بھی بتا دیا تھا لیکن انہیں فی الفور رشتے کے لئے آنے سے منع بھی کیا۔ تین چار دن گزر گئے۔

اریبہ کی چوتھی سالگرہ تھی۔

اس بار بھی وقار نے پھر اپنے گھر میں سالگرہ منانے کی بات کی، تیاری شروع کرنی چاہی لیکن مہ روش نے اسے منع کر دیا کہ پہلے جس مقصد کے تحت وہ وقار کی خواہش کا احترام کرتی، اب وہ بے مقصد تھا۔ اب اسے اپنی اولاد کے لئے حقیقی و مستقل خوشیوں کا انتظام کرنا تھا۔ پہلے خوشیوں اور مسکراہٹوں کے لئے سالگرہ کی تقریب کو بہانہ بناتی تھی اب اسے کسی بہانے کو ڈھال نہیں بنانا تھا بلکہ بیٹیوں کی خوشی کے لئے اپنا آپ بھلا کر راہ ہموار کرنی تھی۔ وقار نے اس کے فیصلے کا احترام کیا۔ یوں اریبہ کی سالگرہ کا دن بھی گزر گیا۔

''پھوپھو۔ اگر آپ کہیں تو میں ادینہ سے بات کروں؟''

کلثوم بیگم کی الدھن بڑھنے لگی تو ماہی کچھ سوچتے ہوئے ان کے پاس گئی۔ ان سے پوچھا۔

''میں پہلے مراد سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے اپنی سوچ سے آگاہ کیا۔

''کب تک ان سے بات کریں گی؟''

''اس بار جب اس کی کال آئی تو کوشش کروں گی۔'' وہ بولیں۔

مہ روش اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی۔ اسی دن شام کو مراد نے انہیں کال کی۔ ابتداء میں دونوں نے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ انہوں نے مراد کو اریبہ کی چوتھی سالگرہ کا بتایا۔ اس نے سالگرہ منانے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ مہ روش نے وقار کے کہنے کے باوجود نہیں منائی۔ جواباً اس نے بات کو وہیں ختم کیا۔

''اب جب سکولوں میں نئے داخلے شروع ہوں گے تو اریبہ کو بھی داخل کروا دیں گے۔'' انہوں نے بھی بات بدل کر کہا۔

''ٹھیک ہے اب سکول کی عمر تو ہو گئی ہے اس کی۔''

''اچھا مراد...... مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے توقف بعد اصل مدعے کی طرف آنا چاہا۔

''جی کریں!''

''ادینہ سے متعلق۔'' ان کے لہجے میں قدرے جھجک تھی۔ اجازت طلب انداز میں گویا ہوئی۔

''نہیں امی۔'' مراد نے بہن کا نام سنتے ہی لب ولہجہ بدلا۔ آپ ہی آپ وہ ادینہ سے ہر تعلق ختم کر چکا تھا۔ اس کا نام تک نہیں سننا

چاہتا تھا۔

''ضروری ہے بیٹا۔''

''نہ میرا اب اس سے کوئی تعلق ہے نہ کوئی سروکار...... جو دکھ ادینہ نے مجھے دیا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا نہ اس کی وجہ سے خود سے کوئی رعایت برت سکتا ہوں۔ اس کی وجہ سے میں اذیت میں ہوں۔ خود سے نظریں نہیں ملا پا رہا۔ میں اس کا نام تک نہیں سننا چاہتا۔ خدارا میرے ساتھ اس کا ذکر نہ کیا کریں۔'' وہ شدید متنفر تھا۔

کٹھور لہجے میں بولا۔

''میں چاہتی ہوں ادینہ کی شادی کر دیں۔'' جبکہ انہوں نے اس کی تمام باتوں کو دانستہ نظر انداز کر کے اصل مدعا اس کے گوش گزار نا چاہا۔

''آپ جو چاہتی ہیں کریں...... مجھے پرواہ نہیں۔'' وہ مکمل لاتعلقی سے بولا۔

''ادینہ اور وقار کی شادی۔'' وہ بھی اس کی لاتعلقی کو نظر انداز کر کے مختصراً بولیں۔

''کیا......؟'' اس بار وقار کے نام پر وہ چونکا۔

''ہاں وقار، ادینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' انہوں نے آہستگی سے بتایا۔

مگر اسی وقت کمرے میں داخل ہوتی ادینہ اتفاقاً ان کا جملہ واضح طور پر سن چکی تھی۔ جسے سنتے ہی اس کے قدم دروازے کے پاس ہی جم گئے تھے اور آنکھیں حیرت سمیٹ کر چہرے کے تاثرات میں ردوبدل کرنے لگی تھیں۔

''مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے مراد......لیکن تمہاری رضامندی ضروری ہے۔ تمہارے فیصلے کے بعد ہی میں ادینہ سے بات کروں گی۔'' وہ بیٹی کی آمد سے بے خبر مزید بول رہی تھیں۔

''امی! آپ کا جو دل چاہتا ہے کریں۔ میں نے آپ کو کئی بار بتایا ہے۔ میرا ادینہ سے اب کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ اس کا ہونا نہ ہونا میرے لئے برابر ہے۔ وہ خوش رہے یا ساری عمر برباد...... مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اپنا کیا وہ بھگت چکی ہے جبکہ اس کا کیا ہم ساری عمر بھگتیں گے۔ ہماری عزت خاک میں ملانے کے بعد، اس کی معتبری ہمارا فرض نہیں رہی۔ پھر بھی آپ ماں ہیں۔ ماں بن کر اس کے لئے سوچ سکتی ہیں لیکن میں بھائی بن کر اب اس کے لئے نہیں سوچوں گا۔'' دوسری جانب مراد کی آواز میں سفاکیت وقطعیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

بہن کے لئے دل میں اب صرف نفرت تھی۔

اور اس نفرت کو دماغ نے آسمان کی وسعتوں میں دور دور تک پھیلا دیا تھا۔

''لیکن بیٹا......خوش کے رشتے یوں ختم نہیں کئے جاتے۔ تم بہن سے بات مت کرو، اس کی شکل مت دیکھو مگر ایک بار بھائی بن

کر اس کے لئے فیصلہ کرو۔'' کلثوم بیگم بے بس تھیں۔

''میں اس خونی رشتے کے لئے اپنی عزت نفس کو مجروح نہیں کر سکتا جو خود رشتوں کو بے اعتبار کرنے کے بعد بھی ہر رشتے کو دھوکے میں رکھتی آئی ہے۔امی! آپ کیوں نہیں سمجھتیں، کتنا بڑا دھوکہ دیا ہے اس نے ہمیں اور کتنے بھرم سے دیا ہے۔اپنا دامن بچا کر کتنے ہی رشتوں کو پامال کیا ہے اور میں اس کی وجہ سے......نہیں امی میرا بس نہیں چل رہا کہ میں اس خوشی رشتے کا خون کر دوں۔'' ایک ایک لفظ زہر آلود تھا۔آواز میں اشتعال تھا۔

مراد منصور کا ازلی غصہ انتہا کو چھو رہا تھا۔

بہن نے اس کا غرور توڑا تھا۔اس کی انا کو پاش پاش کیا تھا اور اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اس حقیقت کو بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاتا۔یہ تلخ حقیقت اذیت ناک تھی۔

''میں دوبارہ اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ سے رابطے میں رہوں تو پلیز میرے سامنے آئندہ ادینہ کا نام بھی مت لیجئے گا۔'' وہ دوٹوک مگر کٹھور لہجے میں بولا۔ساتھ ہی کال ختم کر دی تھی۔

کلثوم بیگم نے ایک طویل سانس خارج کی۔موبائل کو گود میں رکھا۔

بے بسی آنکھوں میں نمی لے آئی تھی۔

دروازے سے ایستادہ ادینہ کا دماغ گویا شل ہونے لگا تھا۔اس نے مراد کی باتیں تو نہیں سنی تھیں مگر ماں کی حالت و کیفیت اسے تمام کہانی سنا گئے تھے مگر شرمندگی اپنی جگہ وہ بحث کی اصل وجہ بننے والے مدعے کی بازگشت اب بھی سن رہی تھی۔چپ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ہمت کر کے آگے بڑھی۔

''مجھے شادی نہیں کرنی امی۔''

بیٹی کی آواز پر حواس بحال کرتی کلثوم بیگم چونکیں۔نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔وہ سنجیدگی سے ان کے قریب آئی۔

''میں وقار سے شادی نہیں کروں گی۔مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔''

''تم دونوں بہن بھائی اذیت و آزمائشوں کے پہاڑ کھڑے کرو ہمارے لئے۔'' وہ بیٹے کی باتوں کے زیر اثر تھیں۔بیٹی کا دوٹوک لہجہ ان کے اندر تلخی گھول گیا۔

ادینہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''امی۔''

''کسی کا خیال نہیں تم دونوں۔بے حس ہو تم دونوں۔کوئی تمہارے سامنے کرب میں تڑپے یا گھٹ گھٹ کر مر جائے۔تم دونوں کو

پرواہ نہیں۔ایک اپنی انا کا قدم اونچا کرنے میں لگا اور دوسری......'' بے بسی انہیں تھکا گئی تھی۔تھکاوٹ اعصاب پر حاوی ہو گئی تھی۔اعصاب بوجھ پڑتے ہی اندر جمع غبار کو مشتعل کر گئے۔غبار تلخی میں رنگا، طنزیہ چادر اوڑھے باہر نکلا۔

''رک کیوں گئیں امی......؟'' ادینہ کے دل پر ان کی ادھوری بات تیر کی مانند پیوست ہوئی۔انہیں ڈھٹائی سے دیکھتے ہوئے بولنے پر اکسایا۔اپنے لئے تو کب سے ان کے دل میں جمع نفرت کو باہر نکلنا دیکھنا چاہ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ میرا وجود آپ سب کے لئے قابل نفرت ہے۔ایک ماں بن کر اپنی نفرت اور غصے کو چھپائیں۔میں اب اپنے لیے خوش فہم نہیں ہوئی۔کچھ بھی برا یا غلط سن سکتی ہوں۔''

''کاش میرے لئے ممکن ہوتا کہ میں با آسانی تم پر انگلی اٹھا سکتی۔'' ان کی آواز میں افسوس و یاسیت کی رمق تھی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ پر انگلی اٹھائیں۔'' وہ ان کے قریب بیٹھی۔

''ماں ہوں تمہاری۔'' دکھ ان کی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔

''مائیں تو غلط کاموں پر اپنی اولاد کو ڈانٹتی ہیں۔اپنی اولاد کی بہتری کے لئے......میری زندگی میں بہتری کی گنجائش تو نہیں لیکن امی میں آپ کی ڈانٹ سننا چاہتی ہوں۔'' شرمندہ تو وہ بھی تھی، نظر چراتے ہوئے بولی۔

''مراد کے ہر برے فعل اور غلط سوچ کی وجہ تم ہو۔'' ان کا لہجہ آبدیدہ تھا۔آواز میں رعب کی جگہ آہ تھی۔فریاد تھی، رنج تھا۔

''میں نادم ہوں۔''

''مہ روش اور اس کی بچیوں کے حق میں ناانصافی کی اصل ذمے دار تم ہو۔'' مدھم لب و لہجے میں الم کا پلڑا بھاری تھا۔

ادینہ نے نم آنکھوں کے ساتھ سر ہلایا۔یہ الزام نہیں حقیقت تھی۔

''تمہاری وجہ سے وقار کے حصے میں صرف نفرت آئی۔'' وہ اسے ایسے بتا رہی تھیں جیسے کوئی بھولی بسری یاد تازہ کر رہی ہوں۔

''مجھے عمر بھر افسوس رہے گا۔'' وہ بولی۔

''مراد تم سے نفرت کرتا ہے۔''

''جانتی ہوں۔'' آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گال پر پھسلے۔

''تمہارے ہوتے ہوئے وہ یہاں کبھی واپس نہیں آئے گا۔'' وہ اسے مطلع کر رہی تھیں۔

اب کہ وہ چپ رہی۔

یہ سچ اسے پاتال میں اتارنے کے لئے کافی تھا۔

''وہ نہ آیا تو مہ روش کا دل پتھر ہو جائے گا۔تم نے ایک خود غرض فیصلے کی وجہ سے دس سال خوشیوں اور سکون کے بغیر زندگی گزاری

جبکہ وہ دس سال اس اذیت کے سامنے کچھ بھی نہیں جو مہ روش نے سات سالوں میں برداشت کی۔ وہ سات سال، سات صدیوں پر محیط تھے۔ ایک ایک دن الم وحزن سے بھرا تھا۔ اس کا دل ہر ظلم برداشت کرتا رہا مگر کبھی بپھرا نہیں۔ جن رشتوں کی پرواہ کیئے بغیر تم نے صرف محبت کے لئے بغاوت کی، چال بنی، انہی رشتوں کو جوڑے رکھنے لئے مہ روش ٹوٹتی رہی، تڑپتی رہی، ضبط کرتی رہی...... اب وہ مزید ظلم نہیں سہہ سکتی۔ تم اور مراد کچھ تو رحم کرو اس پر۔"

کلثوم بیگم کی سکت بھی گویا تمام ہوئی۔ یاسیت سے کہتی اخیر میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگیں۔

"امی۔" ادینہ نے فوراً ان کے ہاتھ نیچے کیئے۔

اس وقت شرمندگی وندامت سمیت ملال کے الفاظ بے وقعت لگے تھے۔ گزری باتوں اور اپنی کوتاہی پر جتنا بھی پچھتا لیتی اب بے سود تھا۔ آزردہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

"اب کسی قسم کی ضدمت کرنا ادینہ۔ خودغرض مت بننا۔ اپنے کیئے پر اگر تھوڑا سا بھی افسوس ہے تو دل و دماغ دونوں سے فیصلہ کرنا۔" وہ اپنی تمام کیفیات کو سمیٹ کر سنجیدگی سے بولیں۔

جواباً اس نے چپ رہنے پر اکتفا کیا البتہ سوچوں میں ہلچل مچ چکی تھی۔

☆......☆......☆

"میرے بارے میں تو آپ سب جانتی ہیں لیکن آپ نے کبھی اپنے بارے میں مجھے تفصیل سے نہیں بتایا۔"

افریشم گیلانی گنجلک سوچوں کو سلجھانے کچھ دنوں بعد معطر فاطمہ کے سامنے تھی۔ کچھ تجسس بھی اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اب وہ "مستبشرہ جمال" کے متعلق جاننا چاہتی تھی۔ اس سے ملنا چاہتی تھی۔ دیکھنا چاہتی تھی کہ علی آیان کی زندگی کو تقریباً برباد کرنے کے بعد وہ خود کس کیفیت میں ہے۔ کیسی زندگی گزار رہی ہے اور یہ سب جاننے اور دیکھنے کے لئے معطر فاطمہ کے ذریعے ہی اس تک پہنچا جا سکتا تھا۔

"کچھ خاص ہے ہی نہیں بتانے کو۔ شایان اور ماہم سے آپ مل چکی ہیں۔ بس یہی میری چھوٹی سی فیملی ہے۔ کبھی موقع ملا تو آپ کو امی کے گھر لے کر جاؤں گا۔ امی کا گھر اسی شہر میں ہے۔" وہ بولی۔

"نہیں۔ میں آپ کی دوستوں کی بات کر رہی ہوں۔" افریشم مسکرائی۔

"اوہ اچھا۔"

"آپ نے کبھی اپنی فرینڈز کی بات نہیں کی۔" سوالیہ اسے دیکھا۔

"فرینڈز......" معطر نے بغور اسے دیکھا۔

"کچھ بتائیں اپنی فرینڈز کے بارے میں۔ آپ اتنی اچھی ہیں یقیناً آپ کی فرینڈز بھی بہت اچھی ہوں گی۔ میرا دل چاہتا ہے

میں ان سے ملوں بلکہ آپ کی فرینڈز کو اپنی فرینڈز بناؤں۔" ایک دم مستبشرہ جمال کا ذکر اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا اسی لئے تمہیدی انداز میں خواہش کا اظہار کیا۔

معطر فاطمہ اس کی بات پر مسکرائی البتہ دل میں بیقراری کی لہر دوڑی۔

"کاش میں آپ کو ان سے ملوا سکتی۔" آس بھرا لہجہ اپنے لیے بھی تھا اور افریشم کے لیے بھی۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔

"میرا کسی دوست بھی رابطہ نہیں ہے سوائے اپنی بچپن کی ایک دوست کے۔ وہ دوست بھی اپنی زندگی اور بچوں میں مصروف ہے۔ مہینوں میں ایک آدھ بار ہی اس سے ملاقات ہوتی ہے۔ بس کبھی کبھار فون پر رابطہ کر لیتے ہیں۔" افسردگی سے بتاتے ہوئے اس اپنی بچپن کی دوست ژالے کا ذکر کیا جس کی شادی معطر کی یونی شروع ہونے سے پہلے ہو گئی تھی۔ ژالے کے بعد ماہی، عدن اور مستبشرہ اس کی زندگی میں آئی تھیں۔ وہ تینوں خاص تھیں۔ ان تینوں نے اس کی زندگی کو خاص بنا دیا تھا۔

"ان کے علاوہ باقی فرینڈز کے بارے میں بھی بتائیں نا۔" افریشم پرشوق لہجے، مکمل دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"ژالے کے علاوہ میری تین دوستیں تھیں۔ ہم یونی میں ملے تھے، چار سال...... ہم نے ساتھ گزارے تھے۔ وہ ساری میری زندگی کے خوبصورت ترین سال تھے۔" معطر کے ذہن میں دوستوں کے سنگ گزرے سال، خوبصورت یادوں کا پیرہن اوڑھے کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔

آنکھیں روشن ہو گئیں۔

سہانی یادیں، چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھیں۔

افریشم پراشتیاق نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر ممکن ہوتا تو میں ان سالوں کو کبھی ماضی کا حصہ نہ بننے دیتی۔ انہی میں جیتی، اپنی دوستوں کے ساتھ رہتی...... زندگی اب بھی خوبصورت ہے مگر یہ خوبصورتی دوستوں کے ساتھ زندگی کو حسین ترین بنا دیتی ہے۔" ایک ایک لفظ محبت کے رنگوں میں رنگا تھا۔

"تو آپ نے ان سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

"پتہ نہیں کیوں۔ شاید قسمت میں ہمارا ساتھ محض چار سالوں کے لیے تھا۔ ہم چاروں کے راستے اور منزلیں جدا تھیں۔ یونی کے بعد زندگی جس طرف راہ ہموار کرتی گئی ہم اسی راہ پر قدم ڈالتے گئے۔ اگر ہم ایک ہی شہر میں ہوتے تو یقیناً رابطہ ممکن ہوتا لیکن چاروں کے شہر الگ تھے۔" وہ مکمل طور پر پرانی یادوں میں کھو گئی تھی۔

افریشم کو سب بتانا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

''عدن اسلام آباد میں ہی رہتی تھی لیکن یونی کے فوراً بعد اس کی شادی ہوئی اور وہ کراچی شفٹ ہوگئی۔ مہ روش لاہور سے یہاں پڑھنے آئی تھی۔ یونی کے بعد وہ جب لاہور گئی تو دو ماہ بعد اس کی بھی شادی ہوگئی بلکہ میری، عدن اور ماہی کی شادی آگے پیچھے مطلب کچھ ہی دنوں کے فرق سے ہوئی اور یہ محض اتفاق تھا۔ ہم ایک دوسرے کی شادی میں شرکت ہی نہ کر سکے اور شادی کے شاید سب اپنی اپنی زندگی میں اس قدر مصروف ہو گئے تھے کہ پھر کبھی رابطہ نہیں کر سکے۔ میرے پاس ان کے نمبرز تھے مگر اب یاد نہیں کہ کہاں رکھے ہیں۔'' وہ بتانے لگی۔ ماہی کی شادی کے متعلق عدن نے اسے فون پر بتایا تھا۔

''اوہ۔'' افریشم اسے دلچسپی سے سن رہی تھی البتہ اگلے کچھ لمحوں تک جب معطر کچھ نہ بولی تو اسے سنجیدہ و سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اور آپ کی تیسری دوست......وہ کہاں ہیں؟''

اب کہ معطر سنبھلی۔ افریشم کے سوال پر چونکی۔

افریشم اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ معطر کا ماتھا ٹھنکا، اندر کہیں گھنٹی بجی جس نے اسے گویا خبردار کرنا چاہا۔ وہ ہوشیار ہوئی۔ بغور افریشم کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں۔ وہ سنجیدہ تھی۔ معطر نے لب بھینچے۔ دماغ نے اسے سلسلہ گفتگو وہیں تمام کرنے کی صلاح دی۔ دل نے دماغ کی تائید کی۔ اسے اس وقت ''مستبشرہ جمال'' کا تذکرہ افریشم کے سامنے غیر مناسب لگا اور اب جب افریشم اور علی ایک رشتے میں بندھ چکے تھے تو وہ بالکل بھی افریشم کو کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اسے ادراک ہو گیا تھا کہ آج افریشم کیوں اس سے اس کی دوستوں کے متعلق اتنی دلچسپی سے بات کر رہی ہے۔ یقیناً اسے کچھ نہ کچھ علم ضرور ہے۔

''بتائیں نا معطر۔''

معطر کی چپ افریشم کو اس وقت حیرت میں ڈالنے کے بجائے بولنے پر اکسانے لگی۔

''اس سے کبھی رابطہ نہیں ہوا۔'' مجبوراً وہ سرسری بولی۔

''کیوں؟''

''وہ اس شہر میں نہیں رہتی۔'' معطر نے مستبشرہ کا نام لینے سے بھی گریز کیا۔

''ٹیلیفونک رابطہ بھی نہیں ہوا؟'' افریشم کی جانب سے ایک اور سوال پوچھا گیا۔

''نہیں۔ انہوں نے نمبر چینج کر لیا تھا اور اس کا نیا نمبر ہمارے پاس نہیں تھا۔''

''اوہ۔ آپ کی کبھی بھی ان سے بات نہیں ہوئی۔'' وہ یکدم افسردہ ہو گئی۔

معطر فاطمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ان کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔'' مگر اس کی دلچسپی ہنوز قائم تھی۔

''میرے پاس اس کے متعلق آپ کو بتانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔'' اس کی دلچسپی معطر کے شک کو یقین میں بدل چکی تھی۔ رسان سے بولی۔

افریشم نے لب بھینچے۔ حقیقتاً اسے حیرت ہوئی، تاسف بھی ہوا۔

معطر فاطمہ کے ٹھوس لہجے میں صداقت تھی۔ مزید گھما پھرا کر کریدنا عبث تھا۔

''مطلب آپ کی دوست کے نزدیک محبت تو محض مذاق تھی ہی، دوستی بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔'' غیر ارادی طور پر طنزیہ لہجے میں بولی۔ لب و لہجے میں جیسے تلخی خود بخود گھل گئی تھی۔

''جی۔'' اب کہ معطر کو اپنی سماعتوں پر شک گزرا۔

بھوئیں سکیڑ کر تصدیق طلب نظروں سے افریشم گیلانی کو دیکھا۔

''مستبشرہ...... مستبشرہ آپ کی دوست تھی۔'' افریشم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی آنکھیں یک دم جیسے خالی ہو گئی تھیں۔ اور زبان گنگ

مستبشرہ کا نام اس کا اعتماد متزلزل کر گیا تھا۔

حیرت بھی بجا تھی۔ خفت مٹانے کے لئے نظر چرائی۔

''میں بھی حیران ہوں معطر۔'' افریشم اس کی حیرانگی بھانپ گئی تھی۔

''آج ہماری گفتگو کا اصل مقصد مستبشرہ کی ذات تک رسائی تھا۔''

''جی...... کیونکہ میں مستبشرہ سے ملنا چاہتی تھی۔''

''یونی کے بعد میرا اس سے کبھی رابطہ نہیں ہوا۔'' معطر نے اپنی بات دہرا کر اسے گویا یقین دلانے کی سعی کی۔

''مستبشرہ ایسی ہی تھی؟'' افریشم نے البتہ پوچھا۔

''کیسی؟''

''بے حس۔'' افریشم اس وقت صحیح معنوں میں مستبشرہ جمال کی ذات سے بدظن ہوئی تھی۔

''نہیں...... وہ بے حس کبھی بھی نہیں تھی۔'' معطر نے پرزور انداز میں نفی کی۔

''بے حس، خودغرض، مطلبی، کٹھور دل۔'' جسے افریشم نے سنا ان سنا کرتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

''آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں افریشم۔ پلیز یوں مت کہیں۔ وہ ایسی بالکل بھی نہیں ہے۔'' معطر کو اب برا لگا۔

''آپ کو دوستی کا رشتہ خوش فہم رکھ سکتا ہے مگر میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ یونی کے بعد آپ کی دوست نے کبھی آپ سے

رابطہ نہیں کیا۔ دوست ایسے تو نہیں ہوتے۔ جس لڑکی کے نزدیک وقت گزاری کے ساماں کے لیے محبت جیسا پاک جذبہ، پرخلوص احساس بے معنی ہو، جو محبت کو مذاق سمجھ کر کسی انسان کے جذبات سے کھیلے، اسے اندر تک توڑ کر رکھ دے، اس کے بعد بھی بے فکر، بے پرواہ رہے وہ لڑکی بے حس، کٹھور دل نہیں تو اور کیا ہوگی۔ پتہ نہیں ایسے لوگ کسی کی زندگی برباد کر کے زندہ کیسے رہتے ہیں۔'' وہ ایک دم روڈ ہو گئی تھی۔

ذہن میں وہ سات سال گردش کر رہے تھے جن میں اس نے علی کو ایک ایک لمحہ کرب میں گزارتے دیکھا۔ کرب کو اندر ہی اندر سمیٹتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کو جینے کے لئے ناامیدی دیکھی۔ خوابوں کو اجڑتے دیکھا۔ چہرے پر ویرانی کے ہزاروں آثار دیکھے، جنہیں چھپانے کی تگ و دو ہمیشہ اس کے لئے اذیت ناک ہوتی۔ اس اذیت و بے بسی کی وجہ صرف اور صرف مستبشرہ جمال کی ذات تھی۔

محبت تو محض وجہ بنی تھی۔

اصل قصوروار تو مستبشرہ کی بے حسی اور بے حس دل تھا۔

جس سے وہ اس وقت شدید متنفر تھی۔ لب و لہجے میں سفاکیت و تلخی در آئی تھی۔ کر وفر سے کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس دوران وہ بالکل احساس نہ کر سکی کہ خوشگواریت سے شروع کی گئی گفتگو اس کس موڑ کر آ کر رکی ہے مگر اس کے جانے کے بعد اس بات کا احساس معطر فاطمہ کو الم کی مورت بنا گیا تھا۔ وہ ہرٹ ہوئی تھی۔

''ایسے لوگ کسی کی زندگی برباد کر کے زندہ کیسے رہتے ہیں۔''

ان الفاظ کی بازگشت سماعتوں کے ساتھ تسلسل سے ٹکرائی اس کی آنکھیں نم کرنے میں محو تھی۔

❁ ❁

ناول اس دل میں بسے ہو تم ابھی جاری ہے۔ 20 نومبر کو آخری قسط پیش کی جائے گی۔

''تو پھر تمہارا فیصلہ کیا ہے؟''

کلثوم بیگم کے بتانے کے بعد اس نے دو دن تک انتظار کیا تا کہ ادینہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سوچ اور سمجھ کر حتمی فیصلہ کر سکے اور اب دو دن بعد اس کے سامنے جواب طلب نظروں سے ساتھ کھڑی تھی۔

''میں وقار سے شادی نہیں کر سکتی ماہی۔'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

''کہیں تم اس سوچ کی وجہ سے تو انکار نہیں کر رہی کہ وقار بھائی مراد کی طرح......'' ماہی نے قیاس لگانا چاہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے۔'' ادینہ نے اس کی بات کاٹی۔

''مجھے معقول وجہ جاننی ہے۔'' ماہی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔''

''شادی تو تمہیں کرنی ہوگی ادینہ۔'' ماہی نے اس کی بات پر اپنے الفاظ پر زور دیا۔

''ایک تلخ تجربہ مجھے اندر سے مردہ کر چکا ہے ماہی...... میرے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے ایک خود غرض فیصلے بلکہ سنگین غلطی نے مجھے منہ کے بل پٹخا ہے۔ میں تم سب کی، وقار کی گنہگار ہوں۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ تم سب کا سامنا پر اعتمادی سے کروں۔'' وہ ہنوز ندامت میں گھری تھی۔

''اگر میں کہوں کہ وقار بھائی سے شادی تمہیں تمہاری غلطی سدھارنے کا موقع دے سکتی ہے تو......؟'' ماہی کو اس کی رضامندی مقصود تھی۔ استفسار کیا۔

''میں نے وقار کو دس سال پہلے انکار کیا تھا۔'' اس کا دل، اسے دو دن سے ملامت کرتا آ رہا تھا۔ شرمندگی حد سے سوا تھی۔ اسے ان کی نیت پر شک نہیں تھا بلکہ اپنی قسمت کا لکھا اسے واپس اسی موڑ پر لے آیا تھا جہاں سے اس نے قسمت کے لکھے سے بغاوت کی تھی۔

''وقار بھائی نے اس بات کو انا کا مسئلہ کبھی نہیں بنایا۔''

''اس انکار نے مراد کے دل کو پتھر بنا کر، مجھے تمہارا مجرم بنا دیا ہے۔''

''لیکن وہ انکار تمہارا جرم نہیں تھا کہ اب تمام عمر خود ساختہ سزا کاٹو۔''

''مجھے جتنی بھی سزا ملے، تلافی تو ناممکن ہے۔''

''ممکن ہے۔ وقت کو پیچھے لے جا کر سب کچھ کرنا ناممکن ہے البتہ وقت و حالات دیکھتے ہوئے مثبت فیصلہ مداوے کی ہموار کر سکتا ہے۔''

''بعض دفعہ ہموار راہیں بھی مسافر کو تھکا دیتی ہیں۔''

''مسافر، سفر کے آغاز سے قبل ناامید ہوں تو منزل ہمیشہ اوجھل ہی رہتی ہے۔ پہلا قدم اٹھائے بغیر سفر کی دشواریوں کی فکر کمزور لوگ کرتے ہیں۔''

''ماہی۔ میں کمزور ہی ہوں۔'' ادینہ بے بسی سے بولی۔

''یہ محض تمہاری سوچ ہے ادینہ۔'' ماہی نے تحمل سے کام لیا۔ پھر توقف بھر کو رکی۔

''پہلے تم نے اپنے لیے فیصلہ کیا تھا اب خود سے جڑے رشتوں کے لئے کرو۔ اگر میں اس شخص کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر سکتی ہوں جس کے دل میں محبت ہے نہ میرے لئے عزت تو تم اس شخص سے شادی کیوں نہیں کر سکتی جو تمہاری عزت بھی کرتا ہے اور تم سے محبت بھی۔''

اب کہ ادینہ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

''میں چاہتی تو اپنی بیٹیوں کو لے کر یہاں سے چلی جاتی۔ یہاں سے جانا شاید میرے لئے آسان بھی تھا اور فائدے مند بھی...... لیکن بعض رشتوں سے فرار ناممکن ہوتا ہے ادینہ۔ میں اگر اپنے ساتھ ہوئی ناانصافی اور تمام زیادتیوں کو ذہن پر سوار رکھتی تو سالوں پہلے میرا اور مراد کا رشتہ ٹوٹ چکا ہوتا۔ اب بھی چاہوں تو ہاتھ میں تھاما اپنے کھوکھلے رشتے کا سرا چھوڑ سکتی ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔ ایک تلخ تجربہ جس طرح تمہیں اندر سے مردہ کر چکا ہے اسی طرح نفرت وانتقام کا کھیل دیمک کی طرح مجھے اندر سے کھوکھلا کر چکا ہے۔ میرا کھوکھلا وجود واپسی کا سفر طے کرتا تو شاید اس اذیت سے بھی چھٹکارا مل جاتا جو یہاں اس گھر میں رہتے ہوئے ایک ایک لمحہ مراد نے میرے اندر انڈیلی ہے۔ تم میرے اندر جھانکو تو کچھ نہیں ملے گا۔ میرا دل بالکل خالی ہے۔ دھڑکتا تو ہے لیکن اس لئے نہیں کہ کھوکھلے وجود کی سلامتی مقصود ہے۔ اپنے لیے میں نے دل کو کبھی خوش فہم نہیں کیا لیکن اب اپنی اولاد کے لئے دل کو خوش فہم کیا ہے۔''

اس کا لہجہ دھیما تھا مگر آواز میں کرب پنہا تھا۔ انداز گلوگیر تھا۔

یہ سب بولنا اندر پھیلے الم وسوز کو سمیٹنے کے لئے بھی ضروری تھا اور اب ادینہ کو بتانا بھی۔ اپنا آپ اس کے سامنے رکھنے لگی۔ تکلیف دہ بھید کھولنے لگی۔

''نایاب، اریبہ اور اب شانزے...... مراد کا تھوڑا سا بھی پیار ان کے حصے میں نہیں آیا۔ مراد کی نفرت اور انتقام کی آگ میں صرف ان کا معصوم بچپن جلا ہے۔ اور وہ آگ اس قدر پرتپش تھی کہ اس نے معصوم آنکھوں میں خوابوں کے سمونے سے پہلے انہیں جھلسایا، خوشیوں کی علامت بننے سے قبل ہر رنگ کو کالا کیا، ہر خواہش پر دھواں پھونکا۔ میری بیٹیوں کے چہرے اس بھیانک آگ کے شعلے دیکھ کر کبھی کھل ہی نہیں سکے، مسکرا نہیں سکے، ہمیشہ مرجھائے رہے۔'' وہ یاسیت سے بولی۔

حقیقت کا یہ تلخ رخ اس کے حلق کو ہمیشہ کڑوا کرتا۔

ضبط کی تمام حدیں یہاں آ کر ٹوٹنے لگتیں۔

''ماہی۔'' ادینہ کی آنکھیں ایک لمحے میں بھر آئی تھیں۔ ماہی کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند کان میں داخل ہو کر، پردوں سے ٹکرا ٹکرا اسے اذیت سے دوچار کر گئے تھے۔اس کا دل جیسے مضبوط شکنجے میں جکڑ گیا تھا۔

''باپ کا وجہ سایہ شجر جیسا ہوتا ہے جو اولاد کو زمانے کی تپتی دھوپ سے بچاتا ہے۔ان کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر انہیں تحفظ کا احساس دلاتا ہے جبکہ مراد کا وجود اپنی اولاد کے لئے صرف ڈر و خوف کا باعث بنا۔اس نے بیٹیوں کو چار دیواری میں تحفظ تو دیا مگر سر پر شفقت بھرا ہاتھ نہیں رکھا، زمانے کی تپتی دھوپ میں کھڑا نہیں کیا مگر محبت بھرے سائے سے انہیں محروم رکھا۔ چوٹ لگنے پر بیٹیوں کے بہتے آنسوؤں کو مراد نے کبھی صاف نہیں کیا، کبھی ان کا دکھ محسوس نہیں کیا، کبھی انہیں سینے سے نہیں لگایا۔کھانے پینے کا سامان مہیا کیا مگر کبھی اپنے ہاتھوں سے بیٹیوں کو نوالہ بنا کر نہیں کھلایا۔ان کے ناز نخرے نہیں اٹھائے......مراد نے کبھی بیٹیوں کی خوشی و مسکراہٹ کے لئے معمولی سی سعی تک نہ کی۔'' بھرائی ہوئی آواز میں اس درد کو زبان دیتے ہوئے مہ روش کا گلہ رندھ گیا تھا جو شاید ہر دکھ پر بھاری، وہ واحد روگ تھا جو اسے عمر بھر کے لئے نہیں پالنا تھا۔

جس روگ سے چھٹکارے کے لئے وہ اپنا آپ بھولنے کے لئے بھی تیار تھی۔

''مراد کے اس رویے کی ذمے دار میں ہوں ماہی۔'' ادینہ کو اس کی باتوں نے اندر تک توڑ دیا تھا۔ دونوں ہاتھ مہ روش کے سامنے جوڑتے ہوئے ایک بار پھر وہ افسردگی و شرمندگی کی دلدل میں دھنسی تھی۔شکست خوردہ لہجے میں بولی۔

''اس احساس کے بعد میری بیٹیوں پر ترس تو پھر آتا ہوگا تمہیں؟''

''میرا دل خون کے آنسو روتا ہے ماہی۔''

''خون کے آنسو......مراد کو بیٹیوں کے ساتھ کی گئی ناانصافی بلکہ ظلم کا احساس نہیں دلا سکتے۔'' وہ خود کو سنبھالتی دوٹوک لہجے میں بولی۔

ادینہ کچھ نہ بول سکی۔

''تمہارے ہوتے ہوئے مراد یہاں واپس نہیں آئیں گے۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔میں تم پر زبردستی نہیں کر سکتی مگر ایک مجبور ماں ہونے کی حیثیت سے اسے میرا التجا سمجھو، درخواست یا بیٹیوں کے مستقبل کے لئے مانگی گئی بھیک......وقار بھائی سے شادی کر لو۔تمہاری اور ہماری زندگی کے لئے یہ اب ضروری ہے اور اگر پھر بھی وقار بھائی کے حق میں فیصلے کرنے میں دقعت پیش آئے تو مراد سے بات کرو۔ انہیں کہو کہ وہ غلط تھے۔اب بھی بیٹیوں کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ مجھے اپنے لئے کچھ نہیں چاہئے مگر مراد کو واپس آنے کے لئے آمادہ کرو۔ ادینہ تمہارا انکار اور مراد کی فرار......اگر میری اولاد کی زندگی میں سکھ کے بجائے دکھ ہی رقم کرنے کا سبب بنتے رہے تو پھر آخری فیصلہ میرا ہوگا۔ میں اپنی اولاد کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پھر ہمارا اس گھر سے، تم سے یا مراد سے کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔اس کے بعد نہ پھر معافی کی گنجائش ہوگی نہ پھر پچھتاوے معنی رکھیں گے۔'' حرف حرف واضح تھا۔

تمام قصہ سنجیدگی سے سمیٹ کر، اس نے ادینہ کو اپنی سوچ سے بھی مطلع کیا اور بناء اسے دیکھے یا مزید سنے وہاں سے چلی گئی۔

ادینہ کے تمام الفاظ تو جیسے گونگے ہو گئے۔

وہ خود کو گنہگار سمجھتی تھی۔ نادم بھی تھی مگر آج ندامت سو گنا بڑھ گئی تھی۔ تمام باتوں کے درمیان ماہی کے لہجے میں موجود چبھن کا احساس اس کا تن بدن سلگا گئی تھی۔ بھتیجیوں کے بے رونق چہرے بینائی کی ڈھٹائی پر سوال اٹھانے لگے تھے۔ ماہی کی زبانی، ان کی محرومیوں کی داستان ساعتوں کے ضبط و سلامتی کے لئے کڑے امتحان سے بڑھ کر تھی۔ سالوں پہلے کیا گیا محض ایک فیصلہ...... عمر بھر کا روگ بن گیا تھا۔ روگ بھی اس قدر ظالم اور بے رحم کہ کئی زندگیاں اس کے اٹوٹ خول میں مقید تڑپنے پر مجبور اور بے بس تھیں۔ افسوس تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ شرمندگی و پچھتاوے الگ سر کو گھٹنے سے لگا رہے تھے۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے مگر غبار تھا کہ کم ہونے سے انکاری...... اندر ہی اندر سینہ چھلنی کیے جا رہا تھا۔

ذہن میں برپا انتشار شدت پکڑنے لگا۔

وہ بند تاریک گلی میں آ رکی تھی جہاں سے اب فرار کی تمام راہیں مفقود ہو چکی تھیں۔

☆......☆......☆

شہر اسلام آباد سے وابستہ یادوں نے اس کا جیسے خیر مقدم کیا تھا۔

اس کی زندگی کے چار خوبصورت سال، یادداشت کو ازبر تھے۔

السلام آباد کی فضاؤں میں یہاں بتائے گئے خوشگوار لمحوں میں بلند ہوتے قہقہے گردش کرنے لگے تھے۔ یادوں کا ہجوم دماغ میں اُمڈ آیا تھا۔ تین دوستیں، تین خوبصورت چہرے، تین پرخلوص دل، بہت سی عام مگر بہت ہی خاص باتیں، محبت، چاہت، خلوص، اپنائیت اور احترام کے خمیر میں بے ریا و پاک جذبات کی آمیزش سے بنا دنیا کا حسین ترین رشتہ...... دوستی کا رشتہ...... دھڑکتے دل کی بے تاب دھڑکنوں کو بے قرار کر گیا تھا۔

معطر فاطمہ، عدن اور مہ روش سعید......

تینوں دوستوں کے نفوس آنکھ کے پردے پر منعکس ہو گئے تھے۔

اور ایک اور چہرہ......!

جو کبھی نظروں سے اوجھل ہی نہ ہو سکا۔ جس نے اسے اس کا رہنے ہی نہ دیا تھا۔ جواب اسے یہاں واپس لے آیا تھا جہاں سے وہ اس چہرے سے خوشیوں اور امید کے تمام رنگ ماند کر کے، اس کی محبت کی دھجیاں بکھیر کر، دل اجاڑ کر بڑے مان کے ساتھ گئی تھی۔ ہر تعلق توڑ کر، ہر راہ جدا کر کے، الگ منزل کی جانب...... مگر اس کے دل، سکون اور محبت کی منزل وہی چہرہ تھا۔ اسی شخص کا دل تھا۔ منزل کی تلاش

میں وہ اسی دل کے ساتھ گئی سفا کیت بھلائے بے بسی سے لوٹ آئی تھی۔

''اماں......!''

کچھ یادوں کی ریل پیل تھی اور کچھ گھر کی سیٹنگ سے اعصاب پر حاوی ہوتی تھکاوٹ، اسلام آباد آنے کے دو دن بعد وہ مکمل فراغت کے بعد زہرہ شاہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹی اور توقف بعد کچھ سوچتے ہوئے انہیں پکارا۔ دل عجیب کیفیت کا شکار تھا۔

''کہو بیٹا۔'' وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''اگر مجھے خالی ہاتھ رہنا پڑا تو مجھے ٹوٹنے مت دیجئے گا۔''

''مستبشرہ۔'' ان کا حرکت کرتا ہاتھ اس کے بالوں میں رک گیا۔''ایسا کیوں کہہ رہی ہو بیٹا۔'' فکرمندی سے پوچھا کیونکہ یہاں آنے کے بعد وہ پرامید تھیں۔ اسی امید کے بھر آنے کی ہر وقت دعا بھی کرتیں۔

''میں نے خود اپنی زندگی سے محبت ریت کی طرح نکلنے دی۔ ہاتھ کو معمولی سی جنبش دے کر مٹھی بنانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ چند ذرے ہی سہی مگر میری ہتھیلی پر وہ جاتے...... اپنے ہاتھ تو میں نے اپنے ہاتھوں سے بہت پہلے خالی کر دیئے تھے۔''

خیال بھٹک کر انہی لمحوں کے گرد چکر کاٹنے لگا تھا۔

اندر کہیں اپنی ذات کے لئے پچھتاوا بھی جگہ بنا چکا تھا۔

''ہاتھ بظاہر خالی ہوتے ہیں بیٹا...... مگر قسمت انہی خالی ہاتھوں کی الجھی لکیروں میں مناسب وقت کا انتظار کرتی ہے۔ انسان کے اندر باہر کو پرکھتی ہے اور جب انسان اپنا آپ سمجھ لیتا ہے، جھوٹ اور فریب سے نکل کر اپنے حق کے لئے صاف دل سے آواز بلند کرتا ہے تب قسمت انہی الجھی لکیروں کو اپنا تابع کرتی ہے...... تمہیں تمہاری قسمت یہاں واپس لائی ہے۔ خالی ہاتھ کی الجھی لکیریں قسمت کو ہی سلجھانے دو۔'' وہ تحمل سے سننے کے بعد متانت سے بولیں۔

''قسمت اگر مجھے علی کے سامنے لے گئی تو میں اس کا سامنا کر سکوں گی؟''

مستبشرہ جمال نے گردن گھما کر ماں کی آنکھوں میں دیکھا۔

''محبت ہر مشکل آسان کر دیتی ہے۔''

''اماں...... اس کا دل محبت سے انکاری ہو گیا تو؟''

''محبت کمزور نہیں ہوتی کہ دل و دماغ محبت کی نفی کر سکیں۔''

''مگر میں نے اس کی محبت کی تضحیک کی تھی، اس کی محبت کو ٹھکرایا تھا۔'' یہ حقیقت اس نے ہمیشہ اپنے پلو سے باندھے رکھی تھی۔ اب بھی اپنے سنگین رویے و محبت کے تمسخر میں کہے گئے تمام الفاظ کو وہ نظر انداز نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''اسی محبت نے تمہیں یہاں پھر سے لایا ہے۔''

البتہ زہرہ شاہ نے بیٹی کو ڈھارس دینا ضروری سمجھا۔ وہ اس بار کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ لیٹی رہی۔ کافی وقت یونہی گزر گیا۔ زہرہ شاہ بھی خاموشی سے اس کے بال سہلاتی رہیں۔ ان کے ہاتھوں کا محبت بھرا لمس مستبشرہ کو بہت پرسکون کر گیا تھا۔

دماغ بھی شانت ہو گیا تھا۔

کل اسے باقاعدہ طور پر سکول بھی جانا تھا۔ آنے کے اگلے دن وہ بابا جان کے ساتھ جا کر فون پر ہوئے تمام معاملات کے بعد کنٹریکٹ سائن کر چکی تھی۔ پرنسپل کے علاوہ وہ باقی تمام اسٹاف سے بھی ملی۔ جہاں اس کے اخلاص و اخلاق سے سب متاثر ہوئے۔ وہیں پہلے دن ہی پرنسل نے اس شعبے سے متعلق اس کی سابقہ خدمات، اس کے کامیاب سکول، اچھی کارکردگی، قابلیت، لگن و جذبے کو سراہا اور امید ظاہر کی کہ جس طرح اس نے ملتان میں اپنے سکول کو اپنی محنت، قابلیت و محبت سے ترقی کی راہ پر ڈالا اسی طرح وہ اس سکول کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرے گی۔ تعلیمی معیار کو مستحکم کرے گی۔ اس نے انہیں مکمل یقین دہانی کروائی۔ ان کی توقع پر پورا اترنے کو اپنے فرائض میں شامل کیا۔ آج اسے اپنے معمول کے مطابق ہوم ورک بھی کرنا تھا۔

''اماں...... میں سکول کے لئے کپڑے نکال لوں۔ تھوڑی بہت تیاری بھی کرنی ہے۔ کل پہلا دن ہے۔ دعا کریئے گا کہ یہاں شروعات بہت اچھی ہو۔'' یاد آنے پر وہ اٹھ بیٹھی۔

''ان شاء اللہ سب اچھا ہوگا۔ میری دعائیں ہمیشہ میری بیٹی کے ساتھ ہوں گی۔'' وہ پیار سے بولیں۔

مستبشرہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمرے میں آتے ہی الماری کی طرف گئی۔ کل کے لیے ایک سوٹ نکالا۔ پھر سوٹ سائیڈ پر رکھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی۔ ایک سرسری نظر چہرے پر ڈالنے کے بعد ہاتھ گلے تک لایا اور بہت محبت و شائستگی سے لاکٹ کو چھوا۔ لاکٹ گلے سے اتارا، پہلے آنکھوں کے سامنے کیا۔ کئی پل خمار آلود نظروں سے علی کے نام کے پہلے حرف A کو دیکھتی رہی پھر بہت عقیدت سے لاکٹ کو دل سے لگایا۔

''علی...... اس دل میں بسے ہو تم...... اس دل کو تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔ کاش میرے کیے گئے فیصلے اس دل میں محبت کی محرومی کی وجہ نہ بنیں۔ اس دل میں تمہاری محبت سے محبت کا خیال آباد ہو اور اس محبت نگر میں، میں میری ذات کو بھول کر بس تمہارے قدموں میں پڑی رہوں اور وہیں میری عمر تمام ہو جائے۔''

آنکھیں میچے، مستبشرہ جمال، اسی محبت نگر میں کھو گئی تھی جہاں علی آیان حسن گیلانی کے علاوہ محض محبت تھی اور جہاں وہ محبت کی غلامی میں ادب سے سر جھکائے بیٹھی تھی اور جہاں وقت محبت کے احترام و تعظیم میں ٹھہر گیا تھا۔

☆......☆......☆

فیصلہ ہو گیا تھا۔

حالات نے اس سے فیصلہ کروالیا تھا۔

پچھتاوؤں کی زد سے نکلنے کے لئے اسے اپنے کیے کا مداوا کرنا تھا۔ فیصلہ کرنے سے قبل وہ ایک آخری بار اپنے آپ کو ماضی کی جھلکیاں دکھانے کے لئے پیچھے لے گئی تھی۔ یہ عمل تکلیف دہ تھا۔ ماضی کی کتاب کھولتے ہی پہلے صفحے پر معید کا چہرہ بصارت سے ٹکرایا۔ دل میں کسک سی جاگی۔ اگلے صفحے پر ''محبت'' درج تھا۔ دل میں کسک بڑھنے لگی مگر کسک کو اب روگ نہیں بنانا تھا۔ اس نے بے جان ہوتے ہاتھوں کو جنبش دے کر ایک اور ورق پلٹا۔ جہاں عقل کو مات دینے کے لئے خواہشات کا انبار تھا۔ اس نے انبار کو ترتیب دیا۔ خواہشات کی فہرست نے اپنے اوپر جمی گرد جھاڑی، اس نے تمام خواہشات کو زیرلب دوہرایا۔

خوشی کی خواہش!

خوبصورت زندگی کی خواہش!

خوابوں کی خواہش!

خوابوں کی تکمیل کی خواہش!

خوابوں میں رنگ بھرتی محبت کی خواہش!

محبت کے لئے، محبت کی خواہش!

اسی محبت کے حصول کی خواہش!

اسی محبت کے لئے جدوجہد کرنے کی خواہش!

من موجی کے ساتھ زندگی بتانے کی خواہش!

جاگتی آنکھوں سے ہر خواہش پوری ہو جانے کی خواہش!

''آہ۔''

آخری سطر نے روح کو گھائل کیا۔ اندر تضحیک آمیز، تمسخر بھری ہنسی کی بازگشت گونجنے لگی۔ ہنسی تھمی تو حقیقت اسے باور کروانے چلی آئی۔

''جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خوابوں کی تکمیل کی خواہش، خوابوں کو جلا کر انگارہ کر دیتی ہے۔''

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اگلے صفحے پر نگاہ ٹکالی۔ جہاں اس نے بغاوت کے لئے چال بنی تھی۔ جہاں بصارت کو جبراً نابینا کر کے اس نے وقار سعید کو سولی پر چڑھایا تھا اور جہاں وہ چپ چاپ اس کی گزارش کو حکم کا درجہ دیئے، سر تسلیم خم کر گیا

تھا۔ جھکے سر کے ساتھ جہاں وہ الٹے قدموں سے راہ جدا کر گیا تھا اور جہاں معید اس کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا چاہتوں بھری زندگی کی ابتداء کے لئے اس کا ہاتھ تھام رہا تھا۔

اس نے ایک صفحہ پلٹا۔

اس بار آنکھیں حیران رہ گئیں۔

خواہشات کی تکمیل یہاں تک ہی دلکش تھی، رنگین تھی۔ اس سے آگے سب کچھ سیاہ تھا۔

ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو......دس!

دس کے دس صفحات کالے تھے......بالکل سیاہ کالے......کالے گھپ اندھیرے کی طرح!

دس صفحات......دس سال!

خود غرض خواہشات کی تکمیل کی عنایت دس تاریک سال!

اس کے جسم میں جھرجھری سی پھیلی۔ تاریکی اس کے ہر دکھ درد، اذیت، ہر آنسو اور بے وفا محبت پر چھا چکی تھی۔

چال کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو......کسی کی زندگی سے کھیل کر، قسمت کا لکھا بگاڑ کر اپنی قسمت کوئی کیسے اور کب تک سنوار سکتا ہے، کب تک سچائی کو چھپا کر حقیقت سے بھاگ سکتا ہے۔ حقیقت کا ادراک بہت کربناک لمحوں کو سمیٹ کر بڑی ڈھٹائی سے راستہ روکتا ہے۔ منہ کے بل اتنی شدت سے پٹختا ہے کہ انسان تڑپ اٹھتا ہے مگر اس حقیقت سے کڑی آزمائش تو وقت دکھاتا ہے۔ جسے نہ پیچھے لے جا کر سب کچھ ٹھیک کیا جا سکتا ہے نہ اسے روک کر زخم کی دوا کیا جا سکتا ہے۔

اس پچھتاوے کا ایک گھونٹ زبردستی حلق میں اتارا۔

اگلہ صفحہ نظروں کے سامنے تھا۔

اس صفحے پر محبت بین کر رہی تھی۔

جس شخص کے لئے اپنے خونی رشتوں کو دھوکہ دے کر اس نے محبت حاصل کی تھی وہ شخص اسے تہی داماں کر گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بے رنگ تھیں، دل ہر احساس سے عاری محض دھڑک رہا تھا۔ چہرے پر بدترین شکست اور جبین پر طلاق کا بدنما دھبہ تھا۔ اس کے حصے میں ذلت ورسوائی تھی۔

لیکن افسوس اور آہیں اس سے اگلے صفحے پر رقم تھیں۔

یہاں کہانی کھل کر بھیانک موڑ پر زندگی کو لے آئی تھی۔ مراد کی نفرت آسمان کی وسعتوں میں پھیلی تھی۔ وعدے کو وفا کرتا وقار چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کی خواہشات کی تکمیل کے بھینٹ چڑھی مہ روش بدلے اور انتقام کی آگ میں جل رہی تھی جبکہ نایاب، اریبہ اور

شانزے کی آنکھیں جواب طلب تھیں۔ وہ تینوں باپ کی بے اعتنائی اور نفرت کی وجہ جاننا چاہ رہی تھیں۔

اور وجہ تو اس کی ذات تھی۔ تمام حقائق سے نظریں چرانا ناممکن تھا۔

مراد تو اس کی وجہ سے بے حس بنا ان کی زندگی عذاب کر رہا تھا۔ مراد کو پتھر بنانے میں سارا قصور اس کی ذات کا تھا۔ وہ اپنی ہی ذات میں شرمندہ، کتاب بند کرنے لگی لیکن بھتیجیوں کی سوالیہ آنکھیں اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکی تھیں۔ اسے اب ان آنکھوں کو جواب نہیں رنگ دینا تھا۔ فیصلہ کرنے میں راہ ہموار ہوگئی۔ اپنی زندگی تباہ و تاریک کرنے کے بعد اب وہ اپنی وجہ سے کسی کی بھی زندگی برباد کرنے کی متحمل نہیں رہی تھی۔ ماہی کی طرح اب اسے اپنے لیے نہیں سوچنا تھا بس اپنی غلطی کی تلافی کر کے کندھوں سے بوجھ اتارے کی سعی کرنی تھی۔ فیصلہ کر لینے کے بعد وہ ماں کے پاس گئی۔

مہروش بھی وہیں تھی۔

ادینہ نے سنجیدگی سے بات شروع کی۔ اپنے فیصلے کے متعلق ان دونوں کو آگاہ کیا۔ جیسے سنتے ہی ان دونوں کے چہروں پر طمانت بھری مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔ ماہی نے فوراً آگے بڑھ کر اسے گلے بھی لگایا۔

''یہ فیصلہ اپنی غلطی کے مداوے کے لئے کیا ہے لیکن شرمندہ میں اب بھی ہوں۔ ماہی اگر ہو سکے تو اپنے اور اپنی بیٹیوں کے حق میں مجھے معاف کرنا۔''

''نہیں، معافی مت مانگو۔ میرے دل میں تمہارے لیے ذرا برابر بھی میل نہیں ہے۔ جو ہوا وہ ہماری قسمت میں لکھا تھا لیکن اب ان شاءاللہ سب ٹھیک ہوگا۔ تمہاری اور ہماری زندگیاں سہل ہوں گی۔'' وہ پر امید تھی۔ کہتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

ادینہ کے اس فیصلہ کے بعد تو پلٹ کر پیچھے دیکھنے کی وجہ بھی نہیں رہی تھی۔ اب ماضی پر مٹی کی دبیز تہہ ڈالنی تھی۔

''ان شاءاللہ۔'' کلثوم بیگم نے دل سے کہا۔

ادینہ البتہ خاموش رہی۔ چہرے پر تاثرات ساکت تھے۔

''میری اللہ پاک سے دعا ہے اب آگے جو بھی ہو تم سب کے حق میں بہتر ہو۔ کوئی دکھ، کوئی پریشانی باقی نہ رہے۔ ماضی کی معمولی جھلک یا ہلکی سی پرچھائی بھی خوشیوں اور امید کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔'' وہ مزید دعائیہ لہجے میں بولیں۔

''آمین۔'' ماہی صدق دل سے بولی۔

ادینہ ایک نظر ان دونوں پر ڈالے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ ماہی کی باتوں اور ماں کی دعا نے تلخ یادوں کے بوجھ کو ہلکا کر کے دل کو قدرے پر سکون کر دیا تھا۔

''پھوپھو...... میں امی کو بتاتی ہوں کہ اب وہ باقاعدہ بات کرنے آجائیں۔''

''لیکن بیٹا......مراد......'' وہ البتہ تذبذب کا شکار تھیں۔

''ادینہ مان گئی ہے پھوپھو۔یہی کافی ہے۔''

''خونی رشتوں کو نفرت کی بھینٹ چڑھانے سے محض اذیت ملتی ہے۔رشتوں کی اہمیت ختم نہیں ہوتی۔'' وہ تاسف سے بولیں۔

''جس شخص کے خون کے ایک ایک قطرے میں نفرت شامل ہو وہ رشتوں کی پرواہ کبھی نہیں کرتا۔اس کے لئے رشتے پاؤں کے نیچے پڑی خاک اور سر پر بندھی دستار کا درجہ رکھتی ہے۔''

اذیت کا شکار تو وہ بھی تھی جس شخص نے ہمیشہ انا کا شملہ اونچا رکھنے کے لئے بے حسی کو اپنی طاقت بنائے رکھا وہ شخص اب کیونکہ کسی کی پرواہ کر سکتا ہے۔

اس شخص کی انا کہاں گوارہ کر سکتی ہے کہ وہ کسی کے لئے جھک سکے۔

رشتوں کا مان اور اعتبار دینا تو اس کی سرشت میں شامل ہی نہیں ہے جو انا پر ضرب پڑتے ہی انا کی بقاء کے لیے فرار کی راہ نکال چکا تھا۔

کلثوم بیگم مزید کچھ نہ بولیں۔

انہیں مہ روش سے مراد کو لے کر کوئی بحث تو مقصود نہ تھی البتہ اپنا دل کسک کا شکار تھا۔کس کے اوٹ میں ارمان بھی مچل رہا تھا۔

ماہی ان کی چپ پر کمرے سے باہر چلی گئی لیکن شاید اس بار قسمت کا قلم رواں تھا۔قسمت کو بھی شاید ان پر ترس آ گیا تھا۔وہ سب اپنی جگہ اپنی بساط سے زیادہ دکھ اٹھا چکے تھے۔اب قسمت ان کا بوجھ بانٹنا چاہ رہی تھی۔اسی شام مراد نے کال کی تھی۔

''امی......فی الحال اریبہ کا سکول میں ایڈمیشن مت کروائیے گا۔'' سلام دعا کے بعد وہ فوراً بولا۔

''کیوں بیٹا؟''

''آپ اس دن مجھ سے میرا فیصلہ جاننا چاہ رہی تھیں۔'' اس نے یاد دلانا چاہا۔

''ہاں مگر......'' وہ حیران ہوئیں۔

''آپ ادینہ کی شادی کروا دیں۔بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو سادگی سے نکاح کروا کر قصہ ختم کر دیں۔اس کے نکاح کے بعد میں آپ سب کو یہاں لے آؤں گا۔میں نے ایک گھر بھی دیکھ لیا ہے۔'' وہ سہولت سے اصل مدعے کی طرف آیا۔

''لیکن مراد......'' وہ سمجھ کر بھی ناسمجھی کے عالم میں بولیں۔حیرت الگ تھی۔

''میں وہاں کسی صورت واپس نہیں آنا چاہتا اور آپ سب کو یہاں بلانے کے لیے ادینہ سے یونہی تعلق ختم کر سکتا ہوں۔نایاب اور اریبہ کے لیے میں سکول بھی گھر کے قریب دیکھ رہا ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھا،رسان سے بولا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مراد لیکن ایک بار تو یہاں آ ؤ۔''

''میں نہیں آ ؤں گا وہاں...... بار بار مت کہا کریں۔''

''بہن کی شکل مت دیکھنا، بات مت کرنا مگر اسے رخصت......''

''ڈیٹ فکس کرتے ہی مجھے بتایئے گا میں آپ سب کے ٹکٹس بک کروادوں گا۔اللہ حافظ۔'' مراد نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہنے کے ساتھ ہی لائن بھی منقطع کر دی تھی۔

کچھ پل وہ افسردہ کے خول میں قید رہیں۔

لیکن جب مہ روش کسی کام سے ان کے قریب آئی تو انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے مراد کی کال اور فون پر ہوئی تمام گفتگو کے متعلق بتایا۔

''تھوڑا اطمینان رہے گا کہ اس شادی میں مراد کی رضامندی بھی شامل ہوگئی ہے۔'' وہ جیسے خود کو تسلی دے رہی تھیں۔

جبکہ مہ روش کا ذہن تو مراد کی باتوں میں اٹک گیا تھا۔

''تو کیا مراد نے اب تک عروش سے شادی نہیں کی ہوگی...... ہمیں وہاں بلا کر وہ...... جو بھی ہو مجھے وہاں جانا ہوگا اپنی بیٹیوں کے لئے۔''

اس نے خیالات کو بھٹکنے سے فوراً بچایا۔ فیصلہ پر مہر بھی ثبت کی۔ دل بیٹیوں کے لیے جیسے پر سکون ہو گیا تھا۔ بیٹیوں کے حق کے لئے اس نے اپنی انا کو پس پشت ڈال دیا۔

''میں نے امی سے بات کی ہے۔ وہ پھوپھو اور خالہ کے ساتھ کل آئیں گی۔'' اور جس کام سے کلثوم بیگم کے پاس آئی تھی وہ بیان کیا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بیٹا! تم ادینہ کو بتا دو کہ مراد کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا بوکھ بھی کم ہو جائے گا۔ مراد کی نفرت کا احساس دل لیے رخصت ہوئی تو چاہتے ہوئے بھی کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔'' بیٹی کے لیے فکر ان کے لہجے میں پنہاں تھی جسے ماہی نے با آسانی محسوس کیا۔

''میں اسے بتا دیتی ہوں۔ آپ اب پریشان نہ ہوں۔ اب سب ٹھیک ہوگا۔ ادینہ کو اس کے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔'' سو انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

کلثوم بیگم نے محبت و تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا جو اپنے لیے صبر و تحمل کے ساتھ ان سب کے لیے خوشیاں سمیٹنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ ماہی بھی ایک مسکراتی، یقین دلاتی، پر اعتماد نظر ڈالے ادینہ کی طرف چلی۔ ادینہ شانزے کو بانہوں کے جھولے میں جھلاتے ہوئے نایاب کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی۔ مہ روش کو دیکھتے ہی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

مہ روش نے بغیر وقت ضائع کئے اسے مراد منصور کی رضامندی سے آگاہ کیا۔ جواباً ادینہ زبانی طور پر تو کچھ نہ کہہ سکی البتہ چہرے

کے تاثرات میں اطمینان کی رمق ابھری تھی۔ مہ روش نے اس کا مزید وقت نہیں لیا کہ اسے بچیوں کو کھانا کھلانا تھا۔ شاز نے کو اسی کے پاس چھوڑ کر نایاب کو ساتھ لے گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر گم صم بیٹھی رہی کہ توقف بعد پاس پڑے موبائل پر میسج ٹون کی آواز نے اس کی محویت توڑی۔ اس نے موبائل اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کیا۔ اسکرین پر وقار سعید کا نام روشن تھا۔ اس نے میسج کھولا۔

''مجھ پر اعتبار کرنے کے لئے شکریہ۔'' اورز یرلب پڑھا۔

میسج پڑھتے ہی ایک بار پھر احساس شرمندگی نے آنکھوں کے گوشے نم کیے۔ اپنی نام نہاد محبت اور خوشی کے لئے جس چال میں اس نے وقار سعید کو مہرہ بنایا تھا اس میں وقار سعید نے بھی بہت نقصان اٹھایا تھا۔ دس سال، اس کے راز کو دل میں دفنائے وہ سب کی نفرت جھیلتا رہا۔ لعنت ملامت سنتا رہا۔ اب تو وقار سعید پر بے اعتباری کا جواز تھا ہی نہیں...... جوابی میسج کیے بغیر موبائل واپس رکھ دیا۔

ذہن بالکل خالی ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا بات ہے افریشم! تم پریشان ہو۔''

وہ مسلسل دو تین دنوں سے افریشم کے چہرے پر اتار چڑھاؤ محسوس کر رہا تھا جو اب پریشانی میں بدل رہے تھے۔ علی نے موقع ملتے ہی دوستانہ انداز میں اس سے پوچھا۔ وہ حقیقتاً افسردہ تھی۔ علی کے پوچھتے ہی بجھے لہجے میں بولی۔

''مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔''

''بڑی غلطی؟'' اس نے بھوئیں سکیڑیں۔

''اور غلطی کا احساس اب مجھے شرمندہ کر رہا ہے۔'' تاسف زدہ لہجے میں بولی۔

''کون سی غلطی افریشم؟''

''غلطی نہیں بلکہ بداخلاقی۔'' اس نے اپنی ہی درستگی کی۔

''کس سے کی بداخلاقی؟''

''معطر سے۔''

کیوں؟'' اس بار وہ شدید حیران ہوا۔ دماغ الگ چوکنا ہوا۔ اسے یہی ڈر تھا۔ افریشم نے بغور اسے دیکھا۔

''وجہ تمہیں ناگوار گزرے گی۔''

''میں پھر بھی جاننا چاہوں گا۔''

''میں نے معطر سے مستبشرہ کے بارے میں ذکر کیا تھا۔'' وہ بنا اسے دیکھے بولی۔

''کیوں افریشم؟''

وہ حیران ہوا۔اسے برا بھی لگا مگر سنبھل کر پوچھا۔

''تمہارے لیے۔''مختصراً جواب دیا گیا۔

''میرے لیے؟''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''مجھے لگا تھا کہ تم معطر سے مستبشرہ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو لیکن کر نہیں پا رہے۔''وہ رسان سے بولی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''اس نے اپنے الفاظ پر زور دیا۔

''مجھے ایسا لگا تھا۔''وہ بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

''غلط لگا تھا تمہیں۔''اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔''معطر سے کیا بات کی تم نے؟''

پھر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

افریشم نے اس دن معطر فاطمہ سے ہوئی تمام گفتگو اس کے گوش گزاری۔علی آیان نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔اندر کہیں بکھری کرچیاں زخمی دل میں پیوست ہوئی تھیں۔پرانے زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔پہلے معطر فاطمہ سے ملاقات اس کے اعتماد کی بنیاد ہلا گئی تھی اور آج تو گویا عزم،ارادے اور حوصلے کی عمارت ہی نیست و نابود ہو چکی تھی۔تشنہ محبت ہر موڑ پر مکمل روگ کا بندوبست کرتی اذیت کا ہی باعث بنتی۔

''مستبشرہ نے مڑ کر کبھی اپنی دوستوں کی خبر بھی نہیں لی۔''وہ آزردہ تھی۔

''اور میں نے اس سے محبت کی،محبت کی توقع رکھی۔اس نے محبت کا نقاب اوڑھا۔میرے ذبات کی دھجیاں بکھیریں۔''علی کے لب خاموش تھے مگر اندر دل چیخ رہا تھا۔آواز اس نے اپنے اندر ہی دبا لی۔یہ بے بسی کی انتہا تھی۔

''معطر اس کا نام بھی نہیں لینا چاہ رہی تھیں۔شاید ہمارے رشتے کی وجہ سے۔''وہ مزید بولی۔

''تمہیں بھی اس کا نام نہیں لینا چاہیے تھا۔ہمارے رشتے کے لیے۔''اس بار وہ آہستگی سے بولا۔

''وہ تم میں اب بھی باقی ہے۔''افریشم نے جیسے اسے باور کروانا چاہا۔

''لیکن وہ مجھ میں اب مکمل نہیں ہے۔''وہ برجستہ بولا۔

''یادوں کو زندہ رکھنے کے لیے معمولی سی پرچھائی بھی معنی رکھتی ہے۔مجھے تم مکمل چاہیے ہو علی۔''

''تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے۔''

''تو تم مجھے یقین دلاؤ نا۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

آنکھیں خالی تھیں۔ چمک سے عاری تھیں۔

''ہمارا رشتہ......''

''بعض رشتے محض ضرورت کا تقاضا نبھاتے ہیں۔ مجھ سے محبت ہے۔ تم میری محبت کی ضرورت ہو اور میں تمہاری ضرورت...... تم مجھ سے رشتہ جوکر ماضی سے تعلق توڑنا چاہتے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' وہ سنجیدہ تھی۔ مستفسر نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''چاہتا ہوں...... تم نے اپنی بات کا خود ہی جواب دے دیا ہے...... اور اگر میں ایسا چاہتا ہوں تو اس میں کیا غلط ہے۔ تم یہی چاہتی تھی نا کہ میں ماضی کی بھول بھلیوں سے نکل کر ایک مکمل زندگی جیئوں۔ خود سے جڑے رشتوں کی محبت کو محسوس کر کے تشنگی کا روپ نہ پالوں؟...... مستبشرہ میرے ماضی کا حصہ تھی۔ میں اب اسے بھولنا چاہتا ہوں۔ ہر ممکن کوشش کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں اور تم سب جانتے ہوئے کسی نہ کسی طرح اسے خود میرے سامنے لے آتی ہو۔ اب اس میں قصور میرے دل کا نہیں تمہاری سوچ کا ہے۔ شاید اب مجھ سے زیادہ میرے ماضی کو بھولنے کی ضرورت تمہیں ہے۔ پھر میرے منہ سے تم نہ کبھی اس کا نام سنو گی نہ تمہیں وہ میرے اندر نظر آئے گی۔'' وہ دوٹوک بولا۔

افریشم نے اسے سننے پر اکتفا کیا۔

''تم میرے لیے اہم ہو افریشم۔ تمہاری محبت میرے لئے خاص ہے۔ میری منزل واضح ہے۔ راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ مجھے آگے بڑھنا ہے۔ پیچھے نہیں پلٹا چاہتا کہ وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ مجھے اب وہاں روشنی چاہیے بھی نہیں۔ ایک بار میرے ماضی سے تم بھی نکل آؤ کہ میں تمام یادوں کو بھی گہری تاریک کھائی میں پھینک دوں۔ مجھے رستے زخموں کو بھرنا ہے۔ بھر رہا ہوں۔ آخری مرہم ان زخموں پر تم ہو...... تمہارا یقین ہے۔ تم میرے ساتھ رہو مجھے اور کسی کی ضرورت نہیں رہے گی۔'' علی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ پر وثوق لہجے میں گویا ہوا۔ اب حقیقتاً اسے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' وہ اسی وثوق سے بولی۔

اندر ہی اندر علی کی باتوں نے اسے شرمندہ کیا۔ اسے اپنی غلطی کا بھی احساس تھا۔ وہ جانتی تھی علی سنبھلنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ یادوں سے فرار کی راہ تلاشتا رہتا ہے۔ اس کی محبت کی تعظیم کرتا ہے۔ جبھی معطر کا خیال بھی ذہن میں کوندا۔

''میری وجہ سے معطر بھی بہت ہرٹ ہوئی ہوں گی۔''

''تم ان سے بات کر لینا۔ سوری کر لینا۔''

''ہاں سوری تو کرنا پڑے گا۔''اس نے تائید کی کہ وہ خود گلٹی فیل کر رہی تھی۔

علی آیان حسن گیلانی اب کہ خاموش رہا۔

☆......☆......☆

اگلا دن خوشیوں کی نوید لے کر آیا تھا۔

سعید احمد، نفیسہ بیگم، شاہدہ پھوپھو اور ریحانہ بیگم باقاعدہ طور پر وقار سعید کے لیے ادینہ کا رشتہ لینے آئے۔کل جب نفیسہ بیگم نے بہن اور نند سے اس رشتے کے متعلق بات کی تب وہ حیران تو ہوئیں مگر حالات کا تقاضہ دیکھتے ہوئے سب نے وقار کی خواہش و فیصلے کو سراہا۔اطمینان کا اظہار کیا۔ان دونوں سمیت مہ روش کے مستقبل کے لیے بھی عا کی اور اب کلثوم بیگم کے گھر بڑے مان سے ان کے ساتھ آئی تھیں۔کلثوم بیگم نے انہیں عزت و احترام دیا۔مہ روش خوش تھی۔ادینہ کے ساتھ مل کر اس نے چائے و دیگر لوازمات کا انتظام کیا۔ادینہ سلام کرنے کے بعد بھتیجیوں کے پاس چلی گئی تھی۔چائے سے فراغت کے بعد سعید احمد نے بہن کو مخاطب کیا۔

''ہم چاہتے ہیں کہ جلد از جلد وقار کے فرض سے بھی سبکدوش ہوں۔''

''بھائی صاحب جب آپ چاہیں۔''

''آپ مراد سے کہیں کہ وہ آجائے پھر اسی مہینے کے اندر شادی کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔''

کلثوم بیگم بیٹے کے ذکر پر تذبذت کا شکار ہوئیں۔

''ابو......مراد نہیں آسکتے۔''ماہی نے انہیں دیکھتے ہوئے بات سنبھالی چاہی۔

''کیوں؟''ان کی حیرت بجا تھی۔

باقی سب نے بھی سوالیہ مہ روش کو دیکھا۔

''انہوں نے اپنا ٹرانسفر اسلام آباد والی برانچ میں کروا دیا ہے۔وہاں کام زیادہ ہے۔کل ہی ان کی کال آئی تھی، آنا مشکل ہے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا لیکن کچھ دنوں کے لیے تو آجاتا۔''

''ممکن ہوتا تو ضرور آتے......اور وہ وہاں گھر وغیرہ بھی لے رہے ہیں۔کہہ رہے تھے کہ ادینہ اور وقار بھائی کی شادی کے فوراً بعد ہمیں وہاں بلائیں گے۔''ماہی نے بتانا ضروری سمجھا۔انداز عام سا تھا۔

مگر سعید احمد سمیت باقی سب کے لئے سمجھنا بہت آسان تھا۔مراد کا نہ آنا......بھی سمجھ سے بالاتر نہ تھا البتہ یہ بات سب کے لیے اطمینان بخش تھی کہ وہ ان سب کو اپنے ساتھ لے کر جائے گا لہٰذا مراد سے متعلق بات کو کسی نے مزید طول نہ دی۔

''بھائی صاحب۔وقار آپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔اس کی پہلی خوشی ہے۔آپ لوگ جیسے چاہیں اس کی خوشی منائیں لیکن ہم......سادگی

سے نکاح اور رخصتی کروانا چاہتے ہیں۔'' کلثوم بیگم نے جھجکتے ہوئے اپنی بات ان کے سامنے رکھی۔

''ہماری خوشی تو ہماری اولاد کی خوشی اور سکون میں ہے۔ ہم خوشی منانے کے بجائے اب سمیٹنا چاہتے ہیں۔ آج کل کے بچے سمجھدار ہیں۔ رشتوں کی اہمیت اور تقدس کا خیال رکھنا جانتے ہیں۔ یہاں آنے سے قبل وقار نے بھی سادگی سے نکاح اور رخصتی کی بات کی ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' سعید احمد نے بیٹے اور بہن کے فیصلے وخواہش کو عزت دی۔

''ہمیں صرف ادینہ چاہیے۔'' نفیسہ بیگم نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔ وہ مسکرائیں۔

''اب جب سب راضی ہیں اور کوئی دقعت بھی نہیں تو نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' ریحانہ خالہ نے صلاح دی۔

''ہاں بالکل......اس مہینے کی کوئی تاریخ مقرر کردیں۔'' شاہدہ پھوپھو کے چہرے پر بھی پرسکون مسکراہٹ تھی۔

''میری بھی یہی خواہش ہے۔'' سعید احمد بھی راضی تھے۔

''بھائی صاحب۔ ادینہ اب آپ کی بیٹی، آپ کی امانت ہے۔ جب اور جیسے آپ کہیں، ویسے ہی ہوگا۔'' کلثوم بیگم کا دل اتنا سب ہو جانے کے باوجود ان سب کی محبت، عزت واحترام پر شکرگزار ہوا تھا۔ ان کی اعلیٰ ظرفی اور عنایت کیا گیا مان ذہن میں بھٹکتی شرمندگی کو بھی زیر کرنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر ان شاءاللہ دو ہفتے بعد جمعہ کو نکاح اور اسی دن رخصتی رکھ دیتے ہیں۔'' سعید احمد نے بات فائنل کی۔

''ان شاءاللہ......اللہ پاک اس رشتے کو اس خاندان کے لیے مبارک کرے۔'' شاہدہ پھوپھو نے دعائیہ کہا۔

''آمین۔'' جس پر سب یک زبان ہوئے۔

سب نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ مہ روش نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھا کر سب کا منہ میٹھا کروایا۔

رشتے کی بات کرتے ساتھ ہی سعید احمد اور نفیسہ بیگم نے کلثوم بیگم کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ انہیں صرف اور صرف ادینہ چاہیے۔ اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی انہیں تیار تیاری کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جواباً کلثوم بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو وہ سننے سے انکاری ہو گئے تھے۔ کلثوم بیگم کو مجبوراً چپ ہونا پڑا۔ بھائی اور بھابھی کی دل میں قدر ومنزل بڑھ گئی تھی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد انہوں نے شکرانے کے کئی نوافل ادا کیے تھے۔ بیٹی کے لیے بھی دل مطمئن، سرشار ہو گیا تھا البتہ ادینہ تمام معاملات طے ہونے کے بعد خاموش ہی تھی۔

اس رات مہ روش کو راحت بھری نیند نے اپنی آغوش میں لیا تھا۔

اگلے دن صبح صبح معارج جاب پر جانے سے قبل پریشے کو ان کی طرف چھوڑ گیا تھا۔ پریشے کے چہرے پر بھی آسودگی تھی۔ وقار اور ادینہ کے لئے تو خوش تھی ہی مگر بہن کو کتنی ہی دیر گلے سے لگائے اس کی خوشیوں کے لیے دل سے دعا گو تھی۔ ماہی کا دل بہن کی محبت پر نثار

ہوتا رہا۔ پریشے نے ادینہ کے ساتھ بھی خوشگوار وقت گزارہ۔ اس سے باتیں کرتی رہی۔ پریشے کی موجودگی اور تمام افراد کا مجموعی برتاؤ اور محبت ...... حقیقتاً اسے اس سب کی توقع نہیں تھی۔

کسی نے اسے ایک حرف غلط نہیں کہا تھا۔ اسے عزت دی تھی۔

وقار سعید کے نام کے ساتھ منسوب ہونے کے بعد تو جیسے ہر ایک اس کے ماضی ...... اور ماضی کی تباہ کاریوں کو بھول گیا تھا۔

گویا مہربان قسمت نے ایک نئی اور خوبصورت، خوشگوار زندگی کے لئے مضبوط قلم کو اٹھا لیا تھا۔ اب کہ قسمت کی تحریر میں کمال کی روانی تھی۔ تمام معاملات خوش اسلوبی سے نپٹنے لگے۔ کلثوم بیگم نے مراد کو کال کر کے نکاح اور رخصتی کی تاریخ کے متعلق آگاہ کیا۔

''ٹھیک ہے تو پھر آپ لوگ آنے کی تیاری کریں۔ میں ایک دو دن میں ٹکٹس بک کرواتا ہوں۔'' جسے سننے کے بعد وہ محض اتنا بولا۔ اس کے علاوہ نہ کچھ جاننا چاہتا تھا نہ پوچھنا چاہتا اور نہ ہی کچھ کہنا چاہتا تھا۔

اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

وہ کال بند ہونے کے بعد مہ روش کے پاس آئیں۔ اسے ہمیشہ کی طرح مراد کی کال اور اس سے ہوئی گفتگو کے متعلق بتایا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ جانے کی تیاری کی کوئی فکر نہ تھی کہ مراد نے فرنشڈ گھر لیا تھا۔ یہاں سے کوئی سامان ساتھ لے کر نہیں جانا تھا۔ بس کپڑے وغیرہ پیک کرنے تھے اور ضرورت کی کچھ دیگر چیزیں ...... باقی جو سامان وہاں چاہیے ہو گا مراد منصور نے وہیں سے خریداری کا بھی کہہ دیا تھا۔

ایک دو دن بعد اس نے ٹکٹس کی ڈیٹیلز بھی میسج کے ذریعے بھیج دیں۔ نکاح کے ٹھیک تین دن بعد ان کی اسلام آباد کے لئے فلائٹ تھی۔ مہ روش نے اپنے جانے کے متعلق ادینہ کو، پھر گھر بھی کال کر کے بتا دیا تھا۔ ادینہ کے لیے پھوپھو کے ساتھ مارکیٹ جا کر اس نے تھوڑی بہت شاپنگ کی کہ خود ادینہ چپ تھی۔ کسی ایک چیز کے لیے بھی اس نے کچھ کہا تھا نہ کچھ ارادہ رکھتی تھی۔ ضروری شاپنگ مکمل ہونے کے بعد وہ ایک دو دن کے لئے میکے رہنے گی۔ نفیسہ بیگم نے اسے اور پریشے کو رہنے کو بلایا تھا کہ وہ تھوڑی بہت جو بھی تیاری میں بیٹیوں کے ساتھ مل کر کریں۔

گھر کی فضا میں گہرا سکون تھا۔

ہر فرد اپنی جگہ مطمئن تھا البتہ وقار کی آنکھوں میں خوشی کا عکس واضح تھا اور اس کی اس خوشی میں گھر کا ہر مکین اس کے لئے خوش تھا۔

نفیسہ بیگم کے کہنے پر وہ ان سب کو لگاتار دو دن مارکیٹ لے کر گیا۔ انہوں نے ادینہ کے لیے کامدار اور موسمی مناسبت سے سوٹ لیے۔ جوتے وغیرہ لیے، جیولری وغیرہ بھی لی کہ پہلے جو انہوں نے بنوائی تھی وہ شادی نہ ہونے کے بعد انہوں نے ڈیزائن چینج کروا کر مہ روش اور پریشے کو دے دی تھی۔ حالات اب جیسے بھی تھے مگر وہ اکلوتے بیٹے کے لیے ہر چاؤ پورا کرنا چاہتی تھیں اور کیا بھی۔

پریشے شادی ہونے تک وہاں رک گئی تھی البتہ وہ واپس آ گئی۔ وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ ڈیڑھ ہفتہ تو جیسے پلک جھپکنے میں گزر گیا تھا۔ باقی کے تین چار دن بھی بے حد مصروف تھے۔

کلثوم بیگم نے اپنی طرف سے صرف خاندان والوں کو ہی مدعو کیا تھا۔ چونکہ تمام تقاریب سادگی سے سرانجام ہونا پائی تھیں۔ اس لیے سعید احمد نے بھی صرف قریبی جاننے والوں کو ہی مدعو کیا تھا۔ وقار نے بھی صرف اپنے دوستوں کو دعوت نامہ دیا البتہ نفیسہ بیگم نے ریحانہ بیگم اور شاہدہ بیگم کو بچوں سمیت ہی تین دن پہلے ہی آنے اور رہنے کا کہا۔ وہ سب آئے۔ دن بھر گھر میں رونق لگی رہتی۔ سب آپس میں شغل میلہ کرتے البتہ عندلیب ایک دن وہاں رہنے کے بعد کلثوم بیگم کی طرف چلی آئی تھی۔ یہاں وہاں کی نسبت خاموشی تھی۔ اس کے آنے سے تھوڑی سی ہلچل مچی۔ اس کے دونوں بچے ناشاب اور اریبہ سمیت بھاگتے دوڑتے، کھیلتے رہتے۔ شانزے بھی چھ ماہ کی ہو گئی تھی۔ اپنچھوٹی سی آواز میں لگی رہتی۔

''ادینہ......''

رات سونے سے قبل کلثوم بیگم نے اپنے ساتھ لیٹی بیٹی کو آواز دی۔ وہ آنکھیں موندے سونے کی کوشش کر رہی تھی، ماں کی آواز پر آنکھیں کھولیں اور گردن گھما کر دیکھا۔

''جی امی۔''

''میں تمہیں یاد کروں گی۔'' وہ بولیں۔ آواز میں اداسی تھی۔

ادینہ اٹھ بیٹھی۔

''امی جان۔'' ان کے نزدیک ہوئی۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''میرا دل بے فکر ہے، بے غم ہے مگر ہوں تو ماں۔'' بیٹی کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی وہ جذباتی ہوئیں۔ اپنی بات مکمل نہ کر سکیں۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

آج کی رات ان کی ادینہ کے ساتھ گزرتی آخری رات تھی۔

کل اس کا نکاح اور رخصتی تھی۔

ادینہ کی چپ کی وجہ ان سے بے شک مخفی نہ تھی مگر وہ اسی خاموشی کے ساتھ اسے وداع نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ایک بار اسے دل سے سننا چاہتی تھیں۔ اس کے چہرے کو اپنی آنکھوں میں نقش کرنا چاہتی تھیں۔ اسے گلے لگا کر اس کی خوشبو اپنے اندر جذب کرنا چاہتی تھیں۔ اس کی پیشانی پر اپنی ممتا بھری محبت کی مہر ثبت کرنا چاہتی تھیں۔

''امی! آپ رو رہی ہیں۔'' ادینہ کے دل پر گرہ پڑی۔

''جانے کے بد پھر کب تم سے ملوں گی...... کچھ نہیں پتہ۔'' بیٹے کی سنگدلی نے اندر ہی اندر خائف کیا ہوا تھا۔

جواباً ادینہ کے پاس الفاظ تو نہ تھے البتہ آہستگی سے مزید ان کے قریب ہوئی۔ان کے گرد بانہیں پھیلا کر گھیرا بنایا۔بیٹی کی بانہوں کے حصار نے جذبات کو سیک دی۔

''تم خوش ہو ادینہ؟''لہجہ میں ممتا سمیٹ کر پوچھا۔

''میں مطمئن ہوں امی۔''

''میں آپ لوگوں کے لیے خوش رہوں گی۔''

''گزرے ہوئے کل کو آنے والے کل کے لیے آج رات ہی دفنا دینا۔''

''ایسا ممکن ہے؟''

''تمہیں ممکن بنانا ہوگا ادینہ۔''

''میں نے آپ سب کو بہت تکلیف دی ہے۔'' وہ رنجیدہ ہوئی۔

''درد کے جانے اور خوشیوں کے آنے کے لئے اللہ پاک کی مہربان ذات ہمیشہ کوئی نہ کوئی در وا کرتی ہے۔'' وہ تکلیف کا ذکر کرتے مایوسی کو اب ذہن ودل پر غالب نہیں آنے دینے چاہتی تھیں۔ادینہ بھی انکاری نہیں تھی۔

''میں ماہی کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔''دل سے کہا۔

''میرا دل ہر وقت اس کے لئے دعا گو رہتا ہے۔''

''امی!اگر مراد نہ بدلا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''اس نے کب سے دل میں دبے خوف کو زبان دی۔

''امی!مراد بے شک ساری عمر مجھ سے نفرت کرے لیکن ماہی اور بیٹیوں کے لیے اس کا دل موم ہو جائے۔انہیں ان کا حق دے، ماہی کو اس کا حق دے،عزت دے،خوشی دے،بیٹیوں کو پیار دے۔''وہ آس بھرے لہجے میں بولی۔ماں کے گرد بانہوں کا حصار کمزور پڑ گیا۔

''ان شاء اللہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔'' وہ پروثوق لہجے میں بولیں۔''ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔مایوسی کفر ہے۔میں ہر وقت دعا کرتی ہوں۔دعاؤں میں بہت طاقت ہوتی ہے۔مستجاب ہو جائیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔تم بھی دعا کرنا۔دل سے کی گئی دعائیں قبولیت کا شرف ضرور حاصل کرتی ہیں۔''

''میری ہر دعا میں ماہی شامل ہوگی۔'' وہ بولی۔

پچھتاوؤں کی زد سے نکلنے کے لیے پچھلے چھ ماہ سے وہ دعاؤں کا ہی تو سہارا لے رہی تھی۔کلثوم بیگم نے اسے اپنے نزدیک کیا۔

''اللہ پاک تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔''

وہ مسکرائی۔

''میں آپ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاؤں۔''اور توقف کے بعد کسی معصوم بچے کی طرح ان سے پوچھنے لگی۔آج یہ عمل کر کے وہ کسی بچے کی طرح ہی ہر فکر، ہر دکھ و درد سے کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی مگر چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔

بیٹی کے سوال ولب و لہجے نے انہیں آبدیدہ کیا۔اثبات میں سر ہلاتے بناء کچھ کہے اول تو اس کی پیشانی کو چوما پھر اس کے گود میں سر رکھ کر لیٹتے ہی محبت ونرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

وقت چپ چاپ بیتنے لگا۔

ایک بیٹی ماں کی آغوش میں ہر غم سے بے غم آنکھیں موندے لیٹی تھی اور ایک ماں پچھلی تمام باتیں اس لمحے بھلائے صرف وصرف اپنی اکلوتی بیٹی کے درد کو آنسوؤں میں بہاتے ہوئے اس کے لمس کو، اس کی خوشبو کو اپنے اندر قید کر رہی تھیں۔ یہ گھڑیاں معتبر تھیں۔ دونوں کا رشتہ معتبر تھا۔بال سہلاتی انگلیوں نے دماغ سے تھکاوٹ زدہ سوچوں کو غیر محسوس طریقے سے سکون بخش دیا تھا۔

رات بیت گئی تھی۔

سورج کی کرنیں خوش امیدی کو سنگ کیے ہر سو پھیل چکی تھیں۔آج ہواؤں میں بھی دبا دبا سا سرور تھا۔آج کا دن ان سب کے لئے خاص تھا۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد خاص وقت بھی آن پہنچا تھا۔خاندان کے تمام افراد کلثوم بیگم کے گھر موجود تھے۔نفیسہ بیگم اور پریشے بھی ایک دو گھنٹے بعد وہیں آ گئی تھیں۔

نکاح کی تقریب کا اہتمام گھر میں ہی رکھا گیا تھا۔وقار سعید اور سعید احمد کے ساتھ خاندان کے دیگر مرد حضرات بھی نماز ادا کرنے کے بعد مولوی صاحب کے ہمراہ آ گئے تھے۔ان کے آنے کے بعد رضا مندی سے تقریب کا آغاز ہوا۔نکاح کا فریضہ ادا کیا گیا۔سب نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ادینہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔سعید احمد نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔نفیسہ بیگم نے اس کے ماتھے پر محبت سے ہونٹ رکھے۔کوئی نوٹ اس کے سر پر وارے۔ ماہی اس کے ساتھ بیٹھی رہی۔کلثوم بیگم اپنی بہن شاہدہ بیگم کے ساتھ نم آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھیں۔مگر آج نمی کی وجہ کوئی دکھ یا پریشانی قطعاً نہیں تھی۔آج وہ بیٹی کی فکر سے آزاد ہو گئی تھیں۔دل سرشار تھا۔وہ خوش بھی تھیں اور مطمئن بھی۔

نکاح کے بعد کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

ایک ایک لمحہ آہستگی سے گزرتا جا رہا تھا۔

کھانے سے فراغت کے بعد رخصتی کی گھڑی آن پہنچی۔

ادینہ باری باری کلثوم بیگم اور مہ روش کے گلے ملی۔جھکی آنکھوں کے اندر پانی بے تابی سے بند توڑنے کی جدوجہد میں مگن تھا مگر

وہ کمال ضبط سے نمکین پانی کو قابو کیے ہوئے تھی۔ پانی کی کہانی محض جدائی ہوتی تو یقیناً وہ آنکھوں کو جلن سے بچانے کے لیے ہر بندہ توڑ کر بہت روانی سے اسے بہنے دیتی مگر وجہ محض جدائی ہرگز نہ تھی۔

ان دلگداز لمحات میں وقار اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ محبت، نیک تمناؤں اور دعاؤں کے سائے تلے ادینہ کو وقار سعید کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ رخصتی کے بعد باقی مہمانوں نے بھی باری باری اجازت چاہی۔

مہ روش بیٹیوں کو سلانے کے بعد پھوپھو کے پاس لاؤنج میں چلی آئی اور اس رات وہ بناء کچھ کہے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے گھنٹوں بیٹھی رہی۔ وہ بھی خاموش تھیں۔ وقت بھی خاموشی سے سرکتا رہا۔

☆......☆......☆

دو ہفتے بعد احسان شاہ کینیڈا واپس چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد گھر کے باقی تین مکینوں کی زندگی نئی روٹین کی ترتیب کو قبول کیے نئے انداز سے اپنے ڈگر پر آ گئی تھی۔

مستبشرہ جمال صبح اٹھتی، اماں اور بابا جان کے ساتھ ناشتہ کرتی۔ تینوں تھوڑی بہت گفتگو کرتے۔ ناشتے کے بعد وہ سکول جانے کے لیے تیار ہوتی۔ پھر ٹھیک آٹھ بجے سید جمال شاہ کے ساتھ سکول کے لیے نکلتی۔ سکول گھر کے قریب تھا۔ سو بابا جان کے ساتھ پیدل جانے کو ترجیح دیتی۔ دونوں کبھی باتوں میں اور کبھی خاموشی سے سکول تک کا سفر طے کرتی۔ واپسی پر بھی سید جمال شاہ اسے خون لینے جاتے۔ وہ دونوں گھر پہنچتے تو زہرہ شاہ ڈائننگ ٹیبل پر ان دونوں کی منتظر ہوتیں۔ ان دونوں کے آنے سے قبل ہی سب چیزیں تیار کر کے رکھ دیتیں۔ مستبشرہ پہلے انہیں پیار کرتی پھر فوراً ہی سب چیزیں تیار کر کے رکھ دیتیں۔ مستبشرہ پہلے انہیں پیار کرتی پھر فوراً کپڑے چینج کر کے آتی۔ تینوں مل کر کھانا کھاتے۔ کھانے کے بعد مستبشرہ اماں کے منع کرنے کے باوجود کچن سمیٹتی ساتھ ہی تین کپ چائے بناتی اور لاؤنج میں بیٹھ کر ان کے ساتھ چائے پیتی۔ دن بھر کی روداد ساتھ انہیں سناتی۔

شام کو وہ علی کی تلاش میں گھر سے ان دونوں کے ساتھ نکلتی۔

سنگ محض امید ہوتی......!

علی آیان حسن گیلانی کی تلاش حقیقتاً ایک معمہ تھی۔ جسے وہ حل تو کرنا چاہتے تھے مگر ان کے پاس کوئی کلیو نہیں تھا۔ نہ کوئی تصویر، نہ گھر کا پتہ نہ کوئی ٹیلی فون نمبر......کچھ بھی تو نہیں تھا۔

تھی تو بس امید......!

اسی امید کو انہوں نے یقین کا پیرہن دیا۔

ایک بار سید جمال شاہ نے یونیورسٹی سے اس کے گھر کا ایڈریس لینے کی صلاح مستبشرہ کو دی مگر وہ سہولت سے انکار کر گئی کہ اب وہ

جبراً اس کے سامنے جا کر اس کی زندگی میں شامل ہونے کے بجائے قسمت کو آزمانا چاہتی ہے۔اپنی محبت کی قسمت دیکھنا چاہتی ہے۔وہ قسمت جو اسے واپس اس شہر میں لائی ہے، وہی قسمت اس کی محبت کا نصیب بھی لکھے گی۔

اسے قسمت کے لکھے پر وثوق تھا۔

اور وہ وثوق محبت کی تسکین کے لیے کافی تھا۔

سید جمال شاہ اور زہرہ شاہ نے اس کے فیصلے کا احترام کیا۔بیٹی کی عزت انہیں ہر لحاظ سے عزیز تھی۔وہ بھی کبھی یہ گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ محبت کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے بیٹی کی روح گھائل ہو۔بیٹی کے لئے دکھ انہیں نامنظور تھا مگر اس کی آنکھوں سے آنسو چننے کی چاہ میں وہ اسے اس مقام پر بھی نہیں لے جانا چاہتے تھے جہاں کوئی شخص اس کی تذلیل کر کے اسے دھتکارے۔ماضی میں کیے گئے اس کے فعل کی اسے کوئی ایسی تلخ سفاک لفظی سزا سنائے کہ جس کی بازگشت عمر بھر کے لیے اس کی سماعتوں سے چپک کر اذیت کا باعث بنے۔ایسا وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے۔

بس قسمت کا لکھا ہر شام انہیں جس راہ پر ڈالتا، جس موڑ پر لے جاتا، بیٹی کے ساتھ متلاشی آنکھوں سے اس راہ کے مسافر بن جاتے۔یہ عمل ان کے لیے راحت بخش ہوتا جبکہ مستبشرہ جمال کے لیے ماں باپ کا ساتھ ہونا ہی وہ بے مثال جیت تھی جو ہڈیوں کے گودے میں سرائیت کرتی تھکاوٹ تک کو بھلا دیتی ہے۔ماں باپ کی رضامندی کے بغیر تو وہ یہاں کبھی آتی ہی نہ......اب جب وہ ساتھ تھے تو راہ میں بکھرتے کانٹے بھی پوروں سے چننا آسان تھا۔

دن اور رات، اندھیرے سے اجالے اور اجالے سے تاریکی اور پھر روشنی کا کھیل کھیلتے، ایک دوسرے کے تعاقب میں ہلکان ہوئے جا رہے تھے مگر ان کے لیے تھکان اور ہار ماننا بے معنی تھی۔رکنا ان کے لیے محال تھا۔

ایک ہفتے بعد مشارب شاہ بھی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد اسلام آباد واپس آیا۔آفس کل سے جوائن کرنا تھا لہٰذا سامان اپنے اپارٹمنٹ میں رکھنے کے بعد شام کو پھوپھو کی طرف چلا آیا۔سب سے ملنے کے بعد وہ پھوپھو کے ساتھ بیٹھا۔جبکہ مستبشرہ توقف بعد ڈنر کی تیاری کرنے کچن میں چلی گئی۔

''امی، چچی جان اور باقی سب بھی سلام دعا کہہ رہے تھے۔'' وہ پھوپھو کو بتانے لگا۔

''وعلیکم السلام......سب ٹھیک ہے نا وہاں؟''

''جی الحمدللہ سب ٹھیک ہیں۔'' وہ بتانے لگا۔پھوپھا جان کے ساتھ بھی باتیں کرتا رہا۔

مستبشرہ نے کھانا تیار کرنے کے بعد ڈائننگ ٹیبل سیٹ کی۔ان سب کو بلایا۔کافی دیر وہ فلک سے متعلق اس سے بات کرتی رہی۔مشارب نے بھی فلک کے بھیجے گئے تمام محبت بھرے پیغام مستبشرہ تک پہنچائے۔

''بیٹا! تم یہیں ہمارے ساتھ ہی رہو۔'' کھانے کے بعد دوران پھوپھو نے اس سے کہا۔

''بالکل...... ہمارے ہوتے ہوئے الگ اپارٹمنٹ میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' سید جمال شاہ نے بھی بیگم کی بات آگے بڑھائی۔

وہ ان کی محبت پر مسکرایا۔

''آپ کی محبت اور خلوص میرے لیے سب سے اہم ہے۔ میں یہاں آتا جاتا رہوں گا۔'' پھر سہولت سے منع کرتے ہوئے بولا۔

''روزانہ آنا۔'' وہ محبت و مان سے بولیں۔

''جی پھوپھو۔''

کھانے سے فراغت کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے اجازت لی۔ مستبشرہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔

''مستبشرہ۔''

''ہوں۔''

''تھینک یو۔''

''کس لیے؟''

''فلک کو سمجھنے کے لیے...... محبت کو سمجھنے کے لیے۔''

وہ حیران ہوئی۔ سوالیہ اسے دیکھا۔

''اس کی محبت محض محبت نہیں تھی۔ اگر تم اسے نہ سمجھتی، مجھے قائل نہ کرتی تو وہ جذبات میں آ کر یقیناً کوئی غلط قدم اٹھاتی، خود کو نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔'' وہ بتانے لگا۔

''اور اب......؟''

''اس کی محبت خوبصورت ہے۔ ہماری زندگی مکمل ہے۔'' اس کا لہجہ خاص ہوا۔

''یہی محبت کا حسن بھی ہے مشارب...... اپنا آپ نظر انداز کر کے کسی کے جذبات سمجھنا، کسی اور محبت کو دوام بخشنا در حقیقت محبت کو امر کرتا ہے اور جہاں اپنی محبت کو مقابل کی محبت کے لیے تیاگ دیا جائے وہاں زندگی کبھی محبت سے خالی نہیں ہو سکتی۔''

''بے شک! محبت میں سحر ہے اور اب فلک میری ساحرہ...... میری منزل، میری زندگی۔ میں اپنے فیصلے پر خوش ہوں، مطمئن ہوں۔ فلک کے بغیر شاید میں نہ ہوتا۔'' وہ مکمل صداقت سے بولا۔

یہ اعتراف فلک شاہ سے محبت کا گواہ تھا۔

یہ اعتراف لازم تھا۔محبت کے احترام میں گواہی لازم تھی۔

مستبشرہ جمال ان دونوں کے لیے خوش تھی۔

''اور تم مستبشرہ......؟''

''میں......؟''

''تمہاری محبت؟''

''منزل کی تلاش میں ہے۔''

''منزل دکھائی دی؟''

''ابھی تو راستہ بھی اوجھل ہے۔''

''پھر......؟''

''انتظار!''

''انتظار......؟''

''مناسب وقت کا۔''

''انتظار کارگر ثابت ہوگا؟''

''نہیں معلوم......جلد بازی بھی نہیں کرنا چاہتی۔''

''میری مدد چاہیے؟''

''نہیں۔''نفی میں سر ہلایا۔

''انتظار طویل ہو تو انسان تھک جاتا ہے۔''

''محبت نہیں تھکتی۔''اسے محبت پر یقین تھا۔

''میری بیسٹ وشز ہیں۔تمہاری محبت بغیر تھکے منزل تک پہنچے۔''

وہ جواباً محض مسکرائی۔

مشارب اجازت لے کر چلا گیا۔

محبت ہر بار کی طرح......نئے سرے سے......مستبشرہ جمال کو اپنے حصار میں لینے لگی۔

☆......☆......☆

کئی دنوں بعد وہ شرمندہ شرمندہ سی معطر فاطمہ کے سامنے بیٹھی تھی۔

''آئی ایم سوری معطر۔''

''اِٹس اوکے۔''

واس دن افریشم گیلانی کی باتوں اور رویے سے بہت ہرٹ تو ہوئی تھی۔ کتنے ہی دن افسردگی و بے چینی کی نذر ہوئے مگر اس وقت ندامت سے لبریز اس کی آنکھیں اور اترا چہرہ دیکھ کر چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے بات رفع دفع کرنی چاہی۔

''میں جانتی ہوں......آپ ناراض ہیں۔''

''نہیں۔ میں ناراض نہیں ہوں۔''

''میری باتوں سے آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی۔''

''ایسا نہیں ہے۔''

''میں شرمندہ ہوں۔''

''افریشم پلیز۔'' معطر بات کو طول نہیں دینا چاہ رہی تھی۔ مزید بولی۔

''ہم اچھے دوست ہیں۔ اس دن جو باتیں ہوئیں انہیں رہیں رہنے دیتے ہیں۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ آپ شرمندہ نہ ہوں۔''

''پتہ نہیں اس وقت مجھے کیا ہوگیا تھا حالانکہ میں صرف علی کے لئے آئی تھی۔ میں علی کے لیے مستبشرہ کو جاننا، اس تک پہنچنا چاہتی تھی۔'' وہ بولی۔

''اتنے سالوں بعد بھی......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں......علی اس کے بنا ادھورہ ہے ہمیشہ ادھورہ رہے گا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے علی کے دل و جذبات کی اصل عکاسی کی۔

معطر فاطمہ نے بے یقینی سے بھوئیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ معطر کی حیرت بھانپ گئی تھی۔

معطر کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ، ساڑھے سات سال پہلے والے علی آیان حسن گیلانی کا چہرہ منعکس ہوا۔ جو دیوانہ بنا، محبت سے لبریز دل لیے مستبشرہ جمال کا تعاقب کرتا۔ جو مستبشرہ جمال کا گرویدہ تھا۔ جس کے جذبات میں سچائی تھی، خلوص کی آمیزش شامل تھی۔ جس کی آنکھوں میں صرف و صرف مستبشرہ جمال کا عکس ہوتا۔ جس کی اول و آخر بات مستبشرہ سے محبت تک ہوتی۔ جس کے لیے محبت اور زندگی مستبشرہ جمال کی ذات تھی۔

''علی، مستبشرہ کو کبھی بھول ہی نہیں سکا۔'' افریشم بتانے لگی۔

معطر چپ چاپ اسے سننے لگی۔

"سات سال پر محیط ایک طویل عرصہ...... علی نے مستبشرہ کو اپنے آپ میں زندہ رکھا۔ محبت میں نارسائی کے باوجود وہ مستبشرہ کی یادوں کے سامنے بے بس رہا۔ محبت نے اسے ہمیشہ بے بس کیا اور وہ بے بس ہوتا رہا۔ اس شہر سے فرار بھی اسے مستبشرہ کی ذات سے متنفر نہیں کر سکی۔ اس کی محبت کو روگ تو ملا مگر وہ زحبت کبھی کم نہیں ہوئی۔ بے لوث محبت کو جڑ سے اکھاڑ کر فنا نہیں کیا جا سکتا۔ علی نے تو خزاں آلود موسم میں بھی اپنی تمام تر چاہتوں سے محبت کی آبیاری کی۔ اپنی محبت کو مرجھانے نہیں دیا۔ مستبشرہ کو کبھی ماضی نہیں بننے دیا...... صرف ایک محبت کی وجہ سے اس نے خود کو بہت اذیت دی ہے معطر۔ مستبشرہ سے دل و روح کا رشتہ نبھانے کے لیے اس نے اپنے ماں باپ کو سات سال ہجر کی آگ میں جلنے دیا۔ خود بھی جلتا رہتا۔ محبت نے علی کو کرب و روگ کے سوا کچھ نہ دیا مگر مستبشرہ اس کے لیے پھر بھی وہ حسین اور مکمل خواب رہی جسے وہ جاگتی آنکھوں سے بھی دیکھنا چاہتا تھا۔" افریشم کی آواز میں سوز تھا۔

ماحول دلگداز ہوا۔

افریشم نے اسے علی کی پاکستان واپسی کی وجہ بتائی۔ تمام نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ تمام ذہنی و قلبی مشکلات کا ذکر کیا۔ معطر خاموشی سے سنتی رہی۔

"واپس آنے سے پہلے علی نے خود سے عہد کیا۔ سات قیمتی سال ضائع ہونے کا افسوس کیا۔ میں نے اسے اپنے ساتھ کا مکمل یقین دلایا۔ اس نے سنبھلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مستبشرہ کی محبت کو تمام یادوں سمیت بھولنے کی کوشش کی۔ مجھے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کروائی مگر اتنے سال اس کے ساتھ رہنے اور اسے جاننے کے بعد میں اس کے اندر جھانک سکتی ہوں...... وہ بے شک کو بھلانا چاہتا ہے مگر آج تک اس کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کا عزم کامیاب نہیں ہوا۔ اس کا ہر ارادہ دھرے کا دھرہ رہ جاتا ہے۔ مستبشرہ کے خلاف کوئی سوچ ایسی نہیں جو متزلزل نہ ہوئی ہو۔ وہ ہر بار میرے سامنے اپنے آپ کی نفی کرتا ہے۔ مستبشرہ کی ذات کی لفظی نفی کرتا ہے مگر یہ صرف خود کو دھوکا دینے کا ایک طریقہ ہے۔ مستبشرہ کا نام اور احساس ہی اس کے لیے جسم میں روح کی سی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آج یہ سب باتیں آپ سے نہ کر رہی ہوتی لیکن علی کی مستبشر سے محبت مجھے آپ تک لائی ہے۔"

افریشم نے بتاتے ہوئے معطر کو دیکھا۔

جہاں اس کو اداسی کے ساتھ شرمندگی کے آثار ملے۔ وہ تذبذب کا شکار بھی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں نادم ہوں۔ مستبشرہ کی طرف سے آپ سے، علی سے معافی چاہتی ہوں۔"

لیکن محض افسوس اور معافی کے علاوہ اس کے پاس کوئی الفاظ نہ تھے۔

"آپ کیوں نادم ہو رہی ہیں...... اور مستبشرہ کی طرف سے معافی بھی مت مانگیں۔ محض معافی علی کے نقصان کا مداوا نہیں کر سکتی۔"

''کاش میرے پاس ازالے کی کوئی راہ ہوتی۔''

''کاش۔''افریشم نے سرد آہ بھری۔

''میں حقیقتاً نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے علی ڈسٹرب ہو۔''

''وہ تو سالوں سے ڈسٹرب ہی ہے۔''آزردگی سے بولی۔

''میں اسی لیے آپ کے سامنے مستبشرہ کا نام نہیں لینا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ دونوں کی زندگی اور رشتے میں اب دراڑ پڑے۔''وہ بتانے لگی۔

اور تمام باتیں سننے، علی کے درد و اذیت بھری زندگی کا احوال جاننے کے بعد اس لمحے معطر فاطمہ کو مستبشرہ کے محبت بھرے ناٹک کی اصل وجہ و حقیقت بتانا ضروری نہیں لگی تھی کہ اب اتنے سالوں بعد جب علی اپنے آپ میں سنبھلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ حقیقت جاننے کے بعد مزید دکھ اٹھانے یا اس کے دل میں مستبشرہ کے حصول کی خواہش جنم لے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بھی اسے محض ناکامی ہی ملتی۔ خود مستبشرہ کے متعلق وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی تھی۔

''خیر...... دراڑ نہ سہی مگر ہماری زندگی اور رشتے میں مستبشرہ کہیں نہ کہیں ہمیشہ باقی رہے گی۔''افریشم حقیقت سے نظریں چرانے والوں سے کبھی نہ تھی۔ یہ کڑوی سچائی بھی وہ نہیں جھٹلانا چاہتی تھی۔

معطر نے چپ رہنا مناسب سمجھا۔

افریشم نے ایک بار پھر اپنے سابقہ رویے پر اس سے معذرت کی اور گھر واپس آ گئی۔

کئی دن گزر گئے۔

علی آیان اور معطر فاطمہ سے اس نے دوبارہ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ نہ انہوں نے ضروری سمجھا۔ آفس میں میٹنگز کے دوران تینوں کی ملاقات ہوتی رہتی۔ سب کچھ نارمل ہوتا۔ وقت کی گردش جاری تھی۔ ایسے میں ساجدہ گیلانی نے ان کی شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن گیلانی، سرمد گیلانی، عالیہ گیلانی اور عافیہ گیلانی سے مشاورت کے بعد ان دونوں کی رائے بھی لی۔ ان دونوں نے بناء کسی اعتراض کے ان کی خواہش کا احترام کیا۔ یوں گھر میں دونوں کی شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔

افریشم نے ایک ملاقات میں معطر کو بھی شادی کے متعلق بتایا۔

معطر نے مبارکباد اور نیک خواہشات کے ساتھ خوشی کا اظہار کیا کہ حقیقتاً وہ علی آیان حسن گیلانی کے لیے خوش ہوئی تھی۔ اسے افریشم گیلانی کے ساتھ خوش دیکھنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

لاہور کو خیر باد کہتے وقت وہ اداس ہوئی نہ اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔

وقار اور ادینہ انہیں ائیر پورٹ چھوڑنے آئے تھے۔ کل وہ خود سب سے مل کر آئی تھی۔ اس نے ادینہ کو بغور دیکھا۔ ادینہ کے چہرے پر آسودگی تھی۔

وقار مسکراتے چہرے کے ساتھ ادینہ کے برابر کھڑا تھا۔

مہ روش کو وہ دونوں ایک ساتھ پرسکون سے، خوش، اچھے لگے۔ کلثوم بیگم کا دل بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ جانے سے پہلے بیٹی کے چہرے کو اداسی و فکر سے آزاد دیکھ کر بے غم ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں ان سے ملے، بچیوں کو پیار کیا اور چلے گئے۔

سفر بخیر تمام ہوا۔

مراد منصور انہیں لینے آیا ہوا تھا مگر بغیر کسی خاص تاثر کے...... بالکل چپ......کلثوم بیگم کو سلام کیا اور بیگ اٹھائے ان کے آگے چلنے لگا۔ سامان گاڑی میں رکھنے کے بعد البتہ نایاب اور اریبہ کو اس نے گاڑی میں بٹھایا تھا۔ شانزے، مہ روش کی گود میں تھی۔ اسے دیکھنے سے بھی اجتناب کیا۔ گھر تک کا سفر خاموشی سے کٹ گیا۔ گھر کے اندر بھی خاموشی برقرار تھی۔ مراد نے مختصراً ماں کو ہی مخاطب کرتے ہوئے گھر کے متعلق بتایا۔ کچھ حصے دکھائے بھی۔ کچن میں بھی لے کر گیا۔ ضرورت کے تمام سامان کے علاوہ بچیوں کے کھانے پینے کی چیزیں بھی شیلف پر رکھی ہوئی تھیں جنہیں وہ صبح ہی لے کر آیا تھا۔ کھلونے بھی تھے۔

''یہاں سارا سامان پڑا ہے۔ آپ اپنی ترتیب سے رکھ لیجئے گا۔ اور نایاب اور شانزے کو اگر کچھ چاہیے تو میں نے ان کے لیے بھی چوکلیٹس، بسکٹس اور چپس لائے ہیں۔ آپ انہیں دے دیں۔'' اپنے لیے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

کلثوم بیگم نے اثبات میں سر ہلایا اور دل ہی دل میں شدید خواہش جاگی کہ وہ بہن کے متعلق ان سے پوچھے مگر نہیں...... وہ یوں خاموش تھا کہ جیسے ایک لفظ بھی زبان سے مزید ادا کیا تو کوئی گناہ ہو جائے گا۔ اس نے لاہور سے متعلق ایک بات نہیں کی تھی۔ گھر تک کا نہیں پوچھا۔ کسی رشتے دار تک کا ذکر نہیں کیا۔ پانی پینے کے بعد گلاس واپس رکھتے ہوئے کچن سے باہر نکل گیا۔ وہ بھی پوتیوں کے لیے چوکلیٹس اور چپس لیے باہر آ گئیں۔ دونوں ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں کو چیزیں دیں۔ وہ مشغول ہو گئیں۔

مہ روش، شانزے کو وہیں ان کے پاس بٹھا کر اٹھی۔ پہلے بیڈ روم ڈھونڈا پھر اپنا سامان کمرے میں لے کر گئی۔ پھر پھوپھو کا سامان ان کے کمرے میں رکھا۔ اس دوران مراد منصور اسے نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ کچن میں آئی۔ کافی سامان پڑا تھا مگر تھکاوٹ کے باوجود کام نہیں چالنا چاہتی تھی۔ اپنی ترتیب اور سہولت کے مطابق تمام چیزیں ترتیب سے رکھیں۔ جب کچن سے فارغ ہو کر باہر آئی تو شام ہو چکی تھی۔

''امی...... آج کچھ مت بنائیے گا۔ میں ہوٹل سے کھانا لے کر آتا ہوں۔'' لاؤنج میں آتے ہی اس کی سماعتوں سے مراد منصور کی

آواز ٹکرائی جواب باہر کی جانب بڑھ چکا تھا۔

اسی کی طرح وہ اسے نظر انداز کرتی صوبے پر بیٹھ گئی۔

کچھ خوش گمانی دل میں پال کر اپنے لیے آئی نہ تھی کہ رنج کرتی......نہ دل میں اتنی سکت تھی کہ نظر میں آنے کے لیے جتن کرتی۔وہ دل گزر گیا۔کئی دن گزر گئے۔

البتہ گھر کی فضا میں بکھری خاموشی ارتعاش کا شکار ہو چکی تھی۔

نایاب اور اریبہ کی باتیں، چھوٹے چھوٹے قہقہے گھر میں زندگی کے ہونے کا پتہ دینے لگے۔شانزے بھی اپنی بولی میں سارا سارا دن لگی رہتی۔ایک مہینے بعد سکول میں نئے داخلے شروع ہوئے۔مراد نے بڑی دونوں بیٹیوں کا ایڈمشن کروا دیا۔سکول، آفس اور گھر کے درمیان تھا۔خود ہی انہیں پک اینڈ ڈراپ کرتا کہ فی الحال وین کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔اریبہ اپنی فطرت و عادت کے باعث مراد منصور سے گھلنا ملنا چاہتی۔اس کے قریب جاتی۔

قریب آنے پر مراد اسے اپنے پاس بٹھا لیتا مگر صرف بٹھاتا......باقی ہونٹ جامد اور آنکھیں جیسے ساکت ہی ہوتیں۔البتہ نایاب کے اندر جھجک رچ بس گئی تھی۔وہ دور سے ہی اسے دیکھتی......اور کبھی وہاں سے ہٹ جاتی......وہ پہلے کی طرح ہی تھی۔ڈری سہمی سی......الجھی ہوئی......چپ چاپ سی!

اور یہی بات مہ روش کو رفتہ رفتہ پریشان کرنے لگی۔

وہ ہرٹ ہوئی۔

جس مقصد کے لیے وہ یہاں آئی تھی وہ کہیں سے بھی پورا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ اندر ہی اندر الجھنے لگی۔

متنفر ہونے لگی۔

ایک تالا وہ آتے وقت گھر کے آہنی دروازے پر لگا کر آئی تھی۔وہ ضروری تھا مگر یہاں آنے کے بعد اسے شدت غم نے مایوسی سے ملوایا۔ویسے ہی ایک تالا مراد منصور کے ہونٹوں پر لگا پہلے صرف دیکھا تھا مگر اب اس کی طاقت اور مضبوطی کا اندازہ ہوا تھا۔اس کے ہونٹوں پر لگا چپ کا تالا اس قدر مضبوط تھا کہ اسے توڑا نہیں جا سکتا۔اور اس قدر زنگ آلود بھی ہو گیا تھا کہ اسے کھولا نہیں جا سکتا تھا۔

یہی احساس اسے کمزور کر گیا۔

کئی سوالیہ نشان آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے۔وہ انہیں گھورنے لگی۔

''کیا سمجھتا ہے یہ شخص خود کو؟''

''اپنے آپ میں کل......'' نخوت سے جواب دیتے ہوئے سر جھٹکا۔

''مگر ہے کیا......؟'' زہر آلود لہجے میں اگلا سوال کیا۔

''سفاک......''

''بے حس......''

''سنگدل......''

''انا پرست......''

جو جھکنا نہیں چاہتا۔

چار زندگیاں برباد کرنے کے بعد بھی خو شرمسار نہیں۔ جسے اپنی زیادتیوں کا رتی برابر بھی احساس نہیں۔ جو صرف زخم دینا جانتا ہے۔ مرہم رکھنا اس کی فطرت میں شامل ہے ہی نہیں۔ اسے کوئی ملال نہیں۔ کسی کی پرواہ نہیں۔

وہ اندر ہی اندر کڑھنے لگی۔

لاہور میں جس نے اسے نفرت کی آگ میں ایک ایک دن جلا لیا۔ دکھ، درد، اذیت اور آنسو دیئے۔ کڑوی باتوں کے تلخ، سفاک اور طنزیہ نشتر چلائے۔ دل زخمی، روح گھائل کی۔ محبت، عزت اور اعتبار کو پاؤں تلے کچلا۔ اسے ذہنی وجسمانی ماردی اور اس گناہ کی پاداش میں جو اس سے سرزد بھی نہیں ہوا اور جس کی وجہ سے دی تھی وہ بھی قصوروار نہیں تھا...... جو قصوروار تھی......اس سے کتنی آسانی کے ساتھ تعلق توڑ دیا......اور اب یہاں بلانے کے بعد......ایک اور آزمائش......ایک اور سزا اس کے لیے تیار تھی۔ پہلے سے بالکل مختلف......نئی طرز کی سزا۔

گھمبیر خاموشی......!

گھمبیر سزا......!

بے تاثر سپاٹ چہرہ......!

شرمندگی سے عاری آنکھیں......!

وہ مکمل طور پر ٹوٹ گئی۔

تھک گئی۔

اپنی انا کو اس نے کبھی قدر سے اونچا نہیں ہونے دیا تھا مگر اب اسی شخص کے سامنے گڑگڑانا بھی اسے گوارہ نہیں تھا۔ بیٹیوں کے حق کا مطالبہ اس شخص کے سامنے کیسے کرتی۔ یہ معاملہ اللہ پاک کی عدالت کے لیے اٹھا رکھ چھوڑا......اور موٹا دھاگا لے کر کھردری سوئی سے اپنے ہونٹ بھی ہمیشہ کے لیے سی لیے۔

دل کو بھی پرو دیا۔

منتشر سوچوں کے گرد بھی گرہ لگا دی۔

یہ عمل تکلیف دہ تھا۔ بے بسی کی پرسوز تصویر تھا مگر بے بسی اسے ڈھٹائی پر مجبور کر گئی۔ اس نے درد کو مزید درد نہ جانا بلکہ اس حد تک خود کو وہاں لے گئی جہاں درد کو محسوس کیا ہی نہ جا سکتا ہو۔ جہاں درد معنی یہ نہ رکھتا ہو۔ اپنی سوچوں کو اس نے بیٹیوں تک ہی محدود کر لیا۔ البتہ محض ایک بار...... اسلام آباد میں گزارے اپنی زندگی کے شاندار، خوشگوار سالوں کو یاد کیا۔ چار بہترین سال...... تین بہترین دوستیں...... ایک مکمل مگر ادھوری کہانی...... یادوں میں محو ہونے کے بجائے اس نے ایک اداس سانس خارج کر کے ماضی کی کتاب کو یادداشت کے سب سے اونچے ریک پر رکھ دیا کہ موجودہ ذہنی بے سکونی و تقریباً آٹھ سال تھکن گزرے حسین لمحات اسے لینے جانے کی متحمل نہ رہی تھی۔

پانچ ماہ مزید گزر گئے۔

اور ان گزرے پانچ ماہ میں بے دردی سے سیئے گئے ہونٹوں پر موٹا دھاگہ سختی سے پیوست ہو گیا تھا جبکہ سوچوں کے گرد گرہ حد درجہ مضبوط ہو گئی تھی۔

مراد منصور نے کبھی ضروری کام کے علاوہ اسے مخاطب نہیں کیا۔ ہر وقت خاموش اور سنجیدہ رہتا۔ کلثوم بیگم بھی اس کے رویے کو لے کر مضطرب رہتیں۔ مہ روش کے سامنے کبھی تسلی کے دو بول زبان پر نہ آتے مگر ہر دعا میں اس کا نام لازمی ہو گیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی خوشیوں کی دعا کرتیں۔ بیٹے کے رویے میں بدلاؤ اور دل میں نرمی و وسعت کے لیے دعا کرتیں۔ اپنی دعاؤں کے مستجاب ہونے کی دعا کرتیں۔ دعاؤں کا اثر اتنا ہوا تھا کہ نایاب کی ساتویں سالگرہ تھی۔ وہ اس کے لیے کیک لے کر آیا۔ کلثوم بیگم خوش ہوئیں مگر مہ روش کے لیے یہ اتنی بڑی بات ثابت نہ ہو سکی۔ محض کیک لا کر کیا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ حق ادا کرنے یا محبت کے اظہار کی...... سات سالہ محرومیوں کی بھرپائی محض کیک نہیں کر سکتا۔

وہ مزید الجھ گئی۔ بیقرار بھی ہوئی۔

اس سے اگلے ہی دن...... اور پھر ہر دن......

مراد منصور فاصلے بڑھانے لگا۔

فاصلے دونوں طرف سے بڑھنے لگے۔

وقت نے دھیان دیئے بغیر گزرنا مناسب سمجھا اور زندگی اس قدر الجھ چکی تھی کہ فاصلے سمیٹنا اس کے بس کے باہر کی بات تھی۔

چپ سادھے بیتنے لگی۔

البتہ وہ اور کلثوم بیگم کبھی کبھار لاہور کال کرتیں۔ وہاں سب خوش تھے۔ ادینہ کی زندگی حقیقتاً بدل گئی تھی۔ وقار نے اسے عزت،

محبت، مان سمان دیا۔ سعید احمد، نفیسہ بیگم اور پریشے نے اسے کھلے دل سے نہ صرف اپنایا بلکہ محبت بھی دی۔ کسی نے اس کے ماضی کو کبھی زبان تک لانے اور کچھ بھی غلط کہنے کے متعلق سوچا تک نہ تھا۔ سب نے اسے حال میں رہنے اور زندگی کو بھرپور طریقے سے جینے کے لیے اعتماد دیا۔ اس نے اعتماد سمیٹا بھی۔ زندگی اس پر قسمت کی مہربانیاں لیے سہل ہوگئی تھی۔

اور اس دوران اس کی ذات بھی مکمل ہوگئی تھی۔

شادی کے محض تین ماہ بعد اس خوشی نے دستک دی تھی جس سے وہ بالکل ناامید تھی۔ جس کی آہٹ کا انتظار کرنا اس نے سالوں پہلے چھوڑ دیا تھا اور جس سے ناامیدی مات ثابت ہوئی تھی۔ ایک ایسی کمی جس نے ہر رنگ کو بے رنگ کیا۔ ادھورا پن دیا مگر اب وہ مکمل ہوگئی تھی۔

وہ امید سے تھی۔

اس کی آزمائش ختم ہوگئی تھی۔ سزا تمام ہو چکی تھی۔

قسمت مہربان ہوگئی تھی۔

خوشیاں جھنڈ کی صورت ارد گرد منڈلانے لگیں۔ اسے اپنا آپ معتبر لگنے لگا۔ وقار سمیت سب سرشار تھے۔ مہ روش نے اس کی خوشی کو دل سے محسوس کیا تھا۔ کلثوم بیگم اول تو بے یقین ہوئیں پھر اللہ پاک کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کئے۔ ماں تھیں...... بیٹی کا سکھ ہر صورت عزیز تھا۔ بیٹی کی زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہو گیا تھا۔ محرومی ختم ہوگئی تھی۔ وہ جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا۔ یہ خوشگوار خبر انہوں نے مراد کو بھی سنائی مگر اسے سننے کے بعد کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اسے باقی کسی کی خوشی سے بھی جیسے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ کلثوم بیگم دل مسوس کر رہ گئیں جبکہ مہ روش اس سے مزید بدظن ہوگئی تھی۔ پہلی بار اسے مراد منصور پر شدید غصہ بھی آیا تھا مگر غصہ اندر ہی دبا کر نفرت بڑھا دی اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ مزید متنفر ہوتی گئی۔ بیٹیوں سے ہنوز لاتعلقی برقرار رکھنا اسے مراد سے متنفر کر رہا تھا......شدید متنفر......!

جبکہ مراد منصور بالکل غافل ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

موسم بے حد خوشگوار تھا۔

نیلا آسمان، سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا متواتر چل رہی تھی۔ شام تک بارش بھی متوقع تھی۔

معطر فاطمہ نے آفس سے نکلتے وقت موسم کی خوشگواریت کو آنکھیں موند کر اپنے اندر جذب کرنا چاہا۔ بادلوں کے سنگ ہوائیں اسے شروع سے پسند تھیں۔ ٹھنڈی، معطر ہوائیں، پرسکون ہوائیں...... جو سانسوں کے ذریعے اندر داخل ہو کر سارا غبار باہر نکال کر کہیں دور، بہت دور لے جا کر پھینک دیں۔ جو تازگی و شائستگی کا احساس دلائیں۔ جو اجلی ہوں......اس نے موسم کی خوشگواریت سے فائدہ اٹھایا۔

گھر جانے کے بجائے وہ شایان کے ساتھ مارکیٹ آ گئی۔ اسے ماہم کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں جو اس نے جلد ہی مطلوبہ شاپ سے لے لیں۔ اسی دوران شایان نے بھی اپنے لیے شرٹس دیکھنی شروع کر دیں۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی انتظار کرنے لگی جبھی اس کا موبائل اپنے مخصوص آواز میں بجا۔ اس نے موبائل چیک کیا جہاں افریشم کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ شایان کو بتا کر کال سننے شاپ سے باہر آ گئی۔ کال ریسیو کی۔ سلام دعا کے فوراً بعد افریشم نے اسے کال کی اصل وجہ بتائی۔ اس کی اور علی آیان حسن گیلانی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی۔ ٹھیک ایک ماہ بعد دونوں کی شادی تھی۔ معطر نے خوشی کا اظہار کیا۔ کھلے دل سے مبارک باد دی۔ پھر مزید باتیں کرنے کے بعد کال ڈسکنیکٹ کی۔ واپس پلٹ کر شاپ کے اندر جانے لگی تو معاً ایک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

مانوس آواز......!

اسے شک گزرا۔ اس کے قدم رک گئے۔

"اسفند...... یہ دیکھو۔"

وہ آواز دوبارہ کان میں گونجی۔

آواز سو فیصد مانوس تھی۔

اس نے شک کو پرے کیا۔

"یہ شرٹ کیسی ہے؟" ایک بار پھر اسے آواز سنائی دی۔

شک پر یقین حاوی ہو گیا۔

یہ آواز وہ کبھی بھولی ہی نہیں تھی۔

یقین نے سماعتوں کو گلنار کر دیا۔

"عامر...... آپ اپنے لیے بھی کچھ دیکھیں نا۔" آواز نے ایک بار پھر فضا میں جلترنگ سے بکھیرے۔

"درعدن۔"

اس بار اس کے ہونٹوں نے محبت سے مانوس آواز کی مالک کا نام لیا۔

پلٹ کر آواز کے تعاقب میں نگاہیں دوڑائیں۔

اگلے لمحے آنکھیں روشن ہو گئیں۔

مسکراہٹ چہرے پر احاطہ کر گئی۔

مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

سالوں بعد......عزیز دوست......خوابوں سے نکل کر......حقیقت کا روپ دھارے...... بینائی کو انمول خوشی دے گئی تھی۔ چند قدموں کے فاصلے پر درعدن کھڑی تھی۔ ہاتھ میں شرٹ پکڑے اسفند نامی لڑکے کو دکھائی۔ عام کے ساتھ کھڑی۔

عدن۔''

آنکھوں نے اس خوبصورت منظر اور چہرہ کو حفظ کر لیا تو لبوں نے پلٹنے کی جسارت کی۔ محبت سے اس کا نام پکارا۔ اپنے نام کی میٹھی بازگشت نے درعدن کو بھی اول تو چونکایا۔ اس نے آواز کی سمت دیکھا مگر اگلے پل اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ اس کی آنکھیں بھی بے یقین ہوئیں......جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ دن کے اجالے میں......مگر نہیں یہ خواب نہیں تھا۔

حقیقت تھی۔

خوشگوار حقیقت۔

دلکش، دلنشین حقیقت۔

''معطر۔''

شرٹ وہیں اسفند کو دیتی وہ مسکراتی چمکتی آنکھوں سمیت آگے بڑھی۔ معطر نے بھی قدم آگے بڑھائے۔ دونوں قریب آئیں۔ ایک لمحہ ضائع کیے بناء گلے لگیں۔ بانہوں کا گھیرا اس قدر مضبوط کیا جیسے کوئی کھوئی ہوئی بہت قیمتی شے مل گئی ہو۔ جسے خود سے الگ کرنے کا اب تصور بھی محال ہو۔ یہ پل قیمتی متاع سے قطعاً کم نہ تھے۔ محض ایک اتفاق دو دوستوں کو انبساط و جذبات کے بارش میں بھگونے لگا۔ مضبوط گرفت میں دونوں کے دل دھڑکنوں کے شور سے محظوظ ہو رہے تھے۔ بناء کچھ بولے وہ بس ایک دوسرے کو محسوس کر رہی تھیں۔ عامر ذہن پر زور دینے اور عدن کے منہ سے معطر کا نام سننے کے بعد اسے پہچان گیا تھا۔ معطر کے نام سے اس کے دونوں بیٹے اسفند اور اسجد بھی واقف تھے۔ وہ اپنی باتوں میں ہمیشہ اپنی دوستوں کا ذکر کرتی تھی مگر پھر بھی یہ گرمجوشی اور محبت کا بے دھڑک انداز ان کے لیے نیا تھا۔

شایان بخاری بھی شرٹس کی پے منٹ کے بعد معطر کے لیے متلاشی نگاہیں دوڑاتا جب وہاں پہنچا تو سامنے کا منظر دیکھ کر متعجب زدہ سارہ گیا۔

وہ دونوں ہنوز گلے ملے ہوئی تھیں۔

''معطر۔'' توقف بعد شایان نے ان کی محویت توڑنی چاہی۔

وہ دونوں الگ ہوئیں۔ معطر نے شایان کو دیکھا اور درعدن کی طرف اشارہ کیا۔ ''شایان یہ عدن......میری دوست۔'' آواز میں بے پناہ خوشی تھی۔

شایان حیرت کے باوجود مسکرایا۔

''السلام علیکم۔'' عدن نے فوراً سنبھل کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔''

''عامر......'' عدن نے عامر کو بلایا۔ وہ بچوں سمیت آگے آیا۔

''یہ میرے شوہر عامر...... میرا بیٹا اسفند اور یہ اسجد۔'' عدن نے ان تینوں کا تعارف کروایا۔

معطر نے عامر کو سلام کیا اور بچوں کو پیار کرنے لگی جبکہ عامر اور شایان بغلگیر ہوئے۔

''کتنے پیارے بچے ہیں ماشاءاللہ۔''

''کیسی ہو معطر؟'' عدن نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں...... تمہیں دیکھ کر خوش ہوں۔ بہت خوش۔''

''مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ ہم اتنے سالوں بعد مل رہے ہیں۔''

''مجھے بھی...... میں یقین کرنے کے لیے پھر سے تمہیں گلے لگانا چاہتی ہوں۔'' عدن نے ایک بار پھر اسے گلے لگایا۔ دونوں کے چہرے دمکنے رہے تھے۔

''میں نے تمہیں بہت یاد کیا...... ماہی اور مستبشرہ کو بھی۔'' عدن بتانے لگی۔

''میں بھی تم سب کو کبھی بھول نہیں سکی۔''

''کتنے خوبصورت دن تھے وہ۔''

''یادگار دن۔''

''اَمر دن۔''

''انمول دن۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''بیتے دن۔'' عدن کا لہجہ مدھم ہوا۔

''تمہارا کسی سے رابطہ نہیں۔''

''نہیں...... کراچی جانے کے بعد تم سے اور ماہی سے چاہتے ہوئے بھی رابطہ نہیں کر سکی۔''

''اور مستبشرہ کا نمبر تو کسی کے پاس تھا ہی نہیں۔''

''معطر! تم نے بھی کبھی کال نہیں کی۔''

''اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔''

''میں تو تم سب کے نمبرز یہیں بھول گئی تھی۔ اب واپس آئی ہوں۔''

''اب یہیں رہو گی؟''

''ہاں ان شاء اللہ...... یہاں سب تھے۔ بھائی کی شادی بھی یہیں ہوئی۔ امی ابو کے بعد چچا جان کی فیملی اور بھائی ہی تھا۔ میرا دل یہیں رہنے کو چاہتا۔ عامر سے کہتی رہتی کہ یہاں شفٹ ہو جاتے ہیں تو میری خاطر وہ یہاں میرے ساتھ آ گئے۔'' وہ تفصیلاً بولی۔ ''کل بچوں کے ایڈمیشن کے لیے سکول جاؤں گی۔'' پھر بتایا۔

''سکول ڈیسائیڈ کر لیا؟''

''ہاں ہمارے گھر کے قریب ہی ہے۔'' اس نے بتایا پھر معطر سے پوچھنے لگی۔

''تمہارے بچے کہاں ہیں؟''

''میری ایک ہی بیٹی ماہم......اس وقت گھر میں ہے۔''

ان دونوں کی باتیں جاری تھیں۔ شاپ میں لوگ آ جا رہے تھے۔ شایان نے معطر کو کہیں بیٹھ کر باتیں کرنے کا کہا۔ دونوں قریب ہی بنے کافی ہاؤس میں آ گئیں۔ شایان، عامر تک رکا۔ عامر نے کچھ دیر پہلے لی گئی شرٹس کی پے منٹ کی اور پھر وہ بھی وہیں آ گئے۔ عامر اور شایان کی بھی اچھی علیک سلیک ہو گئی تھی۔

معطر اور عدن اپنی باتوں میں مشغول تھیں۔ کافی وقت گزر گیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے نمبرز نوٹ کیے۔ ایک دوسرے کو اپنا ایڈریس دیا۔ معطر نے کل شام ہی اسے گھر آنے کے لئے دعوت دی۔ ڈنر کا فائنل کیا۔ دونوں کا اجازت لینے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ طویل ملاقات اور گفتگو انہیں بہت مختصر لگی تھی مگر اس وقت رخصت لینا ضروری تھا۔

''میں تمہارا انتظار کروں گی عدن۔ کل جلدی آنا اور مجھے آنے سے پہلے کال بھی کرنا۔'' ملنے کے بعد معطر نے محبت و تحکم بھرے انداز میں کہا۔

''ضرور۔'' وہ مسکرائی۔

ایک خوبصورت ملاقات اختتام پذیر ہوئی۔

شایان بخاری اور معطر فاطمہ چلے گئے تھے۔ وہ بھی گھر آ گئے۔

''آج تو مجھے خوشی سے نیند ہی نہیں آ رہی۔ معطر کا چہرہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹ ہی نہیں رہا۔ دل ابھی سے بے چین ہے۔

کل پھر اس سے ملوں گی۔ انتظار کتنا مشکل ہوتا ہے اور......'' بچوں کو سلانے کے بعد درعدن جاگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر قبل ساس کے کمرے میں بھی گئی تھی۔ انہیں بھی معطر سے اچانک بلکہ غیر متوقع ملاقات کی روداد سنائی تھی۔

''اور کچھ نہیں......سو جاؤ'' عامر کو البتہ نیند آ رہی تھی۔

''آج میں بہت خوش ہوں عامر۔'' اس کے لہجے میں کھنک تھی۔

''میں بھی تمہیں خوش دیکھ کر خوش ہوں۔'' اس نے اعتراف کیا کہ وہ درعدن کی خوشی کا اندازہ بخوبی کر سکتا تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک اس کی آدھی باتوں میں تین دوستوں کا ذکر ضرور ہوتا تھا۔

''لیکن ابھی سو جاؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ صبح سکول بھی جانا ہے۔'' البتہ اسے سونے کی تاکید کی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' اور لیٹ گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد پر سکون نینداس پر مہربان ہو گئی تھی۔

اگلی صبح بھی حسین تھی۔

کل ملنے والی خوشی کی رمق اس کے چہرے پر اب تک باقی تھی۔ ناشتے سے پہلے ایک محبت بھرا میسج لکھ کر اسے بھیجا۔ گڈ مارننگ لکھ کر بھیجا۔ جواباً توقف بعد ہی اس نے جوابی محبت کے گلدستے بھیجے۔ اگلے میسج میں شام کو ملاقات کے لیے انتظار کی بے تابی بیان کی۔ اسے یوں یاد دہانی کروائی کہ جیسے یاد نہ دلانے کی صورت میں وہ بھول جائے گی۔ عدن کے لبوں پر مستقل مسکراہٹ سج گئی تھی۔

ناشتے کے بعد اس نے بچوں کو تیار کیا۔ خود تیار ہوئی۔ عامر نے بچوں کے تمام ڈاکومنٹس فائل میں رکھے۔ چاروں گاڑی میں بیٹھے اور سکول کی طرف روانہ ہوئے۔ سکول میں نئے داخلے ہوئے کئی ماہ گزر چکے تھے جبکہ وہ اسلام آباد میں تقریباً بیس دن پہلے آئے تھے۔ اس سکول سے پہلے عامر نے ایک دو سکول اور دیکھے مگر وہاں جگہ خالی نہیں تھی۔ کلاسز بچوں سے بھری تھیں۔ ایک دوست کے ذریعے اسے اس سکول کا پتہ چلا۔ یہ سکول گھر کے نزدیک بھی پڑتا تھا سو کل سکول والوں کو کال کی۔ اپنا مسئلہ بتایا کہ بچے دوسرے شہر سے سکول چھوڑ کر آئے ہیں۔ اول تو سکول کلرک ٹال مٹول سے کام لیتا رہا پھر کسی سے پوچھ کر انہیں آج آنے کو کہا۔

اور اب وہ سکول میں تھے۔

''انہیں پرنسپل کے آفس میں لے جاؤ۔'' ایک ٹیچر نے ان کا مدعا سننے کے بعد پیون کو کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''آپ آئیں میرے ساتھ۔'' انہیں کہتے ہوئے خود آگے بڑھ گیا۔

وہ اس کی پیروی میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ آفس کے باہر تھے۔ انہیں وہیں کھڑا کر کے پیون اندر گیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد باہر آیا اور ان کے لیے دروازہ کھولا۔

''اندر آجائیں۔''

وہ اندر داخل ہوئے۔ پیون دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

پرنسپل کا سر کسی فائل پر جھکا ہوا تھا۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھیں۔

''السلام علیکم۔'' عامر نے سلام میں پہل کرتے ہوئے پرنسپل کو متوجہ کرنا چاہا۔

''وعلیکم السلام۔'' پرنسپل نے سنجیدگی سے سلام کا جواب دیا۔

سر اوپر اٹھایا۔

مگر اگلے ہی پل......!

پرنسپل کی آنکھوں میں بے یقینی سمٹ آئی۔ گلاسز کے پیچھے آنکھیں اپنے سامنے کھڑے نفوس کو دیکھ کر حیرت سے پھیل گئی تھیں مگر یہ حیرت...... بے یقینی و خوشگواریت سے بھرپور تھیں۔ اس خوشگوار حیرت نے گویا وقت کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ وقت ٹھہر گیا۔ مقابل کھڑے نفوس کی آنکھیں بھی ششدر رہ گئی تھیں۔

یہ محض اتفاق تھا۔

حسین اتفاق......!

حسین ترین اتفاق......!

حیرانی، یقین کا پیرہن اگلے ہی لمحے اوڑھ گئی۔ دونوں چہرے ایک دوسرے کے لیے مانوس تھے۔ دونوں چہرے ایک دوسرے کو لاکھوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتے تھے۔ ایک چہرے پر چھائی سنجیدگی و مسکراہٹ غالب آ گئی۔ دوسرے چہرے پر مسکراہٹ پہلے سے زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

''مستبشرہ!''

محبت سے نام پکارا گیا۔

''عدن۔''

پرنسپل کی سیٹ چھوڑ کر مستبشرہ جمال اس کے قریب آئی۔

اس شکل و نام سے عامر بھی واقف تھا۔ واقفیت کا احساس خوبصورت تھا اور اس سے زیادہ خوبصورت وہ منظر تھا جو اگلے ہی پل اس نے دیکھا تھا۔ بالکل کل والے منظر سے مشابہت رکھتا ایک مکمل منظر......دو بچھڑی دوستوں کو ملاتا دلکش منظر......دوستی کے خلوص کا بھید کھولتا منظر......دھنک رنگوں سے رنگا رنگین منظر......دو دوستوں کی محبت کو خاص بناتا ایک خاص منظر......ایک مکمل انمول منظر......!

''مستبشرہ۔''

حیرت و بے یقینی ختم ہوگئی۔ وہ تب تک اس کو گلے سے لگائے کھڑی رہی جب تک کہ دل کو تسکین نہیں ملی تھی اور اب نظریں اس کے چہرے کا طواف کرتی چمک رہی تھیں۔ خوشی دونوں کے لیے بیان سے باہر تھیں۔

''کیسی ہو عدن؟''

''اس وقت بہت زیادہ خوش......سب سے زیادہ خوش ہوں۔'' وہ مسرور تھی۔

عامر خاموش کھڑا تھا جبکہ اسجد اور اسفند آنکھیں پھیلائے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''تم کیسی ہو مستبشرہ؟''

''میں ٹھیک ہوں......تمہیں دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں بھی بہت خوش ہوں۔''

''تم یہاں کیسے؟''

عدن نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ جاننا چاہا۔

''یہ تمہارا سکول ہے؟''

''ہاں......نہیں......میں یہاں صرف جاب کرتی ہوں۔ سکول کے پرنسپل عمرے کی ادائیگی کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ جانے سے پہلے مجھے یہ ذمے داری سونپ کر گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

پرنسپل اول دن سے اس سے متاثر تھے۔ اس کی قابلیت، محنت اور چھ سالہ تجربے سے۔ اس لیے اپنے سکول کی کئی سینئیر ز ٹیچرز کو چھوڑ کر انہوں نے اپنی سیٹ اور ذمے داری نبھانے کے لیے مستبشرہ جمال کا انتخاب کیا تھا اور جسے اب وہ مکمل دیانت داری سے نبھا رہی تھی۔

''تم یہیں اسلام آباد میں رہتی ہو؟'' وہ حیران ہوئی۔ سوال پوچھا کہ اگر وہ یہیں رہتی ہے تو پھر وہ معطر سے کبھی کیوں نہیں ملی۔

''میں یہاں سات ماہ پہلے آئی ہوں۔'' اس نے بتایا۔ ساتھ ہی نظر آفس میں موجود باقی افراد پر پڑی تو ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

عدن نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ عامر کو تو وہ پہچان گئی تھی۔

''مستبشرہ......یہ عامر ہیں۔'' عدن نے پھر بھی بتایا۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''الحمدللہ ٹھیک ہوں۔''

''آپ بیٹھیں پلیز۔'' مستبشرہ نے اخلاق کا تقاضا نبھایا۔ اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ شکریہ ادا کرتا کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ میرے بیٹے......اسفند اور اسجد۔'' عدن نے بیٹوں کا تعارف کروایا۔

مستبشرہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔ باری باری دونوں کو پیار کیا۔ اپنے ساتھ بھینچے رکھا۔ پھر انہیں چیئرز پر بٹھایا۔ عدن کو بھی اشارہ کیا۔

''تم بھی بیٹھو عدن۔'' اسے کہا۔ خود بھی کرسی سنبھالی۔

عدن خوشی سے بے قابو ہوتے دل کو بمشکل قابو کرتی اپنی نشست سنبھالنے لگی۔ یکے بعد دیگرے دو اتفاق اسے ہواؤں میں رقصاں کرانے میں مشغول ہو گئے تھے۔

''تم یہاں کیسے؟''

''ہم اس ماہ کراچی سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ آج بچوں کے ایڈمیشن کے سلسلے میں یہاں آنا ہوا۔'' وہ بتانے لگی۔

''ایڈمیشن کی فکر مت کرو وہ یہاں ہو جائے گا۔'' مستبشرہ نے اسے بے فکر کیا۔ ساتھ ہی پیون کو بلا کر چائے کے لیے کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد چائے ان کے سامنے تھی۔ چائے پینے کے بعد عامر نے ان دونوں کو اکیلے چھوڑنا مناسب سمجھا۔ عدن کو کہہ کر بچوں سمیت گاڑی میں بیٹھنے چلا گیا۔

''تم یہاں معطر سے کیوں نہیں ملی مستبشرہ؟'' عدن نے چائے کا سپ لینے کے بعد کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''معطر سے......؟'' وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

''یار چھوڑ و رہنے دو......ابھی نہ بتاؤ۔'' اسی وقت عدن نے اسے منع کر دیا۔ وہ سوالیہ اسے دیکھنے لگی۔ عدن نے اسے کل اتفاقاً معطر سے ہونے والی ملاقات کا احوال بتایا جسے سننے کے بعد مستبشرہ کی خوشی بھی دیدنی تھی۔

''معطر بہت خوش ہو گی تمہارے بارے میں جان کر......ہم اتنے سالوں بعد ملی ہیں۔ ایک دوسرے کی زندگی اور گزرے آٹھ سالوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ کتنا مزہ آئے گا اگر ہم ایک ساتھ بیٹھ کر ایک دوسرے کے بارے میں جانیں۔'' عدن نے ذہن میں کوندتے خیال کو زبان دی۔ مستبشرہ کو بھی اس کا خیال اچھا لگا۔ مکمل تائید کی۔

''ہم ماہی کا نمبر بھی ڈھونڈتے ہیں، مشکل ہو گی لیکن امید ہے مجھے یا معطر کو اس کا نمبر مل جائے گا۔'' عدن نے مہ روش کو بھی یاد کیا۔

''لیکن وہ تو لاہور میں ہو گی۔''

''لاہور میں ہونا اصل مسئلہ نہیں۔ ہم ویڈیو کال کر لیں گے اسے۔ بس اللہ کرے اس کا نمبر مل جائے۔'' عدن کے پاس دوری کو نزدیکی میں بدلنے کا حل تھا۔

''ہاں یہ بھی ہے۔''

''ٹھہرو......تمہاری معطر سے بات کرواتی ہوں۔'' عدن نے اگلے لمحے یہ خوشگوار پل اور خوشی معطر کے ساتھ بانٹنی چاہی۔ اپنے

موبائل سے معطر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ مستبشرہ کو عدن کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ، خوشی اور جوش وخروش ماضی میں لے گیا تھا۔ جہاں وہ چاروں یونہی ایک ساتھ ہنستی مسکراتیں ...... زندگی کو جیتی تھیں۔ اس کا ذہن ماضی میں پرواز کر رہا تھا جبکہ سماعتوں سے عدن کی آواز ٹکرا رہی تھی جو بڑے ڈرامائی انداز میں معطر فاطمہ سے پہیلیاں بجھوانے کے بعد اب اسے مستبشرہ کے متعلق بتا رہی تھی۔ دوسری جانب یقیناً معطر حیران ہوئی تھی۔ عدن نے اسے مکمل یقین دلانے کے بعد موبائل مستبشرہ کی طرف بڑھایا اور دلچسپی سے مستبشرہ کو دیکھنے لگی۔ عدن نے دونوں کو ایک دوسرے کے ماضی کے متعلق سوال جواب سے منع کر دیا تھا لہٰذا وہ صرف اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ حسین اتفاق پر شکر کا اظہار کر رہی تھیں۔ معطر نے ڈنر کے لیے اسے بھی انوائٹ کیا۔ مستبشرہ نے دعوت قبول کی۔ کچھ دیر بعد کال بند ہوئی تو مستبشرہ نے موبائل اسے واپس دیا۔ عدن نے اسی وقت اس سے موبائل نمبر لے کر اپنے موبائل میں سیو کیا۔ ساتھ ہی ہنسی۔

''نمبر ضروری ہیں کہیں تم پھر نہ مدتوں کے لیے غائب ہو جاؤ۔''

''اب ایسا نہیں ہوگا۔''

پھر دونوں ساتھ مسکرائیں۔

''اچھا اب میں جاؤں۔ شام کو ملیں گے۔'' عدن نے اجازت لینی چاہی۔

''اتنی جلدی......؟''

''میں چاہتی ہوں آج ہی ماہی کا نمبر ڈھونڈ لوں۔ مجھ سے انتظار نہیں ہوگا اب۔'' وہ بولی۔ لب ولہجے میں بے تابی واضح تھی۔

''نمبر مل تو جائے گا نا؟'' مستبشرہ نے اصرار نہ کیا۔

''امید تو ہے۔ میری ڈائری میں تھے نمبر۔ کراچی جانے سے پہلے اپنی ڈائریز اور ڈاکومنٹس نوٹس وغیرہ سنبھال کر ایک جگہ رکھ دیے تھے۔ شاید چچا جان کے گھر کے سٹور میں بیگ رکھا ہوا ہو۔'' اس نے یاد کر کے بتایا۔

مستبشرہ بھی پر امید ہوئی۔ عدن نے اجازت لی۔ مستبشرہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

''عدن ...... عامر بھائی سے کہنا ایڈمیشن فارم فل کر کے لے آئیں باقی میں خود دیکھ لوں گی۔'' اسے کہا۔ ساتھ ہی اسے گلے لگایا۔

عدن نے بھی بانہوں کا محبت بھرا حصار اس کے گرد بنایا۔

''آج کا دن میں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' مستبشرہ نے وثوق سے کہا۔

''آج کے بعد ہر دن ایسا ہی خوبصورت ہوگا۔'' عدن کو بھی کامل یقین تھا۔

''ان شاء اللہ۔''

''اور ہاں ایک اور بات......'' عدن پلٹتے پلٹتے رکی۔

''کیا......؟''

''گلاسز میں بہت پیاری لگتی ہو۔''نوٹ تو وہ پہلے ہی کر چکی تھی البتہ اب ستائشی الفاظ میں بولی۔

مستبشرہ مسکرائی۔

عدن بے شمار خوشیاں سمیٹ کر گھر چلی آئی۔قسمت کی اتفاقیہ،خوشگوار اور مسرتوں سے بھری حیرت انگیزیوں نے اسے پنکھ لگا دیئے تھے۔عامر نے اسے ہمیشہ خوش دیکھا تھا مگر آج جو خوشی اس کے چہرے کی شادابی کا سبب بنی تھی ویسی عامر نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔نہ آنکھوں کی چمک ماند ہونے کا نام لے رہی تھی نہ متبسم لب سمٹنے کا ارادہ کر رہے تھے۔اسفند اور اسجد کے لیے بھی ماں کا روپ نیا نہ سہی مگر خاص تھا۔

گھر آنے کے بعد اس نے چچا جان کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔بیل جاتی رہی مگر کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔اس نے لگا تار چار پانچ بار ٹرائی کیا۔ناکامی ہوئی۔پھر اپنے بھائی کو کال کی۔اس نے کال ریسیو کی۔عدن نے اپنا مسئلہ بتایا کہ چچا جان کے گھر کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا۔جواباً معلوم ہوا کہ چچا جان اپنی فیملی سمیت کل شام مری گئے تھے۔آج شام تک واپس آجائیں گے۔اس کی خوشی پل بھر کو تھمی۔دل بھی انتظار کے خیال سے افسردہ ہوا لیکن انتظار کے سوا کوئی دوسرا حل نہیں تھا۔سو کال بند کی۔شام کو معطر کی طرف بھی جانا تھا۔

کئی گھنٹے بے صبری سے گزارے۔

عصر کے بعد چچا جان کے موبائل پر کال کی۔انہوں نے بتایا کہ انہیں آتے آتے دیر ہو جائے گی۔

''چچا جان۔جس وقت بھی آپ گھر آئیں مجھے فوراً بتائیے گا۔مجھے اپنی ڈائری چاہیے۔''اس نے انہیں کہا پھر کال بند کر دی۔

ایک دو گھنٹے مزید گزرے۔

چچا جان کی طرف سے کوئی کال نہیں آئی۔موبائل تمام وقت اپنے پاس ہی وہ رکھے ہوئے تھی۔شام کے قریب معطر نے اسے کال کی۔جلدی آنے کو کہا۔وہ تیار ہونے لگی۔بچوں کو کپڑے بھی نکال دیئے تھے۔عامر کو چینج کرنے کا کہہ دیا تھا۔ساس امی کو بھی کہا مگر ان کی ٹانگوں میں درد رہتا تھا سو انہوں نے منع کر دیا۔گھر سے نکلتے وقت اس نے مستبشرہ کو بھی کال کی مگر جب اس کے منہ سے نہ آنے کا سنا تو ایک دم ناراض ہوئی۔

''کیوں مستبشرہ......اچانک کیا ہو گیا؟''

''عدن،امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔آج وہ سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچی ہیں۔ان کی ٹانگ میں بہت زیادہ تکلیف ہے۔''

اس نے وجہ بتائی۔

صبح عدن سے ملاقات کے بعد وہ بہت خوش تھی۔گھر آ کر اماں اور بابا جان کو بھی بتایا۔وہ دونوں بھی سن کر خوش ہوئے لیکن شام

ہوتے ہی جب وہ معطر کی طرف جانے کی تیاری کر رہی تھی تب اچانک اماں کی درد بھری آواز سنائی دی۔ وہ ان کی طرف بھاگ کر گئی۔ وہ سیڑھیوں کے قریب بیٹھی تھیں۔ گرنے سے بچنے کے باوجود ٹانگ سے درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ بابا جان بھی اس وقت گھر میں نہیں تھے۔ وہ اماں کو سہارا دے کر کمرے تک لائی۔ انہیں بیڈ پر بٹھایا۔ دوائی دی لیکن درد زیادہ تھا۔ اسی وقت مستبشرہ نے اپنا فیصلہ بدلا۔ اماں نے اسے جانے کے لیے کہا مگر وہ اماں کی حالت کے پیش نظر ارادہ بدل چکی تھی۔ اتنا تو جانتی تھی کہ اس کی دوستیں اس کی مجبوری سمجھ کر برا نہیں مانیں گی۔

''اوہ......اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟''

''فی الحال ٹھیک نہیں ہیں۔''

''میں آجاؤں تمہارے۔ کچھ چاہیے تو بھی بتاؤ۔''

''نہیں عدن۔ میں دیکھ لوں گی۔ بابا جان بھی بس آنے والے ہوں گے۔ تم معطر کے پاس جاؤ۔ انجوائے کرو۔ میں اسے بھی کال کر کے معذرت کرتی ہوں۔ ان شاء اللہ بہت جلد تم دونوں سے ملتی ہوں۔''

مستبشرہ کے کہنے کے بعد اس نے کال بند کی۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ تاریکی ہولے ہولے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ وہ معطر کے گھر موجود تھی۔ مستبشرہ معطر کو کال کر کے تب تک معذرت کر چکی تھی۔ معطر نے برا منائے بغیر اس کی معذرت قبول کی البتہ عدن کا اس نے پرتپاک استقبال کیا۔ ڈنر سے پہلے اور ڈنر کے بعد جتنا وقت وہ ساتھ رہیں......محبت واپنائیت کی فضا قائم رہی۔ طے شدہ فیصلے کا دونوں نے احترام کیا۔ گزرے آٹھ سالوں پر دونوں نے گفت وشنید سے احتیاط برتی۔ عدن نے ماہم کو خوب سارا پیار کیا۔ پھر بچے آپس میں کھیلتے رہے۔ شایان او عامر میں بھی دوستی کی فضا قائم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ایک خوبصورت، شاندار دعوت اور ملاقات ومحفل چچا جان کی کال آنے کے بعد برخاست ہوئی۔

''میرے میسج کا انتظار کرنا معطر......اگر آج مجھے نمبر مل گیا تو میں آج ہی ماہی سے بات کروں گی۔ تمہیں اور مستبشرہ کو بتاؤں گی۔ کتنا مزہ آئے گا۔'' گاڑی میں بیٹھنے سے قبل معطر سے ملنے کے بعد وہ بولی۔ چہرہ ہنوز تمتما رہا تھا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' اسے بھی خوبصورت انتظار منظور تھا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد وہ سیدھا چچا جان کے گھر آئی۔ ان سے ملنے کے بعد عامر اور بچوں کو لاؤنج میں چھوڑے چچا زاد بہن امبر کو لے کر سٹور روم میں گئی۔ وہاں مطلوبہ بیگ کی تلاش شروع کی۔ تلاش کا دورانیہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا تھا۔ سٹور روم میں زیادہ سامان نہیں تھا اور تھا وہ بھی تقریباً ترتیب سے ہی رکھا تھا۔ اس وقت وہ دل سے چچی جان کے سلیقے کی قائل ہوئی تھی۔ امبر کے سامنے ان کی ستائش کرتی بیگ ملتے ہی اس کو کھولنے لگی۔ بیگ کے اوپر بھی گرد کی تہیں نہیں تھیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ چند دن پہلے سٹور روم

کی صفائی کروائی گئی تھی۔ وہ بے حد متاثر ہوئی۔ بہر حال جلدی سے بیگ کھولا۔ ابتداء میں کئی نوٹس اور ڈاکومنٹس ہاتھ آئے جسے اس نے سرسری نظر ڈالنے کے بعد سائیڈ پر رکھا۔ پھر کچھ گریٹنگز کارڈ ملے جن سے اس کی کئی سہانی یادیں وابستہ تھیں۔ جو اسے دوستوں نے دیئے تھے مگر اس وقت ان یادوں میں کھونے اور خوش ہونے سے زیادہ ڈائری کا ملنا زیادہ ضروری تھا۔ گریٹنگز کارڈ بھی نوٹس کے اوپر رکھے۔ امبر دلچسپی سے اس کی بے تابی اور جلد بازی کو دیکھ رہی تھی۔ توقف بعد ہی اس کی بے تابی کو بریک لگا۔ جلد بازی دیدنی خوشی میں تبدیلی ہوئی۔ مطلوبہ ڈائری اس کے ہاتھ میں تھی۔ ڈائری کو مسکراتی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کھول کر چیک کیا۔ نمبر اندرونی صفحات میں موجود تھا۔ اس نے ڈائری گود میں رکھی۔ پھر باقی تمام نوٹس، ڈاکومنٹس اور گریٹنگز کارڈ بیگ میں رکھنے کے بعد بیگ بند کیا اور سابقہ جگہ پر واپس رکھا۔ امبر کے ساتھ لاؤنج میں واپس آئی۔ چچی جان کا شکریہ ادا کیا۔ عامر نے اسے چلنے کو کہا کہ دونوں بیٹوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس نے سب کو اللہ حافظ کہا اور پھر خوشی خوشی گھر واپس آئی۔ راستے میں عامر کو اپنی اس خوشی کے متعلق بھی بتا چکی تھی۔

''یہ شہر تمہارے لیے لکی ہے یا تم اپنی دوستوں کے لیے لکی ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''یہ شہر، میں، ہم چاروں اور ہماری دوستی ...... سب کچھ۔'' اس کا دل آسودہ تھا۔ ایک ادا سے جواب دیا۔

گھر آتے ہی بچوں کو عامر کے ساتھ سونے بھیجا اور خود کمرے میں آ کر ڈائری کھولی۔ موبائل پر نمبر کاپی کیا اور پھر تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر ڈائل کر کے موبائل کان سے لگایا۔ بیل جا رہی تھی۔ تیسری ہی بیل پر دوسری جانب سے کال ریسیو کی گئی۔ سلام کیا گیا۔ عدن نے سلام کا جواب دیتے ہوئے حال احوال پوچھا۔

''میں کون ہیں؟'' حال بتانے کے بعد سوال پوچھا گیا۔

''میں درعدن بات کر رہی ہوں۔ مہ روش کی دوست ہوں اور آپ؟''

''میں ادینہ ہوں ماہی کی بھابھی۔'' بتایا گیا۔

''مطلب پھر آپ میری بھی بھابھی ہوئیں۔''

''جی۔'' ادینہ مسکرائی۔

''بھابھی! مجھے ماہی سے بات کرنی ہے۔''

''لیکن ماہی تو یہاں نہیں ہے۔''

''جی میں جانتی ہوں۔ اس کی شادی ہو گئی تھی۔ دراصل مجھے اس کا نمبر چاہیے۔''

''میں آپ کو اس کا نمبر دے دیتی ہوں۔''

''جی بھابھی ...... ویسے وہ آپ کے گھر کے قریب ہی رہتی ہے؟''

نمبر نوٹ کرنے کے بعد ادینہ سے استفسار کیا کہ ایک دم فون بند کرنا بھی مناسب نہیں لگا تھا۔

''پہلے رہتی تھی لیکن اب وہ لاہور میں نہیں ہے۔'' ادینہ نے بتایا۔

''مطلب؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وہ اسلام آباد شفٹ ہو گئے ہیں۔''

''کیا......'' حیرت، شدید حیرت میں بدلی۔

''کب؟'' ساتھ ہی پوچھا۔ حیرت کی اوٹ میں چھپی خوشی نے جیسے سر اٹھایا۔

''یہی کوئی پانچ چھ ماہ پہلے۔'' ادینہ نے بتایا۔

''واقعی......؟'' حیرت، بے یقینی وانبساط کے ملگجے تاثرات کو سمیٹ کر پوچھا۔ دل تو جیسے عجیب مسحور کن لے پر دھڑکنے لگا تھا۔

یہ خبر لاکھوں کروڑوں کی تھی۔

''جی......واقعی۔'' ادینہ نے تصدیق کر دی۔

بے یقینی اگلے پل دم توڑ گئی۔

اوپر نیچے دو اتفاق کے بعد یہ تیسرا اتفاق بھی ممکن تھا۔ یہ حقیقتاً اس کی لک تھی۔ ان کی دوستی کی قسمت تھی جو چار مختلف راستوں کو ایک خوبصورت موڑ پر لے آئی تھی۔ اس کا دل چاہا اپنی جگہ سے اٹھ کر اچھلے کودے۔ اپنی خوشی کا بھرپور اظہار کرے مگر فی الفور خود پر قابو پایا۔ ادینہ کا شکریہ ادا کیا اور کال بند کی۔ وہ خواہش جو اسلام آباد آنے سے قبل وہ دل میں دبا کر آئی تھی وہ خواہش اپنی اس قدر خوبصورت تکمیل پر نازاں ہو گئی۔ کتنی ہی دیر وہ خوشی کے خوبصورت و مکمل احساس کو محسوس کرتی رہی۔ مسکراتی رہی۔ آنکھوں نے تو لمحوں میں وہ منظر بھی کشید دیا تھا جہاں وہ اپنی تینوں دوستوں کے ساتھ ایک بار پھر موجود تھی۔ جہاں چاروں دوستیں ایک دوسرے کے لیے اپنی محبت اور بے تابی کو بیان کر رہی تھیں۔ گزرے آٹھ سالوں کے حسین دنوں کو زبان دے رہی تھیں۔ جہاں دوستی کا رشتہ باقی تمام رشتوں سے خاص، ان چاروں کے دلوں کو بے حد قریب لے آیا تھا۔

اس کا دل جھوم رہا تھا۔

اس نے مہ روش کا نمبر ڈائل کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔ سماعتیں مہ روش کی آواز سننے کے لیے بے چین تھیں۔ بیل جا رہی تھی۔ سرور بڑھ رہا تھا۔ ایک ایک سیکنڈ فرط جذبات کو بڑھا رہا تھا۔ کال پک کر لی گئی تھی۔

''ہیلو......'' دوسری جانب سے آواز ابھری تھی۔

عدن کی سماعتوں کو قرار مل گیا۔

''ہیلو......'' مہ روش خاموشی پر پھر سے بولی۔

عدن نے آنکھیں بند کر کے آواز کی گونج اپنے اندر محسوس کی۔

''ہیلو......''

''ماہی۔''

عدن نے چپ توڑی۔ محبت وعقیدت سے اس کا نام پکارا۔

اس بار دوسری جانب خاموشی تھی۔

حیرت میں ڈوبی خاموشی......!

سماعتوں کی بے یقینی پر سوال اٹھاتی خاموشی......!

آواز مانوس تھی، نا لینے کا انداز مانوس تھا۔

وقت کے گرم تھپیڑوں نے، یادداشت کو متاثر بالکل نہیں کیا تھا۔ وہ بالکل بھی نہیں بولی تھی۔ بس خاموش رہ کر یقین کر رہی تھی۔

''ماہی...... میں عدن۔'' درعدن کو اس کی بے یقینی کا اندازہ ہوا۔

''عدن!'' خوشگواریت سے بھرپور آواز میں اس کا نام پکارا۔

''تمہاری دوست۔'' چاہت بھرے انداز میں یقین دلایا۔

''میری دوست۔'' اس کے لہجے میں زمانے بھر کی شگفتگی در آئی۔

موبائل میں آواز کی ترسیل کے ساتھ محبت واپنائیت کی بھی ترسیل ہوئی۔

''یقین نہیں آ رہا؟''

عدن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ معر اور مستبشرہ سے غیر متوقع مگر اتفاقیہ ملاقات کے بعد درعدن اب کسی بھی بات پر یقین کر سکتی تھی۔ انہونی کے ہو جانے سے اس کی عقل اب بھی شاید دنگ نہ ہوئی بلکہ انہونی ہی کے ہونے سے تو اس کی عقل قائل ہو گئی تھی۔

''یقین آ رہا ہے عدن...... تمہاری آواز نے میرے لیے بے یقینی کی وجہ نہیں چھوڑی۔'' وہ اعتماد سے بولی کہ اس کی آواز تپتی دھوپ میں ٹھنڈی ہوا اور خزاں آلود زندگی میں بہار کا پر کیف جھونکا ثابت ہوئی تھی۔

''شاید میں بھی اپنے جذبات کو الفاظ نہیں دے سکتی۔'' اس کی کیفیت بھی مختلف نہ تھی۔

''اچھا بتاؤ...... تم ٹھیک ہو؟''

''ٹھیک ہوں...... اور تم؟''

''میرا تو ہواؤں میں اڑنے کو دل چاہ رہا ہے۔'' وہ گنگنائی۔

''پہلے بات تو کر لو۔''

''میں تو تمہیں گلے لگانا چاہتی ہوں۔''

''کہاں ہو تم؟'' ماہی نے سرعت سے پوچھا کہ یکدم عدن سے ملنے کی خواہش دل میں جاگی۔

''اسلام آباد میں۔''

''میں بھی اسلام آباد میں ہوں۔''

''جانتی ہوں۔''

''ملتے ہیں نا پھر۔''

''چاروں ساتھ ملتے ہیں۔''

''چاروں......''

''ہاں تم، میں، معطر اور مستبشرہ۔''

''لیکن وہ دونوں......'' بات ادھوری چھوڑی۔

''میں دونوں سے مل چکی ہوں۔'' مطلع کیا۔

''کب؟'' حیرانگی لازم تھی۔

عدن نے مختصراً اسے دونوں سے ملاقات کا احوال بتایا۔

''واؤ......کتنی لکھی ہو تم۔'' آواز میں رشک در آیا۔

''تم ان سے ملنا چاہتی ہو؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ پہلی فرصت میں ملنا چاہوں گی تم سب؟'' ماہی کا دل و دماغ ایک دم تمام الجھنوں و مضطرب سوچوں سے چھٹکارہ حاصل کرتا ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

''کل ملتے ہیں پھر۔'' عدن نے پلان بنانا چاہا۔

''کہاں؟'' پوچھا گیا۔

درعدن نے توقف بھر کا ٹائم لیا پھر بولی۔ جگہ فائنل ہو گئی تھی۔

''اسی جگہ جہاں ہم نے یادگار وقت گزارا...... جہاں آخری بار ملے تھے۔''

''ہاں وہاں ٹھیک رہے گا۔''

''وہیں ہم سب ایک دوسرے کو اپنے اپنے بارے میں بتائیں گے۔'' عدن نے اسے بھی آگاہ کیا۔

مہ روش ایک پل کو خاموش ہوگئی کہ اس کے پاس انہیں بتانے کے لیے کچھ اچھا تھا ہی نہیں۔

''کیا ہوا ماہی؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ سنبھلی۔

''تمہاری چپ نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا۔'' وہ بولی۔

ماہی مسکرائی۔ ''زخمی مسکراہٹ۔''

''مجھے دیکھ کر شاید تم زیادہ پریشان ہو۔''

''کیا مطلب؟'' وہ کچھ نہ سمجھی۔

''کچھ نہیں۔''

''بتاؤ نا ماہی؟''

''کل بتاؤں گی سب!''

''کل آؤ گی نا؟''

''ہاں آؤں گی تو ضرور۔''

''میں نے معطر اور مستبشرہ کو بھی بتانا ہے۔ تمہارے متعلق جان کر بہت خوش ہوں گی۔ قسمت ہمیں پھر سے واپس ایک جگہ لے آئی ہے۔'' ایک بار پھر اس نے اپنی خوشی کا اظہار کیا کہ جتنی بار بھی اظہار کرتی، کم ہی لگتا۔

مہ روش کی رگ رگ میں بھی سکون سرائیت کرنے لگا۔

سالوں کی تھکن اور اذیت گویا اس ایک فون کال نے بھلا دی تھی۔

''ہم کل انتظار کریں گے۔''

''اور آج میں پتہ نہیں یہ رات کیسے گزاروں گی۔''

''ہمیں یاد کر کے گزارنا۔'' ہنستے ہوئے صلاح دی۔

''ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''چلو پھر تم ابھی سے ہمیں یاد کرنا شروع کرو۔ ملاقات کی تیاری کرو۔ سوال جواب سوچو، اپنی ساری خوشیاں، سارے سکھ اکٹھے

کرلو۔سارے قہقہے بھی جمع کرلو۔میں ایک ایک کے بارے میں تفصیل سے پوچھوں گی۔میرے پاس بہت سوال ہیں۔جواب سننے کے لیے وقت اور فرصت کل ساتھ لاؤں گی۔" عدن شرارت سے بولی۔

دوسری جانب......ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

پرسوچ خاموشی۔

یاسیت میں ڈوبی خاموشی!

سوالیہ خاموشی!

خوشیاں، سکھ اور قہقہے......؟

یہ سب تو اس کے لیے سراب تھے۔

اس کے حصے میں آئے تو صرف عذاب تھے۔

دکھ، اذیت اور لاتعداد آنسو تھے......!

سنانے کے لیے محض الم کی داستان تھی۔

جسے کل سنانے کا خیال، آج ہی، اسی لمحے اس کا حلق تک کڑوا کر گیا۔حلق میں دھواں سا بھر گیا تھا۔

"ماہی......کہاں کھو گئی تم؟" درعدن کو اس کی خاموشی نے ایک بار پھر حیران و پریشان کیا۔آہستگی سے پوچھا۔

"کہیں نہیں......یہیں ہوں۔" اپنی خاموشی اور غائب دماغی پر اس نے سر جھٹکا۔ساتھ ہی بات بدلی۔اس کے بولنے سے پہلے پہلے کہنے لگی۔

"کل بہت مزہ آئے گا......یونی کی یاد تازہ ہو جائے گی۔"

"ہاں ان یادوں کو یاد کیے بغیر تو ملاقات ادھوری رہے گی۔"

"نہیں......کل کی ملاقات ان یادوں کو سمیت پر اپنے آپ میں ایک مکمل خوبصورت یاد بن جائے گی۔"

بات سے بات نکلتی جا رہی تھی۔خوبصورت سماں بندھ گیا تھا۔

"اب باقی باتیں کل کریں گے۔بہت دیر ہو گئی ہے۔" گھڑی پر نظر پڑی تو مہ روش بولی۔

"ہاں باتوں میں پتہ ہی نہیں چلا۔میں نے معطر اور مستبشرہ کو بھی کال کی۔ملاقات کے متعلق بتانا تھا۔چلو تم کل ٹائم پر اسی جگہ آنا میں ان دونوں کو بتاتی ہوں۔" عدن نے بھی یاد آنے پر کہا اور اجازت لی۔

کال بند ہوتے ہی میسج کے ذریعے مختصراً معطر اور مستبشرہ کو ماہی کی اسلام آباد میں موجودگی اور کل ملنے کا وقت و جگہ کا بتایا۔وہ دونوں

اسی کے میسج کے انتظار میں تھیں۔ میسج ملتے ہی حیرت، بے یقینی اور خوشی کا اظہار کرتے جوابی میسج اسے بھیجے۔ ملاقات کے لیے بے صبری ظاہر کی۔ عدن گہری دلچسپی و مسکراہٹ کے ساتھ میسج پڑھتی رہی۔ پھر موبائل رکھ کر بچوں کے کمرے کی طرف گئی۔ مقصد عامر کو مہ روش سے ہوئی گفتگو اور اپنی خوشی کا احوال سنانا تھا مگر وہاں پہنچی تو عامر بچوں کے ساتھ اردگرد سے بے خبر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے قریب جا کر پردے برابر کیے تو باہر برستی بارش کی آواز کان سے ٹکرائی۔ وہ مسکرائی۔ وہ ایک بھرپور نظر ان تینوں پر ڈالے اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ آنکھیں کھل کی ملاقات کا تصور کرنے لگیں اور دل پنکھ لگائے فرط جذبات سے آسمان کی وسعتوں میں محو پرواز ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

کون دل کی ویرانی دیکھ کر یہ سمجھے گا

اس جگہ بھی ٹھہرے تھے قافلے محبت کے

مہ روش نے دکھ بھری سانس خارج کی۔

ماضی سے حال تک کا سفر تمام ہوا۔

ماضی کی کتاب، جسے بڑی چاہ، محبت، دلچسپی اور جوش وخروش سے کھولا گیا تھا اس کے ہر ورق، ہر سطر میں کرب لکھا تھا۔ اذیت رقم تھی۔ تشنگی بین کر رہی تھی۔ ان اوراق پر محبت کی ابتداء پر چند خوبصورت یادیں اور پھر بے اعتباری کے گہرے زخم تھے۔ کہیں محبت انمول اور کہیں بالکل بے مول تھی۔ کہیں محبت آزمائش اور کہیں محبت کی تکمیل کی خواہش تھی۔ کہیں محبت کسک اور کہیں تڑپ تھی۔ کہیں محبت نارسائی و دھتکار پر روگی بن گئی تھی اور کہیں محبت ایک ایک دن انتظار میں کاٹ رہی تھی۔ کہیں محبت کسی کے دل میں دم توڑ گئی تھی اور کہیں دل کے دھڑکنے کی وجہ بنی ہوئی تھی۔ کہیں اعتراف شکست کے بعد محبت کے نام زندگی کو غلام کر لیا گیا تھا اور کہیں محبت سے بے پناہ نفرت تھی۔ کہیں محبت نامراد تھی اور کہیں پرامید...... محبت ہر روپ میں، ہر ورق پر درج تھی۔

نفرت، غصہ، صد وانا، بے حسی، سنگدلی، خاموشی، اداسی......اور آنسو!

سب کچھ تھا۔

ملال بھی تھا۔

ندامت بھی تھی۔

پچھتاوا بھی رقم تھا۔

صبر بھی تھا۔

ہر چیز بساط سے زیادہ موجود تھی۔

کم تھیں تو خوشیاں ......!

مسکراہٹ......!

سکون......!

راحت......!

گہرے تھے تو زخم، ناپید تھے مرہم!

غم تھا مگر غم گسار نہیں!

درد تھا مگر دوا نہیں!

راستے تھے، دشواریاں تھیں مگر منزل کا پتہ نہیں!

تنہائی تھی۔

تاریکی تھی۔

اجالے بھی تھے......مگر دھندلے۔

راز تھے، رازدار تھے مگر قدر دان نہیں۔

ظالم، ظلم، مظلوم بھی تھی۔

سچ تھا، کڑوا تھا......لیکن......!

کہیں حساب برابر نہیں تھا۔

آخری صفحہ،

آخری حرف،

طویل خاموشی،

اور......!

ماضی کی کتاب بند!

پژمردہ آنکھیں،

ساکت چہرے،

گنگ زبان،

رنجو دھڑکنیں،

اور......!

پرسوز ماحول!

ہوائیں تھم گئیں۔

وقت کو بھی روک لیا۔

ہر سوال کو جواب مل گیا۔

ہر جواب کے بعد دو حرف تسلی کے بھی ادائیگی سے قبل لرزنے لگے۔

"میں بہت تھک گئی ہوں اب۔"

کئی لمحے مزید سوگواریت کی نذر ہوئے تو بالآخر مہ روش نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"دل میں کوئی خانہ خالی نہیں رہا کہ مزید دکھ سمیٹ سکوں۔" آواز نمناک تھی۔ صبر بھی جیسے شرمندہ ہوا۔

وہ تینوں آزردگی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"قسمت سے مجھے اب کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں نے مراد کا دیا ہر زخم، ہر اذیت، مار، قہر آلود، زہر میں تر الفاظ سنے، سب کچھ برداشت کیا مگر ان کی خاموشی ناقابل برداشت ہے۔ مجھ سے وہ بے شک ایک لفظ نہ کہیں، اپنے کیے پر میرے سامنے بے شک شرمندہ نہ ہوں لیکن یوں چپ رہ کر میر شکست کا سبب نہ بنیں۔ میری اولاد کی محرومی......میری شکست ہے۔ مراد کا فرض اپنی اولاد کا حق پورا کرنا ہے۔ انہیں خوشیاں، سکون اور محبت دینا ہے۔ ابھی تینوں چھوٹی ہیں......بڑی ہوں گی......مجھ سے پوچھیں گی......کیا صرف میری بددعائیں ہی ان کی محرومیوں کی وجہ ہیں؟ میں ہی اپنی اولاد کی گنہگار رہوں؟ میری اولاد مجھ سے ہی متنفر ہو جائے گی۔ مراد کی چپ کے بدلے مراد کو عزت یا اہمیت دے پائیں گی؟ میری اولاد کی ساری زندگی تو رشتوں سے نفرت کرتے گزر جائے گی......مجھ سے، اپنے باپ سے نفرت کریں گی۔ اگر انہوں نے کبھی مجھ سے اپنی ویرانیوں کو لے کر کچھ پوچھا تو مجھے ڈر ہے کہ میں کوئی جواب نہیں دے پاؤں گی۔ میرے پاس اپنی بیٹیوں کے کسی سوال کا جواب نہیں ہوگا......تب میں کیا کروں گی؟" اس کی آنکھیں نم تھیں۔ قریب کھڑی نایاب کو سینے سے لگاتے ہوئے وہ اپنے ہی خیالات و سوالات و جوابات سے خائف الجھی تھی۔

اسے یہی ڈر تھا کہ مراد منصور کا سابقہ رویہ اور حالیہ خاموشی بیٹیوں کو خود سے دور کر کے ان کے اندر رفتہ رفتہ زہر بھر دے گی اور اس ڈر کو سچ کرتے امکانات بہت واضح تھے۔

"مجھے لگا تھا کہ شاید یہاں بلانے کے بعد مراد کی بے حسی دم توڑ دے گی۔ نایاب، اریبہ اور شانزے کے حصے میں باپ کا پیار

آئے گا مگر بے حسی سے زیادہ خاموشی سفاک ہوتی ہے۔ چپ چاپ دل چیر دیتی ہے۔'' وہ توقف بھر کو رکی۔

''ماہی......''

مستبشرہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے حوصلہ دینا چاہا۔

''میں تھک گئی ہوں مستبشرہ......مراد کی خاموشی نے مجھے تھکا دیا ہے۔''

''تم اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش کرو۔'' معطر نے آہستگی سے صلاح دی۔

''کوشش وہاں کی جاتی ہے جہاں امید ہو۔''

''ناامیدی بھی تو اندھیرے کی طرف لے جاتی ہے ماہی۔'' عدن کا دل بھی مضطرب تھا۔

''ہم اندھیرے میں ہی ہیں عدن بلکہ گھپ اندھیرے میں...... پہلے بدلہ، انتقام اور نفرت تھی، جو دل میں آتا کہتے ایک دوسرے کو مگر حقیقت کے کھلتے ہی نفرت کے رشتے کو اجنبیت کے رشتے میں بدل دیا۔ مراد کی زبان زہر نہیں اگلتی، وہ مجھ پر شعلہ بار نگاہ نہیں ڈالتے، میرے پاس بھی انہیں کہنے کے لیے کچھ نہیں۔ بحث و تکرار بے معنی ہوگئی ہے۔ گھر ایک ہے، چھت ایک ہے مگر ہم جیسے اجنبی ہیں۔ ہمارے درمیان صرف کاغذی رشتہ ہے اور اس رشتے کو نبھانے کی شاید ایک وجہ...... خاص وجہ...... میرے لیے اولاد ہے...... جبکہ میں مراد کی خاموشی کی وجہ نہیں جانتی۔ نہیں جانتی کہ وہ کس وجہ سے کاغذی رشتے کو نبھا رہے ہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''شاید محبت......''

عدن نے قیاس لگایا مگر بات مکمل نہ کی۔

''نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔'' اس نے بھرپور نفی کی۔

''شاید اپنی ناانصافیوں اور زیادتیوں کا خیال وجہ ہو۔'' مستبشرہ نے اسے دیکھا۔

وہ خاموش رہی۔

''اگر ایسا ہے تو انہیں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔'' معطر بولی۔

''انہیں تم سے اپنے کیے کی معافی مانگنی چاہیے۔'' عدن نے بھی کہا۔

''میں انہیں جانتی ہوں۔ ان کی فطرت میں جھکنا شامل نہیں۔ اپنی کوتاہیوں اور زیادتی کے احساس کے باوجود وہ شرمندہ نہیں ہیں۔ وہ کبھی میرے سامنے اعتراف نہیں کریں گے۔ معافی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ بالکل مایوس تھی۔

تینوں کی آنکھوں میں تاسف ابھرا۔

عزیز از جان سہیلی کا دکھ گہرا تھا۔

مایوسی اس سے بھی زیادہ بھیانک روپ دھار چکی تھی۔

تینوں کے دھڑکتے دل رنجور ہو چکے تھے۔

''لیکن تمہیں محبت اور اعتماد کی ضرورت ہے ماہی۔'' معطر کو اس کا مایوس لب ولہجہ گھائل کرنے لگا۔ اس وقت اس کا شدید دل چاہا کہ کاش اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اپنی دوست کے ہر دکھ کو سکھ میں بدل دیتی۔

کاش ایسا ممکن ہوتا......!

مہ روش نے البتہ سر کو نفی میں جنبش دی۔

لفظ ''محبت'' سے اسے الجھن ہوئی۔ جذبات اس لفظ کے منافی تھے۔

''محبت کی اب خواہش ہے نہ تمنا۔''

آواز مدھم تھی۔ لہجہ مردہ تھا۔

''لیکن......'' مستبشرہ نے بولنا چاہا۔

مہ روش سرعت سے اسے ٹوک گئی۔

''مجھے محبت پر یقین نہیں اب......محبت میرے لیے بے معنی ہے۔'' وہ اس لفظ سے شدید متنفر تھی۔

اندر پھیلی ویرانیوں نے تو سال پہلے محبت سے اس کا ناطہ تڑوا دیا تھا۔

اب محبت محض خواب، سراب اور عذاب تھی۔

خواب وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

سراب کے پیچھے بھاگنا بیکار تھا۔

اور عذاب! وہ جھیل چکی تھی۔

''ہر کہانی خوشگوار موڑ پر ختم ہوتی ہے نے جبراً ختم کی جاسکتی ہے۔ کردار بیشک جاندار ہوں مگر جہاں لفظ خاموشی کی چادر اوڑھ لیں وہیں کہانی دم توڑ دیتی ہے......اور جہاں کہانی دم توڑ دے وہاں کردار مزاحمت نہیں کیا کرتے۔ بس خاموشی سے ادھوری کہانی کی تشنگی کا روگ پال لیتے ہیں۔''

اس نے سرخ انگارہ آنکھوں کے اندر ٹھہرے نمکین پانی کو بمشکل جذب کیا۔

''جس کہانی کی ابتداء محبت سے ہو مگر درحقیقت جہاں محبت محض ایک لفظ سے زیادہ کچھ اہمیت وحیثیت نہ رکھتی ہو، وہاں نفرت اس نہج پر پہنچ جاتی ہے کہ دل نامی دنیا سے محبت کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ جہاں صرف نفرت کی تباہ کاریاں بچتی ہیں اور تباہ کاریاں اس

قدر بھیانک ہوتی ہیں کہ کہانی کی روح کا دم خود بخود گھٹ جاتا ہے...... میری کہانی کا اختتام بھی اس موڑ پر ہوا ہے جہاں تمام راستے ایک بند گلی میں آ کر رک جاتے ہیں۔ میرے اندر منزل تک پہنچنے کی جستجو نہیں۔ کیا معلوم بند گلی سے نکلنے کی چاہ گہری کھائی میں گرا دے......''

مزید بولی۔

آواز رندھ گئی تھی۔

وہ تینوں فوراً کچھ نہ بول سکیں۔

''میں وہ اختتام نہیں چاہتی جہاں کہانی مکمل کرنے کے چکر میں کوئی ایک کردار بھی خفا ہو۔ کرداروں کو مزید آزمائش میں ڈالنے سے بہتر تشنگی کا قبول کر لینا ہے...... میں نے قبول کر لیا ہے۔''

وہ مزاحمت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

تمام ہتھیار ڈال چکی تھی۔

ادھوری کہانی کا...... کردار...... مکمل تھک چکا تھا۔

تھکے ہوئے کردار کو انصاف نہیں چاہیے تھا۔

انصاف کے لیے مقدمے کی عرضی، عرش کی عدالت میں جمع کروا دی تھی کہ بیشک وہیں بہتر انصاف ہو گا۔ فرش کے منصفوں پر اسے یقین نہیں تھا۔

وہ تینوں تاسف وملال میں جکڑی نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم تینوں سے ایک گزارش ہے۔'' البتہ اس نے خود کو سنبھالا۔

نایاب بھی اس کی طرف متوجہ تھی۔

''تم تینوں میری بددعا کے رد ہونے کی دعا کرنا۔ شاید تمہاری دعا قبول ہو اور میری بددعا رد ہو جائے...... میں اپنی بیٹیوں کے حق میں اب تک گنہگار رہوں۔ ساری عمر پچھتانا نہیں چاہتی۔'' وہ التجائیہ کہتی آخر میں آنسوؤں کو چھلکنے سے نہیں روک پائی تھی۔ ضبط اس سوچ کے ساتھ ہی ہمیشہ تمام ہوتا تھا۔ ماں تھی...... بیٹیوں کے مستقبل کا سوچتی تو روح تک کانپ جاتی۔

''ماہی۔'' معطر اٹھ کر سرعت سے اس کے قریب گئی۔

''سنبھالو خود کو ماہی۔'' مستبشرہ نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے ڈھارس دینی چاہی۔

''ماں اپنی اولاد کا برا کبھی نہیں چاہتی۔ تم نے وہ بددعا اپنی بیٹیوں کو دانستہ نہیں دی تھی۔ حالات نے تمہیں مجبور کیا تھا۔ تم ڈسٹرب تھی اس وقت...... اللہ پاک کی ذات بہت مہربان ہے۔ بہت محبت کرنے والی ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ پاک پر بھروسہ

رکھو۔ وقتی غصے میں مانگی گئی بد دعا کو رد کرنے کے لیے مانگی گئی تمہاری ہزاروں دعاؤں کو اللہ تعالیٰ رد نہیں کرے گا...... پلیز رو ؤ مت۔'' عدن نے اسے تسلی دی۔

تسلی البتہ آنسوؤں کی روانی کو متاثر نہ کر سکی۔

''ماہی پلیز......رو ؤ مت۔'' معطر نے اس کے آنسو صاف کیے۔

جبھی مستبشرہ کی نظر نایاب پر پڑی جو ماں کے رونے پر گھبرا گئی تھی۔ اس نے فوراً اٹھ کر نایاب کو اپنے پاس کر لیا۔ ساتھ ہی اسے پکارا۔

''ماہی، نایاب تمہیں روتا دیکھ کر پریشان ہو رہی ہے۔ پلیز سنبھالو خود کو۔''

مہ روش نے نایاب کی طرف دیکھا، اس کی سوالیہ آنکھوں میں فکرمندی و گھبراہٹ نظر آئی تو فوراً خود کو سنبھالا البتہ اسے اپنے پاس نہ بلایا۔

معطر واپس اپنی جگہ بیٹھی۔

عدن نے گلاس میں پانی انڈیل کر مہ روش کی طرف بڑھایا۔ اس نے خاموشی سے گلاس لیا اور پانی پینے کے بعد اسی خاموشی سے ٹیبل پر واپس رکھا۔

ماحول پر ایک بار پھر سکوت طاری ہو گیا تھا۔

ان تینوں نے مہ روش کو سنبھلنے کا پورا موقع دیا تھا۔ مہ روش کافی دیر اپنی آنکھوں سے الجھی رہی۔ آنسو بے اختیار پلکوں تک آئے۔ وہ بمشکل انہیں روکتی، اندر ہی اندر جذب کر لیتی اور جب نظر تینوں دوستوں پر پڑتی تو ان کے چہروں پر اپنے لیے فکرمندی و پریشانی دیکھ کر دل کو تو ڑا بہت حوصلہ ملتا کہ وہ اس کے ساتھ ہیں۔ اس کا دکھ بانٹنے کے لئے۔ اس کی حقیقی غمگسار......!

''ادھر آؤ نایاب۔''

کافی دیر بعد وہ سابقہ کیفیت سے باہر نکلی تو نایاب کی نظریں خود پر مرکوز پائیں۔ اسے اپنے پاس بلایا، گود میں بٹھایا، گال پر پیار کیا کہ اس کا معصوم دل مزید مضطرب نہ ہو۔ باقی تینوں اسے دیکھنے لگیں۔ ماہی کی کیفیت کے پیش نظر مزید کچھ کہنا مناسب نہ لگا۔ البتہ اس دوران در عدن کا ذہن کچھ اور ہی سوچنے میں منہمک تھا۔

وقت سست روی سے آگے بڑھا۔

''مستبشرہ۔''

البتہ مہ روش نے ایک بار پھر فضا پر طاری سکوت توڑا۔

خاموش بیٹھی سہیلی کو پرسوچ انداز میں پکارا۔ آواز پر وہ سوالیہ مہ روش کو دیکھنے لگی۔ معطر اور عدن بھی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تم......اب کیا کرو گی؟'' پوچھتے ہی ماہی قدرے جھجک کا شکار ہوئی۔

سوال بے شک عام تھا......مگر اہم تھا۔

''میں......؟'' مستبشرہ شاید ذہنی طور پر اس سوال کے لیے تیار نہیں تھی۔ فوراً جواب دینے کے بجائے خود سے ہی استفسار کرنے لگی۔

چند پل کے لیے سوچوں میں غرق ہوئی۔ اس دوران دل میں بھی ہلچل مچی لیکن جواب اسے مل گیا تھا۔ وہ جواب جس کے لئے وہ آج سے پہلے کئی بار خود کو تیار کر چکی تھی۔ آج اس جواب پر عمل کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔

وہ تینوں سنجیدہ تھیں۔

گزرے ماہ و سال میں وہ محبت کے بہت قریب رہی تھی۔ وہ محبت جس کی اول تو اسے چاہ نہ تھی مگر پھر اس نے خود کو اسی محبت کا پابند کر لیا ت ھا۔ ایک اچھی بیٹی بننے کے لئے وہ جس محبت کے خلاف گئی، وہی محبت زیست کا گل بن گئی۔ مگر اب بھی پہلے کی طرح فیصلہ اس کے دماغ نے کرنا تھا۔

اور دماغ حتمی رائے دے چکا تھا۔

''وہ فیصلہ کرنا ضروری ہے جو ہم دونوں کے حق میں بہتر ہو۔''

''مطلب؟'' درعدن نے حیرت سے بھوئیں سکیڑیں۔

''کیسا فیصلہ؟'' ماہی بھی ناسمجھی کے عالم میں بولی۔

''واپسی کا فیصلہ۔'' مدھم مگر دو ٹوک لہجے میں بتایا۔

''واپسی کا فیصلہ......؟'' معطر نے بے یقینی سے اسی کے الفاظ دہرائے۔

مستبشرہ نے انہیں دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ فیصلہ اٹل تھا۔

ردوبدل کی کوئی گنجائش باقی نہیں بچی تھی۔

''جلد بازی میں فیصلہ مت کرو مستبشرہ۔'' درعدن نے اسے روکنا چاہا۔

''یہ جلد بازی کا فیصلہ قطعاً نہیں ہے۔'' وہ تحمل سے بولی۔

''تو کیا یہ فیصلہ درست ہے؟'' مہ روش نے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

''شاید۔''

''طویل مسافت طے کرنے کے بعد پلٹنا بے وقوفی ہو گی۔''

''میں علی کے لیے آزمائش نہیں بننا چاہتی۔''

''آزمائش میں تو تم بھی ہو۔'' ماہی نے احساس دلانا چاہا۔

''میری آزمائش کی وجہ میں خود ہوں لیکن مجھے اب کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں علی کو واپس اس موڑ تک لے کر جاؤں، جہاں میں نے اس کی محبت کو دھتکار کر سات آٹھ سال کے لیے اسے ذہنی وقلبی اذیت کے ساتھ مشکلات میں دھکیلا تھا۔ میری وجہ سے وہ بہت دکھ اٹھا چکا ہے۔ اس کے دکھ سمندر جتنے اور میری محبت فقط ایک قطرے جتنی ہے جو سمندر میں گرے تو اپنی شناخت کھو دے گی۔ ایسی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا دینا ہی بہتر ہے۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ یہ سب باتیں دل کے لیے تکلیف دہ تھیں مگر حقیقت بھی یہی ہے۔

اس نے دل کو تڑپنے دیا۔

آنکھوں کو جلنے دیا۔

''اچھا ہا میری علی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ واپسی کا فیصلہ آسان ہے مگر میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھنا چاہتی۔'' یہ بھی سچ تھا۔

''وہ تم سے نفرت نہیں کرتا۔'' معطر نے کہا جو اسے علی کو دیکھ کر محسوس ہوا تھا۔

''میں نے محبت کا جواز بھی نہیں چھوڑا تھا۔'' افسوس اندر ہلکورے لینے لگا۔

''محبت جواز کی محتاج نہیں ہوتی۔''

''جو محبت کی تذلیل کرتے ہیں محبت ان کو بھی خراج تحسین پیش نہیں کرتی۔ محبت انہیں محبت میں مبتلا کر کے ان سے روٹھ جایا کرتی ہے...... میرے تعاقب میں بھی محبت صرف مجھے میرے سنگین فعل کا احساس دلانے آئی تھی اور میری ڈھٹائی دیکھ کر مجھے چاروں شانے چت کر گئی۔ یہ میری سزا ہے اور مجھے یہ سزا منظور ہے۔'' نارسائی کا ڈر اس کے اندر جڑیں مضبوط کرنے لگا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔

''ایک بار علی سے مل لو...... اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا۔'' ماہی نے صلاح دی۔

''نہیں ماہی...... فیصلہ ہو گیا ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ فیصلہ اٹل تھا البتہ لہجے میں بے بسی در آئی تھی۔ توقف بھر کر رک کر آنکھیں موندیں اور طویل سانس خارج کیا۔

اس عمل سے دل بچارگی سے سہم گیا۔

دماغ کی بھٹی میں دل جلنے والا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ گلاسز اتار کر ٹیبل پر رکھیں۔ دل جلنے سے پہلے آنکھوں نے انگارا ہونا تھا۔ ہو گئی تھیں۔ اندرونی تپش نے آنکھوں کا پانی ابال دیا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا ہے ہر کہانی کی قسمت میں خوشگوار اختتام نہیں لکھا ہوتا۔ میرے انجام میں بھی محبت کا ادھورہ رہ جانا ہی میری

کہانی کو مکمل کرے گا۔" اس بار اس کے لہجے میں درد ہی درد پنہاں تھا۔

حقیقتاً آج اس نے خود کو شکست خوردہ محسوس کیا تھا۔

محض ایک ناٹک کے عوض وہ ہار گئی تھی۔

"میں علی کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔ میں اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکوں گی۔ میں اس کے کسی سوال کا جواب نہیں پاؤں گی۔ آٹھ سال پہلے اسے اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھایا تھا اب خود غرض نہیں بن سکتی۔" وہ اپنے فیصلے کو استحکام بخشنے لگی۔ اس نے گلاسز اتار کر آنکھوں کے سامنے ڈھال بنائیں۔

وہ تینوں اسے سن رہی تھیں۔

اسے روک نہ سکیں، ٹوک نہ سکیں...... کہ آج بھی فیصلہ پہلے کی طرح اس کے دماغ نے کر دیا تھا اور ایک بار دماغ جس فیصلے پر اڑ جائے پھر تمام دلائل و تاویلیں بیکار ہو جاتی ہیں۔

دل غمزدہ و رنجور ہوا...... اس نے ہونے دیا۔

دل تڑپنے لگا...... اس نے تڑپنے دیا۔

دماغ نے پتھر پر لکیر کھینچ دی تھی۔

دل کو اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اس لکیر کے خلاف احتجاج کرنے لگتا۔

"معطر......" پرسوچ انداز میں اسے پکارا۔

وہ خاموشی سے متوجہ ہوئی۔

"میرے جانے کے بعد...... کبھی علی نے میرے بارے میں پوچھا تو میری طرف سے اس سے معافی مانگنا۔ اسے کہنا کہ میں اپنی سنگین غلطی پر شرمندہ ہوں، اسے کہنا کہ پلیز وہ مجھے معاف کر دے۔"

مستبشرہ شرمسار تھی۔

اپنے سکون کے لیے معافی کی طلبگار تھی۔

معطر فاطمہ کو اپنا وکیل بنایا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا کر عرضی قبول کی۔

درعدن اور مہ روش کو دوست کا یہ انداز و الفاظ تکلیف دے گئے تھے۔ تسلی و تشفی کے لیے زبان حرکت نہ کر سکی۔ ایک بار پھر خاموشی چھانے لگی مگر اس بار معطر نے خاموشی ماحول پر طاری نہ ہونے دی۔

''مستبشرہ۔''

''ہوں۔''

''فوراً واپس مت جانا۔'' التجا کی۔

''مطلب۔''

''ہم اتنے سالوں بعد ملے ہیں، ہمارے لیے کچھ عرصہ رک جاؤ۔''

دوست کی دوست سے دوستی کے لیے مان بھری درخواست ......ایک مقصد ماحول سے سنجیدگی و سنگینی کو بھی زائل کرنا تھا۔ دکھ کو کچھ وقت کے لئے بھول جانا تھا۔

وہ مسکرائی۔

''نہیں فوراً نہیں جاؤں گی۔ تم سب کے ساتھ تو بہت سا وقت گزارنا ہے۔ سکول والوں کے ساتھ کنٹریکٹ کیا ہوا ہے۔ تھوڑا ٹائم لگے گا۔''

''اس بار رابطے میں رہنا۔'' عدن بولی۔

''اب رابطہ نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں بچی۔''

''یہ رابطے پہلے بھی بحال ہوتے تو دل کا بوجھ اتنا نہ بڑھتا۔ تم سب ک ساتھ آج میں نے وہ تمام باتیں کیں جو میرے اندر غبار کی طرح جمع ہر سانس کے ساتھ گھٹن بڑھاتی تھیں۔ اب دل سے بوجھ جیسے اتر گیا ہے۔'' ماہی نے اعتراف کیا۔

چاروں کے چہروں پر مسکان پھیلی۔

دوستی کا رشتہ......ان چاروں کے جذبات کو معتبر کرنے لگا۔

''ماہی، اریبہ اور نایاب کی پکس بھی دکھاؤ۔'' عدن نے بات بدلی۔ سوچیں ساتھ کہیں پرواز کرنے لگیں۔ معطر کی بیٹی سے وہ مل چکی تھی۔

''میں نے بھی دیکھنی ہیں۔'' معطر نے بھی اشتیاق ظاہر کیا۔

''ہاں میں نے بھی دیکھنی ہیں۔ معطر تم بھی ماہر کی تصویر دکھاؤ۔'' مستبشرہ بھی بولی۔

مہ روش مسکراتے ہوئے موبائل نکالنے لگی۔

''اور تم دونوں اپنے بچوں کی پکس بھی دکھاؤ۔'' موبائل نکال کر مستبشرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے مہ روش ان دونوں سے کہنے لگی۔ ان دونوں نے بھی اپنے اپنے موبائل نکالے۔

چاروں کے درمیان باری باری موبائل کا تبادلہ ہوا۔

''ماشاءاللہ۔''

''بہت پیاری ہیں دونوں۔''

''ماہم کتنی پیاری ہے۔''

''اسفند اور اسجد کتنے شرارتی لگ رہے ہیں۔''

''اسجد کی تو آنکھوں سے بھی شرارت ٹپک رہی ہے۔''

''اریبہ بھی مسکراتے ہوئے تمہاری طرح لگتی ہے۔''

وہ چاروں تصویریں دیکھتے ہوئے تبصرے کرنے لگیں۔

''کسی دن بچوں کو بھی ساتھ لاتے ہیں۔ بچے بھی دوست بن جائیں گے۔'' معطر نے اگلی ملاقات پلان کرنی چاہی۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' ماہی کو بھی آئیڈیا پسند آیا۔

''مزہ آئے گا۔'' عدن بھی خوش ہوئی۔

عدن نے مزید تصویریں دیکھنے کے بعد موبائل مہ روش کو واپس دیا۔ وہ موبائل واپس بیگ میں رکھنے ہی لگی تھی کہ موبائل اپنی مخصوص آواز میں بجنے لگا۔

''مراد کی کال ہے۔'' اس نے سکرین پر نظر ڈالتے ہوئے انہیں بتایا۔ ساتھ ہی کال پک کی۔

''ٹھیک ہے آپ آجائیں۔'' اور صرف اتنا کہہ کر کال بند کی، موبائل بیگ میں رکھا۔

''کیا کہہ رہے تھے؟'' عدن نے پوچھا۔

''راستے میں ہیں۔ لینے آرہے ہیں۔'' بتایا۔

''اتنی جلدی۔'' معطر بدمزہ ہوئی۔

''جلدی کہاں...... شام ہونے والی ہے۔ اریبہ اور شانزے بھی پھوپھو کو تنگ کر رہی ہوں گی۔'' مہ روش نے مسکراتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا احساس دلایا۔

''کتنی جلدی وقت گزر گیا۔''

''میں بھی بابا جان کو کال کروں۔'' مستبشرہ نے بھی ٹائم دیکھتے ہوئے موبائل اٹھایا۔

''تم تو تھوڑی دیر اور رکو مستبشرہ۔''

''نہیں عدن......اماں کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ان شاء اللہ دوبارہ جلدی ملیں گے۔''اس نے وجہ بتاتے ہوئے وعدہ کیا۔

عدن مزید کچھ نہ بولی۔

مستبشرہ نے بابا جان کو کال کر کے آنا کو کہا۔اتنے میں ماہی کا موبائل پھر سے بجنے لگا۔اس نے مراد کی کال ریسیو کی۔''او کے'' کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مراد پارکنگ میں انتظار کر رہے ہیں۔''

''تم سے مل کر بہت اچھا لگا ماہی۔''وہ تینوں بھی اٹھیں۔

''مجھے بھی تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔دل پر سکون ہو گیا ہے۔''وہ ان سے ملنے لگی۔

''اگلی بار اریبہ اور شانزے کو بھی ساتھ لانا۔''کہا گیا۔

''ضرور۔''کوئی اعتراض نہ کیا۔

ان تینوں نے اس سے ملنے کے بعد نایاب کو پیار دیا۔تھوڑی دیر بعد مہ روش چلی گئی۔دس پندرہ منٹ بعد سید جمال شاہ بھی مستبشرہ کو لینے آئے۔معطر فاطمہ اور درعدن سے بھی ملے۔دونوں کے سر پر دست شفقت رکھا۔گھر آنے کی دعوت دی۔انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔مستبشرہ ان سے ملی اور توقف بعد وہ بھی چلی گئی۔وہ دونوں اپنی جگہ بیٹھیں۔

''آہ......''

ان دونوں کے جانے کے بعد عدن نے تاسف بھری آہ بھری۔

''کیا ہوا عدن؟''

''کل سے میں اس ملاقات کے لئے بہت خوش تھی۔ایک ایک منٹ بے صبری سے کاٹا مگر اب الجھن ہے کہ کم ہی نہیں ہو رہی۔مستبشرہ نے خود کو اکیلے پن کی سزا دی اور ماہی......کتنے دکھ جھیلے ہیں اس نے......میرا دل دونوں کے لیے اچھا محسوس نہیں کر رہا۔''وہ اداسی سمیٹ کر بولی۔

مستبشرہ اور مہ روش کے سامنے یہ سب کہنا دشوار لگا تھا۔

''مجھے خود برا لگ رہا ہے۔افسوس ہو رہا ہے۔وقت نہ دونوں کی زندگیوں میں کتنی تکلیف دہ کروٹیں بدلی ہیں۔آٹھ سال ایک غلطی کا احساس مستبشرہ کے لیے کربناک آزمائش بنا رہا۔تشنہ محبت اس کا امتحان لیتی رہی اور آٹھ سال ماہی کو نفرت کی آگ میں جھلسایا گیا۔ہر طریقے سے اس کا صبر آزمایا گیا......اس قدر بے حسی اور بے رحمی سے کہ اب ازالے کے لیے بھی کوئی راہ نہیں بچی۔''معطر بھی رنجیدہ تھی۔ یاسیت سے بولی۔

عدن کو دکھ نے چپ رہنے دیا لیکن اس کا دماغ متحرک تھا۔

''مستبشرہ واپس چلی جائے گی اور ماہی اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر زندگی گزارتی رہے گی۔''معطر مزید غمزدہ ہوئی۔

''معطر......ہمیں دونوں کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔''

''ہم کیا کر سکتے ہیں عدن؟''

''علی اور مراد بھائی سے بات......''اس نے اپنی سوچ کو زبان دی۔

''کیسی بات؟''

''دیکھو علی صرف یہ جانتا ہے کہ مستبشرہ نے اس کے ساتھ محض وقت گزاری کے لیے ناٹک کیا ہے مگر کیوں کیا ہے......اصل وجہ نہیں جانتا۔''

''اصل وجہ جاننے سے کیا ہوگا۔''

''بہت کچھ ہوگا۔''

''مثلاً۔''فی الفور معطر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''اتنا تو طے ہے کہ علی، مستبشرہ سے نفرت نہیں کرتا۔ بدظن ہے مگر دل میں محبت رکھتا ہے۔ زبان خاموش ہے مگر جذبات مرتے نہیں۔ اصل وجہ جاننے کے بعد محبت ہر بدگمانی کو مٹا دے گی۔''

''عدن......علی کی شادی ہونے والی ہے۔''

''لیکن معطر......ابھی ہوئی تو نہیں ہے۔''

''علی نے مستبشرہ سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا تو؟''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔''عدن کو اس وقت صرف مستبشرہ کی پرواہ تھی۔

''لیکن یوں علی کی زندگی میں دخل اندازی......''

''ہمیں اپنی دوست کے لیے صرف ایک کوشش کرنی چاہیے۔''عدن نے اسے تذبذب کا شکار ہوتے دیکھا تو اس کی بات کاٹ دی۔

''اور افریشم......''

''وہ خود تمہارے پاس علی کی خاطر، مستبشرہ کا پوچھنے آئی تھی۔''

''ہاں آئی تو تھی۔''معطر نیم رضامند ہوئی۔

''ہاں اور بہتر ہے ہم علی سے پہلے افریشم کو اعتماد میں لیں۔''وہ سب کچھ ترتیب دینے لگی۔

''افریشم مان گئی تو شاید علی بھی مان جائے۔'' معطر بھی پرامید ہوئی۔

دوستی نے دونوں کو دوست کے لیے قائل کر لیا تھا۔

''اور یہ سب ہمیں بہت جلدی کرنا ہوگا کیونکہ مجھے مستبشرہ پر شک ہے کہیں وہ بتائے بغیر ہی واپس نہ چلی جائے۔''

''تو پھر کب کریں افریشم سے بات؟''

''کل ہی......''

''اور ماہی کے لیے کیا سوچا ہے تم نے؟''

''میں نے ماہی کو بتائے بغیر اس کے موبائل سے مراد بھائی کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔ ماہی کی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم مراد بھائی سے بات کریں''......عدن نے بتایا۔

سنجیدگی سے معطر کو دیکھا۔

''مگر کب......''

''کل ہی......''

''ٹھیک ہے۔ میں افریشم سے بات کر کے ٹائم کنفرم کر لوں گی۔''

''میں بھی مراد بھائی سے کل ملنے کا کہہ دوں گی۔''

بات فائنل ہو گئی۔

کہیں نہ کہیں دونوں اب مطمئن تھیں۔ پرامید بھی تھیں۔ اپنی دوستوں کا درد دل سے محسوس کیا تھا۔ ان کے درد کی دوا کا مستقل انتظام کرنا چاہتی تھیں۔

''کل ملتے ہیں دوبارہ۔''

وہ دونوں ایک ساتھ اٹھیں۔ شام کے سائے دھیرے دھیرے پھیلنے لگے تھے۔

''ان شاءاللہ۔''

''آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔'' معطر نے عدن کو منع کیا تھا کہ عامر کو نہ بلائے۔ عدن اثبات میں سر ہلاتی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ راستے بھر دونوں کل دوستی کا حق ادا کرنے کے لئے تمام لائحہ عمل ترتیب دیتی رہیں۔

دوستوں کی خوشی، سکون اور خوبصورت زندگی کے لیے کل انہیں بھرپور کوشش کرنی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح گھر واپس آئی تھی۔

دل میں طوفان برپا تھا۔

دل کمزور پڑ گیا تھا۔

شکست تمام حوصلے پست کر گئی تھی۔

دوستوں کے سامنے بمشکل خود کو سنبھالنے کے بعد اب اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ آئینہ اس پر تمسخر بھری ہنسی ہنس رہا تھا۔ ہنسی سماعتوں کے لیے پگھلے ہوئے سیسے کی مانند تھی۔ اندر درد تھا مگر آنکھوں نے درد کی عکاسی کرنے سے انکار کر دیا۔ بالکل ویران بنجر ہو گئی تھیں۔ چہرے کے تاثرات ساکت ہو گئے تھے۔ ہونٹ جیسے خشک ہو کر پھٹنے لگے تھے۔

آج وہ ہار گئی تھی۔ خالی ہاتھ رہ گئی تھی۔

محبت نے محض ایک ناٹک کی کڑی سزا عمر بھر کے لیے سنا دی تھی۔

قسمت کا سنگین مذاق آج پچھلے حساب چکتا کر گیا تھا۔ اس نے علی آیان حسن گیلانی کی بے لوث، سچی محبت کی تشنگی کا روگ دیا تھا، اور اب اس کی محبت نے عمر بھر نارسائی کا عذاب جھیلنا تھا۔ علی کی ہر اذیت اور درد کو یاد کر کے اب اس نے تڑپنا تھا۔ آٹھ سال جس محبت کو اس نے دل میں تمام جذبات سمیت پروان چڑھایا، اس کی عقیدت میں دن رات صرف کیے، اپنے تمام خواب محبت کے نام کیے وہ محبت نکلی تو منزل کی تلاش میں تھی مگر درحقیقت وہ اپنے حصے کی سزا سننے واپس اسلام آباد آئی تھی۔

سزا سنا دی گئی تھی۔

نارسائی کی،

اکیلے پن کی،

اب درد سمیٹ کر واپسی کی طرف قدم بڑھانے تھے۔ کہانی کو اس کے لیے وہ موڑ ہی پسند آیا تھا جہاں اس نے علی آیان حسن گیلانی سے اپنی راہیں جدا کی تھیں......راہیں آج پھر جدا ہو گئی تھیں۔

کہانی گمشدہ منزل کے لئے نہیں بھٹکنا چاہتی تھی۔

کہانی خاردار راہوں سے اجتناب برت چکی تھی۔

وہ کہانی کی بے بس کردار تھی۔

بے بس کردار کہانی مکمل کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔

وہ اپنی ہار پر سر تسلیم خم کر چکی تھی۔ اپنی بے بسی کا رونا رونے وہ علی کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ چیخ چیخ کر اسے اپنی ہار پر ماتم

نہیں کرنا تھا۔اس سے غلطی ہوئی۔اس نے علی کو اذیت دی تھی لیکن اپنی شکست بھی تسلیم کی۔اپنے حصے کی اذیت سے دامن نہیں بچایا بلکہ اذیت دامن میں سمیٹ کر اب بس واپس جانا تھا۔

ہمیشہ کے لیے......!!!

☆......☆......☆

معطر فاطمہ نے گھر آکر افریشم کو کال کی۔

''ہم کل مل سکتے ہیں افریشم؟''

''بالکل مل سکتے ہیں۔''اس نے مثبت جواب دیا۔

''میری دوست آپ سے ملنا چاہتی ہے۔''معطر پلان کے مطابق اسے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتی تھی۔

''مستبشرہ......''دوسری طرف وہ حیران ہوئی۔اس کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔معطر نے پہلی بار خود ملاقات کے لیے کال کی تھی۔ اس سے قبل ہمیشہ وہی معطر کو کال کرتی تھی۔

''نہیں درعدن لیکن......''وہ تصحیح کرتی اپنی بات ادھوری چھوڑ گئی۔

''لیکن کیا......؟''

''پہلے آپ وعدہ کریں میری باتوں کو آپ میری خود غرضی نہیں سمجھیں گی؟''بے دھڑک اصل مدعے کی طرف آتی راہ میں جھجک قائل تھی۔

''نہیں بالکل بھی نہیں۔''افریشم نے فوراً یقیناً دلایا۔ایسی تو وہ بالکل نہیں تھی۔

''معطر کو اعتماد ملا۔

''آپ مستبشرہ کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں اور اس وقت آپ کو کال کرنے کا مقصد بھی یہی ہے۔میں اسی سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے......آپ کو مستبشرہ کے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔''وہ بے یقین ہوئی۔

''میں آج مستبشرہ سے ملی تھی۔''مختصراً بتایا۔

''آپ سچ کہہ رہی ہیں۔''دوسری جانب حیرت سے اس کے تاثرات بدلے۔آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

''جی!''

''مجھے بھی اس سے ملنا ہے۔''بے صبری کا اظہار کیا۔

''اس سے پہلے میں اور عدن آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ضرور......ہم کل ہی ملتے ہیں۔''

''لیکن فی الحال یہ بات آپ کسی کو مت بتایئے گا۔'' معطر نے دانستہ علی کا نام نہ لیا۔

''او کے۔''

معطر نے جگہ اور وقت کا اسے بتایا۔ یہ مرحلہ اسے مشکل لگا تھا مگر پہلا مرحلہ آسان طے پا گیا تھا۔ افریشم کی باتوں اور لہجے نے کال بند ہونے تک اسے مطمئن کر دیا تھا۔ اس سے بات کرنے کے فوراً بعد در عدن کو کال کی۔ اسے افریشم گیلانی سے ہوئی تمام گفت وشنید سنائی۔ اس نے بھی طمانت کا اظہار کیا۔ عدن نے اجازت لی کہ اب اسے مراد سے ٹائم لینا تھا۔ معطر نے کال بند کر کے موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور خود لاؤنج میں آ گئی کہاں ماہم اور شایان بیٹھے تھے۔ وہ ان کے پاس ہی کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔ ماہم سے باتیں کرنے لگی۔ شایان کو کچھ دیر پہلے وہ دوستوں سے ہوئی ملاقات کا مکمل احوال سنا چکی تھی مگر مستبشرہ کے لئے علی سے بات اور رابطہ کرنے کے متعلق اس نے فی الحال بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا کہ کل افریشم سے بات کرنے کے بعد ہی بتانے کا ارادہ تھا۔ علی سے پہلے افریشم کی خواہش اور مرضی ہی کوئی راہ متعین کر سکتی تھی۔ افریشم کو اعتماد میں لیے بغیر علی سے بات کرنا ناممکن تھا اور کسی کو بتانا بے معنی......!

ایک سوچ یہ بھی تھی کہ کہیں شایان اپنے تعلقات کی وجہ سے اسے ایسا کرنے سے منع نہ کر دے۔ شایان نے بزنس پارٹنر شپ سے زیادہ حسن گیلانی اور علی آیان حسن گیلانی سے تعلقات کو ہمیشہ اہمیت دی تھی اور یہ بات وہ بخوبی جانتی تھی اور اسے ایسا کوئی بھی رسک نہیں لینا تھا جو اس کی کوشش میں خلل ڈال سکتا تھا۔

''مما...... مجھے نیند آ رہی ہے۔'' کچھ دیر بعد ماہم کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئیں۔

''آؤ......دونوں مل کر سوتے ہیں۔'' معطر اسے بانہوں میں اٹھائے ہوئے کھڑی ہو گئی اور شایان کو دیکھا۔

''شایان۔''

''ہوں۔''

''میں کل آفس نہیں جاؤں گی۔''

''کیوں؟''

''عدن سے ملنے جانا ہے۔''

''او کے ٹھیک ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

معطر مسکرائی۔

''گڈ نائٹ پاپا۔'' ماہم نے کہا۔

''گڈ نائٹ بیٹا۔'' شایان نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

معطر فاطمہ، ماہم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

وہ کمرے میں آیا۔

کمرے کے ماحول پر مکمل سکوت طاری تھا۔ وہ حیران ہوا۔ عموماً اس وقت مہ روش جاگ رہی ہوتی ہے۔ نایاب اور اریبہ اس کے ساتھ بیڈ پر سوتیں مگر کلثوم بیگم کی خواہش اور کہنے کے بعد وہ اریبہ کو سلانے کے بعد ان کے کمرے میں لے جاتی تھی۔ نایاب البتہ اسی کے کمرے میں اسی کے پاس ہوتی۔ شانزے کو نایاب کی وجہ سے وہ کاٹ میں سلاتی۔ اس نے سب پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ چند قدم چل کر اپنی سائیڈ آیا جہاں اریبہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے ساتھ نایاب لیٹی تھی۔ نایاب کا رخ مہ روش کی جانب تھا۔ مہ روش نے چہرے پر بازو رکھا ہوا تھا۔ شانزے کاٹ میں سو رہی تھی۔ وہ کئی پل ان چاروں کو دیکھتا رہا پھر اریبہ کی طرف جھکا۔ مہ روش کو اس کام لیے اٹھانا مناسب نہ لگا۔ البتہ اریبہ کو اٹھانے سے پہلے نایاب کے بالوں کو آہستگی سے چھوا۔ انگلیوں میں سرسراہٹ سی ہوئی۔ فوراً ہاتھ پیچھے کھینچا جیسے پیچھے نہ کرنے پر بال اس کے ہاتھ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ خشک ہونٹوں پر عجلت میں زبان پھیرتے ہوئے ایک نظر اپنے ہاتھ پر ڈالی۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے بالوں کا لمس پا کر دل انگلیوں میں دھڑکنے لگا ہو۔ جیسے ان جادوئی بالوں نے اس پر سحر طاری کر دیا ہو۔ یہ کیفیت اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ مزید الجھنے سے قبل ہی اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور آہستگی سے اریبہ کو اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھا۔ دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ قدم کلثوم بیگم کے کمرے کی اور اٹھ رہے تھے۔ قدموں کی رفتار اور بانہوں کے حصار سے ناآشنائی نے اریبہ کی نیند میں خلل ڈالا۔ وہ اس کی بانہوں میں بے چینی سے کسمسائی۔ وہ پریشان ہوا۔ کوئی تجربہ نہیں تھا ایسی صورتحال کو ہینڈل کرنے کا مگر اس کی آنکھیں کھلنے سے پہلے وہ ماں کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی بیڈ کی طرف بڑھا اور احتیاط سے اسے لٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی دوران اس کے ہاتھ کی گرفت میں اس کا کالر آیا۔ وہ اسے لٹانے کے بعد فوراً کھڑا نہ ہو سکا البتہ اس کے بازو کو پیچھے کرنے کی بجائے آہستگی سے اسی کے ساتھ لیٹ گیا۔

بیڈ کے دوسرے کنارے پر تسبیح پڑھتیں کلثوم بیگم نے بیٹے کے کمرے میں داخل ہونے سے اس کے لیٹنے تک کے منظر کو کچھ حیرت وخوشی و دلجمعی کے ملگجے تاثرات سمیت دیکھا تھا البتہ مراد منصور کا سارا دھیان اپنے کالر اور اریبہ کے ہاتھ پر تھا۔ اپنے کالر پر اریبہ کی گرفت نے اسے ایک خوشگوار احساس بخشا۔ اس کے چہرے پر غیر محسوس طریقے سے مسکراہٹ بکھر گئی۔ جس سے وہ گویا انجان تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے مبہوت رہ گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں کو یہ نظارہ اچھا لگا تھا۔ اس کی آنکھیں اس منظر کو حفظ کرنے لگ گئی تھیں۔ کئی لمحے خاموشی

سے بیت گئے۔ اریبہ کی نیند گہری ہوئی، ہاتھ کی گرفت خود بخود ڈھیلی ہوگئی۔ کالر ہاتھ سے آزاد ہوگیا۔ وہ اس پر کمبل ٹھیک کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''مہ روش کہاں ہے؟'' وہ جانے لگا تو کلثوم بیگم نے پوچھا۔

''وہ سوگئی ہے اسی لیے میں اریبہ کو لے کر آیا تھا۔''

''اچھا کیا......آؤ بیٹھو میرے پاس۔'' وہ بولیں۔

چہرے پر سکون تھا۔ ایک بات جو شاید وہی جانتی تھیں، جس سے مہ روش بالکل بے خبر اور خود مراد منصور لاعلم تھا۔ وہ مراد منو صر کا غیر محسوس طریقے سے بیٹیوں کے قریب جانا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ دیکھ رہی تھیں، مراد، مہ روش کے سامنے چپ ہوتا۔ کسی بیٹی کی طرف بھی نہ دیکھتا۔ نہ کسی کو بلاتا نہ پاس بٹھاتا۔ بچیوں کے سکول کے لیے وین کا بندوبست ہونے کے بعد وہ پہلے کی طرح لاتعلق ہوگیا تھا جسے لے کر وہ مہ روش کی مردہ آنکھوں میں غصے کو بھی واضح دیکھ سکتیں مگر مہ روش کی غیر موجودگی میں انہیں مراد کا الگ ہی روپ دیکھنے کو ملتا۔ اس کے لب ہمیشہ کی طرح خاموش ہی ہوتے مگر اس کی آنکھیں بولتیں۔ بولتی آنکھوں سے انہیں دیکھنے میں محو ہو جاتا اور پھر محویت اس قدر بڑھ جاتی کہ اسے اردگرد کا بالکل ہوش نہ رہتا۔ جیسے ابھی کچھ دیر قبل وہ ماں کی موجودگی سے بے خبر ہوگیا تھا۔

''کوئی کام ہے امی؟'' وہ ان کے قریب آیا۔

''کام تو کوئی نہیں ہے بیٹا۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

''پھر......''

''بچیوں کو ٹائم دیا کرو۔''

''جی......'' وہ حیران ہوا۔

''سکول کے بعد گھر میں ہی ہوتی ہیں۔ ایک ہی ماحول اور چند چہرے......گھر سے باہر پارک وغیرہ میں کبھی انہیں لے کر جاؤ۔ خوش ہو جائیں گی۔'' وہ بولیں۔ اب بیٹے کو احساس دلانا ضروری تھا۔

''جی......کل لے جاؤں گا۔''

''بچیوں کو تمہارے پیار اور توجہ کی ضرورت ہے۔ پتہ ہے بیٹا......بیٹیوں کے لیے باپ وہ پہلا مرد ہوتا ہے جو تحفظ کے ساتھ انہیں محبت اور اعتماد دیتا ہے اور جو تحفظ، محبت اور اعتماد ایک باپ اپنی بیٹیوں کو دیتا ہے وہ کوئی اور رشتہ کبھی نہیں دے سکتا۔ باپ کی توجہ بیٹی کے قدموں کو کبھی لڑکھڑانے نہیں دیتی۔ بیٹی کا حوصلہ سبز ھاتی ہے۔ باپ کا مضبوط ساتھ بیٹی کو کسی کا محتاج نہیں کرتا۔ باپ سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھے تو بیٹی اپنے دل میں راز نہیں رکھتی۔ اسے اپنی خواہشات، خوابوں اور دکھوں کو دفنانے کے لئے گڑھے کھودنے نہیں پڑتے۔ زمانے

کے ڈر سے اسے آنسو چھپانے کے لئے گھٹ گھٹ کر جینا نہیں پڑتا......لیکن بیٹیوں کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہی اگر بیٹیوں کو محبت اور اعتماد کی چھاؤں سے محروم رکھے تو پھر بیٹیاں تمام عمر تپتی دھوپ میں جلتی رہتی ہیں، لوگ جلاتے رہتے ہیں۔ راہ میں انگارے ڈالتے چلے جاتے ہیں۔'' مراد منصور کی خاموشی نے اس میں سننے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔

کلثوم بیگم نے اسے سنجیدگی سے سمجھانے اور احساس دلانے کی سعی کی جبکہ سماعتوں سے ٹکراتی ماں کی باتوں نے اس کے دل کو سختی سے جھنجوڑ کر مضبوط شکنجے میں لے لیا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھ نہیں سکا تھا۔ ذہن انتشار کا شکار ہونے لگا۔

''اپنی بیٹیوں کو بکھرنے سے پہلے سمیٹ لو مراد۔''

اس بار کلثوم بیگم کا لہجہ التجائیہ ہوا۔

''اس سے پہلے کہ وہ اپنے اور تمہارے رشتے سے متنفر ہو کر راستے سے بھٹک جائیں، ان کی منزل بن جاؤ۔'' وہ مزید بولیں۔ انداز یاسیت بھرا تھا۔

مراد منصور نظریں جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

''اور جس دن تم اپنی اولاد کی منزل بن گئے اس دن جو خوشی اور سکون تمہارے دل پر دستک دے گا اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو گا۔ اس خوشی اور سکون کی راہ میں اب صرف خاموشی حائل ہے۔ خاموشی کا پیرہن اتار پھینکو۔ اپنے جذبات کو الفاظ دو، الفاظ کو آواز دو...... خوشیاں صرف تمہاری آواز کی منتظر ہیں۔''

ماں کی آواز اور ایک ایک لفظ کو اس کی سماعتیں چپ چاپ حفظ کر رہی تھیں۔ ہونٹوں پر لگے چپ کے زنگ آلود تالے تو فوراً کھولنے کی شاید اس میں سکت نہیں تھی یا شاید الفاظ اس کا ساتھ دینے سے کترا رہے تھے۔ کلثوم بیگم اس کی طبیعت و کیفیت سے واقف بس اسے احساس دلانا چاہ رہی تھیں مگر اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتیں مراد منصور کے جیب میں پڑا موبائل بجنے لگا۔ وہ موبائل نکالنے لگا۔ توقف بعد موبائل اسکرین پر نگاہ ڈالی جہاں انجان نمبر روشن ہو رہا تھا۔

''اس وقت پتہ نہیں کس کی کال آ گئی...... ہم پھر بات کریں گے۔ آپ ابھی سو جائیں۔'' ان سے کہتے ہوئے وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

''ہیلو۔'' کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''السلام علیکم مراد بھائی۔''

''وعلیکم السلام...... آپ کون؟'' نمبر و آواز دونوں سے انجان تھا۔ سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں ماہی کی دوست ہوں درعدن۔'' اسی سنجیدگی سے بتایا گیا۔

''ماہی اس وقت سو رہی ہے۔ اگر آپ کو اس سے بات کرنی ہے تو میں اسے جگا دیتا ہوں۔''

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''مجھ سے......'' وہ حیران ہوا۔

''جی آپ سے۔'' پُراعتماد لہجے میں حیرانگی رفع کرنی چاہی۔

''ٹھیک ہے کریں...... میں سن رہا ہوں۔''

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''مجھے اور میری دوست معطر کو آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''کیسی باتیں؟''

''وہ باتیں فون پر نہیں ہو سکتیں...... ملاقات ضروری ہے۔''

''لیکن میں......'' مراد کو ملاقات کی بات عجیب لگی۔

''پلیز مراد بھائی۔'' درعدن نے سرعت سے اسے ٹوکا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ اس کے اصرار پر انکار نہ کر سکا۔

''شکریہ۔''

''کہاں اور کب ملنا ہے؟''

''کل۔'' درعدن نے کہتے ہوئے جگہ اور وقت کا بھی بتایا اور بتانے کے بعد مزید بولی۔ ''اور پلیز آپ فی الحال اس بات کا ذکر ماہی سے مت کریئے گا۔''

''او کے...... اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔''

مراد نے کال ڈسکنیکٹ کی۔ کمرے کی طرف جاتے ہوئے ذہن میں کئی سوال ابھرے البتہ پُرسکون نیند کے خیال سے سر جھٹک دیا۔ اس وقت تفصیل سے وجہ سوچنا بے کار جاتا۔ خاموشی و آہستگی سے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور اپنی جگہ پر لیٹ گیا البتہ سونے سے قبل ایک کام غیر ارادی طور پر سرزد ہوا۔ اس نے نایاب کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آنکھیں موندلی تھیں۔

☆......☆......☆

افریشم گیلانی مقررہ وقت وجگہ پر ان دونوں کے سامنے بیٹھی کافی کا آخری سپ لینے کے بعد استعجاب بھری نگاہوں سے متوجہ ہوئی۔

معطر فاطمہ ذہن میں الفاظ کے تانے بانے بننے لگی۔

درعدن کو البتہ افریشم کی دلچسپی وسنجیدگی نے قدرے مطمئن کرنے میں بھرپور تعاون کیا۔مستبشرہ کے لیے اب بات کرنا اس کے لیے آسان تھا۔

''مستبشرہ کا اسلام آباد میں ہونا ہمارے لئے حیران کن ہے لیکن اس کی یہاں آنے کی وجہ جاننے کے بعد ہم نہیں جانتے کہ ہمیں حیران وبے یقین ہونا چاہیے یا نہیں۔'' درعدن نے معطر کی مشکل بھی آسان کی۔ بولنے میں پہل کی۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''مستبشرہ...... مستبشرہ نہیں رہی۔ بدل گئی ہے۔گزرے آٹھ سالوں میں محبت نے اسے سرتا پیر بدل دیا ہے۔اس کی سوچ بدل گئی، جذبات بدل گئے لیکن اس کی زندگی وہیں ٹھہری ہوئی ہے جہاں آٹھ سال پہلے اس کا دل ٹھہر گیا تھا۔ جہاں بناء بتائے دل کی سرزمین پر محبت وارد ہوئی تھی، جہاں دل کی پرواہ کئے بناء اس نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے مگر ان قدموں کے نشان اتنے گہرے تھے کہ اسے انہی پر پاؤں رکھ کر واپس آنا پڑا۔ اپنے دل کے لیے اسے یہاں آنا پڑا۔'' تمہیدی انداز میں کہتی عدن نے معطر کو دیکھا۔

معطر نے افریشم کو دیکھا۔

افریشم انہیں سننے کے لئے خاموش رہی۔

''مسبشرہ،علی سے محبت کرتی ہے۔'' معطر فاطمہ نے دھیمی آواز میں بالآخر اسے بتایا۔

افریشم نے بے یقینی کا مظاہرہ کیا۔آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی۔

معطر اور درعدن نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے مستبشرہ جمال کے متعلق تفصیلاً تمام باتیں اسے بتائیں جنہیں سننے کے بعد وہ بے یقینی کے عالم میں گھری رہی۔

''مستبشرہ شرمندہ ہے۔'' عدن بولی۔

''اسے احساس ہے کہ اس نے علی کے ساتھ غلط کیا، علی کو روکنے کے لئے غلط طریقہ اپنایا مگر اس کا مقصد غلط نہیں تھا۔ وہ علی کو اذیت نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ یہ سچ ہے کہ علی نے بہت دکھ دھیلا مگر مستبشرہ کو بھی احساس شرمندگی نے کبھی سکھ سے جینے نہیں دیا۔ جھوٹی محبت کا ناٹک حقیقی زندگی میں تلخی گھول دیتا ہے...... مستبشرہ ایک غلط فیصلے کی طویل سزا بھگت چکی ہے۔'' معطر نے اصل بات کی طرف آنا چاہا۔

افریشم گیلانی کچھ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

''مستبشرہ اپنے بابا سے کیا وعدہ نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ اس کا فیصلہ بیشک علی کے ساتھ زیادتی تھا مگر ایک بیٹی کے لیے ایک باپ کو

دھوکہ دینا، ان کا مان توڑنا آسان نہیں ہوتا۔ باپ کی عزت، محبت سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ ایک بیٹی نے تب جو کیا تھا بالکل ٹھیک کیا تھا۔ اگر نہ کرتی تو وعدہ خلافی کے جرم کی مرتکب ٹھہرتی۔ اپنے بابا کو کھو دیتی لیکن صرف علی کی محبت ما سے کبھی خوش نہ رکھ سکتی۔ ماں باپ کے اعتبار و محبت کا قرض چکانے کے لئے بعض اوقات اپنی خواہشات دبانی پڑتی ہیں۔'' درعدن نے بات آگے بڑھائی۔

''جھوٹی محبت کا ناٹک حقیقی روپ دھار کو مستبشرہ کے سامنے آیا تب اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ اس نے خود کو علی کی محبت کا پابند کر لیا تھا۔ وہ پھر کبھی علی کی ذات و محبت سے آگے نہیں بڑھ سکی۔''

''اعتراف شکست کے بعد اس کے لیے واپس آنا مشکل تھا۔ وہ علی کے لیے فکرمند تھی۔ اسے اپنی پرواہ نہیں رہی تھی۔ علی کے سنبھلنے کی خواہش و دعا کرتی وہ خود اکیلی رہی۔ اس کے لیے علی کی محبت اور یاد کافی تھی۔ وہ خاموش ہو گئی تھی لیکن جس طرح اس نے اپنے بابا سے کیا وعدہ نبھایا تھا اسی طرح اس کے بابا نے اعتبار کے بدلے مان سونپا۔ اس کی محبت کو تعظیم دی۔ اسے خود یہاں لے کر آئے۔'' وہ دونوں باری باری بول رہی تھیں۔

''لیکن یہاں آنے سے پہلے وہ اپنے لیے ایک سزا تجویز کر کے آئی ہے۔''

''کیسی سزا؟'' افریشم کی خاموشی ٹوٹی۔

''وہ سوچ کر آئی تھی کہ زبردستی علی کی زندگی میں شامل نہیں ہو گی۔ اس کے لیے ایک بار پھر آزمائش نہیں بنے گی۔ خود اس کے سامنے نہیں جائے گی اور اب جب وہ آپ کے اور علی کے رشتے کے متعلق جان چکی ہے تو وہ خاموشی سے الٹے پاؤں واپس جانا چاہتی ہے بنا علی کو خبر کیے۔'' عدن نے اسے مطلع کیا۔

''وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے یہاں ہونے کا علی کو پتہ چلے...... اس نے اپنی محبت کو اندر ہی اندر قید کر لیا ہے۔ اور افریشم آپ کو یہ سب بتانا پتہ نہیں ٹھیک ہے کہ نہیں لیکن ہمیں یہ مناسب لگا۔ آپ نے مستبشرہ کے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اب یہ مستبشرہ کی حقیقت ہے۔ آٹھ سالوں سے اس نے اپنی زندگی نہیں جی...... اس کی تمام سوچوں کا محور علی ہے۔'' معطر کی آواز دھیمی رہی۔

''اس بار مستبشرہ کی محبت کسی بھی قسم کے جھوٹ سے پاک، بالکل خالص ہے۔''

افریشم گیلانی نے عدن کی آخری بات پہ آنکھیں موند کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ معطر اور عدن کی باتوں اور پر وثوق لہجے میں پنہاں ان تمام سوالات کو اس کے ذہن میں قطار در قطار کھڑا کر دیا تھا جن کا جواب دینے کے لیے اسے اپنے دل کو نظرانداز کرنا ضروری تھا۔

علی آیان کی محبت وہ کتاب تھی جو اسے ازبر ہے۔ لفظ بہ لفظ،

جذبات، تڑپ و تشنگی سمیت......!

مستبشرہ جمال کی محبت کی سچائی۔ وہ حقیقت تھی۔

جسے اب اسے قبول یا رد کرنا تھا۔

اور اپنی محبت وہ آئینہ تھی جس میں علی آیان حسن گیلانی کا عکس محض ایک خواب سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

وہ حقیقت پسند و صاف گو لڑکی تھی۔

جانتی تھی......علی آیان اس کے ساتھ رہ کر بھی مکمل اس کا نہیں۔ وہ خود مکمل نہیں ہے اور ادھورہ شخص کسی کو مکمل کب کرتا ہے؟

ادھورہ شخص خود مکمل ہی کب ہوسکتا ہے؟

تشنگی، روگ اور سمجھوتہ......؟

''نہیں......'' اس نے سر کو نفی میں ہلایا، آنکھیں کھولیں۔ پل بھر میں فیصلہ ہوگیا تھا۔

دستبرداری کا......!

اپنی محبت سے دستبرداری کا۔

اسے علی آیان کو تشنگی سے نکال کر مکمل کرنا ہے۔

اسے مستبشرہ جمال کی محبت کو سزا سے بری کرنا ہے۔

اسے اپنی محبت کو ان دونوں کی محبت میں ضم کرنا ہے۔

یہی محبت کی اصل، محبت کی روح ہے......محبت خودغرض نہیں ہوتی۔ محبت تو ہمدرد ہوتی ہے۔ سچی بے لوث محبت تو محبت کے لیے احتراماً اپنا آپ دان کردیتی ہے۔

''محبت وہ آئینہ ہے جسے دل کی شفاف آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور دل کی آنکھیں اس آئینے میں جو پہلا عکس دیکھیں وہ کبھی دھندلا نہیں ہوتا۔'' افریشم ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ سوچیں علی اور مستبشرہ کی ذات کے گرد گھیرا بنانے لگیں۔

جبکہ وہ دونوں اس کی بات پر نا سمجھی کے عالم میں گھریں۔

''مستبشرہ کی محبت سچی ہے تو منزل تک پہنچنا اس کا حق ہے۔ علی نے بھی تنہائی و نارسائی کے عذاب جھیل لیے ہیں۔ ان دونوں کی منزل ایک ہے۔ میں منزل کی طرف جاتی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ اب لازم ہے کہ محبت مکمل ہو۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔

''مستبشرہ کو واپس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں علی سے آج ہی بات کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ حقیقت جان کر خوش ہوگا...... مجھے مستبشرہ کا نمبر اور ایڈریس چاہیئے۔'' وہ مزید بولی کہ اب اسے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا تھا۔

عدن کے چہرے پر طمانت بھری مسکراہٹ ابھری۔

''لیکن آپ دونوں کی شادی......'' البتہ معطر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''محبت ایثار و قربانی مانگتی ہے......علی کی زندگی اور مستبشرہ سے محبت کا جاننے کے باوجود مجھے علی سے محبت ہوئی۔ میر محبت میرے لیے خاص ہے لیکن میری محبت نے مجھے حاسد یا مفاد پرست کبھی نہیں بننے دیا۔ میں نے خود سے پہلے ہمیشہ علی کے لیے سوچا۔ اب بھی اسی کے لیے سوچ رہی ہوں اور میرا دل گواہ ہے۔ مجھے کوئی قلق نہیں۔'' افریشم کا انداز مضبوط اور الفاظ سچائی سے لبریز تھے۔

''اور علی...... مان جائے گا؟'' عدن نے پوچھا۔

''میں اسے مناؤں گی۔ محبت اسے منا لے گی۔'' وہ پر یقین تھی۔

ان دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ ٹھہری۔

معطر نے اسے مستبشرہ کا نمبر اور ایڈریس نوٹ کروایا۔

''اب میں جاؤں...... مجھے علی سے بات کرنی ہے۔'' افریشم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو سو مچ افریشم۔'' معطر نے اس کا ہاتھ تھاما۔ شکریہ ادا کرنا چاہا۔

وہ مسکرائی۔

''اگر ہماری کوئی بات بری لگی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں۔'' عدن نے اس سے ملتے ہوئے دل سے کہا۔ اب کہیں نہ کہیں افریشم گیلانی کا اپنی محبت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ قدرے شرمندہ بھی کر گیا تھا۔

''ارے نہیں۔ یوں مت کہیں۔ مجھے کچھ بھی برا نہیں لگا بلکہ میں خوش ہوں کہ آپ نے مجھ سے مستبشرہ کی زندگی ڈسکس کی۔ میں کل رات ہی سے ذہن و دل تیار کر رہی تھی۔ اب سب جاننے کے بعد مجھے کوئی بھی فیصلہ کرنے میں دقت نہیں ہے اور یہ فیصلہ وقتی یا جذباتی ہرگز نہیں ہے۔ میرے دل و دماغ کا ٹھوس اور اٹل فیصلہ ہے۔'' افریشم کی باتوں و لہجے میں سچائی تھی۔

معطر اور عدن مزید کچھ نہ بولیں۔ مستبشرہ کے لیے وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

افریشم الوداعی کلمات ادا کرتی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ماحول پر خاموشی طاری ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں مراد منصور نے آنا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ، ذہن میں الفاظ کے تانے بانے بن رہی تھیں۔ مہ روش کو کل دیکھنے اور اس کے حالات زندگی سننے کے بعد کہیں نہ کہیں وہ مراد منصور سے متنفر بھی تھیں اور خائف بھی......!

انہیں سننے کے بعد مراد منصور کا ردعمل کیا ہوگا...... یہ سوال الگ الجھن بڑھانے لگا۔

☆......☆......☆

مراد منصور ان کے سامنے براجمان تھا۔

اس کے سامنے پڑا بھاپ اڑاتا چائے کا کپ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس کی نگاہیں غیر مرئی نقطے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ چہرے کے تاثرات

گویا جامد تھے مگر سماعتوں سے ٹکراتیں ان کی آوازیں قلب و ذہن میں طوفان برپا کر رہی تھیں۔

''آپ نے بہت زیادتی کی ہے ماہی کے ساتھ۔'' درعدن کا لہجہ دھیما تھا۔

''اور اب بھی آپ اس پر ظلم کر رہے ہیں۔''

جبکہ معطر فاطمہ کا احساس دلاتا انداز ہتھوڑے کی مانند کانوں سے ٹکرایا۔ اس نے نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبایا۔ جواباً کوئی جملہ، حتیٰ کہ ایک لفظ تک اس کے پاس کہنے کو نہ تھا۔ تھی تو بس شرمندگی......!

''ماہی کیا تھی......اور کیا بنا دیا ہے آپ نے اسے؟ کبھی احساس کیا ہے آپ نے؟ ایک بار ہی سہی مگر کبھی خیال آیا ہو؟ کبھی اپنے کیے پر ندامت ہوئی ہو؟ کبھی اپنی نام نہاد نفرت سے نفرت ہوئی ہو؟......افسوس......ایسا کبھی نہیں ہوا ہوگا۔'' مراد منصور کی چپ نے ان دونوں کو کھل کر بولنے پر اکسایا تھا۔ وہ درعدن کی پرتپش نگاہوں کی زد میں تھا۔ عدن کے لہجے میں تنفر اور دبا دبا سا غصہ تھا۔ غم تھا۔

معطر کے ہر سوال میں طنز تھا، کرب تھا، ملال تھا۔

''دکھ اپنی جگہ، تعجب تو اس بات پر بھی ہے کہ سچ سامنے آجانے کے بعد بھی نہ آپ انا کے خول سے باہر نکل سکے، نہ اپنا احتساب کر سکے، نہ اپنی زیادتوں کو شمار کر سکے اور نہ مداوے کی معمولی سعی کر سکے۔'' معطر کو اس کی چپ نے مزید افسردہ کیا۔

''انسان کو اتنا خودغرض اور بے حس نہیں ہونا چاہیے کہ مقابل کو بے بس کرنے کے باوجود اپنی سنگین غلطی کا احساس تک نہ ہو......غصہ، بدلہ، انتقام، نفرت......انسان کو انسان ہی نہ رہنے دیں تو کس کام کے ہیں۔ ایسی انا کی تسکین بے معنی ہے جو کسی عورت کی محبت، خلوص، جذبات اور رشتوں کو بے مول کر کے حاصل کی جائے۔ محبت، عورت اور رشتوں کا استعمال تو کمزور لوگ کرتے ہیں۔''

وہ سن رہا تھا۔

وہ دونوں اسے سنا رہی تھیں۔ تلخ حقیقت سے ملوا رہی تھیں۔

''ہماری دوست......ماہی......پھول، خوشبو، بہار، بارش، بادل اور رنگوں میں زندگی کو محسوس کیا کرتی تھی۔ محبت اس کے لیے بہت خاص تھی۔ خود سے جڑے ہر رشتے سے اسے پیار تھا۔ ہر رشتہ اس کے لیے خاص تھا۔ خصوصاً آپ سے جڑا رشتہ......اپنی تمام محبتوں اور جذبات کو اس نے اس رشتے کے لئے بہت سنبھال کر رکھے رکھا۔ مگر جواباً آپ نے اس کے اندر زہر انڈیلا۔ اسے بے اعتباری سونپی۔ محبت کے نام کو اس کے لیے اذیت بنا دیا۔ اسے جیتے جی مار ڈالا......ماہی اندر سے زندہ نہیں رہی۔ وہ بظاہر چلتی پھرتی ہے، سانس لیتی ہے مگر زندہ نہیں ہے۔ آپ نے اسے مار دیا ہے۔'' کرب سے عدن کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔

مراد منظور بظاہر اسی حالت میں بیٹھا رہا مگر درحقیقت وہ آندھیوں کی زد میں تھا۔ ایک ایک لفظ، ایک ایک لمحہ اس کے لیے عذاب ثابت ہو رہا تھا۔

معطر نے اسے دیکھا۔

''نایاب، اریبہ اور شانزے......'' تین نام لے کر توقف بھر کو رکی۔

بیٹیوں کے نام، مراد منصور کو بدترین طریقے سے جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھے۔

''بیٹیوں میں تو باپ کی جان ہوتی ہے۔ بیٹیاں تو باپ کے دل کی دھڑکن ہوتی ہیں۔ ایک باپ......بیٹیوں کو نفرت کی آگ میں کیسے جھونک سکتا ہے۔ بیٹیوں سے لاپرواہ، لاتعلق ہو کر سکون سے کیسے رہ سکتا ہے...... بیٹی کی خالی آنکھیں کیسے باپ کی تسکین کا باعث بن سکتی ہیں۔ ایک باپ پتھر دل کیسے ہو سکتا ہے؟''

معطر کے سوالات، مراد منصور کے ضمیر کو ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار گئے۔

''آپ کو کیا لگتا ہے ماہی اب بھی آپ کے ساتھ کیوں رہ رہی ہے؟'' البتہ اس کی خاموشی پر معطر نے ایک اور چبھتا ہوا سوال داغا۔

اس بار مراد نے آنکھوں کو حرکت دی۔ معطر کی جانب دیکھا۔

''آپ کی نفرت، تمام بدسلوکیوں، حقیقت سامنے آجانے اور حالیہ رویے کے بعد ماہی کے لیے راہیں جدا کرنا مشکل نہیں ہے۔ وہ اپنی زندگی چاہے تو اپنی مرضی سے گزار سکتی ہے مگر افسوس...... ماہی بہت سے لوگوں کی طرح خود غرض، انا پرست اور بے حس نہیں ہے۔ بے بس ہے مگر آپ کی وجہ سے قطعاً نہیں۔ اسے محبت، عزت اور مان دینے والے رشتے حیات ہیں......لیکن عورت ماں بننے کے بعد صرف اپنا آپ کبھی نہیں دیکھتی۔ شوہر جیسا بھی ہو......اولاد کے لیے سمجھتہ کرتی ہے......اپنی خوشیاں، مسکراہٹیں اور تمام سکھ قربان کر دیتی ہے اور یہ عورت کی مجبوری یا کمزوری ہرگز نہیں ہے۔ عورت کی اعلیٰ ظرفی اور بڑا پن ہے۔''

ایک ایک لفظ شفاف آئینے جیسا تھا۔

مراد منصور کا سر اثبات میں ہلنے لگا۔

''مجھے اب احساس ہے۔'' توقف بعد اس کے لب بھی ہلے کہ اب بولنا ضروری تھا۔

درعدن اور معطر فاطمہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''کمال ہے......احساس ہے تو پھر خاموشی کیوں......اعتراف کیوں نہیں۔ مداوا کیوں نہیں۔ معافی کیوں نہیں؟'' عدن نے بنا جھجکے پوچھا۔

''شاید میرے اندر ڈر ہے۔''

''کیسا ڈر......؟''

''انا کا پتلا پاش پاش ہو جائے تو ضمیر ملامت کرتا ہے۔ اور گزرے ایک سال میں جتنی ملامت میرے حصے میں آئی ہے وہ مجھے

آنکھ اٹھانے نہیں دیتی ......زبان کو حرکت میں لانے نہیں دیتی ......میرے پاس ندامت اور پچھتاوے کے سوال کچھ نہیں بچا......سب کچھ خود اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کرنے کے بعد بالکل خالی ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں کچھ سدھارنے کی غرض سے بھی ہاتھ آگے بڑھایا تو سب رشتے دسترس سے دور ہو جائیں گے۔ سب چہرے دھندلے ہو جائیں گے۔ بس مجھ پر انگلیاں اٹھیں گی اور میرے حصے میں صرف دھتکار آئے گی ......مکافات عمل ......سے خائف ہوں۔ ڈر سانپ کی طرح کنڈلی مارے میرے اندر بیٹھا ہے۔''

''یہ ڈر اور خاموشی ماہی اور بچیوں کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔'' عدن صاف لفظوں میں گویا ہوئی۔

''لیکن اب مزید کوئی ناانصافی نہیں ہو گی۔''

''آپ کو یہاں بلانے کا مقصد بھی یہی کہنا تھا مراد بھائی ......ماہی اپنی سکت سے زیادہ غم اٹھا چکی ہے۔ اس کا غم ختم نہیں کر سکتے مگر کم کر سکتے ہیں آپ ......ہماری کوئی بات ناگوار گزری ہو تو ہم دونوں معذرت خواہ ہیں لیکن اس سب کے لیے ماہی نے ہمیں مجبور نہیں کیا۔ ہم نے بس جو مناسب سمجھا وہ کیا ......آپ ماہی سے اس بارے میں ذکر کر کے اسے کچھ مت کہیے گا۔'' معطر نے گفتگو کو سمیٹا۔ انہیں جو کہنا تھا وہ کہہ چکی تھیں۔

مراد نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ کی کوئی بات مجھے ناگوار نہیں گزری بلکہ میں آپ دونوں کا شکر گزار ہوں کہ مجھے کشمکش سے نکال کر آئینہ دکھایا۔ آپ یقین جانیں میں بھی اب سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔'' آہستگی سے بولا۔ ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اور اب اجازت چاہوں گا کہ مزید دیر بالکل نہیں کرنا چاہتا۔'' کہتے ہوئے ان دونوں سے اجازت طلب کی۔ حقیقتاً وہ اب مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

توقف بعد اس کے جانے کے بعد در عدن اور معطر فاطمہ نے طمانیت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ سجائی تھی۔ الجھن سلجھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

آنکھیں حیران، سماعتیں بے یقین، دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

ٹک ٹک کرتی سوئیاں بھی گویا رک گئیں۔

''محبت کا ناٹک محض وقت گزاری اور دل لگی نہیں تھا۔ وہ وعدے کی پابند تھی۔ اسے وعدے کا پاس رکھنا تھا۔ اپنے بابا کی عزت، ان کے قول کو مان بخشنا تھا۔ اس کا طریقہ غلط تھا مگر مقصد غلط نہیں تھا ......تمہارے بعد اس نے تمہاری محبت کو بھی مان بخشا۔ دل سے قبول کیا، دل کو تمہارے اور صرف تمہارے لیے پابند کیا ......بالکل تمہاری طرح، وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ تمہاری محبت اسے یہاں واپس لائی ہے۔

اپنی خاطر، محبت کی خاطر اسے روک لو علی...... وہ واپس چلی جائے گی۔ اسے واپس مت جانے دینا۔ اسے محبت کے لئے، محبت سے روک لو...... وہ رک جائے گی۔'' افریشم گیلانی کا جذباتی لہجہ مستبشرہ جمال کی محبت کے لیے سفارشی بنا تھا مگر دوسری جانب اپنی حیرتوں پر قابو پاتے ہوئے وہ سر نفی میں ہلانے لگا۔

''نہیں...... اسے واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں اسے نہیں روکوں گا۔'' ہونٹوں نے جنبش کی تو آواز میں بھی نفی تھی۔

''تمہیں اسے رکنا ہو گا علی۔'' البتہ اس کا انداز پرزور تھا۔

''میں نے اپنی محبت سے اسے آزاد کیا...... کہہ دو اسے چلی جائے۔'' لمحوں میں گزری اذیت و تلخ یادیں اسے خبطی کرنے لگیں۔ یاد آنے پر بے لوث محبت کی تذلیل روح کو گھائل کرنے لگی۔ اٹل لہجے میں گویا ہوا۔

''میں اس کا نام تک نہیں لینا چاہتا۔''

محبت بھی سالوں بعد بپھر گئی تھی، محبت اپنی تذلیل کرنے والوں کی حقارت کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر نگل لیتی ہے مگر کڑواہٹ یاد رکھتی ہے۔

''لیکن اس کی دھڑکنوں میں تمہارا نام گونجتا ہے۔'' افریشم اس کے ردعمل پر حیرت زدہ رہ گئی تھی لیکن کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

''یہ معجزہ ہے نہ کوئی ان ہونی۔ تمہاری پرخلوص محبت نے سالوں اس کو اپنے حصار میں رکھا۔ تمہاری محبت نے اس کے دل میں محبت کا احساس جگایا۔ وہ تمہاری محبت سے ہار گئی۔ اس کی محبت کو بدگمانی و نفرت سے مات مت دو علی۔ خود پر جبر کر کے تم خود بھی اذیت اٹھاؤ گے۔ مستبشرہ بھی کرب سے گزرے گی...... اور محبت...... ہر سانس کے ساتھ تڑپے گی۔ تشنگی پر بین کرے گی۔ خدارا اب منزل قریب ہے تو محبت پر ستم مت کرو۔''

علی آیان حسن گیلانی کا سر البتہ نفی میں ہلنے لگا۔

''اس نے میری ہر فریاد کو رد کیا تھا۔'' اندر زخم تازہ ہونے لگے۔

''تم محبت کی فریاد کو رد مت کرو۔''

''تم مستبشرہ کی وکالت کیوں کر رہی ہو؟'' علی کو اس پر غصہ آیا۔

''میں نہیں چاہتی کہ محبت ہارے۔''

''اب جیت کر کیا کرنا۔'' وہ متنفر ہوا۔

آٹھ سالہ درد، کرب و روگ اسے کٹھور بنانے لگے۔ محبت بھی تو اذیت نہیں بھولی تھی۔

''ہماری شادی ہونے والی ہے۔ میں ہمارے رشتے کی بنیاد کو کھوکھلا نہیں کرنا چاہتا۔ کھوکھلی بنیادوں پر مضبوط عمارت نہیں بنتی۔ میں اپنی محبت کو الوداع کہہ چکا ہوں۔ مستبشرہ کی محبت کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ ہمارے رشتے کے لیے آزمائش بنے۔ اسے واپس جانے

دو افریشم......میری زندگی میں اب اس کی کوئی گنجائش نہیں۔'' وہ حتمی فیصلہ کر گیا تھا۔

''اور تمہارے دل میں......؟''

''وہ میرے دل میں بسی تھی......اب دل سالوں سے ویران ہے......دل کو ویرانی راس آ گئی ہے۔'' وہ بولا۔

الفاظ کے جبر نے دل ضر ضبط مسلط کیا۔

''تم خود پر ظلم کر رہے ہو۔''

''نہیں......البتہ تم میری زندگی کو مذاب بنا کر، ہمارے رشتے کی توہین کر رہی ہو۔ رشتے مذاق ہرگز نہیں ہوتے افریشم کہ انہیں غیر سنجیدگی کی نذر کیا جائے۔ میں اپنی محبت کو غلطی تسلیم کرتا ہوں اور اب اس غلطی کو سدھارنے کے لیے محبت کے قصے کو، تمام حکایتوں، شکایتوں اور اذیتوں سمیت دل سے خارج کرتا ہوں۔''

وہ دل کی آہ و التجا کو نظر انداز کرتا، مستبشرہ جمال کی بے حسی و سفاکی کی تلخیوں کو یاد کرتا فیصلہ کرنے لگا۔ فیصلہ ہو گیا۔ فیصلہ سنا دیا گیا۔

افریشم نے اس فیصلہ پر یاسیت و خفگی کا برملا اظہار کرنا چاہا مگر اس کے ایک لفظ ادا کرنے سے قبل علی آیان حسن گیلانی نے اسے سرعت سے سختی کے ساتھ ٹوکا۔

''محبت کا قصہ تمام شدہ......اب ہم مزید ایک لفظ برباد نہیں کریں گے۔ تمہیں کسی کی وکالت کرنے کی ضرورت نہیں......میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔'' اپنی بات ختم کر کے وہ وہاں مزید نہیں رکا تھا۔

افریشم متعجب زدہ نظروں سے اسے جاتا دیکھنے کے بعد اس کے غصے کی اصل وجہ تو جان گئی تھی مگر ساتھ ہی تہیہ بھی کر لیا تھا کہ اب اپنا فیصلہ تو وہ بھی نہیں بدلے گی۔ البتہ محبت کے معتبر حوالوں کو منزل کا پتہ ضرور دے گی۔

☆......☆......☆

سات سال

سات کھائیاں

ہر کھائی کا ایک نام

نفرت، انتقام، ضد وانا، اذیت، لاتعلقی، سنگدلی و بے حسی۔

جنہیں کھودنا آسان لیکن بھرنا دشوار ترین۔

ادینہ کی زبانی حقیقت کے ادراک نے ایک سال قبل انا کا بت پاش پاش کیا تو خود سے نظریں ملانے لائق نہ رہا۔ فرار کی راہ اپنائی مگر بیکار......ضمیر نے ہر آن لعنت و ملامت کی۔ اسے پچھتاووں کی زد میں دھکیلا۔ احساس شرمندگی نے خود سے نفرت پر مجبور کیا۔ مہ

روش کا چہرہ آنکھ کے پردے پر منعکس ہوتا تو خود سے نفرت شدت اختیار کرنے لگی۔ آنکھیں بند کرتا تو تینوں بیٹیوں کے سہمے بے رونق چہرے سوال کرنے لگتے۔ پشیمانی کی دلدل میں دھنستا وہ بے بس، لاچار ولا جواب ہوتا۔ خود سے نظریں چراتا، اپنی بدفعلی پر روتا، خود کو کوستا، اپنے ہاتھوں اپنے نصیب کو امتحان بنانے اور نتیجتاً بری سوچ، برے عمل، بدترین غصے کے ہاتھوں بدترین دھچکے اور چہرے پر پڑے کرارے تھپڑ سے کانپتے ضمیر کے جھنجھوڑنے پر محض افسوس کرتا۔ واپسی ناممکن لگتی۔ چین وقرار تو خواب بن ہی گئے تھے۔ ساتھ طویل ناانصافیوں کی فہرست پیروں میں بیڑیاں اور ہونٹوں پر قفل ڈال گئی تھی۔

معافی مانگتا......اگر......ہمت ساتھ دیتی۔

معافی مانگتا......اگر......سفاکیت کی حدیں عبور نہ کی ہوتیں۔

معافی مانگتا......اگر......خطاء معمولی ہوتی۔

معافی مانگتا......اگر......محض مہ روش کا گنہگار ہوتا۔

معافی مانگتا......اگر......بیٹیوں کو غصے وانتقام کی آگ میں نہ جلایا ہوتا۔

معافی مانگتا......اگر......اتنی دیر نہ ہوئی ہوتی۔

مگر اب اسے ایک لمحہ ضائع نہیں کرنا۔ اپنی بیٹیوں کو بکھرنے سے پہلے سمیٹنا اور دل سے لگانا ہے۔ ان کی خواہشات جاننی ہیں۔ خواہشات پوری کرنی ہیں۔ خواب سننے ہیں، خوابوں کی تکمیل کرنی ہے۔ ہر درد کی دوا بننا ہے۔ دکھوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔ آنسوؤں کو پوروں پر چن کر، آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسکراہٹ سجانی ہے۔

گھر کی دہلیز عبور کرتے قدموں نے مراد منصور کی بے خبری کا متوازن ساتھ دیا۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔ جانتا تھا اس وقت مہ روش روزانہ کچن میں ہوتی جبکہ تینوں بیٹیاں دادی کے پاس ہوتی ہیں۔ نظر ماں پر پڑی تو دھیرے سے مسکرایا۔ ساتھ ہی سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے متحیر نظروں سے بیٹے کو دیکھا جو اب نایاب کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کے ماتھے پر بوسہ دے رہا تھا۔ ایسا ان کے سامنے پہلی بار ہوا تھا۔ متعجب ہونا لازم تھا لیکن حقیقتاً ان کی بصارتوں کو یہ منظر بہت خوبصورت، بہت خوشگوار لگا تھا۔

مراد نے اسے دوزانو بیٹھ کر گلے لگایا۔ ساتھ ہی اشارے سے اریبہ کو قریب بلایا۔ وہ جھجکتے ہوئے پاس آئی تو اس کے گال پر بھی محبت کی مہر ثبت کی۔ اسے بھی بانہوں میں سمیٹا۔ کئی لمحوں نے حیرت کا مظاہرہ کیا اور خاموشی سے ٹھہر کر اس خوبصورت منظر کو یادداشت کے طور پر ختم کرنے لگے۔

کلثوم بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ بکھرنے لگی۔

''مراد......''

بچیوں کے چہروں پر بکھرے عجیب وغریب تاثرات و سمجھی بھری الجھن پر مراد کچھ شرمندہ ہوا تو اسی وقت ماں کی آواز بھی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ماں کی طرف دیکھا۔

''جی امی۔'' کہتے ہوئے دونوں بیٹیوں کو ساتھ لیے ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا۔ نایاب تو اس کے بیٹھتے ہی فوراً چپ چاپ دادی کے پاس گئی جبکہ اریبہ وہیں کھڑی رہی۔

''اس دن کے لیے سالوں دعائیں کی ہیں۔''

''ان شاء اللہ......اب آپ کی ہر دعا قبول ہوگی امی۔'' جواباً وہ سنجیدہ و پر عزم ہوا۔

وہ مسکرائیں۔ بیٹے کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔

''شانزے......'' مراد نے آگے جھک کر کچھ ہی فاصلے پر کھیلتی۔ شانزے کو اٹھایا اور گود میں بٹھایا۔ اسے بھی پیار کیا۔ وہ باپ کے ہاتھوں کی عادی نہیں تھی فوراً رونی صورت بنا کر دادی کو دیکھا۔ مراد نے اسے ماں کی گود میں دیا۔

''خودسری انسان کو کتنا بدنصیب بنا دیتی ہے۔'' تاسف سے بولا۔

کلثوم بیگم نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔

''کتنا بدنصیب ہوں...... میں نے قسمت سے قلم چھین کر خود اپنے نصیب کے کورے کاغذ کو سیاہ کیا۔ تصویر کا ایک رخ سامنے رکھ کر محض اپنی بدبختی تحریر کرتا رہا۔ اپنی منفی سوچوں کی بدصورت روپ دے کر اپنی ہی ذات کو دھوکہ دیتا رہا...... یہ غلطی نہیں، بہت بڑا گناہ ہے...... میں گنہگار ہوں امی...... میرے گناہ مجھے سر اٹھانے نہیں دیتے۔ میں نے ایک نہیں چار زندگیاں بری طرح برباد کی ہیں۔ میری اکڑی گردن جھکی نہیں ہے بلکہ ٹوٹ کر نیست و نابود ہوگئی ہے۔ قسمت نے مجھ سے قلم واپس لے کر مجھے اس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے جہاں میری ذات خاک، میری سوچ شرمندہ ہے۔ میری آنکھ میں اتنی سکت نہیں کہ اپنی ہی پھیلائی تباہ کاریوں کو دیکھ سکوں...... مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ ایک سال سے میں سکون سے سو نہیں سکا۔ میری بند آنکھیں مجھے میری زیادتیاں بھولنے نہیں دیتیں۔''

مراد منصور کی آواز میں واضح لرزش تھی۔ وہ شرمسار تھا۔ نادم تھا۔

مگر آج ماں کے سامنے بھی اعتراف ضروری تھا۔

''رسی کی ڈھیل کو میں اپنی طاقت اور مہ روش کی کمزوری سمجھتا رہا مگر اب جب رسی کھنچی تو چاروں شانے چت زمین بوس ہوا ہوں۔ میں بہت تکلیف میں ہوں امی...... ہر وقت پچھتاوا میرے تعاقب میں رہتا ہے۔ میں بس اب مکمل ہارنا نہیں چاہتا۔ ایک بار ہی سہی مگر تمام دکھوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔'' کہتے ہوئے توقف بھر کو رکا۔

کلثوم بیگم کی آنکھیں بھی نم ہوئیں مگر لب خاموش تھے۔مراد نے قریب کھڑی اریبہ کو اپنے قریب کیا۔دل اب تک کی لاتعلقی پر ماتم کرنے لگا۔

''میں دل سے......ان تمام محرومیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں جو مجھ بدنصیب نے اپنی اولاد کے نصیب میں ڈالیں۔''ایک آنسو اس کے گال پر پھسلا۔وہ رکا۔چند ثانیے آنسوؤں کو اندر ہی اندر جذب کرنے میں لگائے۔

''میری بدبختی،میری سزا اس سے بدترین کیا ہوسکتی ہے کہ میں اپنے ہی خون کو سفید آنکھوں سے دیکھتا اور نظر انداز کرتا۔میں ساری عمر بھی روؤں،ہر کوشش کر ڈالوں مگ چاہ کر بھی وقت کو پیچھے نہیں لے جا سکتا۔اپنی کوتاہیوں کا مداوا نہیں کرسکتا۔اپنی اولاد کا مجرم ہوں۔کبھی ضمیر کی عدالت میں باعزت بری نہیں ہوسکتا۔کبھی خود کو معاف نہیں کرسکتا۔مگر تلافی کرنا چاہتا ہوں۔''مراد منصور کی دھیمی آواز میں پنہاں احساس شرمندگی کے ساتھ اخیر میں صداقت تھی۔

کلثوم بیگم نے ایک ہاتھ بڑھا کر بیٹے کا کندھا تھپتھپایا۔

''بیٹا!اللہ پاک کی ذات بہت مہربان ہے جس نے تمہارے اندر یہ احساس جگایا۔اپنی غلطیوں کے اعتراف اور ندامت کے بعد اب زبان اور قدموں کو لڑکھڑانے مت دینا۔وقت نے تمہارے ہاتھوں دل اور زندگیاں تو تباہ ہوتی دیکھی ہیں مگر وقت گزرا نہیں ہے۔وقت تو کب سے اس دن کے انتظار میں ہے۔اب وقت کو ضائع مت کرنا۔جس اللہ پاک نے تمہیں بیٹیاں عطا کی ہیں،آج سینے سے لگانے کی توفیق بھی دی ہے۔کل کو ان شاءاللہ وہی پاک و برتر ذات ہر محرومی کو ختم بھی کرے گی۔سچی بےلوث نیت تمام بگاڑ ختم کردے گی۔سب الجھنیں سلجھ جائیں گی۔تمہارے دل سے بھی بوجھ اتر جائے گا۔''انہوں نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''ان شاءاللہ۔''وہ مبہم سا مسکرایا۔پھر کچھ جھجکتے ہوئے ماں کو دیکھا۔سوال کیا۔

''میں ماہی سے بھی معافی مانگنا چاہتا ہوں......وہ معاف کردے گی مجھے؟''

''کیوں نہیں......اللہ پاک معاف کرنے والے کو پسند کرتے ہیں اور ماہی کا تو دل بہت بڑا ہے۔وہ اللہ کی رضا میں پہلے بھی راضی تھی۔اب بھی اللہ کی رضا میں راضی اس وصف کو اپنائے گی۔''وہ پر وثوق لہجے میں بولیں۔

مراد منصور نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''امی!میں نایاب اور اریبہ کے ساتھ کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتا ہوں۔ایک دو گھنٹے کے لیے انہیں باہر لے کر جانا چاہتا ہوں۔''اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''ضرور بیٹا......اس سے اچھی کیا بات ہوگی۔بچیاں بھی خوش ہوجائیں گی۔''جسے سن کر وہ سرشاری سے بولیں۔

''پاپا کے ساتھ جانا ہے باہر......ہم کھیلیں گے بھی،کھلونے بھی لیں گے،گھومیں گے بھی،بہت مزہ آئے گا۔''مراد نے مسکراتے

ہوئے نایاب کو پاس بلایا اور پھر دونوں سے پوچھا۔

اریبہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

نایاب کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکرہٹ رینگی۔

مراد منصور کی مسکراہٹ البتہ گہری ہوئی۔اپنی جگہ سے اٹھا۔

''شانزے کے لیے بھی ڈھیر سارے کھلونے لائیں گے۔'' شانزے کو جھک کر پیار کیا۔ پھر نایاب اور اریبہ کا ہاتھ تھاما، ماں کو مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہے امی......ہم پھر چلتے ہیں اب۔''

''اللہ حافظ بیٹا......اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر......الحمدللہ آج ہر دعا قبول ہوئی۔اب بس یہ خوشیاں تاحیات سلامت رہیں۔دکھ اس گھر کا راستہ نہ دیکھیں......آمین۔'' دل ہی دل میں کلثوم بیگم اللہ پاک کے حضور شکر گزار و دعا گو ہوئیں۔

مراد منصور دروازہ کھول کر بیٹیوں سمیت کمرے سے باہر نکلا تو پہلی نظر کچن سے نکلتی، دونوں ہاتھوں میں ٹرے لیے اسی جانب آتی مہ روش پر پڑی تو اس کے قدم اسی جگہ جم گئے۔

مہ روش نے بھی نظر پڑتے ہی اس کے ساتھ بیٹیوں کی موجودگی پر سوالیہ اسے دیکھا۔نایاب اور اریبہ نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

''میں انہیں کچھ دیر کے لیے مارکیٹ لے کر جا رہا ہوں۔'' مراد منصور نے بتاتے ہوئے لہجہ اجازت طلب بنایا۔

''ابھی انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔'' اس نے بتاتے ہوئے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

''کھانا ہم تینوں باہر کھا لیں گے۔'' مراد فوراً بولا۔

مہ روش نے قدم پیچھے لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

مراد منصور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تو گویا اسے کوئی اعتراض نہیں کہ نایاب اور اریبہ اس کے ساتھ جائیں۔''

دماغ میں سوچ ابھری، وہ شرمندہ ہوا۔

''میں خواہ مخواہ ایک سال ڈرتا رہا۔'' خود کو کوسا۔

''ماہی......''

وہ واپس کچن کی طرف جانے لگی تو فوراً اسے پکارا۔

''جی۔'' وہ رکی، پلٹ کر سوالیہ دیکھا۔

''تمہیں کچھ چاہیے۔'' دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہم جلدی واپس آ جائیں گے۔''

مراد بتاتے ہوئے بیٹیوں سمیت آگے بڑھ گیا جبکہ اس کے لب و لہجے پر غور کرتی مہ روش ناسمجھی کے عالم میں کتنی دیر وہیں کھڑی رہی۔

☆......☆......☆

اول و آخر......کہانی بمع وجہ و اصلیت، حتمی فیصلہ و اصل مدعا اس نے ساجدہ گیلانی اور عالیہ گیلانی کے گوش گزارہ۔

وہ دونوں محو حیرت تھیں۔

''علی کچھ سوچ کر ہی انکار کر رہا ہوگا۔'' ساجدہ گیلانی سننے کے بعد بولیں۔

''علی صرف ضد میں ایسا کر رہا ہے۔'' صاف جواب دیا۔

''کیسی ضد......؟'' عالیہ گیلانی نے پوچھا۔

''وجہ جو بھی ہو......مستبشرہ نے اسے ٹھکایا تھا۔ اب علی اسے ٹھکرا کر اپنی انا کو تسکین دلانا چاہتا ہے جو کہ غلط ہے۔'' وہ رسان سے بولی۔

''غلط نہیں ہے افریشم۔ اس لڑکی کی وجہ سے میرے بیٹے کی زندگی برباد ہوئی ہے۔'' ساجدہ گیلانی کا دل بھی اندر سے زخمی تھا۔

''علی کی زندگی بھی وہی سنوار سکتی ہے آنٹی۔'' افریشم نے صاف لفظوں کا سہارا لیا۔

''لیکن بیٹا......ایک ماہ بعد تمہاری اور علی کی شادی ہے۔'' عالیہ گیلانی نے اسے حیرت کے باوجود یاد دلانا چاہا۔

''شادی اسی تاریخ کو ہوگی مگر میری نہیں......علی اور مستبشرہ کی۔'' وہ فوراً بولی کہ خاص یہ فیصلہ اس نے محبت کے لیے سچے دل سے کر لیا تھا۔

''افریشم۔''

''نہیں مما......میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ میری اور علی کی شادی ہم دونوں کو کبھی کوئی خوشی نہیں دے سکے گی۔ شاید ہم دونوں سمجھوتہ کر بھی لیں مگر زندگی محض سمجھوتے کے سہارے تو قطعاً نہیں گزرتی۔ سکون کے لیے محبت ضروری ہے۔ محبت کا ساتھ ضروری ہے......اور آنٹی آپ نہیں چاہتیں کہ اب علی ایک مکمل اور پرسکون زندگی گزارے؟......ماضی میں جینے کے بجائے، اپنے آج اور کل کو خوبصورت بنائے......ایک ماں کے لیے تو اس کے بیٹے کی خوشی سب سے قیمتی اور انمول ہوتی ہے......بیٹے کی عمر بھر کی خوشی کے لیے چند سالہ اذیت اور درد بھول جائیں۔ آپ کا مثبت فیصلہ، علی کے فیصلے کو اس کے لیے آسان کر دے گا۔'' وہ سنجیدگی سے ان دونوں سے مخاطب آخر میں ساجدہ گیلانی کے سامنے دوزانو بیٹھی ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں قائل کرنا چاہا۔

''مستبشرہ بری نہیں ہے۔ آپ کے بیٹے سے محبت کرتی ہے۔ آپ کے بیٹے کی محبت ہے۔ اس کی اصل خوشی ہے۔ میرے ساتھ علی صرف خوش رہنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ میرا ساتھ علی کو کبھی مکمل نہیں کر سکے گا نہ میں اس کے دل میں جگہ بنانے کے لیے عمر بھر اسے اور خود کو آزمائش میں ڈال کر، ہمارے رشتے کو بہتر طریقے سے نبھا سکوں گی۔'' ان دونوں کو کشمکش سے نکال کر حتمی فیصلے تک لانے کے لیے وہ دوٹوک الفاظ میں واضح بولی۔ مزید بات جاری رکھی۔

''خوشیاں دروازے پر دستک دینے آئیں تو تالا کھول کر یا چاہے توڑ کر مگر ان کا استقبال کرنا چاہیے۔ درودیوار پر چھائی وحشتوں اور قدم قدم پر بکھرے دکھ کو اتنی مہلت نہیں دینی چاہئے کہ سکون کی چابی کو نظروں سے اوجھل کر دے۔'' نظر ساجدہ گیلانی کے پرسوچ چہرے پر جمی تھی۔

بیٹی کے فیصلے اور باتوں نے عالیہ گیلانی کو خاموش کر دیا تھا۔

''جب آپ علی کو خوش اور دل سے مسکراتا دیکھیں گی تو اس دن مجھے یقین ہے مستبشرہ کے لیے آپ کے دل میں نہ میل رہے گی نہ علی کی سابقہ کیفیت پر ملال...... پلیز صرف ایک بار علی کی خوشی کے لیے دل سے فیصلہ کریں۔'' وہ مزید انہیں یقین دلاتی التجائیہ ہوئی۔

اور اس بار اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ ابھری۔ ساجدہ گیلانی کا سر اثبات میں ہلنے لگا تھا۔ بیٹے کی حقیقی خوشی کے لیے وہ تمام گزری باتیں بھلائے فیصلہ کر گئی تھیں۔ عالیہ گیلانی بھی مسکرائیں۔

''تھینک یو سو مچ آنٹی۔'' وہ اٹھ کر ان کے گلے لگ گئی۔ وہ مسکرائیں۔

''ہمیں ابھی علی سے بات کرنی چاہیے...... کہیں مستبشرہ واپس نہ چلی جائے۔'' افریشم نے جلدی کی۔

''تم علی سے بات کرو...... میں حسن کو بتاتی ہوں۔ علی کے لیے دیر بھی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ بولیں۔

''او کے......'' کہتے ہوئے وہ علی کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ذہن و دل پرسکون ہو گئے تھے۔ کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ آگے بڑھ کر لائٹ آن کی۔ متلاشی نگاہوں کو اطراف میں گھمایا۔

علی آیان حسن گیلانی آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''اپنے انکار پر سوگ منا رہے ہو؟'' وہ شوخی سے کہتی آگے بڑھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں البتہ کوئی جواب نہ دیا۔

''ایسی حالت تو مستبشرہ کے انکار کے بعد بھی نہیں تھی تمہاری۔''

''اس کا نام مت لو۔''

''تمہارے نام سے اسے پکاروں؟'' بناء تاثر لیے وہ مسکرائی۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''چھوڑ تو رہی ہوں تمہیں...... عمر بھر کے لیے۔'' وہ محظوظ ہوئی۔

''افریشم پلیز۔''

''اب بس تم ضد چھوڑ و۔''

''عذاب لمحے جھیلنا مشکل اور بھولنا ناممکن ہوتے ہیں۔''

''نہیں علی...... پہلی محبت سنگ ہو یا سنگ دل ہو، دل اسی محبت کا گرویدا ہوتا ہے۔ دل میں اس محبت کی خطائیں یاد رکھتا ہے نہ اس محبت کے درد کا سبب بنتا ہے۔ بس وفا کرتا ہے اور تمہارے دل میں جو محبت مستبشرہ کے لیے تھی اسے اب تمہاری وفا کی ضرورت ہے۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔ احساس دلانا چاہا۔

''پہلی محبت نے ضبط اتنا آزمایا ہے کہ اب میں تھک گیا ہوں۔'' وہ جیسے ایک لمحے میں بے بس ہوا۔

''طویل کٹھن مسافت کے بعد منزل کے نشان واضح ہو جائیں تو تھکن کو وجہ بنا کر نہ قدموں کو روکنا چاہیے نہ راستہ بدلنا چاہیے۔''

علی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''تمہاری محبت کی اصل منزل مستبشرہ ہے۔ آٹھ سالہ جدائی کو تھکن کا نام دے کر راستہ مت بدلو۔'' وہ مزید بولی۔

''اور تمہاری محبت افریشم......'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''جس طرح بعض کہانیوں کے الجھے ادھورے اختتام کو قاری خود سلجھا کر مکمل کرتا ہے بالکل اسی طرح کچھ محبتیں ادھورے پن میں بھی مکمل ہوتی ہیں۔ میری محبت انہی محبتوں میں سے ایک مگر خاص ہے۔''

افریشم کی چمکتی آنکھیں اس کے الفاظ کی صداقت کی گواہ بنیں۔

''علی! ہم دونوں درحقیقت ایک راہ کے مسافر بھی نہیں ہیں۔ جبراً ساتھ چلے تو عمر سمجھوتے میں تمام ہو جائے گی۔'' علی کی خاموشی پر وہ مزید بولی۔

''تم نے جدائی برداشت کی، دکھ جھیلے، اذیت سے گزرے مگر اس دوران کبھی تم نے مستبشرہ سے نفرت کی ہے؟'' افریشم اس کی چپ پر سنجیدگی سے استفسار کرتی بغور اسے دیکھنے لگی۔

علی آیان حسن گیلانی کا سر جواباً نفی میں ہلا۔

''اب کیوں نفرت کر رہے ہو پھر اس سے؟''

''میں نفرت نہیں کر رہا اس سے......نہ کبھی کر سکوں گا۔''

''پھر محبت کا تقاضہ ہے......محبت سے ادا کرو۔''

ایک بار پھر وہ چپ ہوا۔

''میں نے آنٹی سے بات کر لی ہے۔وہ راضی ہیں۔تمہارے لیے خوش ہیں۔بس اب تم مان جاؤ۔''افریشم نے اسے بتایا۔

علی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔میں نے ہماری شادی سے ان کے سامنے انکار کر دیا ہے۔مما کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔کچھ ہی دیر میں آنٹی اور انکل بھی تم سے بات کر لیں گے۔ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔''تفصیلی اسے بتایا۔

جسے سننے کے بعد حیرتوں کو رفع کرتی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔افریشم بھی اس کی روشن آنکھوں کو دیکھ کر مسکرائی۔

کئی پل یونہی گزر گئے۔

''تھینک یو افریشم۔''

محبت،اطمینان اسے یقین کر چکی تو وہ شکریہ ادا کرتا مسکرایا۔

''موسٹ ویلکم۔''

''تو......؟''

''ابھی سے تیاری کرو۔میں نے تو سوچ لیا ہے ہم ایک دن بھی ضائع نہیں کریں گے۔کل ہی مستبشرہ کے گھر جائیں گے رشتہ لے کر۔''

''اور میں......''

''شاید تک انتظار کرنا۔''صلاح دی۔

''نہیں......''دبا دبا انکار،دھڑکتے بے تاب دل نے فوراً کیا۔

''اس سے ملنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔''لب مسکرائے۔

سالوں بعد دل جھوم اٹھا۔فوری ملاقات ضروری تھی۔

''تم کل ہی مل لینا اسے......اور چلو یہاں آنٹی انکل کا انتظار کرنے سے بہتر ہے ہم ہی ان کے پاس چلے جاتے ہیں۔''افریشم

نے کہتے ہوئے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور دروازے کی جانب بڑھی۔

وہ فوراً اٹھ کر اس کی پیروی میں چلنے لگا۔

☆......☆......☆

ایک حیرت، مزید حیرتوں میں بدلی۔

مراد منصور دو تین گھنٹے بعد واپس آیا تو جہاں دونوں ہاتھوں میں کھلونوں سے بھے بیگز تھے، وہیں نایاب کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ اور اریبہ کی چمکتی آنکھوں میں دلکش روداد تھی۔ جسے خاموشی کے ساتھ اس نے پڑھا اور محسوس کیا تھا۔ آنکھیں بار بار بیٹیوں کے چہروں کا طواف کر رہی تھیں۔ کلثوم بیگم کے کمرے میں ہی گود میں شانزے کو مختلف کھلونوں سے بہلاتا وہ بار بار نایاب اور اریبہ کے ساتھ بھی باتیں کر رہا تھا۔ شاید دو تین گھنٹوں میں نہایت عمدگی سے اس نے تمام فاصلے سمیٹ کر بیٹیوں کو محبت، توجہ اور اعتماد دے دیا تھا کہ بیٹیاں اس کی پکار پر، مسکرا کر، دل سے، حق سے، یقین سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ باتوں کا جواب دے رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کے لمس کو اجنبیت کے بجائے محبت سے محسوس کر رہی تھیں۔

واقعی بیٹیوں کے دل موم ہوتے ہیں۔

بیٹیوں کے لیے باپ کی توجہ خاص ہوتی ہے۔

باپ کی شفقت بھری نگاہ بیٹیوں کے لیے دنیا کی سب سے قیمتی انمول شے ہوتی ہے۔

”پھوپھو...... میں اب انہیں سلاؤں۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔ ان دونوں نے صبح سکول بھی جانا ہے۔“ وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ایک نظر شانزے پر بھی ڈالی جو مراد کی گود میں تھی۔ تذبذب کا شکار ہوئی کہ اس کی گود سے شانزے کو کیسے لے۔

مراد منصور نے البتہ بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کی مشکل آسان کی۔ شانزے کے گال پر پیار کیا اور اٹھ کر خاموشی سے اسے مہ روش کے حوالے کیا۔

”چلو نایاب...... آؤ اریبہ۔“ انہیں پکارا۔

”ماہی! تم ایسا کرو۔ نایاب اور شانزے کو سلاؤ۔ اریبہ کو میں یہیں سلاتا ہوں۔“ مراد نے سوالیہ اسے دیکھا۔

مہ روش نے جواباً پھوپھو کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ بھی سر کو معمولی سی جنبش دے کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ دل و ذہن اس کے رویے میں اچانک بدلاؤ پر کشمکش کا شکار ہوئے۔ آج صبح تک وہ بالکل پہلے جیسا ہی تو تھا البتہ کمرے میں آنے تک اس نے سر جھٹک کر تمام الجھے خیالات کو پرے پھینکا۔ نایاب کو لیٹنے کا کہہ کر شانزے کے کپڑے بدلے، ارادہ خود بھی ساتھ ہی سو جانے کا تھا سو بکھری چیزوں کو بھی سمیٹا۔ لائٹ آف کی اور زیرو پاور کا بلب آن کر کے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ ہمیشہ کی طرح

ایک ہاتھ نایاب کی گرفت میں تھا۔ دوسرے ہاتھ سے شانزے کو تھپتھپاتی وہ آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ کئی پل اسی کوشش میں گزر گئے۔ نایاب کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ شانزے بھی نیند کی آغوش میں بے فکر سانس لینے لگی مگر اس کی آنکھوں میں نیند سرخی چھوٹ گئی۔ اس کا ذہن متحرک رہا۔ اس نے کروٹ بدلی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلاس میں جگ اٹھا کر پانی انڈیلا، جگ واپس رکھا، گلاس اٹھا کر پانی پیا۔ خالی گلاس ہاتھ میں پکڑے پھر غیر مرئی نقطے پر نظریں مرکوز کیں۔ مزید کچھ لمحے گزرے۔ جبھی دروازہ کھلنے کی آہٹ پر وہ ہوش میں آئی۔ گلاس واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

مراد منصور نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ نظر اس پر پڑی جواب اٹھ کر دروازے کی جانب آرہی تھی۔

مہ روش اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

مراد منصور الفاظ کے تانے بانے بننے میں محو تھا۔

"سمجھ نہیں آرہی کہ بات کہاں سے شروع کروں۔" محویت الجھن میں بدلی۔

مہ روش نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔

"لیکن آج چپ بھی نہیں رہنا چاہتا۔" الجھن کو سرعت سے سمیٹا۔

گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر نظریں گاڑے تھیں۔

"آج ہر اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے ذہن میں جملے ترتیب دیئے۔

مہ روش نے بھنویں سکیڑیں۔ سماعتیں بے یقین ہوئیں۔

"بہت شرمندگی سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں انا پرست، خود پرست، خود غرض، بے حس، سفاک اور پتھر دل انسان تھا۔ انسان بھی کہاں...... مجھ میں کوٹ کوٹ کر حیرانیت بھری تھی۔ میری رگ رگ میں غصہ، خون کے ہر قطرے میں نفرت تھی۔ ہر ایک کے لیے تھی۔ ضد وانا نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ انتقام کی سوچوں نے میرا جینا مشکل کر دیا تھا۔ بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے میں نے تمہیں چنا...... جھوٹ کا سہارا لیا، امی، ماموں اور سب کی نظروں میں معتبر بننے کا ڈھونگ رچایا۔ سب کے سامنے محبت سے تمہیں اپنایا اور پھر نفرت واذیتوں کے سمندر میں پھینک دیا...... خود کو فاتح سمجھنے لگا۔ وقار سے بدلہ پورا کیا مگر نہیں...... میں فاتح نہیں بلکہ وہ شکست خوردہ جواری تھا جس نے انا کی تسکین کے لیے ضمیر کو داؤ پر لگایا۔ ایک نہیں کئی زندگیاں برباد کیں...... میں وہ کمزور شخص تھا جس نے چال چلنے کے لیے محبت کا سہارا لیا۔ میں وہ بے بس شخص تھا جس نے رشتوں کو ڈھال بنایا۔ میں وہ بے حس شخص تھا جو ایک زندگی تباہ کرنے کے بعد بھی مطمئن نہ ہوا۔ جس نے اپنی بدبختی کا سامان پیدا کرنے کے لیے مزید تین زندگیوں کو بے رحمی سے برباد کیا۔ میں وہ بدنصیب شخص تھا جو اپنی ہی اولاد کی خوشیوں اور مسکراہٹوں کو وحشتوں تلے دباتا رہا۔ میں وہ کھوکھلا شخص تھا جو ضد وانا کی بیساکھیوں کے سہارے اپنے سامنے آئے ہر فرد کو روندتا

چاہتا تھا مگر ایک بدترین ٹھوکر نے میرا غرور خاک میں ملا دیا۔ مجھے عرش سے فرش پر گرایا کہ میں، میں ہی نہ رہا۔ انا کا بت چکنا چور ہوا تو خود سے نظریں ملانے لائق بھی نہ رہا۔ بزدلوں کی طرح آنکھیں جھکائے فرار کی راہ اپنالی۔''

آواز مدھم، نادم لہجہ، یاسیت میں ڈوبا انداز......مراد منصور توقف بھر کو رکا۔ مہ روش نے چپ چاپ اسے سننے پر اکتفا کیا۔

''فرار بیکار، مجھے ضمیر نے گرفتار کرلیا۔'' وہ بولا۔ زبان خشک ہونٹوں پر پھیری۔ اعتراف کے کٹھن مراحل آج اسے جھک کر طے کرنے تھے۔

''مجھے میری بدسلوکیوں و ناانصافیوں کی طویل فہرست تھمائی گئی جبکہ مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں رہی کہ میں اس فہرست پر ایک سرسری نگاہ ڈال سکتا۔ میری آنکھیں شرم سے جھک گئی تھیں۔ میں رتی برابر بھی مزاحمت نہیں کرسکا۔ پہلی ہی پیشی پر اپنا ہر جرم قبول کیا مگر پھر بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ دل پر بوجھ بڑھتا رہا۔ پچھتاوے کی دلدل میں دھنستا رہا......لیکن حقیقتاً میں ایک کمزور، بزدل شخص ثابت ہوا۔ اپنے ہاتھ پاؤں شل کرلیے۔ دل پر بڑھتے بوجھ کو اتارنے کی بجائے بڑھنے دیتارا۔ پچھتاوے کو دماغ پر حاوی ہونے دیتا رہا۔ زبان کو بھی ناکارہ ہونے دیا البتہ سماعتوں نے کمزوری کا فائدہ اٹھایا...... مجھے میرے ہی بڑے بڑے بول اور دعوؤں کی بازگشت سنائی دینے لگی جنہیں سننے کے بعد اپنا گناہ ناقابل تلافی لگتا اور ہر پل احساس ندامت بڑھنے لگا تھا۔''

آج وہ طویل خاموشی کو توڑ کر بول رہا تھا۔

آج اسے تحمل سے سننا ضروری تھا۔

مہ روش کو اپنے تمام زخم تازہ ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ درد بھی جیسے مراد منصور کے ایک ایک لفظ کے ساتھ بڑھنے میں محو تھا۔

''یہاں آنے کے دو ماہ بعد خود کو بمشکل سنبھالا۔ تمہاری سوالیہ نظروں کی چبھن کو ہر وقت محسوس کرنے لگا۔ پھر مجھے عروش کا خیال آیا مگر عروش کا خیال بالکل میری ذات کی طرح کمزور تھا۔ وہ خیال مجھے بھٹکا نہ سکا البتہ یہ احساس ضرور دلا گیا کہ میرے لیے کون کتنا اہم ہے......عروش سے تعلق بھی میری نام نہاد کمزور انا کی ایک کڑی ہی تھا۔ اس کے ہاتھوں اپنی محبت کی تضحیک مجھے مشتعل و ضدی بنا گئی تھی اور جب وہ میرے سامنے، میری محبت کو دوام بخشنے آئی تو میں خود اپنی ذات میں کل سمجھنے لگا......مگر نہ میں خود میں کل تھا نہ وہ میرے لئے خاص رہی تھی......بس ایک ضد تھی جو اس کے اعتراف کے بعد مکمل ہوئی۔ میں نے اسے انکار کردیا۔ کچھ ہی دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس کا میرے پاس آنا محبت نہیں مجبوری تھی۔ ایک ناکام شادی کے بعد وہ دربدر بھٹکنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ایک ایسا سہارا چاہیے تھا جو اسے مضبوط کرتا، اس کے اشاروں کا پابند ہوتا۔ میرے انکار پر وہ روئی نہ احتجاج کیا البتہ بہت جلد اپنے لیے سہارا ڈھونڈ لیا۔ مجھے تو بس احساس دلانے آئی تھی کہ میرے لیے کون اہم ہے۔'' باقی اعتراف اپنی جگہ، تلخی بھرے، اس نے اپنے ادھورے قصے کو مکمل کیا۔

مہ روش نے ناگواری سے سر جھٹکا۔ دل میں اتنا درد جمع تھا کہ سماعتیں بھی لفظ محبت سننے سے انکاری تھیں۔ یہ محبت کا قصہ اس کے

لیے بے معنی تھا۔

مراد منصور سے اس کی ناگواری مخفی نہ رہی۔

''میں امی کو کال کرتا میرے اندر ڈر بیٹھ گیا تھا۔تمہارا نام لینے کا سوچتا تو زبان لرزنے لگی۔ وہاں ادینہ تھی۔ میں خود سے اور ادینہ سے شدید نفرت کرتا۔ واپسی ناممکن تھی۔ میں نے تم سب کو یہاں بلانے کا فیصلہ کیا۔ ایک اطمینان دل کو ہوا کہ اب کبھی ادینہ سے سامنا نہیں ہوگا اور سب کچھ آسانی سے ٹھیک ہو جائے گا مگر میں غلط ثابت ہوا۔ نایاب، اریبہ، شانزے اور تمہارا مجرم تھا۔ مجرم جرم قبول بھی کر لے تو ندامت سر اٹھانے نہیں دیتی۔ مجھے لگا تھا کہ میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گا مگر جب وقت آیا تو ماضی کی تباہ کاریوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا۔ اپنی اولاد پر نظر پڑی تو دل کانپ اٹھا، روح تڑپنے لگی۔ مجھ سے ان کے بے رونق چہرے دیکھے نہیں گئے۔ نایاب کی ویران آنکھیں، اریبہ کی پابند شرارتیں مجھ پر جیسے چیخنے لگیں۔ میرے قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے۔ چیخیں دن بدن بڑھنے لگیں۔ میں ڈر کر پیچھے ہوتا رہا۔ سات سالہ لاتعلقی نے جیسے آگے بڑھنے کا حق بھی چھین لیا تھا۔'' ڈروتاسف کی الجھن مراد منصور کے لہجے میں پنہاں تھی۔

مہ روش کی آنکھیں الگ جلنے لگیں۔ کسک بڑھنے لگی۔

بیٹیوں کا ذکر، ان کی محرومیاں، ان سے جڑی مراد منصور کی تمام ناانصافیاں ہی تو اس کے دل کا سب سے بڑا درد تھیں۔

فی الحال جواباً ایک لفظ تک کہنے کے لیے اس کے پاس نہیں تھا۔

''مجھے لگتا تمہاری نگاہیں میرے تعاقب میں ہوں گی۔ اگر میں ان سے بات کرنے کی، انہیں چھونے کی، کہیں لانے لے جانے کی، کچھ دینے کی کوشش کروں گا تو تم مجھے روک دو گی۔ کہو گی کہ میں انہیں چھونے، انہیں پکارنے کا حق نہیں رکھتا...... مجھے لگتا کہ تم مجھے میری لاتعلقی کو لے کر طنزیہ، تضحیک بھری باتیں کرتی، میری سابقہ اکڑ وانا کا تمسخر اڑاتی...... جو میں برداشت کر لیتا مگر اگر تم بیٹیوں کے ساتھ میرے غیر رویے اور حق تلفی سے متعلق سوالات کرتی تو شاید میں کوئی جواب نہ دے سکتا۔'' وہ اپنی بے چارگی کو بھی زبان دینے لگا۔ اپنے ڈر کو بیان کرنے لگا۔

''سوالات تو میں اب بھی کر سکتی ہوں۔'' مہ روش نے بالآخر چپ توڑی۔

آواز مدھم رکھی، لب ولہجہ بے تاثر تھا۔

''جواب دینے کے لیے میں خاک بھی ہو جاؤں تو بھی تمہارے سوالوں کے جواب مجھے بدنصیب کے پاس نہیں ہوں گے۔'' وہ شرمسار تھا۔

''میں جانتی ہوں آپ کبھی جواب نہیں دے سکتے۔'' آزردگی سے سر ہلایا۔ ''اگر مجھے سوال کرنے ہوتے تو میں پہلے دن کرتی، یا شاید یہاں آتے ہی نہیں...... مجھے سوال جواب سے نہ پہلے کوئی سروکار تھا نہ اب ضروری سمجھتی ہوں۔''

''ماہی......!''

مراد منصور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے دوزانو بیٹھا۔ مہ روش نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں جیسے سرخ انگارے تھے جو الم کی ایک الگ کہانی بیان کر رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں کہ میری چپ نے جہاں فاصلے بہت بڑھا دیئے ہیں وہاں ایک دم فاصلے سمیٹنا ناممکن ہے۔ بہت وقت لگے گا سب کچھ ٹھیک کرنے میں لیکن میرا یقین کرو میں اپنی ہر کوتاہی، ہر بدسلوکی اور تمام ناانصافیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔تمام دکھوں کا مداوا کرنا چاہتا ہوں۔اپنی اولاد کو ان کا ہر حق دینا چاہتا ہوں۔ان کے لیے وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں جو ایک باپ کا فرض ہے۔ان کی آنکھوں میں خواب زندہ کرنا چاہتا ہوں۔انہیں خواہشات کی ڈور اپنے ہاتھوں سے تھمانا چاہتا ہوں۔ان کے چہرے پر مسکراہٹ سجانا چاہتا ہوں۔ان کے دل میں محبت،ان کے اندر اعتماد لانا چاہتا ہوں......اور میں ایسا ہر صورت میں کروں گا...... یہ میرا وعدہ ہے۔'' تمام خفت مٹاتے ہوئے وہ پرشوق لہجے میں بولنے لگا۔

مہ روش نے سب سننے کے بعد دل میں چبھن محسوس کی۔اگلے ہی لمحے بے بسی سے اس کے وعدے و پر عزم لہجے کو نظر انداز کیا۔

''آپ کی وجہ سے میں نے اپنی بیٹیوں کو بددعا دی۔ایک بار نہیں کئی بار!......''اس کا اپنا درد بہت بڑا تھا۔

''ماہی......ہم مل کر اپنی بیٹیوں کے لیے دعا کریں گے۔'' مراد نے اس کے سرد ہاتھ تھامے۔اس کے ہاتھ ساکت رہے البتہ آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔اس کی یقین دہانی کو نظر انداز کرتی اپنی ہی دھن میں بولنے لگی۔

''یہ وہ درد ہے جو ہر سانس کے ساتھ اندر اترتا ہے اور ہر بار پہلے سے بڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔''

''کاش......میں وقت کو پیچھے لے جا سکتا۔''اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

''فقط ایک ''کاش'' کبھی مرہم نہیں بن سکتا۔''اس کے اندر الم کا عالم وحشت ناک تھا۔

''جانتا ہوں، مانتا ہوں۔''اس کی آواز بھاری ہوئی۔

''مجھے اپنی ذات سے اب کوئی غرض نہیں رہی۔''

''ماہی......میں اپنے ہر فعل پر نادم ہوں۔''

''مجھے صرف اپنی بیٹیوں کی خوشی چاہیے۔''

''میں انہیں ہر خوشی دوں گا۔'' ایک بار پھر اسے یقین دلایا۔''میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا ماہی......بس ایک بار کہو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔مجھے تم سے صرف معافی چاہیے۔''

''آپ ادینہ کو معاف کر سکتے ہیں؟''اس نے الٹا سوال کیا۔جس انسان کے جھکنے،شرمندہ ہونے اور معافی مانگنے کی اسے امید

نہیں تھی، وہ معافی مانگ رہا تھا، جھک کر، شرمندہ ہو کر...... مگر معاف کرنے سے پہلے...... کسی کو معاف کروانا بھی ضروری تھا۔

''ہاں۔ معاف بھی کروں گا اور معافی بھی مانگوں گا۔ نہ صرف اس سے بلکہ وقار، ماموں جان اور ممانی جان سے بھی معافی مانگوں گا۔ میں نے سب کو دھوکہ دیا، تکلیف پہنچائی...... سب سے معافی مانگوں گا۔'' اس کا سر اثبات میں ہلا۔

مہ روش نے آہستگی سے ہاتھ چھڑا کر آنکھیں صاف کیں۔

''بس ایک بار تم دل سے کہو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔'' وہ التجائیہ بولا۔

''میں نے آپ کو معاف کیا۔'' معافی کا عدیہ اسے آہستی سنایا۔

مراد منصور تشکر سے مسکرایا۔

''شکریہ ماہی۔'' ہاتھ آگے بڑھا کر گال پر پھسلتے آنسو کو پوروں پر چنا۔ پھر اٹھ کر اس کے برابر بیٹھا۔ ایک آخری وعدہ مکمل اعتماد سے کیا۔

''آج کے بعد ان آنکھوں نے رونا نہیں ہے...... مجھے تم سے صرف معافی چاہیے تھی...... اب میں ہمارے رشتے کی بنیاد نئے سرے سے عزت، محبت اور اعتبار سے مضبوط کروں گا۔ اس گھر کو خوشیوں، مسکراہٹوں اور محبتوں کا ایسا آشیانہ بناؤں گا جس کے درو دیوار رشک کریں گے...... اور جہاں معمولی دکھوں کا داخلہ ممنوع ہوگا۔''

وعدے نے کثافتوں کو مٹانے کا عمل فوراً شروع کیا۔

مہ روش کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ رینگی کہ گھپ اندھیرے کو مات دینے کئی دیے روشن ہو گئے تھے۔

مراد منصور کا دل اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی ایک جھلک سے جیسے مطمئن ہو گیا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ کمرے کی فضا سنجیدگی سے نکل کر آسودگی سے مسکرانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

وہ اس کے سامنے تھا۔

بالکل غیر متوقع طور پر...... بصارتوں کو حیران کرتا...... دل کو یقین و بے یقینی کی کشمکش میں مبتلا کرتا...... کسی انہونی کی طرح...... من چاہے نظر کی دلکش منظر نگاری کی مانند...... خواب کو حقیقت کا روپ دیتا...... اور حقیقت کو خاموشی، پر اشتیاق آنکھوں سے مکمل کرتا...... اس نے پلک جھپکنا ضروری نہ سمجھا۔

''بیٹھنے کو نہیں کہو گی مستبشرہ جمال......'' آنکھوں کی خاموشی برقرار تھی۔ اس نے ہونٹوں کو جنبش دی۔

آواز نے مستبشرہ جمال کی سماعتوں کے ذریعے دل پر جیسے دستک دی۔ دل کا دروازہ وا ہوا۔ وہ فوراً سنبھلی۔ اس کے ہونے کا مکمل

یقین کیا۔

''پلیز بیٹھو......'' کرسی کی طرف اشارہ کیا، آہستگی سے بولی۔ خود بھی بیٹھی۔

دماغ و الجھی سوچوں کی طرح الفاظ بھی تذبذب کا شکار ہونے لگے۔

''کیسی ہو؟'' وہ کرسی پر بیٹھا۔

اس کا دماغ البہ پرسکون تھا۔ دل تو اس کا پہلی جھلک دیکھ کر ہی سرشار ہو گیا تھا۔ محبت بھی تمام جذبات سمیت، الفاظ کو ساتھ لیے آئی تھی۔

''میں......ٹھیک ہوں۔'' وہ بامشکل بول پائی۔

''میرا حال نہیں پوچھو گی؟'' وہ مسکرایا۔

پرشوق نگاہوں میں بھی چمک ابھری۔

''کیسے ہو......علی۔'' جس پر وہ خفت کا شکار ہوئی، گلاسز ٹھیک کرتی جھجک کر پوچھا۔

''ٹھیک ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' بغور اسے دیکھ کر بتایا۔

اس نے غیر محسوس طریقے سے بھوئیں سکیڑیں۔

''دل مرضِ عشق میں مبتلا ہے......طبیب کی تلاش یہاں تک لے آئی ہے۔'' علی آیان حسن گیلانی نے دانستہ لہجے کو سنجیدہ بنایا۔

وہ اس بات کا کیا جواب دیتی، سمجھ کر بھی انجان بننا پڑا۔

''چائے یا کافی......؟'' بدت بدلی۔ سامنے پڑی فائل بند کر کے سائیڈ پر رکھی۔

''نہ چائے نہ کافی......تمہارا تھوڑا سا وقت چاہیے، مل سکتا ہے؟'' سنجیدگی کو نفاست سے اتارتا، استحقاق سے پوچھا۔

مستبشرہ جمال کی حیرتوں نے عروج کو چھوا۔ دل نے حیرتوں کی پرواہ کیے بغیر سر کو اثبات میں ملنے کا حکم دیا۔ سر نے فوراً حکم بجالایا۔

''تھینک یو۔''

''علی! تم اچانک یہاں کیسے؟'' جھجکتے ہوئے پوچھا۔ بات شروع تو کرنی ہی تھی۔

''محبت نے دل کو اکسایا......دل یہاں لے آیا۔'' خوبصورتی سے بتایا۔

مستبشرہ جمال اس جواب کا برجستہ ردعمل ظاہر کرنے سے قاصر رہی۔

''سنا ہے واپسی کا ارادہ کر لیا ہے تم نے؟'' سوال کیا۔

علی کے اس سوال پر اسے اپنی سماعتوں پر شک گزرا۔ گلاسز کے شفاف شیشوں کے اس پار علی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کس نے بتایا؟''پوچھتے ہوئے اسے دقعت کا سامنا کرنا پڑا۔

''معطر اور درعدن نے افریشم کو بتایا ہے۔''

جواب سن کر مستبشرہ جمال نے لب بھینچے۔

''او کہ تو تم سب جان گئے ہو؟''سوچ نے جیسے اپنی ہی نظروں میں شرمندہ کیا۔

''خاموش کیوں ہو مستبشرہ؟''چاہت کو لہجے میں سمو کر پوچھا۔

''میں شرمندہ ہوں۔''جواباً اعتراف کیا گیا۔

اپنی شکست کا روگ منا چکی تھی اب وقت تھا کہ جانے سے قبل اپنی شکست کا زبانی اعتراف کرتی۔

''مت ہو۔''مختصراً منع کیا گیا۔

''میری سفاکی نے تمہیں گہرا دکھ دیا ہے۔''وہ نظریں چرا کر بولی۔

''محبت بذات خود ایک بہت وسیع، بہت گہرے سمندر جیسی ہے۔ دکھ کی آمیزش اس کی وسعت کو سمیٹ سکتی ہے نہ گہرائی کو کم کر سکتی ہے۔''علی کی نظریں اس کے گلے میں پڑے لاکٹ پر ٹکی تھیں۔

''میری وجہ سے تم نے آٹھ سال اذیت جھیلی۔''وہ افسردہ بھی ہوئی۔ یہ سچائی جھٹلانے لائق نہیں تھی۔

''وہ اذیت......تم نے بھی تو جھیلی ہے۔''وہ بولا۔

محبت نے محبت کا احساس کیا۔

''نہیں......احساس جرم نے شاید اذیت کبھی محسوس نہیں کرنے دی۔''

''تم نے صرف میری تکلیف کو محسوس کیا۔ خود اپنا آپ بھول گئی۔ تم ماضی کو بھول کر حال میں جینے اور مستقبل کا سوچنے والی لڑکی تھی۔''وہ اس کی شخصیت کے نمایاں بدلاؤ پر تاسف سے بولا۔ بندھے بالوں، گلاسز اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ بھی وہ اسے بہت خوبصورت لگی تھی مگر آنے سے پہلے تصور میں اسے پہلے جیسا سوچ کر آیا تھا۔

''میرا ماضی، حال اور مستقبل۔''بڑے بول، بڑی ندامت۔

وہ خاموش رہی۔

علی آیان حسن گیلانی نے اس کی خاموشی کو بآسانی پڑھا۔

''ہمیں ماضی کی تلخیوں اور ہجر فراق کے قصے کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔''پڑھنے کے بعد صلاح دی۔

''لیکن اس قصے کو ادھورا نہیں چھوڑا جا سکتا۔''وہ آہستگی سے بولا۔''میں غلط تھی۔ میرا طریقہ غلط تھا۔ میرا رویہ غلط تھا۔ میں

تمہارے جذبات کی صداقت کی معترف ہونے کے باوجود سفاکیت پر قائم رہی۔ اب تک شرمندہ ہوں۔ تم سے معافی......"

اسے تحمل سے سنتا معافی کے لفظ پر فوراً اسے ٹوک گیا۔

"نہیں مستبشرہ......اس کی ضرورت نہیں۔ جہاں محبت ہو وہاں نہ وضاحتیں ضروری ہوتی ہیں نہ معافی مانگنا لازم ہوتا ہے۔ محبت خطاؤں کو فراموش کرنے کا نام ہے۔ محبت وفا کا نام ہے...... مجھے نہ صفائی چاہیے نہ میں تمہاری آنکھوں کو جھکا دیکھ سکتا ہوں......میرے لیے تم وہی مستبشرہ ہو جسے میں نے دل سے چاہا تھا۔ جو میرے دل میں پورے استحقاق سے بسی تھی۔ جس کا ہونا میرے لیے زندگی تھا۔ جو میرے لیے خاص تھی۔" صدق دل سے جذبات کو اعتراف کے مضبوط دھاگے میں پروتے ہوئے علی آیان حسن گیانی نے اسے محبت سے دیکھا۔

"علی......" جبکہ وہ محوِ حیرت رہ گئی۔

نہ کوئی گلہ، نہ کوئی شکوہ......وہی محبت، وہی انداز......!

علی آیان حسن گیلانی نے حقیقتاً مستبشرہ جمال کو لاجواب کر دیا تھا۔

"دن سیاہ، راتیں تاریک سے تاریک ہوئیں مگر دل بضد رہا۔ رویا بھی، تڑپا بھی، فریاد بھی کرتا مگر محبت کے خلاف آواز نہ اٹھا سکا۔ مستبشرہ! سات سال تک دل کے آئینے میں تمہارا عکس بہت واضح تھا۔ میں روز تمہیں دیکھتا۔ تمہیں جیتا......ایک سال دانستہ تمہیں بھلانے کی کوشش کی، تمہارا عکس دھندلا کرنا چاہا مگر تمہارا عکس کبھی دھندلا نہیں ہوا۔ ہاں کچھ عرصے تک میں نے وہ آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا مگر کل جب محبت کا بخت بلند ہوا تو دل نے شفاف آئینہ خود بخود سامنے کیا۔ آئینے میں تم تھی......میرے دل میں تم ہو۔ یہ میری حقیقت ہے۔ یہ میری محبت کا وہ خوبصورت احساس ہے جو ہمیں آٹھ سال بعد ایک دوسرے کے سامنے لایا ہے۔ ایک دوسرے کے لیے، محبت کے لیے سامنے لایا ہے۔"

اقرارِ محبت ایک بار پھر اس کی زبان پر تھا۔

مستبشرہ جمال اسے سننے لگی۔

محویت یوں برقرار تھی جیسے معمولی سے جنبش سے یہ منظر دھواں ہو جائے گا۔

"یہ پل خوبصورت ہے۔ میں اسے اپنے یا تمہارے ماضی کی نذر کر کے گنوانا نہیں چاہتا۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنا آج ضروری نہیں ہے۔ زخم کریدنا ضروری نہیں ہے۔ ضروری ہے تو بس تمہاری محبت...... ہمارا ساتھ۔" اس کے دل میں ذرے برابر بھی میل نہیں تھی۔ آنے سے پہلے خالص محبت کو ساتھ لایا تھا۔

اس کے لہجے میں محبت بول رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں محبت چمک رہی تھی۔

وہ ازل سے محبت نگر کا مسافر تھا، محبت نگر کا مسافر ساری اذیتیں، ساری تھکن بھول چکا تھا۔ یہ محبت نگر کے مسافر کی محبت کا خاصا تھا۔
مستبشرہ جمال محبت نگر کے مسافر کے سامنے احتراماً خاموشی سے سر جھکا گئی۔
"میں تمہیں روکنے آیا ہوں مستبشرہ۔" وہ مدھم و مدھر آواز میں گویا اسے زندگی کی نوید سنانے لگا۔
آفس کی فضا میں خوشگواریت پھیلی۔
مستبشرہ جمال کی سوالیہ آنکھوں نے اسے دیکھا جواباً مسکراہٹ اس کے شاداب چہرے پر یقین دلانے موجود تھی۔
"میری محبت کے لیے، میرے لیے رکو گی؟" دائیاں ہاتھ آگے بڑھا کر استحقاق سے پوچھا۔
مستبشرہ جمال نے سر کو اثبات میں سر ہلایا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔ محبت اس پر رشک کرتی اس کا ہاتھ علی آیان حسن گیلانی کے ہاتھ میں رکھنے لگی۔ علی آیان بھی دلکشی سے مسکرایا۔
"تھینک یو مستبشرہ۔"
"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے۔" اس کا اعتماد بحال ہوا تو فوراً بولی۔
"ضرور......مگر ابھی نہیں۔"
"ابھی کیوں نہیں؟"
"بس فی الحال میں ان خوبصورت لمحوں کو تمہارا شکریہ اور معذرت میں لٹکانے کے بجائے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔
"سوری، تھینک یو جیسے الفاظ کے لیے تو عمر پڑی ہے۔"
"مطلب عمر بھر مجھے سوری اور تھینک یو کرنا پڑے گا۔"
"عمر بھر تو نہیں مگر جب کبھی مجھے تمہارے ستم اور تمہیں میری یہ عنایت یاد آئی......تب تب۔" وہ شوخ ہوا۔
وہ مسکرائی۔
"اور ہاں......ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔"
"کون سی بات؟"
"پچھلی بار تم سے شادی کی بات کی تھی تو تھپڑ پڑا تھا۔ اس بار تھپڑ نہیں کھانا چاہتا تھا اس لیے تم سے بات کرنے سے پہلے مما، ڈیڈ اور افریشم کو تمہارے گھر ڈراپ کر کے آیا ہوں۔ تمہارے اماں، بابا جان سے بھی مل کر آیا ہوں......اور اب تک تو یقیناً وہ لوگ تمام معاملات طے کر چکے ہوں گے۔" تفصیلاً اسے آگاہ کیا۔
مستبشرہ نے بھوئیں سکیڑ کر خوشگواریت حیرت و خوشی کو سنجیدگی کی چادر اوڑھائی۔
"تھپڑ کے لیے......سوری۔" ساتھ ہی اپنے ستم پر معذرت کی۔

''اٹس او کے مائی لو۔'' وہ مسکرایا، چاہت سے مخمور آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔
محبت ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ محبت ان دونوں کے ملن پر مسکرانے لگی۔ ہجر کی اذیت تمام ہوئی۔ تشنگی، اذیت، کرب و ملال غیر محسوس طریقے سے رخصت ہو گئے۔ چاہت بہاروں کو خوش آمدید کہنے لگی۔ ایک دوسرے کے دل میں بسے دونوں مکین خوش تھے۔ یقیناً اب زندگی مکمل خوبصورت ہو گی۔

☆......☆......☆

''ماہی......''
وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی جب مراد منصور اس کے قریب آیا۔ پر اشتیاق نظروں سے بغور اسے دیکھا پھر اسے پکارا۔
''جی۔''
''بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' آواز کے ساتھ لہجے میں بھی ستائش تھی۔
''تھینک یو۔'' وہ مسکرائی کہ پچھلے چھ ماہ سے وہ مراد منصور کے اس لہجے اور ایسے بیشمار جملوں کی عادی ہو گئی تھی۔
مراد منصور ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگائے اسے یک ٹک دیکھنے لگا۔
''مراد......'' وہ کنفیوز ہوئی۔
''سوری!'' وہ جیسے ہوش میں آیا۔ بات جاری رکھی۔
''اچھا لگتا ہے کہ اب تم اپنا خیال رکھتی ہو۔ پہلے جیسی ہوتی جا رہی ہو۔'' نگاہیں مہ روش کے خوبصورت مسکراتے چہرے پر ہی ٹکی تھیں۔
یہ سچ تھا کہ گزرے چھ ماہ میں اس نے اپنا خیال رکھا تھا۔ خود پر دھیان دیا تھا۔ خود کو ٹائم دینے لگی تھی۔ مراد کی خواہش پر اور کچھ دل بھی پرسکون ہو گیا تھا۔ زندگی بھی تو آزمائشوں اور سختیوں کے بعد سہل ہو گئی تھی۔
''آئی لو یو ماہی۔'' وہ خود پر آخری نظر ڈالتی آئینے کے سامنے سے ہٹنے لگی تو مراد منصور نے آگے بڑھ کر اسے آہستگی سے روکا، اس کا ہاتھ تھاما۔
''مراد میں......'' جواباً مسکراہٹ سمیٹتی وہ جھجک کا شکار ہوئی۔
''ماہی...... مجھے جواباً تمہارا اعتراف آج بھی نہیں چاہیے۔ میں تمہیں کبھی فورس بھی نہیں کروں گا۔ بس تم خوش رہا کرو۔ تمہاری خوشی اور مسکراہٹ میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ جسے میں کسی بھی قیمت پر کم یا ختم ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔'' مراد نے دھیمی آواز میں اسے یقین دلانے کی ہر ممکن سعی کی۔
''میں خوش ہوں مراد۔''
''تمہاری خوشی میں ہی میرا سکون ہے ماہی...... آج ایک اور اعتراف کرتا ہوں کس کا تاحیات معترف بھی رہوں گا۔ تم میرا دل

اور بیٹیاں دھڑکنیں ہیں۔جن کے ہونے سے میں ہوں۔تمہارے ہونے سے میری حیات ہے۔''

مراد کا اعتراف مہ روش کی مسکراہٹ بحال کرنے لگا۔

''اب چلیں۔''

''ہاں......شانزے کو تو امی نے سلا دیا ہے۔نایاب اور اریبہ ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔''مراد منصور اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بتانے لگا۔

وہ دونوں لاؤنج میں آئے تو وہ دونوں بھی ان کے ساتھ ہو لیں۔

''نایاب......میرے ساتھ جاؤ گی؟''گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مہ روش نے نایاب سے پوچھا۔اریبہ کا اسے معلوم تھا۔وہ مراد کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے پاس یا ساتھ کم ہی آتی جاتی۔

''نہیں......میں پاپا کے ساتھ جاؤں گی۔''اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں؟''

''اس لیے کہ کل ادینہ اور ارحم آئیں گے اور نایاب پاپا کے ساتھ جا کر ارحم کے لیے گفٹس لے گی۔''جواب مراد نے دیا۔گاڑی مین روڈ پر رواں، منزل کی جانب گامزن تھی۔نایاب نے مسکراتے ہوئے مہ روش کو دیکھا۔

''واؤ......''مہ روش مسکرائی۔

''پاپا......میں بھی اپنے لیے گفٹس لوں گی۔''جبھی اریبہ نے حکمیہ فرمائش کی۔مراد نے اس کے انداز پر قہقہہ بلند کیا۔

''اپنے لیے گفٹس کس لیے لو گی؟''مہ روش نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میری برتھ ڈے ہے۔''معصومیت سے بتایا۔

''لیکن وہ تو اگلے مہینے ہے۔''وہ ہنسی۔

''تو کیا ہوا......اریبہ جب چاہے گی پاپا اسے گفٹس دیں گے۔نایاب اور شانزے کے لیے بھی لیں گے۔''مراد کی بات پر اریبہ اور نایاب کھلکھلائیں۔

مہ روش بھی مسکراتے ہوئے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔کچھ منٹوں بعد گاڑی پارکنگ ایریا میں رکی۔مہ روش انہیں اللہ حافظ کہتے گاڑی سے اتری اور ان کے جانے کے بعد قدم آگے بڑھائے۔توقف بعد وہ اپنی تینوں دوستوں کے پاس تھی۔تینوں سے ملنے کے بعد اس نے اپنی نشست سنبھالی۔مبشرہ نے لنچ آرڈر کیا۔فون پر رابطوں کے علاوہ بھی چاروں ہفتے میں ایک دن ضرور ملاقات کرتیں۔آج بھی ہلکی پھلکی باتوں سے گفتگو کا آغاز ہوا۔کچھ دیر بعد ویٹر نے کھانا سرو کیا۔کھانا چاروں نے خاموشی سے کھایا۔

''ماہی......''کھانے سے فراغت کے بعد معطر فاطمہ نے اسے دیکھا۔

''ہوں......''

''اب دل کیا کہتا ہے؟''

''درد دینے والا جب درد کی دوا بننے لگے تو وقت سب سے بڑا مرہم ثابت ہوا ہے۔لیکن بعض زخم بھرنے کے بعد بھی داغ چھوڑ جاتے ہیں۔میری روح پر لگے کچھ زخم ایسے ہی تھے جو بھرنے کے بعد نشان چھوڑ گئے ہیں لیکن اب جب اپنی بیٹیوں کی چمکتی آنکھیں، پر رونق چہرے اور مسکراہٹ دیکھتی ہوں تو ان نشانوں کو طمانت کی چادر تلے چھپا دیتی ہوں......اب پیچھے پلٹ کر دیکھنا اچھا نہیں لگتا...... زندگی پرسکون ہوگئی ہے۔''

مستبشرہ نے خاموش مگر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

معطر فاطمہ بھی اس کے لیے مطمئن تھی۔

دردعن نے البتہ شوخ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور محبت......؟''

''دیکھو کب مکمل زندہ ہوتی ہے۔'' مختصراً بولی۔

جلدی ہوگی ان شاءاللہ۔'' مستبشرہ پر وثوق تھی۔

مہ روش نے اس کے دمکتے چہرے کو بغور دیکھا، جہاں مسکراہٹ کا قیام تھا۔ جہاں گلاسز اترنے کے بعد آنکھوں میں لینس آنکھوں کو پہلے جیسا خوبصورت بنا رہے تھے اور کسی بھی قسم سے آزاد ہوا کے دوش پر لہراتے بالوں کی چھیڑ خانی سے محظوظ ہوتی پلکیں ہر راز کو بے نقاب کر رہی تھیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو ماہی؟''

''دیکھ نہیں رہی...... پڑھ رہی ہوں......محبت کی وہ داستان جس نے تمہیں تم سے ملوایا۔'' مہ روش اس کے لیے خوش تھی۔

مستبشرہ جمال کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''ہاں......اب زندگی خوبصورت ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اب دل نے دھڑکنا شروع کیا ہے۔'' محبت کی آمیزش نے لہجہ خاص بنایا۔مزید بولی۔

''اب زندگی مکمل ہے۔''

مہ روش نے سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔ پھر باری باری معطر فاطمہ اور دردعن کی طرف دیکھا۔تشکر بھرے لہجے میں بولی۔

''ہاں......اور یہ صرف تم دونوں کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔''

''بالکل...... محض ایک ملاقات نے زندگی بدل دی تھی۔''مستبشرہ نے کہا۔

''ہم دونوں نے تو صرف دوستی کا حق ادا کیا تھا۔''معطر فاطمہ بولی۔

''میں اس حق کو احسان سمجھتی ہوں۔''مہ روش نے اسے دیکھا۔

''نہیں...... دوست تو ہمدرد ہوتے ہیں۔ جو کرتے ہیں دل سے ایک دوسرے کے لیے کرتے ہیں۔ احسان کا لفظ دوستی سے مٹھاس و جذبات کو نگل لیتا ہے۔ ہم نے جو کیا وہ احسان قطعاً نہیں تھا۔ وہ صرف احساس تھا۔ پیار تھا۔ جس کے خوبصورت رنگ تم دونوں کے چہروں پر بکھرے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہمیں ہماری دوستی خاص لگتی ہے۔''درعدن نے تصحیح کی۔ پھر سچے دل سے اپنے جذبات کو بیان کیا۔

''ہاں...... ہماری دوستی واقعی خاص ہے۔''مستبشرہ نے تائید کی۔ جبھی اس کے موبائل کی میسج ٹون نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''ایکسکیوزمی۔'' کہتے ہوئے موبائل چیک کیا۔ توقف بعد میسج پڑھنے کے بعد ان تینوں کو مخاطب کیا۔

''علی لینے آرہا ہے۔''

''اتنی جلدی۔''ماہی نے حیرت سے استفسار کیا۔

''ہاں۔ دراصل اگلے ہفتے افریشم اور فرجاد کی شادی ہے۔ افریشم کے ساتھ مارکیٹ جانا ہے اور پھر کل صبح ملتان بھی جانا ہے۔ اماں اور بابا جان نے بلایا ہے۔ سکول کے بھی ایک دو کام نپٹانے ہیں۔''اس نے تفصیلی جواب دیا۔

''اوہ......''ماہی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن جلدی ملیں گے۔''درعدن نے البتہ تنبیہہ کی۔

''ملتان سے واپسی پر کوئی پروگرام رکھتے ہیں ورنہ افریشم کی شادی میں تو ملنا ہی ہے۔''مستبشرہ بولی۔

''بالکل۔''معطر فاطمہ مسکرائی۔

علی آیان حسن گیلانی کے آنے میں ابھی وقت تھا۔ گفتگو جاری تھی۔ چاروں کے دل میں محبت، اپنائیت، انسیت، خلوص، طمانت وآسودگی سے لبریز تھے۔

ماحول میں خوشگواریت بھی ہر بار کی طرح بھرپور تھی۔ چاروں کے چہروں پر کھلتی مسکراہٹ اس ملاقات کو بھی یادگار بنانے میں محو ہوگئی تھی۔

ختم شد